سِلسِلہ تَصنِیفاتِ احمدّیہ

جلد اوّل

ہر چہار حصص

براہینِ احمدّیہ

ہر چہار حصص

براہینِ احمدیہ

تصنیفِ مُنیف

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی

مجددِ وقت، مسیح موعود و مہدی معہود

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور

- طبع اوّل (قادیان) سنہ ۱۸۸۴ء
- طبع دوم "
- طبع سوم "
- طبع چہارم (لاہور) سنہ ۱۹۱۶ء
- طبع پنجم (لاہور) آفسٹ ایڈیشن سن ۱۹۷۰ء

- ناشر:۔۔۔ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام۔ لاہور
- طابع:۔۔۔ نوائے وقت پرنٹرز لمیٹڈ۔ لاہور
- کاتب:۔۔۔ محمد اسلم جدید رقم۔ راولپنڈی

web site: www.aaiil.org

ٹائیٹل طبع اوّل

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا

بفضلِ عظیم حضرت ہادیِ عالم و عالمیان و رحمتِ عمیم رہنمائے گمگشتگان کتابِ لاجواب موسوم بہ

براہینِ احمدیہ

ملقّب بہ

البراہین الاحمدیہ علی حقیّت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ

جسکو فخرِ اہلِ اسلام پنجاب جناب میرزا غلام احمد صاحب رئیسِ اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب دام اقبالہٗ
کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کرکے منکرین اسلام پر حجتِ اسلام پوری کرنیکے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شایع کیا

امرتسر پنجاب

سفیر ہند پریس میں در سنہ ۱۸۸۰ء طبع ہوئی

امید علی دلہو پرنٹر

عرضِ ناشر

مؤلف براہین احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام ۱۴؍شوال ۱۲۵۰ھ؍۱۳؍فروری ۱۸۳۵ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تحریری زندگی کا آغاز حدود ۱۲۸۹ھ؍۱۸۷۲ء سے ہوتا ہے جب آپ نے برصغیر پاک و ہند کے اخباروں اور رسالوں میں اسلام کی تائید میں مضامین لکھنا شروع کیے۔ آپ کے نام سے پہلا مضمون بنگلور (بھارت) کے دس روزہ اخبار منشور محمدی مورخہ ۲۵؍ذوالقعدہ ۱۲۹۴ھ؍۲۵؍اگست ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں آپ نے مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع کیا اور احمدیہ بلڈنگس لاہور میں اپنی وفات ۲۴؍ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ؍۲۶؍مئی ۱۹۰۸ء تک کم و بیش اسّی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے اکثر اردو میں، بیس عربی میں اور چند ایک فارسی زبان میں ہیں۔ ان کے علاوہ اشتہارات ہیں جن کا مجموعہ دس جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ کچھ مجموعے خطوط کے طبع ہو چکے ہیں، جو مختلف احباب کو لکھے گئے۔ سلسلۂ ملفوظات کے سات حصے شائع ہو چکے ہیں بقیہ زیرِ ترتیب ہیں۔

حضرت مرزا صاحب کی سب سے پہلی باقاعدہ تصنیف زیرِ نظر کتاب براہین احمدیہ ہے۔ اس کتاب پر کام کا آغاز ۱۸۶۸ء کے اواخر میں ہوا۔ اور اس کا مکمل مسودہ اپریل ۱۸۷۹ء تک تیار ہو چکا تھا، جس میں بعد ازاں وقتاً فوقتاً حواشی کا اضافہ ہوتا رہا۔ اس کتاب کے اشتہارات ۱۸۷۸ء کے آخر میں شائع ہونا شروع ہو گئے تھے۔ اس کی پہلی اور دوسری جلد ۱۸۸۰ء میں چھپ کر نکلی، تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں، چوتھی جلد ۱۸۸۴ء میں اور پانچویں جلد آپ کی وفات کے بعد ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ اسے آپ نے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر لیا تھا، چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

بحمد اللہ کہ آخر ایں کتابم   مکمل شد بفضلِ آں جنابم

جب براہین احمدیہ لکھی گئی مسلمانوں کی حالت حد درجہ نازک تھی۔ وہ اندرونی مایوسی اور بیرونی حملوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ روشن خیال مسلمان اسلام کے بارے میں اعتذار کی پسپائی میں مبتلا اور اعتقاد کی اِس پستی پر اتر آئے تھے کہ اسلامی تعلیمات زمانۂ جاہلیت کے مناسبِ حال تھیں اس لیے موجودہ روشنی کے زمانے کے مطابق ان پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان علماء کی یہ حالت تھی کہ آپس میں طہارت کے مسائل، رفع یدین، آمین بالجہر اور کوّے کی حلت و حرمت کے مسئلوں اور تکفیر بازی میں الجھے ہوئے تھے۔ ان کی قرآنی تشریحات دنیاداری سے ملوث تھیں، جس نے دلوں کو روحانیت کی چاشنی سے یکسر خالی کر رکھا تھا۔ یہ قال کے بندے حال سے تہی دامن تھے۔ مسیحیت بڑی تیزی سے مسلمانوں کو زک پر زک دے رہی تھی۔ نومسلموں کا تو کیا ذکر خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کہلانے والے سادات ہزاروں کی تعداد میں بپتسمہ لے چکے تھے۔ بھرے مجمعوں میں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ پاک پر دلوں کو چھلنی کر دینے والی تہمتیں نوکِ زبان تھیں۔ ہندوؤں کی مردہ قوم میں بھی یہ جرأت پیدا ہو گئی تھی کہ اسلام و قرآن کو اعتراضوں کا نشانہ بنائے۔ ان میں سے آریوں کے فرقے نے مسلمانوں کے خلاف جو لٹریچر پیدا کیا اس نے مسلمانوں کو لرزہ براندام کر دیا تھا۔ نو تعلیم یافتہ برہمو سماج نے مذہب کی بنیاد یعنی وحی اور الہام پر تبر رکھ دیا تھا۔ ایسے پُرآشوب وقت میں اسلام کا یہ بطلِ جلیل میدانِ جہاد میں کود پڑا اور اس نے مذاہبِ عالم سے ایک فیصلہ کُن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور چاہا کہ اس دعوے کو پُرزور

دلائل سے ثابت کرے کہ اسلام ایک زندہ مذہب، قرآن مجید ایک زندہ کتاب اور نبیوں کے سوار پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک زندہ رسول ہیں چنانچہ ۱۸۷۸ء کے اواخر میں آپ نے محض مخلوق کی خیر خواہی کے جذبے سے قلم ہاتھ میں لیا اور حقیقت اسلام اور فضائل قرآن اور عظمت خیرالانام کو ظاہری اور باطنی دلائل سے ثابت کرنے کے لیے ایک مبسوط کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہی براہینِ احمدیہ کی تالیف کی ابتدائی تحریک تھی۔

۱۸۸۰ء میں براہینِ احمدیہ کی پہلی جلد شائع ہوئی۔ یہہ پہلا حملہ ہی ایسا زبردست اور کامیاب تھا کہ ایک طرف مُسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور دوسری طرف دشمن کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس جلد میں آپ نے قرآن مجید کے فضائل اور نبوتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ثابت کرنے کے لیے جو زبردست دلائل تحریر کیے تھے انھیں پیش کر کے مخالفوں کو للکارا کہ اگر وہ اپنے مذہب کی تائید میں انکا پانچواں حصّہ دلائل بھی دے سکیں یا اگر اس سے عاجز ہوں تو ان پیش کردہ دلائل ہی کو توڑ سکیں تو آپ بلا تأمل اپنی ساری جائیداد ان کے حوالے کردیں گے۔ اس اعلان سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے کتنے پُرشوکت دلائل کا انبار لگا دیا تھا۔ دنیا میں یہہ تحدّی سے بھرا ہوا اشتہار اُردو اور انگریزی میں مشرق سے مغرب تک ہزار ہا کی تعداد میں شائع کیا گیا۔ اتنے بڑے انعام اور غیرت دلانے والے الفاظ کے باوجود کسی شخص کو آج تک مقابلے کی جرأت نہیں ہوئی۔

چہ ہیبت ہا بداوند این جوان را ❊ کہ ناید کس بمیدانِ محمدؐ

جب یہہ شاہکار شائع ہوا جسے خدا تعالےٰ کی طرف سے مؤلف نے ملہم و مامور ہوکر بغرض اصلاح و تجدید دین تالیف کیا تھا تو اسے بڑی قبولیت حاصل ہوئی۔ اسے شائع کرنے، پھیلانے اور چھپوانے کے لیے اسلام کے کئی عمائد، اکابر، بزرگ، امیر اور عام لوگ متوجہ ہوگئے۔ مُسلمانوں نے اسے اسلام کی عظیم فتوحات میں سے قرار دیا اور ملک کے ایک گوشے سے دُوسرے گوشے تک شور پڑ گیا کہ یہہ کتاب آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی یہہ فعلی شہادت دراصل اس اشارۂ الٰہی کی تکمیل تھی جو اس کتاب کے متعلق خود مصنف کتاب کو ۱۸۶۴ء میں ہوا تھا۔ آپ لکھتے ہیں :

"اِس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اِس زمانہ کے قریب قریب کہ یہہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حِصّے میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس وقت اِس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی جو خود اِس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تونے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اسکا نام مَیں نے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہار کے تالیف ہونے پر یہہ کھلی کہ یہہ ایسی کتاب ہے جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔

اب وہ باتیں جن پر خواب دلالت کرتی ہے کِسی قدر پوری ہوگئی ہیں اور جس قطبیت کے اسم سے اس وقت کی خواب میں کتاب کو موسوم کیا گیا تھا اسی قطبیت کو اب مخالفوں کے مقابلہ پر بوعدۂ انعام کثیر پیش کر کے حجت اسلام ان پر پوری کی گئی ہے۔"

(براہین احمدیہ ۲۴۸۰۲ بعد)

براہینِ احمدیہ کی طبع و اشاعت میں مالی مشکلات بھی تھیں اور اس کام کے لیے آپ کے ہاتھ میں کوئی روپیہ نہ تھا پھر بھی آپ اِس کتاب کی طبع و اشاعت کا پختہ ارادہ کر چکے تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی جاچکی تھی کہ یہہ کتاب شائع ہوکر رہےگی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔

"جب مَیں نے اپنی کتاب براہینِ احمدیہ تصنیف کی جو میری پہلی تصنیف ہے تو مجھے یہہ مشکل پیش آئی کہ اِس کے چھپوانے کیلئے کچھ روپیہ نہ تھا اور مَیں ایک گمنام آدمی تھا۔ مجھے کسی سے تعارف نہ تھا۔ تب مَیں نے خدا تعالےٰ کی جناب میں دعا کی تو یہہ

الہام ہوا۔ هُزِّ اِلَیْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَیْكَ رُطَبًا جَنِیًّا (دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶) ترجمہ: کھجور کے تنہ کو ہلا تیرے پر تازہ بتازہ کھجوریں گریں گی۔ چنانچہ میں نے اِس حکم پر عمل کرنے کے لیے سب سے اوّل خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر ریاست پٹیالہ کی طرف خط لکھا پس خدا نے جیسا کہ اس نے وعدہ کیا تھا اُن کو میری طرف مائل کر دیا اور انہوں نے بلا توقف اڑھائی سو روپیہ بھیج دیا اور پھر دُوسری دفعہ اڑھائی سو روپیہ دیا اور چند اور آدمیوں نے مدد کی اور اس طرح پر وہ کتاب باوجود نا اُمیدی کے چھپ گئی اور وہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۰)

حضرت خلیفہ سید محمد حسن صاحب کے علاوہ بعض دُوسرے اہلِ دل لوگوں نے بھی اس طرف توجہ کی: چنانچہ مرزا علاؤ الدین خانصاحب رئیس لوہارو، نواب شاہجہان بیگم بھوپال، نواب سر وقار الامراء اقبال الدولہ حیدر آباد (دکن)، نواب صاحب مالیر کوٹلہ، شیخ محمد بہاؤ الدین صاحب مدار المہام ریاست جونا گڈھ، مولوی چراغ علی صاحب نائب معتمد مدار المہام (حیدر آباد دکن)، نواب غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور، محمد عبد اللہ صاحب بہاری رئیس کلکتہ اور بعض اور دوستوں کے نام براہین کے شروع میں درج ہیں۔ حضرت اقدس نے جو بعض لوگوں کو خطوط لکھے اور اعانت کی طرف توجہ دلائی تو اِس کی وجہ آپ خود بیان فرماتے ہیں:۔

"ان لوگوں کو جو مَیں نے تحریک کی تھی تو خدا تعالےٰ کے مخفی اشارہ کے ماتحت اور ان پر رحم کر کے کی تھی کہ یہ لوگ دین سے غافل ہوتے ہیں۔ براہین کی اشاعت میں اعانت ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے اور خدا تعالےٰ انھیں کسی اور نیکی کی توفیق دے ورنہ مَیں نے ان لوگوں کو کبھی امید گاہ نہیں بنایا۔"

(مجدد اعظم ۱: ۱۰۴)

براھین کی تیاری میں آپ کا طریق یہ تھا کہ مسودہ اپنے ہاتھ سے لکھتے پھر اسے مبیضہ کے لیے میاں شمس الدین صاحب کو جو آپ کے استادزادہ تھے اور جن کا سوادِ خط بہت پاکیزہ تھا، دے دیتے۔ وہ مبیضہ کاتب کو دیا جاتا۔ کاتب منشی امام الدین صاحب تھے۔ براہین کی طبع اوّل کے پہلے تینوں حصے انھیں کے لکھے ہوئے ہیں، مگر چوتھی جلد کے کچھ حصے کی کتابت شیخ محمد حسین صاحب مراد آبادی کے حصے میں آئی۔ امرتسر میں پادری رجب علی صاحب کا مطبع سفیر ہند اس زمانے میں طباعت کے لحاظ سے بہت شہرت رکھتا تھا۔ ہرچند کہ اس کے نرخ بہت زیادہ تھے پھر بھی حضرتِ اقدس نے براہین احمدیہ کی طباعت کے لیے اسے ہی منتخب کیا۔ مالک مطبع نے بھی اس کتاب کی طباعت میں بڑا اہتمام کیا۔ مراد آباد سے شیخ نور احمد صاحب کو جن کی فن طباعت میں مہارت مسلّمہ تھی، خاص طور پر بلوایا گیا تاکہ وہ خاص اپنی نگرانی میں براہین کو چھپوائیں، چنانچہ کتاب کا حصہ اول اس مطبع میں چھپا۔ اب شیخ نور احمد صاحب امرتسر میں اپنا مطبع ریاض ہند قائم کر چکے تھے۔ پادری رجب علی صاحب نے براہین کا دُوسرا اور تیسرا حصہ مطبع ریاض ہند میں چھپوایا مگر کتاب پر نام مطبع سفیر ہند ہی کا درج کیا۔ حضرت کی نظر طباعت کی باریکیوں پر بہت گہری تھی لیکن کیونکہ طباعت ہموار جاری تھی اس لیے آپ نے کچھ خیال نہ کیا۔ بعد میں جب خارجی ذرائع سے معلوم ہوا کہ پادری صاحب کتاب چھپواتے تو مطبع ریاض ہند میں ہیں اور نام مطبع سفیر ہند کا ہوتا ہے تو آپ نے براہین کا چوتھا حصہ براہ راست مطبع ریاض ہند ہی میں چھپوایا۔ آپ کو کتاب کی کتابت، طباعت اور صحت کا بہت خیال تھا۔ اِسی وجہ سے پہلے مبیضہ تیار کرواتے، پھر بہترین کاتب سے اپنے سامنے لکھواتے، خود پروف پڑھتے، اکثر خود ہی امرتسر انھیں لے جاتے، حالانکہ اس وقت قادیان سے بٹالہ تک ریل نہ تھی اور یہ گیارہ میل کا سفر اکثر پیدل طے کرتے۔ بعض دفعہ طباعت کی نگرانی کے لیے امرتسر میں کئی کئی دن قیام کرنا پڑتا جہاں عموماً حکیم محمد شریف صاحب کلانوری کے ہاں قیام فرماتے۔ جب کتاب تیار ہو گئی تو اسے بھجوانے کے لیے خود ہی فہرستیں تیار کیں۔ اس زمانہ میں ڈائرکٹریاں میسّر نہ تھیں، اس لیے یہ کام خاصا مشکل تھا۔ پھر خود ہی خطوط لکھے۔

ایک رجسٹر خریداروں کا مرتب کیا۔ کتابیں بھجوانے کے لیے آپ خود اپنے ہاتھ سے پیکٹ تیار کرتے۔ اپنے ہاتھ سے مرسل الیہ کا پتہ تحریر فرماتے اور بنظرِ احتیاط ان کاموں کو کسی دُوسرے کے سپرد نہیں کرتے تھے۔ یہہ سب تکلیف آپ نے کیوں برداشت کی۔ اس کی وجہ یہہ تھی کہ براہین کی تالیف واشاعت کوئی تجارت کا معاملہ نہ تھا بلکہ اس جہت سے یہہ سرتاسر خسارے کا سودا تھا اور مؤلف کو بجز تائید دین اور عظمت سیّد المرسلین کسی کے مال سے کچھ غرض نہ تھی (براہین ۲، ص۹) اسی وجہ سے آپ یہہ بھی نہ چاہتے تھے کہ کتاب کے خریداروں میں بھی کوئی شخص ایسا شامل ہو جس کی محض خرید فروخت پر نظر ہو۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ جو لوگ دینی محبت سے مدد کرنا چاہتے ہیں انھیں کی خریداری مبارک اور بہتر ہے (حضرتِ اقدس کا خط بنام میر عباس علی صاحب لدھیانوی مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۸۸۲ء) اسی بناء پر جب کوئی نادار شخص، جو محبت دینی اپنے سینے میں رکھتا ہو کتاب طلب کرتا تو اسے یہہ کتاب مفت مہیا کر دی جاتی۔ اس طرح بہت سی کتابیں طالبانِ حق کو مفت تقسیم کی گیئں۔ اس سلسلے میں آپ میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی ہندو فی الحقیقت طالب حق ہے تو اس سے رعایت کرنا واجب ہے۔ بلکہ اگر ایسا شخص بے استطاعت ہو تو اسے مفت بلاقیمت کتاب دے سکتے ہیں۔ غرض اصلی اشاعت دین ہے نہ خرید و فروخت۔

جب کتاب شائع ہوئی تو اس پر ملک کے متعدد صاحب قلم لوگوں نے تبصرے تحریر کیے۔ مخالف لکھنے والوں میں پنڈت لیکھرام پشاوری کا نام پیش پیش ہے۔ یہہ وہی شخص ہے جس کی شوخ چشمی اور بدزبانی آخر اسلام کی صداقت اور ہندو مذہب کے بطلان پر ایک دائمی نشان کی صورت میں رُونما ہوئی۔ یہہ شخص ۱۸۹۳ء میں صوابی ضلع پشاور کے محکمہ پولیس میں ملازم تھا بعد میں اپنی بدزبانیوں کا شکار ہو گیا۔ اس نے تکذیب براہین احمدیہ کے نام سے ایک رسالہ لکھا، جس میں گندی گالیوں اور عیسائیوں کی کاسہ لیسی کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی طرح لاہور کے برہمو سماج نے اپنے اخبار رفاہ میں بہ نیتِ ردِ حصہ سوم جہاں وحی الہام کی عالمانہ اور عارفانہ بحث ہے کچھ لکھنا شروع کیا۔ تنقید نگار پنڈت اگنی ہوتری تھے۔ برہمو سماج والے وحی والہام کے منکر ہیں لیکن مصنف براہین کے زورِ قلم کا اعجاز دیکھو کہ جو شخص اس کا رد لکھ رہا تھا یعنی پنڈت اگنی ہوتری خود مقر الہام ہو گیا۔ عیسائیوں میں سے پادری بی۔ ایل ٹھاکر داس اُٹھے۔ مگر حق محض کے سامنے ان کی کوششیں بھی ضائع گیئں اور کسی کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اعلان کے مطابق میدانِ مقابلہ میں آتا، براہین کے دلائل کی تردید کر کے حق و باطل کا فیصلہ کرتا اور چیلنج کے مطابق موعودہ انعام کا اپنے تئیں مستحق بناتا۔ قل جآء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ یہہ تحدی مخالفین پر ایک ایسا بڑا بوجھ ہے جس سے سبکدوشی قیامت تک انھیں نصیب نہیں ہو سکتی۔

یہہ چیلنج کتاب کے حصہ اول میں جلی قلم سے لکھا ہوا موجود ہے اور "**احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور**" جو اللہ تعالیٰ کے اس قائم کردہ خلیفہ کی جانشین ہے، اس کا اعادہ کرتی ہے اور اقرار کرتی ہے کہ جو صاحب اس کتاب کا جواب لکھ سکیں حسب شرائط دس ہزار روپیہ، یا اگر وہ چاہیں تو اس سے زیادہ، ان کی حسب پسند مناسب رقم ادا کرنے کے لیے تیار ہے۔

جن لوگوں نے اس عظیم صداقت کا ساتھ دیا اور اس پر بصیرت افروز تبصرہ لکھا اُن میں سرعنوان طبِ رُوحانی کے مصنف لدھیانہ کے مشہور صوفی صافی حضرت احمد جان صاحب متوفی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ / ۲۷ دسمبر ۱۸۸۵ء ہیں۔ یہہ پیر صاحب رتڑ چھتر کے خلیفہ تھے اور ان کے رُوحانی کمالات کی دُھوم مچی ہوئی تھی۔ انھوں نے اشتہار واجب الاظہار کے نام سے براہین پر عارفانہ اور عالمانہ ریویو شائع کیا۔ اسی طرح ایک تبصرہ محمد شریف صاحب بنگلوری (بھارت) مُدیر اخبار منشور محمدی، بنگلور نے لکھا (منشور محمدی ۲۵ رجب ۱۳۰۰ھ / ص۲۱۴ بابت ۵ جمادی الآخرۃ ۱۳۰۱ھ، ص۱۹۵ بابت)۔ ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں حضرت حکیم الامت علامہ نورالدین اعظم نے تصدیق براہین احمدیہ شائع کی جس میں لیکھرام کی تکذیب کا دندان شکن جواب بھی تھا۔ علمائے اہلحدیث کے سرتاج مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے براہین پر اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷، عدد ۶ تا ۱۱ میں مفصّل ریویو لکھا جو قریباً پونے دو سو صفحات پر محیط ہے۔ یہہ رسالہ اُنھوں نے ۱۸۷۸ء میں جاری کیا تھا۔ اس ریویو میں

ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :-

"یہہ کتاب اِس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آجتک اسلام میں شائع نہیں ہوئی اور آئندہ کی خبر نہیں۔ لعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ اور اسکا مؤلف بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نِکلا ہے جس کی نظیر مسلمانوں میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ ہمارے اِن الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہمو سماج سے اِس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشاندہی کرے جنھوں نے اسلام کی نصرت مالی و جانی و قلمی و لسانی کے علاوہ حالی نصرت کا بھی بیڑا اٹھایا ہو اور مخالفین اسلام و منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ و مشاہدہ کرے اور اِس تجربہ و مشاہدہ کا اقوام غیر کو مزہ بھی چکھا دیا ہو۔"

(اشاعة السنة، ۶:۷)

براہینِ احمدیہ کی اشاعت میں جن باہمت لوگوں نے حصہ لیا تھا حضرت اقدس نے کتاب کے شروع اور پھر آخر میں ان کا شکریہ ادا کیا ہے اور لکھا ہے :-

"اِس جگہ ان تمام حضرات معاونین کا شکر کرنا بھی واجبات سے ہے کہ جن کی کریمانہ توجہات سے میرے مقاصد دینی ضائع ہونے سے سلامت رہے اور میری محنتیں ضائع ہونے سے بچ رہیں۔ مَیں ان صاحبوں کی اعانتوں سے ایسا ممنون ہوں کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ جن سے مَیں انکا شکر ادا کر سکوں۔ بالخصوص جب مَیں دیکھتا ہوں کہ بعض صاحبوں نے اس کارِ خیر کی تائید میں بڑھ بڑھ کے قدم رکھے ہیں اور بعض نے زائد اعانتوں کے لیے اور بھی مواعید فرمائے تو میری ممنونی اور احسان مندی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔

مَیں نے اِس تقریر کے ذیل میں اسماء مبارک ان تمام مردانِ اہلِ ہمت اور اولی العزم کے کہ جنھوں نے خریداری اور اعانت طبع اس کتاب میں کچھ کچھ عنایت فرمایا مع رقوم عنایت شدہ ان کی کے زیب تحریر کیے ہیں اور ایسا ہی آئندہ بھی تا اختتام طبع کتاب عملدرآمد رہیگا کہ تا جب تک صفحہ روزگار میں نقش افادہ اور افاضہ اس کتاب کا باقی رہے ہر ایک مستفیض کہ جس کا اس کتاب سے وقت خوش ہو مجھ کو اور میرے معاونین کو دعائے خیر سے یاد کرے۔"

اسی طریق کے مطابق اِس جگہ بطور تذکرۂ خاص مکرم و محترم شیخ میاں فضل الرحمٰن صاحب مزاونر ملتان کا نام نامی درج کرنا ضروری ہے جنھوں نے مبلغ پانچ ہزار روپیہ کتاب کو اعلیٰ درجے کی کتابت کے ساتھ بلاکس پر اعلیٰ رنگ میں چھپوانے کے لیے بھجوائے جیسا حضرت اقدس کو بہت خیال تھا معاونین میں شیخ صاحب موصوف کا نام اِس لیے بھی قابل ذکر ہے کہ ایک موقعہ پر حضرتِ اقدسؑ نے فرمایا تھا کہ "براہین احمدیہ کی طباعت واشاعت کے لیے غرباء سے چندہ لینا ایک مکروہ امر ہے۔ جب خدا اس کا وقت لائے گا تو پردۂ غیب سے کوئی شخص پیدا ہو جائیگا جو دینی محبت اور دلی ارادت سے اس کام کو سرانجام دے گا۔" (خط بنام میر عباس علی صاحب لدھیانوی) اور لکھا : "اگر حضرتِ احدیت کا ارادہ ہے تو کسی ذی مقدرت کے دل کو بھی اس کام کے انجام دینے کے لیے کھول دیگا۔" وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

(براہین ۴ : آخری صفحہ)

اب اللہ تعالےٰ نے اِس مردِ مومن کو پیدا کر دیا ہے جس نے تنہا ہی اِس کتاب کے تمام مصارف برداشت کر لیے ہیں اور اللہ تعالےٰ نے اس کام کے انجام دینے کے لیے اس کے دل کو کھول دیا ہے اور وہ اِس پیشگوئی کا پہلا مصداق ہے۔ والفضل للمتقدم۔ اللہ تعالےٰ انہیں جزائے خیر دے، اپنے فضل سے نوازے اور اُن تمام دعاؤں کا مستحق بنائے جو حضرت اقدس نے براہین احمدیہ کے معاونین کیلئے کی ہیں۔

حضرت اقدس کی زندگی میں براہین احمدیہ چار بار طبع ہوئی تھی۔ زیرِ نظر طباعت کتاب کی طبع اوّل سے کروائی گئی ہے۔ جسے حضرتِ اقدس نے اپنی نگرانی میں چھپوایا اور طبع کیا تھا بلکہ اس کے پروف تک خود پڑھے تھے۔ براہین احمدیہ کی ان طباعتوں میں حضرتِ مصنف کے تحریر کردہ بعض ایسے اعلان اور اشتہار موجود ہیں جو طبع اول یا بعد کی بعض طباعتوں میں موجود نہیں۔ تکمیل کے نقطہ نگاہ سے ان سب کو شامل کر لیا گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱ - "کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور دیگر ضروری گذارش"۔ یہ اعلان براہین احمدیہ حصّہ اوّل طبع اوّل و سوم میں موجود ہے لیکن طبع دوم و چہارم میں نہیں ہے۔ یہ زیرِ نظر طباعت کے صفحہ ۲ پر درج ہے۔

۲ - "براہین احمدیہ کے مخالفوں کی جلدی"۔ یہ اعلان براہین احمدیہ حصہ دوم، طبع اول، سوم اور چہارم میں موجود ہے۔ یہ زیرِ نظر طباعت کے صفحہ ۷۲ پر درج ہے۔

۳ - "یا اللہ مسلمانوں کی حالت اور اسلام کی غربت اور نیز بعض ضروری امور سے اطلاع"۔ یہ اعلان طبع اول و دوم میں نہیں ہے البتہ طبع سوم و چہارم میں موجود ہے۔ یہ زیرِ نظر طباعت کے صفحہ ۸۰ پر درج ہے۔

۴ - "گذارش ضروری"۔ یہ اعلان دُوسری اور چوتھی طباعتوں میں موجود نہیں۔ یہ زیرِ نظر طباعت کے صفحہ ۸۱ پر درج ہے۔

۵ - "عذر و اطلاع"۔ یہ اعلان طبع اول و سوم میں موجود ہے، طبع دوم اور چہارم میں موجود نہیں ہے۔ یہ زیرِ نظر طباعت کے صفحہ د پر درج ہے۔

جن لوگوں کو طبع و اشاعت کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ موجودہ طرزِ کتابت اور سنگی طباعت کی وجہ سے خاصی احتیاط کے باوجود مطبوعہ کتابوں میں بعض غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اس سے حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام کی تصنیفات بھی مستثنٰی نہیں۔ حضور خود فرماتے ہیں: "میری کتابوں میں بھی سہو کاتب اور بغیر ارادہ لغزشِ قلم کی بعض غلطیاں پائی جاتی ہیں" (انجام آتھم صفحہ ۲۲۱) لیکن ہمارے مدِنظر یہ اصول ہے کہ جس صورت میں حضرتِ مصنف کے سامنے آپ کی جو کتب شائع ہوگئیں، یا جو کتب آپ کی وفات کے بعد شائع ہوئیں ان کی جس رنگ میں پہلی طباعت ہوئی اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے اور نقل مطابق اصل کی بنیاد قائم رہے۔ اس اصول کو نظر انداز کرنے سے تحریف کا دروازہ آہستہ آہستہ کھل سکتا ہے۔ اس لیے سہو یا کتابت کی صریح غلطیوں کو بھی جوں کا توں رہنے دیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱ - صفحہ ۴۷۳ ح ح: "ان کا رَدّ کا جانا بھی قبولیت دُعا کے ایک خبر ہے"۔ بظاہر "قبولیت دعا کی ایک خبر" ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ہم نے طباعت طبع اول کے مطابق کی ہے۔

۲ - صفحہ ۵۴۴ ح ح: "اس قسم کے الہام سے کہ رسولوں کے وحی سے مشابہ ہے"۔ بظاہر رسولوں کی وحی ہونا چاہیے لیکن کیونکہ ابتدائی چاروں طباعتوں میں "رسولوں کے وحی" ہے ہم نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

۳ - حصہ چہارم: الف۔ گلستان سعدی کی مندرجہ ذیل طباعتوں کو دیکھئے:

(ا) طبع وزارتِ فرہنگ۔ تہران۔ ایران۔

(ب) طبع کلکتہ ۱۸۰۹ء۔ جو متعدد نسخوں کی روشنی میں مُرتب ہوئی۔

(ج) طبع ایران۔ طبع میرزا عبدالعظیم خاں قریب از رُوی صحیح ترین نسخہ موجود۔

(د) طبع غلام رضا فرخ ، ایران۔

(ہ) طبع مطبع نظامی کانپور۔

(د) طبع مطبع نول کشور لکھنؤ۔

ان سب میں سعدی کا ایک شعر اس طرح درج ہے :

؎ ترسم کہ بکعبہ نرسی اے اعرابی

لیکن حضرت اقدس نے اسے اس طرح قلمبند فرمایا ہے :

؎ ترسم کہ بکعبہ چوں روی اے اعرابی

لیکن ہم نے براہین کی اس طباعت میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی مناسب نہیں سمجھی۔ البتہ غلط نامہ لگا کر یا بعد کی ان طباعتوں میں جو آپؑ کے سامنے ہوئیں جو تصیحات کروائی گئی تھیں یا قرآن مجید یا احادیث نبویہ کے الفاظ سہواً غلط طور پر طبع ہوگئے تھے انھیں مدِنظر رکھ لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تبدیلی نہیں کی گئی۔

"غلط نامہ براہین احمدیہ حصّہ چہارم" کے عنوان سے حضرتِ مصنف نے طبع اول کی جن تصیحات کی طرف توجہ دلائی تھی اسکے مطابق درستیاں کردی گئی ہیں، اس لیے اس غلط نامے کو موجودہ طباعت میں شامل نہیں کیا گیا، جیسا کہ وہ بعد کی طباعتوں میں بھی شامل نہیں۔ یہ غلط نامہ طبع اول کے آخر میں درج ہے۔ براہین احمدیہ طبع اوّل کے صفحات زیرِنظر طباعت کے صفحات کے پہلو میں حاشیہ پر دیئے ہیں۔ براہین احمدیہ حصہ چہارم کی لوح کے اندر جو فہرست مضامین درج ہے اُس میں حوالے کے صفحات طبع اوّل کے ہیں۔ زیرِنظر طباعت میں وہ صفحات کے پہلو میں حاشیہ پر ملیں گے۔

کتاب کے آخر میں مضامین کا انڈیکس تیار کرکے شامل کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے یہ خدمت قبول فرمائے اور اسے لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ اور ان کی علمی، اخلاقی اور روحانی ترقی کا وسیلہ بنائے۔

والسلام

خاکسار
عبدالمنان عمر

احمدیہ بلڈنگس

جمعۃ المبارک ۲۱/ ذوالحجہ ۱۳۸۷ھ
مطابق ۲۲/ مارچ ۱۹۶۸ء۔

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

بفضلِ عظیم حضرت ہادیٔ عالم و عالمیان و رحمتِ عمیم رہنمائے گمگشتگان کتاب لاجواب موسوم بہ

براہینِ احمدیہ

ملقب بہ

البراہین الاحمدیہ علی حقیقۃ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ

جسکو فخرِ اہلِ اسلام پنجاب جناب **میرزا غلام احمد صاحب** رئیسِ اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب دام اقبالہم نے کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کر کے منکرین اسلام پر حجت اسلام پوری کرنیکے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شائع کیا

امرتسر پنجاب

سفیر ہند پریس میں سنہ ۱۸۸۰ء طبع ہوئی

کیا خوب ہے یہ کتاب سبحان اللہ
اک دم میں کرے ہے دین حق آگاہ

از بس کہ یہ مغفرت کا بتلاتی ہے راہ
تاریخ بھی یا غفور نکلی واہ واہ
۱۲۹۷

امید علی اوڈ دلھو پرنٹر

اعلان

کتاب براہین احمدیہ کی قیمت اور دیگر ضروری گزارش

بعالی خدمت تمام معزز اور بزرگ خریداران کتاب **براہین احمدیہ** کے گزارش کی جاتی ہے کہ کتاب ہذا بڑی مبسوط کتاب ہے یہاں تک کہ جس کی ضخامت سو جز سے کچھ زیادہ ہوگی اور تا اختتام طبع وقتاً فوقتاً حواشی لکھنے سے اور بھی بڑھ جائے گی اور ایسی عمدگی کاغذ اور پاکیزگی خط اور دیگر لوازم حسن اور لطافت اور موزونیت سے چھپ رہی ہے کہ جس کے مصارف کا حساب جو لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اصل قیمت اس کی یعنی جو اپنا خرچ آتا ہے فی جلد پچیس روپیہ ہے۔ مگر ابتداء میں پانچ روپیہ قیمت اس کی اس غرض سے مقرر ہوئی تھی اور یہ تجویز اٹھائی گئی تھی جو کسی طرح سے مسلمانوں میں یہ کتاب عام طور پر پھیل جائے اور اس کا خریدنا کسی مسلمان پر گراں نہ ہو اور یہ امید کی گئی تھی کہ امراء اسلام جو ذی ہمت اور اولی العزم ہیں ایسی ضروری کتاب کی اعانت میں دلی ارادت سے مدد کریں گے تب جبر اس نقصان کا ہو جائے گا۔ پر اتفاق ہے کہ اب تک وہ امید پوری نہیں ہوئی بلکہ بجز عالی جناب حضرت خلیفہ سید **محمد** حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ پنجاب کہ جنہوں نے مسکین طالب علموں کو تقسیم کرنے کیلئے پچاس جلدیں اس کتاب کی خریدیں اور جو قیمت بذریعہ اشتہار شائع ہو چکی تھی وہ سب بھیج دی اور نیز فراہمی خریداروں میں بڑی مدد فرمائی اور کئی طرح سے اور بھی مدد دینے کا وعدہ فرمایا (خدا ان کو اس فعل خیر کا ثواب دے اور اجر عظیم بخشے)۔ اور اکثر صاحبوں نے ایک یا دو نسخہ سے زیادہ نہیں خریدا۔ اب حال یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بموجب اشتہار مشتہرہ سوم دسمبر ۱۸۷۹ء بجائے پانچ روپیہ کے دس روپیہ قیمت کتاب کی مقرر کر دی مگر تب بھی وہ قیمت اصل قیمت سے ڈیڑھ حصہ کم ہے۔ علاوہ اس کے اس قیمت ثانی سے وہ سب صاحب مستثنیٰ ہیں جو اس اشتہار سے پہلے قیمت ادا کر چکے لہٰذا بذریعہ اس اعلان کے بخدمت ان عالی مراتب

خریداروں کے کہ جن کے نام نامی حاشیہ میں بڑے فخر سے درج ہیں اور دیگر ذی ہمت امراء کے جو حمایت دین اسلام میں مصروف ہو رہے ہیں عرض کی جاتی ہے کہ وہ ایسے کارِ ثواب میں کہ جس سے اعلائے کلمہ اسلام ہوتا ہے اور جس کا نفع صرف اپنے ہی نفس میں محدود نہیں بلکہ ہزارہا بندگان خدا کو ہمیشہ پہنچتا رہے گا، اعانت سے دریغ نہ فرماویں کہ بموجب فرمودہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے کوئی اور بڑا عمل صالح نہیں کہ انسان اپنی طاقتوں کو ان کاموں میں خرچ کرے کہ جن سے عباد الٰہی کو سعادت اخروی حاصل ہو۔ اگر حضرات ممدوحین اس طرف متوجہ ہوں گے تو یہ کام کہ جس کا انجام بہت روپیہ کو چاہتا ہے اور جس کی حالت موجودہ پر نظر کر کے کئی طرح کی زیر باریاں نظر آتی ہیں نہایت آسانی سے انجام پذیر ہو جائے گا اور امید تو ہے کہ خدا ہمارے اس کام کو جو اشد ضروری ہے ضائع ہونے نہیں دے گا اور جیسا کہ اس دین کے ہمیشہ بطور معجزہ کے کام ہوتے رہے ہیں۔ ایسا ہی کوئی غیب سے مرد کھڑا ہو جائے گا وتوکلنا علی اللہ ھو نعم المولٰی ونعم النصیر۔

۱۔ جناب نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ بالقابہ فرمان فرمائے بھوپال۔
۲۔ جناب نواب علاؤالدین احمد خان بہادر والی لوہارو۔
۳۔ جناب مولوی محمد چراغ علی خان صاحب نائب معتمد مدار المہام دولت آصفیہ حیدرآباد دکن۔
۴۔ جناب غلام قادر خان صاحب وزیر ریاست نالہ گڈھ پنجاب۔
۵۔ جناب نواب مکرم الدولہ بہادر حیدرآباد۔
۶۔ جناب نواب نظیر الدولہ بہادر بھوپال۔
۷۔ جناب نواب سلطان الدولہ بہادر بھوپال۔
۸۔ جناب نواب علی محمد خان صاحب بہادر لدھیانہ پنجاب۔
۹۔ جناب نواب غلام محبوب سبحانی خان صاحب بہادر رئیس اعظم لاہور۔
۱۰۔ جناب سردار غلام محمد خان صاحب رئیس واہ۔
۱۱۔ جناب مرزا سعید الدین احمد خان صاحب بہادر اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر فیروزپور۔

المشتھر

میرزا غلام احمد رئیس قادیان ضلع گورداسپور پنجاب مصنف کتاب

عذر

یہ کتاب اب تک قریب نصف کے چھپ چکتی مگر بباعث علالت طبع مہتمم صاحب سفیر ہند امرتسر پنجاب کہ جن کے مطبع میں یہ کتاب چھپ رہی ہے اور نیز کئی اور طرح کی مجبوریوں سے جو اتفاقاً ان کو پیش آ گئیں سات آٹھ مہینے کی دیر ہوگئی اب انشاء اللہ آئندہ کبھی ایسی توقف نہیں ہوگی۔

غلام احمد

الف

التماس ضروری از مؤلف کتاب

اس خداوند عالم کا کیا کیا شکر ادا کیا جائے کہ جس نے اول مجھ ناچیز کو محض اپنے فضل اور کرم اور عنایت غیبی سے اس کتاب کی تالیف اور تصنیف کی توفیق بخشی اور پھر اس تصنیف کے شائع کرنے اور پھیلانے اور چھپوانے کے لئے اسلام کے عمائد اور بزرگوں اور اکابر اور امیروں اور دیگر بھائیوں اور مومنوں اور مسلمانوں کو شائق اور راغب اور متوجہ کر دیا۔ پس اس جگہ ان تمام حضرات معاونین کا شکر کرنا بھی واجبات سے ہے کہ جن کی کریمانہ توجہات سے میرے مقاصد دینی ضائع ہونے سے سلامت رہے اور میری محنتیں برباد جانے سے بچ رہیں۔ میں ان صاحبوں کی اعانتوں سے ایسا ممنون ہوں کہ میرے پاس وہ الفاظ نہیں کہ جن سے میں ان کا شکر ادا کرسکوں۔ بالخصوص جب میں دیکھتا ہوں کہ بعض صاحبوں نے اس کارخیر کی تائید میں بڑھ بڑھ کے قدم رکھے ہیں اور بعض نے زائد اعانتوں کے لئے اور بھی مواعید فرمائے ہیں تو یہ میری ممنونی اور احسان مندی اور بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔

میں نے اسی تقریر کے ذیل میں اسماء مبارک ان تمام مردان اہل ہمت اور اولی العزم کے کہ جنہوں نے خریداری اور اعانت طبع اس کتاب میں کچھ کچھ عنایت فرمایا مع رقوم عنایت شدہ ان کی کے زیب تحریر کئے ہیں اور ایسا ہی آئندہ بھی تا اختتام طبع کتاب عملدرآمد رہے گا کہ تا جب تک صفحۂ روزگار میں نقش افادہ اور افاضہ اس کتاب کا باقی رہے ہر یک مستفیض کہ جس کا اس کتاب سے وقت خوش ہو مجھ کو اور میرے معاونین کو دعائے خیر سے یاد کرے۔

اور اس جگہ بطور تذکرہ خاص کے اس بات کا ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کار خیر میں آج تک سب سے زیادہ **حضرت خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم ودستور معظم ریاست پٹیالہ** سے اعانت ظہور میں آئی یعنی حضرت ممدوح نے اپنی عالی ہمتی اور کمال محبت دینی

سے مبلغ دوسو پچاس روپیہ اپنی جیب خاص سے اور پچھتر روپیہ اپنے اور دوستوں سے فراہم کر کے تین سو پچیس روپیہ بوجہ خریداری کتابوں کے عطا فرمایا عالی جناب سیدنا وزیر صاحب ممدوح الاوصاف نے اپنے والا نامہ میں یہ بھی وعدہ فرمایا ہے کہ تا اختتام کتاب فراہمی چندہ اور بہم رسانی خریداروں میں اور بھی سعی فرماتے رہیں گے اور نیز اسی طرح حضرت فخر الدولہ نواب مرزا محمد علاؤ الدین احمد خان بہادر فرمانروائے ریاست لوہارو نے مبلغ چالیس روپیہ کہ جن میں سے بیس روپیہ محض بطور اعانت کتاب کے ہیں مرحمت فرمائے اور آئندہ اس بارہ میں مدد کرنے کا اور بھی وعدہ فرمایا اور علیٰ ہذا القیاس توجہ خاص **جناب نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کرون آف انڈیا رئیس دلاور اعظم طبقہ اعلائے ستارہ ہند و رئیسہ بھوپال دام اقبالہا** کی بھی قابل بے انتہا شکر گزاری کے ہے کہ جنہوں نے عادات فاضلہ ہمدردی مخلوق اللہ کے تقاضا سے خریداری کتب کا وعدہ فرمایا اور مجھ کو بہت توقع ہے کہ حضرت مفتخر الیہا تائید اس کام بزرگ میں کہ جس میں صداقت اور شان وشوکت حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہوتی ہے اور دلائل حقیقت اسلام کی مثل روز روشن کے جلوہ گر ہوتی ہیں اور بندگان الٰہی کو غایت درجہ کا فائدہ پہنچتا ہے کامل توجہ فرماویں گی۔

اب میں اس جگہ بخدمت عالی دیگر امرائے اور اکابر کے بھی کہ جن کو اب تک اس کتاب سے کچھ اطلاع نہیں اس قدر گزارش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ بھی اگر اشاعت اس کتاب کی غرض سے کچھ مدد فرماویں گے تو ان کی ادنیٰ توجہ سے پھیلنا اور شائع ہونا اس کتاب کا جو دلی مقصد اور قلبی تمنا
ب ہے نہایت آسانی سے ظہور میں آجائے گا۔ اے بزرگان و چراغان اسلام! آپ سب صاحب خوب جانتے ہوں گے کہ آج کل اشاعت دلائل حقیت اسلام کی نہایت ضرورت ہے اور تعلیم دینا اور سکھلانا براہین ثبوت اس دین متین کا اپنی اولاد اور عزیزوں کو ایسا فرض اور واجب ہو گیا ہے اور ایسا واضح الوجوب ہے کہ جس میں کسی قدر ایمان کی بھی حاجت نہیں جس قدر ان دنوں میں لوگوں کے عقائد میں برہمی درہمی ہو رہی ہے اور خیالات اکثر طبائع کے حالت خرابی اور ابتری میں پڑے ہوئے ہیں کسی پر پوشیدہ نہ ہوگا کیا کیا رائیں ہیں جو نکل رہی ہیں کیا کیا ہوائیں ہیں جو چل رہی ہیں۔ کیا کیا بخارات

ہیں جو اٹھ رہے ہیں پس جن جن صاحبوں کو ان اندھیریوں سے جو بڑے بڑے درختوں کو جڑھ سے اکھیڑتی جاتی ہیں کچھ خبر ہے وہ خوب سمجھتے ہوں گے جو تالیف اس کتاب کی بلا خاص ضرورت کے نہیں۔ ہر زمانہ کے باطل اعتقادات اور فاسد خیالات الگ رنگوں اور وضعوں میں ظہور پکڑتے ہیں اور خدا نے ان کے ابطال اور ازالہ کے لئے یہی علاج رکھا ہوا ہے جو اسی زمانہ میں ایسی تالیفات مہیا کر دیتا ہے جو اس کی پاک کلام سے روشنی پکڑ کر پوری پوری قوت سے ان خیالات کی مدافعت کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں اور معاندین کو اپنی لاجواب براہین سے ساکت اور ملزم کرتی ہیں۔ پس ایسے انتظام سے پودہ اسلام کا ہمیشہ سرسبز اور تر و تازہ اور شاداب رہتا ہے۔

اے معزز بزرگان اسلام! مجھے اس بات پر یقین کلی ہے کہ آپ سب صاحبان پہلے سے اپنے ذاتی تجربہ اور عام واقفیت سے ان خرابیوں موجودہ زمانہ پر کہ جن کا بیان کرنا ایک دردانگیز قصہ ہے بخوبی اطلاع رکھتے ہوں گے اور جو جو فساد طبائع میں واقعہ ہو رہے ہیں اور جس طرح پر لوگ بباعث اغوا اور اضلال وسوسہ اندازوں کے بگڑتے جاتے ہیں آپ پر پوشیدہ نہ ہوگا پس یہ سارے نتیجے اسی بات کے ہیں کہ اکثر لوگ دلائل حقیت اسلام سے بے خبر ہیں اور اگر کچھ پڑھ لکھے بھی ہیں تو ایسے مکاتب اور مدارس میں کہ جہاں علوم دینیہ بالکل سکھائے نہیں جاتے اور سارا عمدہ زمانہ ان کے فہم اور ادارک اور تفکر اور تدبر کا اَور اَور علوم وفنون میں کھویا جاتا ہے اور کوچۂ دین سے محض ناآشنا رہتے ہیں پس اگر ان کو دلائل حقیت اسلام سے جلدتر باخبر نہ کیا جائے تو آخر کار ایسے لوگ یا تو محض دنیا کے کیڑے ہو جاتے ہیں کہ جن کو دین کی کچھ بھی پروا نہیں رہتی اور یا الحاد اور ارتداد کا لباس پہن لیتے ہیں۔ یہ قول میرا محض قیاسی بات نہیں بڑے بڑے شرفا کے بیٹے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھے ہیں جو بباعث بے خبری دینی کے اصطباغ پائے ہوئے گرجا گھروں میں بیٹھے ہیں۔ اگر فضل عظیم پروردگار کا ناصر اور حامی اسلام کا نہ ہوتا اور وہ بذریعہ پرزور تقریرات اور تحریرات علماء اور فضلاء کے اپنے اس سچے دین کی نگہداشت نہ کرتا تو تھوڑا زمانہ نہ گزرنا پاتا جو دنیا پرست لوگوں کو اتنی خبر بھی نہ رہتی جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ بالخصوص اس پُر آشوب زمانہ میں کہ

چاروں طرف خیالات فاسدہ کی کثرت پائی جاتی ہے اگر محققان دین اسلام جو بڑی مردی اور مضبوطی سے ہر یک منکر اور ملحد کے ساتھ مناظرہ اور مباحثہ کر رہے ہیں اپنی اس خدمت اور چاکری سے خاموش رہیں تو تھوڑی ہی مدت میں اس قدر شعار اسلام کا ناپدید ہو جائے کہ بجائے سلام مسنون کے گڈ بائی اور گڈ مارننگ کی آواز سنی جائے۔ پس ایسے وقت میں دلائل حقیت اسلام کی اشاعت میں بدل مشغول رہنا حقیقت میں اپنی ہی اولاد اور اپنی ہی نسل پر رحم کرنا ہے۔ کیونکہ جب وبا کے ایام میں زہرناک ہوا چلتی ہے تو اس کی تاثیر سے ہر یک کو خطرہ ہوتا ہے۔

شاید بعض صاحبوں کے دل میں اس کتاب کی نسبت یہ وسوسہ گزرے کہ جو اب تک کتابیں مناظرات مذہبی میں تصنیف ہو چکی ہیں کیا وہ الزام اور افحام مخاصمین کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس کی حاجت ہے۔ لہٰذا میں اس بات کو بخوبی منقوش خاطر کر دینا چاہتا ہوں جو اس کتاب اور ان کتابوں کے فوائد میں بڑا ہی فرق ہے وہ کتابیں خاص خاص فرقوں کے مقابلہ پر بنائی گئی ہیں اور ان کی وجوہات اور دلائل وہاں تک ہی محدود ہیں جو اس فرقہ خاص کے ملزم کرنے کے لئے کفایت کرتی ہیں اور گو وہ کتابیں کیسی ہی عمدہ اور لطیف ہوں مگر ان سے وہی خاص قوم فائدہ اٹھا سکتی ہے کہ جن کے مقابلہ پر وہ تالیف پائی ہیں۔ لیکن یہ کتاب تمام فرقوں کے مقابلہ پر حقیت اسلام اور سچائی عقائد اسلام کی ثابت کرتی ہے اور عام تحقیقات سے حقانیت فرقان مجید کی بپایہ ثبوت پہنچاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو جو حقائق اور دقائق عام تحقیقات میں کھلتے ہیں خاص مباحثات میں انکشاف ان کا ہرگز ممکن نہیں۔ کسی
ج خاص قوم کے ساتھ جو شخص مناظرہ کرتا ہے اس کو ایسی حاجتیں کہاں پڑتی ہیں کہ جن امور کو اس قوم نے تسلیم کیا ہوا ہے ان کو بھی اپنی عمیق اور مستحکم تحقیقات سے ثابت کرے بلکہ خاص مباحثات میں اکثر الزامی جوابات سے کام نکالا جاتا ہے اور دلائل معقولہ کی طرف نہایت ہی کم توجہ ہوتی ہے۔ اور خاص بحثوں کا کچھ مقتضا ہی ایسا ہوتا ہے جو فلسفی طور پر تحقیقات کرنے کی حاجت نہیں پڑتی اور پوری دلائل کا تو ذکر ہی کیا ہے بستم حصہ دلائل عقلیہ کا بھی اندراج نہیں پاتا۔ مثلاً جب ہم ایسے شخص سے بحث کرتے ہیں جو وجود صانع عالم کا قائل ہے الہام کا مقر ہے خالقیت باری تعالیٰ کو مانتا ہے تو پھر ہم کو کیا ضرور

ہوگا جو دلائل عقلیہ سے اس کے روبرو اثبات وجود صانع کریں یا ضرورت الہام کی وجوہ دکھلاویں یا خالقیت باری تعالیٰ پر دلائل لکھیں بلکہ بالکل بیہودہ ہوگا کہ جس بات کا کچھ تنازع ہی نہیں اس کا جھگڑا لے بیٹھیں۔ مگر جس شخص کو مختلف عقائد مختلف عندیات مختلف عذرات مختلف شبہات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس کی تحقیقاتوں میں کسی قسم کی فروگذاشت باقی نہیں رہتی۔

علاوہ اس کے جو خاص قوم کے مقابلہ پر کچھ لکھا جاتا ہے وہ اکثر اس قسم کی دلائل ہوتی ہیں جو دوسری قوم پر حجت نہیں ہوسکتیں۔ مثلاً جب ہم بائبل شریف سے چند پیشین گوئی نکال کر صدق نبوت حضرت خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بذریعہ ان کے ثابت کریں تو گو ہم اس ثبوت سے عیسائیوں اور یہودیوں کو ملزم کردیں مگر جب ہم وہ ثبوت کسی ہندو یا مجوسی یا فلسفی یا برہموسماجی کے روبرو پیش کریں گے تو وہ یہی کہے گا کہ جس حالت میں مَیں ان کتابوں کو ہی نہیں مانتا تو پھر ایسا ثبوت جو انہیں سے لیا گیا ہے کیونکر مان لوں۔ اسی طرح جو بات مفید مطلب ہم وید سے نکال کر عیسائیوں کے سامنے پیش کریں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے۔ پس بہرحال ایسی کتاب کی اشد ضرورت تھی کہ جو ہر ایک فرقہ کے مقابلہ پر سچائی اور حقیت اسلام کی دلائل عقلیہ سے ثابت کرے کہ جن کے ماننے سے کسی انسان کو چارہ نہیں۔ سوالحمدللہ کہ ان تمام مقاصد کے پورا کرنے کے لئے یہ کتاب طیار ہوئی۔ دوسری اس کتاب میں یہ بھی خوبی ہے جو اس میں معاندین کے بے جا عذرات رفع کرنے کے لئے اور اپنی حجت ان پر پوری کرنے کیلئے خوب بندوبست کیا گیا ہے۔ یعنی ایک اشتہار تعدادی دس ہزار روپیہ کا اسی غرض سے اس میں داخل کیا گیا ہے کہ تا منکرین کو کوئی عذر اور حلیہ باقی نہ رہے اور یہ اشتہار مخالفین پر ایک ایسا بڑا بوجھ ہے کہ جس سے سبکدوشی حاصل کرنا قیامت تک ان کو نصیب نہیں ہوسکتا اور نیز یہ ان کی منکرانہ زندگی کو ایسا تلخ کرتا ہے جو انہیں کا جی جانتا ہوگا۔ غرض یہ کتاب نہایت ہی ضروری اور حق کے طالبوں کے لئے نہایت ہی مبارک ہے کہ جس سے حقیت اسلام کی مثل آفتاب کے واضح اور نمایاں اور روشن ہوتی ہے اور شان اور شوکت اس مقدس کتاب کی کھلتی ہے کہ جس کے ساتھ عزت اور عظمت اور صداقت اسلام کی وابستہ ہے۔

فہرست معاونین کی کہ جنہوں نے ہمدردی دینی سے اشاعت کتاب براہین احمدیہ میں اعانت کی اور خریداری کتابوں سے ممنون اور مشکور فرمایا۔

نمبر	نام ان معاون صاحب کا کہ جنہوں نے خریداری کتاب سے یا یونہی اعانت فرمائی	تعداد زر اعانت	کیفیت
(۱)	حضرت خلیفہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم و دستور معظم ریاست پٹیالہ	از جیب خاص از دیگر احباب	بابت خریداری کتاب

معرفت جناب ممدوح

الف	مولوی فضل حکیم صاحب	صہ/	بابت خریداری کتاب
ب	خدا بخش خان صاحب ماسٹر	صہ/	ایضاً
ج	سید محمد علی صاحب منصرم تعمیر چھاؤنی	صہ/	//
د	مولوی احمد حسن صاحب خلف مولوی علی احمد صاحب	صہ/	//
ہ	غلام نبی خان صاحب محرر نظامت کرم گڈھ	صہ/	//
و	کالے خان صاحب ناظم کرم گڈھ	صہ/	//
ز	شیخ کریم اللہ صاحب ڈاکٹر ناظم حفظان صحت	صہ/	//
ح	شیخ فخر الدین صاحب سول جج	صہ/	//
ط	سید عنایت علی صاحب جرنیل	صہ/	//
ی	بلو خان صاحب جمعدار جیل خانہ	صہ/	//
ک	میر صدر الدین صاحب سر رشتہ دار نظام کرم گڈھ	صہ/	//
ل	میر ہدایت حسین صاحب ساکن بسی نظامت سرہند	صہ/	//
م	سید نیاز علی صاحب ناظم نہر	صہ/	//
ن	سید نثار علی صاحب وکیل کمشنری انبالہ	صہ/	//
(۲)	حضرت فخر الدولہ نواب مرزا محمد علاؤالدین احمد خان صاحب بہادر فرمان روائے ریاست لوہارو		بابت خریداری کتاب محض بطور اعانت

د

(۳)	جناب مولوی محمد چراغ علی خان صاحب بہادر نائب معتمد مدارالمہام حیدرآباد دکن	عہ/	محض بطور اعانت طبع کتاب
(۴)	جناب نواب غلام محبوب سبحانی صاحب بہادر رئیس اعظم لاہور	صہ/	//
(۵)	محمد عبداللہ صاحب بہاری رئیس کلکتہ	صہ/	بشرح صدر
(۶)	جناب نواب مکرم الدولہ صاحب صدرالمہام مالگذاری سرکار حیدرآباد		//
(۷)	جناب نواب علی محمد خان صاحب بہادر سابق رئیس جھجر		//
(۸)	وزیر غلام قادر خان صاحب بہادر ریاست نالہ گڈھ		//
(۹)	ملک یار خان صاحب تھانہ دار بٹالہ		بطور اعانت
(۱۰)	عظیم اللہ خان صاحب رسائیدار ترپ پنجم رجمنٹ اول چھاؤنی مومن آباد۔ حیدرآباد	صہ/	بابت خریداری کتاب
(۱۱)	مولوی عبدالحمید صاحب قاضی جلال آباد ضلع فیروزپور		بشرح صدر
(۱۲)	میاں جان محمد صاحب قادیان		بطور اعانت
(۱۳)	میاں غلام قادر صاحب قادیان	عہ/	بابت خریداری کتاب بطور اعانت
(۱۴)	جناب نواب احمد علی خان صاحب بہادر بھوپال	صہ/	بابت خریداری کتاب
(۱۵)	مولوی غلام علی صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ تحصیل مظفرگڑھ	صہ/	بشرح صدر
(۱۶)	میاں کریم بخش صاحب نائب منصرم تحصیل مظفرگڑھ	صہ/	//
(۱۷)	قاضی محفوظ حسین صاحب منصرم تحصیل مظفرگڑھ	صہ/	//
(۱۸)	میاں جلال الدین صاحب تاریخ نویس مظفرگڈھ	صہ/	//
(۱۹)	شیخ عبدالکریم صاحب محرر جوڈیشل مظفرگڈھ	صہ/	//
(۲۰)	میاں اکبر ساکن بلھووال ضلع گورداسپور	۲/	بطور اعانت

۳ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم

سبحانك ما اقوى برهانك كالعظمة كلها لك والقدرة كلها لك العالم كله ضعيف والقوة كلها لك انت الاحد الصمد الذى توحد فى وجوب وجوده وتفرد فى فضله وجوده جلت حكمتك وتجلت حجتك وتمت نعمتك وعمت رحمتك وتنزه ذاتك عن كل منقصة ونقصان وتعالٰى شانك من جميع ما يشان انت المتوحد المتفرد بجلال ذاته وكمال صفاته المنزه عن شوائب النقص وسماته نحمدك علٰى ما تفضلت علينا بتنزيل كتاب لا ريب فيه ولا خطاء ولا نسيان وكشفت به على نفوسنا الخاطئة المخطئه سبيل الحق والعرفان فانت هديتنا بالفضل والجود والاحسان وما كنا لنهتدى لولا هداك يا رحمن.

ونسئلك ان تصلى على رسولك النبى الامى الذى نجيتنا به من سبل الضلالة والطغيان واخرجتنا به من ظلمات العمى والحرمان الذى ظهر دينه الحق على كل دين من الديان وتقدست ملته عن كل شرك وبدعة وعدوان وسبقت شريعته فى كل معرفة وحكمة وبرهان هو العبد المخلص
۴ الذى اصطنعته لمجتك وتوحيدك وجعلت احب اليه من نفسه ذكر تقديسك وتمجيدك ارسلته رحمة للعالمين وحجة على المنكرين وسراجا منيراً للسالكين وداعيا الى الله للطالبين وبشيرا ومبشرا للمؤمنين وانسانا كاملا للناظرين جاء بكتاب يحيط على القوائين الحكمية ويهدى الى جميع السعادات الدينية اكمل كثيرا من الناس فى القوى النظرية والعملية

فجعلهم المتحلين بالاخلاق المرضية الالٰهية والمتخلين عن الادناس البشرية السفلية فاصبحوا بتعليمه المترقين فى العلوم الحقيقة اليقينية والمتلذذين بالمحبة الربانية الاحدية والمستعدين لحظيرة القدس والتجليات القدوسية. اللّهم فصل عليه وعلىٰ جميع اخوانه من الرسل والنبيين وآله الطيبين الطاهرين واصحابه الصالحين الصديقين.

ہر دم از کاخ عالم آوازیست　　کہ یکیش بانی وبنا سازیست
نہ کس او را شریک و انبازیست　　نے بکارش دخیل و ہمرازیست
ایں جہاں را عمارت اندازیست　　واز جہاں برتر است و ممتازیست
وحدہٗ لا شریک حی وقدیر　　لم یزل لایزال فرد وبصیر
کارساز جہان وپاک وقدیم　　خالق ورازق وکریم ورحیم
رہنماء و معلم رہ دین　　ہادی وملہم علوم یقین
متصف باہمہ صفات کمال　　برتر از احتیاج آل وعیال
بریکے حال ہست درہمہ حال　　رہ نیابد بدو فنا وزوال
نیست از حکم او بروں چیزے　　نہ ز چیزیست او نہ چوں چیزے
نتواںؔ گفت لامس اشیاست　　نے تواں گفتن ایں کہ دور از ماست ۵
ذات او گرچہ ہست بالاتر　　نتواں گفت زیر او ست دگر
ہر چہ آید بفہم وعقل وقیاس　　ذات او برترست زاں وسواس
ذات بے چون وچند افتاد ست　　و از حدود و قیود آزاد ست
نہ وجودے بذات او انباز　　نہ کسے در صفات او انباز
ہمہ پیدا ز دست قدرت او　　کثرت شان گواہ وحدت او
گر شریکش بُدی ز خلق دگر　　گشتی ایں جملہ خلق زیر و زبر
ہر چہ از وصف خاکی و خاک ست　　ذات بیچون او ازاں پاک ست

بند بر پائے ہر وجود نہاد ؎ خود زہر قید و بند ہست آزاد
آدمی بندہ ہست و نفسش بند ؎ در دو صد حرص و آز و سربکمند
ہم چنیں بندہ آفتاب و قمر ؎ بند در سیر گاہ خویش ومقر
ماہ را نیست طاقت ایں کار ؎ کہ بتابد بروز چوں احرار
نیز خورشید را نہ یارائے ؎ کہ نہد بر سریر شب پائے
آب ہم بندہ ہست زیں کہ مدام ؎ بند در سروے است نے خود کام
آتشے تیز نیز بندۂ او ؎ در چنیں سوزشے فگندۂ او
گر برآری بہ پیش او فریاد ؎ گرمیش کم نہ گردد اے استاد
پائے اشجار در زمیں بندست ؎ سخت در پا سلاسل افگند ست
اینّ ہمہ بستگان آں یک ذات ؎ برو جودش دلائل و آیات ٦
اے خداوند خلق و عالمیان ؎ خلق و عالم ز قدرتت حیران
چہ مہیب ست شان وشوکت تو ؎ چہ عجیب ست کار وصنعت تو
حمد را با تو نسبت از آغاز ؎ نے دراں کس شریک نے انباز
تو وحیدی و بے نظیر وقدیم ؎ منزّہ ز ہر قسیم و سہیم
کس نظیر تو نیست در دو جہان ؎ بر دو عالم توئی خدائے یگان
زور تو غالب است برہمہ چیز ؎ ہمہ چیزے بہ جنب تو ناچیز
ترست ایمن کند ز ترس و خطر ؎ ہر کہ عارف ترست ترساں تر
خلق جوید پناہ و سایہ کس ؎ واں پناہ ہمہ تو ہستی و بس
ہست یادت کلید ہر کارے ؎ خاطرے بے تو خاطر آزارے
ہر کہ نالد بدر گہت بہ نیاز ؎ بخت گم کردہ را بیابد باز
لطف تو ترک طالبان نکند ؎ کس بکار رہت زیان نکند
ہر کہ باذات تو سرے دارد ؎ پشت بر روئے دیگر دارد
زینکہ چون کار بر تو بگذارد ؎ رو بہ اغیار از چہ رو آرد

ذات پاکت بس ست یار یکے   دل یکے جان یکے نگار یکے
هر که پوشیده با تو در سازد   رحمتت آشکار بنوازد
هر که گیرد درت بصدق و حضور   از در و بام او ببارد نور
۷ هر که راحت گرفت کارش شد   صد امیدے بروز گارش شد
هر که راه تو جست یافته است   تافت آن رو که سرنتافته است
وانکه از ظل قربت تو رمید   بردر هر که رفت ذلت دید
اے خداوند من گناهم بخش   سوئے درگاه خویش راهم بخش
روشنی بخش در دل و جانم   پاک کن از گناه پنهانم
دلستانی و دلربائی کن   به نگاهے گره کشائی کن
در دو عالم مرا عزیز توئی   و آنچه میخواهم از تو نیز توئی

لاکھ لاکھ حمد اور تعریف اس قادر مطلق کی ذات کے لائق ہے کہ جس نے ساری ارواح اور اجسام بغیر کسی مادہ اور ہیولیٰ کے اپنے ہی حکم اور امر سے پیدا کر کے اپنی قدرت عظیمہ کا نمونہ دکھلایا اور تمام نفوس قدسیہ انبیا کو بغیر کسی استاد اور اتالیق کے آپ ہی تعلیم اور تادیب فرما کر اپنے فیوض قدیمہ کا نشان ظاہر فرمایا۔ سبحان اللہ کیا رحمن اور منان وہ ذات ہے کہ جس نے بغیر کسی استحقاق ہمارے کے سب کام ہم ضعیفوں کا آپ بنایا ہمارے جسمی قیام کے لئے سورج اور چاند اور بادلوں اور ہواؤں کو کام میں لگایا اور ہمارے روحانی انتظام کے لئے توریت اور انجیل اور فرقان اور سب آسمانی کتابوں کو عین وقتوں پر پہنچایا۔ الٰہی تیرا ہزار ہزار شکر کہ تو نے ہم کو اپنی پہچان کا آپ راہ بتایا اور اپنی پاک کتابوں کو نازل کر کے فکر اور عقل کی غلطیوں اور خطاؤں سے بچایا اور درود اور سلام حضرت سید الرسل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب پر کہ جس سے خدا نے ایک عالم گم گشتہ کو سیدھی راہ پر چلایا۔ وہ مربی اور نفع رسان کہ جو بھولی ہوئی خلقت کو پھر راہ راست پر لایا۔ وہ محسن اور صاحب احسان کہ جس
۸ نے لوگوں کو شرک اور بتوں کی بلا سے چھوڑایا۔ وہ نور اور نور افشان کہ جس نے توحید کی روشنی کو دنیا میں پھیلایا۔ وہ حکیم اور معالج زمان کہ جس نے بگڑے ہوئے دلوں کا راستی پر قدم جمایا۔ وہ کریم اور

کرامت نشان کہ جس نے مُردوں کو زندگی کا پانی پلایا۔ وہ رحیم اور مہربان کہ جس نے امت کے لئے غم کھایا اور درد اٹھایا۔ وہ شجاع اور پہلوان جو ہم کو موت کے منہ سے نکال کر لایا۔ وہ حلیم اور بے نفس انسان کہ جس نے بندگی میں سر جھکایا اور اپنی ہستی کو خاک سے ملایا۔ وہ کامل موحد اور بحر عرفان کہ جس کو صرف خدا کا جلال بھایا اور غیر کو اپنی نظر سے گرایا۔ وہ معجزہ قدرت رحمٰن کہ جو امی ہو کر سب پر علوم حقانی میں غالب آیا اور ہر یک قوم کو غلطیوں اور خطاؤں کا ملزم ٹھہرایا۔

در دلم جوشد ثنائے سرورے ۔۔۔ آنکہ در خوبی ندارد ہمسرے
آنکہ جانش عاشق یار ازل ۔۔۔ آنکہ روحش واصل آں دلبرے
آنکہ مجذوب عنایات حقست ۔۔۔ ہمچو طفلے پروریدہ در برے
آنکہ در بر و کرم بحر عظیم ۔۔۔ آنکہ در لطف اتم یکتا درے
آنکہ در جود وسخا ابر بہار ۔۔۔ آنکہ در فیض و عطا یک خاورے
آں رحیم و رحم حق را آیتے ۔۔۔ آں کریم وجود حق را مظہرے
آں رخ فرخ کہ یک دیدار او ۔۔۔ زشت رو را میکند خوش منظرے
آں دل روشن کہ روشن کردہ است ۔۔۔ صد درون تیرہ را چوں اخترے
آں مبارک پے کہ آمد ذات او ۔۔۔ رحمتے زاں ذات عالم پرورے
احمد آخر زماں کز نور او ۔۔۔ شد دل مردم زخور تاباں ترے
۹ از بنی آدم فزوں تر در جمال ۔۔۔ واز لالے پاک تر در گوہرے
برلبش جاری زحکمت چشمہ ۔۔۔ در دلش پر از معارف کوثرے
بہر حق دامان زغیرش برفشاند ۔۔۔ ثانی او نیست در بحر و برے
آں چراغش داد حق کش تا ابد ۔۔۔ نے خطر نے غم زباد صرصرے
پہلوان حضرت رب جلیل ۔۔۔ بر میاں بستہ زشوکت خنجرے

تیر او تیزی بہر میدان نمود   تیغ او ہر جا نمودہ جوہرے
کرد ثابت بر جہاں عجز بتاں   وانمودہ زور آں یک قادرے
تا نماند بے خبر از زور حق   بت ستاؤ بت پرست و بت گرے
عاشق صدق و سداد و راستی   دشمن کذب و فساد و ہر شرے
خواجہ و مر عاجزاں را بندہ   بادشاہ و بے کساں را چاکرے
آں ترحمہا کہ خلق ازوے بدید   کس ندیدہ در جہاں از مادرے
از شراب شوق جاناں بیخودی   در سرش برخاک بنہادہ سرے
روشنی از وے بہر قومے رسید   نور او رخشید بر ہر کشورے
آیت رحمٰن برائے ہر بصیر   حجت حق بہر ہر دیدہ ورے
ناتوانان را برحمت دستگیر   خستہ جاناں را بہ شفقت غمخورے
١٠ حسنؔ رویش بہ زماہ و آفتاب   خاک کویش بہ زمشک و عنبرے
آفتاب و مہ چہ میماند بدو   در دلش از نور حق صد نیرے
یک نظر بہتر زعمر جاودان   گرفتد کس را بر آن خوش پیکرے
منکہ از حسنش ہمی دارم خبر   جان فشانم گر دہد دل دیگرے
یاد آن صورت مرا از خود برد   ہر زمان مستم کند از ساغرے
می پریدم سوئے کوئے او مدام   من اگر میداشتم بال و پرے
لالہ و ریحان چہ کار آید مرا   من سرے دارم بآں روے وسرے
خوبیٔ او دامن دل می کشد   موکشانم می برد زور آورے
دیدہ ام کوہست نور دیدہ ہا   در اثر مہرش چو مہر انورے
تافت آں روئے کزاں روسر نتافت   یافت آں در مان کہ بگزید آں درے

ہر کہ بے او زد قدم در بحر دین   کرد در اول قدم گم معبرے
امی و در علم وحکمت بے نظیر   زیں چہ باشد حجتی روشن ترے
آں شراب معرفت دادش خدا   کزشعاعش خیرہ شد ہر اخترے
شد عیاں ازوے علی الوجہ الاتم   جوہر انسان کہ بود آں مضمرے
ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال   لا جرم شد ختم ہر پیغمبرے
آفتاب ہر زمین و ہر زمان   رہبر ہر اسود و ہر احمرے
مجمع البحرین علم و معرفت   جامع الاسمین ابرو خاورے 11
چشم من بسیار گردید و ندید   چشمہ چون دین او صافی ترے
سالکاں را نیست غیر ازوے امام   رہرواں را نیست جزوے رہبرے
جائے او جائے کہ طیر قدس را   سوزد از انوار آں بال و پرے
آں خداوندش بداد آں شرع و دین   کان نگردد تا ابد متغیرے
تافت اول بر دیار تازیان   تازیانش را شود درمان گرے
بعد زاں آن نور دین وشرع پاک   شد محیط عالمے چوں چنبرے
خلق را بخشید از حق کام جان   وارہانیدہ ز کام اژدرے
یک طرف حیران از و شاہان وقت   یک طرف مبہوت ہر دانشورے
نے بعلمش کس رسید ونے بزور   در شکستہ کبر ہر متکبرے
اوچہ میدارد بمدح کس نیاز   مدح او خود فخر ہر مدحت گرے
ہست او در روضۂ قدس و جلال   واز خیال مادحان بالاترے
اے خدا بروے سلام مارسان   ہم برا خوانش زہر پیغمبرے
ہر رسولے آفتاب صدق بود   ہر رسولے بود مہر انورے

ہر رسولے بود ظلے دین پناہ　　ہر رسولے بود باغے مثمرے
۱۲ گر بدنیا نامدے ایں خیل پاک　　کار دین ماندے سراسر ابترے
ہر کہ شکر بعث شان نارد بجا　　ہست او آلائے حق را کافرے
آں ہمہ از یک صدف صد گوہر اند　　متحد در ذات و اصل و گوہرے
امتے ہر گز نبودہ در جہان　　کاندران نامد بوقتے منذرے
اول آدم آخر شان احمدست　　اے خنک آنکس کہ بیند آخرے
انبیا روشن گہر ہستند لیک　　ہست احمد زان ہمہ روشن ترے
آن ہمہ کان معارف بودہ اند　　ہر یکے از راہ مولیٰ مخبرے
ہر کہ را علمے ز توحید حق ست　　ہست اصل علمش از پیغمبرے
آن رسیدش از رہ تعلیم ہا　　گو شود اکنوں زنخوت منکرے
ہست قومے کج رو و ناپاک رائے　　آنکہ زین پاکان ہمی پیچد سرے
دیدۂ شان روئے حق ہرگز ندید　　بس سیہ کردند روئے دفترے
شور بختے ہائے بخت شان بہ بین　　ناز بر چشم وگریزاں از خورے
چشم گر بودے غنی از آفتاب　　کس نبودے تیز بین چوں شپرے
ہر کہ کورست و براہش صد مغاک　　وائے بروے گر ندارد رہبرے
قوم دیگر را چنیں رائے رکیک　　در نشستہ از جہالت در سرے
کان خدا ملکے دگر اندر جہان　　از دیار شان ندیدہ خوشترے
۱۳ ہمدگر روئے چو روئے خوب شان　　نامدش مرغوب طبع و خاطرے
لاجرم از ابتدائش تا ابد　　ماند و خواہد ماند آنجا بسترے
ملک دیگر گرچہ میرد در ضلال　　مے نگردد زوگہے مستفسرے

داد مریک ذرہ قومے را کتاب ترک کردہ صد ہزاران معشرے
چون بروز ابتدا تقسیم کرد درمیان خلق از خیر وشرے
راستی در حصہ او شان فتاد دیگراں را کذب شد آبشخورے
قول شان این ست کاندر غیر شان آمدہ صد کاذب و حیلت گرے
لیک نامد نزد شاں یک نیز ہم آنکہ بودے از خدا دین گسترے
آنکہ ایشاں را نمودے راہ حق درکشودے کذب ہر کذب آورے
تاشدے دادار را حجت تمام برسر ہر مسلم و متنصرے
الغرض نزدیک شان دادار پاک ہست ظالم تر ز ہر ظالم ترے
کو گزارد عالمے را در ضلال مبتلا در پنجہ ہر ماکرے
خود ہمی دادر بیک قومے مدام ہمچو شیدائے کسے میل و سرے
اینچنیں پر حمق رائے ایں قوم را حمق دیگر این کہ بروے فاخرے
عاقبت این رائے زشت و بد خیال کرد ایشاں را عجب کور و کرے
چشم پوشیدند از صد چشمۂ سرنگون گشتند بریک آخورے ۱۴
سخت ور زیدند کیں بانبیا الامان از کین ہر متکبرے
آنچہ کین شان بپاکان ثابت ست از شیاطین کس ندارد باورے
خربود اندر حماقت بے نظیر لیکن ایشان را بہر موصد خرے
نے سر تحقیق دارند و ثبوت نے زنند از صدق پا بر معبرے
نے دوائے را شناسند از اثر نے درختے را شناسند از برے
نے زکس پرسند از روئے نیاز نے بصرف فکر خود متفکرے
نے بدل پروائے این تفتیش ہا کزہمہ دین ہاکدا مین بہترے

بر یکے مائل عدو صد ہزار — فارغ از فرق اقل و اکثرے
نے بدل خوف خدائے کردگار — نے بخاطر بیم روز محشرے
تیرہ جانان دیدہ ہا را دوختہ — سوختہ درکین وری چوں اژ درے
دیدہ و دانستہ از حق قاصر اند — دل نہادہ در جہان غادرے
از برائے حق تراشیدہ زجہل — دائما درخانہ خود منبرے
آن خدائے شان عجب باشد خدا — کو تغافل داشت از ہر کشورے
بہر الہام آمدش دایم پسند — یک زبان یک خطہ کوتہ ترے
اینچنین رائے کجا باشد درست — کے خرد گردد بسوئیش رہبرے ١٥
کے گمان بد کند برنیکوان — آنکہ باشد نیک و نیکو محضرے
ماہ را گفتن کہ چیزے نیست این — ہست دشنامے نہ زین افزون ترے
کور گر گوئد کجا ہست آفتاب — میشود در کوری اش رسوا ترے
در خور تابان مکن شک و گمان — تا ملامت رانہ گردی در خورے
گر خدا خواہی چرا کج میروی — چوں نمی ترسی ز قہر قاہرے
چوں نمی ترسی ز روز باز پرس — چون نہ ترسی از حضور داورے
افترائے شاں چسان گشتت یقین — یا خدائت وانمودہ دفترے
نور شان یک عالمے را در گرفت — تو ہنوز اے کور در شور وشرے
لعل تابان را اگر گوئی کثیف — زین چہ کاہد قدر روشن جوہرے
طعنہ برپا کان نہ برپا کان بود — خود کنی ثابت کہ ہستی فاجرے
بغض بامردان حق نامردیست — آن بشر باشد کہ باشد بے شرے
وانکہ درکین و کراہت سوخت ست — نفس دون راہست صید لاغرے

صد مراتب بہ زچشم اہل کین ‏ چشم نابینا و کور و اعورے
برسر کین و تعصب خاک باد ‏ ہم بفرق کین وران خاکسترے
١٦ جزّ بہ پابندی حق بند دگر ‏ ورنہ گیرد با خدائے اکبرے
ماہمہ پیغمبران را چا کریم ‏ ہمچو خاکے او فتادہ بر درے
ہر رسولے کو طریق حق نمود ‏ جان ما قربان بر آن حق پرورے
اے خداوندم بہ خیل انبیا ‏ کش فرستادے بفضل او فرے
معرفت ہم دہ چوں بخشیدی دلم ‏ مے بدہ زان سان کہ دادی ساغرے
اے خداوندم بنام مصطفی ‏ کش شدے در ہر مقامے ناصرے
دست من گیر از رہ لطف وکرم ‏ در مہم باش یارو یاورے
تکیہ بر زور تو دارم گرچہ من ‏ ہمچو خاکم بلکہ زان ہم کمترے

امابعد سب طالبان حق پر واضح ہو جو مقصود اس کتاب کی تالیف سے جو موسوم بالبراھین الاحمدیہ علی حقیقت کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ ہے یہ ہے جو دین اسلام کی سچائی کے دلائل اور قرآن مجید کی حقیت کے براہین اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق رسالت کے وجوہات سب لوگوں پر بوضاحت تمام ظاہر کئے جائیں اور نیز ان سب کو جو اس دین متین اور مقدس کتاب اور برگزیدہ نبی سے منکر ہیں ایسے کامل اور معقول طریق سے ملزم اور لاجواب کیا جائے جو آئندہ ان کو بمقابلہ اسلام کے دم مارنے کی جگہ باقی نہ رہے۔ اور یہ کتاب مرتب ہے ایک اشتہار اور ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ پر۔ خدا اس کو حق کے طالبوں کیلئے مبارک کرے
١٧ اور بہتوں کو اس کے پڑھنے سے اپنے سچے دین کی ہدایت دے۔ آمین!

اشتہار

انعامی دس ہزار روپیہ ان سب لوگوں کے لئے جو مشارکت اپنی کتاب کے فرقان مجید سے ان دلائل اور براہین حقانیہ میں جو فرقان مجید سے ہم نے لکھیں ہیں ثابت کر دکھائیں یا اگر کتاب الہامی ان کی ان دلائل کے پیش کرنے سے قطعاً عاجز ہو تو اس عاجز ہونے کا اپنی کتاب میں اقرار کر کے ہمارے ہی دلائل کو نمبر وار توڑ دیں۔

۱۸ میں جو مصنف اس کتاب براہین احمدیہ کا ہوں یہ
اشتہار اپنی طرف سے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ
بمقابلہ جمیع ارباب مذہب اور ملت کے جو حقانیت فرقان
۱۹ مجید اور نبوت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر
ہیں اتماماً للحجّۃ شائع کر کے اقرار صحیح قانونی اور عہد
۲۰ جائز شرعی کرتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب منکرین میں سے
مشارکت اپنی کتاب کی فرقان مجید سے ان سب براہین
۲۱ اور دلائل میں جو ہم نے دربارہ حقیت فرقان مجید اور
صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اُسی

۲۲ کتاب مقدس سے اخذ کر کے تحریر کیں ہیں اپنی الہامی
کتاب میں سے ثابت کر کے دکھلا وے یا اگر تعداد میں
۲۳ ان کے برابر پیش نہ کر سکے تو نصف ان سے یا ثلث ان
سے یا ربع ان سے یا خمس ان سے نکال کر پیش کرے یا
اگر بکلی پیش کرنے سے عاجز ہو تو ہمارے ہی دلائل کو
۲۴ نمبر وار توڑ دے تو ان سب صورتوں میں بشرطیکہ تین
مصنف مقبولۂ فریقین بالاتفاق یہ رائے ظاہر کر دیں کہ
۲۵ ایفاء شرط جیسا کہ چاہیے تھا ظہور میں آ گیا میں مشتہر ایسے
۲۶ مجیب کو بلا عذرے وحیلتے اپنی جائیداد قیمتی دس ہزار
روپیہ پر قبض و دخل دے دوں گا۔ مگر واضح رہے کہ اگر
اپنی کتاب کی دلائل معقولہ پیش کرنے سے عاجز اور
۲۷ قاصر رہیں یا برطبق شرط اشتہار کی خمس تک پیش نہ
کر سکیں تو اس حالت میں بصراحت تمام تحریر کرنا ہوگا جو
۲۸ بوجہ ناکامل یا غیر معقول ہونے کتاب کے اس شق کے

پورا کرنے سے مجبور اور معذور رہے۔ اور اگر دلائل
مطلوبہ پیش کریں تو اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ جوؔ ہم
نے خمس دلائل تک پیش کرنے کی اجازت اور رخصت ٢٩
دی ہے اس سے ہماری یہ مراد نہیں ہے جو اس تمامؔ مجموعۂ ٣٠
دلائل کا بغیر کسی تفریق اور امتیاز کے نصف یا ثلث یا ربع
یا خمس پیش کر دیا جائے بلکہ یہ شرط ہر یک صنف کیؔ دلائل ٣١
سے متعلق ہے اور ہر صنف کے براہین میں سے نصف یا
ثلث یا ربع یا خمس پیش کرنا ہوگا۔

شائدؔ کسی صاحب کا فہم اس بات کے سمجھنے سے ٣٢
قاصر رہے جو عبارت مذکورہ میں صنف دلائل سے کیا
مراد ہے پسؔ بغرض تشریح اس فقرہ کے لکھا جاتا ہے جو ٣٣
دلائل اور براہین فرقان مجید کی کہ جن سے حقیت اس
کلام پاک کیؔ اور صدق رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ ٣٤
وسلم کا ثابت ہوتا ہے دو قسم پر ہیں اول وہ دلائل جو اس

۳۵ پاک کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت پر اندرونی
۳۶ اور ذاتی شہادتیں ہیں یعنی ایسی دلائل جو اسی مقدس
کتاب کے کمالات ذاتیہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی
خصال قدسیہ اور اخلاق مرضیہ اور صفات کاملہ سے
۳۷ حاصل ہوتی ہیں دوسری وہ دلائل جو بیرونی طور پر قرآن
شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچائی پر شواہد قاطعہ ہیں
۳۸ یعنی ایسی دلائل جو خارجی واقعات اور حادثات متواترہ
مثبتہ سے لی گئی ہیں۔

اور پھر ہر یک ان دونوں قسموں کی دلائل سے دو
۳۹ قسم پر ہے دلیل بسیط اور دلیل مرکب۔ دلیل بسیط وہ
دلیل ہے جو اثبات حقیت قرآن شریف اور صدق
۴۰ رسالت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے کسی اور امر کے الحاق
۴۱ اور انضمام کی محتاج نہیں اور دلیل مرکب وہ دلیل ہے جو
اس کے تحقق دلالت کے لئے ایک ایسے کل مجموعے کی

ضرورت ہے کہ اگر من حیث الاجتماع اس پر نظر ڈالی ۴۲
جائے یعنی نظر یکجائی سے اس کی تمام افراد کو دیکھا جائے
تو وہ کل مجموعی ایک ایسی عالی حالت میں ہو جو تحقق اس ۴۳
حالت کا تحقق حقیت فرقان مجید اور صدق رسالت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مستلزم ہو اور جب اجزا اس کی الگ ۴۴
الگ دیکھی جائیں تو یہ مرتبہ برہانیت کا جیسا کہ ان کو
چاہیے حاصل نہ ہو اور وجہ اس تفاوت کی یہ ہے جو کل ۴۵
مجموعی اور کل واحد ہمیشہ متخالف فی الاحکام ہوتے ہیں
جیسے ایک بوجھ کو دس آدمی اکٹھے ہو کر اٹھا سکتے ہیں اور اگر ۴۶
وہی دس آدمی ایک ایک ہو کر اٹھانا چاہیں تو یہ امر محال
ہو جاتا ہے۔ اور ہر واحد ان دونوں قسم کی دلائل بسیطہ ۴۷
اور مرکبہ سے جب اپنی خاص خاص صورتوں اور ہیئتوں
اور وضعوں کے لحاظ سے تصور کئے جائیں تو ان کا نام ۴۸
اس کتاب میں اصناف دلائل ہے۔ اور یہ وہی اصناف ۴۹

ہیں کہ جن کے التزام کیلئے ہم نے صدر اشتہار ہذا میں یہ
۵۰ قید لگا دی ہے جو ہر صنف کے براہین میں سے شخص
متصدی مقابلہ فرقان مجید کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس
۵۱ پیش کرے یعنی اس صورت میں کہ جب ان کل دلائل
کے پیش کرنے سے عاجز ہو جو ایک صنف کے تحت میں
۵۲ داخل ہیں۔ اور نیز اس جگہ یہ امر زیادہ تر قابل انکشاف
ہے کہ جو صاحب کسی دلیل مرکب کا کہ جس کی تعریف
۵۳ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں۔ اپنی کتاب میں سے نمونہ
دکھلانا چاہیں تو ان پر واجب ہوگا کہ اگر وہ دلیل مرکب
۵۴ ایسی مجموعہ اجزا سے مرکب ہو جو ہر یک جز اس کا بجائے
۵۵ خود کسی امر پر دلیل ہو تو ان سب جزوی دلائل کا بھی کم
سے کم ایک ایک نمونہ پیش کرنا ہوگا۔

۵۶ چونکہ سمجھنا اس شرط کا محتاج تمثیل ہے اس لئے ہم

بطور تمثیل کے اس جگہ اسی قسم کی ایک دلیل دلائل مرکبہ
۵۷ مثبتہ حقیت فرقان مجید سے تحریر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے
جو تعلیم اصولی فرقان مجید کی دلائل حکمیہ پر مبنی اور مشتمل
۵۸ ہے یعنی فرقان مجید ہر یک اصول اعتقادی کو جو مدار
نجات کا ہے محققانہ طور سے ثابت کرتا ہے اور قوی اور
مضبوط فلسفی دلیلوں سے بپایۂ صداقت پہنچاتا ہے جیسے
۵۹ وجود صانع عالم کا ثابت کرنا توحید کو بپایۂ ثبوت پہنچانا
۶۰ ضرورت الہام پر دلائل قاطعہ کا لکھنا اور کسی احقاق حق
اور ابطال باطل سے قاصر نہ رہنا پس یہ امر فرقان مجید
۶۱ کے منجانب اللہ ہونے پر بڑی بزرگ دلیل ہے جس سے
حقیت اور افضلیت اس کی بوجہ کمال ثابت ہوتی ہے
کیونکہ دنیا کے تمام عقائد فاسدہ کو ہر یک نوع اور ہر
۶۲ صنف کی غلطیوں سے بدلائل واضحہ پاک کرنا اور ہر قسم
کے شکوک اور شبہات کو جو لوگوں کے دلوں میں دخل کر

۶۳ گئے ہوں براہین قاطعہ سے مٹا دینا اور ایسا مجموعہ اصول
۶۴ مدلّلہ محققہ مثبتہ کا اپنی کتاب میں درج کرنا کہ نہ پہلے
اس سے وہ مجموعہ کسی الہامی کتاب میں درج ہوا ور نہ کسی
۶۵ ایسے حکیم اور فیلسوف کا پتا مل سکتا ہو کہ جو کبھی کسی زمانہ
میں اپنی نظر اور فکر اور عقل اور قیاس اور فہم اور ادراک
۶۶ کے زور سے اس مجموعہ کی حقیقی سچائی کا دریافت کرنے
والا ہو چکا ہوا ور نہ کبھی کسی بھلے مانس نے ایک ذرہ اس
۶۷ بات کا ثبوت دیا ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی
ایک آدھ دن کسی مدرسہ یا مکتب میں پڑھنے بیٹھے تھے یا
۶۸ کسی سے کچھ علم معقول یا منقول سیکھا تھا یا کبھی کسی فلسفی
۶۹ اور منطقی سے ان کی صحبت اور مخالطت رہی تھی کہ جس کے
اثر سے انہوں نے ہر یک اصول حقہ پر دلائل فلسفہ قائم
کر کے تمام عقائد مدار نجات کی حقیقی سچائی کو ایسا کھول
۷۰ دیا کہ جس کی نظیر صفحۂ روزگار میں کہیں نہیں پائی جاتی یہ

ایسا کام ہے کہ بجز تائید الٰہی اور الہام ربانی کے ہرگز کسی
سے انجام پذیر نہیں ہوسکتا پس ناچار عقل اس بات پر قطع ۷۱
واجب کرتی ہے جو قرآن شریف اس خدائے واحد لا ۷۲
شریک کی کلام ہے کہ جس کے علم کے ساتھ کسی انسان کا
علم برابر نہیں۔ یہ دلیل ہے جو ہم نے بطور نمونہ کے ان ۷۳
دلائل مرکبہ میں سے لکھی ہے کہ جن کا مجموعہ اجزا تمام
ایسی جزؤں سے مرکب ہے کہ وہ سب جزیں دلائل ہی ۷۴
ہیں چنانچہ اس دلیل کے اجزا سب کے سب وہ دلائل
ہیں جو عقائد حقہ پر قائم کی گئی ہیں اور چونکہ یہ دلیل بھی ۷۵
اصناف دلائل میں سے ایک صنف ہے اس لئے جیسا کہ
مخاصم پر تمام اصناف دلائل کا پیش کرنا فرض ہے اس لئے
اس دلیل کا بھی پیش کرنا فرض ہے مگر اس دلیل کو دکھلا نے ۷۶
کے لئے ان تمام دلائل کا دکھلانا بھی ضروری ہے کہ جن ۷۷
سے اس دلیل کی تالیف اور ترکیب ہے اور جن کی ہیئت

اجتماعی سے اس کا وجود تیار ہوتا ہے جیسی دلیل اثبات
وجود صانع دلیل اثبات توحید دلیل اثبات خالقیت باری ۷۸
تعالیٰ وغیرہ وغیرہ کیونکہ یہی دلائل اس دلیل کی اجزا ہیں
اور وجود کل کا بغیر وجود اجزا کے ممکن نہیں اور نہ تحصیل کسی ۷۹
ماہیت کا بدون اس کی جزوں کے ہوسکتا ہے پس مخاصم پر
لازم ہے جو ان تمام جزوی دلائل کو بھی پیش کرے۔ ہاں ۸۰
یہ اختیار ہے کہ جہاں ہم نے مثلاً کسی اصول کے اثبات
پر پانچ دلیلیں لکھی ہوں مخاصم صاحب اس کے اثبات پر ۸۱
یا اس کے ابطال پر یعنی جیسا کہ رائے اور اعتقاد ہو
صرف ایک ہی دلیل بپابندی انہیں شرائط اور انہیں حدود ۸۲
کے جو اشتہار ہذا میں ہم ذکر کر چکے ہیں اپنی الہامی
کتاب سے نکال کر دکھلاویں۔

المشتہر

خاکسار میرزا غلام احمد مقام قادیان ضلع گورداسپور
پنجاب

جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا

بفضلِ عظیم حضرتِ ہادیِ عالم و عالمیان و رحمتِ عمیمِ رہنمائے گمگشتگان کتابِ لاجواب موسوم بہ

براہینِ احمدیہ

ملقّب بہ

البراہین الاحمدیہ علیٰ حقیّت کتاب اللہ القرآن والنبوّۃ المحمدیہ

جسکو فخرِ اہلِ اسلام پنجاب جناب **میرزا غلام احمد** صاحب رئیسِ اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب دام اقبالہم کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کرکے منکرین اسلام پر حجتِ اسلام پوری کرنے کیلئے بوعدۂ انعام دس ہزار روپیہ شائع کیا

امرتسر پنجاب

سفیرِ ہند پریس میں در ۱۸۸۰ء طبع ہوئی

امید علی ددلہو پرنٹر

سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ

الجزو ۱۷ سورة الانبياء ۳۷

براہین احمدیہ کے مخالفوں کی جلدی

کئی ایک پادری صاحبوں اور ہندو صاحبوں نے جوش میں آ کر اخبار سفیر ہند اور نور افشاں اور رسالہ ودیا پرکاشک میں ہمارے نام طرح طرح کے اعلان چھپوائے ہیں جن میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ضرور ہم رد اس کتاب کی لکھیں گے اور بعض صاحب ڈوموں کی طرح ایسے ایسے صریح ہجو آمیز الفاظ استعمال میں لائے ہیں کہ جن سے ان کی طینت کی پاکی خوب ظاہر ہوتی ہے گویا وہ اپنی اوباشانہ تقریروں سے ہمیں ڈراتے اور دھمکاتے ہیں۔ مگر انہیں معلوم نہیں ہم تو ان کی تہہ سے واقف ہیں اور ان کے جھوٹے اور ذلیل اور پست خیال ہم پر پوشیدہ نہیں۔ سو ان سے ہم کیا ڈریں گے اور وہ کیا ڈراویں گے۔

کرمک پروانہ را چوں موت می آید فراز — می فتد برشمع سوزاں از رہ شوخی و ناز

بہر حال ہم ان کی خدمت میں التماس کرتے ہیں کہ ذرا صبر کریں اور جب کوئی حصہ کتاب کی فصلوں میں سے چھپ چکتا ہے تب جتنا چاہیں زور لگا لیں۔ ایک عام مقولہ مشہور ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں۔ سو ہم سچ پر ہیں۔ ہمارے سامنے کسی پادری یا پنڈت کی کیا پیش جاسکتی ہے اور کسی کی نری زبان کی فضول گوئی سے ہمارا کیا بگڑ سکتا ہے۔ بلکہ ایسی باتوں سے خود پادریوں اور پنڈتوں کی دیانتداری کھلتی جاتی ہے کیونکہ جس کتاب کو ابھی نہ دیکھا اور نہ بھالا نہ اس کی براہین سے کچھ اطلاع نہ اس کے پایۂ تحقیقات سے کچھ خبر اس کی نسبت جھٹ پٹ مونہہ کھول کر ردّ نویسی کا دعویٰ کر دینا کیا یہی ان لوگوں کی ایمانداری اور راستبازی ہے؟ اے حضرات! جب آپ لوگوں نے ابھی میری دلائل کو ہی نہیں

دیکھا تو پھر آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ ان تمام دلائل کا جواب لکھ سکیں گے؟ جب تک کسی کی کوئی حجت نکالی ہوئی یا کوئی برہان قائم کی ہوئی یا کوئی دلیل لکھی ہوئی معلوم نہ ہو اور پھر اس کو جانچا نہ جائے کہ یقینی ہے یا ظنی اور مقدمات صحیحہ پر مبنی ہے یا مغالطات پر تب تک اس کی نسبت کوئی مخالفانہ رائے ظاہر کرنا اور خواہ نخواہ اس کے رد لکھنے کے لئے دم زنی کرنا اگر تعصب نہیں تو اور کیا ہے؟ اور جب آپ لوگوں نے قبل از دریافت اصل حقیقت رد لکھنے کی پہلے ہی ٹھہرا لی تو پھر کب نفس امارہ آپ کا اس بات سے باز آنے کا ہے جو بات بات میں فریب اور تدلیس اور خیانت اور بددیانتی کو کام میں لایا جائے تا کہ کسی طرح یہ فخر حاصل کریں کہ ہم نے جواب لکھ دیا۔

اگر آپ لوگوں کی نیت میں کچھ خلوص اور دل میں کچھ انصاف ہوتا تو آپ لوگ یوں اعلان دیتے کہ اگر دلائل کتاب کی واقع میں صحیح اور سچی ہوں گی تو ہم بسر وچشم ان کو قبول کریں گے ورنہ اظہار حق کی غرض سے ان کی رد لکھیں گے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو بے شک منصفوں کے نزدیک منصف ٹھہرتے اور صاف باطن کہلاتے۔ لیکن خدا نہ کرے کہ ایسے لوگوں کے دلوں میں انصاف ہو جو خدا کے ساتھ بھی بے انصافی کرتے ہوئے نہیں ڈرتے اور بعض نے اس کو خالق ہونے سے ہی جواب دے رکھا ہے اور بعض ایک کے تین بنائے بیٹھے ہیں اور کسی نے اس کو ناصرہ میں لا ڈالا ہے اور کوئی اس کو اجودھیا کی طرف کھینچ لایا ہے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ آپ سب صاحبوں کو قسم ہے کہ ہمارے مقابلہ پر ذرا توقف نہ کریں افلاطون بن جاویں، بیکن کا اوتار دھاریں، ارسطو کی نظر اور فکر لاویں، اپنے مصنوعی خداؤں کے آگے استمداد کے لئے ہاتھ جوڑیں پھر دیکھیں جو ہمارا خدا غالب آتا ہے یا آپ لوگوں کے الٰہہ باطلہ۔ اور جب تک اس کتاب کا جواب نہ دیں تب تک بازاروں میں عوام کالانعام کے سامنے اسلام کی تکذیب کرنا یا ہنود کے مندروں میں بیٹھ کر ایک وید کو ایشر کرت اور ست ودیا اور باقی سارے پیغمبروں کو مفتری بیان کرنا صفت حیا اور شرم سے دور سمجھیں۔

یارو خودی سے باز بھی آؤ گے یا نہیں؟ خو اپنی پاک صاف بناؤ گے یا نہیں؟
باطل سے میل دل کی ہٹاؤ گے یا نہیں؟ حق کی طرف رجوع بھی لاؤ گے یا نہیں؟
کب تک رہو گے ضد و تعصب میں ڈوبتے؟ آخر قدم بصدق اٹھاؤ گے یا نہیں؟
کیونکر کرو گے رد جو محقق ہے ایک بات؟ کچھ ہوش کر کے عذر سناؤ گے یا نہیں؟

سچ سچ کہو اگر نہ بنا تم سے کچھ جواب
پھر بھی یہ منہ جہاں کو دکھاؤ گے یا نہیں ؟

اشتہارِ ضروری

کتاب براہین احمدیہ کی قیمت جو بالفعل دس روپیہ قرار پائی ہے وہ صرف مسلمانوں کیلئے کمال درجہ کی تخفیف اور رعایت ہے کہ جن کو بشرط وسعت اور طاقت مالی کے اعانت دین متین میں کسی نوع کا دریغ نہیں۔ لیکن جو صاحب کسی اور مذہب یا ملت کے پابند ہو کر اس کتاب کو خریدنا چاہیں تو چونکہ اعانت کی ان سے کچھ توقع نہیں۔ لہٰذا ان سے وہ پوری پوری قیمت لی جائے گی جو حصہ اولیٰ کے اعلان میں شائع ہو چکی ہے۔

المشتہر

مؤلف براہین احمدیہ

الف

عرضِ ضروری بحالت مجبوری

انسان کی کمزوریاں جو ہمیشہ اس کی فطرت کے ساتھ لگی ہوئی ہیں ہمیشہ اس کو تمدن اور تعاون کا محتاج رکھتی ہیں اور یہ حاجت تمدن اور تعاون کی ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ جس میں کسی عاقل کو کلام نہیں خود ہمارے وجود کی ہی ترکیب ایسی ہے کہ جو تعاون کی ضرورت پر اول ثبوت ہے ہمارے ہاتھ اور پاؤں اور کان اور ناک اور آنکھ وغیرہ اعضاء اور ہماری سب اندرونی اور بیرونی طاقتیں ایسی طرز پر واقع ہیں کہ جب تک وہ باہم مل کر ایک دوسرے کی مدد نہ کریں تب تک افعال ہمارے وجود کے علی مجری الصحت ہرگز جاری نہیں ہو سکتے اور انسانیت کی کل ہی معطل پڑی رہتی ہے۔ جو کام دو ہاتھ کے ملنے سے ہونا چاہیے وہ محض ایک ہی ہاتھ سے انجام نہیں ہوسکتا اور جس راہ کو دو پاؤں مل کر طے کرتے ہیں وہ فقط ایک ہی پاؤں سے طے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح تمام کامیابی ہماری معاشرت اور آخرت کے تعاون پر ہی موقوف ہو رہی ہے کیا کوئی اکیلا انسان کسی کام دین یا دنیا کو انجام دے سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کوئی کام دینی ہو یا دنیوی بغیر معاونت باہمی کے چل ہی نہیں سکتا۔ ہر یک گروہ کہ جس کا مدعا اور مقصد ایک ہی مثل اعضا یک دیگر ہے اور ممکن نہیں جو کوئی فعل جو متعلق غرض مشترک اس گروہ کے ہے بغیر معاونت باہمی ان کی کے بخوبی وخوش اسلوبی ہو سکے بالخصوص جس قدر جلیل القدر کام ہیں اور جن کی علت غائی کوئی فائدہ عظیمہ جمہوری ہے وہ تو بجز جمہوری اعانت کے کسی طور پر انجام پذیر ہی نہیں ہو سکتے اور صرف ایک ہی شخص ان کا متحمل ہرگز نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی ہوا انبیاء علیہم السلام جو توکل اور تفویض اور تحمل اور مجاہدات افعال خیر میں سب سے بڑھ کر ہیں ان کو بھی بہ رعایت اسباب ظاہری مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ (الصّف: ۵) کہنا پڑا خدا نے بھی اپنے قانون تشریعی میں بہ تصدیق اپنے قانون قدرت کے تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی (المائدہ: ۳) کا حکم فرمایا۔

مگر افسوس جو مسلمانوں میں سے بہتوں نے اس اصول متبرک کو فراموش کر دیا ہے اور ایسی

اصل عظیم کو کہ جس پر ترقی اور اقبال دین کا سارا مدار تھا بالکل چھوڑ بیٹھے ہیں اور دوسری قومیں کہ جن کی الہامی کتابوں میں اس بارے میں کچھ تاکید بھی نہیں تھی وہ اپنی دلی تدبیر سے اپنے دین کی اشاعت کے شوق سے مضمون تَعَاوَنُوْا پر عمل کرتی جاتی ہیں اور خیالات مذہبی ان کے باعث قومی تعاون کے روز بروز زیادہ سے زیادہ پھیلتے چلے جاتے ہیں۔ آج کل عیسائیوں کی قوم کو ہی دیکھو جو اپنے دین کے پھیلانے میں کس قدر دلی جوش رکھتے ہیں اور کیا کچھ محنت اور جانفشانی کر رہے ہیں۔ لاکھ ہا روپیہ بلکہ کروڑ ہا ان کا صرف تالیفات جدیدہ کے چھپوانے اور شائع کرنے کی غرض سے جمع رہتا ہے ایک متوسط دولتمند یورپ یا امریکہ کا اشاعت تعلیم انجیل کیلئے اس قدر روپیہ اپنی گرہ سے خرچ کر دیتا ہے جو اہل اسلام کے اعلیٰ سے اعلیٰ دولت مند من حیث المجموع بھی اس کی برابری نہیں کر سکتے۔ یوں تو مسلمانوں کا اس ملک ہندوستان میں ایک بڑا گروہ ہے اور بعض بعض متمول اور صاحب توفیق بھی ہیں مگر امور خیر کی بجا آوری میں (باستثنائے ایک جماعت قلیل امراء اور وزراء اور عہدہ داروں کے) اکثر لوگ نہایت درجہ کے پست ہمت اور منقبض الخاطر اور تنگ دل ہیں کہ جن کے خیالات محض نفسانی خواہشوں میں محدود ہیں اور جن کے دماغ استغنا کے موادِ ردیہ سے متعفن ہو رہے ہیں یہ لوگ دین اور ضروریات دین کو تو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتے۔ ہاں ننگ و نام کے موقعہ پر سارا گھر بار لٹانے کو بھی حاضر ہیں۔ خالصاً دین کیلئے عالی ہمت مسلمان (جیسے ایک سیدنا و مخدومنا **حضرت خلفیہ سید محمد حسن خان صاحب بہادر وزیر اعظم پٹیالہ**) اس قدر تھوڑے ہیں کہ جن کو انگلیوں پر بھی شمار کرنے کی حاجت نہیں۔ ب

ماسوا اس کے بعض لوگ اگر کچھ تھوڑا بہت دین کے معاملہ میں خرچ بھی کرتے ہیں تو ایک رسم کے پیرایہ میں نہ واقعی ضرورت کے انجام دینے کی نیت سے۔ جیسے ایک کو مسجد بنواتے دیکھ کر دوسرا بھی جو اس کا حریف ہے خواہ نخواہ اس کے مقابلہ پر مسجد بنواتا ہے اور خواہ واقعی ضرورت ہو یا نہ ہو مگر ہزار ہا روپیہ خرچ کر ڈالتا ہے۔ کسی کو یہ خیال پیدا نہیں ہوتا جو اس زمانہ میں سب سے مقدم اشاعت علم دین ہے اور نہیں سمجھتے کہ اگر لوگ دیندار ہی نہیں رہیں گے تو پھر ان مسجدوں میں کون نماز پڑھے گا؟

صرف پتھروں کے مضبوط اور بلند میناروں سے دین کی مضبوطی اور بلندی چاہتے ہیں اور فقط سنگ مرمر کے خوبصورت قطعات سے دین کی خوبصورتی کے خواہاں ہیں۔لیکن جس روحانی مضبوطی اور بلندی اور خوبصورتی کو قرآن شریف پیش کرتا ہے اور جو اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (ابراہیم: ۲۴) کا مصداق ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اس شجرہ طیبہ کے ظل ظلیل دکھلانے کی طرف ذرا متوجہ نہیں ہوتے اور یہود کی طرح صرف ظواہر پرست بن رہے ہیں۔ نہ دینی فرائض کو اپنے محل پر ادا کرتے ہیں اور نہ ادا کرنا جانتے ہیں اور نہ جاننے کی کچھ پروا رکھتے ہیں۔

اگرچہ یہ بات قابل تسلیم ہے جو ہر سال میں ہماری قوم کے ہاتھ سے بے شمار روپیہ بنام نہاد خیرات وصدقات کے نکل جاتا ہے مگر افسوس جو اکثر لوگ ان میں سے نہیں جانتے کہ حقیقی نیکی کیا چیز ہے اور بذل اموال میں اصلح اور انسب طریقوں کو مدنظر نہیں رکھتے اور آنکھ بند کر کے بے موقع خرچ کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر جب سارا شوق دلی اسی بے موقع خرچ کرنے میں تمام ہو جاتا ہے تو موقعہ پر آکر اصلی فرض کے ادا کرنے سے بالکل قاصر رہ جاتے ہیں اور اپنے پہلے اسراف اور افراط کا تدارک بطور تفریط اور ترک ماوجب کے کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی سیرت ہے کہ جن میں روح کی سچائی سے قوت فیاضی اور نفع رسانی کی جوش نہیں مارتی بلکہ صرف اپنی ہی طمع خاص سے مثلاً بوڑھے ہو کر پیرانہ سالی کے وقت میں آخرت کی تن آسانی کا ایک حیلہ سوچ کر مسجد بنوانے اور بہشت میں بنا بنایا گھر لینے کا لالچ پیدا ہو جاتا ہے اور حقیقی نیکی پر ان کی ہمدردی کا یہ حال ہے کہ اگر کشتی دین کی ان کی نظر کے سامنے ساری کی ساری ڈوب جائے یا تمام دین ایک دفعہ ہی تباہ ہو جائے تب بھی ان کے دل کو ذرا لرزہ نہیں آتا اور دین کے رہنے یا جانے کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے۔ اگر درد ہے تو دنیا کا، اگر فکر ہے تو دنیا کا، اگر عشق ہے تو دنیا کا، اگر سودا ہے تو دنیا کا۔ اور پھر دنیا بھی جیسا کہ دوسری قوموں کو حاصل ہے، حاصل نہیں۔ ہر یک شخص جو قوم کی اصلاح کے لئے کوشش کر رہا ہے وہ ان لوگوں کی لاپروائی سے نالاں اور گریاں ہی نظر آتا ہے اور ہر یک طرف سے يَا حَسْرَتَا عَلَى الْقَوْمِ کی ہی آواز آتی ہے اوروں کی کیا کہیں ہم آپ ہی سناتے ہیں۔

ہم نے صد ہا طرح کا فتور اور فساد دیکھ کر کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا تھا اور کتاب موصوف میں تین سو مضبوط اور محکم عقلی دلیل سے صداقت اسلام کی فی الحقیقت آفتاب سے بھی زیادہ تر روشن دکھلایا گیا چونکہ یہ مخالفین پر فتح عظیم اور مومنین کے دل و جان کی مراد تھی اس لئے امراء اسلام کی عالی ہمتی پر بڑا بھروسا تھا جو وہ ایسی کتاب لاجواب کی بڑی قدر کریں گے اور جو مشکلات اس کی طبع میں پیش آرہی ہیں۔ ان کے دور کرنے میں بدل و جان متوجہ ہو جائیں گے مگر کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں اللہ المستعان واللہ خیر وابقی!!

بعض صاحبوں نے قطع نظر اعانت سے ہم کو سخت تفکر اور تردّد میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے پہلا حصہ جو چھپ چکا تھا اس میں سے قریب ایک سو پچاس جلد کے بڑے بڑے امیروں اور دولت مندوں اور رئیسوں کی خدمت میں بھیجی تھیں اور یہ امید کی گئی تھی جو امراء عالی قدر خریداری کتاب کی ج
منظور فرما کر قیمت کتاب جو ایک ادنیٰ رقم ہے بطور پیشگی بھیج دیں گے اور ان کی اس طور کی اعانت سے دینی کام بآسانی پورا ہو جائیگا اور ہزارہا بندگان خدا کو فائدہ پہنچے گا۔ اسی امید پر ہم نے قریب ڈیڑھ سو کے خطوط اور عرائض بھی لکھے اور بہ انکسار تمام حقیقت حال سے مطلع کیا مگر باستثناء دو تین عالی ہمتوں کے سب کی طرف سے خاموشی رہی۔ نہ خطوط کا جواب آیا، نہ کتابیں واپس آئیں۔ مصارف ڈاک تو سب ضائع ہوئے۔ لیکن اگر خدانخواستہ کتابیں بھی واپس نہ ملیں تو سخت دقت پیش آئے گی اور بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ افسوس جو ہم کو اپنے معزز بھائیوں سے بجائے اعانت کے تکلیف پہنچ گئی۔ اگر یہی حمایت اسلام ہے تو کار دین تمام ہے۔ ہم بکمال غربت عرض کرتے ہیں کہ اگر قیمت پیشگی کتابوں کا بھیجنا منظور نہیں تو کتابوں کو بذریعہ ڈاک واپس بھیج دیں، ہم اسی کو عطیہ عظمیٰ سمجھیں گے اور احسان عظیم خیال کریں گے۔ ورنہ ہمارا بڑا حرج ہوگا اور گم شدہ حصوں کو دوبارہ چھپوانا پڑے گا کیونکہ یہ پرچہ اخبار نہیں کہ جس کے ضائع ہونے میں کچھ مضائقہ نہ ہو۔ ہر یک حصہ کتاب کا ایک ایسا ضروری ہے کہ جس کے تلف ہونے سے ساری کتاب ناقص رہ جاتی ہے۔ برائے خدا ہمارے معزز اخوان سردمہری اور لاپروائی کو کام میں نہ لائیں اور دنیوی استغناء کو دین میں استعمال نہ کریں۔ اور ہماری

اس مشکل کو سوچ لیں کہ اگر ہمارے پاس اجزا کتاب کے ہی نہیں ہوں گے تو ہم خریداروں کو کیا دیں گے اور ان سے پیشگی روپیہ کہ جس پر چھپنا کتاب کا موقوف ہے کیونکر لیں گے۔ کام ابتر پڑ جائے گا اور دین کے امر میں جو سب کا مشترک ہے ناحق کی دقت پیش آ جائے گی۔

امیدوار بود آدمی بخیر کساں　مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں

ایک اور بڑی تکلیف ہے جو بعض نافہم لوگوں کی زبان سے ہم کو پہنچ رہی ہے اور وہ یہ ہے جو بعض صاحب کہ جن کی رائے بباعث کم توجہی کے دینی معاملات میں صحیح نہیں ہے وہ اس حقیقت حال پر اطلاع پا کر جو کتاب براہین احمدیہ کی طیاری پر نو ہزار روپیہ خرچ آتا ہے بجائے اس کے جو دلی غمخواری سے کسی نوع کی اعانت کی طرف متوجہ ہوتے اور جو زیر باریاں بوجہ کمی قیمت کتاب و کثرت مصارف طبع کے عائد حال ہیں ان کے جبر نقصان کے لئے کچھ للّٰہ فی اللہ ہمت دکھلاتے منافقانہ باتیں کرنے سے ہمارے کام میں خلل انداز ہو رہے ہیں اور لوگوں کو یہ وعظ سناتے ہیں جو کیا پہلی کتابیں کچھ تھوڑی ہیں جو اب اس کی حاجت ہے۔ اگرچہ ہم کو ان لوگوں کے اعتراضوں پر کچھ نظر اور خیال نہیں اور ہم جانتے ہیں جو دنیا پرستوں کی ہر یک بات میں کوئی خاص غرض ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ اسی طرح شرعی فرائض کو اپنے سر پر سے ٹالتے رہتے ہیں کہ تا کسی دینی کارروائی کی ضرورت کو تسلیم کر کے کوئی کوڑی ہاتھ سے نہ چھوڑنی پڑے۔ لیکن چونکہ وہ ہماری اس جہد بلیغ کی تحقیر کر کے لوگوں کو اس کے فوائد عظیمہ سے محروم رکھنا چاہتے ہیں اور باوصفیکہ ہم نے پہلے حصہ کے پرچہ منضمہ میں وجوہ ضرورت کتاب موصوف کی بیان کر دی تھیں پھر بھی بمقتضائے فطرتی خاصیت اپنی کے نیش زنی کر رہے ہیں۔ ناچار اس اندیشہ سے کہ مبادا کوئی شخص ان کی واہیات باتوں سے دھوکا نہ کھاوے پھر کھول کر بیان کیا جاتا ہے کہ کتاب براہین احمدیہ بغیر اشد ضرورت کے نہیں لکھی گئی۔ جس مقصد اور مطلب کے انجام دینے کے لئے ہم نے اس کتاب کو تالیف کیا ہے اگر وہ مقصد کسی پہلی کتاب سے حاصل ہو سکتا تو ہم اسی کتاب کو کافی سمجھتے اور اسی کی اشاعت کے لئے بدل و جان مصروف ہو جاتے اور کچھ ضرور نہ تھا جو ہم سالہا سال اپنی جان کو محنت شدید میں ڈال کر اور اپنی عمر عزیز کا ایک حصہ خرچ کر کے پھر آخرکار

ایسا کام کرتے جو محض تحصیل حاصل تھا۔لیکن جہاں تک ہم نے نظر کی ہم کو کوئی کتاب ایسی نہ ملی جو جامع ان تمام دلائل اور براہین کی ہوتی کہ جن کو ہم نے اس کتاب میں جمع کیا ہے اور جن کا شائع کرنا بغرض اثبات حقیت دین اسلام کے اس زمانہ میں نہایت ضروری ہے،تو ناچار واجب دیکھ کر ہم نے یہ تالیف کی۔اگر کسی کو ہمارے اس بیان میں شبہ ہوتو ایسی کتاب کہیں سے نکال کر ہم کو دکھا دے تا ہم بھی جانیں۔ورنہ بیہودہ بکواس کرنا اور ناحق بندگان خدا کو ایک چشمہ فیض سے روکنا بڑا عیب ہے۔

مگر یادرہے جو اس مقولہ سے کسی نوع کی خودستائی ہمارا مطلب نہیں جو تحقیقات ہم نے کی اور پہلے عالی شان فضلاء نے نہ کی یا جو دلائل ہم نے لکھیں اور انہوں نے نہ لکھیں یہ ایک ایسا امر ہے جو زمانہ کے حالات سے متعلق ہے نہ اس سے ہماری ناچیز حیثیت بڑھتی ہے اور نہ ان کی بلندشان میں د
کچھ فرق آتا ہے۔انہوں نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں ابھی خیالات فاسدہ کم پھیلے تھے اور صرف غفلت کے طور پر باپ دادوں کی تقلید کا بازار گرم تھا سو ان بزرگوں نے اپنی تالیفات میں وہ روش اختیار کی جو ان کے زمانہ کی اصلاح کے لئے کافی تھی۔ہم نے ایسا زمانہ پایا کہ جس میں بباعث زور خیالات فاسدہ کے وہ پہلی روش کافی نہ رہی بلکہ ایک پرزور تحقیقات کی حاجت پڑی جو اس وقت کی شدت فساد کی پوری پوری اصلاح کرے۔یہ بات یادرکھنی چاہیے جو کیوں ازمنۂ مختلفہ میں تالیفات جدیدہ کی حاجت پڑتی ہے اس کا باعث یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا یعنی کسی زمانہ میں مفاسد کم اور کسی میں زیادہ ہوجاتے ہیں اور کسی وقت رنگ میں اور کسی وقت کسی رنگ میں پھیلتے ہیں۔اب مؤلف کسی کتاب کا جو ان خیالات کو مٹانا چاہتا ہے اس کو ضرور ہوتا ہے جو وہ طبیب حاذق کی طرح مزاج اور طبیعت اور مقدار فساد اور قسم فساد پر نظر کرکے اپنی تدبیر کو علی قدر ما ینبغی و علی نحو ما ینبغی عمل میں لاوے اور جس قدر یا جس نوع کا بگاڑ ہوگیا ہے اسی طور پر اس کی اصلاح کا بندوبست کرے اور وہی طریق اختیار کرے کہ جس سے احسن اور اسہل طور پر اس مرض کا ازالہ ہوتا ہو۔کیونکہ اگر کسی تالیف میں مخاطبین کے مناسب حال تدارک نہ کیا جائے تو وہ تالیف نہایت نکمّی اور غیر مفید اور بے سود ہوتی ہے اور ایسی تالیف کے بیانات میں یہ زور ہرگز نہیں ہوتا جو منکر کی طبیعت کے

پورے گہراؤ تک غوطہ لگا کر اس کے دلی خلجان کو بکلی متاصل کرے۔ پس ہمارے معترضین اگر ذرا غور کر کے سوچیں گے تو ان پر یہ یقین کامل واضح ہو جائے گا کہ جن انواع واقسام کے مفاسد نے آج کل دامن پھیلا رکھا ہے ان کی صورت پہلے فسادوں کی صورت سے بالکل مختلف ہے۔ وہ زمانہ جو کچھ عرصہ پہلے اس سے گزر گیا ہے وہ جاہلانہ تقلید کا زمانہ تھا اور یہ زمانہ کہ جس کی ہم زیارت کر رہے ہیں یہ عقل کی بداستعمالی کا زمانہ ہے۔ پہلے اس سے اکثر لوگوں کو نامعقول تقلید نے خراب کر رکھا تھا اور اب فکر اور نظر کی غلطی نے بہتوں کی مٹی پلید کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن دلائل عمیقہ اور براہین قاطعہ لکھنے کی ہم کو ضرورتیں پیش آئیں وہ ان نیک اور بزرگ عالموں کو کہ جنہوں نے صرف جاہلانہ تقلید کا غلبہ دیکھ کر کتابیں لکھی تھیں پیش نہیں آئی تھیں۔ ہمارے زمانہ کی نئی روشنی (کہ خاک برفرق ایں روشنی) نوآموزوں کی روحانی قوتوں کو افسردہ کر رہی ہے۔ ان کے دلوں میں بجائے خدا کی تعظیم کے اپنی تعظیم سما گئی ہے اور بجائے خدا کی ہدایت کے آپ ہی ہادی بن بیٹھے ہیں۔ اگرچہ آج کل تقریباً تمام نوآموزوں کا قدرتی میلان وجوہات عقلیہ کی طرف ہو گیا ہے لیکن افسوس کہ یہی میلان بباعث عقل ناتمام اور علم خام کے بجائے رہبر ہونے کے رہزن ہوتا جاتا ہے۔ فکر اور نظر کی کجروی نے لوگوں کے قیاسات میں بڑی بڑی غلطیاں ڈال دی ہیں اور مختلف رایوں اور گوناگوں خیالات کے شائع ہونے کے باعث سے کم فہم لوگوں کے لئے بڑی بڑی دقتیں پیش آ گئی ہیں۔ سوفسطائی تقریروں نے نوآموزوں کی طبائع میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ جو امور نہایت معقولیت میں تھے وہ ان کی آنکھوں سے چھپ گئے ہیں۔ جو باتیں بغایت درجہ نامعقول ہیں ان کو وہ اعلیٰ درجہ کی صداقتیں سمجھ رہے ہیں۔ وہ حرکات جو منشاء انسانیت سے مغائر ہیں ان کو وہ تہذیب خیال کئے بیٹھے ہیں اور جو حقیقی تہذیب ہے اس کو وہ نظر استخفاف اور استحقار سے دیکھتے ہیں۔ پس ایسے وقت میں اور ان لوگوں کے علاج کے لئے جو اپنے ہی گھر میں محقق بن بیٹھے ہیں اور اپنے ہی منہ سے میاں مٹھو کہلاتے ہیں، ہم نے کتاب براہین احمدیہ کو جو تین سو براہین قطعیہ عقلیہ پر مشتمل ہے بغرض اثبات حقانیت قرآن شریف جس سے یہ لوگ بکمال نخوت مونہہ پھیر رہے ہیں تالیف کیا ہے۔ کیونکہ یہ بات اجلی

بدیہات ہے جو سرگشتۂ عقل کو عقل ہی سے تسلی ہوسکتی ہے اور جو عقل کا رہزدہ ہے وہ عقل ہی کے ذریعہ سے راہ پر آسکتا ہے۔

اب ہر یک مومن کے لئے خیال کرنے کا مقام ہے کہ جس کتاب کے ذریعہ سے تین سو دلائل عقلی حقیت قرآن شریف پر شائع ہوگئیں اور تمام مخالفین کے شبہات کو دفع اور دور کیا جائے گا وہ
کتاب کیا کچھ بندگان خدا کو فائدہ پہنچائے گی اور کیسا فروغ اور جاہ وجلال اسلام کا اس کی اشاعت سے چمکے گا۔ ایسے ضروری امر کی اعانت سے وہی لوگ لا پروا رہتے ہیں جو حالت موجودہ زمانہ پر نظر نہیں ڈالتے اور مفاسد منتشرہ کو نہیں دیکھتے اور عواقب امور کو نہیں سوچتے یا وہ لوگ کہ جن کو دین سے کچھ غرض ہی نہیں اور خدا اور رسول سے کچھ محبت ہی نہیں۔ ٥

اے عزیزو!! اس پُرآشوب زمانہ میں دین اسی سے برپا رہ سکتا ہے جو بمقابلہ زور طوفان گمراہی کے دین کی سچائی کا زور بھی دکھایا جاوے اور ان بیرونی حملوں کے جو چاروں طرف سے ہو رہے ہیں حقانیت کی قوی طاقت سے مدافعت کی جائے۔ یہ سخت تاریکی جو چہرۂ زمانہ پر چھا گئی ہے یہ تب ہی دور ہوگی کہ جب دین کی حقیت کے براہین دنیا میں بکثرت چمکیں اور اس کی صداقت کی شعاعیں چاروں طرف سے چھوٹتی نظر آویں۔ اس پراگندہ وقت میں وہی مناظرہ کی کتاب روحانی جمعیت بخش سکتی ہے کہ جو بذریعہ تحقیق عمیق کے اصل ماہیت کے باریک دقیقہ کی تہہ کو کھولتی ہو اور اس حقیقت کے اصل قرارگاہ تک پہنچاتی ہو کہ جس کے جاننے پر دلوں کی تشفی موقوف ہے۔

اے بزرگو!!! اب یہ وہ زمانہ آگیا ہے کہ جو شخص بغیر اعلیٰ درجہ کے عقلی ثبوتوں کے اپنے دین کی خیر منانی چاہے تو یہ خیال محال اور طمع خام ہے۔ تم آپ ہی نظر اٹھا کر دیکھو جو کیسی طبیعتیں خود رائی اختیار کرتی جاتی ہیں اور کیسے خیالات بگڑتے جاتے ہیں اس زمانہ کی ترقی علوم عقلیہ نے یہی الٹا اثر کیا ہے حال کے تعلیم یافتہ لوگوں کی طبائع میں ایک عجب طرح کی آزاد منشی بڑھتی جاتی ہے اور وہ سعادت جو سادگی اور غربت اور صفا باطنی میں ہے وہ ان کے مغرور دلوں سے بالکل جاتی رہی ہے۔ اور جن جن خیالات کو وہ سیکھتے ہیں وہ اکثر ایسے ہیں کہ جن سے ایک لامذہبی کے وساوس پیدا کرنے

والا ان کے دلوں پر اثر پڑ تا جاتا ہے اور اکثر لوگ قبل اس کے جو ان کو کوئی مرتبہ تحقیق کامل کا حاصل ہو صرف جہل مرکب کے غلبہ سے فلسفی طبیعت کے آدمی بنتے جاتے ہیں۔ آؤ اپنی اولاد اور اپنی قوم اور اپنے ہم وطنوں پر رحم کرو اور قبل اس کے جو وہ باطل کی طرف کھینچے جائیں ان کو حق اور راستی کی طرف کھینچ لاؤ تا تمہارا اور تمہاری ذریت کا بھلا ہو اور تا سب کو معلوم ہو جو بمقابلہ دین اسلام کے اور سب ادیان بے حقیقت محض ہیں۔ دنیا میں خدا کا قانون قدرت یہی ہے جو کوشش اور سعی اکثر حصول مطلب کا ذریعہ ہو جاتی ہے اور جو شخص ہاتھ پاؤں توڑ کر اور غافل ہو کر بیٹھ جاتا ہے وہ اکثر محروم اور بے نصیب رہتا ہے۔ سو آپ لوگ اگر دین اسلام کی حقیت کے پھیلانے کے لئے جو فی الواقع حق ہے کوشش کریں گے تو خدا اس سعی کو ضائع نہیں کرے گا۔ خدا نے ہم کو صدہا براہین قاطعہ حقیت اسلام پر عنایت کیں اور ہمارے مخالفین کو ان میں سے ایک بھی نصیب نہیں اور خدا نے ہم کو حق محض عطا فرمایا اور ہمارے مخالفین باطل پر ہیں اور جو راستبازوں کے دلوں میں جلال احدیت کے ظاہر کرنے کے لئے سچا جوش ہوتا ہے اس کی ہمارے مخالفوں کو بو بھی نہیں پہنچی۔ لیکن تب بھی دن رات کی کوشش ایک ایسی موثر چیز ہے کہ باطل پرست لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اور چوروں کی طرح کہیں نہ کہیں ان کی نقب بھی لگتی ہی رہتی ہے۔ دیکھو عیسائیوں کا دین کہ جس کا اصول ہی اول الدن دُرد ہے، پادریوں کی ہمیشہ کی کوششوں سے کیسا ترقی پر ہے اور کیسے ہر سال ان کی طرف سے فخریہ تحریریں چھپتی رہتی ہیں کہ اس برس چار ہزار عیسائی ہوا اور اس سال آٹھ ہزار پر خداوند مسیح کا فضل ہو گیا۔

ابھی کلکتہ میں جو پادری ہیکر صاحب نے اندازہ کرسٹان شدہ آدمیوں کا بیان کیا ہے اس سے ایک نہایت قابل افسوس خبر ظاہر ہوتی ہے۔ پادری صاحب فرماتے ہیں جو پچاس سال سے پہلے تمام ہندوستان میں کرسٹان شدہ لوگوں کی تعداد صرف ستائیس ہزار تھی اس پچاس سال میں یہ کارروائی ہوئی جو ستائیس ہزار سے پانچ لاکھ تک شمار عیسائیوں کا پہنچ گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون!! اے بزرگو اس سے زیادہ تر اور کون سا وقت انتشار گمراہی کا ہے کہ جس کے آنے کی آپ لوگ راہ دیکھتے ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جو دین اسلام يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر: ۲) کا مصداق تھا اور اب یہ

زمانہ!!! کیا آپ لوگوں کا دل اس مصیبت کو سن کر نہیں جلتا؟ کیا اس وباءِ عظیم کو دیکھ کر آپ کی ہمدردی جوش نہیں مارتی؟ اے صاحبان عقل وفراست۔ اس بات کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ جو فساد دین کی بے خبری سے پھیلا ہے اس کی اصلاح اشاعت علم دین پر ہی موقوف ہے سو اسی مطلب کو کامل طور پر پورا کرنے کے لئے میں نے کتاب براہین احمدیہ کو تالیف کیا ہے اور اس کتاب میں ایسی دھوم دھام سے حقانیت اسلام کا ثبوت دکھلایا گیا ہے کہ جس سے ہمیشہ کے مجادلات کا خاتمہ فتح عظیم کے ساتھ ہو جاوے گا۔ اس کتاب کی اعانت طبع کے لئے جس قدر ہم نے لکھا ہے وہ محض مسلمانوں کی ہمدردی سے لکھا گیا ہے۔ کیونکہ ایسی کتاب کے مصارف جو ہزارہا روپیہ کا معاملہ ہے اور جس کی قیمت بھی بہ نیت عام فائدہ مسلمانوں کے نصف سے بھی کم کر دی گئی ہے یعنی پچیس روپیہ میں سے صرف دس روپیہ رکھے گئے ہیں وہ کیونکر بغیر اعانت عالی ہمت مسلمانوں کے انجام پذیر ہو۔ و

بعض صاحبوں کی سمجھ پر رونا آتا ہے جو وہ بروقت درخواست اعانت کے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم کتاب کو بعد طیاری کتاب کے خرید لیں گے پہلے نہیں۔ ان کو سمجھنا چاہیے کہ یہ کچھ تجارت کا معاملہ نہیں اور مولف کو بجز تائید دین کے کسی کے مال سے کچھ غرض نہیں۔ اعانت کا وقت تو یہی ہے کہ جب طبع کتاب میں مشکلات پیش آ رہی ہیں۔ ورنہ بعد چھپ چکنے کے اعانت کرنا ایسا ہے کہ جیسے بعد تندرستی کے دوا دینا۔ پس ایسی لاحاصل اعانت سے کس ثواب کی توقع ہوگی۔ خدا نے لوگوں کے دلوں سے دینی محبت کیسی مٹا دی جو اپنے ننگ و ناموس کے کاموں میں ہزارہا روپیہ آنکھ بند کر کے خرچ کرتے چلے جاتے ہیں لیکن دینی کاموں کے بارے میں جو اس حیات فانی کا مقصد اصلی ہیں، لمبے لمبے تاملوں میں پڑ جاتے ہیں۔ زبان سے تو کہتے ہیں جو ہم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں پر حقیقت میں ان کو نہ خدا پر ایمان ہے نہ آخرت پر۔ اگر ایک ساعت اپنے بذل اموال کی کیفیت پر نظر کریں جو خداداد نعمتوں کو اپنے نفس امارہ کے فربہ کرنے کے لئے ایک برس میں کس قدر خرچ کر ڈالتے ہیں اور پھر سوچیں جو خلق اللہ کی بھلائی اور بہبودی کے لئے ساری عمر میں خالصاً لِلّٰہ کتنے کام کئے ہیں تو اپنے خیانت پیشہ ہونے پر آپ ہی رو دیں۔ پر ان باتوں کو کون سوچے اور وہ پردے جو دل پر ہیں

کیونکر دور ہوں وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ھَادٍ (الرعد: ۳۴) انہیں لوگوں کی پست ہمتی اور دنیا پرستی پر خیال کر کے بعض ہمارے معزز دوستوں نے جو دین کی محبت میں مثل عاشق زار پائے جاتے ہیں بمقتضائے بشریت کے ہم پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جس صورت میں لوگوں کا یہ حال ہے تو اتنی بڑی کتاب تالیف کرنا کہ جس کی چھپوائی پر ہزارہا روپیہ خرچ آتا ہے بے موقع تھا۔ سو ان کی خدمت والا میں یہ عرض ہے کہ اگر ہم ان صدہا دقائق اور حقائق کو نہ لکھتے کہ جو درحقیقت کتاب کے حجم بڑھ جانے کا موجب ہیں تو پھر خود کتاب کی تالیف ہی غیر مفید ہوتی۔ رہا یہ فکر کہ اس قدر روپیہ کیونکر میسر آوے گا؟ سو اس سے تو ہمارے دوست ہم کو مت ڈراویں اور یقین کر کے سمجھیں جو ہم کو اپنے خدائے قادر مطلق اور اپنے مولیٰ کریم پر اس سے زیادہ تر بھروسا ہے کہ جو ممسک اور خسیس لوگوں کو اپنی دولت کے ان صندوقوں پر بھروسا ہوتا ہے کہ جن کی تالی ہر وقت ان کی جیب میں رہتی ہے۔ سو وہی قادر توانا اپنے دین اور اپنی وحدانیت اور اپنے بندہ کی حمایت کے لئے آپ مدد کرے گا۔ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (البقرہ: ۱۰۶)

پناہم آں توانائیست ہر آن ز بخل ناتوانانم مترساں

مطبوعہ سفیر ہند امرتسر

مقدمہ ۸۳

اور اس میں کئی مقصد واجب الاظہار ہیں جو ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں

اوّل ہر ایک صاحب کی خدمت میں جو اعتقاد اور مذہب میں ہم سے مخالف ہیں بصد ادب اور غربت عرض کی جاتی ہے جو اس کتاب کی تصنیف سے ہمارا ہرگز یہ مطلب اور مدعا نہیں جو کسی دل کو رنجیدہ کیا جائے یا کسی نوع کا بے اصل جھگڑا اٹھایا جائے بلکہ محض حق اور راستی کا ظاہر کرنا مراد دلی اور تمناء قلبی ہے اور ہم کو ہرگز منظور نہ تھا کہ اس کتاب میں کسی اپنے مخالف کے خیالات اور عندیات کا ذکر زبان پر لاتے بلکہ اپنے کام سے کام تھا اور مطلب سے مطلب ۔ مگر کیا کیجئے کہ کامل تحقیقات اور باستیفاء بیان کرنا جمیع اصول حقہ اور ادلہ کاملہ کا اسی پر موقوف ہے کہ ان سب ارباب مذاہب کو جو برخلاف اصول حقہ کے رائے اور خیال رکھتے ہیں غلطی پر ہونا دکھلایا جائے ۔ پس اس جہت سے ان کا ذکر کرنا اور ان کے شکوک کو رفع دفع کرنا ضروری اور واجب ہوا اور خود ظاہر ہے کہ کوئی ثبوت بغیر رفع کرنے عذرات فریق ثانی کے کما حقہ اپنی صداقت کو نہیں پہنچتا مثلاً جب ہم اثبات وجود صانع عالم کی بحث لکھیں تو تکمیل اس بحث کی اس بات پر موقوف ہوگی جو دہریہ یعنی منکرین وجود خالق کائنات کے ظنون فاسدہ کو دور کیا جائے اور جب ہم حضرت باری کے خالق الارواح والاجسام ہونے پر دلائل
۸۴ قائم کریں تو ہم پر انصافاً لازم ہے جو آریہ سماج [1] والوںؔ کے اوہام اور وسواس کو بھی خدا تعالیٰ کے

حاشیہ نمبر 1: یہ ایک نیا فرقہ ہے جو ہندوؤں میں پیدا ہوا ہے جو اپنی مذہبی مجلس کو آریہ سماج سے موسوم کرتے ہیں ۔ ان دنوں میں
۸۴ سرپرست بلکہ بانی مبانی اس فرقہ کے ایک پنڈت صاحب ہیں کہ جن کا نام دیانندؔ ہے ۔ اور ہم اس وجہ سے اس فرقہ کو نیا فرقہ کہتے ہیں کہ وہ تمام اصول کہ جن کا یہ فرقہ پابند ہے اور وہ تمام خیالات اور تاویلات کہ ویدؔ کی نسبت اس فرقہ نے پیدا کئے ہیں وہ بہ ہیئت مجموعی کسی قدیم ہندو مذہب میں نہیں پائی جاتی اور نہ کسی ویدؔ بھاش اور نہ کسی شاستر میں یکجائی طور پر ان کا پتہ ملتا ہے ۔ بلکہ منجملہ ان ذخیرہ متفرق خیالات کے کچھ تو پنڈت دیانندؔ صاحب کے اپنے ہی دل کے بخارات ہیں اور کچھ ایسے بے جا تصرفات ہیں کہ کسی جگہ سے سر اور کسی جگہ سے ٹانگ لی گئی ۔ غرض اسی قسم کی کارسازیوں سے اس فرقہ کا قالب تیار کیا گیا ۔ اور پہلا اصول اس فرقہ کا یہی ہے جو پرمیشر روحوں اور اجسام کا خالق نہیں بلکہ یہ سب چیزیں پرمیشر کی طرح

خالق ہونے سے منکر ہیں مٹاویں اور جب ہم ضرورت الہام کی دلائل تحریر کریں تو ہم پر ان شبہات کا ازالہ کرنا بھی واجب ہوگا جو برہمو سماج والوں کے دلوں میں متمکن ہو رہے ہیں۔ علاوہ اس کے یہ بات بھی نہایت پختہ تجربہ سے ثابت ہے کہ اس زمانہ کے مخالفین اسلام کی یہ عادت ہو رہی ہے کہ جب تک اپنے اصول مسلمہ کو باطل اور خلاف حق نہیں دیکھتے اور اپنے مذہب کے فساد پر مطلع نہیں ہوتے تب تک راستی اور صداقت دین اسلام کی کچھ بھی پروا نہیں رکھتے اور گو آفتاب صداقت دین الٰہی کا کیسا ہی ان کو چمکتا نظر آوے تب بھی اس آفتاب سے دوسری طرف مونہہ پھیر لیتے ہیں۔ پس جبکہ یہ حال ہے تو ایسی صورت میں دوسرے مذاہب کا ذکر کرنا نہ صرف جائز بلکہ دیانت اور امانت اور پوری ہمدردی کا یہی مقتضا ہے جو ضرور ذکر کیا جائے اور ان کے اوہام کے مٹانے اور ان کے عقائد کے بطلان ظاہر کرنے میں کسی طرح کی فروگذاشت اور کسی طور کا اخفا نہ رکھا جائے۔ بالخصوص جبکہ وہ لوگ
۸۵ ہماری دانست میں صراط مستقیم سے دور اور مہجور ہیں اور ہم اپنے سچے دل سے ان کو خطا پر سمجھتے ہیں اور ان کے اصول کو حق کے برخلاف جانتے ہیں اور ان کا انہیں عقائد پر اس عالم فانی سے کوچ کرنا موجب عذاب عظیم یقین رکھتے ہیں۔ تو پھر اس صورت میں اگر ہم ان کی اصلاح سے عمداً چشم پوشی کریں اور ان کا گمراہ ہونا اور دوسرے لوگوں کو گمراہی میں ڈالنا دیدہ دانستہ روا رکھیں تو پھر ہمارا کیا ایمان اور کیا دین ہوگا اور ہم اپنے خدا کو کیا جواب دیویں گے۔ اور اگرچہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض دنیا پرست آدمی کہ جن کو خدا اور خدا کے سچے دین کی کچھ بھی پروا نہیں ان کو اپنے مذہب کی خرابیاں یا اسلام کی خوبیاں سن کر بڑا رنج دل میں گزرے گا اور منہ بگاڑیں گے اور کچھ کا کچھ بولیں گے۔ مگر ہم امید رکھتے ہیں کہ ایسے طالب صادق بھی کئی نکلیں گے کہ جو اس کتاب کے پڑھنے سے صراط مستقیم کو

بقیہ حاشیہ نمبر 1:

۸۴ قدیم اور انادی اور اپنے وجود کی آپ ہی پرمیشر ہیں۔ اور پرمیشر ان کے نزدیک ایک ایسا شخص ہے جو اپنی بہادری سے یا اتفاق سے سلطنت کو پہنچ گیا ہے اور اپنے جیسی چیزوں پر حکومت کرتا ہے اور انہیں کے سہارے اور آسرے سے اس کی پرمیشری بنی ہوئی ہے ورنہ اگر وہ چیزیں نہ ہوتیں تو پھر خیر نہ تھی اور وہ سب چیزیں یعنی ارواح اور اجزاء صغار اجسام کی اپنے وجود اور بقا میں بالکل پرمیشر سے بے تعلق ہیں۔ یہاں تک کہ اگر پرمیشر کا مرنا بھی فرض کیا جائے تو ان کا کچھ بھی حرج نہیں۔
نعوذ باللّٰہ من ھذہ الھفوات۔منہ

پا کر جناب الٰہی میں سجدات شکر کے ادا کریں گے اور خدا نے جو ہمیں سمجھایا ہے وہ ان کو بھی سوجھاوے گا اور جو کچھ ہم پر ظاہر کیا ہے وہ ان پر بھی ظاہر کردے گا۔ اور حقیقت میں یہ کتاب انہیں کے لئے تصنیف ہوئی ہے اور یہ سارا بوجھ ہم نے انہیں کی خاطر اٹھایا ہے وہی ہمارے حقیقی مخاطب ہیں اور ان کی خیر خواہی اور ہمدردی ہمارے دل میں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ نہ زبان کو طاقت ہے کہ بیان کرے اور نہ قلم کو قوت ہے کہ تحریر میں لاوے۔

بدل دردے کہ دارم از برائے طالبان حق　نمے گردد بیاں آں درد از تقریر کو تاہم
دل و جانم چناں مستغرق اندر فکر اوشان ست　کہ نے از دل خبر دارم نہ از جان خود آ گاہم
بدیں شادم کہ غم از بہر مخلوق خدا دارم　ازیں درلذتم کز دردمے خیزد زدل آہم
مرا مقصود و مطلوب و تمنا خدمت خلق است　ہمیں کارم ہمیں بارم ہمیں رسمم ہمیں راہم
نہ من از خود نہم در کوچۂ پند و نصیحت پا　کہ ہمدردی برد آنجا بہ جبر وزور واکراہم
غم خلق خدا صرف از زباں خوردن چہ کارست این　گرش صدجاں بہ پاریزم ہنوزش عذر میخواہم
چو شام پر غبار و تیرہ حال عالمے بینم　خدا بروے فرود آرد دعا ہائے سحرگاہم　٨٦

سواَب سب ارباب صدق وصفا کی خدمت میں التماس ہے جو مجھ خاکسار کو ایک حقیقی خیر خواہ اور دلی ہمدرد تصور فرما کر میری اس کتاب کو توجہ ٔ کامل سے مطالعہ فرماویں اور جیسا کہ انسان اپنے دوست کی بات میں بہت غور کرتا ہے اور جہاں تک ممکن ہو اس کی نصائح مشفقانہ کو بدظنی کی نظر سے نہیں دیکھتا اور اگر حقیقت میں وہ نصائح اس کے حق میں بہتر اور مفید ہوں تو اپنی ضد چھوڑ کر ان کو قبول کر لیتا ہے۔ بلکہ اس دوست کا ممنون اور مشکور ہوتا ہے جو قلبی محبت اور صداقت سے اس کا ناصح بنا اور جن باتوں میں اس کی خیر اور بھلائی تھی ان سے اس کو اطلاع دے دی۔ اسی طرح میں بھی ہر یک قوم کے بزرگوں اور ارباب علم اور فضل سے متوقع ہوں کہ جو جو میں نے براہین اور دلائل حقیت دین اسلام کے بارے میں لکھی ہیں یا جن جن وجوہات سے میں نے کلام الٰہی ہونا فرقان مجید کا اور افضل اور اعلیٰ

ہونا اس کا دوسری کتب الہامیہ سے ثابت کیا ہے، اگر ان ثبوتوں کو کامل اور لاجواب پاویں تو انصاف اور خدا ترسی سے قبول فرماویں اور یونہی لاپروائی اور بدظنی سے منہ نہ پھیر لیں۔ ②

۸۷ خاکساریم و سخن از رہ غربت گوئم — یعلم اللہ کہ بکس نیست غبارے مارا
جلوۂ حسن کشد جانب یارے مارا — ما نہ بیہودہ پے ایں سرو کارے برویم

صاحبو! انسان کی دانشمندی اور زیرکی سب اسی میں ہے کہ وہ ان اصولوں اور اعتقادوں کو جو بعد مرنے کے موجب سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا ٹھہریں گے اسی زندگی میں خوب معلوم کر کے حق پر قائم اور باطل سے گریزاں ہو اور اپنے ان نازک عقائد کی بنا کہ جن کو مدار نجات کا جاننا

حاشیہ نمبر 2: اگر کوئی مخالفین اسلام میں سے یہ اعتراض کرے کہ قرآن شریف کو سب الہامی کتابوں سے افضل اور اعلیٰ قرار دینے میں یہ لازم آتا ہے کہ دوسری الہامی کتابیں ادنیٰ درجہ کی ہوں حالانکہ وہ سب ایک خدا کی کلام ہے اس میں ادنیٰ اور اعلیٰ کیونکر تجویز ہوسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک باعتبار نفس الہام کے سب کتابیں مساوی ہیں مگر باعتبار زیادت بیان امور مکملات دین کے بعض کو بعض پر فضیلت ہے پس اسی جہت سے قرآن شریف کو سب کتابوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ جس قدر قرآن شریف میں امور تکمیل دین کے جیسے مسائل توحید اور ممانعت انواع واقسام شرک اور معالجات امراض روحانی اور دلائل ابطال مذاہب باطلہ اور براہین اثبات عقائد حقہ وغیرہ بکمال شدومد بیان فرمائے گئے ہیں وہ دوسری کتابوں میں درج نہیں۔ جیسا کہ ہم ثبوت اس دعویٰ کا فصل اول اس کتاب میں بہ تفصیل تمام ذکر کریں گے۔
اور اگر یہ شبہ پیدا ہو کہ خدائے تعالیٰ نے حقائق اور معارف دینی کو اپنی ساری کتابوں میں برابر کیوں درج نہ فرمایا اور قرآن شریف کو سب سے زیادہ جامع کمالات کیوں رکھا۔ تو ایسا شبہ بھی صرف اس شخص کے دل میں گزرے گا کہ جو وحی کی
۸۷ حقیقت کو نہیں جانتا اور اس بات پر اطلاع نہیں رکھتا کہ کن تحریکات سے اور کس طرح پر وحی نازل ہوتی ہے۔ سو ایسے شخص پر واضح رہے کہ اصل حقیقت وحی کی یہ ہے جو نزول وحی کا بغیر کسی موجب کے جو مستدعی نزول وحی ہو ہرگز نہیں ہوتا۔ بلکہ ضرورت کے پیش آجانے کے بعد ہوتا ہے اور جیسی جیسی ضرورتیں پیش آتی ہیں بمطابق ان کے وحی بھی نازل ہوتی ہے کیونکہ وحی کے باب میں یہی عادت اللہ جاری ہے کہ جب تک باعث محرک وحی پیدا نہ ہولے تب تک وحی نازل نہیں ہوتی۔ اور خود ظاہر بھی ہے جو بغیر موجودگی کسی باعث کے جو تحریک وحی کی کرتا ہو یونہی بلا موجب وحی کا نازل ہوجانا ایک بے فائدہ کام ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف جو حکیم مطلق ہے اور ہر یک کام برعایت حکمت اور مصلحت اور مقتضاء وقت کے کرتا ہے منسوب نہیں ہوسکتا۔ پس سمجھنا چاہیے کہ جو قرآن شریف میں تعلیم حقانی کامل اور مفصل طور پر بیان کی گئی اور دوسری کتابوں میں بیان نہ ہوئی یا جو جو امور تکمیل دین کے اس میں لکھے گئے اور دوسری کتابوں میں نہ لکھے گئے تو اس کا یہی باعث ہے کہ پہلی کتابوں کو وہ تمام وجوہ محرک وحی کے پیش نہ آئے اور قرآن شریف کو پیش آ گئے۔ اور خود ظاہر ہوجانا ان تمام وجوہ محرکہ وحی کا کسی پہلے عہد میں قبل عہد قرآن شریف کے ایک امر محال تھا۔ چنانچہ اس بات کا ثبوت بھی فصل اول میں بدلائل کاملہ دیا جائے گا۔ منہ۔

ہے اور آخری خوشحالی کا باعث تصور کرتا ہے ثبوت کامل اور مستحکم پر رکھے اور ایسی باتوں پر جو چھٹپن میں کسی پالنے والی ماما نے سکھائی تھیں مغرور اور فریفتہ نہ رہے کیونکہ صرف ان اوہام اور خیالات پر بھروسہ کر کے بیٹھے رہنا کہ جن کی حقیت کی اپنے ہاتھ میں ایک بھی دلیل نہیں حقیقت میں اپنے نفس کو آپ دھوکا دینا ہے۔ ہر یک عاقل جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایسی کتابیں یا ایسے اصول کتابوں کے کہ جن کو مختلف قوموں نے خدا کی رضا مندی اور اپنی رستگاری کا وسیلہ سمجھ رکھا ہے اور جنکے نہ ماننے سے ایک قوم دوسری قوم کو دوزخ کی طرف بھیج رہی ہے علاوہ شہادت الہامیہ کے دلائل عقلیہ سے بھی ثابت کرنا اشد ضروری ہے کیونکہ اگرچہ شہادت الہامی بڑی معتبر خبر ہے اور استکمال مراتب یقین کا اسی پر ۸۸
موقوف ہے لیکن اگر کوئی کتاب مدعی الہام کی کسی ایسے امر کی تعلیم کرے کہ جس کے امتناع پر کھلا کھلی دلائل عقلیہ قائم ہوتی ہیں تو وہ امر ہرگز درست نہیں ٹھہر سکتا بلکہ وہ کتاب ہی باطل یا محرف یا مبدل المعنی کہلائے گی کہ جس میں کوئی ایسا خلاف عقل امر لکھا گیا۔ پس جبکہ تصفیہ ہر یک امر کے جائز یا ممتنع ہونے کا عقل ہی کے حکم پر موقوف ہے اور ممکن اور محال کی شناخت کرنے کیلئے عقل ہی معیار ہے تو اس سے لازم آیا کہ حقیت اصول نجات کی بھی عقل ہی سے ثابت کی جائے۔ کیونکہ اگر اصول مذاہب مختلفہ کے دلائل عقلیہ سے ثابت نہ ہوں بلکہ ان کا باطل اور ممتنع اور محال ہونا ثابت ہو تو پھر ہمیں کیونکر معلوم ہو کہ زید کے اصول سچے اور بکر کے جھوٹے ہیں یا ہندوؤں کی پستک غلط اور بنی اسرائیل کی کتابیں صحیح ہیں اور نیز اگر حق اور باطل میں عقلاً کچھ فرق قائم نہ ہو تو پھر اس حالت میں کیونکر ایک طالب حق کا جھوٹ اور سچ میں تمیز کر کے جھوٹ کو چھوڑے اور سچ کو اختیار کرے اور کیونکر ایسے اصولوں کے نہ ماننے سے کوئی شخص خداوند تعالیٰ کے حضور میں ملزم ٹھہرے ③ ۔اور جبکہ ہم فی الحقیقت اپنی نجات کیلئے

حاشیہ نمبر 3: غیر معقول اصول کہ جن کے امتناع پر عقل دلائل بینہ پیش کرتی ہے ہرگز سچے نہیں ہو سکتے کیونکہ اگر وہ سچے ہوں تو پھر ہر یک امر میں دلائل قطعیہ عقلیہ کا اعتبار اٹھ جائے گا۔ پس جب وہی اصول جو مدار نجات کا سمجھے گئے تھے سچے نہ ہوئے تو پھر بالضرور ایسے لوگ جوان پر بھروسہ کئے بیٹھے تھے بغیر نجات کے رہ جائیں گے اور مستوجب عذاب ابدی اور عقوبت دائمی کے ٹھہریں گے کیونکہ ان کے اپنے گھر کے اصول تو جھوٹے نکلے اور سچے اصولوں کو جو عقل کے مطابق تھے انہوں نے پہلے ہی سے قبول نہ کیا اور یہ بات اسی دنیا میں ظاہر ہے کہ جو شخص کسی امر ممتنع اور محال یا دروغ اور باطل کو اپنا اعتقاد ٹھہراتا ہے اور مدلل اور ثابت شدہ باتوں کو قبول نہیں کرتا اس کو کیسی کیسی ندامتیں اٹھانی پڑتی ہیں اور کیا کچھ اہل تحقیق کے منہ سے سننا پڑتا ۸۸

ایسے عقائد کے محتاج ہیں کہ جن کا حق ہونا دلائل عقلیہ سے ثابت ہوتو پھر یہ سوال ہوگا کہ وہ عقائد حقہ
کیونکر ہمیں معلوم ہوں اور کس یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ سے ہم ان تمام عقائد کو معہ ان کی دلائل ۸۹
کے بآسانی دریافت کرلیں اور حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچ جائیں۔ پس اس کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ وہ یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ کہ جس سے بغیر تکلیف اور مشقت اور مزاحمت شکوک اور شبہات اور خطا اور سہو کے اصول صحیحہ معہ ان کی دلائل عقلیہ کے معلوم ہو جائیں اور یقین کامل سے معلوم ہوں وہ قرآن شریف ہے اور بجز اس کے دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں اور نہ کوئی ایسا دوسرا ذریعہ ہے کہ جس سے یہ مقصد اعظم ہمارا پورا ہو سکے۔④ صاحبو! میں نے بہ یقین تمام معلوم کرلیا ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 3:

ہے بلکہ اپنا ہی نفس اس کا ہر وقت اس کو ملزم قرار دیتا ہے اور بسا اوقات گھبرا کر آپ ہی اپنے دل سے خطاب کرتا ہے جو یہ کیا واہیات اعتقاد ہے جو میں نے اختیار کر رکھا ہے۔ پس یہ بھی ایک عذاب روحانی ہے جو اسی جہان میں اس پر نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ منہ

حاشیہ نمبر 4: یہ قول ہمارا جو یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ شناخت عقائد حقہ کا بجز قرآن شریف کے اور کوئی نہیں اپنے موقعہ پر ۸۹
بدلائل کاملہ ثابت کیا گیا ہے اور جو لوگ دوسری کتابوں کے پابند ہیں ان کے اصولوں کا غلط اور باطل اور نادرست ہونا بکمال تحقیق دکھلایا گیا ہے۔ مگر شائد اس جگہ برہمو سماج والے جو کسی کتاب الہامی کے پابند نہیں اور اصول حقہ کے جاننے میں صرف اپنی ہی عقل کو کافی سمجھتے ہیں اس وہم کو دل میں جگہ دیں کہ کیا مجرد عقل انسان کی معرفت اصول حقہ کے لئے یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ نہیں۔ سو اگرچہ یہ وہم ان کا الہام کے بحث میں جو انشاء اللہ عنقریب بہ تفصیل تمام اسی کتاب میں درج ہوگی جیسا کہ چاہیے دور کیا جائیگا مگر اس مقام میں بھی وہم مذکور کا قلع وقمع کرنا ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ اگرچہ یہ سچ بات ہے کہ عقل بھی خدا نے انسان کو ایک چراغ عطا کیا ہے جس کی روشنی اس کو حق اور راستی کی طرف کھینچتی ہے اور کئی طرح کے شکوک اور شبہات سے بچاتی ہے اور انواع واقسام کے بے بنیاد خیالوں اور بے جا وساوس کو دور کرتی ہے۔ نہایت مفید ہے، بہت ضروری ہے، بڑی نعمت ہے، مگر پھر بھی باوجود ان سب باتوں اور ان تمام صفتوں کے اس میں یہ نقصان ہے کہ صرف وہی اکیلی معرفت حقائق اشیاء میں مرتبہ یقین کامل تک نہیں پہنچ سکتیں کیونکہ مرتبہ یقین کامل کا یہ ہے کہ جیسا کہ حقائق اشیاء کے واقعہ میں موجود ہیں انسان کو بھی ان پر ایسا ہی یقین آجائے کہ ہاں حقیقت میں موجود ہیں مگر مجرد عقل انسان کو اس اعلیٰ درجہ یقین کا مالک نہیں بنا سکتی۔ کیونکہ غایت درجہ حکم عقل کا یہ ہے کہ وہ کسی شے کے موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرے جیسا کسی چیز کی نسبت یہ حکم عقل کا یہ ہے کہ وہ کسی شے کے موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرے جیسا کسی چیز کی نسبت یہ حکم دے کہ اس چیز کا ہونا ضروری ہے یا یہ چیز ہونی چاہیے مگر ایسا حکم ہرگز نہیں دے سکتی کہ واقعہ میں یہ چیز ہے بھی اور یہ پایۂ یقین کامل کا کہ علم انسان کا کسی امر کی نسبت ہونا چاہیے کہ مرتبہ سے ترقی کر کے ہے کے مرتبہ تک پہنچ جائے تب حاصل ہوتا ہے کہ جب عقل کے ساتھ کوئی دوسرا ایسا رفیق مل جاتا ہے کہ جو اس کی قیاسی وجوہات کو تصدیق کر کے واقعات مشہودہ کا لباس پہنا تا ہے یعنی جس امر کی نسبت عقل کہتی ہے کہ ہونا چاہیے وہ رفیق اس امر کی نسبت یہ خبر دے دیتا ہے کہ

اور جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا کہ جن پر میں نے غور کی ہے وہ بھی بہ یقین تمام معلوم کر لے گا کہ وہ ۹۰
سب اصول کہ جن پر ایمان لانا ہر یک طالب سعادت پر واجب ہے اور جن پر ہم سب کی نجات
موقوف ہے اور جن سے ساری اخروی خوشحالی انسان کی وابستہ ہے وہ صرف قرآن شریف ہی میں محفوظ
ہیں اور باقی سب کتابوں کے اصول بگڑ گئے ہیں اور ایسی جعلی اور مصنوعی اور اس قدر طریقۂ مستقیمۂ
حکمت اور مجری طبعی سے دور جا پڑے ہیں کہ ان کے لکھنے سے بھی ہمیں شرم آتی ہے اور یہ قول ہمارا بلا

بقیہ حاشیہ نمبر 4:

واقعہ میں وہ امر موجود بھی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں عقل صرف ضرورت شے کو ثابت کرتی ہے خود شے کو ۹۰
ثابت نہیں کر سکتی۔ اور ظاہر ہے کہ کسی شے کی ضرورت کا ثابت ہونا امر دیگر ہے اور خود اس شے کا ثابت ہو جانا امر دیگر۔
بہرحال عقل کے لئے ایک رفیق کی حاجت ہوئی کہ تا وہ رفیق عقل کے اس قیاسی اور ناقص قول کا کہ جو ہونا چاہیے کہ لفظ
سے بولا جاتا ہے مشہودی اور کامل قول سے جو ہے کہ لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جبر نقصان کرے اور واقعات سے جیسا کہ وہ
نفس الامر میں واقعہ ہیں آگاہی بخشے۔ سو خدا نے جو بڑا ہی رحیم اور کریم ہے اور انسان کو مراتب قصوی یقین تک پہنچانا چاہتا
ہے اس حاجت کو پوری کیا ہے اور عقل کیلئے کئی رفیق مقرر کر کے راستہ یقین کامل کا اس پر کھول دیا ہے تا نفس انسان کا کہ جس
کی ساری سعادت اور نجات یقین کامل پر موقوف ہے اپنی سعادت مطلوبہ سے محروم نہ رہے۔ اور ہونا چاہیے کہ نازک اور
پرخطر پل سے کہ عقل نے شکوک اور شبہات کے دریا پر باندھا ہے بہت جلد آگے عبور کر کے ہے کے قصر عالی میں جو
دارالامن والاطمینان ہے داخل ہو جائے اور وہ رفیق عقل کے جو اس کے یار اور مددگار ہیں، ہر مقام اور موقعہ میں الگ الگ
ہیں۔ لیکن از روئے حصر عقلی کے تین سے زیادہ نہیں اور ان تینوں کی تفصیل اس طرح پر ہے کہ اگر حکم عقل کا دنیا کے
محسوسات اور مشہودات سے متعلق ہو جو ہر روز دیکھے جاتے یا سنے جاتے یا سونگھے جاتے یا ٹٹولے جاتے ہیں تو اس وقت
رفیق اس کا جو اس کے حکم کو یقین کامل تک پہنچاوے مشاہدہ صحیحہ ہے کہ جس کا نام تجربہ ہے۔ اور اگر حکم عقل کا ان حوادث اور
واقعات سے متعلق ہو جو مختلف ازمنہ اور امکنہ میں صدور پاتے رہے ہیں یا صدور پاتے ہیں تو اس وقت اس کا ایک اور
رفیق بنتا ہے کہ جس کا نام تواریخ اور اخبار اور خطوط اور مراسلات ہے اور وہ بھی تجربہ کی طرح عقل کی دود آمیز روشنی کو ایسا
مصفا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں شک کرنا ایک حمق اور جنون اور سودا ہوتا ہے اور اگر حکم عقل کا ان واقعات سے متعلق ہو جو
ماوراء المحسوسات ہیں جن کو ہم نہ آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں اور نہ کان سے سن سکتے ہیں اور نہ ہاتھ سے ٹٹول سکتے ہیں اور نہ اس
دنیا کی تواریخ سے دریافت کر سکتے ہیں تو اس وقت اس کا ایک تیسرا رفیق بنتا ہے کہ جس کا نام الہام اور وحی ہے اور قانون
قدرت بھی یہی چاہتا ہے کہ جیسے پہلے دو مواضع میں عقل ناتمام کو دو رفیق میسر آ گئے ہیں تیسرے موضع میں بھی میسر آیا ہو۔ ۹۱
کیونکہ قوانین فطرتیہ میں اختلاف نہیں ہو سکتا بالخصوص جبکہ خدا نے دنیا کے علوم اور فنون میں کہ جن کے نقصان اور سہو اور خطا
میں چنداں حرج بھی نہیں انسان کو ناقص رکھنا نہیں چاہا تو اس صورت میں خدا کی نسبت یہ بڑی بدگمانی ہوگی جو ایسا خیال کیا
جاوے جو اس نے ان امور کی معرفت تامہ کے بارے میں کہ جن پر کامل یقین رکھنا نجات اخروی کی شرط ہے اور جن کی
نسبت شک رکھنے سے جہنم ابدی طیار ہے انسان کو ناقص رکھنا چاہا ہے اور اس کے علم اخروی کو صرف ایسے ایسے ناقص
خیالات پر ختم کر دیا ہے کہ جن کی محض اٹکلوں پر ہی ساری بنیاد ہے اور ایسا ذریعہ اس کے لئے کوئی بھی مقرر نہیں کیا کہ جو

تحقیق نہیں۔ میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس کتاب کی تالیف سے پہلے ایک بڑی تحقیقات کی گئی اور ہر ایک
۹۱ مذہب کی کتاب دیانت اور امانت اور خوض اور تدبر سے دیکھی گئی اور فرقان مجید اور ان کتابوں کا باہم
مقابلہ بھی کیا گیا اور زبانی مباحثات بھی اکثر قوموں کے بزرگ علماء سے ہوتے رہے۔ غرض جہاں
تک طاقت بشری ہے ہر یک طور کی کوشش اور جانفشانی اظہار حق کے لئے کی گئی۔ بالآخر ان تمام
تحقیقاتوں سے یہ امر بپایۂ ثبوت پہنچ گیا کہ آج روئے زمین پر سب الہامی کتابوں میں سے ایک
فرقان مجید ہی ہے کہ جس کا کلام الٰہی ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے۔ جس کے اصول نجات کے بالکل
۹۲ راستی اور وضع فطرتی پر مبنی ہیں۔ جس کے عقائد ایسے کامل اور مستحکم ہیں جو براہین قویہ ان کی صداقت

بقیہ حاشیہ نمبر 4:

شہادت واقعہ دے کر اس کے دل کو یہ تسلی اور تشفی بخشے کہ وہ اصول نجات کہ جن کا ہونا عقل بطور قیاس اور اٹکل کے تجویز کرتی ہے وہ حقیقت میں موجود ہی ہیں اور جس ضرورت کو عقل قائم کرتی ہے وہ فرضی ضرورت نہیں بلکہ حقیقی اور واقعی ضرورت ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہوا کہ الٰہیات میں یقین کامل صرف الہام ہی کے ذریعہ سے ملتا ہے اور انسان کو اپنی نجات کے لئے یقین کامل کی ضرورت ہے اور خود بغیر یقین کامل کے ایمان سلامت لے جانا مشکل۔ تو نتیجہ ظاہر ہے کہ انسان کو الہام کی ضرورت ہے اور اس جگہ یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ ہر یک الہام الٰہی یقین دلانے کے لئے ہی آیا تھا لیکن قرآن شریف نے اس اعلیٰ درجہ یقین کی بنیاد ڈالی کہ بس حد ہی کر دی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ پہلے جتنے الہام خدا کی طرف سے نازل ہوئے وہ صرف شہادت واقعہ کی ادا کرتے رہے۔ اور ان کی ساری طرز منقولات کی طرز تھی اور اسی باعث سے وہ آخر میں بگڑ گئے اور خود غرضوں اور خود پرستوں نے کچھ کا کچھ سمجھ لیا۔ لیکن قرآن شریف کی تعلیم نے عقل کا بھی سارا بوجھ آپ ہی اٹھا لیا۔ اور انسان کو ہر یک طرح کی مشکلات سے خلاصی بخشی۔ آپ ہی مخبر صادق ہو کر الٰہیات کے واقعات کی خبر دی۔ اور پھر آپ ہی عقلی طور پر اس خبر کو بپایۂ ثبوت پہنچایا۔ جو شخص دیکھے اسے معلوم ہو کہ قرآن شریف میں دو امر کا التزام اول سے آخر تک پایا جاتا ہے۔ ایک عقلی وجوہ اور دوسری الہامی شہادت۔ یہ دونوں امر فرقان مجید میں دو بزرگ نہروں کی طرح جاری ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی اور ایک دوسرے پر اثر ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ عقلی وجوہ کی جو نہر ہے۔ وہ یہ ظاہر کرتی گئی ہے کہ یہ امر ایسا ہونا چاہیے اور جو اس کے مقابلہ پر الہامی شہادت کی نہر ہے۔ وہ بزرگ اور راستباز مخبر کی طرح یہ
۹۲ دلوں کو تسلی بخشتی گئی ہے کہ واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور طرز فرقانی سے جو طالب حق کو حق کے معلوم کرنے میں آسانی ہے وہ بھی ظاہر ہے کیونکہ پڑھنے والا فرقان مجید کا ساتھ ساتھ دلائل عقلی کو بھی معلوم کرتا جاتا ہے۔ ایسے دلائل کہ جس سے زیادہ تر محکم دلائل کسی دفتر فلسفی میں مرقوم نہیں۔ جیسا کہ ہم اس دعویٰ کو اسی کتاب کی فصل اول میں ثابت کریں گے۔ اور پھر دوسری طرف الہام الٰہی سے شہادت واقعہ پا کر اعلیٰ درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے اور یہ سب کچھ اس کو مفت ملتا ہے جو دوسرے شخص کو ساری عمر کی مغز خواری اور جان کنی سے بھی نہیں مل سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ یقینی اور کامل اور آسان ذریعہ شناخت اصول حقہ کا اور ان سب عقائد کا کہ جن کے علم یقینی پر ہماری نجات موقوف ہے۔ صرف قرآن شریف ہے اور یہی ثابت کرنا تھا۔ منہ

پر شاہد ناطق ہیں جس کے احکام حق محض پر قائم ہیں جس کی تعلیمات ہر ایک طرح کی آمیزش شرک اور بدعت اور مخلوق پرستی سے بکلی پاک ہیں جس میں توحید اور تعظیم الٰہی اور کمالات حضرت عزت کے ظاہر کرنے کے لئے انتہا کا جوش ہے جس میں یہ خوبی ہے کہ سراسر وحدانیت جناب الٰہی سے بھرا ہوا ہے اور کسی طرح کا دھبہ نقصان اور عیب اور نالائق صفات کا ذات پاک حضرت باری تعالیٰ پر نہیں لگاتا اور کسی اعتقاد کو زبردستی تسلیم کرانا نہیں چاہتا بلکہ جو تعلیم دیتا ہے اس کی صداقت کی وجوہات پہلے دکھلا لیتا ہے اور ہر ایک مطلب اور مدعا کو حجج اور براہین سے ثابت کرتا ہے۔ اور ہر یک اصول کی حقیت پر دلائل واضح بیان کر کے مرتبہ یقین کامل اور معرفت تام تک پہنچاتا ہے۔ اور جو جو خرابیاں اور ناپاکیاں اور خلل اور فساد لوگوں کے عقائد اور اعمال اور اقوال اور افعال میں پڑے ہوئے ہیں ان تمام مفاسد کو روشن براہین سے دور کرتا ہے اور وہ تمام آداب سکھاتا ہے کہ جن کا جاننا انسان کو انسان بننے کے لئے نہایت ضروری ہے اور ہر یک فساد کی اسی زور سے مدافعت کرتا ہے کہ جس زور سے وہ آج کل پھیلا ہوا ہے۔ اس کی تعلیم نہایت مستقیم اور قوی اور سلیم ہے گویا احکام قدرتی کا ایک آئینہ ہے اور قانون فطرت کی ایک عکسی تصویر ہے اور بینائی دلی اور بصیرت قلبی کے لئے ایک آفتاب چشم افروز ہے اور عقل کے اجمال کو تفصیل دینے والا اور اس کے نقصان کا جبر کرنے والا ہے۔ لیکن دوسری کتابیں جو الہامی کہلاتی ہیں۔ جب ان کی حالت موجودہ کو دیکھا گیا تو بخوبی ثابت ہوگیا جو وہ سبؔ
کتابیں ان صفات کاملہ سے بالکل خالی اور عاری ہیں اور خدا کی ذات اور صفات کی نسبت طرح ۹۳
طرح کی بدگمانیاں ان میں پائی جاتی ہیں اور مقلد ان کتابوں کے عجیب عجیب عقائد کے پابند ہو رہے ہیں۔ کوئی فرقہ ان میں سے خدا کو خالق اور قادر ہونے سے جواب دے رہا ہے اور قدیم اور خود بخود ہونے میں اس کا بھائی اور حصہ دار بن بیٹھا ہے۔ اور کوئی بتوں اور مورتوں اور دیوتوں کو اس کے کارخانہ میں دخیل اور اس کی سلطنت کا مدارالمہام سمجھ رہا ہے۔ کوئی اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں اور پوتے اور پوتیاں تراش رہا ہے اور کوئی خود اسی کو مچھ اور کچھ کا جنم دے رہا ہے۔ غرض ایک دوسرے سے بڑھ کر اس ذات کامل کو ایسا خیال کر رہے ہیں کہ گویا وہ نہایت ہی بدنصیب ہے کہ جس کمال تام کو

اس کے لئے عقل چاہتی تھی وہ اس کو میسر نہ ہوا۔ اب اے بھائیو! خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میں نے ایسے ایسے باطل عقائد میں لوگوں کو مبتلا دیکھا اور اس درجہ کی گمراہی میں پایا کہ جس کو دیکھ کر جی پگھل آیا اور دل اور بدن کانپ اٹھا۔ تو میں نے ان کی رہنمائی کے لئے اس کتاب کا تالیف کرنا اپنے نفس پر ایک حق واجب اور دین لازم دیکھا جو بجز ادا کرنے کے ساقط نہ ہوگا۔ چنانچہ مسودہ اس کتاب کا خدا کے فضل وکرم سے تھوڑے ہی دنوں میں ایک قلیل بلکہ اقل مدت میں جو عادت سے باہر تھی طیار ہوگیا۔ اور حقیقت میں یہ کتاب طالبان حق کو ایک بشارت اور منکران دین اسلام پر ایک حجت الٰہی ہے کہ جس کا جواب قیامت تک ان سے میسر نہیں آ سکتا اور اسی وجہ سے اس کے ساتھ ایک اشتہار بھی انعامی دس ہزار روپیہ کا شامل کیا گیا کہ تا ہر یک منکر اور معاند پر جو اسلام کی حقیت سے انکاری ہے اتمام حجت ہو اور اپنے باطل خیال اور جھوٹے اعتقاد پر مغرور اور فریفتہ نہ رہے۔

بیا اے طلبگار صدق و صواب　بخواں از سر خوض و فکر ایں کتاب
گرت بر کتابم فتد یک نگاہ　بدانی کہ تا جنت این ست راہ
مگر شرط انصاف و حق پروریست　کہ انصاف مفتاح دانشوریست
دو چیز ست چوبان دنیا و دیں　دل روشن و دیدۂ دور بیں ۹۴
کسے کو خرد دارد و نیز داد　نخواہد مگر راہ صدق و سداد
نہ پیچد سر از آنچہ پاک ست و راست　نتابد رخ از آنچہ حق و بجاست
چو بیند سخن راز حق پرورے　دگر در سخن کم کند داورے
الا ایکہ خواہی نجات از خدا　بقصر نجات از در حق در آ
بحق گرد و حق را بخاطر نشاں　منہ دل بباطل جو کژ خاطراں
مشو عاشق زشت رو زینہار　وگر خوب گم گردد از روزگار
زمین از زراعت تہی داشتن　بہ از تخم خار و خسک کاشتن
اگر گرددت دیدۂ عقل باز　بجوئی رہ حق زِ عجز و نیاز

طلبگار گردی بصدق دلی بخواب اندر اندیشہ ہم نگسلی
نگیری دمے استراحت ازاں مگر چوں زحق بازیابی نشاں
اجل برسرت ہستی ات چوں حباب توزیں ساں سر اندر نہادہ بخواب
بآباء و اجداد پیشیں نگر کہ چوں در گذشتند زیں رہگذر
بیادت نماندست انجامِ شاں فراموش کردی در اندک زماں
خودت با اجل چیست از مکر و بند چہ دیوار داری کشیدہ بلند
٩٥ چو ناگہ نہنگ اجل درکشد چرا آدمی ایں چنیں سرکشد
بدنیائے دوں دل مبند اے جواں تماشائے آں بگذرد ناگہاں
بدنیّا کسے جاودانہ نماند بہ یک رنگ وضع زمانہ نماند
بدست خود از حالت درد ناک سپردیم بسیار کس را بہ خاک
چو خود دفن کردیم خلقے کثیر چرا یاد ناریم روز اخیر
ز خاطر چرا یادشاں افگنیم نہ ما آہن جسم و روئیں تنیم
بترس اے معاند ز قہر خدا کہ سخت ست قہر خداوند ما
بہ ناکردنِ ترس پروردگار بسا شہر ویراں شدند و دیار
ازاں بے ہراساں نشانے نماند نشانے چہ یک استخوانے نماند
ہمہ زیرکی در ہر اسیدن ست وگرنہ بلا بر بلا دیدن ست
بہ ناپاکی و خبث ہا زیستن بہ ازیں چنیں زیست نازیستن
بیاؤ بنہ سوئے انصاف گام زکیں توبہ کردن چرا شد حرام
یقیں داں کہ قولم زحق پروریست نہ لاف گزاف ست ونے سرسریست
بہر مذہبے غور کردم بسے شنیدم بدل حجت ہر کسے
بخواندم ز ہر ملتے دفترے بدیدم ز ہر قوم دانشورے

ہم از کودکی سوئے ایں تا ختم دریں شغل خود را بیندا ختم
جوانی ہمہ اندریں باختم دل از غیر ایں کار پرداختم
بماندم دریں غم زمان دراز نخفتم ز فکرش شبان دراز
نگہ کردم از روئے صدق و سداد بہ ترس خدا و بعدل و بداد
چو اسلام دینے قوی و متیں ندیدم کہ بر منبعش آفریں ٩٦
چناں دارد ایں دیں صفا بیش بیش کہ حاسد بہ بیند درو روئے خویش
نماید ازاں گونہ راہ صفا کہ گردد بصدقش خرد رہنما
ہمہ حکمت آموزد و عقل و داد رہاند ز ہر نوع جہل و فساد
ندارد دگر مثل خود در بلاد خلافش طریقے کہ مثلش مباد
اصولش کہ ہست آں مدارِ نجات چہ خورشید تابد بصدق و ثبات
اصول دگر کیش ہا ہم عیاں نہ چیزے کہ پوشیدنش مے تواں
اگر نا مسلماں خبر داشتے بجاں جنس اسلام نگذاشتے
محمد مہین نقش نور خداست کہ ہرگز چنوئے بگیتی نخاست
تہی بود از راستی ہر دیار بکردار آں شب کہ تاریک و تار
خدایش فرستاد و حق گسترید زمیں را بداں مقدمے جاں دمید
نہالیست از باغِ قدس و کمال ہمہ آل او ہمچو گل ہائے آل

دوم۔ یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ اگر کوئی صاحب برطبق شرائط مندرجہ اشتہار کے جواب اس کتاب کا لکھنا چاہیں تو ان پر لازم ہوگا کہ جیسا کہ اشتہار میں قرار پا چکا ہے دونوں طور پر جواب تحریر فرماویں۔ یعنے بغرض مقابلہ دلائل فرقان مجید کے اپنی کتاب کی دلائل بھی پیش کریں اور ہماری دلائل کو بھی توڑ کر دکھلاویں۔ اور اگر اپنی کتاب کی دلائل بالمقابل پیش نہیں کریں گے اور صرف
٩٧ ہماری دلائل کی جرح قدح کی طرف متوجہ ہوں گے۔ تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی کتاب کی

دلائل حقیت کے پیش کرنے سے بکلی عاجز ہیں۔اور یہ بات واضح رہے کہ ہم بدل خواہشمند ہیں کہ اگر کسی صاحب کو اس بات میں ہم سے اتفاق رائے نہ ہو۔ جو فرقان مجید حقیقت میں خدا کی کتاب اور سب الٰہی کتابوں سے افضل اور اعلیٰ ہے اور اپنی حقانیت کے ثبوت میں بے مثل و مانند ہے۔تو وہ اپنے اس خیال کی تائید میں ضرور کچھ قلم زنی کریں اور ہم سچ سچ کہتے ہیں جو ہم ان کی اس تکلیف کشی سے نہایت ہی ممنون ہوں گے۔ کیونکہ ہم ہر چند سوچتے ہیں کہ ہم کیونکر عامہ خلائق پر یہ بات ظاہر کر دیں کہ جو جو فضائل اور خوبیاں قرآن مجید کو حاصل ہیں یا جن جن دلائل اور براہین قاطعہ سے قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہے وہ فضیلتیں اور وہ ثبوت دوسری کتابوں کے لئے ہرگز حاصل نہیں۔تو بعد بہت سی سوچ کے ہم کو اس سے بہتر اور کوئی تدبیر معلوم نہیں ہوتی کہ کوئی صاحب ان وجوہات اور ان ثبوتوں کو جو ہم نے قرآن مجید کی حقیت اور افضلیت پر لکھی ہیں اپنی کتاب کی نسبت دعویٰ کر کے کوئی رسالہ شائع کرے۔اور اگر ایسا ہوا اور خدا کرے کہ ایسا ہی ہو تو پھر آفتاب صداقت اور بزرگی قرآن شریف کا ہر یک ضعیف البصر پر بھی ظاہر ہو جائیگا اور آئندہ کوئی سادہ لوح مخالفین کے بہکانے میں نہیں آوے گا۔اور اگر اس کتاب کے رد لکھنے والا کوئی ایسا شخص ہو جو کسی کتاب الہامی کا پابند نہیں جیسے برہموسماج والے ہیں۔تو اس پر صرف یہی واجب ہوگا جو ہماری سب دلائل کو نمبر وار توڑ کر دکھلاوے اور اپنے مخالفانہ خیالات کو بمقابلہ ہمارے عقائد کے عقلی دلائل سے ثابت کر کے دکھلاوے۔پس اگر کوئی ایسا شخص بھی اٹھا تو اس کی عبرت انگیز تحریرات سے بھی لوگوں کو بڑا فائدہ ہوگا اور جو صاحبان برہموسماج ہمیشہ عقل عقل کرتے ہیں ان کی عقل کا بھی قصہ پاک ہو جائیگا۔غرض ہم یقیناً جانتے ہیں جو ہماری کتاب کی اسی دن پوری پوری تاثیر ہوگی اور اسی وقت اس کا ٹھیک ٹھیک قدر بھی معلوم ہوگا کہ جب بمقابلہ اس کی حقانیت کی دلائل کے کوئی صاحب اپنی کتاب کی بھی دلائل پیش کریں گے یا اس زمانہ کے آزاد مشربوں کی طرح صرف اپنے خود تراشیدہ عقائد پر وجوہات دکھلائیں
گے۔ کیونکہ ہر یک چیز کا قدر و منزلت مقابلہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔اور پھول کی خوبی اور لطافت تب ۹۸
ہی ظاہر ہوتی ہے کہ جب خار بھی اس کے پہلو میں ہو۔

گر نہ بودے در مقابل روئے مکروہ وسیہ　کس چہ دانستے جمال شاہد گلفام را
گر نیفتادے بخصمے کار در جنگ ونبرد　کے شدے جو ہرعیاں شمشیرخوں آشام را
روشنی را قدر از تاریکی است و تیرگی　واز جہالت ہاست عزو وقر عقل تام را
حجت صادق زنقض وقدح روشن تر شود　عذر نامعقول ثابت مے کند الزام را

اور اس جگہ یہ بھی التماس ہے کہ جو صاحب رد لکھنے کی طرف متوجہ ہوں وہ اس بات کو یاد رکھیں کہ اگر اظہار حق منظور ہے اور انصاف مدنظر ہے اور پورا کرنا شرط اشتہار کا مقصود خاطر ہے تو ہماری دلائل کو اپنی کتاب میں تمام وکمال نقل کریں اور نمبروار جواب دیں۔ اس طرح پر کہ اول ہماری دلیل کو بالفاظہ درج فرماویں اور پھر اس کا جواب بہ تصریح لکھیں کہ جس میں کسی طرح کا اجمال اور اہمال نہ ہو کہ تا ہر یک منصف پر نظر ڈالتے ہی روشن ہو جائے کہ جواب ادا ہو گیا یا نہیں۔ کیونکہ خلاصوں میں پوری پوری کیفیت استدلال کی معلوم نہیں ہو سکتی اور بہت سے ایسے مطالب ہوتے ہیں کہ بروقت اختصار کے معاندین کے خائنانہ تصرفات سے یا ان کی جہالت اور سادہ لوحی سے فوت ہو جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات حذف واسقاط سے اصل مدعا شخص مدلل کا کچھ کا کچھ بن جاتا ہے۔ پھر ایسی حالت میں یہ بات غیر ممکن ہو جاتی ہے جو ناظرین اس کتاب کے کہ جن کے پاس فریق ثانی کی کتاب موجود نہیں کسی بات کو صحیح طور پر سمجھ سکیں یا کسی رائے کے ظاہر کرنے کا موقعہ پاویں۔ پس چونکہ یہ کتاب اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے کہ جس میں بہ نیت اتمام حجت کے پورا پورا جواب دینے والے کو انعام کثیر دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ تو ایسی کتاب کے مقابلہ پر فریب اور تدلیس کو استعمال میں لانا ایک
٩٩ بے جا اور بے سودؔ چالاکی ہے۔ لہٰذا بکمال تاکید لکھا جاتا ہے کہ صفائی اسی میں ہے اور صرف اسی حالت میں کوئی رد لکھنے والا شرائط اشتہار سے استفادہ اٹھا سکتا ہے کہ جو تقریر ہمارے منہ سے نکلی ہے اور جو طرز عبارت ہماری کتاب میں مندرجہ ہے وہ سب کامل طور پر بترتیبہ وبالفاظہ بیان کرے۔

سوم۔ یہ امر بھی ہر یک صاحب پر روشن رہے کہ ہم نے اس کتاب میں جس قدر دلائل حقیت قرآن مجید اور براہین صدق رسالت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہیں یا جو جو فضائل

اور محاسن قرآن شریف کے اور آیات بینات منجانب اللہ ہونے اس کتاب کے کتاب ہذا میں درج کئے ہیں یا جس طور کا اس کی نسبت کوئی دعویٰ کیا ہے وہ سب دلائل وغیرہ اسی مقدس کتاب سے ماخوذ اور مستنبط ہیں یعنی دعویٰ بھی وہی لکھا ہے جو کتاب ممدوح نے کیا ہے اور دلیل بھی وہی لکھی ہے جو اسی پاک کتاب نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ نہ ہم نے فقط اپنے ہی قیاس سے کوئی دلیل لکھی ہے اور نہ کوئی دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ جا بجا وہ سب آیات کہ جن سے ہماری دلائل اور دعاوی ماخوذ ہیں، درج کرتے گئے ہیں۔ پس جو صاحب بمقابلہ ہماری دلائل کے کچھ اپنی کتاب کے متعلق لکھنا چاہیں یا کوئی دعویٰ کریں تو ان پر بھی لازم ہے جو بپابندی اسی طریق معہود ہمارے کے کاربند ہوں۔ یعنی وہی دعویٰ اور وہی دلیل نفس کتاب اور اصول کتاب کے اثبات کی نسبت پیش کریں جو ان کی کتاب میں مندرج ہو۔ اور اس جگہ یہ بھی یاد رکھیں کہ دلیل سے مراد ہماری عقلی دلیل ہے کہ جس کو معقولی لوگ اپنے مطالب کے اثبات میں پیش کیا کرتے ہیں کوئی کتھا یا قصہ یا کہانی مراد نہیں ہے۔ غرض ہر یک باب میں عقلی دلیل جو کتاب الہامی میں درج ہو دکھلاویں اور صرف اپنے ہی خیال سے کوئی قیاسی امر بیان کرنا کہ جس کا کوئی اصل صحیح کتاب میں نہیں پایا جاتا روا نہ رکھیں۔ کیونکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ ربانی کتاب کا یہ آپ ذمہ ہے کہ اپنے الہامی ہونے کے بارے میں جو جو دعویٰ کرنا واجب ہے وہ آپ کرے اور اس کی دلائل بھی آپ لکھے اور ایسا ہی اپنے اصولوں کی حقیت کو آپ دلائل واضحہ سے بپایۂ
صداقت پہنچاوے نہ یہ کہ کتاب الہامی اپنا دعویٰ پیش کرنے اور اس کا ثبوت دینے سے قطعاً ساکت ۱۰۰
ہو اور اپنے اصولوں کی وجوہ صداقت پیش کرنے سے بھی بکلی سکوت اختیار کرے اور کوئی دوسرا اٹھ کر
اس کی وکالت کرنا چاہے۔⑤ پس بخوبی یاد خاطر رہے کہ جو صاحب بغرض اثبات حقانیت اپنی کتاب ۱۰۰

حاشیہ نمبر 5: الہامی کتاب کا اپنے اصول کی سچائی پر آپ دلائل بیان کرنا اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ الہامی کتاب کا صرف یہ منصب نہیں ہے کہ اس سے کوئی شخص طوطے کی طرح چند غیر معقول اور مجہول الکیفیت باتیں سیکھ کر اپنے دل میں سمجھ بیٹھے کہ بس اب میں نجات پا گیا۔ بلکہ عمدہ کام الہامی کتاب کا تو یہی ہے کہ دلائل عقلیہ بتلا کر اس لازوال مرتبہ یقین تک پہنچاوے جو کسی وسوسہ انداز کے وسوسہ ڈالنے سے زائل نہ ہو سکے۔ تا اس کامل یقین کی برکت سے سارے اعمال اور اقوال اور عقائد ایماندار کے درست ہو جائیں اور تا راستی کو حقیقت میں راستی سمجھ کر اور کجی کو حقیقت میں کجی سمجھ کر حقیقی تقویٰ کی صفت سے متصف ہو جائے۔ کیونکہ جب تک انسان جہالت کے دوزخ میں پڑا ہوا ہے اور بجز ایمان تقلیدی کی کہ جس پر بباعث غفلت اور لاپروائی اور غلبہ حب دنیا کے پورا پورا اسے یقین بھی نہیں رہا۔ اور کسی طرح کی عقلی بصیرت

اور اپنے اصول کے کوئی ایسا دعویٰ یا دلیل پیش کریں گے کہ جس کو ان کی الہامی کتاب نے پیش نہیں کیا تو یہ فعل ان کا اس امر پر شہادت قاطعہ ہوگا جو کتاب مقبولہ ان کی کہ جس کو وہ الہامی خیال کر رہے ہیں
101 ایفاء مضمون اس شرط سے قاصر ہے۔

بقیہ حاشیہ نمبر 5:

اس کو حاصل نہیں تو وہ بڑی خطرہ کی حالت میں ہوتا ہے اور اس کے حسب حال یہ آیت قرآن شریف کی ہے: وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل: ۷۲، پارہ ۱۵) یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہے وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ بلکہ اندھوں سے بدتر۔ پس جو کتاب اپنی حقیت اور اپنے اصول کی حقیت کو ثابت کر کے نہیں دکھلاتی، وہ انسان پر حقیقی سعادت کا دروازہ نہیں کھولتی اور نہ اس کو عقل اور علم میں ترقی بخشتی ہے۔ بلکہ ترقیات سے روکتی ہے اور مردے کی طرح صرف تقلید کے گڑھے میں ڈالنا چاہتی ہے کہ جس میں وہ نہ دیکھے نہ سنے نہ سمجھے۔ اور جو شخص ایسی کتابوں کا پیرو ہوتا ہے وہ عقل اور قیاس اور نظر اور فکر سے کچھ سروکار نہیں رکھتا بلکہ محض قصوں اور کہانیوں پر بھروسہ کر بیٹھتا ہے اور حقائق امور کی تہہ کو نہیں پہنچتا اور تدبر اور تفکر کی قوت کو بالکل بے کار چھوڑ کر اور ان تمام استعدادوں کو جو اس کے نفس میں مخزون اور مودع ہیں دانستہ تلف کر کے رفتہ رفتہ حیوانات لایعقل سے بھی پرلے پار ہو جاتا ہے اور بالآخر طریقۂ عقل اور قیاس اور فکر اور ادراک سے کہ جس سے انسان کی تمام انسانیت وابستہ ہے۔ بالکل بیگانہ اور ناآشنا ہو کر ایک ایسا مسلوب الحواس بن جاتا ہے کہ پھر اس لائق ہی نہیں رہتا کہ اس کو انسان کہا جائے اور اس میں یہ قابلیت ہی نہیں رہتی جو عقلی طور پر حق اور باطل میں تمیز کر سکے۔ اور اس پر وہ تمثیل خوب صادق آتی ہے جو فرقان مجید میں مذکور ہے: لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (الاعراف: ۱۷۹، پارہ ۹) یعنی وہ لوگ جو صرف باپ دادے کی تقلید پر چلنے والے ہیں۔ وہ دل تو رکھتے ہیں پر دلوں سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور ان کی آنکھیں بھی ہیں پر آنکھوں کو دیکھنے سے معطل چھوڑا ہوا ہے اور کان بھی رکھتے ہیں پر وہ بھی بیکار پڑے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گئے گزرے۔ غرض کلام الٰہی کا یہ نہایت عمدہ کام ہے کہ جو جو طاقتیں اور قوتیں انسان کی فطرت میں ڈالی گئی ہیں ان کو بطور اصلح اور انسب کے استعمال میں لانے کی تاکید کرے تا کوئی قوت اور طاقت جو عین حکمت اور مصلحت سے انسان کو عطا کی گئی تھی ضائع نہ ہو جائے یا بطور افراط یا تفریط کے استعمال میں نہ لائی جائے۔ اور منجملہ ان سب طاقتوں کے ایک عقل بھی طاقت ہے کہ جس کی تکمیل میں شرف انسان کا ہے۔ اور جس کے ٹھیک ٹھیک استعمال میں لانے سے انسان حقیقی طور پر انسان بنتا ہے اور اپنے کمال مطلوب کو پہنچتا ہے اور وہی ایک آلہ انسان کے ہاتھ میں ہے جو بے انتہا ترقیات کے حاصل کرنے کے لئے عام طور پر اس کو دیا گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر الہامی کتاب اس آلہ کی ممد اور معاون اور محافظ نہ ہو بلکہ یہ تعلیم دے جو اس آلہ کو بالکل معطل چھوڑ دینا چاہیے۔ تو ایسی کتاب بجائے اس کے جو انسان کو فطرتی طاقتوں کو وضع استقامت پر چلاوے، خود ان طاقتوں کو وضع استقامت پر چلنے سے روکے گی اور بجائے اس کے جو کچھ یاری اور مددگاری کرے، خود رہزن اور مضل بن جائے گی۔ اور جو کچھ اس کے ذریعہ سے سیکھا اور سمجھا یا جائے گا وہ ایسی شے نہ ہوگی کہ جس کو علم اور حکمت کہا جاوے۔ بلکہ صرف خام طمع اور غیر معقول اعتقادوں اور بے جا ہوسوں اور قصوں اور کہانیوں کا ذخیرہ ہوگا اور مقلد اس کا سودائیوں اور وہمیوں کی طرح بغیر بونے کے کاٹنے کی امید رکھے گا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کہ جس کے اصولوں کی سرسبزی عقل کی بیخ کنی پر موقوف ہے، انسان کو کسی نوع کی بھلائی نہیں پہنچا سکتی۔ منہ

چہارم ۔ بخدمت جملہ صاحبان یہ بھی عرض ہے کہ یہ کتاب کمال تہذیب اور رعایت آداب سے تصنیف کی گئی ہے اور اس میں کوئی ایسا لفظ نہیں کہ جس میں کسی بزرگ یا پیشوا کسی فرقہ کی کسر شان لازم آوے اور خود ہم ایسے الفاظ کو صراحتاً یا کنایتاً اختیار کرنا خبث عظیم سمجھتے ہیں اور مرتکب ایسے امر کو پرلے درجہ کا شریر النفس خیال کرتے ہیں۔ سو اسی طرح ہر یک اپنے شریف مخاطب کو اس طرف توجہ دلائی جاتی ہے کہ ان کی کوششیں بھی اس بارے میں مصروف رہنی ۱۰۲
چاہئیں کہ تمام تحریر ان کی بشرطیکہ کچھ تحریر کریں جیسا کہ مہذب اشخاص کے لائق ہے سراسر تہذیب پر مبنی ہو اور اوباشانہ کلام اور ہجو اور ہتک مقدسین اور رسولوں اور نبیوں سے بکلی پاک ہو۔ یہ منصب تالیفات مذہبی کا بڑا نازک منصب ہے اور اس میں عنان حکومت صرف ایک ہی شخص کے ہاتھ میں نہیں ہوتی بلکہ ہر یک حسن اور قبح میں فرق کرنے والے اور مصنف اور متعصب اور مفسد اور حق گو کو پہچاننے والے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایسے شریف لوگ ہر یک قوم میں کم و بیش موجود ہوتے ہیں جو مفسدانہ اور غیر مہذب تقریروں کو بالطبع پسند نہیں کرتے اور مختلف فرقوں کے بزرگ ہادیوں کو بدی اور بے ادبی سے یاد کرنا پرلے درجہ کی خباثت اور شرارت سمجھتے ہیں۔ اور فی الواقع سچ بھی ہے کہ جن مقدسوں کو خدا نے اپنی خاص مصلحت اور ذاتی ارادہ سے مقتدا اور پیشوا قوموں کا بنایا اور جن روشن جوہروں کو اس نے دنیا پر چمکا کر ایک عالم کو ان کے ہاتھ سے نور خدا پرستی اور توحید کا بخشا۔ جن کی پرزور تعلیمات سے شرک اور مخلوق پرستی جوام الخبائث ہے اکثر حصوں زمین سے معدوم ہو گئی اور درخت ذکر وحدانیت الٰہی کا جو سوک گیا تھا پھر سرسبز اور شاداب اور خوشحال ہو گیا اور عمارت خدا پرستی کی جو گر پڑی تھی پھر اپنے مضبوط چٹان پر بنائی گئی۔ جن مقبولوں کو خدا نے اپنے خاص سایۂ عاطفت میں لے کر ایسے عجائب طور پر تائید کی کہ وہ کروڑوں مخالفوں سے نہ ڈرے اور نہ تھکے اور نہ گھٹے اور نہ ان کی کارروائیوں میں کچھ تنزل ہوا اور نہ ان پر کچھ بلا آئی جب تک کہ انہوں نے راستی کو ہر یک موذی سے امن میں رہ کر زمین پر قائم نہ کر لیا۔ ایسے مقبولان الٰہی کی نسبت زبان درازی کرنا نہایت درجہ کی ناپاکی اور نااہلی اور ہٹ دھرمی ہے۔

ہر کہ تف افگند بہ مہر منیر ہم برویش فتد تف تحقیر
تا قیامت تف ست بر روئش قدسیاں دور تر ز بدبویش

اور جو کچھ میں اس مقام میں ادب اور حفظ لسان کے بارے میں نصیحت کر رہا ہوں یہ بلا وجہ اور بلا
۱۰۳ خاص معنی کے نہیں۔ اس وقت میرے ذہن میں کئی ایک ایسے لوگ حاضر ہیں کہ جو انبیاء اور رسولوں کی تحقیر کر کے ایسا خیال کرتے ہیں کہ گویا ایک بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں اور ایسے پر تہذیب فقرے لکھتے ہیں کہ جن سے ان کی طینت کی پاکی خوب ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے خوب تحقیق کی ہے کہ ان نالائق حرکات کے بھی دو باعث ہیں کہ جب بعض لوگ حکیمانہ اور معقول کلام کرنے کا مادہ نہیں رکھتے، یا جب کسی اہل حق کے الزام اور افحام سے تنگ آ جاتے ہیں اور رک جاتے ہیں تو پھر وہ اپنی پردہ پوشی اسی میں دیکھتے ہیں جو علمی بحث کو ٹھٹھے اور ہنسی کی طرف منتقل کر دیں اور اگر کسی اور طور سے نہیں تو اسی طرح سے اپنے ہم مشربوں میں نام حاصل کریں۔ پس ایسے لوگوں کو جو اپنی قوم کے معلم اور اتالیق بن بیٹھتے ہیں، بغرض حفاظت اس کلاہ فضیلت کے بات بات میں ضدیت کرنی پڑتی ہے اور عوام لوگوں سے کچھ بڑھ کر مادہ تعصب کا دکھلانا پڑتا ہے اور اگر سچ پوچھو تو ایسوں پر کچھ افسوس بھی نہیں۔ کیونکہ جہالت اور تعصب نے چاروں طرف سے ان کو گھیرا ہوا ہوتا ہے۔ نہ خدا کا کچھ خوف ہوتا ہے اور نہ ایمان اور حق اور راستی کی کچھ پروا ہوتی ہے اور جیفہ دنیا پر مرے جاتے ہیں۔ تو پھر جبکہ ان کو خدا سے کچھ غرض ہی نہیں اور حیا سے اور شرم سے کچھ کام ہی نہیں اور سچ کا قبول کرنا کسی طور سے منظور ہی نہیں تو اس حالت میں اگر وہ اوباشانہ باتیں نہ کریں تو اور کیا کریں اور اگر زبان درازی ظاہر نہ کریں تو ان کے ظرف میں اور کیا ہے جو ظاہر کریں۔ اگر بولیں تو کیا بولیں۔ اگر لکھیں تو کیا لکھیں۔ عیسائیوں میں باستثناء ان لوگوں کے کہ جن کو تہذیب اور تحقیق سے کچھ غرض نہیں ⑥ اس وقت ہزارہا ایسے شریف النفس اور منصف مزاج پیدا ہوتے جاتے ہیں کہ جنہوں نے

۱۰۳ حاشیہ نمبر 6: اس اعتراض سے عوام مسیحی بھی خالی نہیں کہ علاوہ اس ذاتی بغض کے جوان کو حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت دلوں میں بھرا ہوا ہے باقی تمام نبیوں کی عزت اور تعظیم بھی بجز ایک ذات حضرت مسیح علیہ السلام کے جیسا کہ لائق ہے، ہرگز نہیں کرتے۔ بلکہ جب ہی سے کہ ایک شخص اصطباغ پا کر حضرت عیسیٰ کو خدا کا خاص فرزند خیال کرتا ہے اسی دم

۱۰۴ دلی انصاف سے عظمت شان اسلام کو قبول کر لیا ہے اور تثلیث کے مسئلہ کا غلط ہونا اور بہت سی بدعتوں
کا عیسائی مذہب میں مخلوط ہو جانا اپنی تصنیفات میں بڑی شد و مد سے بیان کیا ہے۔ مگر افسوس کہ یہ
انصاف ہمارے ہم وطنوں آریہ قوم سے مٹا جاتا ہے۔ اس قوم کو تعصب نے اس قدر گھیرا ہے کہ انبیاء

بقیہ حاشیہ نمبر 6:

سے اور نبیوں کی نسبت اس کی زبان کھل جاتی ہے۔ خصوصاً ایسے ایسے فقروں نے ان کو بہت خراب کر رکھا ہے کہ جیسے یہ لکھا
۱۰۴ گیا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام سے جتنے پہلے نبی آئے وہ سب چور اور ڈاکو تھے۔ مگر یہ متکبرانہ الفاظ کسی حالت میں کسی
نیک پاک آدمی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے۔ حضرت مسیح تو ایسے خدا کے متواضع اور حلیم اور عاجز اور بے نفس بندے
تھے۔ جو انہوں نے یہ بھی روا نہ رکھا جو کوئی ان کو نیک آدمی کہے۔ پھر کیونکر ان کی طرف کوئی غرور آمیز لفظ کہ جس میں اپنی
شیخی اور دوسرے کی توہین پائی جاتی ہے منسوب کیا جائے۔ بے شک اگر ہم خدا کے پاک نبیوں کو چور اور ڈاکو کہیں تو ہم
چوروں اور ڈاکوؤں سے ہزار درجہ بدتر ہیں۔ جن دلوں پر خدا کی کلام مقدس نازل ہوتی رہی ہے اگر وہ دل مقدس نہیں تھے
تو ناپاک کو پاک سے کیا نسبت تھی۔ یہ نہایت چالاکی ہے جو خدا کے ستودہ بندوں کی شان میں بے جا الفاظ بولے جائیں۔
کیا افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ اپنی خودی سے ایک دم باہر نہیں نکلتے اور جنہوں نے دنیا سے ایسی ربط بڑھائی اور تعلق پیدا
کئے کہ ان کے دلوں میں ہر دم دنیا ہی دنیا ہے، وہ خدا کے مقدس لوگوں کو تحقیر سے یاد کریں۔ اے بھائیو! نبیوں کا پاک اور
کامل اور راستباز ہونا تسلیم کرو تا وہ کتابیں بھی پاک ٹھہریں جو نبیوں پر نازل ہوئیں۔ ورنہ جن دلوں سے وہ کتابیں نکلی ہیں
اگر وہ دل ہی پاک نہیں تو پھر کتابیں کیونکر پاک ہو سکتی ہیں۔ کیا ممکن ہے جو دھاتورے کے درخت کو انگور کا پھل لگے، یا
آک کو انجیر۔ جب چشمہ کا پانی صاف ہے تو چشمہ بھی صاف ہی سمجھو۔ اگر وہ لوگ چیدہ اور برگزیدہ اور خدا کے کامل وفادار
بندے نہیں تھے تو گویا یہ خدا پر بھی اعتراض ٹھہرا جو اس کو جوہر قابل کی شناخت نہیں۔ اور نعوذ باللہ یہ ماننا پڑا جو خدا بھی بدوضع
لوگوں کی طرح چوروں ڈاکوؤں سے ہی میل ملاپ رکھتا ہے۔ تم آپ ہی سوچو کہ جو لوگ خدا اور خلقت میں واسطہ ہیں اور جو
آسمانی نوروں کو زمین پر پھیلانے والے ہیں، وہ کامل چاہیے یا ناقص اور راستباز چاہیے یا دروغ باز۔ جب علت غائی
رسالت اور پیغمبری کی عقائد حقہ اور اعمال صالحہ پر قائم کرنا ہے تو پھر اگر اس علت غائی پر نبی لوگ آپ ہی قائم نہ ہوں تو ان
کی کون سن سکتا ہے اور کاہے کو ان کی بات میں اثر ہوگا۔ ان کو تو اُمی لوگ ضرور کہیں گے کہ اے حکیمو! پہلے تم اپنا ہی علاج
۱۰۵ کراؤ۔ اور ماسوا اس کے کیا یہ انصاف ہے یا تہذیب ہے یا خدا ترسی میں داخل ہے جو خدا کے پاک نبیوں کا نام ایسا ہتک
اور استخفاف سے لیں کہ جیسے کسی ذلیل مذکوری یا چوکیدار کا۔ اور اگر کسی دنیادار کا نام لکھیں تو ایک بالشت بھر القاب لکھتے ہی
چلے جائیں۔ اس سے کم نہیں۔ کیا یہ جائز ہے کہ ایک بقال دولتمند کی تعظیم کے لئے سروقد اٹھ کھڑے ہوں اور جن لوگوں کو
خدا کی ہم کلامی کی عزت حاصل ہے اور ان میں وہ خوبیاں ہیں جو خدا کو بھا گئی ہیں وہ ایسی نظر میں حقیر معلوم ہوں جو ان کی
زبان سے بھی تعظیم نہ کی جائے۔ اگر وہ تمہاری دانست میں حقیر ہیں تو پھر ان کو نبی کیوں مانتے ہو۔ سیدھے یہی کیوں نہیں
کہتے کہ ہم کو ان کی نبوت سے ہی انکار ہے۔ سارا باعث ان بدگمانیوں کا یہ ہے کہ آپ لوگوں کو الہام الٰہی کی حقیقت معلوم
نہیں اور آپ لوگ ایسا سمجھ رہے ہیں کہ الہام بھی ایک جسمانی خدمت ہے کہ جیسے کسی شخص کو کسی بدانتظام گورنمنٹ سے کوئی
عہدہ مثلاً ججی یا تحصیلداری یا رسالداری کا کچھ دے دلا کر بغیر دریافت چال چلن اور لیاقت کے مل جاتا ہے۔ یا جس میں
حکام کو صرف کام لینے سے مطلب ہوتا ہے اور کچھ تھوڑی سی معمولی نیک چلنی اور لیاقت دیکھی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ عہدہ ہی

کا ادب سے نام لینا بھی ایک پاپ سمجھتے ہیں اور تمام انبیاء کی کسر شان کر کے اور سب کو مفتری اور جعلساز ٹھہرا کر یہ دعویٰ بلا دلیل پیش کرتے ہیں کہ ایک وید ہی خدا کی کلام ہے جو ہمارے بزرگوں پر نازل ہوئی تھی اور باقی سب الہامی کتابیں جنؔ سے دنیا کو ہزارہا طور کا فائدہ توحید اور معرفت الٰہی کا پہنچا ہے، وہ لوگوں نے آپ ہی بنالی ہیں۔ سو اگرچہ یہ دعویٰ تو اس کتاب میں ایسا رد کیا گیا ہے کہ وید موجودہ کا قصہ ہی پاک ہو گیا ہے۔ لیکن اس جگہ ہم کو یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ کس قدر ان لوگوں کے خیالات اصول حسن ظن اور تہذیب اور پاک دلی سے دور پڑے ہوئے ہیں اور کیسے یہ لوگ تعصب قدیم کی شامت سے جو ان کی رگ و ریشہ اور تار اور پود میں اثر کر گیا ہے۔ ان نیک ظنی کی طاقتوں کو جو انسان کی شرافت اور نجابت اور سعادت کا معیار تھیں اور اس کی انسانیت کا زیبؔ و زینت تھیں یہ

بقیہ حاشیہ نمبر 6:

ایسا ذلیل اور ناچیز ہوتا ہے کہ جس میں کامل دیانتداری اور نیک چلنی اور نیک وضعی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اے بھائیو! یہ آپ لوگوں کی کمال غلطی ہے۔ وحی الٰہی وہ خدا کی پاک کلام ہے کہ جس میں منزل علیہ کی طہارت تامہ اور قابلیت کاملہ شرط ہے۔ کیونکہ جو شخص طرح طرح کے اغشیۂ جسمانی اور اہویۂ نفسانی سے محجوب ہے اس میں اور مبدأ پاک میں پرلے درجہ کی دوری واقعہ ہے کہ جس سے وہ قابل افاضہ الہام الٰہی ہرگز نہیں ٹھہر سکتا۔ پس جب تک ایک نفس کو ہر یک قسم کی نالائق باتوں سے تنزہ تام حاصل نہ ہو جائے تب تک وہ نفس قابلیت فیضان وحی کی پیدا نہیں کرتا اور اگر تنزہ تام کی شرط نہ ہوتی اور قابل اور غیر قابل یکساں ہوتا تو سارا جہان نبی ہو جاتا۔ اور جب تنزہ شرط ہے تو پھر نبیوں کو اعلیٰ درجہ کے پاک یقین کرناؔ چاہیے کہ جس سے زیادہ تر پاکی نوع انسان کے لئے متصور نہیں۔ اگر حضرت داؤد ایسے ہی پاک نہ ہوتے کہ جیسے حضرت مسیح پاک تھے تو ہرگز نبی ہونے کے لائق نہ ٹھہرتے۔ مسیح کو داؤد سے زیادہ پاک اور بہتر سمجھنا یہی ایک غلط خیال ہے جو باعث سخت ناواقفیت حقیقت الہام اور رسالت کے عیسائی لوگوں کے دلوں میں متمکن ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہم تفصیل اس کی معہ تمام دلائل کے اپنے موقعہ پر درج کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ ایسے مسیحی کہ جن کا اس حاشیہ میں ذکر کر رہے ہیں، ایک طرف تو خدا کے پاک پیغمبروں سے ٹھٹھا ہنسی کرتے ہیں اور دوسری طرف حضرت مسیح کو خدا تو بنا ہی رکھا ہے مگر علاوہ الوہیت کے نبوت میں بھی سب نبیوں سے افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ سو واضح رہے کہ یہ بھی ان کی ایک دوسری غلطی ہے۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ سب نبیوں سے افضل وہ نبی ہے کہ جو دنیا کا مربی اعظم ہے یعنی وہ شخص کہ جس کے ہاتھ سے فساد اعظم دنیا کا اصلاح پذیر ہوا جس نے توحید گم گشتہ اور ناپدید شدہ کو پھر زمین پر قائم کیا۔ جس نے تمام مذاہب باطلہ کو حجت اور دلیل سے مغلوب کر کے ہر یک گمراہ کے شبہات مٹائے جس نے ہر یک ملحد کے وساوس دور کئے اور سچا سامان نجات کا کہ جس کے لئے کسی بے گناہ کو پھانسی دینا ضروری نہیں اور خدا کو اپنی قدیمی اور ازلی جگہ سے کھسکا کر کسی عورت کے پیٹ میں ڈالنا کچھ حاجت نہیں۔ اصول حقہ کی تعلیم سے ازسرنو عطا فرمایا۔ پس اس دلیل سے کہ اس کا فائدہ اور افاضہ سب سے زیادہ ہے۔ اس کا درجہ اور رتبہ بھی سب سے زیادہ ہے۔ اب تواریخ بتلاتی ہے۔ کتاب آسمانی شاہد ہے اور جن کی آنکھیں ہیں وہ آپ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ نبی جو بموجب اس قاعدہ کے سب نبیوں سے افضل ٹھہرتا ہے وہ حضرت محمد مصطفی ١٠٦

یکبار کھو بیٹھیں ہیں ⑦ جو ان کے دلوں میں یہ خیال سمایا ہوا ہے جو بجز آریہ دیس کے اور جتنے ملکوں
میں نبی اور رسول آئے جنہوں نے بہت سے لوگوں کو تاریکی، شرک اور مخلوق پرستی سے باہر نکالا اور
اکثر ملکوں کو نور ایمان اور توحید سے منور کیا، وہ سب نعوذ باللہ جھوٹے اور مفتری تھے۔ اور سچی ١٠٧
رسالت اور پیغمبری صرف برہمنوں کی وراثت اور انہیں کے بزرگوں کی جاگیر خاص ہے اور اس
بارے میں خدا نے ہمیشہ کے لئے انہیں کو ٹھیکہ دے رکھا ہے اور اپنے وسیع دریا ہدایت اور رہنمائی کو
انہیں کے چھوٹے سے ملک میں گھسیڑ دیا ہے اور ہمیشہ اس کو انہیں کا دیس اور انہیں کی زبان اور انہیں
میں سے پیغمبر پسند آ گئے ہیں ⑧ اور وہ بھی صرف تین یا چار کہ جن سے مسئلہ الہام اور رسالت کا ١٠٨

بقیہ حاشیہ نمبر 6:

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ عنقریب اسی کتاب میں یہ ثبوت آفتاب کی طرح روشن ہو جائیگا۔منہ

حاشیہ نمبر 7: نیک ظنی انسان میں ایک فطرتی قوت ہے اور جب تک کوئی وجہ بدگمانی کی پیدا نہ ہو تب تک اس قوت کو استعمال میں لانا انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ اور اگر کوئی شخص بلا وجہ اس قوت کا برتنا چھوڑ کر بدظنی کرنے کی عادت پکڑ لے تو ایسا انسان سودائی یا وہمی یا مجنون یا مسلوب الحواس کہلاتا ہے۔ مثلاً جیسے کوئی بازار کی شیرینی یا روٹی وغیرہ کو اس وہم سے کھانا چھوڑ دے کہ کہیں حلوائیوں یا نان بائیوں وغیرہ نے ان چیزوں میں زہر نہ ملا رکھی ہو یا سفر کی حالت میں ہر یک راستہ بتلانے والے پر شک کرے کہ شاید یہ مجھے دھوکا ہی نہ دیتا ہو یا حجامت کرانے کے وقت میں حجام سے ڈرے کہ کہیں استرہ مار کر مجھے قتل ہی نہ کردے یہ سب خیال مقدمات جنون اور دیوانگی کے ہیں اور جب کوئی دیوانہ ہونے لگتا ہے تو پہلے ایسے ایسے ہی خیالات فاسدہ دل میں اٹھا کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ پکا سودائی ہو جاتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ بغیر معقول وجوہ رکھنے کے بدظنی کرنا ایک شعبہ دیوانگی کا ہے کہ جس سے عاقل آدمی ضروری ہے کہ پرہیز کرے اور خدا نے قوت نیک ظنی کی جو انسان کی فطرت میں ڈال دی تو اس میں یہ حکومت ہے جو بنی آدم میں راست گوئی اور راست روشی بھی ایک فطرتی قوت ہے اور جب تک انسان کسی قاسر سے مجبور نہ ہو نہ جھوٹ بولنا چاہتا ہے اور نہ کسی اور طرح کی بدی کا ارتکاب جائز رکھتا ہے اور اگر نیک ظنی کی قوت انسان کو عطا نہ کی جاتی تو وہ تمام فوائد جو راستگوئی اور راست روشی کی قوت کے ذریعہ سے ایک سے دوسرے کو پہنچتے ہیں اور جن پر تمام مہمات تمدن اور معاشرت اور تدابیر منزلی اور ملکی موقوف ہیں ضائع ہو جاتے اور نفوس انسانی جمیع منافع سے جو قوت مذکور کے استعمال پر مرتب ہوتے ہیں محروم رہ جاتے۔ مثلاً یہ نیک ظنی کی ہی برکت ہے کہ چھوٹے بچے بآسانی بولنا اور باتیں کرنا سیکھ لیتے ہیں اور ماں باپ کو ماں باپ کر کے جانتے ہیں اگر بدظنی کرتے تو کچھ بھی نہ سیکھتے اور دل میں کہتے کہ شاید ان سکھانے والوں کی کچھ اپنی ہی غرض ہوگی اور آخر اس بدظنی سے گنگے ہی رہ جاتے اور والدین کے والدین ہونے میں بھی شک ہی رہتا۔منہ

حاشیہ نمبر 8: جو حال میں ہندو صاحبان کے ہاتھ میں وید ہیں جن کو وہ رگ اور یجر اور شام اور اتھرون سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ١٠٧
رچ اور یجش اور سامن اور اتھرونا بھی بولتے ہیں۔ ان کا ٹھیک ٹھیک حال کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کن حضرات پر نازل ہوئے تھے۔ کوئی کہتا ہے کہ اگنی اور وایو اور سورج کو یہ الہام ہوا تھا جو بالکل نامعقول بات ہے۔ اور کسی کا یہ دعویٰ ہے کہ

قوانین عامہ قدرتیہ اور عادات قدیمہ الٰہیہ میں داخل بھی نہیں ہوسکتا اور امر نبوت اور وحی کا باعث
قلت تعداد الہام یافتہ لوگوں کے ضعیف اور غیر معتبر اور مشکوک اور مشتبہ ٹھہر جاتا ہے اور نیز کروڑ ہا
بندگان خدا جو اس ملک سے بے خبر رہے یا یہ ملک ان کے ملکوں سے بے خبر رہا، فضل اور رحمت اور
ہدایت الٰہی سے محروم اور نجات سے بے نصیب رہ جاتے ہیں۔اور پھر طرفہ یہ کہ بموجب خوش عقیدہ
آریہ صاحبوں کے وہ تین یا چار بھی خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مصلحت خاص سے منصب نبوت پر مامور
نہیں ہوئے بلکہ خود کسی نامعلوم جنم کے نیک عملوں کے باعث سے اس عہدہ پانے کے مستحق ہوگئے
اور خدا کو بہر حال انہیں پیغمبر بنانا ہی پڑا۔اور باقی سب لوگوں کو ہمیشہ کے لئے اس مرتبہ عالیہ سے جو
اب مل گیا اور کوئی کسی الزام سے اور کوئی کسی تقصیر سے اور کوئی آریہ قوم اور آریہ دیس سے باہر سکونت
رکھنے کے جرم سے الہام پانے سے محروم رہا۔اب دیکھنا چاہیے کہ اس ناپاک اعتقاد میں خدا کے
مقبول بندوں پر کہ جنہوں نے آفتاب کی طرح ظہور کر کے اس اندھیرے کو دور کیا جو ان کے وقت
میں دنیا پر چھا رہا تھا کس قدر ناحق بے موجب بدظنی کی گئی ہے اور پھر اپنے پرمیشر پر بھی یہ بدظنی جو
اس کو غافل یا مدہوش یا مخبط الحواس تصور کیا ہے کہ جو اس قدر بے خبر ہے کہ گو بعد وید کے ہزار ہا طور ۱۰۹

بقیہ حاشیہ نمبر 8:

برہمّا کے چار مکھ سے یہ چاروں وید نکلے تھے اور کسی کی یہ رائے ہے کہ یہ الگ الگ رشیوں کے اپنے ہی بچن ہیں۔اب ان
بیانات میں یہاں تک شک ہے کہ کچھ پتہ نہیں ملتا کہ آیا ان اشخاص کا کچھ خارج میں وجود بھی تھا یا محض فرضی نام ہیں اور وید
پر نظر کرنے سے تیسری رائے صحیح معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ اب بھی وید کے جدا جدا منتروں پر جدا جدا رشیوں کے نام لکھے
ہوئے پائے جاتے ہیں۔اور اتھرونؔ وید کی نسبت تو اکثر محقق پنڈتوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ وہ ایک جعلی وید یا براہمن
پستک ہےؔ جو پیچھے سے ویدوں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔اور یہ رائے سچی بھی معلوم ہوتی ہے۔کیونکہ رگؔ وید میں جو سب
ویدوںؔ کا اصل الاصول اور سب سے زیادہ معتبر خیال کیا جاتا ہے صرف رگؔ اور یجرؔ اور شامؔ وید کا ذکر ہے اور اتھرون وید کا
نام تک درج نہیں۔اگر وہ وید ہوتا تو اس کا بھی ضرور ذکر ہوتا۔پھر یجر وید کے ۲۶۔ادھیا میں بھی صاف لکھا ہے کہ وید ۱۰۸
صرف تین ہی ہیں اور ایسا ہی شام وید میں بھی ویدوں کا تین ہونا ہی بیان کیا ہے اور منو جی بھی اپنی پستک کے ساتویں
ادھیا بیالیسویں اشلوک میں تین وید ہی تسلیم کرتے ہیں اور جوگ بششٹ میں جو ہندوؤں میں بڑی متبرک کتاب شمار کی
جاتی ہے اور ان تعلیمات کا مجموعہ ہے جو خاص راجہ رام چندر جی کو ان کے بزرگ استاد نے دی تھیں۔چاروں ویدوں کی
نسبت ایسا صاف بیان کیا ہے کہ بس فیصلہ ہی کر دیا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف اتھرون وید کے وید ہونے میں بحث
نہیں۔بلکہ ساری ویدوں کا یہی حال ہے اور کوئی ان میں سے ایسا نہیں جو تغیر اور تبدل اور کمی اور بیشی سے خالی ہو۔منہ

کی نئی نئی بدعتیں نکلیں اور لاکھوں طرح کے طوفان آئے اور اندھیریاں چلیں اور رنگا رنگ کے فساد برپا ہوئے اور اس کے راج میں ایک بری طرح کا گڑبڑ پڑ گیا اور دنیا کو اصلاح جدید کی سخت سے سخت حاجتیں پیش آئیں، پر وہ کچھ ایسا سویا کہ پھر نہ جاگا اور کچھ ایسا کھسکا کہ پھر نہ آیا۔ گویا اس کے پاس اتنا ہی الہام تھا جو وید میں خرچ کر بیٹھا اور وہی سرمایہ تھا جو پہلے ہی بانٹ چکا اور پھر ہمیشہ کے لئے خالی ہاتھ رہ گیا اور منہ پر مہر لگ گئی اور ساری صفتیں اب تک بنی رہیں۔ مگر تکلم کی صفت صرف وید کے زمانہ تک رہی پھر باطل ہوگئی اور پرمیشر ہمیشہ کے لئے کلام کرنے اور الہام بھیجنے سے عاجز
ہوگیا۔ ⑨ یہ اعتقاد آریہ قوم کا ہے کہ جس پر ہریک ہندو کو رغبت دلائی جاتی ہے کہ اسی کو اپنی دھرم 110

حاشیہ نمبر 9: شایدؔ اس جگہ کسی کے دل میں یہ وسوسہ اٹھے کہ مسلمانوں کا بھی یہی اعتقاد ہے کہ وحی حضرت آدم سے شروع ہوئی اور 109
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔ سو اس عقیدہ کے رو سے بھی بعد زمانہ حضرت خاتم الانبیاء کے انقطاع وحی کا ہمیشہ کے لئے لازم آیا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیے جو ہمارا ہندوؤں کی طرح ہرگز یہ اعتقاد نہیں جو خدا کے پاس اتنی ہی کلام تھی جتنی وہ ظاہر کر چکا۔ بلکہ بموجب اعتقاد اسلام کے خدا کی کلام اور خدا کا علم اور حکمت مثل ذات اس کی کے غیر محدود ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے: قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔ (الکہف:۱۰۹) یعنی اگر خدا کی کلام کے لکھنے کے لئے سمندر کو سیاہی بنایا جائے تو لکھتے لکھتے سمندر ختم ہوجائے اور کلام میں کچھ کمی نہ ہو۔ گو ویسے ہی اور سمندر بطور مدد کے کام میں لائے جائیں۔ رہی یہ بات کہ ہم لوگ ختم ہونا وحی کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کن معنوں سے مانتے ہیں۔ سو اس میں اصل حقیقت یہ ہے کہ گو کلام الٰہی اپنی ذات میں غیر محدود ہے۔ لیکن چونکہ وہ مفاسد کہ جن کی اصلاح کے لئے کلام الٰہی نازل ہوتی رہی یا وہ ضرورتیں کہ جن کو الہام ربانی پورا کرتا رہا ہے، وہ قدر محدود سے زیادہ نہیں ہیں۔ اس لئے کلام الٰہی بھی اسی قدر نازل ہوئی ہے کہ جس قدر بنی آدم کو اس کی ضرورت تھی۔ اور قرآن شریف ایسے زمانہ میں آیا تھا کہ جس میں ہر ایک طرح کی ضرورتیں کہ جن کا پیش آنا ممکن ہے پیش آگئی تھیں یعنی تمام امور اخلاقی اور اعتقادی اور قولی اور فعلی بگڑ گئے تھے اور ہر ایک قسم کا افراط تفریط اور ہر ایک نوع کا فساد اپنے انتہاء کو پہنچ گیا تھا۔ اس لئے قرآن شریف کی تعلیم بھی انتہائی درجہ پر نازل ہوئی۔ پس انہیں معنوں سے شریعت فرقانی مختتم اور مکمل ٹھہری اور پہلی شریعتیں ناقص رہیں۔ کیونکہ پہلے زمانوں میں وہ مفاسد کہ جن کی اصلاح کیلئے الہامی کتابیں آئیں وہ بھی انتہائی درجہ پر نہیںؔ پہنچے تھے اور قرآن شریف کے وقت میں وہ سب اپنی انتہاء کو پہنچ گئے تھے۔ بس اب قرآن شریف اور دوسری الہامی کتابوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ بس اب
قرآن شریف اور دوسری الہامی کتابوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی کتابیں اگر ہر ایک طرح کے خلل سے محفوظ بھی رہتیں پھر بھی 110
بوجہ ناقص ہونے تعلیم کے ضرور تھا کہ کسی وقت کامل تعلیم یعنی فرقان مجید ظہور پذیر ہوتا۔ مگر قرآن شریف کیلئے اب یہ ضرورت درپیش نہیں کہ اس کے بعد کوئی اور کتاب بھی آوے۔ کیونکہ کمال کے بعد اور کوئی درجہ باقی نہیں۔ ہاں اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی وقت اصول حقہ قرآن شریف کے وید اور انجیل کی طرح مشرکانہ اصول بنائے جائیں گے اور تعلیم توحید میں تبدیل اور تحریف عمل میں آوے گی۔ یا اگر ساتھ اس کے یہ بھی فرض کیا جائے جو کسی زمانہ میں وہ کروڑ ہا مسلمان جو توحید پر

بناوے۔ مگر تعجب کہ اس اعتقاد کا وید میں کہیں ذکر تک نہیں اور کوئی شرتی اس میں ایسی نہیں کہ اس متعصّبانہ بدظنی کی تعلیم دیتی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشلوک انہیں دنوں میں گھڑا گیا ہے کہ جب آریہ قوم کے عقلمندوں نے اپنی پستکوں اور شاستروں میں یہ بھی لکھ مارا تھا جو ہمالہ پہاڑ اور کچھ ایشیا کے

بقیہ حاشیہ نمبر 9:

قائم ہیں وہ بھی پھر طریق شرک اور مخلوق پرستی کا اختیار کرلیں گے۔ تو بے شک ایسی صورتوں میں دوسری شریعت اور دوسرے رسول کا آنا ضروری ہوگا۔ مگر دونوں قسم کے فرض محال ہیں۔ قرآن شریف کی تعلیم کا محرف مبدل ہونا اس لئے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر:۹) یعنی اس کتاب کو ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ رہیں گے۔ سو تیرہ سو برس سے اس پیشینگوئی کی صداقت ثابت ہو رہی ہے۔ اب تک قرآن شریف میں پہلی کتابوں کی طرح کوئی مشرکانہ تعلیم ملنے نہیں پائی اور آئندہ بھی عقل تجویز نہیں کرسکتی کہ اس میں کسی نوع کی مشرکانہ تعلیم مخلوط ہوسکے کیونکہ لاکھوں مسلمان اس کے حافظ ہیں۔ ہزارہا اس کی تفسیریں ہیں۔ پانچ وقت اس کی آیات نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ ہر روز اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اسی طرح تمام ملکوں میں اس کا پھیل جانا۔ کروڑہا نسخے اس کے دنیا میں موجود ہونا۔ ہریک قوم کا اس کی تعلیم سے مطلع ہو جانا۔ یہ سب امور ایسے ہیں کہ جن کے لحاظ سے عقل اس بات پر قطع واجب کرتی ہے کہ آئندہ بھی کسی نوع کا تغیر اور تبدل قرآن شریف میں واقع ہونا ممتنع اور محال ہے۔ اور مسلمانوں کا پھر شرک اختیار کرنا اس جہت سے ممتنعات میں سے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس بارے میں بھی پیشین گوئی کرکے آپ فرما دیا
ہے: مَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ (سبا:۴۹) یعنی شرک اور مخلوق پرستی جس قدر دور ہوچکی ہے پھر وہ نہ اپنی کوئی نئی شاخ 111
نکالے گی اور نہ اسی پہلی حالت پر عود کرے گی۔ سو اس پیشین گوئی کی صداقت بھی اظہر من الشّمس ہے۔ کیونکہ باوجود منقضی ہونے زمانہ دراز کے اب تک ان قوموں اور ان ملکوں میں کہ جن سے مخلوق پرستی معدوم کی گئی تھی، پھر شرک اور بت پرستی نے توحید کی جگہ نہیں لی۔ اور آئندہ بھی عقل اس پیشین گوئی کی سچائی پر کامل یقین رکھتی ہے۔ کیونکہ جب اوائل ایام میں کہ مسلمانوں کی تعداد بھی قلیل تھی۔ تعلیم توحید میں کچھ تزلزل واقع نہیں ہوا بلکہ روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ تو اب کہ جماعت اس موحد قوم کی بیس کروڑ سے بھی کچھ زیادہ ہے کیونکر تزلزل ممکن ہے۔ علاوہ اس کے زمانہ بھی وہ آگیا ہے کہ مشرکین کی طبیعتیں بباعث متواتر استماع تعلیم فرقانی اور دائمی صحبت اہل توحید کے کچھ کچھ توحید کی طرف میل کرتی جاتی ہیں۔ جدھر دیکھو دلائل وحدانیت کے بہادر سپاہیوں کی طرح شرک کے خیالی اور وہمی برجوں پر گولہ اندازی کررہے ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مشرکوں کے دلوں پر ایک ہلچل ڈال رکھی ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بودا ہونا عالی خیال لوگوں پر ظاہر ہوتا جاتا ہے اور وحدانیت الٰہی کی پرزور بندوقیں شرک کے بدنما جھونپڑوں کو اڑاتی جاتی ہیں۔ پس ان تمام آثار سے ظاہر ہے کہ اب اندھیرا شرک کا ان اگلے دنوں کی طرح پھیلنا کہ جب تمام دنیا نے مصنوع چیزوں کی ٹانگ صانع کی ذات اور صفات میں پھنسا رکھی تھی، ممتنع اور محال ہے۔ اور جبکہ فرقان مجید کے اصول حقہ کا محرف اور مبدل ہو جانا یا پھر ساتھ اس کے تمام خلقت پر تاریکی شرک اور مخلوق پرستی کا بھی چھا جانا عندالعقل محال اور ممتنع ہوا۔ تو نئی شریعت اور نئے الہام کے نازل ہونے میں بھی امتناع عقلی لازم آیا۔ کیونکہ جو امر مستلزم محال ہو وہ بھی محال ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حقیقت میں خاتم الرسل ہیں۔ منہ

حصہ سے پرے کوئی ملک ہی نہیں اور اسی طرح اور بھی سینکڑوں خام خیالیاں اور وہم پرستیاں کہ جن
کا اس وقت ذکر کرنا ہی فضول ہے اور جو اَب روز بروز دنیا سے مٹی جاتی ہیں اور علم اور عقل کے ۱۱۱
حاصل کرنے والے خود بخود ان کو چھوڑتے جاتے ہیں انہیں دنوں میں نکلی تھیں ۔پس غضب کی بات
ہے کہ جو لوگ اس تحقیق اور تدقیق کے مالک ہیں اور جن کے وید مقدس میں بجز آگ اور ہوا اور
سورج اور چاند وغیرہ مخلوق چیزوں کے خدا کا پتہ بھی مشکل سے ملتا ہے وہ حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح
اور حضرت خاتم الانبیاء کو مفتری ٹھہراویں اور ان کے ادوار مبارک کو مکر اور فریب کے دور قرار دیں
اور ان کی کامیابیوں کو جو تائید الٰہی کے بڑے نمونہ ہیں بخت اور اتفاق پر حمل کریں اور ان کی پاک
کتابیں جو خدا کی طرف سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں ان کو ملیں جن کے ذریعہ سے بڑی اصلاح ۱۱۲
دنیا کی ہوئی وہ وید کے مضامین مسروقہ خیال کئے جائیں ۔اور تماشا یہ کہ اب تک یہ پتہ نہیں دیا گیا
کہ کس طور کے سرقہ کا ارتکاب ہوا ۔کیا کسی جگہ قرآن شریف یا انجیل یا توریت میں وید کی طرح اگنی
کی پرستش کا حکم پایا جاتا ہے یا کہیں وایو اور جل کی مناجات لکھ دی ہے یا کسی مقام میں اکاش اور
چاند اور سورج کی حمد وثنا کی گئی ہے یا کسی آیت میں اندر کی مہما اور برنن کر کے اس سے بہت سی
گوئیں اور بے انتہا مال مانگا گیا ہے ۔اور اگر ان چیزوں میں سے جو وید کا لب لباب اور اس کی
ساری تعلیموں کا خلاصہ ہیں کچھ بھی نہیں لیا گیا تو پھر وید میں سے کیا چورایا ۔

اور اس جگہ ہمیں پنڈت دیانند صاحب پر بڑا افسوس ہے جو وہ توریت اور انجیل اور قرآن شریف کی نسبت اپنے بعض رسالوں اور نیز اپنے وید بھاش کے بھومکا میں سخت سخت الفاظ استعمال میں لائے ہیں اور معاذ اللہ وید کو کھرا سونا اور باقی خدا کی ساری کتابوں کو کھوٹا سونا قرار دیا ہے ۔ سارا باعث ان واہیات باتوں اور بیہودہ چالاکیوں کا یہ ہے کہ پنڈت صاحب نہ عربی جانتے ہیں نہ فارسی اور نہ بجز سنسکرت کے کوئی اور بولی بلکہ اردو خوانی سے بھی بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہیں ۔ اور ایک اور بھی باعث ہے جو ان کی نو تصنیف کتابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ علاوہ کم فہمی اور بے علمی اور تعصب کے ان کی فطرتی سمجھ بھی سودائیوں اور وہمیوں کی طرح وضع

استقامت پر قائم ہونے اور صراط مستقیم پر ٹھہرنے سے نہایت لاچار ہے اور نیک کو بدخیال کرنا اور بد کو نیک سمجھنا اور کھرے کو کھوٹا اور کھوٹے کو کھرا قرار دینا اور الٹے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا جاننا ان کی ایک عام عادت ہوگئی ہے جو ہر جگہ بلا اختیار ان سے ظہور میں آتی ہے، اور اسی وجہ سے وید کی وہ تاویلیں جو کبھی کسی کی خواب میں بھی نہیں آئی تھیں وہ کرتے جاتے ہیں اور پھر ان بے بنیاد خیالات کو
۱۱۳ چھپوا کر لوگوں سے اپنی رسوائی کراتے ہیں۔ اور اگرچہ سارے ہندوستان کے پنڈت شور مچا رہے ہیں جو ہمارے وید میں توحید کا نام و نشان نہیں اور ہمارے باپ دادوں نے یہ سبق کبھی پڑھا ہی نہیں اور وید نے ہم کو کسی جگہ مخلوق پرستی سے منع کیا ہی نہیں۔ مگر پنڈت جی پھر بھی اپنے خیالی پلاؤ پکانے سے باز نہیں آتے اور ان صدہا دیوتوں کو جو وید کے متفرق معبود ہیں صرف ایک ہی خدا بنانا چاہتے ہیں کہ تا وید کے الہامی ہونے میں کچھ فرق نہ آجائے۔ بہرحال جو کچھ انہوں نے وید پر دست درازی کی اور کر رہے ہیں یہ تو ان کا اختیار ہے۔ مگر قرآن شریف کی نسبت ناحق ہتک اور توہین کرنا یہ وہ کام ہے کہ جس سے ان کی سخت رسوائی ہوگی۔ چنانچہ اس کتاب کی تصنیف سے وہ دن آ بھی گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ اب پنڈت صاحب صدہا دلائل حقیت اور افضلیت قرآن شریف کی اور صدہا ادلہ بطلان اصول وید کے کتاب ہذا سے بذریعہ کسی لکھے پڑھے آدمی کے معلوم کر کے پھر بھی جیتے رہیں یا خودکشی کا ارادہ جوش مارے گا۔ کیا غضب کی بات ہے کہ قرآن شریف جیسی اعلیٰ اور افضل اور اتم اور اکمل اور احسن اور اجمل کتاب کی توہین کر کے نہ عاقبت کی ذلت سے ڈرتے ہیں اور نہ اس جہان کے طعن و تشنیع کا کچھ اندیشہ رکھتے ہیں۔ شاید ان کو دونوں عالم کی کچھ پروا نہیں رہی۔ اگر خدا کا کچھ خوف نہیں تھا تو بارے دنیا کی ہی رسوائی کا کچھ خوف کرتے۔ اور اگر شرم اور حیا اٹھ گیا تھا تو کاش لوگوں کے ہی لعن طعن کا اندیشہ باقی رہتا۔ اور اگر پنڈت صاحب کا کچھ مادہ ہی ایسا ہے کہ وہ ناحق خدا کے مقدس رسولوں کی توہین کر کے خوش ہوتے ہیں اور کچھ خو ہی ایسی ہے کہ سنبھلی نہیں جاتی تو اس سے بھی وہ خدا کے پاک لوگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ پہلے اس سے نبیوں کے دشمنوں نے ان روشن چراغوں کے بجھانے کے لئے کیا کیا نہ کیا اور کون سی تدبیر ہے جو عمل میں نہ

لائے۔لیکن چونکہ وہ راستی اور صداقت کے درخت تھے۔اس لئے وہ غیبی مدد سے دم بدم نشوونما پکڑتے گئے اور معاندین کی مخالفانہ تدبیروں سے کچھ بھی ان کا نقصان نہ ہوا۔ بلکہ وہ ان لطیف اور خوشنما پودوں کی طرح جو مالک کے جی کو بھاتے ہیں اور بھی بڑھتے پھولتے گئے۔ یہاں تک کہ وہ ۱۱۴
بڑے بڑے سایہ دار اور پھلدار درختوں کے مانند ہوگئے اور دور دور کے روحانی اور حقانی آرام کے ڈھونڈنے والے پرندوں نے آکر ان میں بسیرا لیا اور مخالفوں کی کچھ بھی پیش نہ گئی۔ اور گو ان بداندیشوں نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے، ایڑیاں رگڑیں، مکاریاں اور عیاریاں دکھلائیں، پر آخر مرغ گرفتار کی طرح پھڑ پھڑا کے رہ گئے۔پس جبکہ ہاتھوں سے ان مقدس لوگوں کا نقصان نہ ہوسکا تو صرف زبان کے ہتک آمیز الفاظ سے کب ہوسکتا ہے۔ یہ وہ برگزیدہ قوم ہے کہ جن کے اقبال کی انہیں کے زمانہ میں آزمائش ہوچکی ہے۔ وہ اقبال نہ بت پرستوں کے روکنے سے رکا اور نہ کسی اور مخلوق پرست کی مزاحمت سے بند رہا۔نہ تلواروں کی دھار اس شان وشوکت کو کاٹ سکی۔نہ تیروں کی تیزی اس میں کچھ رخنہ ڈال سکی۔وہ جلال ایسا چمکا جو اس کا حسد کتنوں کا لہو پی گیا۔وہ تیر ایسا برسا جو اس کا چھوٹنا کئی کلیجوں کو کھا گیا۔وہ آسمانی پتھر جس پر پڑا اسے پیس ڈالتا رہا اور جو شخص اس پر پڑا وہ آپ ہی پسا گیا۔

خدا کے پاک لوگوں کو خدا سے نصرت آتی ہے
جب آتی ہے تو پھر عالم کو اک عالم دکھاتی ہے

وہ بنتی ہے ہوا اور ہر خس رہ کو اڑاتی ہے
وہ ہو جاتی ہے آگ اور ہر مخالف کو جلاتی ہے

کبھی وہ خاک ہوکر دشمنوں کے سر پہ پڑتی ہے
کبھی ہو کر وہ پانی ان پہ اک طوفان لاتی ہے

غرض رکتے نہیں ہرگز خدا کے کام بندوں سے
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے

خلاصہ اس کلام کا یہ ہے کہ اگر پنڈت صاحب وغیرہ معاندین ومخالفین کو دنیا اور قوم کی محبت
کے باعث یا ننگ و ناموس کے سبب یا صفت حیا کی کمزوری کی وجہ سے خدا کی سچی کتابوں پر ایمان
لانا منظور نہ ہو تو خیر یہ ان کی خوشی ۔ مگر ہم ان کو نصیحت کرتے ہیں جو زبان درازیوں سے باز رہیں جو
۱۱۵ اس کا انجام اچھا نہیں ہوتا ۔ اور بہ فرض محال یہ بھی ہم نے تسلیم کیا جو خدا کے پاک پیغمبروں کا صدق ان
کی عقل عجیب کے نزدیک ثابت نہیں سہی ۔ مگر پھر بھی وہ شخص کہ جس کے دل میں کچھ خدا کا خوف یا
لوگوں کے طعن سے ہی کچھ ڈر ہے، وہ اس بات کو ضرور تسلیم کرے گا کہ صدق کے عدم ثبوت سے
کذب کا ثبوت لازم نہیں آتا ۔ کیونکہ مفہوم اس عبارت کا کہ زید کا سچا ہونا ثابت نہیں ۔ اس عبارت
کے مفہوم سے ہرگز مساوی نہیں ہوسکتا کہ زید کا جھوٹا ہونا ثابت ہے پس جس حالت میں کسی شخص کا
کذب ثابت نہیں تو اس پر احکام کذب کے وارد کرنا اور کاذب کاذب کرکے پکارنا حقیقت میں انہیں
لوگوں کا کام ہے کہ جن کا دھرم اور ایمان اور پرمیشر اور بھگوان صرف جیفہ دنیا کا لالچ یا جاہلانہ ننگ
و ناموس یا قوم اور برادری ہے ۔ اگر وہ حق کو قبول کریں اور ہر یک نوع کی ضدیت چھوڑ دیں تو پھر
ایک غریب درویش کی طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دین الٰہی میں داخل ہونا پڑے تو پھر پنڈت جی اور
گورو جی اور سوامی جی ان کو کون کہے ۔ پس اگر ایسے لوگ حق اور راستی کے مزاحم نہ ہوں تو اور کون ہو
اور اگر ان کا غضب اور غصہ نہ بھڑکے تو اور کس کا بھڑکے ۔ ان کو تو اسلام کی عزت ماننے سے اپنی
عزت میں فرق آتا ہے ۔ طرح طرح کی وجوہ معاش بند ہوتی ہیں ۔ تو پھر کیوں کر ایک اسلام کو قبول
کرکے ہزار آفت خرید لیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جس سچائی پر یقین کرنے کیلئے صدہا سامان موجود ہیں اس
کو تو قبول نہیں کرتے اور جن کتابوں کی تعلیم حرف حرف میں شرک کا سبق دیتی ہے ان پر ایمان لائے
بیٹھے ہیں اور بے انصافی ان کی اس سے ظاہر ہے کہ اگر مثلاً کوئی عورت کہ جس کی پاک دامنی بھی کچھ
ایسی ویسی ہی ثابت ہو ۔ کسی ناکردنی فعل سے متہم کی جائے تو فی الفور کہیں گے جو کس نے پکڑا اور کس
نے دیکھا اور کون معائنہ واردات کا گواہ ہے ۔ مگر ان مقدسوں کی نسبت کہ جن کی راستبازی پر نہ ایک
نہ دو بلکہ کروڑہا آدمی گواہی دیتے چلے آئے ہیں بغیر ثبوت معتبر اس امر کے کہ کسی کے سامنے انہوں

نے مسودہ افترا کا بنایا یا اس منصوبہ میں کسی دوسرے سے مشورہ لیا یا وہ راز کسی شخص کو اپنے نوکروں یا
دوستوں یا عورتوں میں سے بتلایا یا کسی اور شخص نے مشورہ کرتے یا راز بتلاتے پکڑا۔ یا آپ ہی موت ۱۱۶
کا سامنا دیکھ کر اپنے مفتری ہونے کا اقرار کر دیا۔ یونہی جھوٹی تہمت لگانے پر طیار ہو جاتے ہیں۔ پس
یہی تو سیاہ باطنی کی نشانی ہے اور اسی سے تو ان کی اندرونی خرابی مترشح ہو رہی ہے۔ انبیاء وہ لوگ ہیں
کہ جنہوں نے اپنی کامل راستبازی کی قوی حجت پیش کر کے اپنے دشمنوں کو بھی الزام دیا جیسا کہ یہ
الزام قرآن شریف میں ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے جہاں فرمایا
ہے: فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (یونس:۱۶) یعنی میں ایسا نہیں کہ جھوٹ بولوں
اور افتراء کروں۔ دیکھوں میں چالیس برس اس سے پہلے تم میں ہی رہتا رہا ہوں کیا کبھی تم نے میرا
کوئی جھوٹ یا افترا ثابت کیا پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں یعنی یہ سمجھ کہ جس نے کبھی آج تک کسی قسم کا جھوٹ
نہیں بولا، وہ اب خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا۔ غرض انبیاء کے واقعات عمری اور ان کی سلامت
روشی ایسی بدیہی اور ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی
صداقت ان کے واقعات سے ہی روشن ہو رہی ہے۔ مثلاً اگر کوئی منصف اور عاقل ان تمام براہین
اور دلائل صدق نبوت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اس کتاب میں لکھی جائیں گی قطع نظر
کر کے محض ان کے حالات پر ہی غور کرے تو بلا شبہ انہیں حالات پر غور کرنے سے ان کے نبی صادق
ہونے پر دل سے یقین کرے گا۔ اور کیونکر یقین نہ کرے وہ واقعات ہی ایسے کمال سچائی اور صفائی
سے معطر ہیں کہ حق کے طالبوں کے دل بلا اختیار ان کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔ خیال کرنا چاہیے کہ کس
استقلال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت پر باوجود پیدا ہو جانے ہزاروں خطرات اور کھڑے
ہو جانے لاکھوں معاندوں اور مزاحموں اور ڈرانے والوں کے اول سے اخیر دم تک ثابت اور قائم
رہے برسوں تک وہ مصیبتیں دیکھیں اور وہ دکھ اٹھانے پڑے جو کامیابی سے بکلی مایوس کرتے تھے
اور روز بروز بڑھتے جاتے تھے کہ جن پر صبر کرنے سے کسی دنیوی مقصد کا حاصل ہو جانا وہم بھی نہیں
گذرتا تھا بلکہ نبوت کا دعویٰ کرنے سے از دست اپنی پہلی جمعیت کو بھی کھو بیٹھے اور ایک بات کہہ کر لاکھ ۱۱۷

تفرقہ خریدلیا اور ہزاروں بلاؤں کو اپنے سر پر بلالیا۔ وطن سے نکالے گئے ۔قتل کے لئے تعاقب کئے گئے ۔گھر اور اسباب تباہ اور برباد ہو گیا۔ بارہا زہر دی گئی ۔اور جو خیر خواہ تھے وہ بدخواہ بن گئے اور جو دوست تھے وہ دشمنی کرنے لگے اور ایک زمانہ دراز تک وہ تلخیاں اٹھانی پڑیں کہ جن پر ثابت قدمی سے ٹھہرے رہنا کسی فریبی اور مکار کا کام نہیں ۔اور پھر جب مدت مدید کے بعد غلبہ اسلام کا ہوا تو ان دولت اور اقبال کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا نہ کیا۔ کوئی عمارت نہ بنائی ۔کوئی بارگاہ طیار نہ ہوئی ۔ کوئی سامان شاہانہ عیش وعشرت کا تجویز نہ کیا گیا۔ کوئی اور ذاتی نفع نہ اٹھایا۔ بلکہ جو کچھ آیا وہ سب یتیموں اور مسکینوں اور بیوہ عورتوں اور مقروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہا اور کبھی ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھایا۔ اور پھر صاف گوئی اس قدر کہ توحید کا وعظ کر کے سب قوموں اور سارے فرقوں اور تمام جہان کے لوگوں کو جو شرک میں ڈوبے ہوئے تھے مخالف بنالیا۔ جو اپنے اور خویش تھے ان کو بت پرستی سے منع کر کے سب سے پہلے دشمن بنایا۔ یہودیوں سے بھی بات بگاڑ لی ۔ کیونکہ ان کو طرح طرح کی مخلوق پرستی اور پیر پرستی اور بداعمالیوں سے روکا۔ حضرت مسیح کی تکذیب اور توہین سے منع کیا جس سے ان کا نہایت دل جل گیا اور سخت عداوت پر آمادہ ہو گئے اور ہر دم قتل کر دینے کی گھات میں رہنے لگے ۔اسی طرح عیسائیوں کو بھی خفا کر دیا گیا۔ کیونکہ جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا۔ حضرت عیسیٰ کو نہ خدا نہ خدا کا بیٹا قرار دیا اور نہ ان کو پھانسی مل کر دوسروں کو بچانے والا تسلیم کیا۔ آتش پرست اور ستارہ پرست بھی ناراض ہو گئے ۔ کیونکہ ان کو بھی ان کے دیوتوں کی پرستش سے ممانعت کی گئی اور مدار نجات کا صرف توحید ٹھہرائی گئی ۔اب جائے انصاف ہے کہ کیا دنیا حاصل کرنے کی یہی تدبیر تھی کہ ہر یک فرقہ کو ایسی ایسی صاف اور دلآزار باتیں سنائی گئیں کہ جس سے سب نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور سب کے دل ٹوٹ گئے اور قبل اس کے کہ اپنی کچھ ذرہ بھی جمعیت بنی ہوتی یا کسی کا حملہ روکنے کے لئے کچھ طاقت ۱۱۸
بہم پہنچ جاتی سب کی طبیعت کو ایسا اشتعال دے دیا کہ جس سے وہ خون کرنے کے پیاسے ہو گئے ۔ زمانہ سازی کی تدبیر تو یہ تھی کہ جیسا بعضوں کو جھوٹا کہا تھا ویسا ہی بعضوں کو سچا بھی کہا جاتا ۔تا اگر بعض مخالف ہوتے تو بعض موافق بھی رہتے ۔ بلکہ اگر عربوں کو کہا جاتا کہ تمہارے ہی لات وعزیٰ سچے ہیں

تو وہ تو اسی دم قدموں پر گر پڑتے اور جو چاہتے ان سے کراتے ۔ کیونکہ وہ سب خویش اورا قارب اور حمیت قومی میں بے مثل تھے اور ساری بات مانی منائی تھی صرف تعلیم بت پرستی سے خوش ہو جاتے اور بدل و جان اطاعت اختیار کرتے ۔لیکن سوچنا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یکلخت ہر ایک خویش و بیگانہ سے بگاڑ لینا اور صرف توحید کو جو ان دنوں میں اس سے زیادہ دنیا کے لئے کوئی نفرتی چیز نہ تھی اور جس کے باعث سے صدہا مشکلیں پڑتی جاتی تھیں بلکہ جان سے مارے جانا نظر آتا تھا مضبوط پکڑ لینا یہ کس مصلحت دنیوی کا تقاضا تھا اور جبکہ پہلے اسی کے باعث سے اپنی تمام دنیا اور جمعیت برباد کر چکے تھے تو پھر اسی بلا انگیز اعتقاد پر اصرار کرنے سے کہ جس کو ظاہر کرتے ہی تو مسلمانوں کو قید اور زنجیر اور سخت سخت ماریں نصیب ہوئیں کس مقصد کا حاصل کرنا مراد تھا۔کیا دنیا کمانے کے لئے یہی ڈھنگ تھا کہ ہر ایک کو کلمہ تلخ جو اس کی طبع اور عادت اور مرضی اور اعتقاد کے برخلاف تھا، سنا کر سب کو ایک دم کے دم میں جانی دشمن بنا دیا اور کسی ایک آدھ قوم سے بھی پیوند نہ رکھا۔جو لوگ طامع اور مکار ہوتے ہیں کیا وہ ایسی ہی تدبیریں کیا کرتے ہیں کہ جس سے دوست بھی دشمن ہو جائیں ۔ جو لوگ کسی مکر سے دنیا کو کمانا چاہتے ہیں کیا ان کا یہی اصول ہوا کرتا ہے کہ یکبارگی ساری دنیا کو عداوت کرنے کا جوش دلاویں اور اپنی جان کو ہر وقت کی فکر میں ڈال لیں ۔ وہ تو اپنا مطلب سادھنے کے لئے سب سے صلح کاری اختیار کرتے ہیں اور ہر ایک فرقہ کو سچائی کا ہی سرٹیفکیٹ دیتے ہیں ۔خدا کے لئے یک رنگ ہو جانا ان کی عادت کہاں ہوا کرتی ہے خدا کی وحدانیت اور عظمت کا کب وہ کچھ دھیان رکھا کرتے ہیں ۔ان کو اس سے غرض کیا ہوتی ہے کہ ناحق خدا کے لئے دکھ اٹھاتے پھریں ۔ وہ تو صیاد کی طرح وہیں دام بچھاتے ہیں کہ جو شکار مارنے کا بہت آسان راستہ ہوتا ہے اور وہی طریق اختیار کرتے ہیں کہ جس میں محنت کم اور فائدہ دنیا کا بہت زیادہ ہو۔نفاق ان کا پیشہ اور خوشامد ان کی سیرت ہوتی ہے ۔سب سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور ہر ایک چور اور سادھ سے برابر رابطہ رکھنا ان کا ایک خاص اصول ہوتا ہے ۔مسلمانوں سے اللہ اللہ اور ہندوؤں سے رام رام کہنے کو ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور ہر ایک مجلس میں ہاں سے ہاں اور نہیں سے نہیں ملاتے رہتے ہیں اور اگر کوئی میر مجلس دن کو رات کہے تو چاند اور گیٹیاں دکھلانے

۱۱۹

کو تیار ہو جاتے ہیں ۔ان کو خدا سے کیا تعلق اور اس کے ساتھ وفاداری کرنے سے کیا واسطہ اور اپنی خوش باش جان کو مفت میں ادھر ادھر کا غم لگا لینا انہیں کیا ضرورت ۔استاد نے ان کو سبق ہی ایک پڑھایا ہوا ہوتا ہے کہ ہر ایک کو یہی بات کہنا چاہیے کہ جو تیرا راستہ ہے وہی سیدھا ہے اور جو تیری رائے ہے وہی درست ہے اور جو تو نے سمجھا ہے وہی ٹھیک ہے ۔غرض ان کی راست اور ناراست اور حق اور باطل اور نیک اور بد پر کچھ نظر ہی نہیں ہوتی بلکہ جس کے ہاتھ سے ان کا کچھ منہ میٹھا ہو جائے وہی ان کے حساب میں بھگت اور سدھ اور جنٹلمین ہوتا اور جس کی تعریف سے کچھ پیٹ کا دوزخ بھرتا نظر آوے اسی کو مکتی پانے والا اور سرگ کا وارث اور حیات ابدی کا مالک بنا دیتے ہیں ۔لیکن واقعات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یک رنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جان باز اور خلقت کے بیم و امید سے بالکل منہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکل کرنے والے تھے کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے
۱۲۰ سر پر آوے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہوگا ۔بلکہ تمام شدتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولیٰ کا حکم بجا لائے ۔اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا ۔ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضعات خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکل کر کے کھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں ۔پس ذرہ ایمانداری سے سوچنا چاہیے کہ یہ سب حالات کیسے آنحضرت ﷺ کے اندرونی صداقت پر دلالت کر رہے ہیں ۔ماسوا اس کے جب عاقل آدمی ان حالات پر اور بھی غور کرے کہ وہ زمانہ کہ جس میں آنحضرت ﷺ مبعوث ہوئے حقیقت میں ایسا زمانہ تھا کہ جس کی حالت موجودہ ایک بزرگ اور عظیم القدر مصلح ربانی اور ہادیٔ آسمانی کی اشد محتاج تھی ⑩ اور جو جو تعلیم دی گئی وہ بھی واقعہ

---

۱۲۰ حاشیہ نمبر 10: تواریخ صاف بتاتی ہے اور فرقان مجید کے کئی مقامات میں کہ جن کا انشاء اللہ فصل اول میں ذکر ہوگا بوضاحت تمام

۱۲۱ میں سچی اور ایسی تھی کہ جس کی نہایت ضرورت تھی۔ اور ان تمام امور کی جامع تھی کہ جس سے تمام
ضرورتیں زمانہ کی پوری ہوتی تھیں۔ اور پھر اس تعلیم نے اثر بھی ایسا کر دکھایا کہ لاکھوں دلوں کو حق اور
راستی کی طرف کھینچ لائی اور لاکھوں سینوں پر لا الٰہ الا اللّٰہ کا نقش جما دیا۔ اور جو نبوت کی علت غائی ہوتی

بقیہ حاشیہ نمبر 10:

وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ میں مبعوث ہوئے تھے کہ جب تمام دنیا میں شرک اور گمراہی اور مخلوق پرستی
پھیل چکی تھی اور تمام لوگوں نے اصول حقہ کو چھوڑ دیا تھا اور صراط مستقیم کو بھول بھلا کر ہر یک فرقہ نے الگ الگ بدعتوں کا
راستہ لے لیا۔ عرب میں بت پرستی کا نہایت زور تھا۔ فارس میں آتش پرستی کا بازار گرم تھا۔ ہند میں علاوہ بت پرستی کے اور
صدہا طرح کی مخلوق پرستی پھیل گئی تھی اور انہیں دنوں میں کئی پوران اور پستک کہ جن کے رو سے بیسیوں خدا کے بندے خدا
بنائے گئے اور اوتار پرستی کی بنیاد ڈالی گئی۔ تصنیف ہو چکی تھی اور بقول پادری پورٹ صاحب اور کئی فاضل انگریزوں کے
ان دنوں میں عیسائی مذہب سے زیادہ اور کوئی مذہب خراب نہ تھا اور پادری لوگوں کی بدچلنی اور بداعتقادی سے مذہب
عیسوی پر ایک سخت دھبہ لگ چکا تھا اور مسیحی عقائد میں نہ ایک نہ دو بلکہ کئی چیزوں نے خدا کا منصب لے لیا تھا۔ پس
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسی عام گمراہی کے وقت میں مبعوث ہونا کہ جب خود حالت موجودہ زمانہ کی ایک بزرگ معالج اور مصلح
کو چاہتی تھی اور ہدایت ربانی کی کمال ضرورت تھی۔ اور پھر ظہور فرما کر ایک عالم کو توحید اور اعمال صالحہ سے منور کرنا اور شرک
۱۲۱ اور مخلوق پرستی کا جو ام الشرور ہے قلع قمع فرمانا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ آنحضرتؐ خدا کے سچے رسول اور سب رسولوں
سے افضل تھے۔ سچا ہونا ان کا تو اس سے ثابت ہے کہ اس عام ضلالت کے زمانہ میں قانون قدرت ایک سچے ہادی کا
متقاضی تھا اور سنت الٰہیہ ایک رہبر صادق کی مقتضی تھی۔ کیونکہ قانون قدیم حضرت رب العالمین کا یہی ہے کہ جب دنیا میں
کسی نوع کی شدت اور صعوبت اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو رحمت الٰہی اس کے دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے جیسے جب
امساک باران سے غایت درجہ کا قحط پڑ کر خلقت کا کام تمام ہونے لگتا ہے تو آخر خداوند کریم بارش کر دیتا ہے اور جب وبا
سے لاکھوں آدمی مرنے لگتے ہیں تو کوئی صورت اصلاح ہوا کی نکل آتی ہے یا کوئی دوا ہی پیدا ہو جاتی ہے اور جب کسی ظالم
کے پنجہ میں کوئی قوم گرفتار ہوتی ہے تو آخر کوئی عادل اور فریادرس پیدا ہو جاتا ہے۔ پس ایسا ہی جب لوگ خدا کا راستہ بھول
جاتے ہیں اور توحید اور حق پرستی کو چھوڑ دیتے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے کسی بندہ کو بصیرت کامل عطا فرما کر اور
اپنے کلام اور الہام سے مشرف کر کے بنی آدم کی ہدایت کے لئے بھیجتا ہے کہ تا جس قدر بگاڑ ہو گیا ہے اس کی اصلاح
کرے۔ اس میں اصل حقیقت یہ ہے کہ پروردگار جو قیوم عالم کا ہے اور بقا اور وجود عالم کا اسی کے سہارے اور آسرے سے
ہے کسی اپنی فیضان رسانی کی صفت کو خلقت سے دریغ نہیں کرتا اور نہ بیکار اور معطل چھوڑتا ہے بلکہ ہر یک صفت اس کی
۱۲۲ اپنے موقعہ پر فی الفور ظہور پذیر ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ از روئے تجویز عقلی کے اس بات پر قطع واجب ہوا کہ ہر یک آفت کا
غلبہ توڑنے کے لئے خدا تعالیٰ کی وہ صفت جو اس کے مقابلہ پر پڑی ہے ظہور کرتی ہے اور یہ بات تواریخ سے اور خود مخالفین
کے اقرار سے اور خاص فرقان مجید کے بیان واضح سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت میں
یہ آفت غالب ہو رہی تھی کہ دنیا کی تمام قوموں نے سیدھا راستہ توحید اور اخلاص اور حق پرستی کا چھوڑ دیا تھا اور نیز یہ بات بھی
ہر یک کو معلوم ہے کہ اس فساد موجودہ کے اصلاح کرنے والے اور ایک عالم کو ظلمات شرک اور مخلوق پرستی سے نکال کر

ہے یعنی تعلیم اصول نجات کے اس کو ایسا کمال تک پہنچایا جو کسی دوسرے نبی کے ہاتھ سے وہ کمال کسی زمانہ میں بہم نہیں پہنچا۔ تو ان واقعات پر نظر ڈالنے سے بلا اختیار یہ شہادت دل سے جوش مار کر نکلے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ضرور خدا کی طرف سے سچے ہادی ہیں۔ جو شخص تعصب اور ضدیت سے انکاری ہو

بقیہ حاشیہ نمبر 10:

توحید پر قائم کرنے والے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں کوئی دوسرا نہیں۔ تو ان سب مقدمات سے نتیجہ یہ نکلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی طرف سے سچے ہادی ہیں چنانچہ اس دلیل کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں آپ ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ

١٢٣ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ (النحل: ۶۳ تا ۶۵) یعنی ہم کو اپنی ذات الوہیت کی قسم ہے جو مبدء فیضان ہدایت اور پرورش اور جامع تمام صفات کاملہ ہے جو ہم نے تجھ سے پہلے دنیا کے کئی فرقوں اور قوموں میں پیغمبر بھیجے۔ پس وہ لوگ شیطان کے دھوکا دینے سے بگڑ گئے۔ سو وہی شیطان آج ان سب کا رفیق ہے۔ اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی کہ تا ان لوگوں کا رفع اختلافات کیا جائے اور جو امر حق ہے وہ کھول کر سنایا جائے اور حقیقت حال یہ ہے کہ زمین ساری کی ساری مر گئی تھی۔ خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور نئے سرے اس مردہ زمین کو زندہ کیا۔ یہ ایک نشان صداقت اس کتاب کا ہے۔ پر ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں یعنی طالب حق ہیں۔

١٢٤ اب غور سے دیکھنا چاہیے کہ وہ تینوں مقدمات متذکرہ بالا کہ جن سے ابھی ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ہادی ہونے کا نتیجہ نکالا تھا۔ کس خوبی اور لطافت سے آیات ممدوحہ میں درج ہیں۔ اول گمراہوں کے دلوں کو جو صدہا سال کی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ زمین خشک اور مردہ سے تشبیہ دے کر اور کلام الٰہی کو مینہ کا پانی جو آسمان کی طرف سے آتا ہے ٹھہرا کر اس قانون قدیم کی طرف اشارہ فرمایا جو امساک باران کی شدت کے وقت میں ہمیشہ رحمت الٰہی بنی آدم کو برباد ہونے سے بچا لیتی ہے اور یہ بات جتلا دی کہ یہ قانون قدرت صرف جسمانی پانی میں محدود نہیں بلکہ روحانی پانی بھی شدت اور صعوبت کے وقت میں جو پھیل جانا عام گمراہی کا ہے ضرور نازل ہوتا ہے اور اس جگہ بھی رحمت الٰہی آفت قلوب کا غلبہ توڑنے کے لئے ضرور ظہور کرتی ہے۔ اور پھر انہیں آیات میں یہ دوسری بات بھی بتلا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے پہلے تمام زمین گمراہ ہو چکی تھی اور اسی طرح اخیر پر یہ بھی ظاہر کر دیا کہ ان روحانی مردوں کو اس کلام پاک نے زندہ کیا اور آخر یہ بات کہہ کر کہ اس میں اس کتاب کی صداقت کا نشان ہے۔ طالبین حق کو اس نتیجہ نکالنے کی طرف توجہ دلائی کہ فرقان مجید خدا کی کتاب ہے۔ اور جیسا کہ اس دلیل سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نبیٔ صادق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسا ہی اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام عالم کا مقابلہ کرنا پڑا اور

١٢٥ جو کام حضرت ممدوح کو سپرد ہوا وہ حقیقت میں ہزار دو ہزار نبی کا کام تھا۔ لیکن چونکہ خدا کو منظور تھا جو بنی آدم ایک ہی قوم اور ایک ہی قبیلہ کی طرح ہو جائیں اور غیریت اور بیگانگی جاتی رہے اور جیسے یہ سلسلہ وحدت سے شروع ہوا ہے وحدت پر ہی ختم ہو۔ اس لئے اس نے آخری ہدایت کو تمام دنیا کے لئے مشترک بھیجا۔ اور اس وقت زمانہ بھی وہ آ پہنچا تھا کہ بباعث کھل جانے راستوں اور مطلع ہونے ایک قوم کے دوسری قوم سے اور ایک ملک کے دوسرے ملک سے اتحاد سلسلہ نوعی کی کارروائی

اس کی مرض تو لا علاج ہے خواہ وہ خدا سے بھی منکر ہو جائے ورنہ یہ سارے آثار صداقت جو آنحضرتؐ ۱۲۲
میں کامل طور پر جمع ہیں کسی اور نبی میں کوئی ایک تو ثابت کر کے دکھلاوے تا ہم بھی جانیں۔ منہ سے فضول باتیں بکنا کوئی بڑی بات نہیں جو جی چاہے بک لیا کون روکتا ہے۔ لیکن معقول طور پر مدلل بات کا مدلل جواب دینا شرط انصاف ہے۔ یوں تو ہمارے سارے مخالفین گالیاں دینے اور توہین کرنے کو

بقیہ حاشیہ نمبر 10:

شروع ہوگئی تھی اور بوجہ میل ملاپ دائمی کے خیالات بعض ملکوں کے بعض ملکوں میں اثر کرنے لگے تھے۔ چنانچہ یہ کارروائی اب تک ترقی پر ہے اور سارے سامان جیسے ریل تار و جہاز وغیرہ ایسے ہی دن بدن نکلتے آتے ہیں کہ جن سے یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قادر مطلق کا یہی ارادہ ہے کہ کسی دن تمام دنیا کو ایک قوم کی طرح بنا دے۔ بہر حال پہلے نبیوں کی محدود کوشش تھی کیونکہ ان کی رسالت بھی ایک قوم میں محدود ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی غیر محدود اور وسیع کوشش تھی، کیونکہ ان کی رسالت عام تھی۔ یہی وجہ ہے جو فرقان مجید میں دنیا کے تمام مذاہب باطلہ کا رد موجود ہے اور انجیل میں صرف یہودیوں کی بدچلنی کا ذکر ہے۔ پس آنحضرتؐ کا دوسرے نبیوں سے افضل ہونا ایسی غیر محدود کوشش سے ثابت ہے۔ ماسوا اس کے یہ
بات اجلی بدیہات ہے کہ شرک اور مخلوق پرستی کو دور کرنا اور وحدانیت اور جلال الٰہی کو دلوں پر جمانا سب نیکیوں سے افضل ۱۲۶
اور اعلیٰ نیکی ہے۔ پس کیا کوئی اس سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ نیکی جیسی آنحضرتؐ سے ظہور میں آئی ہے کسی اور نبی سے ظہور میں نہیں آئی۔ آج دنیا میں بجز فرقان مجید کے اور کونسی کتاب ہے کہ جس نے کروڑہا مخلوقات کو توحید پر قائم کر رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کے ہاتھ سے بڑی اصلاح ہوئی وہی سب سے بڑا ہے۔ اس جگہ پادری فنڈر صاحب مصنف میزان الحق اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ فی الحقیقت اس زمانہ کے عیسائی کہ جب دین اسلام شروع ہوا تھا، سخت سخت بدعتوں میں گرفتار تھے اور انجیل پر سے ان کا عمل جاتا رہا تھا۔ اور پھر بعد اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ یہی باعث تھا جو خدا نے ان کو دین پھیلانے سے نہ روکا۔ کیونکہ اس وقت خدا کو بھی منظور تھا جو عیسائیوں کو کہ جنہوں نے انجیل پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا تنبیہ اور سزا دے۔ اب پادری صاحب کی دیانت اور انصاف اور ایمانداری کو دیکھئے کہ بات کو کہاں سے کہاں گھسیٹ کر لے گئے۔ اپنے عیسائی بھائیوں پر قہر الٰہی نازل کر دیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت قبول کرنا طبیعت پر گوارا نہ ہوا۔ واہ رے تیرا تعصب! سزا دینے کی خوب کہی۔ افسوس کہ پادری صاحب کو ایسی متعصّبانہ رائے ظاہر کرتے
ہوئے کچھ خدا کا خوف نہ آیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی نسبت یہ بات منہ پر لانا کہ وہ ایک عالم کو گمراہ اور غلطی میں پا کر ۱۲۷
ان کے لئے ایسا سامان مقرر کرتا ہے کہ جس سے وہ اور بھی گمراہی میں پڑیں نہایت درجہ کا کفر اور پرلے درجہ کی بے باکی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اور یہ پادری صاحبوں کی ہی نیک بختی اور دینداری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت کے لئے خدا کو بھی ہادی ہونے کی صفت سے جواب دیتے ہیں۔ ورنہ کون عاقل اور ایماندار اس فعل کو خدا کی طرف نسبت دے سکتا ہے کہ خدا کو اس زمانہ میں کہ جب گمراہی اور بداعتقادی کمال کو پہنچ گئی تھی اور لوگ سراسر شرک اور مخلوق پرستی میں ڈوب گئے تھے، یہی تدبیر سوجھی اور یہی علاج دل کو پسند آیا جو بقول پادری صاحب خلقت کو پہلے سے بھی بدتر کر دے اور بجائے پیدا کرنے ایک مصلح کے ایسے شخص کو خلقت پر مسلط کر دے جو بزعم پادریوں کے رہی سہی صلاحیت کو بھی دور کرے۔ یعنی خدا کو لہو اور گندگی میں گھس آنے سے پاک سمجھے اور تولد اور موت اور فوت اور درد اور دکھ سے منزہ قرار دے۔ کیا کسی کے خیال میں

بڑے چالاک ہیں اور ہجو اور اہانت کرنا کسی استاد سے خوب سیکھے ہیں۔ ہندو دوسرے تمام پیغمبروں اور
کتابوں کی تکذیب کر کے صرف وید کا بھجن گا رہے ہیں کہ جو ہے سو وید ہی ہے۔ عیسائی ساری تعلیم الٰہی
انجیل پر ختم کئے بیٹھے ہیں۔ یہ نہیں سمجھتے کہ قدر و منزلت ہر یک کتاب کی افادہ توحید سے وزن کی جاتی
ہے اور جو کتاب توحید کا فائدہ پہنچانے میں زیادہ ہو وہی رتبہ میں زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ
اگر منکر وحدانیت الٰہی کا کیسا ہی جامع اخلاق کیوں نہ ہو مگر تب بھی نجات نہیں پا سکتا۔ اب ان
۱۲۳ صاحبوں کو سوچنا چاہیے کہ توحید جو مدار نجات کا ہے کس کتاب کے ذریعہ سے دنیا میں سب سے زیادہ
شائع ہوئی۔ بھلا کوئی بتلائے تو سہی کہ کس ملک میں وید کے ذریعہ سے وحدانیت الٰہی پھیلی ہوئی ہے
یا وہ دنیا کس پردہ زمین میں بستی ہے کہ جہاں رگ اور یجر اور شام اور اتھرون نے توحید
الٰہی کا نقارہ بجا رکھا ہے۔ جو کچھ وید کے ذریعہ سے ہندوستان میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے وہ تو
یہی آتش پرستی اور شمس پرستی اور بشن پرستی وغیرہ انواع و اقسام کی مخلوق پرستیاں ہیں کہ
جن کے لکھنے سے بھی کراہت آتی ہے۔ ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک نظر
۱۲۴ اٹھا کر دیکھو۔ جتنے ہندو ہیں سب مخلوق پرستی میں ڈوبے ہوئے نظر آویں گے۔ کوئی
مہادیو جی کا پوجاری اور کوئی کرشن جی کا بھجن گانے والا اور کوئی مورتوں کے آگے ہاتھ

بقیہ حاشیہ نمبر 10:

آ سکتا ہے یا کسی مصنف کا انصاف دلی یہ فتویٰ دیتا ہے جو خدائے کریم و رحیم میں ایسی ہی عادات ہیں اور وہ دنیا کو گمراہ دیکھ
کر ایسا ہی بندوبست کیا کرتا ہے جو پہلے سے صدہا درجہ زیادہ گمراہی میں ڈالتا ہے۔ کسی اہل انصاف پر اس بات کا سمجھنا
۱۲۸ کچھ مشکل نہیں کہ دنیا میں فساد عام پھیل جانا ایک مصلح کو چاہتا ہے اور ہر یک عاقل کو صریح نظر آتا ہے کہ بروقت غلبہ جہالت
اور گمراہی کے خدا کی صفت رہنمائی کی خلقت پر ظاہر ہونی چاہیے۔ مگر جو شخص تعصب سے اندھا ہو جائے اس کو کیونکر نظر
آوے۔ کیا کبھی اندھے نے کچھ دیکھا ہے کہ وہ بھی دیکھے۔ افسوس کہ پادری لوگ ایسی ایسی ہٹ دھرمی کر کے پھر روزِ
مواخذہ سے ڈرتے نہیں اور کیونکر ڈریں مسیح کے کفارہ پر بھروسہ جو ٹھہرا۔ ورنہ عقل ہرگز باور نہیں کر سکتی کہ پادریوں کی ایسی
ناقص سمجھ ہے کہ وہ اب تک خدا کے قانون قدیم سے بھی بے خبر ہیں اور وہ خدا کہ جس نے موسیٰ کے وقت میں ایک قوم کو
غافل اور ظالم کے ہاتھ میں گرفتار دیکھ کر اپنا پیغمبر بھیجا اور پھر حضرت عیسیٰ کے وقت میں یہودیوں کی ذرہ سی بدچلنی پر جھٹ
پٹ حضرت مسیح کو بھیج دیا وہ آخری زمانہ میں ایسا سخت دل اور بے رحم ہو گیا کہ باوصفیکہ ساری دنیا شرک اور مخلوق پرستی میں
غرق ہو گئی پر اسے ہدایت نازل کرنے کا کچھ بھی خیال نہ آیا بلکہ الٹا گمراہوں کی اور بھی ستیاناس کرنے لگا۔ گویا پہلے
زمانوں میں تو اسے گمراہی بری معلوم ہوتی تھی اور اب اچھی معلوم ہونے لگی۔ منہ

جوڑنے والا۔ ایسا ہی انجیل کا حال ہے۔کوئی ملک نظر نہیں آتا کہ جہاں بذریعہ انجیل کے اشاعت توحید کی ہوئی ہو۔ بلکہ انجیل کے ماننے والے موحد کو ناجی ہی نہیں سمجھتے اور پادری لوگ اہل توحید کو ایک اندھیری آگ میں بھیج رہے ہیں کہ جہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا اور بقول ان کے اس کالی آگ سے وہی شخص بچے گا جو خدا پر موت اور مصیبت اور بھوک اور پیاس اور درد اور دکھ اور تجسم اور حلول ہمیشہ کے لئے روا رکھتا ہو۔ ورنہ کوئی صورت بچنے کی نہیں۔ گویا وہ فرضی بہشت یورپ کی دو بزرگ قوموں انگریزوں اور روسیوں کو نصفاً نصف تقسیم کرکے دیا جائیگا اور باقی سب موحد اس قصور سے جو خدا کو ہر ایک طرح کے نقصان سے جو اس کے کمال تام کے منافی ہے، پاک سمجھتے تھے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ ۱۲۳

غرض ہماری اس تحریر سے یہ ہے کہ آج صفحۂ دنیا میں وہ شے کہ جس کا نام توحید ہے بجز امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی فرقہ میں نہیں پائی جاتی اور بجز قرآن شریف کے اور کسی کتاب کا نشان نہیں ملتا کہ جو کروڑ ہا مخلوقات کو وحدانیت الٰہی پر قائم کرتی ہو اور کمال تعظیم سے اس سچے خدا کی طرف رہبر ہو۔ ہر یک قوم نے اپنا اپنا مصنوعی خدا بنا لیا اور مسلمانوں کا وہی خدا ہے جو قدیم سے لازوال اور غیر مبدل اور اپنی ازلی صفتوں میں ایسا ہی ہے جو پہلے تھا۔ سو یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ جن سے ہادی اسلام کا صدق نبوت اظہر من الشّمس ہے۔ کیونکہ معنی نبوت کے اور علت غائی رسالت اور پیغمبری کی انہیں کی ذات بابرکات میں ثابت اور متحقق ہو رہی ہے اور جیسا کہ مصنوعات سے صانع شناخت کیا جاتا ہے ویسا ہی عاقل لوگ اصلاح موجودہ سے اس مصلح ربانی کی شناخت کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہزارہا ایسے اور بھی واقعات ہیں کہ جن سے ۱۲۳
آنحضرت ﷺ کا مؤید بتائید الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً کیا یہ حیرت انگیز ماجرا نہیں کہ ایک بے زر، بے زور، بیکس امی، یتیم، تنہا، غریب ایسے زمانہ میں کہ جس میں ہر ایک قوم پوری پوری طاقت مالی اور فوجی اور علمی رکھتی تھی ایسی روشن تعلیم لایا کہ اپنی براہین قاطعہ اور حجج واضحہ سے سب کی زبان بند کر دی اور بڑے بڑے لوگوں کی جو حکیم بنے پھرتے تھے اور فیلسوف کہلاتے تھے، فاش غلطیاں

نکالیں ۔اور پھر باوجود بےکسی اور غریبی کے زور بھی ایسا دکھایا کہ بادشاہوں کو تختوں سے گرادیا اور انہیں تختوں پر غریبوں کو بٹھایا۔ اگر یہ خدا کی تائید نہیں تھی تو اور کیا تھی۔ کیا تمام دنیا پر عقل اور علم اور طاقت اور زور میں غالب آ جانا بغیر تائید الٰہی کے بھی ہوا کرتا ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے پہل مکے کے لوگوں میں منادی کی کہ میں نبی ہوں۔ اس وقت ان کے ہمراہ
۱۲۷ کون تھا اور کس بادشاہ کا خزانہ ان کے قبضہ میں آ گیا تھا کہ جس پر اعتماد کر کے ساری دنیا سے مقابلہ کرنے کی ٹھہر گئی یا کون سی فوج اکٹھی کر لی تھی کہ جس پر بھروسہ کر کے تمام بادشاہوں کے حملوں سے امن ہو گیا تھا۔

ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر اکیلے اور بےکس اور بےسامان تھے صرف ان کے ساتھ خدا تھا جس نے ان کو ایک بڑے مطلب کے لئے پیدا کیا تھا۔ پھر ذرہ اس طرف بھی غور کرنی چاہیے کہ وہ کس مکتب میں پڑھے تھے اور کس اسکول کا پاس حاصل کیا تھا اور کب انہوں نے عیسائیوں اور یہودیوں اور آریہ لوگوں وغیرہ دنیا کے فرقوں کی مقدس کتابیں مطالعہ کی تھیں۔ پس اگر قرآن شریف کا نازل کرنے والا خدا نہیں ہے تو کیونکر اس میں تمام دنیا کے علوم حقہ الٰہیہ لکھے گئے اور وہ تمام ادلہ کاملہ علم الٰہیات کی کہ جن کے باستیفا اور بصحت لکھنے سے سارے منطقی اور معقولی اور فلسفی عاجز رہے اور ہمیشہ غلطیوں میں ہی ڈوبتے ڈوبتے مر گئے، وہ کس فلاسفر بےمثل و مانند نے قرآن شریف میں درج کر دیں اور کیونکر وہ اعلیٰ درجہ کی مدلل تقریریں کہ
۱۲۸ جن کی پاک اور روشن دلائل کو دیکھ کر مغرور حکیم یونان اور ہند کے اگر کچھ شرم ہو تو جیتے ہی مر جائیں، ایک غریب امی کے ہونٹوں سے نکلیں، اس قدر دلائل صدق کی پہلے نبیوں میں کہاں موجود ہیں۔ آج دنیا میں وہ کون سی کتاب ہے جو ان سب باتوں میں قرآن شریف کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کس نبی پر وہ سب واقعات جو ہم نے بیان کئے مثل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرے ہیں، بالخصوص جو وید کے الہام یافتہ رشی قرار دیئے جاتے ہیں ان کا تو خود وجود ہی ثابت نہیں ہوتا قطع نظر اس سے کہ کوئی اثر صدق کا ثابت ہو۔ صاحبو! اگر آپ لوگوں کے نزدیک انصاف بھی کچھ چیز ہے اور عقل بھی کوئی شے قابل لحاظ

ہے تو یا تو ایسی دلائل صدق اور راستی کی کہ جن پر قرآن شریف مشتمل ہے جن کو ہم فصل اول سے لکھنا شروع کریں گے، کسی اپنی کتاب سے نکلال کر دکھلاؤ اور یا حیا اور شرم کی صفت کو عمل میں لا کر زبان درازی چھوڑو۔ اور اگر خدا کا کچھ خوف ہے اور نجات کی کچھ خواہش ہے تو ایمان لاؤ۔ اب یہ مقدمہ ختم ہو گیا اور جس قدر ہم نے مطالب بالائی لکھنے تھے سب لکھ چکے بعد اس کے اصل مطلب کتاب کا شروع ہوگا اور دلائل حقیت قرآن شریف اور صدق نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بسط اور تفصیل سے بیان کی جائیں گی۔ اور وہ تمام براہین کہ جنکی سچائی کے اعلیٰ مرتبہ پر نظر کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار کتاب ہذا کے شامل کیا گیا ہے خود فرقانؔ مجید میں نکال کر دکھلائی جائیں گے۔ اور یہ طرز دلائل عقلیہ ۱۲۹
پیش کرنے کی کہ جس کا خاص کلام الٰہی کے بیان پر حصر رکھا گیا ہے یہ ہم میں اور ہمارے مخالفین میں ایک ایسا صاف فیصلہ ہے کہ جو ہر یک عقلمند کی آنکھ کھول دینے کو کافی ہے اور ایک ایسی رہنما روشنی ہے کہ جس سے جھوٹوں اور سچوں میں نہایت آسانی سے فرق کھل جائے گا۔

سو اب اے حضرات منکرین اسلام اگر آپ لوگوں کو حقیت قرآن شریف میں کچھ کلام ہے یا اس کی افضلیت ماننے میں کچھ تامل ہے تو آپ پر فرض ہو چکا ہے کہ ان دلائل اور براہین کا اپنی اپنی کتابوں میں سے عقلی طور پر جواب دیں ورنہ آپ لوگ جانتے ہیں اور ہر ایک مصنف جانتا ہے کہ جس کتاب کی صداقت اور افضلیت صدہا دلائل سے ثابت ہو چکی ہو تو پھر اس کو بغیر توڑنے دلائل اس کی کے اور بغیر پیش کرنے ایسی کتاب کے جو کمالات میں اس سے برابر ہو افترا انسان کا سمجھنا اور توہین کرنا ایک ایسا نامنصفانہ فعل ہے کہ جو صفت حیا اور شرم اور پاک اخلاقی سے بالکل بعید ہے۔ اور اس جگہ ہم اس بات کو بھی کھول کر بیان کر دیتے ہیں کہ جو صاحب بعد اشاعت اس کتاب کے راستبازوں کی طرح اس کی دلائل کے توڑنے کی طرف متوجہ نہ ہوں اور یونہی اپنے رسالوں اور اخباروں اور تقریروں اور تحریروں میں عوام کو دھوکا دینے کے لئے اسلام کے چشمہ پاک کا کدورت ناک ہونا بیان کریں یا اپنے گھر میں ہی تعلیم فرقانی کو قابل اعتراض ٹھہراویں تو ایسے صاحب خواہ عیسائی ہوں خواہ ہندو خواہ برہموسماج والے یا کوئی اور ہوں بہر حال یہ فعل ان کا دیانت

اور پاک طینتی کے برخلاف سمجھا جائے گا۔ کیونکہ جس حالت میں ہم دلائل قاطعہ سے حقیت اور صداقت فرقان مجید کی بخوبی ثابت کر چکے اور سارے اعتراض کوتہ اندیشوں اور ناقص عقلوں کے دفعہ اور دور کئے گئے اور اتماماً للحجّۃ جواب دینے والوں کو زرکثیر دینے کا وعدہ بھی دیا گیا کہ اگر چاہیں تو اپنے دل کی تسلی کے لئے بہ رجسٹری سرکار تمسک بھی لکھا لیں۔ تو پھر باوجود ہماری ایسی صداقت اور اس درجہ کی صاف باطنی کے اگر اب بھی کوئی شخص یہ سیدھا راستہ بحث اور مناظرہ کا کہ
۱۳۰ جس میں غالب آنے سے اس قدر مفت روپیہ ملتا ہے اختیار نہ کرے اور اس کتاب کے مقابلہ سے بھاگ کر جاہلوں اور لڑکوں اور عوام کے بہکانے کے لئے جھوٹے الزام اسلام پر لگاتا رہے تو بجز اس کے اور کیا سمجھیں جو اس کی نیت میں ہی فساد اور اس کی طینت میں ہی خلل ہے۔

صاحبو! تعصب کو چھوڑ و اور حق کو قبول کرو۔ آؤ کچھ خدا سے ڈرو یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں اس پر فریفتہ مت ہو۔ یہ چندروزہ زندگی مزرعۂ آخرت ہے۔ اس کو باطل عقیدوں اور جھوٹے خیالوں میں ضائع مت کرو۔ یہ بڑے کام کی چیز ہے اس کو یونہی ہاتھ سے مت دو۔ یہ مسافرخانہ کسی دن کی بات ہے اس سے دل مت لگاؤ۔ اور یہ عیش وعشرت دائمی نہیں ہے اس پر مت بھولو۔

عیش دنیائے دوں دمے چندست — آخرش کار باخداوند ست
ایں سرائے زوال وموت وفناست — ہر کہ بنشست اندریں برخاست
یک دمے رو بسوئے گورستان — واز خموشان آں بہ پرس نشاں
کہ مآل حیات دنیا چیست — ہر کہ پیدا شد ست تا کے زیست
ترک کن کین و کبر و ناز و دلال — تانہ کارت کشد بسوئے ضلال
چوں ازیں کار کہ بہ بندی بار — باز نائی دریں بلاد و دیار
اے ز دیں بے خبر بخور غم دیں — کہ نجاتت معلق ست بدیں
ہاں تغافل مکن ازیں غم خویش — کہ ترا کار مشکل ست بہ پیش

دل ازیں درد و غم فگار بکن　　دل چہ جاں نیز ہم نثار بکن
ہست کارت ہمہ باٰں یک ذات　　چوں صبوری کنی ازو ہیہات
بخت گردد چو زو بگردی باز　　دولت آید ز آمدن بہ نیاز
چوںؔ بری ز ایں چنیں یارے　　چوں بدیں ابلہی کنی کارے　۱۳۱
ایں جہان ست مثل مردارے　　چوں سگے ہر طرف طلب گارے
خنک آں مرد کو ازیں مردار　　روئے آرد بسوئے آں دادار
چشم بندد زغیر و داد دہد　　در سر یار سر بباد دہد
ایں ہمہ جوش حرص و آز و ہوا　　ہست تا ہست مرد نابینا
چشم دل اندکے چو گردد باز　　سرد گردد بر آدمی ہمہ آز
اے رسن ہائے از کردہ دراز　　زیں ہوس ہا چرا نیائی باز
دولت عمر و مبدم بزوال　　تو پریشاں بفکر دولت و مال
خویش و قوم و قبیلہ پر ز دغا　　تو بریدہ برائے شاں ز خدا
ایں ہمہ را بکشتنت آہنگ　　گہ بصلحت کشند و گاہ بہ جنگ
خاک بر رشتہ کہ پیوندت　　بگسلاند ز یار دل بندت
ہست آخر باٰں خدا کارت　　نہ تو یار کسے نہ کس یارت
قدم خود بنہ بخوف اتم　　تاروی از جہاں بصدق قدم
تا خدا ات محب خود سازد　　نظر لطف بر تو اندازد
بادہ نوشی زعشق و زاں بادہ　　مست باشی و بے خود افتادہ
نیست ایں جائے گہ مقام مدام　　ہوش کن تا نہ بد شود انجام
مہر آں زندہ نورت افزاید　　مہر ایں مردگان چہ کار آید

۱۳۲ لقمہ و معدہ و سر و دستار　　سربسر ہست بخشش دادار
حق باری شناس و شرم بدار　　پیش زاں کز جہاں بہ بندی بار
رو ازو ازچہ رو بگردانی　　سگ وفا مے کند تو انسانی
ترس باید ز قادرے اکبر　　ہر کہ عارف ترست ترساں تر
فاسقاں در سیاہ کاری اند　　عارفاں در دعاؤ زاری اند
اے خنک دیدۂ کہ گریانش　　اے ہمایوں دلے کہ بریانش
اے مبارک کسیکہ طالب اوست　　فارغ از عمر و زید با رخ دوست
ہر کہ گیرد رہِ خدائے یگاں　　آں خدایش بس ست در دو جہاں
لاجرم طالب رضائے خدا　　بگسلد از ہمہ برائے خدا
شیوہ اش مے شود فدا گشتن　　بہر حق ہم زجاں جدا گشتن
در رضائے خدا شدن چوں خاک　　نیستی و فنا و استہلاک
دل نہادن در آنچہ مرضی یار　　صبر زیر مجارئ اقدار
تو بحق نیز دیگرے خواہی　　ایں خیال ست اصل گمراہی
گر و ہندت بصیرت و مردی　　از ہمہ خلق سوئے حق گردی
درحقیقت بس ست یار یکے　　دل یکے جاں یکے نگار یکے
ہر کہ او عاشق یکے باشد　　ترکِ جاں پیشش اند کے باشد
کوئے او باشدش زبستاں بہ　　روئے او باشدش ز ریحاں بہ
ہرچہ دلبر بدوکند آں بہ　　دیدن دلبرش ز صدجاں بہ
پا بہ زنجیر پیش دلدارے　　بہ ز ہجراں و سیر گلزارے
ہر کہ دارد یکے دلآرامے　　جز بوصلش نیابد آرامے

شب بہ بستر تپد ز فرقت یار ۔۔۔ ہمہ عالم بخواب و او بیدار
تا نہ بیند صبوری اش ناید ۔۔۔ ہر دمش سیل عشق بر باید
در دل عاشقاں قرار کجا ۔۔۔ توبہ کردن ز روئے یار کجا
حسن جاناں بگوش خاطر شاں ۔۔۔ گفت رازے کہ گفتنش نتواں
ہم چنیں ست سیرت عشاق ۔۔۔ صدق ور زاں بایزد خلاق
جاں منور بشمع صدق و یقیں ۔۔۔ نور حق تافتہ بہ لوح جبیں
کام یابان و زیں جہاں ناکام ۔۔۔ زیر کاں دور تر پریدہ ز دام
از خود و نفس خود خلاص شدہ ۔۔۔ مہبط فیض نورِ خاص شدہ
در خداوند خویش دل بستہ ۔۔۔ باطن از غیر یار بگسستہ
پاک از دخل غیر منزلِ دل ۔۔۔ یار کردہ بجان و دل منزل
دین و دنیا بکار او کردند ۔۔۔ بر درش اوفتادہ چو گردند
ریزہ ریزہ شد آبگینۂ شاں ۔۔۔ بوئے دلبر دمد ز سینۂ شاں
نقش ہستی بشست جلوۂ یار ۔۔۔ سرزد آخر زجیبِ دلِ دلدار
گر بر آرند شعلہ ہائے دروں ۔۔۔ دور خیزد زتربت مجنوں
نے ز سرہوش نے ز پا خبرے ۔۔۔ در سر دلستاں بخاک سرے ۱۳۴
ہر کسے را بخود سروکارے ۔۔۔ کار دل دادگاں بدلدارے
ہر کسے را بعزتِ خود کار ۔۔۔ فکر ایشاں ہمہ بعزتِ یار
تو سرِ خویش تافتہ از دیں ۔۔۔ حاصل روزگار تو ہمہ کیں
در عناد و فساد افتادہ ۔۔۔ داد و دانش ز دست خود دادہ
سرکشیدہ بناز و کبر و ریا ۔۔۔ و از تدین نہادہ بیروں پا

چوں خدا ات نداد نور دروں — عقل و ہوشِ تو جملہ گشت نگوں
کفر گوئی عبادت انگاری — فسق ورزی ثواب پنداری
صد حجابت بچشم خویش فرا — باز گوئی کہ آفتاب کجا
پردہ بردار تا بہ بینی پیش — جانِ ما سوختی بکوریٔ خویش
تافتی سر ز منعم منان — ایں بود شکر نعمت اے نادان
دل نہادن دریں سراچہ دوں — عاقبت مے کند ز دیں بیروں
ترک کوئے حق از وفا دورست — دل بغیرے مدہِ کہ غیورست
دانی و باز سرکشی از وے — ایں چہ برخود ستم کنی ہے ہے
ہر چہ غیرے خدا بخاطر تست — آں بت تست اے بایماں ست
پُر حذر باش زیں بتان نہاں — دامن دل ز دست شاں برہاں
چیست قدر کسے کہ شرکش کار — چوں زن زانیہ ہزارش یار
صدق مے ورزد صدق پیشہ بگیر — جانب صدق را ہمیشہ بگیر ۱۳۵
دیدہ تو بصدق بکشاید — یارِ رفتہ بصدق باز آید
صادق آن ست کو بقلب سلیم — گیرد آں دیں کہ ہست پاک وقویم
دین پاک ست ملت اسلام — از خدائے کہ ہست علمش تام
زیں کہ دیں از برائے آں باشد — کہ ز باطل بحق کشاں باشد
ویں صفت ہست خاصۂ فرقاں — ہر اصولش موثق از برہاں
با براہین روشن و تاباں — مے نماید رہِ خدائے یگاں
من گر امروز سیم داشتمے — آں براہین بزر نگاشتمے
اللہ اللہ چہ پاک دین ست ایں — رحمت رب عالمین ست ایں

آفتاب رہ صواب ست ایں | بخدا بہ ز آفتاب ست ایں
مے برآرد ز جہل و تاریکی | سوئے انوار قرب و نزدیکی
مے نماید بطالبان رہ راست | راستی موجب رضائے خداست
گر ترا ہست بیم آں دادار | بہ پذیر و ز خلق بیم مدار
چوں بود بر تر رحمت آں پاک | دیگر از لعن وطعن خلق چہ باک
لعنت خلق سہل و آسان ست | لعنت آن ست کو ز رحمان ست

بالآخر بعد تحریر تمام مراتب ضرور یہ کے اس بات کا واضح کرنا بھی اسی مقدمہ میں قرین مصلحت ہے جو کن کن قسموں کے فوائد پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ تا وہ لوگ جو حقانی صداقتوں کے جان ۱۳۶ لینے پر جان دیتے ہیں اپنے روحانی محبوب کی خوشخبری پاویں۔ اور تا ان پر جو راستی کے بھوکے اور پیاسے ہیں اپنی دلی مراد کا راستہ ظاہر ہو جاوے۔ سو وہ فوائد چھ (۶) قسم کے ہیں۔ جو بہ تفصیل ذیل ہیں:

اوّل اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ یہ کتاب مہمات دینیہ کے تحریر کرنے میں ناقص البیان نہیں بلکہ وہ تمام صداقتیں کہ جن پر اصول علم دین کے مشتمل ہیں اور وہ تمام حقائق عالیہ کہ جن کی ہیئت اجتماعی کا نام اسلام ہے وہ سب اس میں مکتوب اور مرقوم ہیں۔ اور یہ ایسا فائدہ ہے کہ جس سے پڑھنے والوں کو ضروریات دین پر احاطہ ہو جاوے گا اور کسی مغوی اور بہکانے والے کے پیچ میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ دوسروں کو وعظ اور نصیحت اور ہدایت کرنے کے لئے ایک کامل استاد اور ایک عیار رہبر بن جائیں گے۔

دوسرا یہ فائدہ کہ یہ کتاب تین سو محکم اور قوی دلائل حقیت اسلام اور اصول اسلام پر مشتمل ہے کہ جن کے دیکھنے سے صداقت اس دین متین کی ہر ایک طالب حق پر ظاہر ہو گی بجز اس شخص کے کہ بالکل اندھا اور تعصب کی سخت تاریکی میں مبتلا ہو۔

تیسرا یہ فائدہ کہ جتنے ہمارے مخالف ہیں یہودی، عیسائی، مجوسی، آریہ، برہمو، بت پرست، دہریہ، طبعیہ، اباحتی، لامذہب سب کے شبہات اور وساوس کا اس میں جواب بھی ایسا جواب کہ دروغ گو کو اس کے گھر تک پہنچایا گیا ہے اور پھر صرف رفع اعتراض پر کفایت نہیں کی گئی بلکہ یہ ثابت کر کے دکھلایا گیا ہے کہ جس امر کو مخالف ناقص الفہم نے جائے اعتراض سمجھا ہے وہ حقیقت میں ایک ایسا امر ہے کہ جس سے تعلیم قرآنی کی دوسری کتابوں پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے نہ کہ جائے اعتراض اور پھر وہ فضیلت بھی ایسی دلائل واضح سے ثابت کی گئی ہے کہ جس سے معترض خود معترض الیہ ٹھہر گیا ہے۔

۱۳۷ **چوتھا** یہ فائدہ جو اس میں بمقابلہ اصول اسلام کے مخالفین کے اصول پر بھی کمال تحقیق اور تدقیق سے عقلی طور پر بحث کی گئی ہے اور تمام وہ اصول اور عقائد ان کے جو صداقت سے خارج ہیں بمقابلہ اصول حقہ قرآنی کے ان کی حقیقت باطلہ کو دکھلایا گیا ہے۔ کیونکہ قدر ہر یک جوہر بیش قیمت کا مقابلہ سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں اس کتاب میں یہ فائدہ ہے کہ اس کے پڑھنے سے حقائق اور معارف کلام ربانی کے معلوم ہو جائیں گے اور حکمت اور معرفت اس کتاب مقدس کی کہ جس کے نور روح افروز سے اسلام کی روشنی ہے سب پر منکشف ہو جائے گی۔ کیونکہ تمام وہ دلائل اور براہین جو اس میں لکھی گئی ہیں اور وہ تمام کامل صداقتیں جو اس میں دکھائی گئی ہیں وہ سب آیات بینات قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں اور ہر یک دلیل عقلی وہی پیش کی گئی ہے جو خدا نے اپنی کلام میں آپ پیش کی ہے اور اسی التزام کے باعث سے تقریباً باراں پارہ قرآن شریف کے اس کتاب میں اندراج پائے ہیں۔ پس حقیقت میں یہ کتاب قرآن شریف کے دقائق اور حقائق اور اس کے اسرار عالیہ اور اس کے علوم حکمیہ اور اس کے اعلیٰ فلسفہ ظاہر کرنے کے لئے ایک عالی بیان تفسیر ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہر یک طالب صادق پر اپنے مولیٰ کریم کی بے مثل و مانند کتاب کا عالی مرتبہ مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ہوگا۔

چھٹا یہ فائدہ ہے جو اس کتاب کے مباحث کو نہایت متانت اور عمدگی سے قوانین استدلال کے مذاق پر مگر بہت آسان طور پر کمال خوبی اور موزونیت اور لطافت سے بیان کیا گیا ہے اور یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ جو ترقی علوم اور پختگی فکر اور نظر کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہوگا۔ کیونکہ دلائل صحیحہ کے توغل اور استعمال سے قوت ذہنی بڑھتی ہے اور ادراک امور دقیقہ میں طاقت مدرکہ تیز ہوجاتی ہے اور بباعث ورزش براہین حقہ کے عقل سچائی پر ثبات اور قیام پکڑتی ہے۔ اور ہر یک امر متنازع
کی اصلیت اور حقیقت دریافت کرنے کے لئے ایک ایسی کامل استعداد اور بزرگ ملکہ پیدا ہوجاتا ۱۳۸
ہے کہ جو تکمیل قوائے نظریہ کا موجب اور نفس ناطقہ انسان کے لئے ایک منزل اقصیٰ کا کمال ہے کہ جس پر تمام سعادت اور شرف نفس کا موقوف ہے۔ وھٰذا آخر ما اردنا بیانه فی هذه المقدمة والحمد لله الذی هدانا لهذا وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله۔

تمت
المقدمة

ٹائیٹل حِصّہ سوم

جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زھوقا

بفضلِ عظیم حضرت ہادیٔ عالم و عالمیان و رحمتِ عمیم رہنمائے گمگشتگان کتابِ لاجواب موسوم بہ

براھینِ احمدیہ

ملقّب بہ

البراہین الاحمدیہ علی حقیت کتاب اللہ القرآن و النبوۃ المحمدیہ

جسکو فخرِ اہلِ اسلام پنجاب جناب میرزا غلام احمد صاحب رئیسِ اعظم قادیان ضلع گورداسپور پنجاب دام اقبالہم
کمال تحقیق اور تدقیق سے تالیف کر کے منکرین اسلام پر حجتِ اسلام پوری کرنیکے لئے بوعدہ انعام دس ہزار روپیہ شائع کیا

امرتسر پنجاب

سفیر ہند پریس میں در ۱۸۸۲ء طبع ہوئی

امید علی داروغہ پرنٹر

مسلمانوں کی حالت اور اِسلام کی غُربت اور نیز بعض ضُروری امُور سے اطلاع

آج کل غربت اسلام کی علامتیں اور دین متین محمدی پر مصیبتیں ایسی ظاہر ہو رہی ہیں کہ جہاں تک زمانہ بعثت حضرت نبویؐ کے بعد میں ہم دیکھتے ہیں کسی قرن میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ اس سے زیادہ تر اور کیا مصیبت ہوگی کہ مسلمان لوگ دینی غمخواری میں بغایت درجہ سست اور مخالف لوگ اپنے اعتقادوں کی ترویج اور اشاعت میں چاروں طرف سے کمربستہ اور چست نظر آتے ہیں۔ جس سے دن بدن ارتداد اور بدعقیدگی کا دروازہ کھلتا جاتا ہے۔ اور لوگ فوج درفوج مرتد ہو کر ناپاک عقائد اختیار کرتے جاتے ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے مخالف جن کے عقائد فاسدہ بدیہی البطلان ہیں، دن رات اپنے اپنے دین کی حمایت میں سرگرم ہیں۔ بحدیکہ یورپ اور امریکہ میں عیسائی دین کے پھیلانے کے لئے بیوہ عورتیں بھی چندہ دیتی ہیں۔ اور اکثر لوگ مرتے وقت وصیت کر جاتے ہیں کہ اس قدر ترکہ ہمارا خالص مسیحی مذہب کے رواج دینے میں خرچ ہو۔ مگر مسلمانوں کا حال کیا کہیں اور کیا لکھیں کہ ان کی غفلت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ نہ وہ آپ دین کی کچھ غمخواری کرتے ہیں اور نہ کسی غمخواری کو نیک ظنی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ خیال کرنا چاہیے کہ غمخواریٔ دینی کا کیسا موقعہ تھا اور خدمت گزاری کا کیا ضروری محل تھا کہ کتاب براہین احمدیہ کہ جس میں تین سو مضبوط دلیل سے حقیت اسلام ثابت کی گئی ہے اور ہر ایک مخالف کے عقائد باطلہ کا ایسا استحصال کیا گیا ہے کہ گویا اس مذہب کو ذبح کیا گیا کہ پھر زندہ نہیں ہوگا۔ اس کتاب کے بارے میں بجز چند عالی ہمت مسلمانوں کے جن کی توجہ سے دو حصے اور کچھ تیسرا حصہ چھپ گیا۔ جو کچھ اور لوگوں نے اعانت کی وہ ایسی ہے کہ اگر بجائے تصریح کے صرف اسی پر قناعت کریں کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ تو مناسب ہے۔ ایها الاخوان المؤمنون. مالكم لا تتوجهون. شوقناكم فلم تشتاقوا. ونبهناكم فلم تتنبهوا. اسمعوا عبادالله اسمعوا. انصروا توجروا. وفى

الانصار تبعثوا. وفی الدارین ترحموا. وفی مقعد صدق تقعدوا. ورحمنا اللہ وایاکم ھو مولانا نعم المولی ونعم النصیر۔ اور اگر کوئی اب بھی متوجہ نہ ہو تو خیر ہم بھی ارحم الراحمین سے کہتے ہیں اور اس کے پاک وعدے ہم غریبوں کو تسلی بخش ہیں۔ اور اس جگہ یہ امر بھی واجب الاطلاع ہے کہ پہلے یہ کتاب صرف تیس پینتیس جز تک تالیف ہوئی تھی اور پھر سو جز تک بڑھا دی گئی اور دس روپیہ عام مسلمانوں اور پچیس روپیہ دوسری قوموں اور خواص کیلئے مقرر ہوئی۔ مگر اب یہ کتاب بوجہ احاطہ جمیع ضروریات تحقیق و تدقیق اور اتمام حجت کے لئے تین سو جز تک پہنچ گئی ہے جس کے مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ قیمت کتاب سو روپیہ رکھی جائے۔ مگر بباعث پست ہمتی اکثر لوگوں کے یہی قرین مصلحت معلوم ہوا کہ اب وہی قیمت مقررہ سابقہ کہ گویا کچھ بھی نہیں ایک دوامی قیمت قرار پاوے اور لوگوں کو ان کے حوصلہ سے زیادہ تکلیف دیکر پریشان خاطر نہ کیا جائے۔ لیکن خریداروں کو یہ استحقاق نہیں ہوگا کہ جو بطور حق واجب کے اس قدر اجزا کا مطالبہ کریں بلکہ جو اجزا زائد از حق واجب ان کو پہنچیں گی وہ محض للہ فی اللہ ہوں گی اور ان کا ثواب ان لوگوں کو پہنچے گا کہ جو خالصاً للہ اس کام کے انجام کے لئے مدد کریں گے۔ اور واضح رہے کہ اب یہ کام صرف ان لوگوں کی ہمت سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا کہ جو مجرد خریداری ہونے کی وجہ سے ایک عارضی جوش رکھتے ہیں بلکہ اس وقت کئی ایک ایسے عالی ہمتوں کی توجہات کی حاجت ہے کہ جنکے دلوں میں ایمانی غیوری کے باعث سے حقیقی اور واقعی جوش ہے اور جن کا بے بہا ایمان صرف خرید و فروخت کے تنگ ظرف میں سما نہیں سکتا بلکہ اپنے مالوں کے عوض میں بہشت جاودانی خریدنا چاہتے ہیں ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ۔

بالآخر ہم اس مضمون کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں کہ اے خداوند کریم تو اپنے خالص بندوں کو اس طرف کامل توجہ بخش۔ اے رحمان و رحیم تو آپ ان کو یاد دلا۔ اے قادر توانا تو ان کے دلوں میں آپ الہام کر۔ آمین ثم آمین۔ ونتوکل علی ربنا رب السموات والارض رب العالمین۔

اعلام اب کی دفعہ ان صاحبوں کے نام جنہوں نے کتاب کو خرید فرما کر قیمت پیشگی بھیجی یا محض لِلّٰہ اعانت کی بوجہ عدم گنجائش نہیں لکھے گئے۔ اور بعض صاحبوں کی یہ بھی رائے ہے کہ لکھنا کچھ ضرورت نہیں۔ بہرحال حصہ چہارم میں جو کچھ اکثر صاحبوں کی نظر میں قرین مصلحت ہوگا اس پر عمل کیا جائے۔

خاکسار میرزا غلام احمد

عُذر

اب کی دفعہ کہ جو حصہ سوم کے نکلنے میں قریب دو برس کے توقف ہوگئی غالباً اس توقف سے اکثر خریدار اور ناظرین بہت ہی حیران ہوں گے۔ لیکن واضح رہے کہ یہ تمام توقف مہتمم صاحب سفیرؔ ہند کی بعض مجبوریوں سے جن کے مطبع میں کتاب چھپتی ہے ظہور میں آئی ہے۔

خاکسار
غلام احمد عفی اللہ عنہ

گذارش ضروری

چونکہ کتاب اب تین سو جز تک بڑھ گئی ہے لہٰذا ان خریداروں کی خدمت میں جنہوں نے اب تک کچھ قیمت نہیں بھیجی یا پوری قیمت نہیں بھیجی التماس ہے کہ اگر کچھ نہیں تو صرف اتنی مہربانی کریں کہ بقیہ قیمت بلا توقف بھیج دیں کیونکہ جس حالت میں اب اصلی قیمت کتاب کی سو روپیہ ہے اور اس کے عوض دس یا پچیس روپیہ قیمت قرار پائی۔ پس اگر یہ ناچیز قیمت بھی مسلمان لوگ بطور پیشگی ادا نہ کریں تو پھر گویا وہ کام کے انجام سے آپ مانع ہوں گے اور اس قدر ہم نے برعایت ظاہر لکھا ہے۔ ورنہ اگر کوئی مدد نہیں کرے گا یا کم توجہی سے پیش آئے گا حقیقت میں وہ آپ ہی ایک سعادت عظمیٰ سے محروم رہے گا۔ اور خدا کے کام رک نہیں سکتے اور نہ کبھی رکے۔ جن باتوں کو قادر مطلق چاہتا ہے وہ کسی کی کم توجہی سے ملتوی نہیں رہ سکتیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

خاکسار

میرزا غلام احمد

الف

اسلامیؔ انجمنوں کی خدمت میں التماسِ ضروری

ایک خط انجمن اسلامیہ لاہور کے سیکرٹری صاحب کی طرف سے اور ایسا ہی ایک تحریر مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کی طرف سے کہ جو انجمن ہمدردئ اسلامی لاہور کے سیکرٹری ہیں موصول ہوکر اس عاجز کے ملاحظہ سے گزری جس سے یہ مطلب تھا کہ ان عرضداشتوں پر معزز برادران اہل اسلام و منصفین اہل ہنود کے دستخط کرائے جائیں کہ جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و ملازمت و نیز مدارس کی تعلیم میں اردو زبان قائم رکھنے کے لئے گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے طیار کی گئی ہیں مگر افسوس کہ میں اول بوجہ علالت اپنی طبیعت کے اور پھر بوجہ قیام ضروری امرتسر کے اس خدمت کو ادا نہیں کر سکا لیکن بحکم اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ اس قدر عرض کرنا اپنے بھائیوں کے دین اور دنیا کی بہبودی کا موجب سمجھتا ہوں کہ اگرچہ گورنمنٹ کی رحیمانہ نظر میں مسلمانوں کی شکستہ حالت بہرحال قابل رحم ٹھہرے گی۔ جس گورنمنٹ نے اپنے قوانین میں مویشی اور چارپایوں سے بھی ہمدردی ظاہر کی ہے وہ کیونکر ایک گروہ کثیر انسانوں کی ہمدردی سے کہ جو اس کی رعیت اور اس کی زیردست ہیں اور ایک غربت اور مصیبت کی حالت میں پڑے ہیں، غافل رہ سکتی ہے۔ لیکن ہمارے معزز بھائیوں پر صرف یہی واجب نہیں کہ وہ مسلمانوں کو افلاس اور تنزل اور ناتربیت یافتہ ہونے کی حالت میں دیکھ کر ہمیشہ اسی بات پر زور مارا کریں کہ کوئی میموریل طیار کرکے اور بہت سے دستخط اس پر کرا کر گورنمنٹ میں بھیجا جائے۔ ہر یک کام دینی ہو یا دنیوی، اس میں استمداد سے پہلے اپنی خداداد طاقت اور ہمت کا خرچ کرنا ضروری ہے اور پھر اس فعل کی تکمیل کے لئے مدد طلب کرنا۔ خدا نے ہم کو ہماری ہر روزہ عبادت میں بھی یہی تعلیم دی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہم اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہیں نہ یہ کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَ اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ مسلمانوں پر جن امور کا اپنی اصلاح حال کے لئے اپنی ہمت اور کوشش سے انجام دینا لازم ہے وہ انہیں فکر اور غور کے وقت آپ ہی معلوم ہوجائیں گے۔ حاجت بیان و تشریح نہیں۔ مگر اس

جگہ ان امروں میں سے یہ امر قابل تذکرہ ہے جس پر گورنمنٹ انگلشیہ کی عنایات اور توجہات موقوف ہیں کہ گورنمنٹ ممدوحہ کے دل پر اچھی طرح یہ امر مرکوز کرنا چاہیے کہ مسلمانان ہند ایک وفادار رعیت ہے۔ کیونکہ بعض ناواقف انگریزوں نے خصوصاً ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے کہ جو کمیشن تعلیم کے اب پریسیڈنٹ ہیں اپنی ایک مشہور تصنیف میں اس دعویٰ پر بہت اصرار کیا ہے کہ مسلمان لوگ سرکار انگریزی کے دلی خیرخواہ نہیں ہیں اور انگریزوں سے جہاد کرنا فرض سمجھتے ہیں۔ گو یہ خیال ڈاکٹر صاحب کا شریعت اسلام پر نظر کرنے کے بعد ہر یک شخص پر محض بے اصل اور خلاف واقعہ ثابت ہوگا۔ لیکن افسوس کہ بعض کوہستانی اور بے تمیز سفہاء کی نالائق حرکتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں۔ اور شاید انہیں اتفاقی مشاہدات سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا وہم بھی مستحکم ہو گیا ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی جاہل لوگوں کی طرف سے اس قسم کی حرکات صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن محقق پر یہ امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا کہ اس قسم کے لوگ اسلامی تدین سے دور و مہجور ہیں اور ایسے ہی مسلمان ہیں جیسے مکلین عیسائی تھا۔ پس ظاہر ہے کہ ان کی یہ ذاتی حرکات ہیں نہ شرع پابندی سے۔ اور ان کے مقابل پر ان ہزارہا مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ جو ہمیشہ جان نثاری سے خیرخواہی دولت انگلشیہ کی کرتے رہے ہیں اور کرتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء میں جو کچھ فساد ہوا اس میں بجز جہلاء اور بدچلن لوگوں کے اور کوئی شائستہ اور نیک بخت مسلمان جو باعلم اور باتمیز تھا ہرگز مفسدہ میں شامل نہیں ہوا۔ بلکہ پنجاب میں بھی غریب غریب مسلمانوں نے سرکار انگریزی کو اپنی طاقت سے زیادہ مدد دی۔ چنانچہ ہمارے والد صاحب مرحوم نے بھی باوصف کم استطاعتی کے اپنے اخلاص اور جوش خیرخواہی سے پچاس گھوڑے اپنی گرہ سے خرید کر کے اور پچاس مضبوط اور لائق سپاہی بہم پہنچا کر سرکار میں بطور مدد کے نذر کی اور اپنی غریبانہ حالت سے بڑھ کر خیرخواہی دکھلائی۔ اور جو مسلمان لوگ صاحب دولت و ملک تھے انہوں نے تو بڑے بڑے خدمات نمایاں ادا کئے۔

اب پھر ہم اس تقریر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ گو مسلمانوں کی طرف سے اخلاص اور وفاداری کے بڑے بڑے نمونہ ظاہر ہو چکے ہیں۔ مگر ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کی بدنصیبی کی وجہ

سے ان تمام وفاداریوں کو نظر انداز کر دیا اور نتیجہ نکالنے کے وقت ان مخلصانہ خدمات کو نہ اپنے قیاس کے صغریٰ میں جگہ دی اور نہ کبریٰ میں۔ بہرحال ہمارے بھائی مسلمانوں پر لازم ہے کہ گورنمنٹ پر ان کے دھوکوں سے متاثر ہونے سے پہلے مجدد طور پر اپنی خیر خواہی ظاہر کریں۔ جس حالت میں شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہوں اور جس کے عطیات سے ممنون منت اور مرہون احسان ہوں اور جس کی مبارک سلطنت حقیقت میں نیکی اور ہدایت پھیلانے کے لئے کامل مددگار ہو، قطعی حرام ہے۔ تو پھر بڑے افسوس کی بات ہے کہ علماء اسلام اپنے جمہوری اتفاق سے اس مسئلہ کو اچھی طرح شائع نہ کر کے ناواقف لوگوں کی زبان اور قلم سے مورد اعتراض ہوتے رہیں۔ جن اعتراضوں سے ان کے دین کی سستی پائی جائے اور ان کی دنیا کو ناحق کا ضرر پہنچے۔ سو اس عاجز کی دانست میں قرین مصلحت یہ ہے کہ انجمن اسلامیہ لاہورؔ و کلکتہؔ و بمبئیؔ وغیرہ یہ بندوبست کریں کہ چند نامی مولوی صاحبان جن کی فضیلت اور علم اور زہد اور تقویٰ اکثر لوگوں کی نظر میں مسلم الثبوت ہو، اس امر کے لئے چن لئے جائیں کہ اطراف اکناف کے اہل علم کہ جو اپنے مسکن کے گردونواح میں کسی قدر شہرت رکھتے ہوں اپنی اپنی عالمانہ تحریریں جن میں برطبق شریعت حقہ سلطنت انگلشیہ سے جو مسلمانان ہندؔ کی مربی و محسن ہے جہاد کرنے کی صاف ممانعت ہو۔ ان علماء کی خدمت میں بہ ثبت مواہیر بھیج دیں کہ بموجب قرارداد بالا اس خدمت کیلئے منتخب کئے گئے ہیں۔ اور جب سب خطوط جمع ہو جائیں تو یہ مجموعہ خطوط جو مکتوبات علماء ہند سے موسوم ہوسکتا ہے۔ کسی خوشخط مطبع میں بہ صحت تمام چھاپا جائے اور پھر دس بیس نسخہ اس کے گورنمنٹ میں اور باقی نسخہ جات متفرق مواضع پنجاب و ہندوستان خاص کر سرحدی ملکوں میں تقسیم کئے جائیں۔ ب

یہ سچ ہے کہ بعض غمخوار مسلمانوں نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے خیالات کا رد لکھا ہے۔ مگر یہ دو چار مسلمانوں کا ردّ جمہوری ردّ کا ہرگز قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ بلاشبہ جمہوری رد کا اثر ایسا قوی اور پُرزور ہوگا جس سے ڈاکٹر صاحب کی تمام غلط تحریریں خاک سے مل جائیں گی اور بعض ناواقف مسلمان بھی

اپنے سچے اور پاک اصول سے بخوبی مطلع ہوجائیں گے اور گورنمنٹ انگلشیہ پر بھی صاف باطنی مسلمانوں کی اور خیر خواہی اس رعیت کی کما حقہ کھل جائے گی اور بعض کوہستانی جہلا کے خیالات کی اصلاح بھی بذریعہ اسی کتاب کی وعظ اور نصیحت کے ہوتی رہے گی۔ بالآخر یہ بات بھی ظاہر کرنا ہم اپنے نفس پر واجب سمجھتے ہیں کہ اگرچہ تمام ہندوستان پر یہ حق واجب ہے کہ بنظر ان احسانات کے کہ جو سلطنت انگلشیہ سے اس کی حکومت اور آرام بخش حکمت کے ذریعہ سے عامۂ خلائق پر وارد ہیں۔ سلطنت ممدوحہ کو خداوند تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور مثل اور نعماء الٰہی کے اس کا شکر بھی ادا کریں۔ لیکن پنجاب کے مسلمان بڑے ناشکر گزار ہوں گے اگر وہ اس سلطنت کو جو ان کے حق میں خدا کی ایک عظیم الشان رحمت ہے نعمت عظمیٰ یقین نہ کریں۔ ان کو سوچنا چاہیے کہ اس سلطنت سے پہلے وہ کس حالت پُرملالت میں تھے اور پھر کیسے امن وامان میں آ گئے۔ پس فی الحقیقت یہ سلطنت ان کیلئے ایک آسمانی برکت کا حکم رکھتی ہے جس کے آنے سے سب تکلیفیں ان کی دور ہوئیں اور ہر یک قسم کے ظلم اور تعدی سے نجات حاصل ہوئی اور ہر یک ناجائز روک اور مزاحمت سے آزادی میسر آئی۔ کوئی ایسا مانع نہیں کہ جو ہم کو نیک کام کرنے سے روک سکے یا ہماری آسائش میں خلل ڈال سکے۔ پس حقیقت میں خداوند کریم ورحیم نے اس سلطنت کو مسلمانوں کیلئے ایک بارانِ رحمت بھیجا ہے جس سے پودہ اسلام کا پھر اس ملک پنجاب میں سرسبز ہوتا جاتا ہے اور جس کے فوائد کا اقرار حقیقت میں خدا کے احسانوں کا اقرار ہے۔

یہی سلطنت ہے جس کی آزادی ایسی بدیہی اور مسلم الثبوت ہے کہ بعض دوسرے ملکوں سے مظلوم مسلمان ہجرت کر کے اس ملک میں آنا بدل وجان پسند کرتے ہیں۔ جس صفائی سے اس سلطنت کے ظل حمایت میں مسلمانوں کی اصلاح کیلئے اور ان کی بدعات مخلوطہ دور کرنے کے لئے وعظ ہوسکتا ہے۔ اور جن تقریبات سے علماء اسلام کو ترویج دین کے لئے اس گورنمنٹ میں جوش پیدا ہوتے ہیں اور فکر اور نظر سے اعلیٰ درجہ کا کام لینا پڑتا ہے اور عمیق تحقیقاتوں سے تائید دین متین میں تالیفات ہوکر حجت اسلام مخالفین پر پوری کی جاتی ہے وہ میری دانست میں آج کل کسی اور ملک میں ممکن نہیں۔ یہی

سلطنت ہے جس کی عادلانہ حمایت سے علماء کو مدتوں کے بعد گویا صدہا سال کے بعد یہ موقعہ ملا کہ بے دھڑک بدعات کی آلودگیوں سے اور شرک کی خرابیوں سے اور مخلوق پرستی کے فسادوں سے نادان لوگوں کو مطلع کریں اور اپنے رسول مقبول کا صراط مستقیم کھول کر ان کو بتلاویں۔ کیا ایسی سلطنت کی بدخواہی جس کے زیر سایہ تمام مسلمان امن اور آزادی سے بسر کرتے ہیں اور فرائض دین کو کما حقہ بجالاتے ہیں اور ترویج دین میں سب ملکوں سے زیادہ مشغول ہیں جائز ہوسکتی ہے۔ حاشا وکلا ہرگز جائز نہیں۔ اور نہ کوئی نیک اور دیندار آدمی ایسا بدخیال دل میں لاسکتا ہے۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ دنیا میں آج یہی ایک سلطنت ہے جس کے سایہ عاطفت میں بعض بعض اسلامی مقاصد ایسے حاصل ہوتے ہیں کہ جو دوسرے ممالک میں ہرگز ممکن الحصول نہیں۔ شیعوں کے ملک میں جاؤ تو وہ سنت جماعت کے وعظوں سے افروختہ ہوتے ہیں اور سنت جماعت کے ملکوں میں شیعہ اپنی رائے ظاہر کرنے سے خائف ہیں۔ ایسا ہی مقلدین موحدین کے شہروں میں اور موحدین مقلدین کی بلاد میں دم نہیں مار سکتے اور گو کسی بدعت کو اپنی آنکھ سے دیکھ لیں منہ سے بات نکالنے کا موقعہ نہیں رکھتے۔ آخر یہی سلطنت ہے جس کی پناہ میں ہر یک فرقہ امن اور آرام سے اپنی رائے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ بات اہل حق کے لئے نہایت ہی مفید ہے۔ کیونکہ جس ملک میں بات کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ نصیحت دینے کا حوصلہ ہی نہیں۔ اس ملک میں کیونکر راستی پھیل سکتی ہے۔ راستی پھیلانے کیلئے وہی ملک مناسب ہے جس میں آزادی سے اہل حق وعظ کر سکتے ہیں۔ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دینی جہادوں سے اصلی غرض آزادی کا قائم کرنا اور ظلم کا دور کرنا تھا۔ اور دینی جہاد انہیں ملکوں کے مقابلہ پر ہوئے تھے جن میں واعظین کو اپنے وعظ کے وقت جان کا اندیشہ تھا۔ اور جن میں امن کے ساتھ وعظ ہونا قطعی محال تھا اور کوئی شخص طریقہ حقہ کو اختیار کر کے اپنی قوم کے ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ لیکن سلطنت انگلشیہ کی آزادی نہ صرف ان خرابیوں سے خالی ہے۔ بلکہ اسلامی ترقی کی بدرجہ غایت ناصر اور مؤید ہے۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس خداداد نعمت کا قدر کریں۔ اور اس کے ذریعہ سے اپنی دینی ترقیات میں قدم بڑھاویں۔ اور اس طرف بھی توجہ کریں کہ اس مربی سلطنت کی شکرگزاری کے لئے یہ بھی پر ضرور ہے کہ جیسا ان کی دولت ظاہری کی خیرخواہی کی جائے ایسا ہی اپنے وعظ اور معقول بیان اور عمدہ تالیفات سے یہ کوشش

کی جائے کہ کسی طرح دین اسلام کی برکتیں بھی اس قوم کے حصہ میں آجائیں۔ اور یہ امر بجز رفق اور مدارا اور محبت اور حلم کے انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔

خدا کے بندوں پر رحم کرنا اور عرب اور انگلستان وغیرہ ممالک کا ایک ہی خالق سمجھنا اور اس کی عاجز مخلوق کی دل وجان سے غمخواری کرنا اصل دین و ایمان کا ہے۔ پس سب سے اول بعض ان ناواقف انگریزوں کے اس وہم کو دور کرنا چاہیے کہ جو بوجہ ناواقفیت یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا قوم مسلمان ایک ایسی قوم ہے کہ جو نیکی کرنے والوں سے بدی کرتی ہے اور اپنے محسنوں سے ایذا کے ساتھ پیش آتی ہے اور اپنی مربی گورنمنٹ کی بدخواہ ہے۔ حالانکہ اپنے محسن کے ساتھ باحسان پیش آنے کی تاکید جس قدر قرآن شریف میں ہے اور کسی کتاب میں اس کا نام ونشان نہیں پایا جاتا۔

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ (النحل:۹۰)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم مَنِ اصْطَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَجَازُوْهُ فَاِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ مُجَازَاتِهٖ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى يَعْلَمَ اَنَّكُمْ قَدْ شَكَرْتُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ يُّحِبُّ الشَّاكِرِيْنَ۔

الملتمس

خاکسار غلام احمد عفی عنہ

۱۳۹

پہلی فصل

اُن براہین کے بیان میں جو قُرآن شریف کی حقیّت اور افضلیّت پر بیرونی اور اندرُونی شہادتیں ہیں۔

قبل از تحریر براہین فصل ہٰذا کے چند ایسے امور کا بطور تمہید بیان کرنا ضروری ہے جو دلائل آتیہ کے اکثر مطالب دریافت کرنے اور ان کی کیفیت اور ماہیت سمجھنے کے لئے قواعد کلیہ ہیں۔ چنانچہ ذیل میں وہ سب تمہیدیں لکھی جاتی ہیں۔

تمہید اوّل۔ بیرونی شہادتوں سے وہ واقعات خارجیہ مراد ہیں جو ایک ایسی حالت پر واقعہ ہوں کہ جس حالت پر نظر کرنے سے کسی کتاب کا منجانب اللہ ہونا ثابت ہوتا ہو۔ یا اس کے منجانب اللہ ہونے کی ضرورت ثابت ہوتی ہو۔ اور اندرونی شہادتوں سے وہ ذاتی کمالات کسی کتاب کی مراد ہیں کہ خود اسی کتاب میں موجود ہوں جن پر نظر کرنے سے عقل اس بات پر قطع واجب کرتی ہو کہ وہ خدا کی کلام ہے اور انسان اس کے بنانے پر قادر نہیں۔

تمہید دوم۔ وہ براہین جو قرآن شریف کی حقیت اور افضلیت پر بیرونی شہادتیں ہیں چار قسم پر ہیں۔ ایک وہ جو امور محتاج الاصلاح سے ماخوذ ہیں۔ دوسری وہ جو امور محتاج التکمیل سے ماخوذ ہیں۔ تیسری وہ جو امور قدرتیہ سے ماخوذ ہیں۔ چوتھی وہ جو امور غیبیہ سے ماخوذ ہیں۔ لیکن وہ براہین جو قرآن شریف کی حقیت اور افضلیت پر اندرونی شہادتیں ہیں۔ وہ تمام امور قدرتیہ ہی سے ماخوذ ہیں۔ اور تعریف اقسام مذکورہ کی بہ تفصیل ذیل ہے: ۱۴۰

امور محتاج الاصلاح سے وہ امور کفر اور بے ایمانی اور شرک اور بدعملی کے مراد ہیں جن

کو بنی آدم نے بجائے عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کے اختیار کر رکھا ہو۔ اور جو عام طور پر تمام دنیا میں پھیلنے کی وجہ سے اس لائق ہو گئے ہوں کہ عنایت ازلیہ ان کی اصلاح کی طرف توجہ کرے۔

امور محتاج التکمیل سے وہ امور تعلیمیہ مراد ہیں جو کتب الہامیہ میں ناقص طور پر پائے جاتے ہوں اور حالت کاملہ تعلیم پر نظر کرنے سے ان کا ناقص اور ادھورا ہونا ثابت ہوتا ہو۔ اور اس وجہ سے وہ ایک ایسی کتاب الہامی کے محتاج ہوں جو ان کو مرتبہ کمال تک پہنچاوے۔

امور قدرتیہ دو طور پر ہیں:

۱۔ بیرونی شہادتیں: ان سے وہ امور مراد ہیں جو بغیر وسیلہ انسانی تدبیروں کے خدا کی طرف سے پیدا ہو جائیں۔ اور ہر ایک ذرہ بے مقدار کو وہ شوکت و شان اور عظمت و بزرگی بخشیں جس کا حاصل ہونا عندالعقل محالاتِ عادیہ سے متصور ہو اور جس کی نظیر صفحۂ دنیا میں کہیں نہ پائی جاتی ہو۔

۲۔ اندرونی شہادتیں: ان سے وہ محاسن صوری اور معنوی کتاب الہامی کے مراد ہیں جن کا مقابلہ کرنے سے قویٰ بشریہ عاجز ہوں اور جو فی الواقعہ بےمثل و مانند ہو کر ایسے قادر یکتا پر دلالت کرتی ہوں کہ گویا آئینہ خدا نما ہوں۔

امور غیبیہ سے وہ امور مراد ہیں جو ایک ایسے شخص کی زبان سے نکلیں جس کی نسبت یہ یقین کیا جائے کہ ان امور کا بیان کرنا من کل الوجوہ اس کی طاقت سے باہر ہے یعنی ان امور پر نظر کرنے اور اس شخص کے حال پر نظر کرنے سے یہ بات بہ بداہت واضح ہو کہ نہ وہ امور اس کے لئے حکم بدیہی اور مشہور کا رکھتے ہیں اور نہ بذریعہ نظر اور فکر کے اس کو حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ اس کی نسبت عندالعقل ۱۴۱
یہ گمان جائز ہے کہ اس نے بذریعہ کسی دوسرے واقف کار کے ان امور کو حاصل کر لیا ہوگا۔ گو وہی امور کسی دوسرے شخص کی طاقت سے باہر نہ ہوں۔ پس اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ امور غیبیہ اضافی اور نسبتی امور ہیں۔ یعنی ایسے امور ہیں کہ جب بعض خاص اشخاص کی طرف ان کو نسبت دی جاتی ہے تو اس قابل ہو جاتے ہیں کہ امور غیبیہ ہونے کا ان پر اطلاق ہو۔ اور پھر جب وہی امور بعض دیگر کی

طرف منسوب کئے جائیں۔تو یہ قابلیت ان میں متحقق نہیں ہوتی۔

تمثیلات

(الف) زیدؔ ایک شخص ہے جو ہمارے اس زمانہ میں پیدا ہوا۔اور بکرؔ ایک شخص ہے جو پچاس برس بعد زیدؔ کے پیدا ہوا۔جس کا زمانہ زیدؔ نے نہیں پایا اور نہ اس کے واقعات سے مطلع ہونے کا زیدؔ کو کوئی خارجی ذریعہ حاصل ہوا۔سو وہ واقعات جو بکرؔ پر گزرے اگرچہ وہ بکرؔ کی نسبت امور غیبیہ نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اسی کے واقعات ہیں اور اس کے لئے مشہود اور محسوس ہیں۔لیکن اگر انہیں واقعات سے زیدؔ ٹھیک ٹھیک اطلاع دے، ایسا کہ سرمو فرق نہ ہو،تو کہا جائے گا کہ زیدؔ نے امور غیبیہ سے اطلاع دی۔ کیونکہ وہ امور زیدؔ کے لئے مشہود اور محسوس نہیں ہیں اور نہ ممکن تھا کہ ان کے حصول کے لئے زیدؔ کو کوئی ذریعہ خارجی حاصل ہوتا۔

(ب) بکر ایک فلاسفر ہے جس نے کتب فلسفیہ میں ایک زمانہ دراز تک بغور تمام نظر اور فکر کرکے دقائق حکمیہ کے جاننے اور معلوم کرنے میں ملکہ کاملہ پیدا کیا ہے۔اور بوجہ تحصیل علوم عقلیہ اور مطالعہ تالیفات اولین اور حصول ذخائر تحقیقات متقدمین اور نیز بباعث ہمیشہ کے سوچ بچار اور مشق اور مغززنی اور استعمال قواعد مقررہ صناعت منطق کے بہت سے حقائق علمیہ اور دلائل یقینیہ اس کو مستحضر ہوگئے ہیں۔اور زید ایک شخصؔ ہے جس کی نسبت یہ واقعہ ثابت ہے کہ نہ اس نے کچھ منطق ۱۴۲
وفلسفہ وغیرہ سے کوئی حرف پڑھا ہے اور نہ کتب فلسفہ سے اس کو کچھ اطلاع ہے۔اور نہ طریقہ نظر اور فکر میں اس کو کچھ مشق ہے۔اور نہ کسی اہل علم اور حکمت سے اس کی مخالطت اور صحبت ہے بلکہ محض امی ہے اور امیوں میں ہمیشہ بودو باش رکھتا ہے۔پس وہ علوم جو بکر نے بتمامتر محنت وکلفت ومشقت حاصل کئے ہیں وہ بکر کی نسبت امور غیبیہ نہیں ہیں۔ کیونکہ بکر نے ان کو ایک مدت مدید تک جہد شدید سے تعلیم پاکر حاصل کیا ہے۔لیکن زید جو بالکل ناخواندہ ہے۔اگر حکمت اور فلسفہ کے باریک اور دقیق علوم کو ایسا صاف اور صحیح بیان کرے جس میں سرمو تفاوت نہ ہو۔اور علوم عالیہ کی نازک اور اعلیٰ صداقتوں کو ایسے کامل طور پر ظاہر کرے جس میں کسی نوع کا فتور اور نقصان نہ پایا جائے۔اور دقائق حکمیہ کا ایسا مکمل

مجموعہ پیش کرے ۔ جن کا باستیفاء بیان کرنا پہلے اس سے کسی حکیم کا میسر نہ ہوا ہو ۔ تو ہر یک امر کی نسبت مکمل بیان اس کا جس میں شرائط مذکورہ بالا پائی جائیں امور غیبیہ میں داخل ہوگا ۔ کیونکہ اس نے ان امور کو بیان کیا جن کا بیان کرنا اس کی طاقت اور استعداد اور اندازہ علم اور فہم سے باہر تھا اور جن کے بیان کرنے میں اس کے پاس اسباب عادیہ میں سے کوئی ذریعہ موجود نہ تھا ۔

(ج) بکر ایک پادری یا پنڈت یا کسی اور مذہب کا عالم اور فاضل اور ماہر جزوکل ہے ۔ جس نے ایک کلاں حصہ اپنی عمر کا خرچ کر کے اور بیسیوں برس محنت اور مشقت اٹھا کر اس مذہب کے متعلق جو نہایت دقیق باتیں ہیں دریافت کیں ۔ اور جو کچھ اس مذہب کی کتاب میں صواب یا خطا ہے یا جو غایت درجہ کی باریک صداقتیں ہیں وہ سب مدت دراز کے تفکر اور تدبر سے معلوم کر لیں ۔ اور زید ایک شخص ہے جس کی نسبت یہ واقعہ ثابت ہے کہ بباعث ناخواندہ ہونے کے کسی کتاب کو پڑھ نہیں سکتا
۱۴۳ ہے سو اگر بکر اُن کتابوں میں سے کچھ امور یا مسائل یا واقعات بیان کرے تو وہ امور غیبیہ نہیں ہیں کیونکہ بکر بذریعہ تعلیم کامل اور عرصۂ دراز کی مشق کے ان کتابوں کے مضامین پر بخوبی مطلع اور حاوی ہے ۔ لیکن اگر زید جو محض امی ہے ان حقائق عمیقہ کو بیان کر دے جن کا جاننا بجز واقفیت تام کے محال عادی ہے اور ان کتابوں کی ایسی باریک صداقتوں کو کھول دے جو بجز خواص علماء کے کسی پر منکشف نہیں ہوتیں اور ان کے وہ تمام معائب اور نقصانات ظاہر کر دے جن کا ظاہر کرنا بجز نہایت درجہ کی دقت نظر عادتاً ممتنع ہے ۔ اور پھر اس منصب تدقیق اور تحقیق میں ایسا کامل ہو جو اپنی نظیر نہ رکھتا ہو تو اس صورت میں اس کی نسبت یہ کہنا حق اور راست ہوگا کہ اس نے امور غیبیہ کو بیان کیا ۔

تشریح

شاید کوئی معترض اس تمہید پر یہ اعتراض کرے کہ ان سہل اور آسان منقولات کا بیان کرنا جو مذہبی کتابوں میں مدون اور مرقوم ہیں ۔ بذریعہ سماعت بھی ممکن ہے جس میں لکھا پڑھا ہونا کچھ ضروری نہیں کیونکہ ناخواندہ آدمی کسی واقعہ کو کسی خواندہ آدمی سے سن کر بیان کر سکتا ہے ۔ یہ کچھ مسائل دقیقہ علمیہ نہیں ہیں جن کا جاننا بغیر تعلّم با قاعدہ کے محال ہو ۔ ایسے معترض سے یہ سوال کیا جائے گا کہ تمہاری

کتابوں میں کوئی ایسی باریک صداقتیں بھی ہیں یا نہیں جن کو بجز اعلیٰ درجے کے عالم اور اجل فاضل کے ہر یک شخص کا کام نہیں کہ دریافت کر سکے۔ بلکہ انہیں لوگوں کے ذہن ان کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔جنہوں نے زمانہ دراز تک ان کتابوں کے مطالعہ میں خون جگر کھایا ہے اور مکاتب علمیہ میں کامل استادوں سے پڑھا سیکھا ہے۔ پس اگر اس سوال کا یہ جواب دیں کہ ایسی اعلیٰ درجے کی دقیق صداقتیں ہماری کتابوں میں موجود نہیں ہیں بلکہ ان میں تمام موٹی اور سرسری اور بے مغز باتیں بھری ہوئی ہیں جن کو عوام الناس بھی ادنیٰ التفات سے معلوم کر سکتے ہیں اور جن پر ایک کم فہم لڑکا بھی سرسری نظر مار کر ان کی تہ تک پہنچ سکتا ہے اور جن کا جاننا کچھ فضیلت علمیہ میں داخل نہیں، بلکہ غایت کار مثل ان کتابوں کے ہیں جن میں قصے کہانیاں لکھی جاتی ہیں یا جو محض اطفال اور عوام کے مطالعہ کے لئے بنائے جاتے ہیں۔تو افسوس ایسی گئی گزری کتابوں پر۔ کیونکہ یہ امر نہایت صاف اور واضح ہے کہ اگر مضامین کسی کتاب کے صرف عوام الناس کی موٹی عقل تک ہی ختم ہوں اور حقائق دقیقہ کے مرتبہ سے بکلی متنزل ہوں۔تو وہ کتاب بھی کوئی عمدہ کتاب نہیں کہلاتی ۔ بلکہ وہ بھی عقلمندوں کی نظر میں ایسی ہی موٹی اور کم عزت ہوتی ہے۔ جیسے اس کے مضامین موٹے ہیں۔ اور اس کا مضمون کوئی ایسی شے نہیں ہوتا جس کو علوم حکمیہ کی سلک میں منسلک کیا جائے یا حقائق عالیہ کے رتبہ پر سمجھا جائے۔ پس جو شخص اپنی الہامی کتاب کی نسبت دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی تمام باتیں موٹی اور خفیف ہیں اور ان جمیع صداقتوں سے خالی اور عاری ہیں جو نہایت باریک اور دقیق ہیں اور جن کا جاننا ارباب علم اور نظر اور فکر سے مخصوص ہے تو وہ آپ ہی اپنی کتاب کی توہین کرتا ہے اور اس سے اس کی شیخی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ جس چیز کی تہ تک پہنچنے میں عوام الناس بھی اس کے ساتھ شریک اور مساوی ہیں۔ اس چیز کے حاصل کرنے سے وہ کسی ایسی فضیلت علمیہ کو حاصل نہیں کر سکتا کہ عوام الناس سے اس کو امتیاز بخشے یا کوئی لقب عالم یا فاضل کا اس کو عطا کرے۔ بلکہ وہ بھی بلاشبہ عوام کالانعام میں سے ہوگا۔ کیونکہ اس کے علم اور معرفت کا اندازہ عوام سے زیادہ نہیں۔ اور بلا ریب ایسی بیہودہ اور ذلیل کتابوں کا علم امور غیبیہ میں داخل نہیں ہوگا۔ لیکن پھر بھی یہ شرط ہے کہ تعلیمات ان کی ایسی شائع اور متعارف ہوں جن کی نسبت یہ باور کرنے کی وجہ ہو کہ ہر ایک امی اور ناخواندہ آدمی بھی ادنیٰ توجہ سے ان کے مضامین پر

۱۴۴

۱۴۵ مطلع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ اگر مضامین ان کے شائع اور مشہور نہ ہوں تو گو وہ کیسی ہی بے مغز اور موٹی باتیں ہوں تب بھی اس شخص کے لئے جو اس زبان سے ناواقف ہے جس زبان میں مضامین ان کتابوں کے لکھے گئے ہیں حکم امور غیبیہ کا رکھتے ہیں۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ جب کوئی قوم اپنی کتب الہامیہ کی نسبت آپ قبول کرلے کہ وہ باریک صداقتوں سے عاری اور بےنصیب ہیں۔ لیکن اگر کسی قوم کی یہ رائے ہو کہ ان کی الہامی کتابوں میں باریک صداقتیں بھی ہیں جن پر احاطہ کرنا بجز ان اعلیٰ درجہ کے اہل علم لوگوں کے جن کی عمریں انہیں میں تدبر تفکر کرتے کرتے فرسودہ ہوگئی ہیں اور جن میں ایسی صداقتیں بھی ہیں جن کی تہ اور مغز تک وہی لوگ پہنچتے ہیں جو نہایت درجہ کے زیرک اور عمیق الفکر اور راسخ فی العلم ہیں تو اس جواب سے خود ہمارا مطلب ثابت ہے۔ کیونکہ اگر ایک امی اور ناخواندہ آدمی ان حقائق دقیقہ کو ان کی کتابوں میں سے بیان کرے جن کو باقرار ان کے عوام اہل علم بھی بیان نہیں کر سکتے۔ صرف خواص کا کام ہے۔ تو بلاشبہ بیان اس امی کا بعد ثبوت اس بات کے کہ وہ امی ہے امور غیبیہ میں داخل ہوگا۔ اور یہی تمثیل سیوم کا مطلب ہے۔

تنبیہ

امور غیبیہ کو منجانب اللہ ہونے پر دلالت کامل ہے۔ کیونکہ یہ بات بہ بداہت عقل ثابت ہے کہ غیب کا دریافت کرنا مخلوق کی طاقتوں سے باہر ہے۔ اور جو امر مخلوق کی طاقتوں سے باہر ہو وہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس اس دلیل سے ظاہر ہے کہ امور غیبیہ خدا کی طرف سے ظہور پذیر ہوتے ہیں اور ان کا منجانب اللہ ہونا یقینی اور قطعی ہے۔

تمہید سیوم: جو چیز محض قدرت کاملہ خدائے تعالیٰ سے ظہور پذیر ہو خواہ وہ چیز اس کی
۱۴۶ مخلوقات میں سے کوئی مخلوق ہو۔ اور خواہ وہ اس کی پاک کتابوں میں سے کوئی کتاب ہو۔ جو لفظاً اور معناً اسی کی طرف سے صادر ہو۔ اس کا اس صفت سے متصف ہونا ضروری ہے کہ کوئی مخلوق اس کی مثل بنانے پر قادر نہ ہو۔ اور یہ اصول عام جو ہر یک صادر من اللہ سے متعلق ہے۔ دو طور سے ثابت ہوتا ہے۔ اول قیاس سے۔ کیونکہ از روئے قیاس صحیح و مستحکم کے خدا کا اپنی ذات اور صفات اور افعال میں

واحد لاشریک ہونا ضروری ہے اور اس کی کسی صنعت یا قول یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز نہیں۔ دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر اس کی کسی صنعت یا قول[11] یا فعل میں شراکت مخلوق کی جائز ہوتو البتہ پھر سب صفات اور افعال میں جائز ہو۔ اور اگر سب صفات اور افعال میں جائز ہوتو پھر کوئی دوسرا خدا بھی پیدا ۱۴۷
ہونا جائز ہو۔ کیونکہ جس چیز میں تمام صفات خدا کی پائی جائیں۔ اسی کا نام خدا ہے اور اگر کسی چیز میں

حاشیہ نمبر 11: اس جگہ پر بعض نادان (جن کو عمیق فکر کرنے کی عادت نہیں) یہ وسوسہ پیش کرتے ہیں کہ بلاشبہ حروف اور الفاظ مفردہ خدا کی کلام اور انسانوں کی کلام میں مشترک ہیں۔ سو حروف اور الفاظ مفردہ میں شراکت انسان کی خدا کے ساتھ لازم آئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا متن میں بہ تفصیل مندرج ہے۔ تعلیم زبان کی خدا کی طرف سے ہے۔ پس حروف اور الفاظ مفردہ بھی خدا ہی نے انسانوں کو سکھلائے ہیں۔ انسان نے ان کو اپنی عقل سے ایجاد نہیں کیا۔ جس بات کو انسان ایجاد کرتا ہے وہ صرف ترکیب کلمات ہے۔ یعنی فقط یہ امر انسان کا اختیاری اور کسبی ہے کہ کسی مضمون کے ظاہر کرنے کے لئے اپنی طرف سے ایک عبارت تیار کرسکتا ہے جس میں کوئی فقرہ کسی جگہ پر اور کوئی فقرہ کسی جگہ پر وضع کرتا ہے۔ اور کسی ترکیب کو کسی محل پر اور کسی ترکیب کو کسی محل پر رکھتا ہے۔ سو یہی املاء انشاء اس کا اپنی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اس میں ہم کہتے ہیں کہ خدا کی املاء انشاء سے انسان کا املاء انشاء ہرگز برابر نہیں ہوسکتا اور نہ برابر ہونا جائز ہے۔ کیونکہ اس سے مشارکت باری کی مخلوق سے لازم آتی ہے۔ لیکن انسان کا وہی حروف اور الفاظ مفردہ بولنا جو خدا نے اپنے کلام میں استعمال کئے ہیں یہ مشارکت نہیں بلکہ یہ تو بعینہٖ ایسی بات ہے کہ جیسے انسان مٹی کو جو خدا کی پیدائش ہے اپنے استعمال میں لاتا ہے اور طرح طرح کے برتن وغیرہ بناتا ہے۔ پس اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ انسان خدا کا شریک ہوگیا ہے۔ کیونکہ مٹی تو بلاشبہ خدا کی مخلوق ہے نہ انسان کی مخلوق۔ شراکت تو تب ثابت ہو کہ جب کوئی انسان خدا کی طرح اس مٹی سے حیوانات اور نباتات اور طرح طرح کے جواہرات بنا کر دکھلا دے۔ سو ظاہر ہے کہ انسان میں یہ مقدور نہیں کہ جو کام خدا نے مٹی سے پورا کیا ہے وہ بھی اسی خاک
سے پورا کرسکے۔ یہ تو سچ بات ہے کہ مادہ ایجاد اور انشاء کا انسان کے ہاتھ میں بھی وہی ہے جس کو خدا اپنے قوانین قدرتیہ کی ۱۴۷
پابندی سے استعمال میں لاتا ہے۔ پر نعوذ باللہ یہ کب سچ ہوسکتا ہے کہ ایجاد اور انشاء انسان کا خدا کی ایجاد اور انشاء سے برابر ہے۔ اگر انسان خدا کا مقابلہ کرنے میں آسانی کی چال بھی چلے یعنی یہ کرے کہ جس مخلوق کے اعضاء متفرق ہو چکے ہوں۔ اسی کی ہڈیاں اور گوشت اور پوست جمع کرکے پھر وہی جاندار بنانا چاہے یا جان نہیں سہی ویسا ہی قالب طیار کرنا چاہے تو یہ بھی اس کے لئے ممکن نہیں۔ پس انسان ضعیف البنیان خدا کا مقابلہ کیونکر کرسکے۔ اس سے تو حیوانات کا مقابلہ بھی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کے مقابلہ کرنے سے بھی عاجز ہے اور بعض کیڑے اپنی صنائع میں اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ کوئی اس کے لئے ریشم بناتا ہے اور کوئی اس کو شہد کا شربت پلاتا ہے۔ ایسا ہی کوئی کچھ اور کوئی کچھ تیار کرتا ہے اور انسان کو ان میں سے ایک بھی ہنر یاد نہیں۔ تو پھر دیکھئے نادانی ہے یا نہیں کہ اس منہ اور اس لیاقت سے خدا کے ساتھ مقابلہ۔

چوں نیست بیک مگسے تاب ہمسری — پس چو کنی بقادرِ مطلق برابری
شرم آیدت زدم زنی خود بہ کردگار — رو قدرِ خود بہ بیں کہ زیک کرم کمتری

اس جگہ یہ بات بھی بخوبی یاد رکھنی چاہیے کہ جیسے عناصر جسم انسان کے خدا کی طرف سے ہیں۔ ایسا ہی عناصر کلام کے بھی خدا کی طرف سے ہیں۔ اور عناصر کلام سے مراد ہماری حروف اور الفاظ اور چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں جن پر تعلیم زبان کی

بعض صفات باریؔ تعالیٰ کی پائی جائیں تب بھی وہ بعض میں شریک باری تعالیٰ کے ہوئے ۔ اور شریک ۱۴۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11

موقوف ہے۔ جیسے خدا ہے۔ بندہ فانی ہے۔ الحمدللہ ۔ رب العالمین وغیرہ وغیرہ یہ سب عناصر کلام ہی ہیں جو خدا نے اپنی طرف سے انسان پر ظاہر کئے ہیں۔ کیونکہ خدا کا صرف اتنا کام نہیں تھا کہ وہ صرف ایک پتلا خاک کا بنا کر پھر الگ ہوجاتا۔ بلکہ ظاہر ہے کہ انسان نے جو کچھ اپنی تکمیل فطرت کے لئے پایا وہ سب خدا ہی سے پایا۔ گھر سے تو کچھ نہ لایا۔ سو طالب حق کو چاہیے کہ اس سے دھوکا نہ کھاوے کہ حروف اور الفاظ مفردہ یا چھوٹے چھوٹے فقرات جو خدا کی کلام میں موجود ہیں وہ انسان کی کلام میں بھی موجود ہیں۔ اور اس بات کو بخوبی یاد رکھے کہ یہ عناصر کلام کے ہیں جو خدا کی طرف سے ہیں۔ انسان بھی ان کو اپنے استعمال میں لاتا ہے اور خدا بھی۔ لیکن فرق یہ ہے کہ خدا کی کلام میں جو لفظاً و معناً خدا کی کلام ہے وہ الفاظ اور فقرات ایسی ترتیب محکم اور پُرحکمت سے اور کمال موزونیت اور اعتدال سے اپنے اپنے محل پر موضوع ہوتے ہیں۔ جیسے
سارے کام خدا کے جو دنیا میں پائے جاتےؔ ہیں۔ کمال موزونیت اور اعتدال اور رعایت حکمت سے ہیں۔ انسان کو اپنی ۱۴۸
انشاء میں وہ مرتبہ خدائی کا حاصل نہیں ہوسکتا۔ جیسا دوسرے تمام کاموں میں حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام کفار قرآن شریف کے مقابلہ پر باوصف دعوائے فصاحت اور بلاغت اور ملک الشعراء کہلانے کے زبان بند کئے بیٹھے رہے اور اب بھی خاموش اور لاجواب بیٹھے ہیں اور یہی خاموشی ان کی عجز پر گواہی دے رہی ہے۔ کیونکہ عجز اور کیا ہوتا ہے یہی تو عجز ہے کہ مخاصم کی حجت کو سن اور سمجھ کر توڑ کر نہ دکھلاویں۔

یہاں تک تو اس حاشیے میں کلام الٰہی کے بے مثل ہونے کی ضرورت ہم نے قانون قدرت کے رو سے ثابت کی ہے۔ لیکن بجز اس کے بے مثل ہونا کلام الٰہی کا ایک اور طریق سے بھی واجب ٹھہرتا ہے۔ جس کا بیان کرنا اسی حاشیہ میں قرین مصلحت ہے اور وہ یہ ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بلا دغدغہ انسان کا ایسا نیک خاتمہ ہوجانا جس پر بالیقین نجات کی امید ہو۔ اس بات پر موقوف ہے کہ اس کو صانع حقیقی کے وجود اور اس کے قادر مطلق ہونے کی نسبت اور اس کے وعدہ جزا سزا کی بابت یقین کامل کا مرتبہ حاصل ہوجائے۔ اور یہ امر صرف ملاحظہ مخلوقات سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس مرتبہ یقین تک پہنچانے کے لئے ایک ایسی الہامی کتاب کی ضرورت ہے۔ جس کی مثل بنانا انسانی طاقتوں سے باہر ہو۔ اب اس تقریر کو اچھی طرح سمجھانے کے لئے دو باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے اول یہ کہ یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل سے کیوں وابستہ ہے۔ دوم یہ کہ وہ یقین کامل صرف ملاحظہ مخلوقات سے کیوں حاصل نہیں ہوسکتا۔ سو پہلے یہ سمجھنا چاہیے کہ یقین کامل اس اعتقاد صحیح جازم کا نام ہے جس میں کوئی احتمال شک کا باقی نہ رہے۔ اور امر مقصود التحقیق کی نسبت پوری پوری تسلی اور تشفی دل کو حاصل ہوجائے۔ اور ہر یک اعتقاد جو اس حد سے متنزّل اور فروتر ہو وہ مرتبہ یقین کامل پر نہیں ہے بلکہ شک یا غایت کار ظن غالب ہے۔ اور یقینی طور پر نجات کی امید یقین کامل پر اس لئے موقوف ہے کہ مدار نجات کا اس بات پر ہے کہ انسان اپنے مولیٰ کریم کی جانب کو تمام دنیا اور اس کے عیش و عشرت اور اس کے مال و متاع اور اس کے تمام تعلقات پر یہاں تک کہ اپنے نفس پر بھی مقدم سمجھے۔ اور کوئی محبت خدا کی محبت پر غالب ہونے نہ پاوے۔ لیکن انسان پر یہ بلا وارد ہے کہ وہ برخلاف
اس طریقہ کے جس پر اس کی نجات موقوف ہے۔ ایسی چیزوں سے دل لگا رہا ہے جن سے دل لگانا خداؔ سے دل ہٹانے کا ۱۴۹
مستلزم ہے اور دل بھی ایسا لگایا ہوا ہے کہ یقینی طور پر سمجھ رہا ہے کہ تمام راحت اور آرام میرا انہیں تعلقات میں ہے اور نہ صرف سمجھ رہا ہے بلکہ وہ لذات بہ یقین کامل اس کے لئے مشہود اور محسوس ہیں جن کے وجود میں اس کو ذرا سا شک نہیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب تک انسان کو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اس کی جزا اور سزا اور اس کی آلاء نعماء کی نسبت

البار ی بہ بداہت عقل ممتنع ہے۔ پس اس دلیل سے ثابت ہے کہ خدا کا اپنی تمام صفات اور اقوال اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ایسا ہی یقین کامل نہ ہو جیسا اس کو اپنے گھر کی دولت پر۔ اور اپنے صندوق کے گنے ہوئے روپیوں پر۔ اور اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے باغوں پر۔ اور اپنی زرخرید یا موروثی جائداد پر۔ اور اپنی آزمودہ اور چشیدہ لذتوں پر۔ اور اپنے دلآرام دوستوں پر حاصل ہے تب تک خدا کی طرف جوش دلی سے رجوع لانا محال ہے۔ کیونکہ کمزور خیال زبردست خیال پر غالب نہیں آسکتا اور بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ جب ایسا آدمی جس کا یقین بہ نسبت امور آخرت کے دنیا پر زیادہ ہے اس مسافرخانہ سے کوچ کرنے لگے اور وہ نازک وقت جس کو جان کندن کہتے ہیں یکایک اس کے سر پر نمودار ہو کر اس کو اس یقینی لذات سے دور ڈالنا چاہے جو دنیا میں اس کو حاصل ہیں اور اس کو ان پیاروں سے علیحدہ کرنا چاہے جن کو وہ یقیناً بچشم خود ہر روز دیکھتا ہے۔ اور ان مالوں اور ملکوں اور دولتوں سے اس کو جدا کرنے لگے جن کو وہ بلاشبہ اپنی ملکیت سمجھتا ہے تو ایسی حالت میں ممکن نہیں کہ اس کا خیال خدائے تعالیٰ کی طرف قائم رہے۔ مگر صرف اسی صورت میں کہ جب اس یقین کامل کے مقابل پر خدائے تعالیٰ کے وجود اور اس کی لذت وصال اور اس کے وعدہ جزا سزا پر بھی ایسا ہی یقین کامل بلکہ اس سے زیادہ ہو۔ اور اگر اس آخری وقت میں اس درجہ کا یقین جو خیالات دنیوی کی مدافعت کر سکے اس کو حاصل نہ ہو۔ تو یہ امر غالباً اس کے لئے بدخاتمہ کا موجب ہوگا۔

اور یہ بات کہ صرف ملاحظہ مخلوقات سے یقین کامل حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس طرح پر ثابت ہے کہ مخلوقات کوئی ایسا صحیفہ نہیں ہے کہ جس پر نظر ڈال کر انسان یہ لکھا ہوا پڑھ لے کہ ہاں اس مخلوق کو خدا نے پیدا کیا ہے اور واقعی خدا موجود ہے اور اسی کی لذت وصال راحت حقیقی ہے۔ اور وہی مطیعوں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا دے گا۔ بلکہ مخلوقات کو دیکھ کر اور اس عالم کو ایک ترتیب احسن اور ابلغ پر مرتب پا کر فقط قیاسی طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مخلوقات کا کوئی خالق ہونا چاہیے۔ اور لفظ ہونا چاہیے اور ہے کے مصداق میں بڑا فرق ہے۔ مفہوم ہونا چاہیے اس یقین جازم تک نہیں پہنچا سکتا جس تک مفہوم ہے کا پہنچاتا ہے۔ بلکہ اس میں کسی قدر رگ شک باقی رہ جاتی ہے۔ اور جو شخص کسی امر کی نسبت بطور قیاسی ہونا چاہیے کہتا ہے ١٥٠
اس کے قول کا صرف اس قدر خلاصہ ہے کہ میرے قیاس میں تو ہونا لازم ہے۔ اور آگے مجھے خبر نہیں کہ واقعہ میں ہے بھی یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ فقط مخلوقات پر نظر کرنے والے گزرے ہیں۔ وہ نتیجہ نکالنے میں کبھی متفق نہیں ہوئے اور نہ اب ہیں اور نہ آئندہ ہونا ممکن ہے۔ ہاں اگر آسمان کے کسی گوشہ پر موٹی اور جلی قلم سے یہ لکھا ہوا ہوتا کہ میں بے مثل و مانند خدا ہوں جس نے ان چیزوں کو بنایا ہے اور جو نیکوں اور بدوں کو ان کی نیکی اور بدی کا عوض دے گا۔ تو پھر بلاشبہ ملاحظہ مخلوقات سے خدا کے وجود پر اور اس کی جزا سزا پر یقین کامل ہو جایا کرتا۔ اور ایسی حالت میں کچھ ضرور نہ تھا کہ خدائے تعالیٰ کوئی اور ذریعہ یقین کامل تک پہنچانے کا پیدا کرتا۔ لیکن اب تو وہ بات نہیں ہے۔ اور خواہ تم کیسی ہی غور سے زمین آسمان پر نظر ڈالو۔ کہیں اس تحریر کا پتہ نہیں ملے گا۔ صرف اپنا قیاس ہے اور بس۔ اسی جہت سے تمام حکماء اس بات کے قائل ہیں کہ زمین آسمان پر نظر ڈالنے سے وجود باری کی نسبت شہادت واقعہ حاصل نہیں ہوتی۔ صرف ایک شہادت قیاسی حاصل ہوتی ہے جس کا مفہوم فقط اس قدر ہے کہ ایک صانع کا وجود چاہیے۔ اور وہ بھی اس کی نظر میں کہ جو وجود ان چیزوں کا خودبخود ہونا محال سمجھتا ہو۔ لیکن دہریہ کی نظر میں وہ شہادت درست نہیں کیونکہ وہ قدامت عالم کا قائل ہے۔ اسی بناء پر اس کی یہ تقریر ہے کہ اگر کوئی وجود بے موجد جائز نہیں ہے تو پھر خدا کا وجود بے موجد کیوں جائز ہے۔ اگر جائز ہے تو پھر انہیں چیزوں کا وجود جن کو کسی نے بنتے ہوئے بچشم خود نہیں دیکھا بے موجد کیوں نہ مانا جاوے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ وجود قدیم حضرت باری میں

افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے اور ذات اس کی ان تمام نالائق امور سے منزہ ہے جو

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

تب ہی دہریہ کو ایک قیاس پرست کے ساتھ نزاع کرنے کی گنجائش ہے کہ مخلوقات پر نظر کرنے سے واقعی شہادت صانع عالم پر پیدا نہیں ہوتی یعنی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ فی الحقیقت ایک صانع عالم موجود ہے۔ بلکہ صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ ہونا چاہیے۔ اور اسی وجہ سے امر معرفت صانع عالم کا صرف قیاسی طور سے دہریہ پر مشتبہ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ہم اس مطلب کو کسی قدر حاشیہ نمبر ۴ میں بیان کر آئے ہیں جس میں ہم نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ عقل صرف موجود ہونے کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے خود موجود ہونا ثابت نہیں کرسکتی۔ اور کسی وجود کی ضرورت کا ثابت ہونا شے دیگر ہے اور خود اس وجود ہی کا
ثابت ہوجانا یہ اور بات ہے۔ پس جس کے نزدیک معرفت الٰہی صرف مخلوقات کے ملاحظہ تک ہی ختم ہے۔ اس کے پاس ۱۵۱
اس اقرار کرنے کا کوئی سامان موجود نہیں کہ خدا فی الواقعہ موجود ہے۔ بلکہ اس کا علم کا اندازہ صرف اس قدر ہے کہ ہونا چاہیے اور وہ بھی تب کہ جب دہریہ مذہب کی طرف نہ جھک جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ حکماء متقدمین میں سے محض قیاسی دلائل کے پابند رہے انہوں نے بڑی بڑی غلطیاں کیں اور صدہا طرح کا اختلاف ڈال کر بغیر تصفیہ کرنے کے گزر گئے اور خاتمہ ان کا ایسی بے آرامی میں ہوا کہ ہزارہا شکوک اور ظنون میں پڑ کر اکثر ان میں سے دہریئے اور طبعی اور ملحد ہوکر مرے اور فلسفہ کے کاغذوں کی کشتی ان کو کنارے تک نہ پہنچا سکی۔ کیونکہ ایک طرف تو حب دنیا نے انہیں دبائے رکھا اور دوسری طرف انہیں واقعی طور پر معلوم نہ ہوا کہ آگے کیا پیش آنے والا ہے۔ سو بڑی بے قراری کی حالت میں حق الیقین سے دور اور مہجور رہ کر اس عالم سے انہوں نے سفر کیا۔ اور اس بارے میں ان کا آپ ہی اقرار ہے کہ ہمارا علم صانع عالم اور دوسرے امور آخرت کی نسبت من حیث الیقین نہیں بلکہ من حیث ماہوا شبہ ہے یعنی اس قسم کا ادراک ہے کہ جیسے کوئی غیر اطلاع حقیقت حال کے یونہی اٹکل سے ایک چیز کی نسبت کہے کہ اس چیز کی حالت کے یہی لائق ہے کہ ایسی ہو اور اصل میں نہ جانتا ہو کہ ایسی ہے یا نہیں۔ حکیموں نے جس امر کو اپنی رائے میں دیکھا کہ ایسا ہونا مناسب ہے اس کو اپنے گھر میں ہی تجویز کرلیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ جیسے کوئی کہے کہ مثلاً زیدؔ کا اس وقت ہمارے پاس آنا مناسب ہے۔ پھر آپ ہی دل میں ٹھہرا لے کہ ضرور آتا ہوگا۔ اور پھر سوچے کہ زیدؔ کا گھوڑے پر ہی آنا لائق ہے اور پھر تصور کرلے کہ گھوڑے پر ہی آیا ہوگا۔ ایسا ہی حکیم لوگ اٹکلوں پر اپنا کام چلاتے رہے اور خدا کو موجود فی الحقیقت یقین کرنا انہیں نصیب نہ ہوا بلکہ ان کی عقل نے اگر بہت ہی ٹھیک ٹھیک دوڑ کی تو فقط اس قدر کی کہ ایک صانع کے موجود ہونے کی ضرورت ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس ادنیٰ خیال میں بھی بے ایمانوں کی طرح ان کو شکوک اور شبہات ہی پڑتے رہے اور طریقہ حقہ پر ان کا قدم نہیں پڑا۔ بعض خدا کے مدبر و خالق بالارادہ ہونے سے انکاری رہے۔ بعض اس کے ساتھ ہیولیٰ کو لے بیٹھے۔ بعض نے جمیع ارواح کو خدا کی قدامت میں بھائی بندوں کی طرح حصہ دار ٹھہرایا۔ جن کے وارث اب تک آریہ سماج والے چلے آتے ہیں۔ بعض نے ارواح انسانیہ کی بقا کو اور دار جزا سزا کو تسلیم نہ کیا۔ بعض نے زمانہ کو ہی خدا کی طرح موثر حقیقی قرار دے دیا۔ بعض نے خدا کے عالم بالجزئیات
ہونے سے منہ پھیر لیا۔ بعض بتوں پر ہی قربانیاں چڑھاتے رہے اور مصنوعی دیوتوں کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے اور بہتیرے ۱۵۲
بڑے بڑے حکیم خداوند تعالیٰ کے وجود سے ہی منکر رہے اور کوئی ان میں ایسا نہ ہوا کہ ان تمام مفاسد سے بچ رہتا۔
اب ہم اصل کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ مجرد ملاحظہ مخلوقات سے ہرگز یقین کامل حاصل نہیں ہوسکتا اور نہ کبھی کسی کو ہوا۔ بلکہ جس قدر حاصل ہوسکتا ہے اور شاید بعضوں کو ہوا ہو وہ اسی قدر ہے کہ جو ہونا چاہیے کا مصداق ہے اور یہ بھی وجود صانع عالم کی بابت ہے اور جزا و سزا وغیرہ میں تو اتنا بھی نہیں۔ اور جب کہ مخلوقات پر نظر ڈالنے سے یقین کامل حاصل نہ

۱۴۹ شریک الباری پیدا ہونے کی طرف منجر ہوں ۔ دوسرے ثبوت اس دعویٰ کا استقراء تام سے ہوتا ہے جو

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہوسکا تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی پڑی۔ یا تو یہ کہ خدا نے یقین کامل تک پہنچانے کا ارادہ ہی نہیں کیا۔ اور یا یہ کہ
ضرور اس نے یقین کامل تک پہنچانے کے لئے کوئی ذریعہ رکھا ہے۔ لیکن امر اول الذکر تو بدیہی البطلان ہے اور کسی عاقل کو
اس کے باطل ہونے میں کلام نہیں۔ اور امر دویم کے قرار دینے کی حالت میں یعنی اس صورت میں کہ جب ہم تسلیم کریں کہ
خدا نے مخلوقات کی نجات کے لئے ضرور کوئی کامل ذریعہ ٹھہرایا ہے۔ بجز اس بات کے ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ کامل
ذریعہ ایسی کتاب الہامی ہوگی جو اپنی ذات میں بے مثل و مانند ہو اور اپنے بیان میں قانون قدرت کے ہر یک اجمال کو
کھولتی ہو۔ کیونکہ جب کامل ذریعہ کے لئے یہ شرط ہوئی کہ وہ چیز بے مثل و مانند ہو اور نیز اس میں منجانب اللہ ہونے کے
بارے میں اور ہر یک امر دینی کے لئے تحریری شہادت بھی موجود ہو۔ تو یہ تمام صفات صرف کتاب الہامی میں جو بے مثل
و مانند ہو جمع ہوں گی اور کسی چیز میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ یہ خوبی صرف کتاب الہامی میں متحقق ہوسکتا ہے کہ اپنے بیان
اور اپنی بے نظیری کی حالت کے ذریعہ سے یقین کامل اور معرفت کامل کے مرتبہ تک پہنچاوے۔ وجہ یہ کہ آسمان و زمین کے
وجود پر اگر کوئی کم بخت دہریہ شک کرے تو کرے کہ یہ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ پر ایک کلام کو انسان طاقتوں سے بالاتر
تسلیم کر کے پھر انسان اس اقرار کرنے سے کہاں بھاگ سکتا ہے کہ خدا فی الواقع موجود ہے جس نے اس کتاب کو نازل کیا۔
علاوہ اس کے اس جگہ خدا کا وجود ماننا صرف اپنا ہی قیاس نہیں بلکہ وہی کتاب بطور خبر واقعہ کے یہ بھی بتلاتی ہے کہ خدا موجود
ہے اور جزا سزا برحق ہے۔ پس جس یقین کامل کو طالب حق زمین و آسمان میں تلاش کرتا ہے اور نہیں پاتا وہ مراد اس کو اس جگہ
مل جاتی ہے۔ لہٰذا دہریہ کو خدا کے قائل کرنے کے لئے جیسا کلام بے مثل سے علاج متصور ہے ویسا زمین و آسمان کے
۱۵۳ ملاحظہ سے ہرگز ممکن نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر یک انسان میں کہ جو مجرد قیاس پرست ہے دہریہ پن کی ایک رگ
ہے۔ وہی رگ دہریہ میں کچھ زیادہ پھول کر ظاہر ہو جاتی ہے اور اَوروں میں مخفی رہتی ہے۔ اس رگ کو وہی الہامی کتاب کاٹتی
ہے جو فی الواقع انسانی طاقتوں سے باہر ہو۔ کیونکہ جیسا ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ آسمان زمین سے نتیجہ نکالنے میں ہمیشہ
لوگوں کی سمجھ مختلف رہی ہے۔ کسی نے یوں سمجھا اور کسی نے ووں سمجھا۔ لیکن یہ اختلاف کلام بے مثل میں نہیں ہوسکتا۔ اور
گو کوئی دہریہ ہی ہو۔ پر کلام بے مثل کی نسبت یہ رائے ظاہر نہیں کر سکتا کہ وہ بغیر تکلم کسی متکلم کے زمین آسمان کی طرح خود
بخود قدیم سے وجود رکھتی ہے۔ بلکہ کلام بے مثل میں اسی وقت تک دہریہ بحث و تکرار کرے گا جب تک اس کے بے مثل
ہونے میں اس کو کلام ہے اور جب ہی اس نے اس بات کو قبول کر لیا کہ فی الواقعہ بنانا اس کا انسانی طاقتوں سے باہر ہے۔
اسی وقت سے خدا کے ماننے کے لئے اس کے دل میں ایک تخم بویا جاوے گا۔ کیونکہ اس وہم کے کرنے کی اس کو گنجائش ہی
نہیں کہ اس کلام کے متکلم کا وجود قیاسی ہے نہ واقعی۔ اس جہت سے کہ کلام کا وجود بغیر وجود متکلم کے ہو ہی نہیں سکتا۔ ماسوا
اس کے کلام بے مثل میں یہ بھی خوبی ہے کہ جو کچھ علم مبدء اور معاد کا تکمیل نفس کے لئے ضروری ہے۔ وہ سب بطور امر واقعہ
کے اس میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور یہ خوبی بھی زمین آسمان میں موجود نہیں۔ کیونکہ اول تو ان کے ملاحظہ سے اسرار دینیہ کچھ
معلوم ہی نہیں ہوتے۔ اور اگر کچھ ہوں بھی تو اکثر اوقات وہی مثل مشہور ہے کہ گونگے کے اشارے اس کی ماں ہی سمجھے۔
اب اس تمام تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ بے مثل ہونا کلام الٰہی کا صرف اسی جہت سے واجب نہیں کہ استحفاظ سلسلۂ قانون
قدرت کا اس پر موقوف ہے۔ بلکہ اس جہت سے بھی واجب ہے کہ بغیر بے مثل کلام کے نجات کا امر ہی ادھورا رہتا ہے۔
کیونکہ جب خدا پر ہی یقین کامل نہ ہوا تو پھر نجات کیسی اور کہاں سے۔ جو لوگ خدا کی کلام کا بے مثل و مانند ہونا ضروری نہیں

ان سب چیزوں پر جو صادر من اللہ ہیں نظر تدبر کر کے بہ پایہ صحت پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ تمام جزئیات ۱۵۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سمجھتے۔ ان کی کیسی نادانی ہے کہ حکیم مطلق پر بدگمانی کرتے ہیں کہ ہر چند اس نے کتابیں بھیجیں پر بات وہی بنی بنائی رہی جو پہلے تھی۔ اور وہ کام نہ کیا جس سے لوگوں کا ایمان اپنے کمال کو پہنچتا۔ افسوس ہے کہ یہ لوگ سوچتے نہیں کہ خدا کا قانون قدرت ایسا محیط ہے کہ اس نے کیڑوں مکوڑوں کو بھی کہ جن سے کچھ ایسا بڑا فائدہ متصور نہیں بے نظیر بنانے سے دریغ نہیں کیا تو کیا اس کی حکمت پر یہ اعتراض نہ ہوگا کہ اس کو دریغ کرنے کا مقام کہاں آ کر سوجھا جس سے تمام انسانوں کی کشتی ہی غرق
۱۵۴ ہوتی ہے اور جس سے یہ خیال کرنا پڑتا ہے کہ گویا خدا کو ہرگز منظور ہی نہیں کہ کوئی انسان نجات کا مرتبہ حاصل کرے۔ مگر جس حالت میں خدائے تعالیٰ کی نسبت ایسا گمان کرنا کفر عظیم ہے۔ تو بالآخر یہ دوسری بات جو خدا کی شان کے لائق اور بندوں کی حاجت کے موافق ہے ماننی پڑی یعنی یہ کہ خدا نے بندوں کی نجات اور تکمیل معرفت کے لئے ضرور ایسی کتاب بھیجی ہے جو عدیم النظیر ہونے کی وجہ سے معرفت کامل تک پہنچاتی ہے۔ اور جو کام مجرد عقل سے نہیں ہوسکتا اس کو پورا کر کے دکھاتی ہے۔ سو وہ کتاب قرآن شریف ہے جس نے اس کمال تام کا دعویٰ کیا ہے اور اس کو بپایۂ صداقت پہنچایا ہے۔

ہست فرقاں آفتاب علم و دین	تابر ندت از گمان سوئے یقین
ہست فرقاں از خدا حبل المتین	تا کشندت سوئے رب العالمین
ہست فرقاں روز روشن از خدا	تا دہندت روشنئے دیدہ ہا
حق فرستاد این کلام بے مثال	تا رسی در حضرت قدس وجلال
داروئے شک است الہام خدائے	کاں نماید قدرت تام خدائے
ہر کہ روئے خود زِ فرقاں در کشید	جان او روئے یقین ہرگز نہ دید
جان خود را مے کنی در خود روی	بازمے مانی ہماں گول و غوی
کاش جانت میل عرفان داشتے	کاش سعیت تخم حق را کاشتے
خود نگہ کن از سر انصاف و دین	از گمان ہا کے شود کار یقین
ہر کہ را سویش درے بکشودہ است	از یقیں نے از گماں ہا بودہ است
قدر فرقاں نزدت اے غدار نیست	ایں ندانی کت جز ازوے یار نیست
وحی فرقاں مردگاں را جاں دہد	صد خبر از کوچۂ عرفاں دہد
از یقیں ہامے نماید عالمے	کاں نہ بیند کس بصد عالم ہمے

اس جگہ برہمو سماج والوں نے بڑی جان کنی سے چند وساوس بنا رکھے ہیں تا کہ خدا کی کتاب کے قبول کرنے سے عذر کرنے کی کوئی وجہ پیدا ہو جائے اور کسی طرح انتظام امر دین ادھورا ہی رہے اپنے کمال کو نہ پہنچے۔ اور کہیں یہ نہ کہنا پڑے کہ خدا وہ رحیم کریم ہے کہ جس نے انسان کی جسمانی تربیت کے لئے سورج اور چاند وغیرہ چیزیں بنائیں تا کہ انسان کی خوراک کا بندوبست کرے اور روحانی تربیت کیلئے اپنی کتابیں بھیجیں تا انتظام ہدایت فرماوے۔ سو چونکہ یہ لوگ خداوند کریم ورحیم پر بخل اور بے مروتی اور بدانتظامی کی تہمت لگانا چاہتے ہیں اور ان کے عقائد فاسدہ میں حضرت باری تعالیٰ کی نسبت طرح

عالم جو خدا کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہیں جب ہم ہر یک کو ان میں سے عمیق نگاہ سے دیکھتے ہیں

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

طرح کی بدگمانیاں اور تحقیر اور توہین پائی جاتی ہے اس لئے مناسب ہے کہ جہاں تک وساوس ان کے اس بحث سے متعلق ١٥٥
ہیں وہ اس جگہ دور کئے جاویں ۔ لہٰذا معہ الجواب ذیل میں لکھے جاتے ہیں : ۔

وسوسہ اول : ۔ یہ بحث کہ کوئی کتاب الہامی انسانی طاقتوں سے باہر ہے اصل بحث الہام کی ایک فرع ہے ۔ اور الہام کی نسبت یہ ثابت ہے کہ وہ عندالعقل ضروری نہیں اور جب الہام کی کچھ ضرورت نہیں تو پھر یہ بحث کرنا ہی بے فائدہ ہے کہ کسی کتاب کی نظیر بنانے سے قویٰ بشریہ عاجز ہیں یا نہیں ۔

جواب ۔ اس کا جواب ابھی گزر چکا ہے کہ بذریعہ قیاسات عقلیہ کے جو کچھ خدا اور امور آخرت کے بارے میں سوچا جاتا اور فکر کیا جاتا ہے اس سے نہ یقین کامل حاصل ہوتا ہے نہ معرفت کامل ۔ اور جو جو وساوس قیاس پرستوں کے جی میں کھٹکتے رہتے ہیں ان کا تدارک بجز الہام کے ہو ہی نہیں سکتا ۔ کیونکہ اگر نیچر سے اس قدر سمجھا بھی گیا کہ عالم کا ایک صانع ضرور چاہیے لیکن اس کا بیان کرنے والا کون ہے کہ وہ صانع ہے بھی ۔ ہاں یہ سچ ہے کہ عمارت کو دیکھ کر معمار پر یقین آ سکتا ہے ۔ پر وہ یقین عادی طور پر ہم کو حاصل ہے ۔ کیونکہ جیسے ہم عمارتوں کو دیکھتے ہیں ساتھ ہی معماروں کو بھی دیکھتے ہیں ۔ لیکن زمین آسمان بنانے والے کو کون دکھاوے ۔ اس کا تو تب ہی پورا پورا یقین آوے کہ جب معماروں کی طرح اس کا بھی کچھ پتہ لگے ۔ اگر عقل نے گواہی بھی دی کہ کوئی اس عالم کا بنانے والا چاہیے تو وہی عقل پھر آپ ہی حیرت کے دریا میں ڈوبے گی کہ اگر یہ خیال سچا ہے تو پھر اس صانع کا آج تک کوئی پتہ بھی تو لگا ہوتا ۔ پس اگر عقل نے صانع کے وجود کی طرف کسی قدر رہبری کی تو پھر دیکھنا چاہیے کہ رہزن بھی تو وہی عقل ہوئی ۔ کسی کو دہریہ بنایا ، کسی کو طبعیہ ، کوئی کسی طرف جھکا اور کوئی کسی طرف ۔ بھلا فقط عقلی خیال سے کہ جس کی تصدیق کبھی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ کبھی ہوگی یقین کیونکر آوے ۔ اگر عقل نے قیاس بھی دوڑایا کہ بنانے والا ضرور چاہیے تو اب کون ہے کہ ہمیں پوری پوری تسلی دے کہ اس قیاس میں کچھ دھوکا نہیں اور اس سے زیادہ اگر ہم غور بھی کریں تو کیا کریں ۔ اگر عقل سے ہی پورا پورا کام نکلتا ہے ۔ تو پھر کیوں عقل ہمیں راستہ میں چھوڑ کر آگے چلنے سے انکار کرتی ہے ۔ کیا مرتبۂ اعلیٰ ہماری معرفت اور خداشناسی کا یہی ہے کہ ہم صرف اتنے پر ہی کفایت کریں کہ کوئی بنانے والا چاہیے ۔ کیا
ایسے اٹکل پچو خیال سے ہم اس خوشحالی دائمی کے وارث ہو سکتے ہیں کہ جو کامل الیقین اور کامل المعرفت لوگوں کے لئے طیار ١٥٦
کی گئی ہے جس یقین کامل کے لئے ہماری روح تڑپتی ہے ۔ اگر وہ صرف عقل سے ہم کو مل جاتا تو پھر یہ قول بھی ہمارا بجا ہوتا کہ اب ہمیں الہام کی کچھ حاجت نہیں ، اپنے مطلب کو پہنچ گئے ۔ لیکن جب ہم بیمار ہو کر پھر بھی علاج کے متلاشی نہ ہوں اور صحت کامل کے وسائل طلب نہ کریں تو یہ ہماری بدبختی کی نشانی ہے ۔

اے در انکار ماندہ از الہام کردہ عقل تو عقل را بدنام
از خدا رو بخویش آوردی ایں چہ آئین و کیش آوردی
تانہ کس سرز خویشتن تابد راز توحید راچہ ساں یابد
تانہ برفرق نفس پا بزنی کے بہ پاک و پلید فرق کنی
ہر کہ شد تابع کلام خدا رست از اتباع حرص و ہوا
ازخود و نفس خود خلاص شدہ مہبط فیض نور خاص شدہ

اور اعلیٰ سے ادنیٰ تک بحدیکہ حقیرؔ سے حقیر چیزوں کو جیسے مکھیؔ اور مچھرؔ اور عنکبوتؔ وغیرہ ہیں ۔ خیال میں ١٥١

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

برتر از رنگ ایں جہاں گشتہ　　آنچہ ناید بوہم آں گشتہ
ما اسیران نفس امارہ　　بے خدائیم سخت ناکارہ
تا میاں بست وحی حق برشاد　　اے بسا عقد ہائے ماکہ کشاد
نہ شود از تو کار ربانی　　آسیائے تہی چہ گردانی
تو و علم تو ما و علم خدا　　فرق بین از کجاست تا بکجا
آں یکے را نگار خویش بہ بر　　دیگرے چشم انتظار بہ در
آں یک ہمنشیں بہ مہ روئے　　دیگرے ہرزہ گرد در کوئے
آں یکے کام یافتہ بہ تمام　　دیگرے سوختہ بفکرت کام
عارت آیدز عالم اسرار　　خود ز خود دم زنی زہے پندار
ہمہ کار تو ناتمام افتاد　　وہ چہ کارت بعقل خام افتاد

سوا اے بھائیو برہموسماج والو!! جب کہ آپ لوگوں کو خداوند کریم نے دیکھنے بھالنے کے لئے آنکھیں دی ہیں تو پھر تم آپ ہی
ذرہ آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ ضرورت الہام کی ثابت ہے یا نہیں اور زیادہ تر تفصیل اس کی بحوالہ دلائل عقلیہ قرآن شریف کے
اپنے موقعہ پر مندرج ہے ۔ وہاں پڑھ لو ۔ پھر اگر خدا سے خوف کر کے سچا راستہ قبول کر لو اور منصب رہنمائی کا خدا ہی کے
لئے رہنے دو تو یہ بڑی خوش قسمتی کی نشانی ہے ۔ ورنہ اگر کچھ بس چل سکتا ہے تو ان دلائل کو مدلل بیان سے توڑ کر دکھلاؤ ۔ لیکن
سودائیوں کی چال تو مت چلو کہ جو کسی کی سنتے نہیں اور اپنی ہی بکی جاتے ہیں ۔ کیا تعجب کریں یا نہ کریں کہ تم لوگ بات بات
کٹتے جاتے ہو اور قدم قدم میں رکے جاتے ہو ۔ پھر نہ جانے کہ کس بلا کے پردے ہیں کہ وہ اٹھتے ہی نہیں ۔ کیسے دل ہیں کہ
سمجھتے ہی نہیں ۔ عقل کی کسوٹی کس طاق میں رکھ کر بھول گئے کہ کھرے کو کھوٹا اور کھوٹے کو کھرا خیال کرنے لگے ۔ خیال پرستی
کرنا کس کو نہیں آتا ۔ یہ تم کونسا نیا تحفہ لائے کہ جس پر بغلیں بجاتے ہو ۔ کوئی باعث نہیں کھلتا کہ کیوں تمہارے دل کے کواڑ
١٥٧ نہیں کھلتے ۔ کیوں تمہاری آنکھیں دیکھنے سے عاجزؔ ہو رہی ہیں ۔ عقل نے تم سے کیسی بے وفائی کی کہ تم جیسے پوجاریوں سے
دور بھاگ گئی ۔ حضرات !! تم خوب سوچ کر دیکھ لو کہ الہام کے بغیر نہ یقین کامل ممکن ہے نہ غلطی سے بچنا ممکن ، نہ توحید خالص
پر قائم ہونا ممکن ، نہ جذبات نفسانیہ پر غالب آنا حیز امکان میں داخل ہے ۔ وہ الہام ہی ہے جس کے ذریعہ سے خدا کی نسبت
ہے کی دھوم مچی ہوئی ہے ۔ اور تمام دنیا **ہست ہست** کر کے اس کو پکار رہی ہے ۔ وہ الہام ہی ہے جو ابتدا سے دلوں میں
جوش ڈالتا آیا کہ خدا موجود ہے ۔ وہی ہے جس سے پرستاروں کو پرستش کی لذت آتی ہے ۔ ایمانداروں کو خدا کے وجود اور
عالم آخرت پر تسلی ملتی ہے ۔ وہی ہے جس سے کروڑ ہا عارفوں نے بڑی استقامت اور جوش محبت الٰہیہ سے اس مسافر خانے کو
چھوڑا ۔ وہی ہے جس کی صداقت پر ہزار ہا شہیدوں نے اپنے خون سے مہریں کر دیں ۔ ہاں وہی ہے جس کی قوت جاذبہ
سے بادشاہوں نے فقر کا جامہ پہن لیا ۔ بڑے بڑے مالداروں نے دولتمندی پر درویشی اختیار کر لی ۔ اس کی برکت سے
لاکھوں امی اور ناخواندہ اور بوڑھی عورتوں نے بڑے پُر جوش ایمان سے کوچ کیا ۔ وہی ایک کشتی ہے جس نے بار ہا یہ کام
کر دکھایا ہے کہ بے شمار لوگوں کو ورطۂ مخلوق پرستی اور بدگمانی سے نکال کر ساحل توحید اور یقین کامل تک پہنچا دیا ۔ وہی آخری

لاتے ہیں تو ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز ہم کو معلوم نہیں ہوتی جس کے بنانے پر انسان بھی قدرت

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

دم کا یار اور نازک وقت کا مددگار رہے۔ لیکن فقط عقل کے پردے سے جس قدر دنیا کو ضرر پہنچا ہے وہ کچھ پوشیدہ نہیں۔ بھلا تم
آپ ہی بتلاؤ کس نے افلاطون اور اس کے توابع کو خدا کی خالقیت سے منکر بنایا؟ کس نے جالینوس کو روحوں کے باقی رہنے
اور جزا سزا کے بارے میں شک میں ڈال دیا؟ کس نے تمام حکیموں کو خدا کے عالم بالجزئیات ہونے سے انکاری رکھا؟ کس
نے بڑے بڑے فلاسفروں سے بت پرستی کرائی؟ کس نے مورتوں کے آگے مرغوں اور دوسرے حیوانات کو ذبح کرایا۔ کیا
یہی عقل نہیں تھی جس کے ساتھ الہام نہ تھا۔ اور یہ شبہ پیش کرنا کہ بہت سے لوگ الہام کے تابع ہو کر بھی مشرک بن گئے۔
نئے نئے خدا بنا لئے۔ درست نہیں۔ کیونکہ یہ خدا کے سچے الہام کا قصور نہیں بلکہ ان لوگوں کا قصور ہے جنہوں نے سچ کے
ساتھ جھوٹ ملا دیا اور خدا پرستی پر ہوا پرستی کو اختیار کر لیا۔ پھر بھی الہام الٰہی ان کے تدارک سے غافل نہیں رہا۔ ان کو
فراموش نہیں کیا بلکہ جن جن باتوں میں وہ حق سے دور پڑ گئے دوسرے الہام نے ان باتوں کی اصلاح کی۔ اور اگر یہ کہو کہ
عقل کا بگاڑ بھی نیم عاقلوں کا قصور ہے نہ عقل کامل کا قصور تو یہ قول صحیح نہیں۔ ظاہر ہے کہ عقل اپنے اطلاق اور کلیت کے مرتبہ
میں تو کوئی کارروائی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اس مرتبہ میں وہ ایک کلّی ہے اور کلّی کا وجود بجز وجود افراد متحقق نہیں ہو سکتا بلکہ کیفیت ۱۵۸
اس کی بذریعہ اس کے افراد کے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسے فرد کامل کو کون دکھا سکتا ہے جس نے فقط عقل کا تابعدار ہو کر اپنے
خود تراشیدہ عقائد میں کبھی غلطی نہیں کی۔ الٰہیات کے بیان میں کبھی ٹھوکر نہیں کھائی۔ ایسا عاقل کہاں ہے جس کا یقین وجود
صانع عالم اور جزا سزا وغیرہ امور معاد پر ہے کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہو۔ جس کی توحید میں شرک کی کوئی رگ باقی نہ رہی ہو۔
جس کے جذبات نفسانیہ پر رجوع الی اللہ غالب آ گیا ہو۔ اور ہم ابھی اس سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ خود حکماء کا اقرار ہے کہ
انسان مجرد عقل کے ذریعہ سے الٰہیات کے مسائل میں مرتبہ یقین کامل تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ صرف ایک مشتبہ اور مظنون
رائے کا مالک ہوتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی کا علم مشتبہ اور مظنون ہے اور مرتبہ یقین سے متنزّل اور فروتر۔ تب تک
غلطی کرنے سے اس کو امن حاصل نہیں جیسے اندھے کو راستہ بھولنے سے۔ اور یہ خیال کرنا کہ مجرد عقل سے غلطیاں تو ہو جاتی
ہیں پر وہ مکرر سہ کرر نظر سے رفع بھی ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی تمہاری عجیب عقل کی ایک غلطی ہی ہے جواب تک رفع نہیں ہوئی۔
کیونکہ ہم اس سے پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عقل انسانی سے امور ماوراء المحسوسات میں بوجۂ نقصان مرتبۂ بصیرت کامل
کبھی نہ کبھی اور کہیں نہ کہیں غلطی ہو جانا ایک امر لازمی ہے جس سے کسی عاقل کو انکار نہیں۔ لیکن (تم خوب سوچ کر دیکھ لو)
کہ ہر ایک غلطی پر متنبہ ہو جانا اور اس کی اصلاح کر لینا امر لازمی نہیں ہے۔ پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ لازمی کا تدارک
غیر لازمی سے ہمیشہ اور ہر حال میں ممکن نہیں۔ بلکہ غلطی لازمی کی اصلاح وہی شے کر سکتی ہے جس کو بمقابلہ اس کے صحت
وراستی لازم ہو۔ جس میں ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرة:۲) کی صفت پائی جائے۔ اور یہ بات کہ کیوں توحید خالص
الہام الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور کیوں الہام کا منکر شرک کی آلودگی سے پاک نہیں ہوتا خود توحید کی حقیقت پر نظر
کرنے سے معلوم ہو سکتی ہے کیونکہ توحید اس بات کا نام ہے کہ خدا کی ذات اور صفات کو شرکت بالغیر سے منزہ سمجھیں۔ اور
جو کام اس کی قوت اور طاقت سے ہونا چاہیے وہ کام دوسرے کی طاقت سے انجام پذیر ہو جانا روا نہ رکھیں۔ اسی توحید کے
چھوڑنے سے آتش پرست، آفتاب پرست، بت پرست وغیرہ وغیرہ مشرک کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے بتوں اور دیوتاؤں
سے ایسی ایسی مرادیں مانگتے ہیں جن کا عطا کرنا صرف خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو لوگ الہام سے انکاری

۱۵۲ رکھتا ہو بلکہ ان چیزوں کی بناوٹ اور ترکیب پر غور کرنے سے ایسے عجائب کام دست قدرت کی ان

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۱۵۹ ہیں۔ وہ بھی بت پرستوں کی طرح خدا کی صفتوں سے مخلوق کا متصف ہونا اعتقاد رکھتے ہیں اور اس قادر مطلق کی طاقتوں کا
بندوں میں پایا جانا مانتے ہیں۔ کیونکہ ان کا یہ خیال ہے کہ ہم نے اپنی ہی عقل کے زور سے خدا کا پتہ لگایا ہے اور ہمیں
انسانوں کو ابتدا میں یہ خیال آیا تھا کہ کوئی خدا مقرر کرنا چاہیے اور ہماری ہی کوشش سے وہ گوشہ گمنامی سے باہر نکلا۔ شناخت
کیا گیا۔ معبود خلائق ہوا۔ قابل پرستش ٹھہرا۔ ورنہ پہلے اسے کون جانتا تھا۔ اس کے وجود کی کسے خبر تھی۔ ہم عقلمند لوگ پیدا
ہوئے۔ تب اس کے بھی نصیب جاگے۔ کیا یہ اعتقاد بت پرستوں کے اعتقاد سے کچھ کم ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر کچھ فرق ہے تو
صرف اتنا ہے کہ بت پرست لوگ اور اور چیزوں کو اپنا منعم اور محسن قرار دیتے ہیں۔ اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر اپنی ہی دود
آمیز عقل کو اپنی ہادی اور محسن جانتے ہیں۔ بلکہ اگر غور کیجئے تو بت پرستوں سے بھی ان کا پلہ کچھ بھاری معلوم ہوتا ہے کیونکہ
اگرچہ بت پرست اس بات کے تو قائل ہیں کہ خدا نے ہمارے دیوتاؤں کو بڑی بڑی طاقتیں دے رکھی ہیں۔ اور وہ کچھ نذر
نیاز لے کر اپنے پوجاریوں کو مرادیں دے دیا کرتے ہیں لیکن اب تک انہوں نے یہ رائے ظاہر نہیں کی کہ خدا کا پتہ
انہیں دیوتاؤں نے لگایا ہے اور یہ نعمت عظمٰی وجود حضرت باری کی انہیں کے زور بازو سے معلوم ہوئی ہے۔ یہ بات تو انہیں
حضرات (منکرین الہام) کی سوجھی جنہوں نے خدا کو بھی اپنی ایجادات کی فہرست میں درج کر لیا اور بکمال خرد ماغی بلند
آواز سے بول اٹھے کہ خدا کی طرف سے انا الموجود ہونے کی کبھی آواز نہیں آئی۔ یہ ہماری ہی بہادری ہے جنہوں نے خود
بخود بے جتلائے، بے بتلائے اسے معلوم کر لیا۔ وہ تو ایسا چپ تھا جیسے کوئی سویا ہوا یا مرا ہوا ہوتا ہے۔ ہمیں نے فکر کرتے
کرتے، کھودتے کھودتے اس کا کھوج لگایا۔ گویا خدا کا احسان تو ان پر کیا ہونا تھا۔ ایک طور پر انہیں کا خدا پر احسان ہے کہ
اس بات کی پختہ خبر ملنے کے بغیر کہ خدا بھی ہے اور اس امر کے یقین کامل ہونے کے بدوں کہ اس کی نافرمانی سے ایسا ایسا
عذاب اور اس کی فرمانبرداری سے ایسا ایسا انعام مل رہے گا۔ یونہی بے کہے کہائے اور سنے سنائے کے اس خدائے موہوم کی
فرمانبرداری کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا۔ گویا آپ ہی پکایا اور آپ ہی کھایا۔ لیکن خدا ایسا کمزور اور ضعیف تھا کہ اس سے
اتنا نہ ہو سکا کہ اپنے وجود کی آپ خبر دیتا اور اپنے وعدوں کے بارے میں آپ تسلی بخشتا۔ بلکہ وہ چھپا ہوا تھا۔ انہوں نے
ظاہر کیا۔ وہ گمنام تھا۔ انہوں نے شہرت دی۔ وہ چپ تھا۔ انہوں نے اس کا کام آپ کیا۔ گویا وہ تھوڑی ہی مدت سے اپنی
خدائی میں مشہور ہوا ہے اور وہ بھی ان کی کوششوں سے۔ ہر یک عاقل جانتا ہے کہ یہ قول بت پرستوں سے بھی بڑھ کر ہے
۱۶۰ کیونکہ بت پرست لوگ اپنے دیوتاؤں کو صرف اپنی نسبت محسن اور منعم قرار دیتے ہیں۔ لیکن منکرین الہام نے تو حد کر دی
کہ ان کے زعم میں ان کی دیوی کا (کہ عقل ہے) نہ فقط لوگوں پر بلکہ خدا پر بھی احسان ہے کہ جس کے ذریعہ سے (بقول
ان کے) خدا نے شہرت پائی۔ اس صورت میں نہایت روشن ہے کہ الہام کے انکاری ہونے سے صرف ان میں یہی فساد
نہیں کہ خدا کے وجود پر مشتبہ اور مظنون طور پر ایمان لاتے ہیں اور طرح طرح کی غلطیوں میں مبتلا ہیں۔ بلکہ یہ فساد بھی ہے
کہ توحید کامل سے بھی محروم اور بے نصیب ہیں اور شرک سے آلودہ ہیں۔ کیونکہ شرک اور کیا ہوتا ہے۔ یہی تو شرک ہے کہ خدا
کے احسانات اور انعامات کو دوسرے کی طرف سے سمجھا جاوے۔ اس جگہ شاید برہمو سماج والے یہ جواب دیں کہ ہم اپنی
عقل کو خدا ہی کی طرف سے سمجھتے ہیں اور اس کے فضل و احسان کے قائل ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہ جواب ان کا دھوکا ہے۔
انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ جس چیز پر اپنے نفس کو قادر سمجھتا ہے یا جس بات کو اپنی محنت سے پیدا کرتا ہے اس

کے جسم میں مشہود اور موجود پاتے ہیں جو صانع عالم کے وجود پر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ہیں۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کو اپنے ہی نفس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ دنیا میں جس قدر حقوق پیدا ہوتے ہیں صرف اسی خیال سے پیدا ہوتے ہیں کہ
ہر یک شخص جس چیز کو اپنی سعی سے حاصل کرتا ہے اس کو اپنی ملک اور اپنا مال جانتا ہے۔ صاحب خانہ اگر یہ سمجھے کہ جو کچھ
میرے پاس ہے وہ خدا کا ہے۔ اس میں میرا حق نہیں ہے۔ تو پھر چور کو کیوں پکڑے۔ اپنے مقروضوں سے قرض کا کیوں
مطالبہ کرے۔ بلاشبہ انسان کو کچھ اپنی قوتوں سے کرتا ہے۔ اس کو اپنی ہی طرف نسبت دیتا ہے۔ خدا نے بھی دنیا کے انتظام
کے لئے یہی قانون قدرت رکھا ہے اسی پر ہر یک فطرت مائل ہے۔ مزدور مزدوری کر کے اجرت پانے کا دعویٰ رکھتا ہے۔
نوکر نوکری بجالا کر اپنی تنخواہ مانگتا ہے۔ ایک کا دخل بے جا دوسرے کے حق پر اس کو مجرم ٹھہرا دیتا ہے۔ غرض یہ بات ہرگز ممکن
نہیں کہ مثلاً کوئی شخص تمام رات جاگ کر ایک ایک لمحہ کو اپنی آنکھوں سے نکال کر جنگل میں بھوکا پیاسا رہ کر شدت سردی کی
تکلیف اٹھا کر اپنے کھیت میں آبپاشی کرے اور صبح خدا کا ایسا ہی شکر بجالاوے جیسا اس حالت میں بجالاتا کہ وہ ساری
رات گھر میں آرام سے سویا رہتا۔ علی الصباح کھیت پر جا کر اسے معلوم ہوتا کہ رات بادل آیا اور خوب بارش ہو کر جس قدر
ضرورت تھی اس کے کھیت کو بھر دیا۔ پس ظاہر ہے کہ جو شخص اس بات کا قائل نہیں کہ خدا نے انسان کو عاجز و کمزور اور ناقص
اور بے علم اور مغلوب النفس دیکھ کر اور سہو و نسیان میں مبتلا پا کر اس پر آپ رحمت کر کے الہام کے ذریعہ سے سیدھا راستہ
دکھلایا ہے بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ ہم نے آپ ہی محنت اور جانفشانی سے سارا کام خداؔ کے پتہ لگانے اور اس کے پہچاننے کا ١٦١
کیا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز خدا کی شکرگزاری میں اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو یقین دلی سے اعتقاد رکھتا ہے کہ خدا نے سراسر
لطف و احسان سے میری کسی محنت اور کوشش کے بغیر مجھ کو اپنی کلام سے سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے۔ میں سویا ہوا تھا۔
خدا ہی نے مجھے جگایا۔ میں مرا ہوا تھا۔ خدا ہی نے مجھے جلایا۔ میں نالائق تھا۔ خدا ہی نے میری دستگیری کی۔ پس اس تمام
تقریر سے ثابت ہے کہ منکرین الہام کامل توحید سے بے نصیب ہیں اور ہرگز ممکن نہیں کہ ان کی روح میں سے سچے
ایمانداروں کی طرح یہ آواز نکل سکے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف:
۴۴) سب تعریفیں خدا کو ہیں۔ جس نے جنت کی طرف ہم کو آپ رہبری کی اور ہم کیا چیز تھے کہ خود بخود منزل مقصود تک پہنچ
جاتے اگر خدا رہبری نہ کرتا۔ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کی قدرشناسی خوب کی کہ جو صفتیں اس کی طرف منسوب کرنی واجب
تھیں وہ اپنی عقل کی طرف منسوب کر دیں اور جو جلال اس کا ظاہر کرنا چاہیے تھا وہ اپنے نفس کا ظاہر کیا۔ اور جو جو طاقتیں اس
کیلئے خاص تھیں ان سب کے مالک آپ بن گئے۔ ان کے حق میں خداوند کریم نے سچ فرمایا ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ
قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (الانعام:۹۱) یعنی الہام کے منکروں نے اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کا کچھ
قدرشناخت نہیں کیا۔ اور اس کی رحمت کو جو بندوں کی ہر یک حاجت کے وقت جوش مارتی ہے نہیں پہچانا۔ تب ہی انہوں
نے کہا کہ خدا نے کوئی کتاب کسی بشر پر نازل نہیں کی۔

ترا عقل تو ہر دم پائے بند کبر میدارد بروعقلے طلب کن کت زخود بینی بروں آرد
ہماں بہتر کہ ما آنِ علم حق از حق بیا موزیم کہ ایں علمے کہ ما داریم صد سہو و خطا وارد
کہ گوید بہتر از قولش گر او خاموش بنشیند کہ گیرد دستت اے ناداں گر او دست تو بگذارد
برو قدرش بہ بیں و از حجت بے اصل دم درکش کہ ایں حجت کہ می آری بلاہا برسرت آرد

۱۵۳ علاوہ ان سب دلائل کے یہ بات ہر یک دانشمندؔ پر روشن ہے کہ اگر یہ جائز ہوتا کہ جو چیزیں خدا کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

میں جداً وقطعاً کہتا ہوں کہ الہامؔ کے بغیر مجرد عقل کی پیروی میں صرف ایک نقصان نہیں بلکہ یہ وہ آفت ہے کہ کئی آفات اس
سے پیدا ہوتی ہیں جن کی تفصیل (انشاء اللہ) اپنے موقعہ پر درج ہوگی۔ خداوند کریم نے جیسا کہ یک چیز کا باہم جوڑ باندھ
دیا ہے۔ ایسا ہی الہام اور عقل کا باہم جوڑ مقرر کیا ہے۔ اس حکیم مطلق کا عام طور پر بھی قانون قدرت پایا جاتا ہے کہ جب
تک ایک چیز اپنے جوڑ سے الگ ہے تب تک اس کے جوہر چھپے رہتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات نفع کی جگہ ضرر ہوتا ہے۔ ایسا
ہی عقل کا حال ہے کہ علم دین میں اس کے نیک آثار تب مترتب ہوتے ہیں جب وہ جوڑ یعنی الہام اس کے ساتھ شامل
ہوجائے۔ ورنہ اپنےؔ جوڑ کے بغیر ڈائن ہو کر ملتی ہے، سارا گھر نگلنے کو طیار ہوجاتی ہے، سارا شہر سنسان ویران کرنا چاہتی ۱۶۲
ہے۔ پر جب جوڑ میسر آگیا تب تو چشم بددور کیا ہی پاک صورت اور پاک سیرت ہے۔ جس گھر میں رہے مالا مال کردے۔
جس کے پاس جائے اس کی سب نحوستیں اتار دے۔ تم آپ ہی سوچو کہ جوڑ کے بغیر کوئی چیز اکیلی کس کام کی؟ پھر تم کیوں یہ
ادھوری عقل اس قدر ناز سے لئے پھرتے ہو۔ کیا یہ وہی نہیں جو کئی بار دروغگوئی میں رسوائیاں اٹھا چکی؟ کیا یہ وہی نہیں جس
کے سر پر بار بار گرنے سے بڑے بڑے داغ موجود ہیں؟ مجھے بتایئے تو سہی کہ آپ کا جی کس پر بھرما گیا۔ یہ کہاں کی پری
آگئی جس کو دل دے بیٹھے؟ کیا تمہیں خبر نہیں کہ اس نے تم سے پہلے کتنوں کا لہو پیا۔ کتنوں کو گمراہی کے کنوئیں میں دھکیل
کر مارا۔ تم جیسے کئی یاروں کو کھا چکی۔ صدہا لاشیں ٹھکانے لگا چکی۔ بھلا تم نے اس اکیلی عقل کے ذریعے سے کون سی ایسی
دینی صداقتیں پیدا کی ہیں جو قرآن شریف میں پہلے سے موجود نہیں۔ زیادہ نہیں دو چار ہی دکھاؤ۔ اگر تم مجرد عقل سے ایسے
حقائق عالیہ نکالتے جن کا قرآن شریف میں کچھ ذکر نہ ہوتا تب بھی ایک بات تھی۔ اور اس صورت میں تم بڑے ناز سے اپنی
سماج میں بیٹھ کر کہہ سکتے تھے کہ ہاں ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے وہ صداقتیں نکالیں جو الہامیؔ کتابوں میں موجود نہیں۔ لیکن
افسوس کہ تمہارے رسائل میں بجز ان چند امور کے جو بطور سرقہ قرآن شریف سے لئے گئے ہیں اور جو کچھ نظر آتا ہے سراسر
متاع ردّی ہے۔ جس سے برخلاف عقلمندی کے آپ لوگوں کی بے علمی اور بے سمجھی اور غلطی ثابت ہوتی ہے۔ جس کی حقیقت
انشاء اللہ اسی کتاب میں بخوبی کھول کر لکھی جاوے گی۔ پھر اس منہ اور اس لیاقت کے ساتھ ربانی الہام سے انکار کرنا اور
آپ ہی خدا کا قائم مقام بن بیٹھنا اور حضرات مقدسین انبیاء کو اہل غرض سمجھنا یہ آپ لوگوں کی نیک طینتی ہے۔ اور اس سے
دھوکا مت کھانا کہ عقل ایک عمدہ چیز ہے۔ ہم ہر یک تحقیق عقل ہی کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ بلاشبہ عمدہ چیز ہے۔ لیکن اس
کا جوہر تب ہی ظاہر ہوتا ہے جب وہ اپنے جوڑ کے ساتھ شامل ہو۔ ورنہ وہ دھوکا دینے میں دشمنوں سے بدتر ہے۔ دورنگی
دکھلانے میں منافقوں سے بڑھ کر ہے۔ سو تمہاری بدنصیبی تم اس کے جوڑ کے نام سے بھی چڑتے ہو۔ دوستو! خوب سوچو بن
جوڑ کسی بات کی بھی گت نہیں۔ خدا نے جوڑ بھی ایک عجب چیز بنادی ہے۔ جہاں دیکھو جوڑ ہی سے کام نکلتا ہے۔ ہم تم سب
آنکھوں ہی سے دیکھتے ہیں۔ پر آفتاب کی بھی ضرورت ہے۔ کانوں ہی سے سنتے ہیں پر ہوا کی بھی حاجت ہے۔ آفتاب
چھپا تو بس اندھے بیٹھے رہو۔ کانوں کو ہوا سے ڈھانک لو تو بس سننے سے چھٹی ہوئی۔ جس عورت کے خاوندؔ سے کوئی بات ۱۶۳
ہونے نہ پائے بھلا اس کا کس بدھ حمل ٹھہرے۔ جس زراعت کو پانی چھو بھی نہیں گیا اس کو کیونکر پھل لگے۔ یہ باتیں ایسی
نہیں ہیں کہ تمہاری سمجھ سے دور ہوں۔ یہ وہی قانون قدرت ہے جس پر عمل کرنے کا تم کو دعویٰ ہے۔ سو اب اس دعویٰ پر عمل
بھی کرو۔ تا نرے دکھانے کے ہی دانت نہ رہیں۔

دست قدرت سے ظہور پذیر ہیں ان کے بنانے پر کوئی دوسرا شخص بھی قادر ہوسکتا تو کسی مصنوع کو اس

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

حاجت نورے بود ہر چشم را
ایں چنیں افتاد قانون خدا

چشم بینا بے خور تاباں کہ دید
کے چنیں چشمے خداوند آفرید

چوں تو خود قانون قدرت بشکنی
پس چرا بر دیگراں سر میزنی

آنکہ در ہر کار شد حاجت روا
چوں رواداری کہ نبود رہنما

آنکہ اسپ و گاؤ خر را آفرید
تا رہد پشت تو از بارِ شدید

چوں ترا حیراں گذارد در معاد
اے عجب تو عاقل و ایں اعتقاد

چوں دو چشمت دادہ اند اے بے خبر
پس چرا پوشی یکے وقت نظر

آنکہ زو ہر قدرتے گشتہ عیاں
قدرت گفتار چوں ماندے نہاں

آنکہ شد ہر وصف پاکش جلوہ گر
پس چرا ایں وصف ماندے مستتر

ہر کہ او غافل بود از یاد دوست
چارہ ساز غفلتش پیغام اوست

تو عجب داری ز پیغام خدائے
ایں چہ عقل و فکر تست اے خود نمائے

لطف او چوں خاکیاں را عشق داد
عاشقاں را چوں بیفگندے زیاد

عشق چوں بخشید از لطف اتم
چو نہ بخشیدی دوائے آں الم

خود چو کرد از عشق خود دلہا کباب
چوں نہ کردے از سر رحمت خطاب

دل نیار آمد بجز گفتار یار
گرچہ پیش دیدہا باشد نگار

پس چو خود دلبر بود اندر حجاب
کے تواں کردن صبوری از خطاب

لیک آں داند کہ او دلدادہ است
در طریق عاشقی افتادہ است

حسن را با عاشقاں باشد سرے
بے نظر ور کے بود خوش منظرے

عاشق آں باشد کہ اوگم از خود است
در طریق عشق خود بینی بدست

لیکن استحصال ایں کبر و خودی
نیست ممکن جز بوحی ایزدی

ہر کہ ذوق یارجانی یافت ست
آں ز وحی آسمانی یافت ست

عشق از الہام آمد در جہاں
درد از الہام شد آتش فشاں

شوق و انس و الفت و مہر و وفا
جملہ از الہام مے دارد ضیا

ہر کہ حق را یافت از الہام یافت
ہر رخے کو تافت از الہام تافت

تو نہ اہل محبت زیں سبب
از کلام یار مے داری عجب

عشق می خواہد کلام یار را
رو بپرس از عاشق ایں اسرار را

ایں مگو کز درگہش دوریم ما
ربط او با مشت خاک ما کجا

داند آں مردے کہ روشن جاں بود
کیں طلب در فطرت انساں بود

۱۵۴ خالق حقیقی کے وجود پر دلالت کامل نہ رہتی اور اَمر معرفت صانع عالم کا بالکل مشتبہ ہو جاتا۔ کیونکہ جب

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

دل نمی گیرد تسلی جز خدا　این چنیں افتاد فطرت ز ابتدا
دل ندارد صبر از قول نگار　کاشتند ایں تخم از آغاز کار
آنکہ انساں را چنیں فطرت بداد　چوں کمال فطرتش دادے بباد
کار حق کے از بشر گردد ادا　کے شود از کرمکے کار خدا
ماہمہ جہلیم و او دانائے راز　ماہمہ کوریم و او را دیدہ باز
باخدا ہم دعوئے فرزانگی　سخت جہلست و رگ دیوانگی
تافتن رو از خورِ تاباں کہ من　خود برارم روشنی از خویشتن
عالمے را کور کردست ایں خیال　سرنگوں افگند در چاہ ضلال
نازؔ برفطنت مکن گر فطنتے ست　در رہ تو ایں خرد مندی بتے ست ۱۶۴
عقل کاں باکبر میدارند خلق　ہست حمق و عقل پندارند خلق
کبر شہر عقل را ویراں کند　عاقلاں را گم رہ و ناداں کند
آنچہ افزاید غرور و معجبی　چوں رساند تا خدایت اے غوی
خود روی در شرک اندازد ترا　توبہ کن از خود روی اے خود نما
ہست مشرک از سعادت دور تر　و از فیوض سرمدی مہجور تر
از خدا باشد خدا را یافتن　نے بہ مکر وحیلہ وتدبیر و فن
تانیائی پیش حق چوں طفل خورد　ہست جام تو سراسر پر ز دُرد
شرط فیض حق بود عجز و نیاز　کس ندیدہ آب بر جائے فراز
حق نیازی جوید آنجا ناز نیست　از پر خود تا درش پرواز نیست
عاجزاں را پرورد ذات اجل　سرکشاں محروم و مردود ازل
چوں نیائی زیر تاب آفتاب　کے فتد بر تو شعاعے در حجاب
آب شور اندر کفت ہست اے عزیز　نازہا کم کن اگر داری تمیز
آب جاں بخشی زجاناں آیدت　رو طلب میکن اگر جاں بایدت
ہست آں آب بقا بس ناپدید　کس بجز مصباح حق راہش ندید
آں خیالاتے کہ بینی از خرد　پر تو آں ہم زوحی حق رسد
لیک چشم دیدنت چوں باز نیست　زیں دل تو محرم ایں راز نیست
سرکشی از حق کہ من دانا دلم　حاجت وحیش ندارم عاقلم
لغزش تو حاجتے پیدا کند　در دمے عقل ترا رسوا کند
عقل تو گور مجصص از بروں　و اندرونش چیست؟ یک لاشے زبوں

بعض ان اشیاء کو جو خدا تعالیٰ کی طرف سے صادر ہوئی ہیں بجز خدا کے کوئی اور بھی بنا سکتا ہے تو پھر اس

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

منتہائے عقل تعلیم خداست　　ہر صداقت را ظہور از انبیاست
ہر کہ علمے یافت از تعلیم یافت　　تافت آں روئے کزوروئے نتافت
با زبانِ حال گوید روزگار　　اے قصیر العمر گیر آموزگار
طبع زاد ناقصاں ہم ناقص ست　　گر ترا گوشے بود حرفے بس ست ١٦٥
حق منزہ از خطا تو پر خطا　　داوریہا کم کن و برحق بپا
عقل تو مغلوب صد حرص و ہوا ست　　تکیہ بر مغلوب کار اشقیاست
از کس و ناکس بیا موزی فنون　　عار داری زاں حکیم بے چگون
از تکبر راہ حق بگذاشتی　　ایں چہ کردی ایں چہ تخمے کاشتی
اے ستمگر ایں ہماں مولائے ماست　　کز عطیاتش ہمہ ارض و سماست
ابر و باران و مہ و مہر آفرید　　کرد تابستان و سرما را پدید
تا بفضل او غذائے خود خوریم　　زندہ مانیم و تن خود پروریم
آنکہ برتن کرد ایں لطف اتم　　کے کند محروم جاں را از کرم
وحی فرقان ست جذب ایزدی　　تا برندت از خودی در بے خودی
ہست قرآں دافع شرک نہاں　　تا مراد راہم ازو یابی نشاں
تا رہی از کبر و خود بینی و ناز　　تا شوی ممنون فضل کارساز
دور شو از کبر تا رحم آیدش　　بندگی کن بندگی مے بایدش
زندگی در مردن عجز وبکاست　　ہر کہ افتادست او آخر بخاست
ہست جام نیستی آب حیات　　ہر کہ نوشید ست او رست از ممات
عاقل آں باشد کہ جوید یار را　　و از تذلل ہا برآرد کار را
ابلہی بہتر ازاں عقل و خرد　　کت بچاہ کبر ونخوت افگند
طالب حق باش وبیروں از خود آ　　خود روی ہا ترک کن بہر خدا
من ندانم ایں چہ ایمان ست و دیں　　دم زدن در جنب رب العالمین
توؔ کجا و آن قادر مطلق کجا　　توبہ کن ایں ابلہی ہا کم نما
یک دمے گر رشح فیضش کم شود　　ایں ہمہ خلق و جہاں برہم شود
پست ہستی لاف استعلا مزن　　و از گلیم خویش بیروں پا مزن
عابد آں باشد کہ پیشش فانی است　　عارف آں کو گویدش لا ثانی است
خویشتن را نیک اندیشیدۂ　　اے ھداك اللّٰہ چہ بد فہمیدۂ
ایں چنیں بالا ز بالا چوں پری　　یا مگر زاں ذات بیچوں منکری

۱۵۵ بات پر کیا دلیل ہے جو کل اشیاء کو کوئی اور نہیں بنا سکتا۔ اب جبکہ دلائل مستحکمہ سے ثابت ہو گیا کہ جو

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کاخ دنیا را چہ دیدستی بنا — کت خوش افتادست ایں فانی سرا
دل چرا عاقل بہ بندد اندر ایں — ناگہاں باید شدن بیروں ازیں
ازپئے دنیا بریدن از خدا — بس ہمیں باشد نشان اشقیا
چوں شود بخشائش حق بر کسے — دل نمے ماند بہ دنیائش بسے
ہوش کن کیں جائیگہ جائے فناست — باخدا میباش چوں آخر خداست
زہر قاتل گر بدست خود خوری — من چہ ساں دانم کہ تو دانشوری
آں گروہے بیں کہ از خود فانی اند — جاں فشاں برگفتۂ ربانی اند
فارغ افتادہ ز نام و عز و جاہ — دل ز کف و از فرق افتادہ کلاہ
دور تر از خود بہ یار آمیختہ — آبرو از بہر روئے ریختہ
دیدن شاں میدہد یاد از خدا — صدق ورزاں در جناب کبریا
توز استکبار سر بر آسماں — پازدہ بیروں زراہ بندگاں
تانگردد عجز در نفست عیاں — نور حقانی چساں تابد برآں
تانمیرد دانۂ اندر زمیں — کے زیک صد میشود تو خود بہ بیں
نیست شو تا بر تو فیضانے رسد — جاں بیفشاں تادگر جانے رسد
تاتو زار و عاجز و مضطرنۂ — لائق فیضان آں رہبرنۂ
چیست ایماں وحدہٗ پنداشتن — کار حق را باخدا بگذاشتن
چوں ز آموزش خرد را یافتی — پس ز تعلیمش چرا سر تافتی
اندرون خویش را روشن مداں — آنچہ می تابد بتابد ز آسماں
کورہست آں دیدہ کش ایں نور نیست — گور ہست آں سینہ کزشک دور نیست
صالحین و صادقین و اتقیا — جملہ رہ دیدند از وحیٔ خدا
آں کجا عقلے کہ از خود داندش — فہمد آں شخصے کہ او فہماندش
عقل بے وحیش بتے داری براہ — بت پرستی ہاکنی شام و پگاہ
پیش چشمت گرشدے ایں بت عیاں — از سرشک توشدے جوئے رواں
لیک از بدقسمتی چشمت نماند — بت پرستی آخرت چوں بت نشاند
عقل در اسرار حق بس نارساست — آنچہ گہ می رسد ہم از خداست
گر خرد پاکیزہ رائے آورد — آں نہ از خود ہم زجائے آورد
تو بہ عقل خویش در کبر شدید — ما فدائے آنکہ او عقل آفرید
در قیاسات تہی جانت اسیر — جان ما قربان علم آں بصیر

چیزیں خدا کی طرف سے ہیں ان کا بےنظیر ہونا اور پھر ان کی بےنظیری ان کی منجانب اللہ ہونے پر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نیک دل بانیکواں دارد سرے   برگہر تف میزند بد گوہرے
ہست بر اسرار اسرار دگر   تا کجا تازد خر فکر و نظر
ایں چراغ مردہ از زور ہوا   چوں رہ باریک بنماید ترا
وحی یزدانی ز رہ آگہ کند   تا بمنزل نور را ہمرہ کند
مافتادہ بے ہنر در جسم و جاں   حمق باشد دم زنی با آں یگاں
چیست دیں خود را فنا انگاشتن   و از سر ہستی قدم برداشتن
چوں بیفتی با دوصد درد و نفیر   کس ہمی خیزد کہ گردد دست گیر
باخبر را دل تپد بر بے خبر   رحم بر کورے کند اہل بصر
ہم چنیںؔ قانون قدرت او فتاد   مر ضعیفاں را قوی آرد بیاد ١٦٦
چوں ازیں قانون شود رحماں بروں   رحم یزداں از ہمہ باید فزوں
آنکہ او ہر بار ما برداشت است   ہیچ رحمت را فرو نگذاشت است
چوں زما غافل شود در امر دیں   شرمت آید از چنیں انکار وکیں
دل منہ در خاکدان بے وفا   یاد کن آخر وفاہائے خدا
بارہاشد برتو ثابت کایں عقول   مبتلا ہستند در سہو و ذہول
بارہا دیدی بعقل خود فساد   بارہا زیں عقل ماندی بے مراد
باز نخوت میکنی برعقل خویش   و از دلیری میروی نادیدہ پیش
نفس خود را پاک کن از ہر فضول   ترک خود کن تاکند رحمت نزول
لیک ترک نفس کے آساں بود   مردن و از خود شدن یکساں بود
ایں چنیں دل کم بود در سینۂ   کاں بود پاک از غرور و کینۂ
در حقیقت مردم معنی کم اند   گو ہمہ از روئے صورت مردم اند
ہوش کن اے در چہے افتادۂ   عقل و دیں از دست خود در دادۂ
غیر محدودی بہ محدودی مجو   کار نور محض از دودی مجو
آنچہ باید جست باعجز و نیاز   تو مجو با کبر و خود بینی و ناز
وَہ چہ خوب ست ایں اصول رہروی   یادگار مولوی در مثنوی
زیر کی ضد شکست ست و نیاز   زیرکی بگذارد باکوئی بساز
زانکہ طفل خورد را مادر نہار   دست و پا باشد نہادہ درکنار

وسوسۂ دوم: ۔ اگر یہ بھی قبول کرلیں کہ معرفت کی تکمیل کے لئے ایک ایسے الہامؔ کی ضرورت ہے جو کامل اور بےنظیر ہو تب بھی لازم ١٦٧
نہیں آتا کہ خداوند تعالیٰ نے ضرور وہ الہام نازل کیا ہے کیونکہ بہت سی چیزوں کی دنیا میں بھی انسان کو ضرورت ہے مگر خدا

دلیل قاطع ہونا ان کی صادر من اللہ ہونے کے لئے شرط ضروری ہے۔ تو اس تحقیق سے جھوٹ ان ١٥٦

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نے وہ ساری ضرورتیں اس کی پوری نہیں کیں۔ مثلاً انسان چاہتا ہے کہ اس کو موت نہ آوے۔ کبھی مفلس نہ ہو۔ کبھی بیمار نہ ہو۔ لیکن اپنی مراد کے برخلاف آخر ایک دن مرتا ہے اور افلاس اور بیماری بھی آتی ہی رہتی ہے۔

جواب۔ جس حالت میں وہ کامل اور بے نظیر الہام جس کی ہمیں ضرورت تھی موجود ہے۔ یعنی قرآن شریف جس کی کمالیت اور بے نظیری کے مقابلہ پر آج تک کسی نے دم بھی نہیں مارا۔ تو پھر موجود کو غیر موجود سمجھنا اور اس کی ضرورت کو ایک فرضی ضرورت قرار دینا ان لوگوں کا کام ہے جن کی قوت بینائی جاتی رہی ہے۔ ہاں اگر کچھ بس چل سکتا ہے تو قرآن شریف کی دلائل بے نظیری اور کمالیت کو جن کو ہم نے بھی اس کتاب میں لکھا ہے توڑ کر دکھلایئے ورنہ لاجواب رہ کر پھر بھی بولتے رہنا صفت حیا کے مفقود ہونے کی نشانی ہے۔ جس حالت میں ایسا کامل اور بے نظیر الہام آ چکا جس نے بے نظیری کا دعویٰ کرنے سے آپ ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ کوئی اس کی بے نظیری کو توڑے اور پھر بلاشبہ الہام کا منکر بنا رہے تو پھر قبل اس کے جو اس کا کوئی معقول جواب دیں الہام کی ضرورت کو فرضی ضرورت ہی کہتے رہنا کیا یہ ایمانداری ہے یا ہٹ دھرمی ہے۔ اور عالم ثانی کو دنیا پر
قیاس کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ دنیا کو خدا نے ہمیشہ کے آرام کے لئے نہیں بنایا اور نہ ہمیشہ کے دکھ کے لئے بنایا ہے بلکہ ١٦٨
اس کی رنج و راحت دونوں گذرنے والی چیزیں ہیں اور ہر یک دور اس کا ختم ہونے والا ہے۔ لیکن دار آخرت وہ عالم ہے کہ جو راحت دائمی یا عقوبت دائمی کا مقام ہے جس کے لئے ہر یک دور اندیش آدمی آپ تکلیف اٹھاتا ہے اور خاتمہ بد سے ڈر کر بمشقت تمام طاعت الٰہی بجا لاتا ہے۔ عیش و عشرت کو چھوڑتا ہے۔ شدت و صعوبت کو اختیار کرتا ہے۔ اب آپ ہی فرمایئے کہ اس عالم جاودانی کے مقابلہ پر اس مقام فانی کی نظیر پیش کرنا نظر کا گھاٹا ہے یا نہیں۔

وسوسہ سوم۔ اگر مجرد عقل کے ذریعہ سے معرفت تام و یقین تام میسر نہ ہو تب بھی کسی قدر معرفت تو حاصل ہوتی ہے وہی نجات کے لئے کافی ہے۔

جواب۔ یہ وسوسہ بالکل متعصّبانہ خیال ہے۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ کسی دغدغہ کے بغیر خاتمہ نیک ہو جانا یقین کامل پر موقوف ہے اور یقین کامل خدا کی بے نظیر کتاب کے بدون حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی غلطیوں سے بچے رہنا بجز معرفت کامل ممکن نہیں اور معرفت کامل بھی الہام کامل کے بغیر غیر ممکن۔ پھر مجرد عقل ناقص کیونکر نجات کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ طریقۂ خدا شناسی جس کو برہمو سماج والوں کی عقل عجیب نے بہ تبعیت بعض یورپ کے فلاسفروں کے پسند کیا ہے۔ ایسا خراب اور تردّد انگیز ہے کہ اس سے کوئی معرفت کا مرتبہ حاصل ہونا تو کیا امید کی جائے، خود وہ انسان کو طرح طرح کے شکوک اور شبہات میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے خداوند تعالیٰ کو ایک ایسا پتلا بے جان فرض کر لیا ہے۔ جس سے ساری عزت اور بزرگی اس کی دور ہوتی ہے۔ ان کا مقولہ ہے کہ خدا کے وجود کا پتہ لگ جانا خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک اتفاقی امر ہے کہ عقلمندوں کی کوششوں سے ظہور میں آیا۔ اور یوں بیان کرتے ہیں کہ اول اول جب بنی آدم پیدا ہوئے محض بے عقل اور وحشیوں کی طرح تھے خدا نے اپنے وجود سے کسی کو خبر نہیں دی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ لوگوں کو آپ ہی خیال آیا کہ کوئی معبود مقرر کریں۔ اول پہاڑ اور درخت دریا وغیرہ کو کہ آس پاس اور ارد گرد کی چیزیں تھیں، اپنا خدا ٹھہرایا۔ پھر کچھ ذرا اوپر چڑھے اور ہوا۔ طوفان وغیرہ کو قادر مطلق خیال کیا۔ پھر اور بھی آگے قدم بڑھا کر سورج۔ چاند۔ ستاروں کو اپنا رب سمجھ بیٹھے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ غور کامل کرنے سے حقیقی خدا کی طرف رجوع لے آئے۔ اب دیکھئے کہ اس تقریر سے خدا تعالیٰ کی

لوگوں کا صاف کھل گیا جن کی یہ رائے ہے کہ کلام الٰہی کا بےنظیر ہونا ضروری نہیں یا اس کے بےنظیر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہستی حقیقی پر کس قدر شک پڑتا ہے اور اس کے حیؔ و قیوم اور مدبر بالا رادہ ہونے کی نسبت کیا کیا بدگمانیاں عائد ہوتی ہیں کہ نعوذ باللہ یہ ماننا پڑتا ہے کہ خدا نے (جیسا کہ ایک ذات موجود عالم الغیب اور قادر مطلق کا خاصہ ہونا چاہیے) اپنے وجود کی آپ اطلاع نہیں دی۔ بلکہ یہ سارا منصوبہ انسان ہی کا ہے۔ اسی کے دل میں خود بخود بیٹھے بیٹھے یہ بات گدگدائی کہ کوئی خدا مقرر کریں۔ چنانچہ اس نے کبھی پانی کو خدا بنایا کبھی درختوں کو کبھی پتھروں کو۔ آخر آپ ہی دل میں یہ خیال جمالیا کہ یہ چیزیں خدا نہیں ہیں خدا کوئی اور ہوگا جو ہمیں نظر نہیں آتا۔ کیا یہ اعتقاد انسان کو اس وہم میں نہیں ڈالے گا کہ اگر واقعی طور پر اس خدائے مفروض کا کچھ وجود بھی ہوتا تو وہ کبھی تو ان لوگوں کی طرح جو زندہ اور موجود ہوتے ہیں اپنے وجود سے اطلاع دیتا۔ بالخصوص جب اس خیال کا پابند دیکھے گا کہ خدا تعالیٰ کو ادھورا اور ناقص یا گونگا تجویز کرنا ٹھیک نہیں بیٹھتا بلکہ جیسے اس کے لئے دیکھنا، سننا، جاننا وغیرہ صفات کاملہ ضروری ہیں ایسا ہی اس میں قدرت تکلم بھی پائی جانا ضروری معلوم ہوتی ہے تو پھر اس حیرت میں پڑے گا کہ اگر کلام کرنے کی قدرت بھی اس میں پائی جاتی ہے تو اس کا ثبوت کہاں ہے۔ اور اگر نہیں پائی جاتی تو پھر وہ کامل کیونکر ہوا۔ اور اگر کامل نہیں تو پھر خدا بننے کے لائق کیونکر ٹھہرا۔ اور اگر اس کا گونگا ہونا جائز ہے تو پھر کیا وجہ کہ بہرہ ہونا یا اندھا ہونا جائز نہیں۔ پس وہ ان شبہات سے صرف الہام پر ایمان لاکر نجات پائے گا۔ ورنہ جیسے ہزارہا فلاسفر دہریہ پن کے گڑھے میں گر کر مر گئے ایسا ہی وہ بھی گر کر مرے گا۔ اب ہر ایک منصف آپ ہی انصاف کرے کہ کیا یہ اعتقاد خدا سے انکار کرانے کی پٹری جمانے والا ہے یا نہیں۔ کیا جس شخص کی نظر میں خدا ایسا کمزور ہے کہ اگر منطقی لوگ پیدا نہ ہوتے تو وہ ہاتھ ہی سے گیا تھا اُس کے ایمان کا بھی کچھ ٹھکانہ ہے؟ نادان لوگ نہیں سمجھتے کہ خدا تو اپنی تمام صفتوں کے ساتھ بندوں کا پرورندہ ہے نہ بعض صفتوں کے ساتھ۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ بعض صفات کاملہ اس کے بندوں کے کسی کام نہ آویں۔ کیا اس سے زیادہ تر کوئی اور کفر ہوگا کہ یہ کہا جاوے کہ وہ پورا رب العالمین نہیں ہے بلکہ آدھا یا تیسرا حصہ ہے۔

وسوسۂ چہارم۔ اگر تکمیل معرفت الہامی کتاب پر ہی موقوف ہے تو اس صورت میں بہتر یہ تھا کہ تمام بنی آدم کو الہام ہوتا تا سب لوگ ۱۶۹
براہ راست مرتبہ کمال معرفت تک پہنچ جاتے اور ربانی فیض کو بلا واسطہ حاصل کر لیتے۔ کسی دوسرے کی حاجت نہ ہوتی۔ کیونکہ اگر الہام فی نفسہ ایک جائز الوقوع امر ہے تو پھر ہر یک انسان کا ملہم ہونا جائز ہے اور اگر نہیں تو پھر کسی فرد کا بھی ملہم ہونا جائز نہیں۔

جواب: صاحب الہام ہونے میں استعداد اور قابلیت شرط ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس خدائے تعالیٰ کا پیغمبر بن جائے اور ہر یک پر حقانی وحی نازل ہو جایا کرے۔ اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ ہی اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: وَاِذَا جَآءَتۡهُمۡ اٰيَةٌ قَالُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ حَتّٰى نُؤۡتٰى مِثۡلَ مَاۤ اُوۡتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: ۱۲۴) یعنی جس وقت قرآن کی حقیت ظاہر کرنے کے لئے کوئی نشانی کفار کو دکھلائی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ جب تک خود ہم پر ہی کتاب الٰہی نازل نہ ہو تب تک ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ خدا خوب جانتا ہے کہ کس جگہ اور کس محل پر رسالت کو رکھنا چاہیے۔ یعنی قابل اور ناقابل اسے معلوم ہے اور اسی پر فیضان الہام کرتا ہے کہ جو جوہر قابل ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حکیم مطلق نے افراد بشریہ کو بوجۂ مصالحۂ مختلفہ مختلف طوروں پر پیدا کیا ہے اور تمام بنی آدم کا سلسلۂ فطرت ایک ایسے خط سے مشابہ رکھا ہے جس کی ایک طرف نہایت ارتفاع پر واقعہ ہو۔ اور دوسری طرف نہایت

۱۵۷ ہونے سے اس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت نہیں ہوسکتا ۔ لیکن اس جگہ بغرض اتمامِ حجت ان کا ایک

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

انخفاض پر۔ طرف ارتفاع میں وہ نفوس صافیہ ہیں جن کی استعدادیں حسب مراتب متفاوتہ کامل درجہ پر ہیں اور طرف انخفاض میں وہ نفوس ہیں جن کو اس سلسلہ میں ایسی پست جگہ ملی ہے کہ حیوانات لایعقل کے قریب قریب پہنچ گئے ہیں اور درمیان میں وہ نفوس ہیں جو عقل وغیرہ میں درمیان کے درجہ میں ہیں ۔ اور اس کے اثبات کیلئے مشاہدہ افراد مختلفۃ الاستعداد کافی دلیل ہے ۔ کیونکہ عاقل اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ افراد بشریہ عقل کے رو سے تقویٰ اور خداترسی کے لحاظ سے محبت

۱۷۰ الٰہیہ کی وجہ سے مختلف مدارج پر پڑی ہوئی ہیں ۔ اور جس طرح قدرتی واقعات سے کوئی خوبصورت پیدا ہوتا ہے، کوئی بدصورت، کوئی سوجاکھا، کوئی اندھا، کوئی ضعیف البصر ، کوئی قوی البصر ، کوئی تام الخلقت، کوئی ناقص الخلقت ۔ اسی طرح قویٰ دماغیہ اور انوار قلبیہ کا تفاوت مراتب بھی مشہود اور محسوس ہے ۔ ہاں یہ سچ بات ہے کہ ہر یک فرد بشر بشرطیکہ نرا مخبط الحواس اور مسلوب العقل نہ ہو، عقل میں، تقویٰ میں، محبت الٰہیہ میں ترقی کرسکتا ہے ۔ مگر اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی نفس اپنے دائرہ قابلیت سے زیادہ ہرگز ترقی نہیں کرسکتا ۔ ایک شخص جو اپنے قویٰ دماغیہ میں من حیث الفطرت نہایت کمزور ہے ۔ مثلاً فرض کرو کہ ایک ایسا ادھورا آدمی ہے جس کو ہمارے ملک کے عوام الناس دولے شاہ کا چوہا کہا کرتے ہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ اگرچہ اس کی تعلیم و تربیت میں کیسی ہی کوشش و محنت کی جائے اور خواہ کیسا ہی کوئی بڑا افلاسفر اس کا اتالیق بنایا جاوے لیکن تب بھی وہ اس فطرتی حد سے جو خدا نے اس کے لئے مقرر کردی ہے زیادہ ترقی کرنے پر قادر نہیں ہوگا ۔ کیونکہ وہ بباعث تنگیٔ دائرۂ قابلیت ان مراتبہ عالیہ تک ہرگز پہنچ نہیں سکتا جن تک ایک وسیع القویٰ آدمی پہنچ سکتا ہے ۔ یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ میں باور نہیں کرسکتا کہ کوئی عاقل اس میں غور کرکے پھر اس سے منکر رہے ۔ ہاں جو شخص ربقۂ عقل سے قطعاً منخلع ہو اگر وہ منکر ہو تو کچھ تعجب نہیں ۔ ظاہر ہے کہ اگر تفاوت فی العقول نہ ہو تو فہم علوم میں کیوں اختلاف پایا جاوے ۔ کیوں بعض اذہان بعضوں پر سبقت لے جائیں ۔ حالانکہ جو لوگ تعلیم و تربیت کا پیشہ رکھتے ہیں وہ اس امر کو خوب سمجھتے ہوں گے کہ بعض طالب العلم ایسے ذکی الطبع ہوتے ہیں کہ ادنیٰ رمز اور اشارت سے مطلب کو پاجاتے ہیں ۔ بعض ایسے بیدار مغز کہ خود اپنی طبع سے عمدہ عمدہ باتیں نکالتے ہیں اور بعضوں کی طبیعتیں اصل فطرت سے کچھ ایسی غبی و بلید واقع ہوتی ہیں کہ ہزار تم ان سے مغز زنی کرو، کیسا ہی کھول کر سمجھاؤ بات کو نہیں سمجھتے اور اگر تعب شدید کے بعد کچھ سمجھے بھی تو پھر حافظہ ندارد ۔ ایسے جلد بھولتے ہیں جیسے پانی کا نقش مٹ جاتا ہے ۔ اسی طرح قویٰ اخلاقیہ اور انوار قلبیہ میں بغایت درجہ تفاوت پایا جاتا ہے ۔ ایک ہی باپ کے دو بیٹے ہوتے ہیں اور ایک ہی استاد سے تربیت پاتے ہیں پر کوئی ان میں سے سلیم الطبع اور نیک ذات نکلتا ہے اور کوئی خبیث اور شریر النفس اور کوئی بزدل اور کوئی شجاع اور کوئی غیور اور کوئی بے غیرت ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شریر النفس بھی وعظ و نصیحت سے کسی قدر صلاحیت پر آجاتا ہے کبھی بزدل بھی بوجہ کسی نفسانی طمع کے کچھ دلیری ظاہر کرتا ہے جس

۱۷۱ سے کم تجربہ آدمی اس غلطی میں پڑ جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی اصلیت کو چھوڑ دیا ہے ۔ لیکن ہم بار بار یاد دلاتے ہیں کہ کوئی نفس اپنی قابلیت کی حد سے آگے قدم نہیں رکھتا ۔ اگر کچھ ترقی کرتا ہے تو اسی دائرے کے اندر اندر کرتا ہے جو اس کی فطرتی طاقتوں کا دائرہ ہے ۔ بہت سے کم فہم لوگوں نے یہ دھوکا کھایا ہے کہ قویٰ فطرتیہ بذریعہ ریاضات مناسبہ اپنے پیدائشی اندازے سے آگے بڑھ جاتے ہیں ۔ اس سے بھی زیادہ تر مہمل اور دور از عقل عیسائیوں کا قول ہے کہ صرف مسیح کو خدا ماننے سے انسان کی فطرت منقلب ہوجاتی ہے اور گو کیسا ہی کوئی من حیث الخلقت قویٰ سبعیہ یا قویٰ شہویہ کا مغلوب ہو ۔ یا قوت

وہم جوان کے دلوں کو پکڑتا ہے دور کرنا قرین مصلحت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کو بباعث کوتہ اندیشی یہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

عقلیہ میں ضعیف ہو۔ وہ فقط حضرت عیسیٰ کو خدائے تعالیٰ کا اکلوتا بیٹا کہنے سے اپنی جبلی حالت چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ایسے خیالات انہیں لوگوں کے دل میں اٹھتے ہیں جنہوں نے علوم طبعی اور طبابت میں کبھی غور نہیں کی۔ یا جن کی آنکھیں فرط تعصب اور مخلوق پرستی سے اندھی ہوگئی ہیں۔ ورنہ طبائع مختلفہ کا مسئلہ یہاں تک ثابت ہے کہ حکماء نے جب اس بارہ میں تحقیق کی تو متواتر تجربوں سے ان پر یہ امر کھل گیا کہ بزدل یا شجاع ہونا اور طبعاً ممسک ہونا یا سخی ہونا اور ضعیف العقل یا قوی العقل ہونا اور دنی الہمت یا رفیع الہمت ہونا اور بردبار یا مغلوب الغضب ہونا اور فاسد الخیال یا صالح الخیال ہونا یہ اس قسم کے عوارض نہیں ہیں کہ سرسری اور اتفاقی ہوں۔ بلکہ صانع قدیم نے بنی آدم کی کیفیت مواد اور کمیت اخلاط اور سینہ اور دل اور کھوپڑی کی وضع خلقت میں مختلف طور پر طرح طرح کے فرق رکھے ہیں۔ انہیں فرقوں کے باعث سے افراد انسانی کی قویٰ اخلاقیہ اور عقلیہ میں فرق بین نظر آتا ہے۔ اس قدیم رائے کو ڈاکٹروں نے بھی تسلیم کر لیا ہے۔ ان کا بھی یہ قول ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کی کھوپڑیوں کو جب غور سے دیکھا گیا تو ان کی وضع ترکیب ایسی پائی گئی جو اسی فرقہ فاسد الخیال سے مخصوص ہے۔ بعض یونانیوں نے اس سے بھی کچھ بڑھ کر لکھا ہے۔ بعض گردن اور آنکھ اور پیشانی اور ناک اور دوسرے کئی اعضاء سے بھی اندرونی حالات کا استنباط کرتے ہیں۔ بہرحال یہ ثابت ہو چکا ہے اور اس کے ماننے سے کچھ چارہ نہیں کہ بنی آدم کا خلقی اور عقلی استعدادوں میں فطرتی تفاوت واقع ہے اور ہر یک نفس کسی قدر صلاحیت کی طرف تو قدم رکھتا ہے مگر اپنی قابلیت کے دائرہ سے زیادہ نہیں۔ شاید کسی دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ خدا نے اعتقاد توحید کو سب انسانوں میں فطرتی بیان کیا ہے اور فرمایا ہے: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (الروم: ۳۰) یعنی توحید پر قائم ہونا انسان کی فطرت میں داخل ہے جس پر انسانی پیدائش کی بنیاد ہے۔ اور نیز فرمایا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى (الاعراف: ۱۷۲) یعنی ہر یک روح نے ربوبیتِ الٰہیہ کا اقرار کیا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ یہ بھی فطرتی اقرار کی طرف اشارہ ہے اور نیز فرمایا: وَمَا ۱۷۲
خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات: ۵۶) یعنی میں نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری پرستش کریں۔ یہ بھی اسی کی طرف اشارہ ہے کہ پرستش الٰہی ایک فطرتی امر ہے۔ پس جب توحید الٰہی اور پرستش الٰہی سب بنی آدم کے لئے فطرتی امر ہوا اور کوئی آدمی سرکشی اور بے ایمانی کے لئے پیدا نہ کیا گیا تو پھر جو امور برخلاف خدادانی وخداترسی ہیں کیونکر فطرتی امر ہو سکتے ہیں۔ یہ شبہ صرف ایک صداقت کی غلط فہمی ہے کیونکہ وہ امر جو آیات مندرجۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے وہ تو صرف اسی قدر ہے کہ انسان کی فطرت میں رجوع الی اللہ اور اقرار وحدانیت کا تخم بویا گیا۔ یہ کہاں آیات موصوفہ میں لکھا ہے کہ وہ تخم ہر یک فطرت میں مساوی ہے بلکہ جابجا قرآن شریف میں اسی بات کی تصریح ہے کہ وہ تخم بنی آدم میں متفاوت المراتب ہے۔ کسی میں نہایت کم، کسی میں متوسط، کسی میں نہایت زیادہ۔ جیسا ایک جگہ فرمایا ہے: فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر: ۳۲) یعنی بنی آدم کی فطرتیں مختلف ہیں۔ بعض لوگ ظالم ہیں جن کے نور فطرتی کو قویٰ بہیمیہ یا غضبیہ نے دبایا ہوا ہے۔ بعض درمیانی حالت میں ہیں۔ بعض نیکی اور رجوع الی اللہ میں سبقت لے گئے ہیں۔ اسی طرح بعض کی نسبت فرمایا: وَاجْتَبَيْنٰهُمْ (الانعام: ۸۷) اور ہم نے ان کو چن لیا یعنی وہ باعتبار اپنی فطرتی قوتوں کے دوسروں میں سے چیدہ اور برگزیدہ تھے۔ اس لئے قابل رسالت ونبوت ٹھہرے۔ اور بعض کی نسبت فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ (الاعراف: ۱۷۹) یعنی ایسے ہیں جیسے چارپائے اور نور فطرتی ان کا اس قدر کم ہے کہ ان میں

خیال فاسد دل میں متمکن ہے کہ بہت سی کلام انسان کی دنیا میں ایسی موجود ہیں جن کی مثل آج تک ۱۵۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اورمویشی میں کچھ تھوڑا ہی فرق ہے۔ پس دیکھنا چاہیے کہ اگرچہ خدائے تعالیٰ نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ تخم توحید ہر یک نفس میں موجود ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی کئی مقامات میں کھول کر بتلا دیا ہے کہ وہ تخم سب میں مساوی نہیں۔ بلکہ بعض کی فطرتوں پر جذبات نفسانی ان کے ایسے غالب آ گئے ہیں کہ وہ نور کالمفقود ہو گیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ قویٰ بہیمیہ یا غضبیہ کا فطرتی ہونا واحدانیت الٰہی کے فطرتی ہونے کو منافی نہیں ہے خواہ کوئی کیسا ہی ہوا پرست اور نفس امارہ کا مغلوب ہو پھر بھی کسی نہ کسی قدر نور فطرتی اس میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً جو شخص بوجہ غلبہ قوائے شہویہ یا غضبیہ چوری کرتا ہے یا خون کرتا ہے یا
حرامکاری میں مبتلا ہوتا ہے تو اگرچہ یہ فعل اس کی فطرت کا مقتضا ہے لیکن بمقابلہ اس کے نورِ صلاحیت جو اس کی فطرت میں ۱۷۳
رکھا گیا ہے وہ اس کو اسی وقت جب اس سے کوئی حرکت بے جا صادر ہو جائے ملزم کرتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشّمس:۸) یعنی ہر یک انسان کو ایک قسم کا خدا نے الہام عطا کر رکھا ہے جس کو نور قلب کہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ نیک اور بد کام میں فرق کر لینا۔ جیسے کوئی چور یا خونی چوری یا خون کرتا ہے تو خدا اس کے دل میں اسی وقت ڈال دیتا ہے کہ تو نے یہ کام برا کیا اچھا نہیں کیا۔ لیکن وہ ایسے القاء کی کچھ پرواہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کا نور قلب نہایت ضعیف ہوتا ہے اور عقل بھی ضعیف اور قوت بہیمیہ غالب اور نفس طالب۔ سو اس طور کی طبیعتیں بھی دنیا میں پائی جاتی ہیں جن کا وجود روزمرہ کے مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کے نفس کا شورش اور اشتعال جو فطرتی ہے کم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو خدا نے لگا دیا اس کو کون دور کرے۔ ہاں خدا نے ان کا ایک علاج بھی رکھا ہے۔ وہ کیا ہے؟ **توبہ واستغفار اور ندامت** یعنی جب کہ برا فعل جو ان کے نفس کا تقاضا ہے ان سے صادر ہو یا حسب خاصہ فطرتی کوئی برا خیال دل میں آوے تو اگر وہ توبہ اور استغفار سے اس کا تدارک چاہیں تو خدا اس گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ جب وہ بار بار ٹھوکر کھانے سے بار بار نادم اور تائب ہوں تو وہ ندامت اور توبہ اس آلودگی کو دھو ڈالتی ہے۔ یہی حقیقی کفارہ ہے جو اس فطرتی گناہ کا علاج ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (النساء:۱۱۰) یعنی جس سے کوئی بدعملی ہو جائے یا اپنے نفس پر کسی نوع کا ظلم کرے اور پھر پشیمان ہو کر خدا سے معافی چاہے تو وہ خدا کو غفور و رحیم پائے گا۔ اس لطیف اور پُر حکمت عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جیسے لغزش اور گناہ نفوس ناقصہ کا خاصہ ہے جو ان سے سرزد ہوتا ہے اس کے مقابلہ پر خدا کا ازلی اور ابدی خاصہ مغفرت و رحم ہے اور اپنی ذات میں وہ غفور و رحیم ہے یعنی اس کی مغفرت سرسری اور اتفاقی نہیں بلکہ وہ اس کی ذات قدیم کی صفت قدیم ہے جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور جو ہر قابل پر اس کا فیضان چاہتا ہے۔ یعنی جب کبھی کوئی بشر بروقت صدور لغزش و گناہ بہ ندامت و توبہ خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ خدا کے نزدیک اس قابل ہو جاتا ہے کہ رحمت اور مغفرت کے ساتھ خدا اس کی طرف رجوع کرے۔ اور یہ رجوع الٰہی بندۂ نادم اور تائب کی طرف ایک یا دو مرتبہ میں محدود نہیں بلکہ یہ خدائے تعالیٰ کی ذات میں خاصہ دائمی ہے اور
جب تک کوئی گنہگار توبہ کی حالت میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے وہ خاصہ اس کا ضرور اس پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ پس خدا کا ۱۷۴
قانون قدرت یہ نہیں کہ کہ جو ٹھوکر کھانے والی طبیعتیں ہیں وہ ٹھوکر نہ کھاویں یا جو لوگ قویٰ بہیمیہ یا غضبیہ کے مغلوب ہیں ان کی فطرت بدل جاوے بلکہ اس کا قانون جو قدیم سے بندھا چلا آتا ہے یہی ہے کہ ناقص لوگ جو بمقتضائے اپنے ذاتی نقصان کے گناہ کریں وہ توبہ اور استغفار کر کے بخشے جائیں۔ لیکن جو شخص بعض قوتوں میں فطرتاً

دوسرا کلام نہیں ہوا مگر وہ خدا کی کلام تسلیم نہیں ہو سکتی ۔ سو واضح ہو کہ یہ وہم قلت تفکر اور تدبر سے ناشی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ضعیف ہے وہ قوی نہیں ہوسکتا۔ اس میں تبدیل پیدائش لازم آتی ہے اور وہ بداہتاً محال ہے اور خود مشہود و محسوس ہے کہ مثلاً جس کی فطرت میں سریع الغضب ہونے کی خصلت پائی جاتی ہے وہ بطی الغضب ہرگز نہیں بن سکتا بلکہ ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ ایسا آدمی غضب کے موقعہ پر آثار غضب بلا اختیار ظاہر کرتا ہے اور ضبط سے باہر آجاتا ہے یا کوئی ناگفتنی بات زبان پر لے آتا ہے۔ اور اگر کسی لحاظ سے کچھ صبر بھی کرے تو دل میں ضرور پیچ و تاب کھاتا ہے۔ پس یہ احمقانہ خیال ہے کہ کوئی منتر جنتر یا کوئی خاص مذہب اختیار کرنا اس کی طبیعت کو بدلا دے گا۔ اسی جہت سے اس نبی معصوم ﷺ نے جس کی لبوں پر حکمت جاری تھی فرمایا: خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ (بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا. حدیث: ۳۳۵۳) یعنی جو لوگ جاہلیت میں نیک ذات ہیں وہی اسلام میں بھی داخل ہو کر نیک ذات ہوتے ہیں۔ غرض طبائع انسانی جواہر کانی کی طرح مختلف الاقسام ہیں۔ بعض طبیعتیں چاندی کی طرح روشن اور صاف۔ بعض گندھک کی طرح بدبودار اور جلد بھڑکنے والی۔ بعض زیبق کی طرح بے ثبات اور بے قرار۔ بعض لوہے کی طرح سخت اور کثیف۔ اور جیسا یہ اختلاف طبائع بدیہی الثبوت ہے ایسا ہی انتظام ربانی کے بھی موافق ہے۔ کچھ بے قاعدہ بات نہیں۔ کوئی ایسا امر نہیں کہ قانون نظام عالم کے برخلاف ہو بلکہ آسائش و آبادی عالم اسی پر موقوف ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تمام طبیعتیں ایک ہی مرتبہ استعداد پر ہوتیں تو پھر مختلف طور کے کام (جو مختلف طور کی استعدادوں پر موقوف تھے) جن پر دنیا کی آبادی کا مدار تھا حیز التوا میں رہ جاتے۔ کیونکہ کثیف کاموں کے لئے وہ طبیعتیں مناسب حال ہیں جو کثیف ہیں اور لطیف کاموں کے لئے وہ طبیعتیں مناسب رکھتی ہیں جو لطیف ہیں۔ یونانی حکیموں نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے کہ جیسے بعض انسان حیوانات کے قریب قریب ہوتے ہیں۔ اسی طرح عقل تقاضا کرتی ہے کہ بعض انسان ایسے بھی ہوں جن کا جوہر نفس کمال صفوت اور لطافت پر واقع ہوتا۔ جس طرح طبائع انسان کا سلسلہ نیچے کی طرف اس قدر متنزل نظر آتا ہے کہ حیوانات سے جا کر اتصال پکڑ لیا ہے اسی طرح اوپر کی طرف بھی ایسا متصاعد ہو کہ عالم اعلیٰ سے اتصال پکڑ لے۔ اب ۱۷۵
جبکہ ثابت ہو گیا کہ افراد بشریہ عقل میں، قویٰ اخلاقیہ میں، نور قلب میں متفاوت المراتب ہیں تو اسی سے وحی ربانی کا بعض افراد بشریہ سے خاص افراد بشریہ سے خاص ہونا یعنی ان سے جو من کل الوجوہ کامل ہیں بہ پایہ ثبوت پہنچ گیا۔ کیونکہ یہ بات تو خود ہر یک عاقل پر روشن ہے کہ ہر یک نفس اپنی استعداد و قابلیت کے موافق انوار الٰہیہ کو قبول کرتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس کے سمجھنے کے لئے آفتاب نہایت روشن مثال ہے۔ کیونکہ ہر چند آفتاب اپنی کرنیں چاروں طرف چھوڑ رہا ہے۔ لیکن اس کی روشنی قبول کرنے میں ہر یک مکان برابر نہیں۔ جس مکان کے دروازے بند ہیں اس میں کچھ روشنی نہیں پڑ سکتی اور جس میں بمقابل آفتاب ایک چھوٹا سا روزنہ ہے اس میں روشنی تو پڑتی ہے مگر تھوڑی جو بکلی ظلمت کو نہیں اٹھا سکتی۔ لیکن وہ مکان جس کے دروازے بمقابل آفتاب سب کے سب کھلے ہیں اور دیواریں بھی کسی کثیف شے سے نہیں بلکہ مصفّٰی اور روشن شیشہ سے ہیں۔ اس میں صرف یہی خوبی نہیں ہوگی کہ کامل طور پر روشنی قبول کرے گا۔ بلکہ اپنی روشنی چاروں طرف پھیلا وے گا اور دوسروں تک پہنچا وے گا۔ یہی مثال موخر الذکر نفوس صافیہ انبیاء کے مطابق حال ہے۔ یعنی جن نفوس مقدسہ کو خدا اپنی رسالت کے لئے چن لیتا ہے وہ بھی رفع حجب اور مکمل صفوت میں اس شیش محل کی طرح ہوتے ہیں جس میں نہ کوئی کثافت ہے اور نہ کوئی حجاب باقی ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جن افراد بشریہ میں وہ کمال تام موجود نہیں۔ ایسے لوگ کسی

ہوا ہے۔ ورنہ صاف ظاہر ہے کہ گو کسی بشر کا کلام کیسا ہی صاف اور رَشتہ ہو مگر اس کی نسبت یہ کہنا جائز ١٥٩

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

حالت میں مرتبہ رسالت الٰہی نہیں پا سکتے۔ بلکہ یہ مرتبہ قسام ازل سے انہیں کو ملا ہوا ہے جن کے نفوس مقدسہ حجب ظلمانی سے بکلی پاک ہیں۔ جن کو اغشیہ جسمانی سے بغایت درجہ آزادگی ہے۔ جن کا تقدس وتنزہ اس درجہ پر ہے جس کے آگے خیال کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ وہی نفوس تامہ کاملہ وسیلہ ہدایت جمیع مخلوقات ہیں اور جیسے حیات کا فیضان تمام اعضاء کو قلب کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ ایسا ہی حکیم مطلق نے ہدایت کا فیضان انہیں کے ذریعہ سے مقرر کیا ہے۔ کیونکہ وہ کامل مناسبت جو مفیض اور مستفیض میں چاہیے وہ صرف انہیں کو عنایت کی گئی ہے۔ اور یہ ہرگز ممکن نہیں کہ خداوند تعالیٰ جو نہایت تجرد وتنزہ میں ہے ایسے لوگوں پر افاضہ انوار وحی مقدس اپنے کا کرے جن کی فطرت کے دائرہ کا اکثر حصہ ظلمانی اور دود آمیز ہے اور نیز
١٧٦ نہایت تنگ اور منقبض اور جن کی طبائع حسیسہ کدورات سفلیہ میں منغمس اور آلودہ ہیں۔ اگر ہم اپنے تئیں آپ ہی دھوکا نہ دیں تو بے شک ہمیں اقرار کرنا پڑے گا کہ مبدء قدیم سے اتصال تام پانے کیلئے اور اس قدوس اعظم کا ہمکلام بننے کے لئے ایک ایسی خاص قابلیت اور نورانیت شرط ہے کہ جو اس مرتبہ عظیم کی قدر اور شان کے لائق ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ ہر یک شخص جو عین نقصان اور فرومائیگی اور آلودگی کی حالت میں ہے اور صدہا حجب ظلمانیہ میں محجوب ہے وہ باوصف اپنی پست فطرتی اور دون ہمتی کے اس مرتبہ کو پا سکتا ہے۔ اس بات سے کوئی دھوکا نہ کھاوے کہ منجملہ اہل کتاب عیسائیوں کا یہ خیال ہے کہ انبیاء کے لئے جو وحی اللہ کے منزل علیہ ہیں تقدس اور تنزہ اور عصمت اور کمال محبت الٰہیہ حاصل نہیں۔ کیونکہ عیسائی لوگ اصول حقہ کو کھو بیٹھے ہیں اور ساری صداقتیں صرف اس خیال پر قربان کر دی ہیں کہ کسی طرح حضرت مسیح خدا بن جائیں اور کفارہ کا مسئلہ جم جائے۔ سو چونکہ نبیوں کا معصوم اور مقدس ہونا ان کی اس عمارت کو گراتا ہے جو وہ بنا رہے ہیں اس لئے ایک جھوٹ کی خاطر سے دوسرا جھوٹ بھی بھی انہیں گھڑنا پڑا اور ایک آنکھ کے مفقود ہونے سے دوسری بھی پھوڑنی پڑی۔ پس ناچار انہوں نے باطل سے پیار کر کے حق کو چھوڑ دیا۔ نبیوں کی اہانت روا رکھی، پاکوں کو ناپاک بنایا۔ اور ان دلوں کو جو مہبط وحی تھے کثیف اور مکدر قرار دیا تا کہ ان کے مصنوعی خدا کی کچھ عظمت نہ گھٹ جائے یا منصوبہ کفارہ میں کچھ فرق نہ آ جائے۔ اسی خودغرضی کے جوش سے انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ اس سے فقط نبیوں کی توہین نہیں ہوتی بلکہ خدا کی قدوسی پر بھی حرف آتا ہے۔ کیونکہ جس نے نعوذ باللہ ناپاکوں سے ربط ارتباط اور میل ملاپ رکھا وہ آپ بھی کاہے کا پاک ہوا۔ خلاصہ کلام یہ کہ عیسائیوں کا قول بوجہ شدت باطل پرستی حق سے تجاوز کر گیا ہے اور اب وہ خواہ نخواہ اسی عقیدہ باطلہ کو سرسبز کرنا چاہتے ہیں جس پر ان کے مخلوق پرست بزرگوں نے قدم مارا ہے گو اس سے تمام صداقتیں منقلب ہو جائیں یا کیسا ہی حق اور راستی کے برخلاف چلنا پڑے۔ مگر طالب حق کو سمجھنا چاہیے کہ اس قسم کے باطل پرستوں کے اقوال سے حقیقی سچائی کا کچھ بھی نقصان نہیں اور ان کے بیہودہ بکنے سے جو صداقت اپنی ذات میں بین الثبوت ہے وہ بدل نہیں سکتی۔ بلکہ وہی لوگ جھوٹ بول کر اور سچائی کا راستہ چھوڑ کر آپ رسوا ہوتے ہیں اور دانشمندوں کی نظر سے گر جاتے ہیں۔ وحی اللہ کے پانے کے لئے تقدس کامل شرط ہونا کچھ ایسا امر نہیں ہے جس کے ثبوت کے دلائل کمزور ہوں یا جس کا سمجھنا سلیم العقل آدمی پر
١٧٧ کچھ مشکل ہو۔ بلکہ یہ وہ مسئلہ ہے جس کی شہادت تمام زمین آسمان میں پائی جاتی ہے جس کی تصدیق عالم کا ذرہ ذرہ کرتا ہے، جس پر نظام تمام دنیا قائم ہے۔ قرآن شریف میں اس مسئلہ کو ایک عمدہ مثال میں بیان کیا ہے جو ذیل میں معہ ایک لطیف تحقیقات جو اس کی تفسیر سے متعلق اور بحث ہذا کی تکمیل کے لئے ضروری ہے لکھی جاتی ہے اور وہ یہ ہے: اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ

نہیں ہوسکتا کہ فی الواقعہ تالیف اس کی انسانی طاقتوں سے باہر ہے اور مولف نے ایک خدائی کا کام کیا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (النور:۳۵) خدا آسمان وزمین کا نور ہے۔ یعنی ہر ایک نور جو بلندی اور پستی میں نظر آتا ہے۔ خواہ وہ ارواح میں ہے۔ خواہ اجسام میں اور خواہ ذاتی ہے اور خواہ عرضی اور خواہ ظاہری ہے اور خواہ باطنی اور خواہ ذہنی ہے خواہ خارجی۔ اسی کے فیض کا عطیہ ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت رب العالمین کا فیض عام ہر چیز پر محیط ہو رہا ہے اور کوئی اس کے فیض سے خالی نہیں۔ وہی تمام فیوض کا مبدء ہے اور تمام انوار کا علت العلل اور تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی کی ہستی حقیقی تمام عالم کی قیوم اور تمام زیروزبر کی پناہ ہے۔ وہی ہے جس نے ہر یک چیز کو ظلمت خانہ عدم سے باہر نکالا اور خلعت وجود بخشا۔ بجز اس کے کوئی ایسا وجود نہیں ہے کہ جو فی حد ذاتہ واجب اور قدیم ہو۔ یا اس سے مستفیض نہ ہو بلکہ خاک اور افلاک اور انسان اور حیوان اور حجر اور شجر اور روح اور جسم سب اسی کے فیضان سے وجود پذیر ہیں۔ یہ تو عام فیضان ہے جس کا بیان آیت اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ میں ظاہر فرمایا گیا۔ یہی فیضان ہے جس نے دائرہ کی طرح ہر یک چیز پر احاطہ کر رکھا ہے جس کے فائض ہونے کے لئے کوئی قابلیت شرط نہیں۔ لیکن بمقابلہ اس کے ایک خاص فیضان بھی ہے جو مشروط بشرائط ہے اور انہیں افراد خاصہ پر فائض ہوتا ہے جن میں اس کے قبول کرنے کی قابلیت واستعداد موجود ہے۔ یعنی نفوس کاملہ انبیاء علیہم السلام پر جن میں سے افضل واعلیٰ ذات جامع البرکات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے دوسروں پر ہرگز نہیں ہوتا۔ اور چونکہ وہ فیضان ایک نہایت باریک صداقت ہے اور دقائق حکیمہ میں سے ایک دقیق مسئلہ ہے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے اول فیضان عام کو (جو بدیہی الظہور ہے) بیان
کر کے پھر اس فیضان خاص کو بغرض اظہار کیفیت نور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثال میں بیان فرمایا ہے کہ ۱۷۸
جو اس آیت سے شروع ہوتی ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ۔ الخ۔ اور بطور مثال اس لئے بیان کیا کہ تا اس دقیقہ نازک کے سمجھنے میں ابہام اور دقت باقی نہ رہے۔ کیونکہ معانی معقولہ کو صور محسوسہ میں بیان کرنے سے ہر یک غبی وبلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ بقیہ ترجمہ آیات ممدوحہ یہ ہے۔ اس نور کی مثال (فرد کامل میں جو پیغمبر) یہ ہے **جیسے ایک طاق** (یعنی سینہ مشروح حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم) **اور طاق میں ایک چراغ** (یعنی وحی اللہ) **اور چراغ ایک شیشہ قندیل میں جو نہایت مصفّٰی ہے**۔ (یعنی نہایت پاک اور مقدس دل میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہے جو کہ اپنی اصل فطرت میں شیشہ سفید اور صافی کی طرف ہر یک طور کی کثافت اور کدورت سے منزہ اور مطہر ہے۔ اور تعلقات ماسوی اللہ سے بکلی پاک ہے) **اور شیشہ ایسا صاف کہ گویا ان ستاروں میں سے ایک عظیم النور ستارہ ہے جو کہ آسمان پر بڑی آب وتاب کے ساتھ چمکتے ہوئے نکلتے ہیں جن کو کوکب دری کہتے ہیں** (یعنی حضرت خاتم الانبیاء کا دل ایسا صاف کہ کوکب دری کی طرح نہایت منور اور درخشندہ جس کی اندرونی روشنی اس کے بیرونی قالب پر پانی کی طرح بہتی ہوئی نظر آتی ہے) وہ چراغ زیتون کے شجرۂ مبارکہ سے (یعنی زیتون کے روغن سے) روشن کیا گیا ہے (شجرہ مبارکہ زیتون سے مراد وجود مبارک محمدی ہے کہ جو بوجہ نہایت جامعیت وکمال انواع واقسام کی برکتوں کا مجموعہ ہے جس کا فیض کسی جہت ومکان وزمان سے مخصوص نہیں۔ بلکہ تمام لوگوں کے لئے عام علی سبیل الدوام ہے اور ہمیشہ جاری ہے کبھی

١٦٠ ہے۔ بلکہ جس کو ذرا بھی عقل ہے وہ خوب جانتا ہے کہ جس چیز کو قوائے بشریہ نے بنایا ہے اس کا بنانا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

منقطع نہیں ہوگا) اور شجرۂ مبارکہ نہ شرقی ہے نہ غربی (یعنی طینت پاک محمدی میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بلکہ نہایت توسط واعتدال پر واقع ہے اور احسن تقویم پر مخلوق ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس شجرہ مبارکہ کے روغن سے چراغ وحی روشن کیا گیا ہے۔ سو روغن سے مراد عقل لطیف نورانی محمدی معہ جمیع اخلاق فاضلہ فطرتیہ ہے جو اس عقل کامل کے چشمۂ صافی سے پروردہ ہیں۔ اور وحی کا چراغ لطائف محمدیہ سے روشن ہونا ان معنوں کر کے ہے کہ ان لطائف قابلہ پر وحی کا فیضان ہوا اور ظہور وحی کا موجب وہی ٹھہرے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ فیضان وحی ان لطائف محمدیہ کے مطابق ہوا۔ اور انہیں اعتدالات کے مناسب حال ظہور میں آیا کہ جو طینت محمدیہ میں موجود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر یک وحی نبی منزل علیہ کی فطرت کے ١٧٩
موافق نازل ہوتی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں جلال اور غضب تھا۔ توریت بھی موسوی فطرت کے موافق ایک جلالی شریعت نازل ہوئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مزاج میں حلم اور نرمی تھی۔ سو انجیل کی تعلیم بھی حلم اور نرمی پر مشتمل ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج بغایت درجہ وضع استقامت پر واقعہ تھا، نہ ہر جگہ حلم پسند تھا اور نہ ہر مقام غضب مرغوب خاطر تھا۔ بلکہ حکیمانہ طور پر رعایت محل اور موقعہ کی ملحوظ طبیعت مبارک تھی۔ سو قرآن شریف بھی اسی طرز موزون ومعتدل پر نازل ہوا کہ جامع شدت ورحمت وہیبت وشفقت ونرمی ودرشتی ہے۔ سو اس جگہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا کہ چراغ وحی فرقان اس شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہے کہ نہ شرقی ہے اور نہ غربی۔ یعنی طینت معتدلہ محمدیہ کے موافق نازل ہوا ہے جس میں نہ مزاج موسوی کی طرح درشتی ہے۔ نہ مزاج عیسوی کی مانند نرمی۔ بلکہ درشتی اور نرمی اور قہر اور لطف کا جامع ہے۔ اور مظہر کمال اعتدال اور جامع بین الجلال والجمال ہے اور اخلاق معتدلہ فاضلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو بمعیت عقل لطیف روغن ظہور روشنی وحی قرار پائی۔ ان کی نسبت ایک دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) یعنی تو اے نبی ایک خلق عظیم پر مخلوق ومفطور ہے یعنی اپنی ذات میں تمام مکارم اخلاق کا ایسا متمم ومکمل ہے کہ اس پر زیادت متصور نہیں کیونکہ لفظ عظیم محاورۂ عرب میں اس چیز کی صفت میں بولا جاتا ہے جس کو اپنا نوعی کمال پورا پورا حاصل ہو۔ مثلاً جب کہیں کہ یہ درخت عظیم ہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جس قدر طول وعرض درخت میں ہو سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ عظیم وہ چیز ہے جس کی عظمت اس حد تک پہنچ جائے کہ حیطۂ ادراک سے باہر ہو۔ اور خلق کے لفظ سے قرآن شریف اور ایسا ہی دوسری کتب حکمیہ میں صرف تازہ روی اور حسن اختلاط یا نرمی وتلطف وملائمت (جیسا عوام الناس خیال کرتے ہیں) مراد نہیں ہے بلکہ خلق بفتح خا اور خلق بضم خا دو لفظ ہیں جو ایک دوسرے کے مقابل واقعہ ہیں۔ خلق بفتح خا سے مراد وہ صورت ظاہری ہے جو انسان کو حضرت واہب الصور کی طرف سے عطا ہوئی۔ جس صورت کے ساتھ وہ دوسرے حیوانات کی صورتوں سے ممیز ہے۔ اور خلق بضم خا سے مراد وہ صورت باطنی یعنی خواص اندرونی ہیں جن کی رو سے حقیقت انسانیہ حقیقت حیوانیہ سے امتیاز
١٨٠ کلی رکھتی ہے۔ پس جس قدر انسان میں من حیث الانسانیت اندرونی خواص پائے جاتے ہیں اور شجرہ انسانیت کو نچوڑ کر نکل سکتے ہیں جو کہ انسان اور حیوان میں من حیث الباطن مابہ الامتیاز ہیں۔ ان سب کا نام خلق ہے۔ اور چونکہ شجرۂ فطرت انسانی اصل میں توسط اور اعتدال پر واقعہ ہے۔ اور ہر یک افراط وتفریط سے جو قویٰ حیوانیہ میں پایا جاتا ہے منزہ ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین: ۵) اس لئے خلق کے لفظ سے جو کسی

بشری طاقت سے باہر نہیں ورنہ کوئی بشر اس کے بنانے پر قادر نہ ہوسکتا۔ جب تم نے ایک کلام کو بشر کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

مذمت کی قید کے بغیر بولا جائے ہمیشہ اخلاق فاضلہ مراد ہوتے ہیں۔ اور وہ اخلاق فاضلہ جو حقیقت وہی ہیں جو نفس ناطقہ انسان میں پائے جاتے ہیں جیسے عقلؔ ذکا۔ سرعتؔ فہم۔ صفائیؔ ذہن۔ حسنؔ تحفظ۔ حسن تذکر۔ عفتؔ۔ حیاؔ۔ صبرؔ۔ قناعتؔ۔ زہدؔ۔ تورعؔ۔ جوانمردیؔ۔ استقلالؔ۔ عدلؔ۔ امانتؔ۔ صدقؔ لہجہ۔ سخاوتؔ فی محلہ۔ ایثارؔ فی محلہ۔ کرمؔ فی محلہ۔ مروتؔ فی محلہ۔ شجاعتؔ فی محلہ۔ علو ہمتؔ فی محلہ۔ حلمؔ فی محلہ۔ تحملؔ فی محلہ۔ حمیتؔ فی محلہ۔ تواضعؔ فی محلہ۔ ادبؔ فی محلہ۔ شفقتؔ فی محلہ۔ رافتؔ فی محلہ۔ رحمتؔ فی محلہ۔ خوفؔ الٰہی۔ محبتؔ الٰہیہ۔ انسؔ باللہ۔ انقطاعؔ الی اللہ وغیرہ وغیرہ) اور تیل ایسا صاف اور لطیف کہ بن آگ ہی روشن ہونے پر آمادہ (یعنی عقل اور جمیع اخلاق فاضلہ اس نبی معصوم کے ایسے کمال موزونیت ولطافت ونورانیت پر واقعہ کہ الہام سے پہلے ہی خود بخود روشن ہونے پر مستعد تھے) نور علیٰ نور۔ نور فائض ہوا نور پر (یعنی جب کہ وجود مبارک حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی نور جمع تھے سو ان نوروں پر ایک اور نور آسمانی جو وحی الٰہی ہے وارد ہوگیا اور اس نور کے وارد ہونے سے وجود باجود خاتم الانبیاء کا مجمع الانوار بن گیا۔ پس اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ نور وحی کے نازل ہونے کا یہی فلسفہ ہے کہ وہ نور پر ہی وارد ہوتا ہے۔ تاریکی پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ فیضان کے لئے مناسبت شرط ہے۔ اور تاریکی کو نور سے کچھ مناسبت نہیں۔ بلکہ نور کو نور سے مناسبت ہے اور حکیم مطلق بغیر رعایت مناسبت کوئی کام نہیں کرتا۔ ایسا ہی فیضان نور میں بھی اس کا یہی قانون ہے کہ جس کے پاس کچھ نور ہے اسی کو اور نور بھی دیا جاتا ہے۔ اور جس کے پاس کچھ نہیں اس کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ جو شخص آنکھوں کا نور رکھتا ہے وہی آفتاب کا نور پاتا ہے اور جس کے پاس آنکھوں کا نور نہیں وہ آفتاب کے نور سے بھی بے بہرہ رہتا ہے اور جس کو فطرتی نور کم ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی کم ہی ملتا ہے اور جس کو
181 فطرتی نور زیادہ ملا ہے اس کو دوسرا نور بھی زیادہ ہی ملتا ہے۔ اور انبیاء منجملہؔ سلسلہ متفاوتہ فطرت انسانی کے وہ افراد عالیہ ہیں جن کو اس کثرت اور کمال سے نور باطنی عطا ہوا ہے کہ گویا وہ نور مجسم ہوگئے ہیں۔ اسی جہت سے قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور اور سراج منیر رکھا ہے جیسا فرمایا ہے: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۔ (المائدہ:۱۵) وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۔ (الاحزاب:۴۶) یہی حکمت ہے کہ نور وحی جس کے لئے نور فطرتی کا کامل اور عظیم الشان ہونا شرط ہے صرف انبیاء کو ملا اور انہیں سے مخصوص ہوا۔ پس اب اس حجت موجہ سے کہ جو مثال مقدم الذکر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی۔ بطلان ان لوگوں کے قول کا ظاہر ہے جنہوں نے باوصف اس کے کہ فطرتی تفاوت مراتب کے قائل ہیں۔ پھر محض حمق وجہالت کی راہ سے یہ خیال کرلیا ہے کہ جو نور افراد کامل الفطرت کو ملتا ہے وہی نور افراد ناقصہ کو بھی مل سکتا ہے۔ ان کو دیانت اور انصاف سے سوچنا چاہیے کہ فیضان وحی کے بارہ میں کس قدر غلطی میں وہ مبتلا ہو رہے ہیں۔ صریح دیکھتے ہیں کہ خدا کا قانون قدرت ان کے خیال باطل کی تصدیق نہیں کرتا۔ پھر شدت تعصب وعناد سے اسی خیال فاسد پر جمے بیٹھے ہیں۔ ایسا ہی عیسائی لوگ بھی نور کے فیضان کے لئے فطرتی نور کا شرط ہونا نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ جس دل پر نور وحی نازل ہو۔ اس کے لئے اپنی کسی خاصہ اندرونی میں نورانیت کی حالت ضروری نہیں بلکہ اگر کوئی بجائے عقل سلیم کے کمال درجہ کا نادان اور سفیہ ہو اور بجائے صفت شجاعت کے کمال درجہ کا بزدل اور بجائے صفت سخاوت کے کمال درجہ کا بخیل اور بجائے صفت حمیت کے کمال درجہ کا بے غیرت اور بجائے صفت محبت الٰہیہ کے کمال درجہ کا محب دنیا اور بجائے صفت زہد وورع وامانت کے بڑا بھارا چور اور ڈاکو اور بجائے صفت عفت وحیا کے کمال درجہ کا بے شرم اور

کلام کہا تو اس ضمن میں تم نے آپ ہی قبول کرلیا کہ بشری طاقتیں اس کلام کو بنا سکتی ہیں ۔ اور جس

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

شہوت پرست اور بجائے صفت قناعت کے کمال درجہ کا حریص اور لالچی ۔ تو ایسا شخص بھی بقول حضرات عیسائیاں باوصف
ایسی حالت خراب کے خدا کا نبی اور مقرب ہوسکتا ہے ۔ بلکہ ایک مسیح کو باہر نکال کر دوسرے تمام انبیاء جن کی نبوت کو بھی وہ
مانتے ہیں اور ان کی الہامی کتابوں کو بھی مقدس مقدس کر کے پکارتے ہیں وہ نعوذ باللہ بقول ان کے ایسے ہی تھے اور کمالات
قدسیہ سے جو مستلزم عصمت و پاک دلی ہیں محروم تھے ۔ عیسائیوں کی عقل اور خدا شناسی پر بھی ہزار آفرین ۔ کیا اچھا نور روحی
کے نازل ہونے کا فلسفہ بیان کیا مگر ایسے فلسفہ کے تابع ہونے والے اور اس کو پسند کرنے والے وہی لوگ ہیں جو سخت
ظلمت اور کور باطنی کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں ۔ ورنہ نور کے فیض کے لئے نور کا ضروری ہونا ایسی بدیہی صداقت ہے ۱۸۲
کہ کوئی ضعیف العقل بھی اس سے انکار نہیں کرسکتا ۔ مگر ان کا کیا علاج جن کو عقل سے کچھ بھی سروکار نہیں اور جو کہ روشنی سے
بغض اور اندھیرے سے پیار کرتے ہیں اور چمگادڑ کی طرح رات میں ان کی آنکھیں خوب کھلتی ہیں لیکن روز روشن میں وہ
اندھے ہوجاتے ہیں) خدا اپنے نور کی طرف (یعنی قرآن شریف کی طرف) جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور
لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور وہ ہر یک چیز کو بخوبی جانتا ہے (یعنی ہدایت ایک امر منجانب اللہ
ہے ۔ اسی کو ہوتی ہے جس کو عنایت ازلی سے توفیق حاصل ہو ۔ دوسرے کو نہیں ہوتی ۔ اور خدا مسائل دقیقہ کو مثالوں کے
پیرایہ میں بیان فرماتا ہے تا حقائق عمیقہ قریب بہ افہام ہوجائیں ۔ مگر وہ اپنے علم قدیم سے خوب جانتا ہے کہ کون ان مثالوں
کو سمجھے گا اور حق کو اختیار کرے گا اور کون محروم ومخذول رہے گا) پس اس مثال میں جس کا یہاں تک جلی قلم سے ترجمہ کیا گیا ۔
خدا تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کے دل کو شیشہ مصفیٰ سے تشبیہ دی جس میں کسی نوع کی کدورت نہیں ۔ یہ نور قلب ہے ۔ پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فہم وادراک وعقل سلیم اور جمیع اخلاق فاضلہ جبلی وفطرتی کو ایک لطیف تیل سے تشبیہ دی جس میں بہت سی
چمک ہے اور جو ذریعہ روشنی چراغ ہے یہ نور عقل ہے کیونکہ منبع ومنشاء جمیع لطائف اندرونی کا قوت عقلیہ ہے ۔ پھر ان تمام
نوروں پر ایک نور آسمانی کا جو وحی ہے نازل ہونا بیان فرمایا ۔ یہ نور روحی ہے ۔ اور انوار ثلاثہ مل کر لوگوں کی ہادیت کا موجب
ٹھہرے ۔ یہی حقانی اصول ہے جو وحی کے بارہ میں قدوس قدیم کی طرف سے قانون قدیم ہے اور اس کی ذات پاک سے
مناسب ۔ پس اس تمام تحقیقات سے ثابت ہے کہ جب تک نور قلب ونور عقل کسی انسان میں کامل درجہ پر نہ پائے جائیں
تب تک وہ نور روحی ہرگز نہیں پاتا اور پہلے اس سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ کمال عقل اور کمال نورانیت قلب صرف بعض افراد
بشریہ میں ہوتا ہے کل میں نہیں ہوتا ۔ اب ان دونوں ثبوتوں کے ملانے سے یہ امر بپایہ ثبوت پہنچ گیا کہ وحی اور رسالت فقط
بعض افراد کاملہ کو ملتی ہے نہ ہر یک فرد بشر کو ۔ پس اس قطعی ثبوت سے برہم سماج والوں کا خیال فاسد بکلی درہم برہم ہوگیا اور
یہی مطلب تھا ۔

وسوسۂ پنجم ۔ بعض برہمو سماج والے یہ وسوسہ پیش کیا کرتے ہیں کہ اگر کامل معرفت قرآن پر ہی موقوف ہے تو پھر خدا نے اس کو تمام ۱۸۳
ملکوں میں اور تمام معمورات قدیم وجدید میں کیوں شائع نہ کیا اور کیوں کروڑہا مخلوقات کو اپنی معرفت کاملہ اور اعتقاد صحیح سے
محروم رکھا ۔

جواب ۔ یہ وسوسہ بھی کوتہ اندیشی سے پیدا ہوا ہے کیونکہ جس حالت میں بکمال صفائی ثابت ہوچکا ہے کہ حصول یقین کامل ومعرفت
کامل مجرد عقل کے ذریعہ سے ہرگز ممکن نہیں ۔ بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا یقین اور کامل عرفان صرف ایسے الہام کے ذریعہ سے ملتا

صورتؔ میں بشری طاقتیں اس کو بنا سکتی ہیں تو پھر وہ بے نظیر کاہے کی ہوئی ۔ پس یہ خیال تو سراسر ١٦١

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہے جو اپنی ذات اور کمالات میں بے مثل و مانند ہو اور بوجہ بے نظیری منجانب اللہ ہونا اس کا بین الثبوت ہو۔ اور نیز ہم نے
کتاب ہذا میں یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ وہ بے مثل کتاب جو دنیا میں پائی جاتی ہے فقط قرآن شریف ہے وبس۔ تو اس
صورت میں سیدھا راستہ طالب حق کے لئے یہ ہے کہ یا تو ہماری دلائل کو توڑ کر یہ ثابت کر کے دکھلا دے کہ مجرد عقل انسان کو
امور معاد میں یقین کامل و معرفت صحیحہ و یقینیہ کے مرتبہ تک پہنچا سکتا ہے اور اگر یہ ثابت نہ کر سکے تو پھر قرآن شریف کی
حقانیت کو قبول کرے جس کے ذریعہ سے معرفت کامل کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو بھی قبول کرنا منظور نہ ہو تو پھر
اس کی کوئی نظیر پیش کرے اور جو جو اس کے کمالات خاصہ ہیں کسی دوسری کتاب میں نکال کر دکھلائے تا اس قدر ثابت
ہو جائے کہ اگرچہ تکمیل مراتب یقین و معرفت کے لئے الہامی کتاب کی اشد ضرورت ہے مگر ایسی کتاب دنیا میں موجود
نہیں۔ لیکن اگر کوئی مخاصم ان باتوں میں سے کسی بات کا جواب نہ دے بلکہ دم بھی نہ مار سکے تو پھر آپ اس کو انصاف کرنا
چاہیے کہ جس حالت میں ایک صداقت پختہ دلائل سے ثابت ہو چکی ہے جس کا ردّ اس کے پاس موجود نہیں، نہ اس کی دلائل کو
وہ توڑ سکتا ہے۔ تو پھر ثبوت قطعی کے مقابلہ پر اوہام فاسدہ پیش کرنا کس قدر دیانت اور ایمانداری سے بعید ہے۔ سارا جہاں
جانتا ہے کہ جس امر کی صحت و حقانیت براہین قاطعہ سے بہ پایہ ثبوت پہنچ چکی ہو جب تک وہ براہین نہ توڑی جائیں تب تک
وہ امر ایک ثابت شدہ صداقت ہے جو صرف واہی خیالوں سے غلط نہیں ٹھہر سکتی۔ کیا وہ مکان جس کی بنیاد اور دیواریں اور
چھت نہایت مضبوط ہے وہ صرف مونہہ کی پھونک سے گر سکتا ہے؟ اور خود یہ شبہ کہ خدا نے اپنی کتاب کو تمام ملکوں میں کیوں
شائع نہ کیا اور کیوں تمام طبائع مختلفہ اس سے منتفع نہ ہوئیں صرف ایک سودائیوں کا سا خیال ہے۔ اگر آفتاب عالمتاب کیؔ ١٨٤
روشنی بعض امکنہ ظلمانیہ تک نہیں پہنچی۔ یا اگر بعض نے الو کی طرح آفتاب کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں تو کیا اس سے یہ لازم
آ جائے گا کہ آفتاب منجانب اللہ نہیں؟ اگر مینہ کسی زمین شور پر نہیں پڑا یا کوئی کلری زمین اس سے فیض یاب نہیں ہوئی تو کیا
اس سے وہ باران رحمت انسان کا فعل خیال کیا جائے گا؟ ایسے اوہام دور کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے آپ ہی قرآن شریف
میں بکمال وضاحت اس بات کو کھول دیا ہے کہ الہام الٰہی کی ہدایت ہر یک طبیعت کے لئے نہیں بلکہ ان طبائع صافیہ کے
لئے ہے جو صفت تقویٰ اور صلاحیت سے متصف ہیں۔ وہی لوگ ہدایت کاملہ الہام سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے منتفع
ہوتے ہیں اور ان تک الہام الٰہی بہر صورت پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ بعض آیات ان میں سے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔
الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۖۛ فِيْهِ ۚۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ
يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى
مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۙ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۧ﴿۷﴾ وَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ﴿۸﴾ ۔ (البقرہ: ۲ تا ۸)۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾
وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ
الْعَظِيْمِ ﴿۴﴾ (الجمعہ: ۳ تا ۴)۔ آیات مندرجہ بالا میں پہلے اس آیت پر یعنی الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۖۛ فِيْهِ ۚۛ هُدًى

سودائیوں اور مخبط الحواسوں کا سا ہے کہ پہلے ایک چیز کو اپنے منہ سے قویٰ بشریہ کی بنائی ہوئی مان

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ پر غور کرنا چاہیے کہ کس لطافت اور خوبی اور رعایت ایجاز سے خدائے تعالیٰ نے وسوسۂ مذکور کا جواب دیا ہے۔
اول قرآن شریف کے نزول کی **علت فاعلی** بیان کی اور اس کی عظمت اور بزرگی کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا الٓمّٓ میں خدا
ہوں جو سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ **یعنی نازل کنندہ اس کتاب کا میں ہوں جو علیم و حکیم ہوں جس کے علم کے**
برابر کسی کا علم نہیں۔ پھر بعد اس کے علت مادی قرآن کے بیان میں فرمائی اور اس کی عظمت کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا ١٨٥
ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ وہ کتاب ہے یعنی ایسی عظیم الشان اور عالی مرتبت کتاب ہے جس کی علت مادی علم الٰہی ہے یعنی جس کی
نسبت ثابت ہے کہ **اس کا منبع اور چشمہ ذات قدیم حضرت حکیم مطلق** ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے وہ کا لفظ اختیار
کرنے سے جو بعد اور دوری کے لئے آتا ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کتاب اس ذات عالی صفات کے علم
سے ظہور پذیر ہے جو اپنی ذات میں بے مثل و مانند ہے جس کے علوم کاملہ و اسرار دقیقہ نظر انسانی کی حد جولان سے بہت
بعید اور دور ہیں۔ پھر بعد اس کے علت صوری کا قابل تعریف ہونا ظاہر فرمایا اور کہا لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ یعنی قرآن اپنی ذات میں
ایسی صورت مدلل و معقول پر واقعہ ہے کہ کسی نوع کے شک کرنے کی اس میں گنجائش نہیں۔ یعنی وہ دوسری کتابوں کی طرح
بطور کتھا اور کہانی کے نہیں۔ بلکہ ادلۂ یقینیہ و براہین قطعیہ پر مشتمل ہے اور اپنے مطالب پر حجج بینہ اور دلائل شافیہ بیان کرتا
ہے اور فی نفسہ ایک **معجزہ** ہے جو شکوک اور شبہات کے دور کرنے میں سیف قاطع کا حکم رکھتا ہے۔ اور خدا شناسی کے بارے
میں صرف ہونا چاہیے کے ظنی مرتبہ میں نہیں چھوڑتا بلکہ ہے کے یقینی اور قطعی مرتبہ تک پہنچاتا ہے۔ یہ تو علل ثلاثہ کی عظمت
کا بیان فرمایا اور پھر باوجود عظیم الشان ہونے ان ہر سہ علتوں کے جن کو تاثیر اور اصلاح میں دخل عظیم ہے۔ علت رابعہ یعنی
علت غائی نزول قرآن شریف کو جو رہنمائی اور ہدایت ہے صرف **متقین** میں منحصر کر دیا اور فرمایا هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ یعنی یہ
کتاب صرف ان جواہر قابلہ کی ہدایت کے لئے نازل کی گئی ہے **جو بوجہ پاک باطنی و عقل سلیم و فہم مستقیم و شوق**
طلب حق و نیت صحیح انجام کا درجہ ایمان و خدا شناسی و تقویٰ کامل پر پہنچ جائیں گے۔ یعنی جن کو خدا اپنے علم قدیم سے
جانتا ہے کہ ان کی فطرت اس ہدایت کے مناسب حال واقعہ ہے اور وہ معارف حقانی میں ترقی کر سکتے ہیں۔ وہ بالآخر اس
کتاب سے ہدایت پا جائیں گے اور بہرحال یہ کتاب ان کو پہنچ رہے گی۔ اور قبل اس کے جو وہ مریں۔ خدا ان کو راہ راست
پر آنے کی توفیق دے دے گا۔ اب دیکھو اس جگہ خدائے تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ **جو لوگ خدائے تعالیٰ کے علم** ١٨٦
میں ہدایت پانے کے لائق ہیں اور اپنی اصل فطرت میں صفت تقویٰ سے متصف ہیں **وہ ضرور ہدایت**
پا جائیں گے۔ اور پھر ان آیات میں جو اس آیت کے بعد میں لکھی گئی ہیں اسی کی زیادہ تر تفصیل کر دی اور فرمایا کہ جس
قدر لوگ (خدا کے علم میں) ایمان لانے والے ہیں وہ اگرچہ ہنوز مسلمانوں میں شامل نہیں ہوئے پر آہستہ آہستہ سب شامل
ہو جائیں گے اور وہی لوگ باہر رہ جائیں گے جن کو خدا خوب جانتا ہے کہ طریقہ حقہ اسلام قبول نہیں کریں گے اور گو ان کو
نصیحت کی جائے یا نہ کی جائے ایمان نہیں لائیں گے یا مراتب کاملہ تقویٰ و معرفت تک نہیں پہنچیں گے۔ غرض ان آیات
میں خدائے تعالیٰ نے کھول کر بتلا دیا کہ ہدایت قرآنی سے صرف متقی منتفع ہو سکتے ہیں جن کی اصل فطرت میں غلبہ کسی ظلمت
نفسانی کا نہیں اور یہ ہدایت ان تک ضرور پہنچ رہے گی۔ لیکن جو لوگ متقی نہیں ہیں نہ وہ ہدایت قرآنی سے کچھ نفع اٹھاتے ہیں
اور نہ یہ ضرور ہے کہ خواہ نخواہ ان تک ہدایت پہنچ جائے۔ **خلاصہ جواب** یہ ہے کہ جس حالت میں دنیا میں دو طور کے آدمی

لیںؔ اور پھر آپ ہی بڑبڑائیں کہ اب قویٰ بشریہ اس چیز کی مثل بنانے سے قاصر اور عاجز ہیں اور اس ۱۶۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

پائے جاتے ہیں ۔بعض متقی اور طالب حق جو ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں اور بعض مفسد الطبع جن کو نصیحت کرنا نہ کرنا برابر ہوتا ہے ۔اور ابھی ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف ان تمام لوگوں کو جن تک اس کی ہدایت دم مرگ تک نہیں پہنچی یا آئندہ نہ پہنچے قسم دوم میں داخل رکھتا ہے تو اس صورت میں بمقابلہ قرآن شریف یہ دعویٰ کرنا کہ شاید وہ لوگ جن کو ہدایت قرآنی نہیں پہنچی اول قسم میں یعنی ہدایت پانے والوں کے گروہ میں داخل ہوں گے ،احمقانہ دعویٰ ہے ۔کیونکہ شاید کوئی دلیل قطعی نہیں ہے لیکن قرآن شریف کا کسی امر کے بارہ میں خبر دینا دلیل قطعی ہے ۔وجہ یہ کہ وہ دلائل کاملہ سے اپنا منجانب اللہ اور مخبر صادق ہونا ثابت کر چکا ہے ۔پس جو شخص اس کی خبر کو دلیل قطعی نہیں سمجھتا اس پر لازم ہے کہ اس کی حقانیت کے دلائل کو جن میں سے کسی قدر ہم نے بھی اس کتاب میں لکھے ہیں توڑ کر دکھلائے ۔اور جب تک توڑنے سے عاجز اور لاجواب ہے تب تک اس کے لئے طریق انصاف وایمانداری یہ ہے کہ اس امر کو صحیح اور درست سمجھے جس کے صحیح ہونے کی نسبت ایسی کتاب میں خبر موجود ہے جو فی نفسہ ثابت الصداقت ہے ۔کیونکہ ایک کتاب ثابت الصداقت کا کسیؔ امر ممکن الوقوع کی ۱۸۷
نسبت خبر دینا اس امر کے وجود واقعی پر شہادت قاطعہ ہے اور ظاہر ہے کہ ایک شہادت قاطعہ اور ثبوت قطعی کو چھوڑ کر بمقابلہ اس کے بے بنیاد وہموں کو پیش کرنا اور خیالات بے اصل کو دل میں جگہ دینا غباوت اور سادہ لوحی کی نشانی ہے ۔اور اگر یہ کہو کہ جن تک کتاب الہامی نہیں پہنچی ان کی نجات کا کیا حال ہے ۔اس کا یہ جواب ہے کہ اگر ایسے لوگ بالکل وحشی اور عقل انسانی سے بے بہرہ ہیں تو وہ ہر یک باز پرس سے بری اور مرفوع القلم ہیں اور مجانین اور مسلوب الحواسوں کا حکم رکھتے ہیں ۔ لیکن جن میں کسی قدر عقل اور ہوش ہے ان سے بقدر عقل ان کی محاسبہ ہوگا ۔

اور اگر دل میں یہ وہم گزرتا ہو کہ خدا نے مختلف طبائع کیوں پیدا کیں اور کیوں سب کو ایسی قوتیں عنایت نہ فرمائیں جن سے وہ معرفت کاملہ اور محبت کاملہ کے درجہ تک پہنچ جاتے تو یہ سوال بھی خدا کے کاموں میں ایک فضول دخل ہے جو ہرگز جائز نہیں ۔ ہر یک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ تمام مخلوقات کو ایک ہی درجے پر رکھنا اور سب کو اعلیٰ کمالات کی قوتیں بخشنا خدا پر حق واجب نہیں ۔یہ تو صرف اس کا فضل ہے ۔اسے اختیار ہے جس پر چاہے کرے اور جس پر چاہے نہ کرے ۔مثلاً تم کو خدا نے آدمی بنایا اور گدھے کو آدمی نہ بنایا ۔تم کو عقل دی اور اس کو نہ دی ۔یا تمہارے لئے علم حاصل ہوا اور اس کو نہ ہوا ۔یہ سب مالک کی مرضی کی بات ہے ۔کوئی ایسا حق نہیں کہ تمہارا تھا اور اس کا نہ تھا ۔غرض جس حالت میں خدا کی مخلوقات میں صریح تفاوت مراتب پایا جاتا ہے جس کے تسلیم کرنے سے کسی عاقل کو چارہ نہیں ۔تو کیا مالک بااختیار کے سامنے ایسی مخلوقات جن کا موجود ہونے میں بھی کوئی حق نہیں چہ جائیکہ بڑا بننے میں کوئی حق ہو کچھ دم مار سکتی ہے ۔خدائے تعالیٰ کا بندوں کو خلعت وجود بخشنا ایک عطا اور احسان ہے اور ظاہر ہے کہ معطی و محسن اپنی عطا اور احسان میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا ہے ۔اور اگر اس کو کم دینے کا اختیار نہ ہو تو پھر زیادہ دینے کا بھی اختیار نہ ہو ۔تو اس صورت میں وہ مالکانہ اختیارات کے نافذ کرنے سے بالکل قاصر رہ جائے ۔اور خود ظاہر ہے کہ اگر مخلوق کا خالق پر خواہ نخواہ کوئی حق قرار دیا جائے تو اس سے تسلسل لازم آتا ہے ۔کیونکہ جسؔ درجہ پر خالق کسی مخلوق کو بنائے گا اسی درجہ پر وہ مخلوق کہہ سکتا ہے کہ میرا حق اس سے زیادہ ہے ۔اور چونکہ خدائے تعالیٰ ۱۸۸
غیر متناہی مراتب پر بنا سکتا ہے اور اس کی لاانتہا قدرت کے آگے صرف آدمی بنانے پر فضیلت پیدائش ختم نہیں تو اس صورت میں سلسلہ سوالات مخلوق کبھی ختم نہ ہوگا اور ہر یک مرتبہ پیدائش پر الیٰ غیر النہایت اس کو اپنے حق کے مطالبہ کا

١٦٣ مجنونانہ قول کا خلاصہ یہ ہوگا کہ قویٰ بشریہ ایک چیز کے بنانے پر قادر ہیں اور نہیں ۔ اور علاوہ اسؔ کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

استحقاق حاصل ہوگا اور یہی تسلسل ہے۔

ہاں اگر یہ جستجو ہے کہ اس تفاوت مراتب رکھنے میں حکمت کیا ہے۔ تو سمجھنا چاہیے کہ اس بارہ میں قرآن شریف نے تین حکمتیں بیان فرمائی ہیں جو عندالعقل نہایت بدیہی اور روشن ہیں جن سے کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا اور وہ بہ تفصیل ذیل ہیں:۔

اوّل ۔ یہ کہ تا مہمات دنیا یعنی امور معاشرت باحسن وجہ صورت پذیر ہوں جیسا فرمایا ہے: وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾ (الزخرف: ۳۱۔۳۲)۔ یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے بڑے بڑے مالداروں اور رئیسوں میں سے کسی بھاری رئیس اور دولتمند پر کیوں نازل نہ ہوا۔ تا اس کی رئیسانہ شان کے شایان ہوتا اور نیز اس کے رعب اور سیاست اور مال خرچ کرنے سے جلد تر دین پھیل جاتا۔ ایک غریب آدمی جس کے پاس دنیا کی جائداد میں سے کچھ بھی نہیں کیوں اس عہدہ سے ممتاز کیا گیا (پھر آگے بطور جواب فرمایا) اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ کیا قسام ازل کی رحمتوں کو تقسیم کرنا ان کا اختیار ہے۔ یعنی یہ خداوند حکیم مطلق کا فعل ہے کہ بعضوں کی استعدادیں اور ہمتیں پست رکھیں اور وہ زخارف دنیا میں پھنسے رہے اور رئیس اور امیر اور دولتمند کہلانے پر پھولتے رہے اور اصل مقصود کو بھول گئے اور بعض کو فضائل روحانیت اور کمالات قدسیہ عنایت فرمائے اور وہ اس محبوب حقیقی کی محبت میں محو ہو کر مقرب بن گئے اور مقبولان حضرت احدیت ہوگئے۔ (پھر بعد اس کے اس حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو اس اختلاف استعدادات اور تباین خیالات میں مخفی ہیں) نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ
١٨٩ مَّعِيْشَتَهُمْ ۔ الخ ۔ یعنی ہم نے اسؔ لئے بعض کو دولت مند اور بعض کو درویش اور بعض کو لطیف طبع اور بعض کو کثیف طبع اور بعض طبیعتوں کو کسی پیشہ کی طرف مائل اور بعض کو کسی پیشہ کی طرف مائل رکھا ہے تا ان کو یہ آسانی پیدا ہو جائے کہ بعض کیلئے بعض کار برار اور خادم ہوں اور صرف ایک پر بھار نہ پڑے اور اس طور پر مہمات بنی آدم بآسانی تمام چلتے رہیں۔ اور پھر فرمایا کہ اس سلسلہ میں دنیا کے مال ومتاع کی نسبت خدا کی کتاب کا وجود زیادہ تر نفع رساں ہے۔ یہ ایک لطیف اشارہ ہے جو ضرورت الہام کی طرف فرمایا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے اور بجز ایک دوسرے کی مدد کے کوئی امر اس کا انجام پذیر نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ایک روٹی کو دیکھئے جس پر زندگانی کا مدار ہے۔ اس کے طیار ہونے کیلئے کس قدر تمدن وتعاون درکار ہے۔ زراعت کے تردّد سے لیکر اس وقت تک کہ روٹی پک کر کھانے کے لائق ہو جائے بیسیوں پیشہ وروں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ عام امور معاشرت میں کس قدر تعاون اور باہمی مدد کی ضرورت ہوگی۔ اسی ضرورت کے انصرام کے لئے حکیم مطلق نے بنی آدم کو مختلف طبیعتوں اور استعداروں پر پیدا کیا تا ہر ایک شخص اپنی استعداد اور میل طبع کے موافق کسی کام میں بہ طیب خاطر مصروف ہو۔ کوئی کھیتی کرے۔ کوئی آلات زراعت بناوے۔ کوئی آٹا پیسے۔ کوئی پانی لاوے۔ کوئی روٹی پکاوے۔ کوئی سوت کاتے۔ کوئی کپڑا بنے۔ کوئی دوکان کھولے۔ کوئی تجارت کا اسباب لاوے۔ کوئی نوکری کرے اور اس طرح پر ایک دوسرے کے معاون بن جائیں اور بعض کو بعض مدد پہنچاتے رہیں۔ پس جب ایک دوسرے کی معاونت ضروری ہوئی تو ان کا ایک دوسرے سے معاملہ پڑنا بھی ضروری ہوگیا۔ اور جب معاملہ اور

آج تک کسی انسان نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ میرے کلمات اور مصنوعات خدا کے کلمات اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

معاوضہ میں پڑ گئے اور اس پر غفلت بھی جو استغراق امور دنیا کا خاصہ ہے عائد حال ہوگئی تو ان کے لئے ایک ایسے قانون
عدل کی ضرورت پڑی جو ان کو ظلم اور تعدی اور بغض اور فساد اور غفلت من اللہ سے روکتا رہے تا نظام عالم میں ابتری واقعہ نہ
ہو۔ کیونکہ معاش و معاد کا تمام مدار انصاف و خدا شناسی پر ہے اور التزام انصاف و خدا ترسی ایک قانون پر موقوف ہے جس
میں دقائق معدلت و حقائق معرفت الٰہی بدرستی تمام درج ہوں اور سہواً یا عمداً کسی نوع کا ظلم یا کسی نوع کی غلطی نہ پائی
جاوے۔ اور ایسا قانون اسی کی طرف سے صادر ہوسکتا ہے جس کی ذات سہو و خطا و ظلم و تعدی سے بکلی پاک ہو اور نیز اپنی
۱۹۰ ذات میں واجب الانقیاد اور واجب التعظیم بھی ہو۔ کیونکہ گو کوئی قانون عمدہ ہو مگر قانون کا جاری کرنے والا اگر ایسا نہ ہو جس
کو باعتبار مرتبہ اپنے کے سب پر فوقیت اور حکمرانی کا حق ہو یا اگر ایسا نہ ہو جس کا وجود لوگوں کی نظر میں ہر یک طور کے ظلم
وخبث اور خطا اور غلطی سے پاک ہو تو ایسا قانون اور اول تو چل ہی نہیں سکتا اور اگر کچھ دن چلے بھی تو چند ہی روز میں طرح
طرح کے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور بجائے خیر کے شر کا موجب ہو جاتا ہے۔ ان تمام وجوہ سے کتاب الٰہی کی حاجت
ہوئی کیونکہ ساری نیک صفتیں اور ہر یک طور کی کمالیت و خوبی صرف خدا ہی کی کتاب میں پائی جاتی ہے وبس۔

دوم۔ حکمت تفاوت مراتب رکھنے میں یہ ہے کہ تا نیک اور پاک لوگوں کی خوبی ظاہر ہو کیونکہ ہر یک خوبی مقابلہ ہی سے معلوم
ہوتی ہے۔ جیسے فرمایا ہے: اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا لِنَبۡلُوَہُمۡ اَیُّہُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾ (الکہف: ۷) یعنی ہم
نے ہر یک چیز کو جو زمین پر ہے زمین کی زینت بنا دیا ہے تا جو لوگ صالح آدمی ہیں بمقابلہ برے آدمیوں کے ان کی
صلاحیت آشکارا ہو جائے اور کثیف کے دیکھنے سے لطیف کی لطافت کھل جائے۔ کیونکہ ضد کی حقیقت ضد ہی سے شناخت کی
جاتی ہے اور نیکوں کا قدر و منزلت بدوں ہی سے معلوم ہوتا ہے۔

سوم۔ حکمت تفاوت مراتب رکھنے میں انواع واقسام کی قدرتوں کا ظاہر کرنا اور اپنی عظمت کی طرف توجہ دلانا ہے۔ جیسا فرمایا:
مَا لَکُمۡ لَا تَرۡجُوۡنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ﴿ۚ۱۳﴾ وَقَدۡ خَلَقَکُمۡ اَطۡوَارًا ﴿۱۴﴾ (نوح: ۱۳۔۱۴)۔ یعنی تم کو کیا ہو گیا کہ تم خدا کی عظمت کے
قائل نہیں ہوتے حالانکہ اس نے اپنی عظمت ظاہر کرنے کیلئے تم کو مختلف صورتوں اور سیرتوں پر پیدا کیا۔ یعنی اختلاف
استعدادات و طبائع اسی غرض سے حکیم مطلق نے کیا۔ تا اس کی عظمت و قدرت شناخت کی جائے۔ جیسا دوسری جگہ بھی فرمایا
ہے: وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنۡ مَّآءٍ ۚ فَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی بَطۡنِہٖ ۚ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ عَلٰی رِجۡلَیۡنِ ۚ وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّمۡشِیۡ
عَلٰۤی اَرۡبَعٍ ؕ یَخۡلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴۵﴾ (النور: ۴۵) یعنی خدا نے ہر یک جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔
سو بعض جاندار پیٹ پر چلتے ہیں اور بعض دو پاؤں پر بعض چار پاؤں پر۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ خدا ہر چیز پر قادر
ہے۔ یہ بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے یہ مختلف چیزیں اس لئے بنائیں کہ تا مختلف قدرتیں اس کی ظاہر ہوں۔
۱۹۱ غرض اختلاف طبائع جو فطرت مخلوقات میں واقع ہے۔ اس میں حکمت الٰہیہ انہیں امور ثلاثہ میں منحصر ہے جن کو خدائے تعالیٰ
نے آیات ممدوحہ میں بیان کر دیا۔ فتدبر۔

وسوسۂ ششم:۔ معرفت کامل کا ذریعہ وہ چیز ہوسکتی ہے جو ہر وقت اور ہر زمانہ میں کھلے طور پر نظر آتی ہو۔ سو یہ صحیفہ نیچر کی خاصیت
ہے جو کبھی بند نہیں ہوتا اور ہمیشہ کھلا رہتا ہے اور یہی رہبر ہونے کے لائق ہے۔ کیونکہ ایسی چیز کبھی رہنما نہیں ہوسکتی جس
کا دروازہ اکثر اوقات بند رہتا ہو اور کسی خاص زمانہ میں کھلتا ہو۔

١٦٤ مصنوعات کی طرح بے مثل و مانند ہیں اور اگر کوئی نادان مغرور ایسا دعویٰ کرتا تو ہزاروں اس سے بہتر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

جواب۔ صحیفہ فطرت کو بمقابلہ کلام الٰہی کھلا ہوا خیال کرنا یہی آنکھوں کے بند ہونے کی نشانی ہے۔ جن کی بصیرت اور بصارت میں کچھ خلل نہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اسی کتاب کو کھلے ہوئے کہا جاتا ہے جس کی تحریر صاف نظر آتی ہو، جس کے پڑھنے میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہتا ہو۔ پر کون ثابت کرسکتا ہے کہ مجرد صحیفہ قدرت پر نظر کرنے سے کبھی کسی کا اشتباہ دور ہوا؟ کس کو معلوم ہے کہ اس نیچری تحریر نے کبھی کسی کو منزل مقصود تک پہنچایا ہے؟ کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ میں نے صحیفہ قدرت کے تمام دلالات کو بخوبی سمجھ لیا ہے؟ اگر یہ صحیفہ کھلا ہوا ہوتا تو جو لوگ اسی پر بھروسہ کرتے تھے وہ کیوں ہزارہا غلطیوں میں ڈوبتے۔ کیوں اسی ایک صحیفہ کو پڑھ کر باہم اس قدر مختلف الرائے ہوجاتے کہ کوئی خدا کے وجود کا کسی قدر قائل اور کوئی سرے سے انکاری۔ ہم نے بفرض محال یہ بھی تسلیم کیا کہ جس نے اس صحیفہ کو پڑھ کر خدا کے وجود کو ضروری نہیں سمجھا وہ اس قدر عمر پالے گا کہ کبھی نہ کبھی اپنی غلطی پر متنبہ ہوجائے گا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیفہ کھلا ہوا تھا تو اس کو دیکھ کر ایسی بڑی بڑی غلطیاں کیوں پڑ گئیں۔ کیا آپ کے نزدیک کھلی ہوئی کتاب اسی کو کہتے ہیں جس کو پڑھنے والے خدا کے وجود میں ہی اختلاف کریں اور بسم اللہ ہی غلط ہو۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ اسی صحیفہ فطرت کو پڑھ کر ہزارہا حکیم اور فلاسفر دہریئے اور طبعی ہوکر مرے۔ یا بتوں کے آگے ہاتھ جوڑتے رہے اور وہی شخص ان میں سے راہ راست پر آیا جو الہام الٰہی پر ایمان لایا۔ کیا اس میں کچھ جھوٹ بھی ہے کہ فقط اس صحیفہ کے پڑھنے والے بڑے بڑے فیلسوف کہلا کر پھر خدا کے مدبر و خالق بالا رادہ اور عالم بالجزئیات ہونے سے منکر رہے اور انکار ہی کی حالت میں مر گئے۔ کیا خدا نے تم کو اس قدر بھی سمجھ نہیں دی کہ جس خط کے مضمون کو مثلاً زید کچھ سمجھے اور بکر کچھ خیال کرے اور خالد ان دونوں کے برخلاف کچھ اور تصور کر بیٹھے تو اس خط کی تحریر کھلی ہوئی اور صاف نہیں کہلاتی بلکہ مشکوک اور مشتبہ اور مبہم کہلاتی ہے۔ یہ کوئی ایسی دقیق بات نہیں جس کے سمجھنے کے لئے باریک
١٩٢ عقل درکار ہو بلکہ نہایت بدیہی صداقت ہے۔ مگر ان کا کیا علاج جو سراسر تحکم کی راہ سے ظلمت کو نور اور نور کو ظلمت قرار دیں اور دن کو رات اور رات کو دن ٹھہراویں۔ ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ مطالب دلی کو پورا پورا بیان کرنے کے لئے یہی سیدھا راستہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے کہ بذریعہ قول واضح کے اپنا مافی الضمیر ظاہر کیا جائے۔ کیونکہ دلی ارادوں کو ظاہر کرنے کے لئے صرف قوت نطقیہ آلہ ہے۔ اسی آلہ کے ذریعہ سے ایک انسان دوسرے انسان کے مافی القلب سے مطلع ہوتا ہے۔ اور ہر یک امر جو اس آلہ کے ذریعہ سمجھایا نہ جائے وہ تفہیم کامل کے درجہ سے متنزل رہتا ہے۔ ہزار ہا امور ایسے ہیں کہ اگر ہم ان میں فطرتی دلالت سے مطلب نکالنا چاہیں تو یہ امر ہمارے لئے غیر ممکن ہوجاتا ہے۔ اور اگر فکر بھی کریں تو غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ مثلاً ظاہر ہے کہ خدا نے آنکھ دیکھنے کے لئے بنائی ہے اور کان سننے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ زبان بولنے کے لئے عطا کی ہے۔ اس قدر تو ہم نے ان اعضاء کی فطرت پر نظر کرکے اور ان کے خواص کو سوچ کر معلوم کرلیا۔ لیکن اگر ہم اسی فطرتی دلالت پر کفایت کریں اور تصریحات کلام الٰہی کی طرف متوجہ نہ ہوں تو بموجب دلالت فطرتی ہمارا یہ اصول ہونا چاہیے کہ ہم جس چیز کو چاہیں بلاتفریق مواضع حلت و حرمت دیکھ لیا کریں اور جو چاہیں سن لیں اور جو بات دل میں آوے بول اٹھیں۔ کیونکہ قانون فطرت ہم کو اس قدر سمجھاتا ہے کہ آنکھ دیکھنے کے لئے، کان سننے کے لئے، زبان بولنے کے لئے مخلوق ہے اور ہم کو صریح اس دھوکے میں ڈالتا ہے کہ گویا ہم قوت بصارت اور قوت سمع اور قوت نطق کے استعمال کرنے میں بکلی آزاد اور مطلق العنان ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ اگر خدا کا کلام قانون قدرت کے اجمال کی تصریح نہ

تالیفیں کرنے والے اور اس کے منہ میں ذلت کی خاک بھرنے والے پیدا ہوجاتے ۔ یہ خدا ہی کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کرے اور اس کے ابہام کو اپنے بیان واضح اور کھلی ہوئی تقریر سے دور نہ فرماوے تو کس قدر خطرات ہیں جو محض قانون
فطرت کا تابعدار ہو کر ان میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ خدا ہی کا کلام ہے جس نے اپنے کھلے ہوئے اور نہایت واضح
بیان سے ہم کو ہمارے ہر یک قول اور فعل اور حرکت اور سکون میں حدود معینہ مشخصہ پر قائم کیا اور ادب انسانیت اور پاک
روشی کا طریقہ سکھلایا۔ وہی ہے جس نے آنکھ اور کان اور زبان وغیرہ اعضاء کی محافظت کے لئے بکمال تاکید فرمایا: قُلْ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۔ (النور: ۳۰) یعنی مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنی
آنکھوں اور کانوں اور ستر گاہوں کو نامحرموں سے بچاویں اور ہر یک نادیدنی اور ناشنیدنی اور ناکردنی سے پرہیز کریں کہ یہ
۱۹۳ طریقہ ان کی اندرونی پاکی کا موجب ہوگا یعنی ان کے دل طرح طرح کے جذبات نفسانیہ سے محفوظ رہیں گے ۔ کیونکہ اکثر
نفسانی جذبات کو حرکت دینے والے اور قویٰ بہیمیہ کو فتنہ میں ڈالنے والے یہی اعضاء ہیں ۔ اب دیکھئے کہ قرآن شریف نے
نامحروں سے بچنے کے لئے کیسی تاکید فرمائی اور کیسے کھول کر بیان کیا کہ ایماندار لوگ اپنی آنکھوں اور کانوں اور ستر گاہوں کو
ضبط میں رکھیں اور ناپاکی کے مواضع سے روکتے رہیں ۔ اسی طرح زبان کو صدق وصواب پر قائم رکھنے کے لئے تاکید فرمائی
اور کہا: قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا (الاحزاب: ۷۰) یعنی وہ بات منہ پر لاؤ جو بالکل راست اور نہایت معقولیت میں ہو۔ اور لغو اور
فضول اور جھوٹ کا اس میں سرمو دخل نہ ہو۔ اور پھر جمیع اعضاء کی وضع استقامت پر چلانے کے لئے ایک ایسا کلمہ جامعہ اور
پر تہدید بطور تنبیہ و انذار فرمایا جو غافلوں کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ہے ۔ اور کہا: اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ
كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۶) یعنی کان اور آنکھ اور دل ایسا ہی تمام اعضاء اور قوتیں جو انسان میں موجود ہیں ۔ ان
سب کے غیر محل استعمال کرنے سے باز پرس ہوگی اور ہر یک کمی وبیشی اور افراط اور تفریط کے بارہ میں سوال کیا جائے گا۔
اب دیکھو اعضاء اور تمام قوتوں کو مجری خیر اور صلاحیت پر چلانے کے لئے کس قدر تصریحات وتاکیدات خدا کے کلام میں
موجود ہیں اور کیسے ہر یک عضو کو مرکز اعتدال اور خط استوا پر قائم رکھنے کے لئے بکمال وضاحت بیان فرمایا گیا ہے جس میں
کسی نوع کا ابہام واجمال باقی نہیں رہا۔ کیا یہ تصریح و تفصیل صحیفہ قدرت کے کسی صفحہ کو پڑھ کر معلوم ہوسکتی ہے ۔ ہرگز نہیں ۔
سو اب تم آپ ہی سوچو کہ کھلا ہوا اور واضحہ صحیفہ یہ ہے یا وہ ۔ اور فطرتی دلالتوں کے مصالحہ اور حدود کو اس نے بیان کیا یا اس
نے ۔ اے حضرات!!! اگر اشارات سے کام نکلتا تو پھر انسان کو زبان کیوں دی جاتی ۔ جس نے تم کو زبان دی کیا وہ آپ نطق
پر قادر نہیں ۔ جس نے تم کو بولنا سکھایا کیا وہ آپ بول نہیں سکتا ۔ جس نے اپنے فعل میں یہ قدرت دکھلائی کہ اتنا بڑا عالم بغیر
مدد کسی مادہ ہیولیٰ کے اور بغیر احتیاج معماروں اور مزدوروں ونجاروں کے بمجرد ارادہ سب کچھ بنا ڈالا کیا اس کی نسبت یہ کہنا
جائز ہے کہ وہ بات کرنے پر قادر نہیں ۔ یا قادر تو ہے مگر بباعث بخل کے اپنے کلام کے فیضان سے محروم رکھا ۔ کیا یہ درست
ہے کہ قادر مطلق کی نسبت ایسا خیال کیا جائے کہ وہ اپنی طاقتوں میں حیوانات سے بھی فروتر ہے ۔ کیونکہ ایک ادنیٰ جانور
بذریعہ اپنی آواز کے دوسرے جانور کو یقینی طور پر اپنے وجود کی خبر دے سکتا ہے ۔ ایک مکھی بھی اپنی طنین سے دوسری مکھیوں کو
اپنے آنے سے آگاہ کرسکتی ہے ۔ پر نعوذ باللہ بقول تمہارے اس قادر مطلق میں ایک مکھی جتنی بھی قدرت نہیں ۔ پھر جب اس
۱۹۴ کی نسبت تمہارا اصاف بیان ہے کہ اس کا منہ کبھی نہیں کھلا اور کبھی اس کو بولنے کی طاقت نہیں ہوئی تو تم کو تو یہ کہنا چاہے کہ وہ
ادھورا اور ناقص ہے جس کی اور صفتیں تو معلوم ہوگئیں پر صفت گویائی کا کبھی پتہ نہ ملا ۔ اس کی نسبت تم کس منہ سے کہہ سکتے ہو

شان ہے کہ سارے جہان کو اپنی کلام کی مثل پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ٹھہراوے اور سخت سخت

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کہ اس نے کوئی کھلا ہوا صحیفہ جس میں اس نے بخوبی اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا ہو تم کو عطا کیا ہے۔ بلکہ تمہاری رائے کا تو خلاصہ ہی یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ سے رہنمائی میں کچھ نہیں ہو سکا۔ تمہیں نے اپنی قابلیت اور لیاقت سے شناخت کر لیا۔ ماسوا اس کے الہامی تعلیم ان معنوں کر کے کھلی ہوئی ہے کہ اس کا اثر عام طور پر تمام لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے اور ہر یک طور کی طبیعت اس سے مستفیض ہوتی ہے۔ اور مختلف اقسام کی فطرتیں اُس سے نفع اٹھاتی ہیں اور ہر رنگ کے طالب کو اس سے مدد پہنچتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بذریعہ کلام الٰہی بہت لوگ ہدایت یاب ہوئے ہیں اور ہوتے ہیں اور بذریعہ مجرد عقلی دلائل کے بہت ہی کم بلکہ کالعدم۔ اور قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔ کیونکہ یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ جو شخص بہ حیثیت مخبر صادق لوگوں کی نظر میں ثابت ہو کر واقعات معاد میں اپنا تجربہ اور امتحان اور ملاحظہ اور معائنہ بیان کرتا ہے اور ساتھ ہی دلائل عقلیہ بھی سمجھاتا ہے وہ حقیقت میں ایک دوہرا زور اپنے پاس رکھتا ہے۔ کیونکہ ایک تو اس کی نسبت یہ یقین کیا گیا ہے کہ وہ واقعہ نفس الامر کا معائنہ کرنے والا اور سچائی کو بچشم خود دیکھنے والا ہے۔ اور دوسرے وہ بطور معقول بھی سچائی کی روشنی کو دلائل واضحہ سے ظاہر کرتا ہے۔ پس ان دونوں ثبوتوں کے اشتمال سے ایک زبردست کشش اس کے وعظ اور نصیحت میں ہو جاتی ہے کہ جو بڑے بڑے سنگین دلوں کو کھینچ لاتی ہے اور ہر نوع کے نفس پر کارگر بھی پڑتی ہے۔ کیونکہ اس کی بات میں مختلف طور کی تفہیم کی قدرت ہوتی ہے جس کے سمجھنے کے لئے ایک خاص لیاقت کے لوگ شرط نہیں ہیں۔ بلکہ ہر یک ادنیٰ واعلیٰ وزیرک وغبی بجز ایسے شخص کے کہ جو بکلی مسلوب العقل ہو اس کی تقریروں کو سمجھ سکتے ہیں اور وہ فوراً ہر یک قسم کے آدمی کی اسی طور پر تسلی کر سکتا ہے کہ جس طور پر آدمی کی طبیعت واقعہ ہے یا جس درجہ پر اس کی استعداد پڑی ہوئی ہے۔ اس لئے کلام اس کی خدا کی طرف خیالات کو کھینچنے میں اور دنیا کی محبت چھوڑانے میں اور احوال الآخرت نقش دل کرنے میں بڑی وسیع قدرت رکھتی ہے اور ان تنگ اور تاریک تصوروں میں محدود نہیں ہوتی جن میں مجرد عقل پرستوں کی باتیں محدود ہوتی ہیں۔ اسی جہت سے اس کا اثر عام اور اس کا فائدہ تام ہوتا ہے۔ اور ہر یک ظرف اپنی اپنی وسعت کے مطابق اس
سے پُر ہو جاتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں اشارہ فرمایا ہے: اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ ١٩٥
اَوۡدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا (الرعد:۱۷) خدا نے آسمان سے پانی (اپنا کلام) اتارا۔ سو اس پانی سے ہر یک وادی اپنی قدر کے موافق بہ نکلی۔ یعنی ہر یک کو اس میں سے اپنی طبیعت اور خیال اور لیاقت کے موافق حصہ ملا۔ طبائع عالیہ اسرار حکمیہ سے متمتع ہوئیں۔ اور جو ان سے بھی اعلیٰ تھے انہوں نے ایک عجیب روشنی پائی کہ جو حد تحریر و تقریر سے خارج ہے اور جو کم درجے پر تھے انہوں نے مخبر صادق کی عظمت اور کمالیت ذاتی کو دیکھ کر دلی اعتقاد سے اس کی خبروں پر یقین کر لیا اور اس طرح پر وہ بھی یقین کی کشتی میں بیٹھ کر ساحل نجات تک جا پہنچے اور صرف وہی لوگ باہر رہ گئے جن کو خدا سے کچھ غرض نہ تھی اور فقط دنیا کے ہی کیڑے تھے۔ اور نیز قوت اثر پر نظر کرنے سے بھی طریق متابعت الہام کا نہایت کھلا ہوا اور وسیع معلوم ہوتا ہے کیونکہ جاننے والے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تقریر میں اسی قدر برکت اور جوش اور قوت اور عظمت اور دلکشی پیدا ہوتی ہے کہ جس قدر متکلم کا قدم مدارج یقین اور اخلاص اور وفاداری کے اعلیٰ درجے پر پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ سو یہ کمالیت بھی اسی شخص کی تقریر میں متحقق ہو سکتی ہے کہ جس کو دوہرے طور پر معرفت الٰہی حاصل ہو۔ اور یہ خود ہر یک عاقل پر روشن ہے کہ پُر جوش تقریر کہ جس پر ترتیب اثر موقوف ہے تب ہی انسان کے منہ سے نکلتی ہے کہ جب دل اس کا یقین کے جوش سے پُر ہو۔ اور

۱۶۵ لفظوں بے ایمان اور ملعون اور جہنمی کہنے سے بلکہ نہ بنانے والوں کے لئے بحالت انکار سزاءِ موت

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وہی باتیں دلوں پر بیٹھتی ہیں جو کامل الیقین دلوں سے جوش مار کر نکلتی ہیں۔ پس اس جگہ بھی یہی ثابت ہوا کہ باعتبار شدت اثر بھی الہامی تربیت ہی مُفتّح الابواب ہے۔ غرض باعتبار عمومیت تاثیر اور باعتبار شدت تاثیر فقط صحیفہ وحی کا کھلا ہوا ہونا بپایہ ثبوت پہنچتا ہے وبس۔ اور یہ مسئلہ بدیہات سے کچھ کم نہیں ہے کہ خدا کے بندوں کو زیادہ تر نفع پہنچانے والا وہی شخص ہوتا ہے کہ جو الہام اور عقل کا جامع ہو۔ اور اس میں یہ لیاقت ہوتی ہے کہ ہر یک طور کی طبیعت اور ہر قسم کی فطرت اس سے مستفیض ہو سکے۔ مگر جو شخص صرف براہین منطقیہ کے زور سے راہ راست کی طرف کھینچنا چاہتا ہے اگر اس کی مغز زنی پر کچھ ترتیب اثر بھی ہو تو صرف ان ہی خاص طبیعتوں پر ہوگا کہ جو بوجہ تعلیم یافتہ ولائق وفائق ہونے کے اس کی عمیق ودقیق باتوں کو سمجھتے ہیں۔ دوسرے تو ایسا دل ودماغ ہی نہیں رکھتے کہ جو اس کی فلاسفری تقریر کو سمجھ سکیں۔ ناچار اس کے علم کا فیضان فقط
۱۹۶ انہیں قدر قلیل لوگوں میں محدود رہتا ہے کہ جو اس کی منطق سے واقف ہیں اور انہیں کو اس کا فائدہ پہنچتا ہے کہ جو اس کی طرح معقولی حجتوں میں دخل رکھتے ہیں۔ اس امر کا ثبوت اس حالت میں بوضاحت تمام ہو سکتا ہے کہ جب مجرد عقل اور الہام حقیقی کی کارروائیوں کو پہلو بہ پہلو رکھ کر وزن کیا جاوے۔ چنانچہ جن کو گزشتہ حکماء کے حالات سے اطلاع ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کیسے وہ لوگ اپنی تعلیم کی اشاعت عامہ سے ناکام رہے اور کیونکر ان کے منقبض اور ناتمام بیان نے عام دلوں پر موثر ہونے سے اپنی محرومی دکھلائی۔ اور پھر بمقابلہ اس حالت متزلزلہ ان کی کے قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی تاثیروں کو بھی دیکھئے کہ کس قوت سے اس نے وحدانیت الٰہی کو اپنے سچے متبعین کے دلوں میں بھرا ہے اور کس عجیب طور سے اس کی عالیشان تعلیموں نے صدہا سالوں کی عادات راسخہ اور ملکات ردیہ کا قلع وقمع کر کے اور ایسی رسوم قدیمہ کو کہ جو طبیعت ثانی کی طرح ہوگئیں تھیں دلوں کے رگ وریشہ سے اٹھا کر وحدانیت الٰہی کا شربت عذب کروڑہا لوگوں کو پلا دیا ہے۔ وہی ہے جس نے اپنا کارنمایاں اور نہایت عمدہ اور دیرپا نتائج دکھلا کر اپنی بے نظیر تاثیر کی دوبدو شہادت سے بڑے بڑے معاندوں سے اپنی لاثانی فضیلتوں کا اقرار کرایا۔ یہاں تک کہ سخت بے ایمانوں اور سرکشوں کے دلوں پر بھی اس کا اس قدر اثر پڑا کہ جس کو انہوں نے قرآن شریف کی عظمت شان کا ایک ثبوت سمجھا اور بے ایمانی پر اصرار کرتے کرتے آخر اس قدر انہیں بھی کہنا پڑا کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (المائدہ:۱۱۰) ہاں وہی ہے جس کی زبردست کششوں نے ہزارہا درجہ عادت سے بڑھ کر ایسا خدا کی طرف خیال دلایا کہ لاکھوں خدا کے بندوں نے خدا کی وحدانیت پر اپنے خون سے مہریں لگادیں۔ ایسا ہی ہمیشہ سے بانی کار اور ہادی اس کام کا الہام ہی چلا آیا ہے جس نے انسانی عقل نے نشوونما پایا۔ ورنہ بڑے بڑے حکیموں اور عقلمندوں کے لئے بھی یہ بات سخت محال رہی ہے کہ ان کو امور ماوراء المحسوسات کی ہر جزئی کے دریافت کرنے میں ایسا موقعہ ہمیشہ مل جائے کہ یہ بات معلوم کر سکیں کہ کس کس وضع اور خصوصیت سے وہ جزئیات موجود ہیں اور جن کو طاقت بشری تک عقل حاصل ہی نہیں یا جہد اور کوشش کرنے کے سامان میسر نہیں آئے وہ تو ان کی نسبت بھی زیادہ لاعلم اور بے خبر ہیں۔ پس اس بارہ میں جو جو سہولتیں خدا کے سچے اور کامل الہام نے کہ جو قرآن شریف ہے عقل کو عطا کی ہیں اور جن جن سرگردانیوں سے فکر اور نظر کو بچایا ہے وہ ایک ایسا امر ہے کہ جس کا ہر یک عاقل کو شکر کرنا لازم ہے۔ سو کیا اس اعتبار سے کہ ابتدا امر خداشناسی
۱۹۷ کی الہام ہی کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور کیا اس وجہ سے کہ معرفت الٰہی کا ہمیشہ از سرنو زندہ ہونا الہام ہی کے ہاتھ سے ہوتا آیا ہے اور کیا اس خیال سے کہ مشکلات راہ سے رہائی پانا الہام ہی کی امداد پر منحصر ہے ہر عاقل کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ وہ راہ

مقرر کرنے سے خود بار بار اس بات کی طرف جوش دلاوے کہ وہ نظیر بنانے میں کوئی دقیقہ سعی اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

جو نہایت صاف اور سیدھی اور ہمیشہ سے کھلی ہوئی اور مقصود تک پہنچاتی ہوئی چلی آئی ہے وہ وحی ربانی ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ وہ
کھلا ہوا صحیفہ نہیں محض لا طائل اور سراسر حمق ہے۔ علاوہ برآں ہم پہلے اس سے برہموسماج والوں کی خداشناسی کے بارہ میں
بہ تفصیل لکھ چکے ہیں کہ ایمان ان کا جو صرف دلائل عقلیہ پر مبنی ہے ہونا چاہیے کے مرتبے تک محدود ہے اور مرتبہ کاملہ ہے کا
انہیں نصیب نہیں۔ سوا اس تحقیقات سے بھی یہی ثابت ہے کہ کھلا ہوا اور واضح راستہ معرفت الٰہی کا صرف بذریعہ کلام الٰہی ملتا
ہے اور کوئی ذریعہ اس کے وصول وحصول کا نہیں۔ ایک بچہ نوزاد کو تعلیم سے محروم رکھ کر صرف صحیفہ فطرت پر چھوڑ دو۔ پھر
دیکھو کہ وہ اس صحیفہ کے ذریعہ سے جس کو برہموسماج والے کھلا ہوا خیال کر رہے ہیں کون سی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور کس
درجہ خداشناسی پر پہنچ جاتا ہے۔ بہت سے تجارب سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اگر کوئی سماعی طور پر جس کا اصل الہام ہے
خدا کے وجود سے اطلاع نہ پاوے تو پھر اس کو کچھ پتہ نہیں لگتا کہ اس عالم کا کوئی صانع ہے یا نہیں۔ اور اگر کچھ صانع کی
تلاش میں توجہ بھی کرے تو صرف بعض مخلوقات جیسے پانی۔ آگ۔ چاند۔ سورج وغیرہ کو اپنی نظر میں خالق وقابل پرستش
قرار دے دیتا ہے۔ جیسا یہ امر جنگلی آدمیوں پر نظر کرنے سے ہمیشہ بہ پایہ تصدیق پہنچتا رہا ہے۔ پس یہ الہام ہی کا فیض
ہے جس کی برکتوں سے انسان نے اس خدائے بے مثل ومانند کو اسی طرح پر شناخت کر لیا جیسا اس کی ذات کامل و بے عیب
کے لائق ہے۔ اور جو لوگ الہام سے بے خبر ہو گئے اور کوئی کتاب الہامی ان میں موجود نہ رہی اور نہ کوئی ذریعہ الہام پر
اطلاع پانے کا ان کو میسر آیا باوجود اس کے کہ آنکھیں بھی رکھتے تھے اور دل بھی مگر کچھ بھی معرفت الٰہی ان کو نصیب نہ ہوئی
بلکہ رفتہ رفتہ انسانیت سے بھی باہر ہو گئے اور قریب قریب حیوانات لایعقل کے پہنچ گئے اور صحیفہ فطرت نے کچھ بھی ان کو
فائدہ نہ پہنچایا۔ پس ظاہر ہے کہ اگر وہ صحیفہ کھلا ہوا ہوتا تو اس سے جنگلی لوگ فائدہ اٹھا کر معرفت اور خداشناسی میں ان لوگوں
کے برابر ہو جاتے جنہوں نے بذریعہ الہام الٰہی خداشناسی میں ترقی کی۔ پس صحیفہ فطرت کے بند ہونے میں اس سے زیادہ
تر اور کیا ثبوت ہوگا کہ جس کسی کا کام صرف اسی صحیفہ سے پڑا اور الہام الٰہی کا اس نے کبھی نام نہ سنا وہ خدا کی شناخت سے ١٩٨
بالکل محروم بلکہ انسانیت کے آداب سے بھی دور اور مہجور رہا۔

اور اگر صحیفہ فطرت کے کھلے ہوئے ہونے سے یہ مطلب ہے کہ وہ جسمانی طور پر نظر آتا ہے تو یہ بے سود خیال ہے جس کو بحث
ہذا سے کچھ تعلق نہیں۔ کیونکہ جس حالت میں کوئی شخص صرف اس صحیفہ فطرت پر نظر کر کے کوئی فائدہ علم دین کا اٹھا نہیں سکتا
اور جب تک الہام رہبری نہ کرے خدا کو پا نہیں سکتا تو پھر ہمیں اس سے کیا کہ کوئی چیز ہر وقت نظر آ رہی ہے یا نہیں۔ اور یہ
گمان کہ الہام الٰہی کا دروازہ کسی زمانہ میں بند رہا تھا اس سے بھی اگر کچھ ثابت ہو تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ برہموسماج والوں کو
سلسلہ دنیا کی تاریخ سے کچھ بھی خبر نہیں اور نرے اس اندھے کی طرح ہیں کہ جو راستہ چھوڑ کر کسی گڑھے میں گر پڑے اور پھر
شور مچا دے کہ ہے ہے کس ظالم نے راستہ میں گڑھا کھود رکھا ہے۔ اور یا ایسے متعصّبانہ خیالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ
برہمو لوگ دانستہ حق پر پردہ ڈالتے ہیں اور جان بوجھ کر ایک امر مشہود وموجود سے انکاری ہیں۔ ورنہ کیونکر باور کیا جائے کہ وہ
ایک چھوٹے بچہ کی طرح ایسے ناواقف ہیں کہ اب تک انہیں اس بدیہی صداقت کی بھی کچھ خبر نہیں کہ ہمیشہ توحید الٰہی صرف
الہام ہی کے ذریعہ سے پھیلتی رہی ہے اور معرفت الٰہی کے طالبوں کے لئے قدیم سے یہی دروازہ کھلا رہا ہے۔ اے
حضرات!! کچھ خدا کا خوف کریں۔ اتنا خلاف گوئی میں بڑھتے نہ جائیں۔ اگر آپ کی بصیرت میں کچھ خلل ہے تو کیا

کوشش اور اتفاق باہمی کا اٹھا نہ رکھیں اور اپنی جان بچانے کیلئے جان لڑا کر مقابلہ کریں ورنہ اگر یونہی ١٦٦

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

بصارت بھی جاتی رہی ہے۔ کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ کروڑ ہا کروڑ موحد یعنی اہل اسلام جن کے دل توحید کے چشمہ صافی سے
لبریز ہو رہے ہیں اور جن کی وحدانیت خالص کے مقابلہ پر آپ لوگوں کے عقائد میں کئی طرح سے شرک کی آلودگی اور صدہا
طرح کا فتور و قصور پایا جاتا ہے وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کلام الٰہی سے فیض پایا۔ وہی چشمہ خدا کے کلام کا جوش مار کر
دور دور تک بہ نکلا۔ اسی نے ہندوستان کے خشک شدہ باغ کو بھی ثلث کے قریب سرسبز کر دیا اور جو باقی رہ گئے ان میں سے
بھی کئی دلوں پر اس پاک چشمہ کا اثر جا پڑا اور کچھ نہ کچھ ان کو بھی توحید کی طرف کھینچ لایا۔ قرآن کے پہنچنے سے پہلے جس
حالت ہندوؤں کی گمراہی پہنچ گئی تھی وہ حالت ان پرانوں اور پستکوں کو پڑھ کر معلوم کرنی چاہیے کہ جو قرآن کے آنے سے
کچھ تھوڑے دن پہلے تصنیف ہو چکے تھے جن کی مشرکانہ تعلیموں نے تمام ہندوستان کو ایک دائرہ کی طرح گھیر لیا تھا تا تمہیں ١٩٩
معلوم ہو کہ اس زمانے میں تمہارے بزرگ رشیوں کے کیسے خیالات تھے اور تمہارے مرتاض منی اور رکھی کن کن توہمات
باطلہ میں ڈوب گئے تھے اور کیونکر بے جان مورتوں کے آگے ہاتھ جوڑتے اور آباہن کے منتر پڑھتے تھے۔ باوصف اس
کے کہ اس زمانہ میں بہت سا حصہ ان کو علوم عقلیہ میں سے حاصل ہو چکا تھا اور وید کے زمانہ کی نسبت فکر اور نظر کی مشق
میں بہت کچھ ترقی کر گئے تھے بلکہ منطق اور فلسفہ میں یونانیوں سے کچھ کم نہ تھے۔ مگر عقائد ایسے خراب اور ناپاک تھے کہ جو
ظاہراً اور باطناً بتمامہا شرک کی غلاظتوں سے آلودہ تھے اور جن کو کوئی حقانی صداقت چھو بھی نہیں گئی تھی اور سر سے پاؤں تک
جھوٹے اور بے بنیاد اور نکمے اور باطل تھے۔ جن کی تحریک سے تمام جہان کو آپ کے عقلمند بزرگوں نے اپنا معبود ٹھہرا رکھا
تھا۔ اگر ایک درخت تازہ و سرسبز و خوشنما نظر آیا اسی کو اپنا معبود ٹھہرایا۔ اگر کوئی آگ کا شعلہ زمین سے نکلتا پایا۔ اسی کی پوجا
شروع کر دی۔ اور جس چیز کو اپنی صورت یا خاصیت میں عجیب دیکھا یا ہولناک معلوم کیا وہی اپنا پرمیشر بنا لیا۔ نہ پانی چھوڑا،
نہ ہوا، نہ آگ، نہ پتھر، نہ چاند، نہ سورج، نہ پرند، نہ چرند۔ یہاں تک کہ سانپوں کی بھی پوجا کی۔ بلکہ ویدوں میں تو ابھی
مخلوق پرستی کی تعلیم کچھ تھوڑی تھی اور مورت پوجا کا تو ہنوز کچھ ذکر ہی نہ تھا مگر جو صاحب پیچھے سے بڑے بڑے منطقی بن کر
ان پر حاشیئے چڑھاتے گئے، انہوں نے صدہا مصنوعی پرمیشر بنانے یا آپ ہی پرمیشر بن جانے میں وہ کمال دکھلایا جس
سے ان کی نظروں اور فکروں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طرح طرح کے اوہام سوداویہ میں پڑ کر ذات مدبر عالم کے حقیقی وجود
اور اس کی تمام صفات کاملہ سے منکر ہو گئے اور جو کچھ ان کے اپنشدوں اور پرانوں اور پستکوں نے ہندوؤں کے دلوں میں
تاثیریں کیں اور جن جن توہمات میں ان کو ڈال دیا اور جن راہوں پر ان کو قائم کر دیا اور جن چیزوں کی پرستش کی طرف
انہیں جھکا دیا وہ ایسا امر نہیں ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ ہو یا کسی کے چھپانے سے چھپ سکے یا کسی کے انکار سے مشتبہ ہو جائے۔
علیٰ ہذا القیاس یونانیوں کا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے بھی کوے کی طرح زیرک کہلا کر پھر شرک کی نجاست کھائی اور مجرد
عقل نے کسی زمانہ میں کوئی ایسی جماعت تیار نہ کی جو توحید خالص پر قائم ہوتی۔ اور میں نے بخوبی تحقیق کیا ہے کہ برہمو سماج
والوں کی توحید کی طرف مائل ہونے کی بھی یہی اصل ہے کہ جو ان کے بعض بزرگوں میں سے وہ شخص جو بانی مبانی اس
مذہب کا تھا اس نے قرآن شریف ہی سے کسی قدر توحید کا حصہ حاصل کیا تھا مگر اپنی بدنصیبی سے پوری توحید حاصل نہ کر سکا
پھر وہی تخم توحید جو خدا کی کلام سے لیا گیا تھا برہمو سماج والوں میں پھیلتا گیا۔ اگر کسی صاحب کو حضرات برہمو میں سے ہماری ٢٠٠
اس تحقیق میں کچھ کلام ہو تو لازم ہے کہ وہ ہمارے اس سوال کا مدلل طور پر جواب دیں کہ ان کو مسئلہ توحید کا کیونکر حاصل ہوا

۱۶۷ بلا پیش کرنے نظیر کے انکار کرتے رہیں تو اپنے گھر کو غارت اور اپنی عورتوں کو کنیز کیں اور آپنے آپ کو

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

آیا بطور سماع پہنچا یا ان کے کسی بانی نے صرف اپنی عقل سے ایجاد کیا۔ اگر بطور سماع پہنچا تو کھول کر بیان کرنا چاہیے کہ بجز قرآن شریف اور کون سی کتاب تھی جس نے خدا کا واحد لاشریک ہونا اور عیال واطفال سے پاک ہونا اور حلول اور تجسم سے منزہ رہنا اور اپنی ذات اور جمیع صفات میں کامل اور یگانہ ہونا اس زمانہ میں خطہ ہندوستان میں مشہور کر رکھا تھا۔ جس سے یہ مسئلہ توحید ان کو حاصل ہوا اس کتاب کا نام بتلانا چاہیے اور اگر یہ دعویٰ ہے کہ اس بانی کو توحید کی خبر بطور سماع نہیں پہنچی بلکہ اس نے صرف اپنی ہی عقل کے زور سے اس مسئلہ کو پیدا کیا تو اس صورت میں یہ ثابت کر کے دکھلانا چاہیے کہ بانی مذکور کے وقت میں یعنی جس زمانہ میں برہمو مذہب کا بانی مبانی ایک مذہب جاری کرنے لگا، اس وقت ہندوستان میں بذریعہ قرآن شریف ابھی توحید نہیں پھیلی تھی کیونکہ اگر پھیل چکی تھی تو پھر توحید کا دریافت کرنا ایک ایجاد خیال نہیں کیا جائے گا بلکہ یقینی طور پر یہی سمجھا جائے گا کہ اس برہمو مذہب کے بانی نے قرآن شریف سے ہی مسئلہ توحید کو حاصل کیا تھا۔ بہرحال جب تک آپ لوگ دلائل قویہ سے میری اس رائے کو ردّ نہ کریں تب تک یہی ثابت ہے کہ آپ لوگوں نے قرآن شریف سے ہی مسئلہ وحدانیت الٰہی معلوم کیا۔ مگر نمک حرام آدمی کی طرح کافر نعمت رہے اور اپنے محسن اور مربی کا شکر بجا نہ لائے بلکہ ان لوگوں کی طرح جن کی طینت میں خبث اور فساد ہوتا ہے بجائے شکر بجالانے کے بدگوئی اختیار کی۔ ماسوائے اس کے تمام تواریخ دان بخوبی جانتے ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں بھی جب کسی نے خدا کے نام اور اس کی صفات کاملہ سے پوری پوری واقفیت حاصل کی تو الہام ہی کے ذریعہ سے کی اور عقل کے ذریعہ سے کسی زمانہ میں بھی توحید الٰہی شائع نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ جس جگہ الہام نہ پہنچا اس جگہ کے لوگ خدا کے نام سے بے خبر اور حیوانات کی طرح بے تمیز اور بے تہذیب رہے کون کوئی ایسی کتاب ہمارے سامنے پیش کر سکتا ہے کہ جو ازمنہ سابقہ میں سے کسی زمانہ میں علم الٰہی کے بیان میں تصنیف ہوئی ہو اور حقیقی سچائیوں پر مشتمل ہو جس میں مصنف نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ اس نے خداشناسی کے مستقیم راہ کو بذریعہ الہام حاصل نہیں کیا اور نہ خدائے واحد کی ہستی پر بطور سماع اطلاع پائی ہے بلکہ خدا کا پتہ لگانے اور صفات الٰہیہ کے جاننے اور معلوم کرنے میں صرف اپنی ہی عقل اور اپنے ہی فکر اور اپنی ہی ریاضت اور اپنی ہی عرق ریزی سے مدد ملی ہے اور بلاتعلیم غیرے آپ ہی مسئلہ وحدانیتؔ الٰہی کو معلوم کر لیا ہے اور خود بخود ذہن خدائے تعالیٰ کی سچی معرفت اور کامل شناسائی تک پہنچ گیا ہے۔ کون ہم ۲۰۱
کو ثابت کر کے دکھلا سکتا ہے کہ کوئی ایسا زمانہ بھی تھا کہ دنیا میں الہام الٰہی کا نام ونشان نہ تھا اور خدا کی مقدس کتابوں کا دروازہ بند تھا اور اس زمانے کے لوگ محض صحیفہ فطرت کے ذریعہ سے توحید اور خداشناسی پر قائم تھے۔ کون کسی ایسے ملک کا نشان بتلا سکتا ہے جس باشندے الہام کے وجود سے محض بے خبر رہ کر پھر فقط عقل کے ذریعہ سے خدا تک پہنچ گئے اور صرف اپنی ہی فکر ونظر سے وحدانیت حضرت باری پر ایمان لے آئے۔ آپ لوگ کیوں جاہلوں کو دھوکا دیتے ہیں اور کیوں بہ یکبارگی خدا سے بے خوف ہو کر فریب وتدلیس کی باتیں منہ پر لاتے ہیں اور جو کھلا ہوا ہے اس کو بند اور جو بند ہے اس کو کھلا ہوا بیان کرتے ہیں۔ کیا آپ کو اس ذات قادر مطلق پر ایمان ہے یا نہیں کہ جو انسان کے دل کے حقیقت خوب جانتا ہے اور جس کی نظر عمیق سے خیانت پیشہ لوگ پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔ لیکن یہی تو مشکل ہے کہ آپ کا ایمان ہی تنگ اور تاریک جگہ کی طرح ہے جس تک صاف اور بے دود روشنی کا نشان نہیں پہنچا۔ اسی وجہ سے آپ لوگوں کا مذہب بھی ہزاروں طرح کی تنگیوں اور ظلمتوں کا مجموعہ ہے اور ایسا منقبض ہے کہ کوئی گوشہ اس کا کھلا ہوا نظر نہیں آتا اور کوئی عقدہ صفائی اور درستی سے طے شدہ معلوم نہیں

مقتول سمجھیں۔ کیا ایسا دعویٰ ور پھر اس زور وشور کا کبھی کسی انسان نے بھی کیا؟ ہرگز نہیں۔ پس جس

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہوتا۔ خدا کے وجود کے بارے میں توتم سن ہی چکے ہو کہ آپ لوگوں کا ایمان کیسا اور کس قدر ہے۔ رہی یہ بات کہ جزا سزا
کے معاملہ پر آپ لوگوں کے یقین کا کیا حال ہے اور قانون قدرت نے اس بارہ میں کن کن معارف کا آپ پر دروازہ کھول
رکھا ہے۔ سو اس امر میں بھی بجز واہی خیالوں اور سوداوی وہموں کے اور کچھ بھی آپ لوگوں کے ہاتھ میں نہیں۔ جزا سزا کی
جزئیات دقیقہ تو یقینی طور پر کیا معلوم ہوں گی۔ اول یہی بات آپ لوگوں پر یقینی طور پر ثابت نہیں کہ جزا سزا فی الواقعہ ایک
امر شدنی ہے اور خدا ضرور انسانوں کو ان کے عملوں کا بدلہ دے گا۔ بھلا اگر معلوم ہے تو آپ ذرہ عقلی طور پر ثابت کر کے
دکھلایئے کہ خدا پر کیوں یہ فرض ہے کہ بنی آدم کو ان کی پرہیز گاری کا ضرور بدلہ دے اور فاسقوں سے ان کے فسق و فجور کا
مواخذہ کرے۔ جس حالت میں خدا پر خود یہی فرض نہیں کہ انسان کی روح کو برخلاف تمام حیوانوں کی روحوں کے ہمیشہ کے
لئے موجود رکھے اور دوسرے سب جانداران کی روح معدوم کردے تو پھر خاص انسان کو جزا سزا دینا اور دوسروں کو اس سے
بے نصیب رکھنا کیونکر اس پر فرض ہو جائے گا۔ کیا تمہاری نیکیوں سے خدا کو کچھ فائدہ پہنچتا ہے اور تمہاری بدیوں سے اس کو
کچھ تکلیف ملتی ہے تا وہ نیکوں سے آرام پا کر ان کو نیکی کا بدلہ دے اور بدوں سے ایذا اٹھا کر ان سے کینہ کشی کرے اور اگر ۲۰۲
تمہاری نیکی بدی سے اس کا نہ کچھ ذاتی فائدہ ہے نہ نقصان تو پھر تمہاری اطاعت یا عدم اطاعت اس کے لئے برابر ہے اور
جب برابر ہوئی تو پھر اس صورت میں اعمال پر خواہ نخواہ پاداش کا مترتب ہونا کیونکر یقینی طور پر ثابت ہو۔ کیا یہ قرین انصاف
ہے کہ کوئی شخص محض اپنی مرضی سے بغیر حکم دوسرے کے کوئی کام کرے اور دوسرے پر خواہ نخواہ اس کا حق ٹھہر جائے ہرگز
نہیں۔ مثلاً اگر زید بدوں حکم بکر کے کوئی گڑھا کھودے یا کوئی عمارت بناوے تو گو یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اس گڑھے یا عمارت
میں بکر کا سراسر فائدہ ہے پر تب بھی از روئے قانون انصاف کے ہرگز بکر پر واجب نہیں ہوتا کہ زید کی محنت اور سعی کا عوض
ادا کرے۔ کیونکہ زید کی وہ محنت صرف اپنے ہی خیال سے ہے نہ بکر کی فہمائش اور حکم سے۔ پھر جس حالت میں ہماری
نیکیوں سے خدا کو کچھ فائدہ بھی نہیں پہنچتا بلکہ تمام عالم کے پرہیز گار اور نیکو کار ہو جانے سے بھی خدا کی بادشاہت ایک ذرہ
زیادہ نہیں ہوتی اور نہ ان سب کے فاسق اور بدکار ہو جانے سے اس کی بادشاہی میں ایک ذرہ خلل آتا ہے تو پھر اس صورت
میں جب تک خدا کی طرف سے کوئی صریح وعدہ نہ ہو کیونکر یقینی طور پر سمجھا جائے کہ وہ ہماری نیکیوں یا ہماری بدیوں کا ضرور
ہمیں پاداش دے گا۔ ہاں اگر خدا کی طرف سے کوئی وعدہ ہو تو اس صورت میں ہر یک عقل سلیم بہ یقین تمام سمجھتی ہے کہ وہ
اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا اور ہر شخص بشرطیکہ نرا احمق نہ ہو بخوبی جانتا ہے کہ وعدہ اور عدم وعدہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ جو
تسلی اور تشفی وعدہ سے حاصل ہوتی ہے وہ نری خود تراشیدہ خیالات سے ممکن نہیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں
ایمانداروں کو یہ وعدہ دیا ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝۱۲۲ (النساء: ۱۲۲) یعنی خدا مومنین صالحین کو ہمیشہ کی بہشت
میں داخل کرے گا۔ خدا کی طرف سے یہ سچا وعدہ ہے اور خدا سے زیادہ تر سچا اپنی باتوں میں اور کون ہے۔ اب خود منصف
ہو کر بتلاؤ کہ کیا اس صریح وعدہ سے صرف اپنے ہی دل کے خیالات برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا کبھی یہ دونوں صورتیں یکساں
ہو سکتی ہیں کہ ایک کو ایک راستباز کسی قدر مال دینے کا اپنی زبان سے وعدہ کرے اور دوسرے کو وہ راستباز اپنی زبان سے
کچھ بھی وعدہ نہ کرے۔ کیا مبشر اور غیر مبشر دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ اب اپنے ہی دل میں سوچو کہ زیادہ صاف

١٦٨ حالت میں کسی بشر نے اپنی کلام کے بےمثل ہونے میں دم بھی نہ مارا اور نہ اپنی قویٰ کو قویٰ بشریہ سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

٢٠٣ اور کھلا ہوا اور باطمینان وہ کامؔ ہے کہ جس میں خدا کی طرف سے نیک اجر دینے کا وعدہ ہو یا وہ کام کہ جو فقط اپنے ہی دل کا منصوبہ ہو اور خدا کی طرف سے خاموشی ہو۔ کون دانا ہے کہ جو وعدہ کو غیر وعدہ سے بہتر نہیں جانتا۔ کون سا دل ہے جو عدہ کے لئے نہیں تڑپتا۔ اگر خدا کی طرف سے ہمیشہ چپ چاپ ہی ہو تو پھر اگر خدا کی راہ میں کوئی محنت بھی کرے تو کس بھروسہ پر۔ کیا وہ اپنے ہی تصوارت کو خدا کے وعدہ قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ جس کا ارادہ ہی معلوم نہیں کہ وہ کون سا بدلہ دے گا اور کیونکر دے گا اور کب تک دے گا۔ اس کے کام پر کون خودبخود پختہ امید کر سکتا ہے۔ اور ناامیدی کی حالت میں کیونکر محنتوں اور کوششوں پر دل لگا سکتا ہے۔ انسان کی کوششوں کو حرکت دینے والے اور انسان کے دل میں کامل جوش پیدا کرنے والے خدا کے وعدے ہیں۔ انہیں پر نظر کر کے عقلمند انسان اس دنیا کی محبت کو چھوڑتا ہے اور ہزاروں پیوندوں اور تعلقوں اور زنجیروں سے خدا کے لئے الگ ہو جاتا ہے۔ وہی وعدے ہیں کہ جو ایک آلودہ حرص و ہوا کو ایکبارگی خدا کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ جبھی کہ ایک شخص پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ خدا کا کلام برحق ہے اور اس کا ہر یک وعدہ ضرور ایک دن ہونے والا ہے۔ تو اسی وقت دنیا کی محبت اس پر سرد ہو جاتی ہے۔ ایک دم میں وہ کچھ اور ہی چیز ہو جاتا ہے اور کسی اور ہی مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ کیا ایمان کے رو سے اور کیا عمل کے رو سے اور کیا جزا سزا کیا امید کے رو سے کھلا ہوا اور مفتوح دروازہ خدا کے سچے الہام اور پاک کلام کا دروازہ ہے وبس۔

کلام پاک آں بیچوں دہد صد جام عرفاں را ۔۔۔ کسے کو بیخبر زاں می چہ داند ذوق ایماں را
نہ چشم است آنکہ در کوری ہمہ عمرے بسر کرد است ۔۔۔ نہ گوش است آنکہ نہ شنیدست گاہے قول جاناں را

وسوسۂ ہفتم:۔ کسی کتاب پر علم الٰہی کی ساری صداقتیں ختم نہیں ہو سکتیں پھر کیونکر امید کی جائے کہ ناقص کتابیں کامل معرفت تک پہنچا دیں گی۔

جواب۔ یہ وسوسہ اس وقت تک قابل التفات ہوتا کہ جب برہم سماج والوں میں سے کوئی صاحب اپنی عقل کے زور سے خدا شناسی یا کسی دوسرے امر معاد کے متعلق کوئی ایسی جدید صداقت نکالتا جس کا قرآن شریف میں کہیں ذکر نہ ہوتا۔ اور ایسی حالت میں بلاشبہ حضرات برہمو بڑے ناز سے کہہ سکتے تھے کہ علم معاد اور خدا شناسی کی ساری صداقتیں کتاب الہامی میں مندرج نہیں۔ بلکہ فلاں فلاں صداقت باہر رہ گئی ہے جس کو ہم نے دریافت کیا ہے۔ اگر ایسا کر کے دکھلاتے تب تو شاید کسی
٢٠٤ نادان کو کوئی دھوکا بھی دے سکتے۔ پر جس حالت میں قرآن شریف کھلا کھلا دعویٰ کر رہا ہے: مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ (الانعام: ٣٨) یعنی کوئی صداقت علم الٰہی کے متعلق جو انسان کیلئے ضروری ہے اس کتاب سے باہر نہیں۔ اور پھر فرمایا: يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ (البینۃ: ٢۔ ٣) یعنی خدا کا رسول پاک صحیفے پڑھتا ہے۔ جن میں تمام کامل صداقتیں اور علوم اولین و آخرین درج ہیں۔ اور پھر فرمایا: كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ھود: ۱) یعنی اس کتاب میں دو خوبیاں ہیں۔ ایک تو یہ کہ حکیم مطلق نے محکم اور مدلل طور پر یعنی علوم حکمیہ کی طرح اس کو بیان کیا ہے۔ بطور کتھا یا قصہ نہیں۔ دوسری یہ خوبی کہ اس میں تمام ضروریات علم معاد کی تفصیل کی گئی ہے۔ اور پھر فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝١٣ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝١٤ (الطارق: ١٣۔ ١٤) یعنی علم معاد میں جس قدر تنازعات اٹھیں سب کا فیصلہ یہ کتاب کرتی ہے۔ بے سود اور بیکار نہیں ہے۔ اور پھر فرمایا: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى

کچھ زیادہ خیال کیا بلکہ صدہا نامی گرامی شاعروں نے لڑکر مرنا اختیار کیا مگر قرآن شریف جیسا کوئی کلام

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ﴿۶۴﴾ (النحل: ۶۴) یعنی ہم نے اس لئے کتاب کو نازل کیا ہے تا جو اختلافات عقول ناقصہ کے باعث
سے پیدا ہوگئے ہیں یا کسی عمداً افراط وتفریط کرنے سے ظہور میں آئے ہیں ان سب کو دور کیا جائے۔ اور ایمانداروں کے
لئے سیدھا راستہ بتلایا جاوے۔ اس جگہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو فساد بنی آدم کے مختلف کلاموں سے پھیلا ہے
اس کی اصلاح بھی کلام ہی پر موقوف ہے یعنی اس بگاڑ کے درست کرنے کے لئے جو بیہودہ اور غلط کاموں سے پیدا ہوا ہے
ایسے کلام کی ضرورت ہے کہ جو تمام عیوب سے پاک ہو۔ کیونکہ یہ نہایت بدیہی بات ہے کہ کلام کا رہزدہ کلام ہی کے ذریعہ
سے راہ پر آسکتا ہے۔ صرف اشارات قانون قدرت تنازعات کلامیہ کا فیصلہ نہیں کرسکتے اور نہ گمراہوں کو اس کی گمراہی پر
بصفائی تمام ملزم کرسکتے ہیں۔ جیسے اگر جج نہ مدعی کی وجوہات بہ تصریح قلمبند کرے۔ نہ مدعا علیہ کے عذرات کو بدلائل قاطعہ
توڑے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ صرف اس کے اشارات سے فریقین اپنے اپنے سوالات و اعتراضات و وجوہات کا جواب
پالیں اور کیونکر ایسے مبہم اشارات پر جن سے کسی فریق کا باطمینان کامل رفع عذر نہیں ہوا حکم اخیر مترتب ہوسکتا ہے۔ اسی
طرح خدا کی حجت بھی بندوں پر تب ہی پوری ہوتی ہے کہ جب اس کی طرف سے یہ التزام ہو کہ جو لوگ غلط تقریروں کے
اثر سے طرح طرح کی بدعقیدگی میں پڑ گئے ہیں ان کو بذریعہ اپنی کامل وصحیح وتقریر کے غلطی پر مطلع کرے اور مدلل اور واضح
بیان سے ان کا گمراہ ہونا ان کو جتلا دے۔ تا اگر اطلاع پاکر پھر بھی وہ باز نہ آویں اور غلطی کو نہ چھوڑیں تو سزا کے لائق ہوں۔
خدائے تعالیٰ ایک کو مجرم ٹھہرا کر پکڑ لے اور سزا دینے کو تیار ہوجائے۔ مگر بیان واضح سے اس کے دلائل بریت کا غلط ہونا ۲۰۵
ثابت نہ کرے اور اس کے دلی شبہات کو اپنی کھلی کلام سے نہ مٹا دے۔ کیا یہ اس کا منصفانہ حکم ہوگا؟ پھر اسی کی طرف دوسری
آیت میں بھی اشارہ فرمایا: ھُدًی لِّلنَّاسِ وَ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡھُدٰی وَ الۡفُرۡقَانِ (البقرہ: ۱۸۶) یعنی قرآن میں تین صفتیں
ہیں۔ اول یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ
اجمال چلا آتا تھا ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہوگیا تھا ان میں قول فیصل
بیان کرکے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے۔ اور پھر اسی جامعیت کے بارے میں فرمایا: وَ کُلَّ شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا
(بنی اسرائیل: ۱۲) یعنی اس کتاب میں ہر یک علم دین کو بہ تفصیل تمام کھول دیا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے انسان کی جزئی
ترقی نہیں بلکہ یہ وہ وسائل بتلاتا ہے اور ایسے علوم کاملہ تعلیم فرماتا ہے جن سے کلی طور پر ترقی ہو۔ اور پھر فرمایا: وَ نَزَّلۡنَا
عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ تِبۡیَانًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُسۡلِمِیۡنَ (النحل: ۸۹) یعنی یہ کتاب ہم نے اس لئے تجھ
پر نازل کی کہ تا ہر یک دینی صداقت کو کھول کر بیان کردے اور تا یہ بیان کامل ہمارا ان کے لئے جو اطاعت الٰہی اختیار
کرتے ہیں موجب ہدایت ورحمت ہو۔ اور پھر فرمایا: الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ
(ابراہیم: ۱) یعنی یہ عالی شان کتاب ہم نے تجھ پر نازل کی تا کہ تو لوگوں کو ہر یک قسم کی تاریکی سے نکال کر نور میں داخل
کرے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس قدر انسان کے نفس میں طرح طرح کے وساوس گزرتے ہیں اور شکوک وشبہات
پیدا ہوتے ہیں ان سب کو قرآن شریف دور کرتا ہے۔ اور ہر یک طور کے خیالات فاسدہ کو مٹاتا ہے اور معرفت کامل کا نور
بخشتا ہے یعنی جو کچھ خدا کی طرف رجوع ہونے اور اس پر یقین لانے کیلئے معارف وحقائق درکار ہیں سب عطا فرماتا ہے۔
اور پھر فرمایا: مَا کَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰکِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ تَفۡصِیۡلَ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ

بقدر ایک سورت بھی نہ بنا سکے تو پھر خواہ نخواہ ان بیچاروں کی کلام خام کو بے نظیر ٹھہرانا اور صفت کاملہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

يُؤْمِنُوْنَ (یوسف:۱۱۱) یعنی قرآن ایسی کتاب نہیں کہ انسان اس کو بنا سکے بلکہ اس کے آثار صدق ظاہر ہیں کیونکہ وہ پہلی
کتابوں کو سچا کرتا ہے۔ یعنی کتب سابقہ انبیاء میں جو اس کے بارے میں پیشین گوئیں موجود تھیں وہ اس کے ظہور سے بہ
پایہ صداقت پہنچ گئیں۔ اور جن عقائد حقہ کے بارے میں ان کتابوں میں دلائل واضح موجود نہ تھیں، ان کے قرآن نے
دلائل بتلائے اور ان کی تعلیم کو مرتبہ کمال تک پہنچایا۔ اس طور پر ان کتابوں کو سچا کیا جس سے خود سچائی اس کی ثابت ہوتی
ہے۔ دوسرے نشانِ صدق یہ کہ ہر یک صداقت دینی کو وہ بیان کرتا ہے اور تمام وہ امور بتلاتا ہے کہ جو ہدایت کامل پانے ۲۰۶
کے لئے ضروری ہیں اور یہ اس لئے نشان صدق ٹھہرا کہ انسان کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ اس کا علم ایسا وسیع ومحیط ہو
جس سے کوئی دینی صداقت وحقائق دقیقہ باہر نہ رہیں۔ غرض ان تمام آیات میں خدائے تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ قرآن
شریف ساری صداقتوں کا جامع ہے اور یہی بزرگ دلیل اس کی حقانیت پر ہے۔ اور اس دعویٰ پر صدہا برس بھی گذر گئے پر
آج تک کسی برہمو وغیرہ نے اس کے مقابلہ پر دم بھی نہ مارا۔ تو اس صورت میں ظاہر ہے کہ بغیر پیش کرنے کسی ایسی جدید
صداقت کے کہ جو قرآن شریف سے باہر رہ گئی ہو، یونہی دیوانوں اور سودائیوں کی طرح اوہام باطلہ پیش کرنا جن کی کچھ بھی
اصلیت نہیں اس بات پر پختہ دلیل ہے کہ ایسے لوگوں کو راست بازوں کی طرح حق کا تلاش کرنا منظور ہی نہیں۔ بلکہ نفس
امارہ کو خوش رکھنے کے لئے اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ کسی طرح خدا کے پاک احکام سے بلکہ خدا ہی سے آزادگی
حاصل کرلیں۔ اسی آزادگی کے حصول کی غرض سے خدا کی سچی کتاب سے جس کی حقانیت اظہر من الشّمس ہے ایسے منحرف
ہو رہے ہیں کہ نہ متکلم بن کر شائستہ طریق پر کلام کرتے ہیں اور نہ سامع ہونے کی حالت میں کسی دوسرے کی بات سنتے
ہیں۔ بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ کب کسی نے کوئی صداقت دینی قرآن کے مقابلہ پر پیش کی جس کا قرآن نے کچھ جواب نہ
دیا اور خالی ہاتھ بھیج دیا، جس حالت میں تیرہ سو برس سے قرآن شریف بآواز بلند دعویٰ کر رہا ہے کہ تمام دینی صداقتیں اس
میں بھری پڑی ہیں۔ تو پھر یہ کیسا خبث طینت ہے کہ امتحان کے بغیر ایسی عالیشان کتاب کو ناقص خیال کیا جائے۔ اور یہ کس
قسم کا مکابرہ ہے کہ نہ قرآن شریف کے بیان کو قبول کریں اور نہ اس کے دعویٰ کو توڑ کر دکھلائیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان لوگوں
کے لبوں پر تو ضرور کبھی کبھی خدا کا ذکر آجاتا ہے۔ مگر ان کے دل دنیا کی گندگی سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی دینی بحث
شروع بھی کریں تو اس کو مکمل طور پر ختم کرنا نہیں چاہتے۔ بلکہ ناتمام گفتگو کا ہی جلدی سے گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ تا ایسا نہ ہو کہ
کوئی صداقت ظاہر ہو جائے۔ اور پھر بے شرمی یہ کہ گھر میں بیٹھ کر اس کامل کتاب کو ناقص بیان کرتے ہیں جس نے
بوضاحت تمام فرمادیا: اَلۡيَوۡمَ اَكۡمَلۡتُ لَـكُمۡ دِيۡنَكُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ (المائدہ:۳) آج میں نے اس کتاب کے
نازل کرنے سے علم دین کو مرتبہ کمال تک پہنچادیا اور اپنی تمام نعمتیں ایمانداروں پر پوری کردیں۔ اے حضرات! کیا تمہیں
کچھ بھی خدا کا خوف نہیں؟ کیا تم ہمیشہ اسی طرح جیتے رہو گے؟ کیا ایک دن خدا کے حضور میں اس جھوٹے منہ پر لعنتیں نہیں ۲۰۷
پڑیں گی؟ اگر آپ لوگ کوئی بھاری صداقت لئے بیٹھے ہیں جس کی نسبت تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے کمال جانفشانی اور عرق
ریزی اور موشگافی سے اس کو پیدا کیا ہے اور جو تمہارے گمان باطل میں قرآن شریف اس صداقت کے بیان کرنے سے
قاصر ہے تو تمہیں قسم ہے کہ سب کاروبار چھوڑ کر وہ صداقت ہمارے روبرو پیش کرو۔ تاہم تم کو قرآن شریف میں سے نکال
کر دکھلادیں۔ مگر پھر مسلمان ہونے پر مستعد رہو۔ اور اگر اب بھی آپ لوگ بدگمانی اور بک بک کرنا نہ چھوڑیں اور مناظرہ کا

خاصہ الٰہیہ میں انہیں شریک کرنا پرلے درجے کی نادانی وکوری ہے۔ کیونکہ جو شخص اس قدر دلائل واضحہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سیدھا راستہ اختیار نہ کریں تو بجز اس کے اور کیا کہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

الا اے کمر بستہ بر افترا　　مکش خویشتن را بہ ترک حیا
بخاصان حق کینہ ات تا کجا　　گہے شرمت آید ز گیہاں خدا
چو چیزے بود روشن اندر بہی　　برو ہر چہ بندی بود ابلہی
چو بر نیک گوہر گماں بد بری　　بدانند مردم کہ بد گوہری
چو گوئی در پاک را پر غبار　　غبار دو چشمت شود آشکار
سخن ہائے پر خبث وبے مغز وخام　　بود بر خبیثاں نشانے تمام
ندانید گفتن سخن جز دروغ　　برحق ندارد دروغے فروغ
نیارید یاد از حق بیچگوں　　پسند او فتاد ست دنیائے دوں
بہ دنیا کسے دل بہ بندد چرا　　کہ ناگاہ باید شدن زیں سرا
سرانجام ایں خانہ رنج ست و درد　　بہ پیچش نیایند مردان مرد
بدیں گل میالائے دل چوں خسے　　کہ عہد بقایش نماند بسے
زمان مکافات آید فراز　　تو برعیش دنیا بدیں ساں مناز
فریبے مخور از زر وسیم و مال　　کہ ہر مال را آخر آید زوال
نہ آوردہ ایم و نہ باخود بریم　　تہی آمدیم و تہی بگذریم
الا تا بہ تابی سر از روئے دوست　　جہانے نیرزد بیک موئے دوست
خدائے کہ جاں بر رہ او فدا　　نہ یابی رہش جز پئے مصطفٰی
ابوالقاسم آں آفتاب جہاں　　کہ روشن شد ازوے زمین و زماں
بشر کی بدے از ملک نیک تر　　نہ بودی اگر چوں محمدؐ بشر
نیاید ترا شرم از کردگار　　کہ اہل خرد باشی و باوقار
پس آنگہ شوی منکر آں رسول　　کہ یابد از و نور چشم عقول
ز سہو و زغفلت رہیدہ نہ　　ز طور بشر پاکشیدہ نہ
نیاید ز تو کار رب العباد　　مکن داوریہا ز جہل و عناد
مداں ناقص و ابکمش چوں جماد　　کمال خدا را مے فگن زیاد
تو خود ناقصی و دنی الصفات　　منہ تہمت نقص بر پاک ذات
خیالات بیہودہ کردت تباہ　　خود از پائے خود او فتادی بچاہ
خیالات شبے ہست تاریک و تار　　فزودہ برآں شب زکیں صد غبار

١٦٩ سے خدا اور انسان کے کاموں میں صریح فرق دیکھے اور پھر نہ دیکھے، وہ اندھا اور نادان ہی ہوا اور کیا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نہ دل را چو دزداں بشب شاد کن
بترس و ز روز سزا یاد کن

اگر در ہوا ہمچو مرغاں پری
وگر برسرِ آب ہا بگذری

٢٠٨ وگر ز آتش آئی سلامت بروں
وگر خاک را زرکنی از فسوں

نیاری کہ حق را کنی زیر و پست
مکن ژاژ خائی چوں مجنوں و مست

خدا ہر کہ را کرد مہر منیر
نہ گردد ز دست تو خاک حقیر

دل خود بہرزہ مسوز اے دنی
نہ کاہد ز مکر تو افزودنی

بہارست و باد صبا در چمن
کند نازہا با گل و یاسمن

زنسرین و گلہائے فصل بہار
نسیم صبا مے وزد عطر بار

تو اے ابلہ افتادہ اندر خزاں
ہمہ برگ افشاندہ چوں مفلساں

بہ قرآں چرا برسر کیں دوی
نہ دیدی ز قرآں مگر نیکوی

اگر نامدے در جہاں ایں کلام
نماندے بہ دنیا ز توحید نام

جہاں بود افتادہ تاریک و تار
از و شد منور رخ ہر دیار

بہ توحید راہی ازو شد عیاں
تراہم خبر شد کہ ہست آں یگاں

وگرنہ بہ بیں حال آبائے خویش
بہ انصاف بنگر درآں دین وکیش

بود آں فرومایہ بد گوہرے
کہ از منعم خود بتابد سرے

ز اندازۂ خویش برتر مپر
پژشکے مکن چوں ندانی ہنر

بقیں داں کہ ایں کار یزدانی است
نہ از دخل و تدبیر انسانی است

شد ایں دیں بفضل خدا ارجمند
نہ کار فریب است وسالوس وبند

درخشد درو نور چوں آفتاب
تو کوری نمی بینی اش زیں حجاب

بہ ناپاکی دل مشو بدگماں
وگر حجتے است بنمے عیاں

بہ شوق دل آویختن را بساز
پس آنگہ بہ بیں قدرت کارساز

گزیں کن زقومت یکے انجمن
کہ بایک تن از ماکند یک سخن

بما ہست فضل خداوند پاک
ز باطل پرستاں نداریم باک

بجوش است فیض احد در دلم
کہ تا بندِ ہر طالبے بگسلم

خدا را درِ لطفہا ہست باز
نسیم عنایات در اہتزاز

کسے کو بتابد سر از عدل و داد
کجا دم زند پیش صدق و سداد

کلام خدا ہر دم از عز و جاہ
کند روئے ناشرم سارس سیاہ

چساں رائے شخصے بگردد بلند
کہ طغیانِ نفسش بگردن فگند

ہوا۔ پس اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ بے نظیر ہونے کی حقیقت اور کیفیت ربانی کام اور کلام سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:۔

دل پاک و جولان فکر و نظر　دو جوہر بود لازم یک دگر
چو صوف صفا در دل آمیختند　مداد از سواد عیوں ریختند
خدا آفریدت ز یک مشت خاک　خودت داد نان تا نگردی ہلاک
بہر حاجتت گشت حاجت روا　کشود از ترحم دو دست عطا
چہ باداش جودش چنیں میدہی　کہ در علم خود را نظیرش نہی
چہ خود را برابر کنی باخدائے　تفو برچنیں عقل وادارک و رائے
خدا چوں دلے را بہ پستی فگند　بکوشش نیاریم کردن بلند
بکوشیم و انجام کار آں بود　کہ آں خواہش و رائے یزداں بود

وسوسہ ہشتم:۔ انسان کو خدا کا ہم کلام تجویز کرنا ادب سے دور ہے۔ فانی کو ذات ازلی ابدی سے کیا نسبت اور مشت خاک کو نور وجوب سے کیا مشابہت۔

۲۰۹ جواب۔ یہ وہم بھی سراسر بے اصل اور پوچ ہے اور اس کے قلع وقمع کے لئے انسان کو اسی بات کا سمجھنا کافی ہے کہ جس کریم اور رحمان نے افراد کاملہ بنی آدم کے دل میں اپنی معرفت کے لئے بے انتہا جوش ڈال دیا اور ایسا اپنی محبت اور اپنی انس اور اپنے شوق کی طرف کھینچا کہ وہ بالکل اپنی ہستی سے کھوئے گئے۔ تو اس صورت میں یہ تجویز کرنا کہ خدا ان کا ہم کلام ہونا نہیں چاہتا۔ اس قول کے مساوی ہے کہ گویا ان کا تمام عشق اور محبت ہی عبث ہے اور ان کے سارے جوش یک طرفہ خیالات ہیں۔ لیکن خیال کرنا چاہیے کہ ایسا خیال کس قدر بیہودہ ہے۔ کیا جس نے انسان کو اپنے تقرب کی استعداد بخشی اور اپنی محبت اور عشق کے جذبات سے بے قرار کر دیا۔ اس کے کلام کے فیضان سے اس کا طالب محروم رہ سکتا ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ خدا کا عشق اور خدا کی محبت اور خدا کے لئے بے خود اور محو ہو جانا یہ سب ممکن اور جائز ہے اور خدا کی شان میں کچھ حارج نہیں مگر اپنے محب صادق کے دل پر خدا کا الہام نازل ہونا غیر ممکن اور ناجائز ہے اور خدا کی شان میں حارج ہے۔ انسان کا خدا کی محبت کے بے انتہا دریا میں ڈوبنا اور پھر کسی مقام میں بس نہ کرنا اس بات پر شہادت قاطع ہے کہ اس کی عجیب الخلقت روح خدا کی معرفت کے لیے بنائی گئی ہے۔ پس جو چیز خدا کی معرفت کے لیے بنائی گئی ہے اگر اس کو وسیلہ معرفت کامل جو الہام ہے عطا نہ ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ خدا نے اس کو اپنی معرفت کے لئے نہیں بنایا۔ حالانکہ اس بات سے برہموسماج والوں کو بھی انکار نہیں کہ انسان سلیم الفطرت کی روح خدا کی معرفت کی بھوکی اور پیاسی ہے۔ پس اب ان کو آپ ہی سمجھنا چاہیے کہ جس حالات میں انسان صحیح الفطرت خود فطرتاً خدا کی معرفت کا طالب ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معرفت الٰہی کا ذریعۂ کامل بجز الہام الٰہی اور کوئی دوسرا امر نہیں۔ تو اس صورت میں اگر وہ معرفت کامل کا ذریعہ غیر ممکن الحصول بلکہ اس کا تلاش کرنا دور از ادب ہے۔ تو خدا کی حکمت پر بڑا اعتراض ہوگا کہ اس نے انسان کو اپنی معرفت کیلئے جوش تو دیا پر ذریعہ معرفت عطا نہ کیا۔ گویا جس قدر بھوک دی اس قدر روٹی دینا نہ چاہا اور جس قدر پیاس لگا دی اس قدر پانی دینا منظور نہ ہوا۔ مگر دانشمند لوگ اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ ایسا خیال سراسر خدا کی عظیم الشان رحمتوں کی ناقدر شناسی ہے۔ جس حکیم مطلق نے انسان کی ساری سعادت اس میں رکھی ہے کہ وہ اسی دنیا میں الوہیت کی شعاعوں کو کامل طور پر دیکھے تا اس زبردست کشش سے خدا کی طرف

مختص ہے اور ہر یک دانشمند جانتا ہے کہ خدا کی خدائی ماننے کے لئے بڑا بھارا ذریعہ جو کہ عقل کے ہاتھ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۱۰ کھینچا جائے۔ پھر ایسے کریم اور رحیم کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ انسان کو اپنی سعادت مطلوبہ اور اپنے مرتبہ فطرتیہ تک پہنچانا نہیں چاہتا۔ یہ حضرات برہمو کی عجب عقلمندی ہے۔

وسوسہ نہم:۔ یہ اعتقاد کہ خدا آسمان سے اپنی کلام نازل کرتا ہے یہ بالکل درست نہیں کیونکہ قوانین نیچر یہ اس کی تصدیق نہیں کرتے اور کوئی آواز اوپر سے نیچے کو آتی ہم کبھی نہیں سنتے۔ بلکہ الہام صرف ان خیالات کا نام ہے کہ جو فکر اور نظر کے استعمال سے عقلمند لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں وبس۔

جواب:۔ جو صداقت بجائے خود ثابت ہے اور جس کو بے شمار صاحب معرفت لوگوں نے بچشم خود مشاہدہ کر لیا ہے اور جس کا ثبوت ہر زمانہ میں طالب حق کو مل سکتا ہے اگر اس سے کوئی ایسا انسان منکر ہو کہ جو روحانی بصیرت سے بے بہرہ ہے یا اگر اس کی تصدیق سے کسی محجوب القلب کا فکر قاصر اور علم ناقص ناکام رہے تو اس صداقت کا کچھ بھی نقصان نہیں اور نہ وہ ایسے لوگوں کو بک بک کرنے سے قوانین قدرتیہ سے باہر ہو سکتی ہے۔ مثلاً تم سوچو کہ اگر کوئی اس قوت جاذبہ سے جو مقناطیس میں ہے بے خبر ہو اور اس نے کبھی مقناطیس دیکھا ہی نہ ہو اور یہ دعویٰ کرے کہ مقناطیس ایک پتھر ہے اور جہاں تک قوانین قدرتیہ کا مجھے علم ہے اس طور کی کشش کو میں نے کبھی کسی پتھر میں مشاہدہ نہیں کیا اس لئے میری رائے میں جو مقناطیس کی نسبت ایک خاصیت جذب خیال کی گئی ہے وہ غلط ہے کیونکہ قوانین نیچر یہ کے برخلاف ہے۔ تو کیا اس کی اس فضول گوئی سے مقناطیس کی ایک متحقق خاصیت غیر معتبر اور مشکوک ہو جائے گی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے نادان کی ان فضول باتوں سے اگر کچھ ثابت بھی ہوگا تو یہی ثابت ہوگا کہ وہ سخت درجہ کا احمق اور جاہل ہے کہ جو اپنے عدم علم کو عدم شے پر دلیل ٹھہراتا ہے اور ہزارہا صاحب تجربہ لوگوں کی شہادت کو قبول نہیں کرتا۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ قوانین قدرتیہ کے لئے یہ بھی شرط ہو کہ ہر یک فرد بشر عام طور پر خود ان کو آزما لیوے۔ خدا نے نوع انسان کو ظاہری و باطنی قوتوں میں متفاوت پیدا کیا ہے۔ مثلاً بعض کی قوت باصرہ نہایت تیز ہے، بعض ضعیف البصر ہیں، بعض بعض اندھے بھی ہیں۔ جو ضعیف البصر ہیں وہ جب دیکھتے ہیں کہ تیز بصارت والوں نے دور سے کسی باریک چیز کو مثلاً ہلال کو دیکھ لیا تو وہ انکار نہیں کرتے بلکہ انکار کرنا اپنی ذلت اور پردہ دری کا موجب سمجھتے ہیں اور اندھے بیچارے تو ایسے معاملہ میں دم بھی نہیں مارتے۔ اسی طرح جن کی قوت شامہ مفقود ہے وہ
۲۱۱ صدہا ثقہ اور راستگو لوگوں کی زبان سے خوشبو بدبو کی خبریں جب سنتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں اور ذرہ شک نہیں کرتے اور خوب جانتے ہیں کہ اس قدر لوگ جھوٹ نہیں بولتے ضرور سچے ہیں اور بلاشبہ ہماری ہی قوت شامہ ندارد ہے کہ جو ہم ان مشمومات کے دریافت کرنے سے محروم ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس باطنی استعدادوں میں بھی بنی آدم مختلف ہیں بعض ادنیٰ ہیں اور حجب نفسانی میں محجوب ہیں اور بعض قدیم سے ایسے نفوس عالیہ اور صافیہ ہوتے چلے آئے ہیں کہ جو خدا سے الہام پاتے رہے ہیں اور ادنیٰ فطرت کے لوگ کہ جو محجوب النفس ہیں ان کا نفوس عالیہ لطیفہ کے خصائص ذاتیہ سے انکار کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی اندھا یا ضعیف البصر صاحب بصارت قویہ کے مرئیات سے انکار کرے یا جیسا ایک اخشم آدمی جس کی قوت بویائی ابتدائی پیدائش سے ہی باطل ہو۔ صاحب قوت شامہ کے مشمومات سے منکر ہو۔

اور پھر منکر کے ملزم کرنے کیلئے بھی جو ظاہری طور پر تدابیر ہیں وہی باطنی طور پر بھی تدابیر موجود ہیں۔ مثلاً جس کی قوت شامہ کا مفقود ہونا بعلت مولودی ہے اگر وہ خوشبو بدبو کے وجود سے منکر ہو بیٹھے اور جس قدر لوگ صاحب قوت شامہ ہیں سب کو

میں ہے وہ یہی ہے کہ ہر یک صادر من اللہ ایسی بے نظیری کے رتبہ پر ہے کہ اس صانع وحید کے وجود

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

دروغ گو یا وہمی قرار دے تو اس کو یوں سمجھا سکتے ہیں کہ اس کو یہ کہا جائے کہ وہ بہت سی چیزوں مثلاً پارچات میں سے بعض پر عطر مل کر اور بعض کو خالی رکھ کر صاحب قوت شامہ کا امتحان کر لے تا تکرار تجربہ سے اس کو اس بات پر یقین ہو جائے کہ قوت شامہ کا وجود بھی واقعی اور حقیقی ہے اور ایسے لوگ فی الحقیقت پائے جاتے ہیں کہ جو معطر اور غیر معطر میں فرق کر لیتے ہیں۔ ایسا ہی تکرار تجربہ سے الہام کا وجود طالب حق پر ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ جب صاحب الہام پر وہ امور غیبیہ اور دقائق مخفیہ منکشف ہوتے ہیں کہ جو مجرد عقل سے منکشف نہیں ہو سکتے اور کتاب الہامی ان عجائبات پر مشتمل ہوتی ہے جن پر کوئی دوسری کتاب مشتمل نہیں ہوتی تو طالب حق اسی دلیل سے سمجھ لیتا ہے کہ الہام الٰہی ایک متحقق الوجود صداقت ہے۔ اور اگر نفوس صافیہ میں سے ہو تو خود ٹھیک ٹھیک راہ راست پر چلنے سے کسی قدر بہ حیثیت نورانیت قلب اپنے کے الہام الٰہی کو اولیاء اللہ کی طرح پا بھی لیتا ہے جس سے وحیٔ رسالت پر بطور حق الیقین اس کو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ طالب حق کے لئے کہ جو اسلام کے قبول کرنے پر دلی سچائی اور روحانی صدق اور خالص اطاعت سے رغبت ظاہر کرے ہم ہی اس طور پر تسلی کر دینے کا ذمہ اٹھاتے ہیں۔ وان کان احد فی شك من قولی فلیرجع الینا بصدق القدم واللّٰہ علی ما نقول قدیر وھو فی کل امر نصیر۔ ۲۱۲

اور یہ خیال کرنا کہ جو جو دقائق فکر اور نظر کے استعمال سے لوگوں پر کھلتے ہیں وہی الہام ہیں۔ بجز ان کے اور کوئی شے الہام نہیں۔ یہ بھی ایک ایسا وہم ہے جس کا موجب صرف کور باطنی اور بے خبری ہے۔ اگر انسانی خیالات ہی خدا کا الہام ہوتے تو انسان بھی خدا کی طرح بذریعہ اپنے فکر اور نظر کے امور غیبیہ کو معلوم کر سکتا لیکن ظاہر ہے کہ گو انسان کیسا ہی دانا ہو مگر وہ فکر کر کے کوئی امر غیب بتلا نہیں سکتا اور کوئی نشان طاقت الوہیت کا ظاہر نہیں کر سکتا اور خدا کی قدرت خاصہ کی کوئی علامت اس کے کلام میں پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ اگر وہ فکر کرتا کرتا مر بھی جائے۔ تب بھی ان پوشیدہ باتوں کو معلوم نہیں کر سکتا کہ جو اس کی عقل اور نظر اور حواس سے وراء الوراء ہیں اور نہ اس کا کلام ایسا عالی ہوتا ہے کہ جس کے مقابلہ سے انسانی قوتیں عاجز ہوں۔ پس اس وجہ سے عاقل کو یقین کرنے کیلئے وجوہ کافی ہیں کہ جو کچھ انسان اپنی فکر اور نظر سے بھلے یا برے خیالات پیدا کرتا ہے وہ خدا کا کلام نہیں بن سکتے۔ اگر وہ خدا کا کلام ہوتا تو انسان پر سارے غیب کے دروازے کھل جاتے اور وہ امور بیان کر سکتا جن کا بیان کرنا الوہیت کی قوت پر موقوف ہے کیونکہ خدا کے کام اور کلام میں خدائی کے تجلیات کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی کے دل میں یہ شبہ گزرے کہ نیک اور بد تدبیریں اور ہر یک شر و خیر کے متعلق باریک حکمتیں اور طرح طرح کے مکر و فریب کی باتیں کہ جو فکر اور نظر کے وقت انسان کے دل میں پڑ جاتی ہیں۔ وہ کس کی طرف سے اور کہاں سے پڑتی ہیں اور کیونکر سوچتے سوچتے یکدفعہ مطلب کی بات سوجھ جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام خیالات **خلق اللّٰہ** ہیں **امر اللّٰہ** نہیں۔ اور اس جگہ خلق اور امر میں ایک لطیف فرق ہے۔ **خلق** تو خدا کے اس فعل سے مراد ہے کہ جب خدائے تعالیٰ عالم کی کسی چیز کو بتوسط اسباب پیدا کر کے بوجہ علت العلل ہونے کے اپنی طرف اس کو منسوب کرے اور **امر** وہ ہے جو بلاتوسط اسباب خالص خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہو اور کسی سبب کی اس سے آمیزش نہ ہو۔ پس کلام الٰہی جو اس قادر مطلق کی طرف سے نازل ہوتا ہے۔ اس کا نزول عالم امر سے ہے نہ عالم خلق سے اور دوسرے جو جو خیالات انسانوں کے دلوں میں بوقت نظر اور فکر اٹھا کرتے ہیں وہ بتمامہا عالم خلق سے ہیں کہ جن میں قدرت الٰہیہ زیر پردۂ اسباب و قویٰ متصرف ہوتی ۲۱۳

۱۷۰ پر دلالت کامل کر رہا ہے۔ اور اگر یہ ذریعہ نہ ہوتا تو پھر عقل کو خدا تک پہنچنے کا راستہ مسدود تھا۔ اور جبکہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہے اور ان کی نسبت بسط کلام یوں ہے کہ خدا نے انسان کو اس عالم اسباب میں طرح طرح کی قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ پیدا کر کے ان کی فطرت کو ایک ایسے قانون فطرت پر مبنی کر دیا ہے۔ یعنی ان کی پیدائش میں کچھ اس قسم کی خاصیت رکھ دی ہے کہ جب وہ کسی بھلے یا برے کام میں اپنی فکر کو متحرک کریں تو اسی کے مناسب ان کو تدبیر سوجھ جایا کریں۔ جیسے ظاہری قوتوں اور حواسوں میں انسان کیلئے یہ قانون قدرت رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی آنکھ کھولے تو کچھ نہ کچھ دیکھ لیتا ہے اور جب اپنے کانوں کو کسی آواز کی طرف لگاوے تو کچھ نہ کچھ سن لیتا ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی نیک یا بد کام میں کوئی کامیابی کا راستہ سوچتا ہے تو کوئی نہ کوئی تدبیر سوجھ ہی جاتی ہے۔ صالح آدمی نیک راہ میں فکر کر کے نیک باتیں نکالتا ہے اور چور نقب زنی کے باب میں فکر کر کے کوئی عمدہ طریق نقب زنی کا ایجاد کرتا ہے۔ غرض جس طرح بدی کے بارے میں انسان کو بڑے بڑے عمیق اور نازک بدی کے خیال سوجھ جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی وقت کو جب انسان نیک راہ میں استعمال کرتا ہے تو نیکی کے عمدہ خیال بھی سوجھ جاتے ہیں اور جس طرح بدخیالات گو کیسے ہی عمیق اور دقیق اور جادو اثر کیوں نہ ہوں خدا کا کلام نہیں ہو سکتے، ایسا ہی انسان کے خود تراشیدہ خیالات جن کو وہ اپنے زعم میں نیک سمجھتا ہے کلام الٰہی نہیں ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ نیکوں کو نیک حکمتیں یا چوروں اور ڈاکوؤں اور خونیوں اور زانیوں اور جعلسازوں کو فکر اور نظر کے بعد بری تدبیریں سوجھتی ہیں وہ فطرتی آثار اور خواص ہیں اور بوجہ علت العلل ہونے حضرت باری کے ان کو خلق اللہ کہا جاتا ہے نہ امر اللہ۔ وہ انسان کے لئے ایسے ہی فطرتی خواص ہیں جیسے نباتات کے لئے قوت اسہال یا قوت قبض یا دوسری قوتیں فطرتی خواص ہیں۔ غرض جیسا اور چیزوں میں حکیم مطلق نے طرح طرح کے خواص رکھے ہیں ایسا ہی انسان کی قوت متفکرہ میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ جس نیک یا بد میں انسان اس سے مدد لینا چاہتا ہے۔ اسی قسم کی اس سے مدد ملتی ہے۔ ایک شاعر کسی کی ہجو میں شعر بناتا ہے۔ اس کو فکر کرنے سے ہجو کے شعر سوجھتے جاتے ہیں۔ دوسرا شاعر اسی شخص کی تعریف کرنی چاہتا ہے اس کو تعریف کا ہی مضمون سوجھتا ہے۔ سو اس قسم کے خیالات نیک اور بد خدا کی خاص مرضی کا آئینہ نہیں ہو سکتے اور نہ اس کا کام اور کلام کہلا سکتے ہیں۔ خدا کا پاک کلام وہ کلام ہے کہ جو انسانی قویٰ سے بکلی برتر و اعلیٰ ہے اور کمالیت اور قدرت اور تقدس سے بھرا ہوا ہے جس کے ظہور و بروز کے لئے اول شرط یہی ہے کہ بشری قوتیں بکلی معطل اور بیکار ہوں نہ فکر ہو نہ نظر ہو۔ بلکہ انسان مثل ۲۱۴ میت کے ہو۔ اور سب اسباب منقطع ہوں اور خدا جس کا وجود واقعی اور حقیقی ہے آپ اپنے کلام کو اپنے خاص ارادہ سے کسی کے دل پر نازل کرے۔ پس سمجھنا چاہیے کہ جس طرح آفتاب کی روشنی صرف آسمان سے آتی ہے آنکھ کے اندر سے پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح نور الہام کا بھی خاص خدا کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے نازل ہوتا ہے۔ یونہی اندر سے جوش نہیں مارتا۔ جبکہ خدا فی الواقع موجود ہے اور فی الواقع وہ دیکھتا، سنتا، جانتا، کلام کرتا ہے تو پھر اس کا کلام اسی حی و قیوم کی طرف سے نازل ہونا چاہیے نہ یہ کہ انسان کے اپنے ہی خیالات خدا کا کلام بن جائیں۔ ہمارے اندر سے وہی خیالات بھلے یا برے جوش مارتے ہیں کہ جو ہمارے اندازۂ فطرت کے مطابق ہمارے اندر سمائے ہوئے ہیں۔ مگر خدا کے بے انتہا علم اور بے شمار حکمتیں ہمارے دل میں کیونکر سما سکیں۔ اس سے زیادہ تر اور کیا کفر ہوگا کہ انسان ایسا خیال کرے کہ جس قدر خدا کے پاس خزائن علم وحکمت واسرار غیب ہیں۔ وہ سب ہمارے ہی دل میں موجود ہیں اور ہمارے ہی دل سے جوش مارتے ہیں۔ پس دوسرے لفظوں میں اس کا خلاصہ تو یہی ہوا کہ حقیقت میں ہم ہی خدا ہیں اور بجز ہمارے اور کوئی ذات قائم

خدا کو شناخت کرنا اسی اصول سے وابستہ ہے کہ جو کچھ اس کی طرف سے ہے وہ بے نظیر مان لیں ۔ تو پھر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

بنفسہ اور متصف بصفاتہ موجود نہیں جس کو خدا کہا جائے ۔ کیونکہ اگر فی الواقعہ خدا موجود ہے اور اس کے علوم غیر متناہی اسی سے
خاص ہیں جن کا پیمانہ ہمارا دل نہیں ہوسکتا۔ تو اس صورت میں کس قدر یہ قول غلط اور بیہودہ ہے کہ خدا کے بے انتہا علوم
ہمارے ہی دل میں بھرے پڑے ہیں اور خدا کے تمام خزائن حکمت ہمارے ہی قلب میں سما رہے ہیں ۔ گویا خدا کا علم اسی
قدر ہے جس قدر ہمارے دل میں موجود ہے ۔ پس خیال کرو کہ اگر یہ خدائی کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے ۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ
انسان کا دل خدا کے جمیع کمالات کا جامع ہوجائے ؟ کیا یہ جائز ہے کہ ایک ذرہ امکان آفتاب وجوب بن جائے ۔ ہرگز نہیں
ہرگز نہیں ۔ ہم پہلے ابھی لکھ چکے ہیں کہ الوہیت کے خواص جیسے علم غیب اور احاطہ دقائق حکیمہ اور دوسرے قدرتی نشان انسان
سے ہرگز ظہور پذیر نہیں ہوسکتے ۔ اور خدا کا کلام وہ ہے جس میں خدا کی عظمت ، خدا کی قدرت ، خدا کی برکت ، خدا کی ۲۱۵
حکمت ، خدا کی بے نظیری پائی جاوے ۔ سو وہ تمام شرائط قرآن شریف میں ہیں جیسے انشاء اللہ ثبوت اس کا اپنے موقعہ پر
ہوگا ۔ پس اگر اب بھی برہمو سماج والوں کو ایسے الہام کے وجود سے انکار ہو کہ جو امور غیبیہ اور دوسرے امور قدرتیہ پر مشتمل
ہو تو ان کو اپنی آنکھ کھولنے کے لئے قرآن شریف کو بغور تمام دیکھنا چاہیے تا کہ انہیں معلوم ہو کہ کیسے اس کلام پاک میں ایک
دریا اخبار غیب کا اور نیز ان تمام امور قدرتیہ کا کہ جو انسانی طاقتوں سے باہر ہیں بہہ رہا ہے ۔ اور اگرچہ بوجہ قلت بصیرت
وبصارت ان فضائل قرآنیہ کو خود بخود معلوم نہ کرسکیں تو ہماری اس کتاب کو ذرا آنکھ کھول کر پڑھیں تا وہ خزائن امور غیبیہ
واسرار قدرتیہ کہ جو قرآن شریف میں بھرے پڑے ہیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ان کو معلوم ہوجائیں اور یہ بھی ان کو
معلوم رہے کہ تحقق وجود الہام ربانی کے لئے کہ جو خاص خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے ۔
ایک اور بھی راستہ کھلا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ **امت محمدیہ** میں کہ جو سچے دین پر ثابت اور قائم ہیں ہمیشہ ایسے لوگ
پیدا کرتا ہے کہ جو خدا کی طرف سے ملہم ہوکر ایسے امور غیبیہ بتلاتے ہیں جن کا بتلانا بجز خدائے واحد لاشریک کے کسی کے
اختیار میں نہیں ۔ اور خداوند تعالیٰ اس پاک الہام کو انہیں ایمانداروں کو عطا کرتا ہے کہ جو سچے دل سے قرآن شریف کو خدا کا
کلام جانتے ہیں اور صدق اور اخلاص سے اس پر عمل کرتے ہیں اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا اور کامل
پیغمبر اور سب پیغمبروں سے افضل اور اعلیٰ اور بہتر اور خاتم الرسل اور اپنا ہادی اور رہبر سمجھتے ہیں ۔ دوسروں کو یہ الہام یعنی
یہودیوں ، عیسائیوں ، آریوں ، برہموں وغیرہ کو ہرگز نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ قرآن شریف کے کامل تابعین کو ہوتا رہا ہے اور اب
بھی ہوتا ہے اور آئندہ بھی ہوگا ۔ اور گو وحی رسالت بجہت عدم ضرورت منقطع ہے لیکن یہ الہام کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے با اخلاص خادموں کو ہوتا ہے یہ کسی زمانہ میں منقطع نہیں ہوگا ۔ اور یہ الہام وحی رسالت پر ایک عظیم الشان ثبوت ہے
جس کے سامنے ہر یک منکر و مخالف اسلام ذلیل اور رسوا ہے اور چونکہ یہ مبارک الہام اپنی تمام برکت اور عزت اور عظمت
اور جلال کے ساتھ صرف ان عزت دار بندوں میں پایا جاتا ہے کہ جو امت محمدیہ میں داخل ہیں اور خدام آنحضرتؐ والا جاہ
ہیں ۔ دوسرے کسی فرقہ میں یہ نور کامل کہ جو تقرب اور قبولیت اور خوشنودی حضرت عزت کی بشارتیں بخشتا ہے ہرگز پایا نہیں
جاتا اس لئے وجود اس مبارک الہام کا صرف نفس الہام کی حقانیت کو ثابت نہیں کرتا ۔ بلکہ یہ بھی ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں ۲۱۶
مقبول اور مستقیم دین پر جو فرقہ ہے وہ فقط اہل اسلام ہی کا فرقہ ہے اور باقی سب لوگ باطل پرست اور کجرو اور موردِ غضب
الٰہی ہیں ۔ نادان لوگ میری اس بات کو سنتے ہی طرح طرح کی باتیں بنائیں گے اور انکار سے سر ہلائیں گے یا احمقوں اور

١٧١ بندوں کیلئے بھی وہی صفت تجویز کرنا جو کہ خدا کی صفت خاصہ ہے عقل اور ایمان کی بیخ کنی ہے۔ جبکہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

شریروں کی طرح ٹھٹھا کریں گے۔ مگران کو سمجھنا چاہیے کہ خواہ نخواہ انکار اور ہنسی سے پیش آنا شریف النفس اور طالب الحق
انسانوں کا کام نہیں۔ بلکہ ان خبیث الطینت اور شریر النفس لوگوں کا کام ہے جن کو خدا اور راستی سے غرض نہیں۔ دنیا میں
ہزارہا چیزوں میں ایسے خواص ہیں کہ جو عقلی طور پر سمجھے نہیں جاتے صرف تجربہ سے انسان کو سمجھتا ہے۔ اسی وجہ سے عام طور
پر تمام عقلمندوں کا یہی قاعدہ ہے کہ جب تکرار تجربہ سے کسی چیز کی خاصیت ظاہر ہوجاتی ہے تو پھر اس خاصیت کے تحقق وجود
میں کسی عاقل کو شک باقی نہیں رہتا۔ اور آزمانے کے بعد وہی شخص شک کرتا ہے کہ جو نرا گدھا ہے۔ مثلاً تربد میں جو قوت
اسہال ہے یا مقناطیس میں جو قوت جذب ہے۔ اگرچہ اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں کہ کیوں ان میں یہ قوتیں ہیں۔ لیکن
جبکہ تکرار تجربہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ضرور ان چیزوں میں یہ قوتیں پائی جاتی ہیں۔ تو گو ان کی کیفیت وجود پر عقلی طور پر کوئی
دلیل قائم نہ ہو۔ لیکن بضرورت شہادت قاطعہ تجربہ اور امتحان کے ہریک عاقل کو ماننا پڑتا ہے کہ فی الحقیقت تربد میں قوت
اسہال اور مقناطیس میں خاصہ جذب موجود ہے۔ اور اگر کوئی ان کے وجود سے اس بناء پر انکار کرے کہ عقلی طور پر مجھ کو کوئی
دلیل نہیں ملتی تو ایسے شخص کو ہر یک دانا پاگل اور دیوانہ جانتا ہے اور سودائی اور مسلوب العقل قرار دیتا ہے۔ سو اب ہم
برہمو لوگوں اور دوسرے مخالفین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے الہام کی نسبت بیان کیا ہے یعنی یہ کہ وہ اب
بھی امت محمدیہ کے کامل افراد میں پایا جاتا ہے اور انہیں سے مخصوص ہے ان کے غیر میں ہرگز پایا نہیں جاتا۔ یہ بیان ہمارا ابلا
ثبوت نہیں بلکہ جیسا بذریعہ تجربہ ہزارہا صداقتیں دریافت ہورہی ہیں ایسا ہی یہ بھی تجربہ اور امتحان سے ہر یک طالب پر
ظاہر ہوسکتا ہے۔ اور اگر کسی کو طلب حق ہو تو اس کا ثابت کر دکھانا بھی ہمارا ہی ذمہ ہے بشرطیکہ کوئی برہمو یا اور کوئی منکر دین
اسلام کا طالب حق بن کر اور بصدق دل دین اسلام قبول کرنے کا وعدہ تحریری مشتہر کرکے اخلاص اور نیک نیتی اور اطاعت
٢١٧ سے رجوع کرے: فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ (آل عمران: ٦٣) بعض لوگ یہ وہم بھی پیش کرتے ہیں کہ جس
حالت میں امور غیبیہ کے بتانے والے دنیا میں کئی فرقے پائے جاتے ہیں کہ جو کبھی نہ کبھی اور کچھ نہ کچھ بتلا دیتے ہیں۔ اور
بعض اوقات کسی قدر ان کا مقولہ بھی سچ ہو رہتا ہے۔ جیسے منجم، طبیب، قیافہ دان، کاہن، رمال، جفری، فال بین اور بعض
بعض مجانین اور حال کے زمانہ میں مسمریزم کہ بعض امور ان سے مکشوف ہوتے رہے ہیں تو پھر امور غیبیہ الہام کی حقانیت پر
کیونکر حجت قاطع ہوں گے۔ اس کے جواب میں سمجھنا چاہیے کہ یہ تمام فرقے جن کا اوپر ذکر ہوا صرف ظن اور تخمین بلکہ وہم
پرستی سے باتیں کرتے ہیں یقینی اور قطعی علم ان کو ہرگز نہیں ہوتا۔ اور نہ ان کا ایسا دعویٰ ہوتا ہے اور بعض حوادث کونیہ سے جو یہ
لوگ اطلاع دیتے ہیں تو ان کی پیشین گوئیوں کا ماخذ صرف علامات و اسباب ظنیہ ہوتے ہیں جنہوں نے قطع اور یقین کے
مرتبہ سے مس بھی نہیں کیا ہوتا اور احتمال تلبیس اور اشتباہ اور خطا کا ان سے مرتفع نہیں ہوتا۔ بلکہ اکثر ان کی خبریں سراسر بے
اصل اور بے بنیاد اور دروغ محض نکلتی ہیں۔ اور باوصف اس کذب فاش اور خلاف واقعہ نکلنے کے ان کی پیشین گوئیوں میں
عزت اور قبولیت اور منصوریت اور کامیابی کے انوار پائے نہیں جاتے۔ اور ایسے خبریں بتانے والے اپنی ذاتی حالات میں
اکثر افلاس زدہ اور بدنصیب اور بدبخت اور بے عزت اور دون ہمت اور دنی النفس اور ناکام اور نامراد ہی نظر آتے ہیں اور
امور غیبیہ کو اپنی حسب مراد ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ ان کے حالات پر خدا کے قہر کی علامات نمودار ہوتی ہیں اور خدا کی طرف
سے کوئی برکت اور عزت اور نصرت ان کے شامل حال نہیں ہوتی۔ مگر انبیاء اور اولیاء صرف نجومیوں کی طرح امور غیبیہ کو

یہ بات نہایت واضح اور مضبوط دلائل سے ثابت ہوتی ہے کہ بندوں کا کوئی کام بے نظیر نہیں اور خدا کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ظاہر نہیں کرتے بلکہ خدا کے کامل فضل اور بزرگ رحمت سے کہ جو ہر دم ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ ایسی اعلیٰ پیشین
گوئیاں بتلاتے ہیں جن میں انوار قبولیت اور عزت کے آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے ہیں اور جو عزت اور نصرت کی
بشارت پر مشتمل ہوتے ہیں نہ نحوست اور نہ نکبت پر ① قرآن شریف کی پیشین گوئیوں پر نظر ڈالو۔ تو معلوم ہو کہ وہ نجومیوں
۲۱۸ وغیرہ درماندہ لوگوں کی طرح ہرگز نہیں۔ بلکہ ان میں صریح ایک اقتدار اور جلال جوش مارتا ہوا نظر آتا ہے اور اس میں تمام
پیشین گوئیوں کا یہی طریق اور طرز ہے کہ اپنی عزت اور دشمن کی ذلت اور اپنا اقبال اور دشمن کا ادبار اور اپنی کامیابی اور دشمن
کی ناکامی اور اپنی فتح اور دشمن کی شکست اور اپنی ہمیشہ کی سرسبزی اور دشمن کی تباہی ظاہر کی ہے۔ کیا اس قسم کی پیشین گوئیاں
کوئی نجومی بھی کرسکتا ہے۔ یا کسی رمال یا مسمریزم کے ذریعہ سے ظہور پذیر ہوسکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ ہمیشہ اپنی ہی خیر ظاہر
کرنا اور مخالف کا زوال اور وبال جتلانا اور جو بات مخالف مونہہ پر لاوے اسی کو توڑنا اور جو بات اپنے مطلب کی ہو اس
کے ہوجانے کا وعدہ کرنا۔ یہ تو صریح خدائی ہے انسان کا کام نہیں۔ اس بات کو بخوبی سمجھانے کی غرض سے ہم چند آیات
قرآن شریف جو امور غیبیہ پر مشتمل ہیں بطور نمونہ ذیل میں معہ ترجمہ لکھتے ہیں۔ تا عقلمند لوگ کہ جو اہل انصاف اور خدا ترس
ہیں بغور تمام پڑھ کر اور ان سب پیشین گوئیوں کو یکجائی نظر سے دیکھ کر خود انصاف کریں کہ کیا ایسے اخبار غیب بیان کرنا بجز
خدائے قادر مطلق کسی انسان کا کام ہے۔ اور وہ آیات معہ خلاصہ ترجمہ یہ ہیں:
۲۱۹ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ
الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ
هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ

حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

ان دنوں مولوی ابو عبداللہ صاحب قصوری کا ایک رسالہ جس کے خاتمہ میں انہوں نے الہام اور وحی کے بارے میں کچھ اپنی
۲۱۸ رائے ظاہر کی ہے۔ اتفاقاً میری نظر سے گزرا۔ اگرچہ صحت اور صفائی سے اچھی طرح نہیں کھلتا کہ مولوی صاحب ممدوح کی
اس تحریر کا کیا منشاء ہے۔ مگر جس قدر لوگوں نے میرے پاس بیان کیا ہے اور جو کچھ میں نے اس رسالہ کو پڑھ کر معلوم کیا ہے
وہ شکّی طور پر اس وہم میں ڈالتا ہے کہ گویا مولوی صاحب کو اولیاء اللہ کے الہام سے انکار ہے۔ واللّٰہ اعلم بما فی
قلبھم۔ بہرحال جو کچھ میں نے ان کے رسالہ سے سمجھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اول حضرت موصوف نے ایک لفظی بحث شروع
کر کے الہام کی بابت لکھا ہے کہ الہام کے معنی لغت میں یہ ہیں۔ الہام چیزے در دل انداختن و آنچہ خدا در دِل انداز د۔
اور پھر جھٹ پٹ اس پر یہ رائے ظاہر کر دی ہے کہ جب کہ الہام صرف دل کے خیال کا نام ہے خواہ نیک ہو خواہ بد۔ تو پھر اس
سے کسی ولی یا صالح یا ایماندار کی خصوصیت نہیں کیونکہ سب کسی کو انواع و اقسام کے خیالات دل میں گزرا کرتے ہیں۔ اور
دنیا میں کون ہے کہ جو خیالات سے خالی ہو۔ اس کے بعد مولوی صاحب نے چند مجمل اور مبہم باتیں لکھ کر تقریر کو ختم کر دیا
ہے۔ اور کوئی ایسی عبارت تصریح اور توضیح سے نہیں لکھی جس سے معلوم ہوتا کہ مولوی صاحب اس بات کے قائل اور اقراری
۲۱۹ ہیں کہ اولیاء اللہ اور مومنین کاملین خدا کے حضور میں ایک خاص رابطہ رکھتے ہیں اور خدا ان کو اپنے کلام کے ذریعہ سے جب

۱۷۲ سارے کام اور جو کچھ اس سے صادر ہوا بے نظیر ہے تو پھر اگر تم کو ایسی استقراءِ تام پر بھی اعتبار نہیں کہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۲۰ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى
عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا
۲۲۱ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا هَلْ هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۔ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ بَلْ
قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ
سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۔ سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۔ اَمْ
۲۲۲ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ
الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ
الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ یُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۔ وَ الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ اَلَمْ تَرَ
اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ۔ وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۔ وَ
بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ۔ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

چاہتا ہے بعض امور غیبیہ پر مطلع کرتا ہے اور اپنے کلمات پاک سے ان کو مشرف کرتا ہے اور دوسروں کو وہ مرتبہ بحکم قُلْ هَلْ
یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ (الانعام: ۵۰) نہیں مل سکتا۔ غرض مولوی صاحب کی اس طرز تحریر سے کہ جو ان کے رسالہ میں
درج ہے ضرور یہ شبہ گزرتا ہے کہ ان کو اولیاء اللہ کے الہام کی نسبت کچھ دل میں خلجان ہے۔ اگر خدانخواستہ مولوی صاحب کا
منشاء یہی ہے کہ جو سمجھا جاتا ہے۔ تو کچھ شک نہیں کہ مولوی صاحب نے بڑی بھاری غلطی کی ہے۔ اولیاء اللہ کے ملہم من اللہ
ہونے سے انکار کرنا ہر یک مسلمان سے بعید ہے اور مولوی صاحبوں سے بعید تر۔ کیا مولوی صاحب کو معلوم نہیں کہ حضرت
موسیٰ کی والدہ سے بطور الہام خدا کا کلام کرنا، مریم سے بطور الہام خدا کا کلام کرنا۔ حواریوں سے بطور الہام خدا کا کلام کرنا
خود قرآن شریف میں مندرج اور مرقوم ہے۔ حالانکہ اب سب میں سے نہ کوئی نبی تھا اور نہ کوئی رسول تھا۔ اور اگر مولوی
صاحب یہ جواب دیں کہ ہم اولیاء اللہ کے ملہم من اللہ ہونے کے قائل تو ہیں مگر اس کا نام الہام نہیں رکھتے بلکہ وحی رکھتے
۲۲۰ ہیں۔ اور الہام ہمارے نزدیک صرف دل کے خیال کا نام ہے جس میں کافر اور مومن اور فاسق اور صالح مساوی ہیں اور کسی
کی خصوصیت نہیں تو یہ صرف نزاع لفظی ہے اور اس میں بھی مولوی صاحب غلطی پر ہیں۔ کیونکہ لفظ الہام کہ جو اکثر جگہ عام
طور پر وحی کے معنوں پر اطلاق پاتا ہے وہ باعتبار لغوی معنوں کے اطلاق نہیں پاتا۔ بلکہ اطلاق اس کا باعتبار عرف علماء
اسلام ہے۔ کیونکہ قدیم سے علماء کی ایسی ہی عادت جاری ہوگئی ہے کہ وہ ہمیشہ وحی کو خواہ وحی رسالت ہو یا کسی دوسرے
مومن پر وحی اعلام نازل ہو۔ الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس عرف کو وہی شخص نہیں جانتا ہوگا جس کو حق کے قبول کرنے سے
کوئی خاص غرض سدراہ ہے۔ ورنہ قرآن شریف کی صدہا تفسیروں میں سے اور کئی ہزار کتب دین میں سے کسی ایک تالیف کو
بھی کوئی پیش نہیں کر سکتا جس میں اس اطلاق سے انکار کیا گیا ہو۔ بلکہ جابجا مفسروں نے وحی کے لفظ کو الہام ہی سے تعبیر کیا
ہے۔ کئی احادیث میں بھی یہی معنی ملتے ہیں جس میں مولوی صاحب بے خبر نہیں ہیں۔ پھر نہ معلوم کہ مولوی صاحب نے کہا

جو خدا کے سارے قانون قدرت پر نظر کر کے بنایا گیا ہے تو عقل اور قانون قدرت کا نام نہ لو اور منطق

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۲۳ حَمِيْدٍ۔ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ
لَحٰفِظُوْنَ۔ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا
فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ
۲۲۴ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ
۲۲۵ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ
غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ
كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا
وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ۔ اِنَّ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

۲۲۱ سے اور کس سے سن لیا کہ لفظ الہام کے کتب دین میں وہی معنی کرنے چاہئیں کہ جو کتب میں مندرج ہیں۔ جب کہ سواد اعظم علماء کا الہام کو وحی کا مترادف قرار دینے میں متفق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کو استعمال کیا ہے۔ تو پھر اس سے انحراف کرنا صریح تحکم ہے۔ کیا مولوی صاحب کو معلوم نہیں کہ علم شریعت میں اسی طرح صدہا عرفی الفاظ ہیں جن کے مفہوم کو لغوی میں محدود کرنا ایک ضلالت ہے۔ خود وحی کے لفظ کو دیکھئے کہ اس کے وہ معنی جن کی رو سے خدا کی کتابیں وحی رسالت کہلاتی ہیں کہاں لغت سے ثابت ہوتے ہیں اور کس کتاب لغت میں وہ کیفیت نزول وحی لکھی ہے جس کیفیت سے خدا اپنے مرسلوں سے کلام کرتا ہے اور ان پر اپنے احکام نازل کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام کے لفظ میں نظر کیجئے کہ اس کے لغوی معنی تو صرف یہی ہیں کہ جو کسی کا کام سونپا یا ترک مقابلہ اور فروگذاشت اور اطاعت۔ اس میں یہ مضمون کہاں ماخوذ ہے کہ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ بھی کہنا۔ پس اگر ہر یک لفظ کا لغت ہی سے فیصلہ کرنا چاہیے تو اس حالت میں اسلام بھی الہام کی طرح مولوی صاحب کے نزدیک صرف صلح یا کام سونپنے کا نام ہوگا اور دوسرے سب معانی ناجائز اور غیر صحیح ٹھہریں گے
۲۲۲ نعوذ باللہ من زلۃ الفکر وقلۃ النظر۔ غرض یہ کسی پر پوشیدہ نہیں کہ ہر یک علم میں خواہ علم ادیان ہو اور خواہ علم ابدان اور خواہ کوئی دوسرا علم ہو ایسے الفاظ عرفیہ ضرور مستعمل ہوا کرتے ہیں جن سے مقاصد اصطلاحی اس علم کے واضح اور روشن ہو جائیں اور علماء کو اس بات سے چارہ اور گریز گاہ نہیں کہ اس علم کے فادہ اور استفادہ کی غرض سے بعض الفاظ کے معانی اپنے عرف میں اپنے مطلب کے موافق مقرر کر لیں کما لا یخفی علی الناظر۔ لیکن اگر مولوی صاحب عرف علماء کو اختیار کرنا نہیں چاہتے تو انہیں اختیار ہے کہ جو اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے کوئی غیبی خبر دی جاتی ہے اس کا نام وحی اطلاع اور وحی اعلام رکھیں۔ مگر مناسب ہے کہ اس قدر ضرور ظاہر کر دیں کہ ہم میں اور دوسری تمام جماعت مسلمانوں میں نزاع لفظی ہے یعنی جن علامات الٰہیہ کا نام ہم وحی رکھتے ہیں انہیں کو علماء اسلام اپنے عرف میں الہام بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔

۱۷۳ اور فلسفہ کی بیسود کتابوں کو چاک کر کے دریا برد کرو۔ کیا تم کو یہ بات منہ سے نکالتے ہوئے شرم

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۲۶ وَلِيَّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۔ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ
النَّاسِ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَ كَانَ
حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۔ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ
۲۲۷ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا
مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ
اللّٰهُ ۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى
۲۲۸ مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ
اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

لیکن اصل مطلب میں ہمارا اور ان کا بکلی اتفاق ہے تا لوگ ان کی نسبت شبہ اور شک میں نہ رہیں اور ان کی مشتبہ کلام
۲۲۳ موجب فتنہ نہ ٹھہرے۔ اور اگر یہ حال ہے کہ مولوی صاحب کو خود اسی امر میں شک ہے کہ خدا کسی مسلمان سے بطور الہام بھی
کلام کرتا ہے تو یہ عاجز بفضل اللہ ورحمته وبحکم وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ:۱۱) کسی قدر بطور نمونہ ایسے
الہامات بیان کر سکتا ہے جن سے خود یہ عاجز مشرف ہوا اور جن سے مولوی صاحب کو بکلی تسلی اور تشفی حاصل ہو جائے اور جن
پر غور کرنے سے یہ بھی مولوی صاحب کو معلوم ہو کہ یہ علوم ربانی اور اسرار آسمانی کہ جو مسلمانوں پر بذریعہ الہام یقینی اور قطعی
منکشف ہوتے ہیں یہ اسلام کے مخالفوں کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی ہوئے اور نہ کسی مخالف اسلام کی طاقت ہے کہ
ان کے مقابلہ پر دم مار سکے۔ چنانچہ وہ بعض الہامات جن کو میں اس جگہ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں بہ تفصیل ذیل ہیں:۔
صورت اوّل۔ الہام کی منجملہ ان کئی صورتوں کے جن پر خدا نے مجھ کو اطلاع دی ہے یہ ہے کہ جب خداوند تعالیٰ کوئی امر غیبی اپنے
بندہ پر ظاہر کرنا چاہتا ہے تو کبھی نرمی سے اور کبھی سختی سے بعض کلمات زبان پر کچھ تھوڑی غنودگی کی حالت میں جاری کر دیتا
۲۲۴ ہے۔ اور جو کلمات سختی اور گرانی سے جاری ہوتے ہیں وہ ایسی پُرشدت اور عنیف صورت میں زبان پر وارد ہوتے ہیں جیسے
گڑھے یعنی اولے یکبارگی ایک سخت زمین پر گرتے ہیں یا جیسے تیز اور پرزور رفتار میں گھوڑے کا سم زمین پر پڑتا ہے۔
اس الہام میں ایک عجیب سرعت اور شدت اور ہیبت ہوتی ہے جس سے تمام بدن متاثر ہو جاتا ہے اور زبان ایسی تیزی اور
بارعب آواز میں خود بخود دوڑتی جاتی ہے کہ گویا وہ اپنی زبان ہی نہیں اور ساتھ اس کے جو ایک تھوڑی سی غنودگی اور ربودگی
ہوتی ہے وہ الہام کے تمام ہونے کے بعد فی الفور دور ہو جاتی ہے۔ اور جب تک کلمات الہام تمام نہ ہوں۔ تب تک انسان
ایک میت کی طرح بے حس وحرکت پڑا ہوتا ہے۔ یہ الہام اکثر ان صورتوں میں نازل ہوتا ہے کہ جب خداوند کریم ورحیم
اپنی عین حکمت اور مصلحت سے کسی خاص دعا کو منظور کرنا نہیں چاہتا۔ یا کسی عرصہ تک توقف ڈالنا چاہتا ہے یا کوئی اور خبر

نہیں آتی کہ ایک مکھی جس کے دیکھنے سے بھی طبیعتیں کراہت کرتی ہیں وہ اپنی ظاہری صورت اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ ٢٢٩
نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۔ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ
رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۔ ٢٣٠
فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ ۔ اَ كُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ
مُّنْتَصِرٌ ۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ
دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِنَّهُمْ لَهُمُ ٢٣١
الْمَنْصُوْرُوْنَ ۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۔ وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۔ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ
نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ۔ وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ ٢٣٢
رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۔ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ لِيُحِقَّ الْحَقَّ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

پہنچانا چاہتا ہے کہ جو بمقتضائے بشریت انسان کی طبیعت پر گراں گزرتی ہو۔ مثلاً جب انسان جلدی سے کسی امر کا حاصل
کر لینا چاہتا ہو اور وہ حاصل ہونا حسب مصلحت ربانی اس کیلئے مقدر نہ ہو یا توقف سے مقدر ہو۔ اس قسم کے الہام بھی یعنی
جو سخت اور گراں صورت کے الفاظ خدا کی طرف سے زبان پر جاری ہوتے ہیں بعض اوقات مجھ کو ہوتے رہے ہیں جس کا ٢٢٥
بیان کرنا موجب طوالت ہے۔ مگر ایک مختصر فقرہ بطور نمونہ بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ شاید تین سال کے قریب عرصہ گزرا
ہوگا کہ میں نے اسی کتاب کیلئے دعا کی کہ لوگ اس کی مدد کی طرف متوجہ ہوں تب یہی الہام شدید الکلمات جس کی میں نے
ابھی تعریف کی ہے ان لفظوں میں ہوا (بالفعل نہیں) اور یہ الہام جب اس خاکسار کو ہوا تو قریب دس یا پندرہ ہندو اور
مسلمان لوگوں کے ہوں گے کہ جو قادیان میں اب تک موجود ہیں جن کو اسی وقت اس الہام سے خبر دی گئی اور پھر اسی کے
مطابق جیسے لوگوں کی طرف سے عدم توجہی رہی وہ حال بھی ان تمام صاحبوں کو بخوبی معلوم ہے۔ دوسری قسم الہام کی یعنی وہ
قسم جس میں کچھ ملائمت سے کلمات زبان پر جاری ہوتے ہیں۔ اس قسم میں اپنے ذاتی مشاہدات میں سے صرف اس قدر
لکھنا کافی ہے کہ جب پہلے الہام کے بعد جس کو میں ابھی ذکر کر چکا ہوں ایک عرصہ گزر گیا اور لوگوں کی عدم توجہی سے طرح
طرح کی دقتیں پیش آئیں اور مشکل حد سے بڑھ گئی تو ایک دن قریب مغرب کے خداوند کریم نے یہ الہام کیا: هُزِّيْٓ اِلَيْكِ ٢٢٦
بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ سو میں نے سمجھ لیا کہ یہ تحریک اور ترغیب کی طرف اشارہ ہے اور یہ
وعدہ دیا گیا ہے کہ بذریعہ تحریک کے اس حصہ کتاب کیلئے سرمایہ جمع ہوگا۔ اور اس کی خبر بھی بدستور کئی ہندو اور مسلمانوں کو دی
گئی اور اتفاقاً اسی روز یا دوسرے روز حافظ ہدایت علی خان صاحب کہ جو ان دنوں اس ضلع میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھے
قادیان میں آ گئے ان کو بھی اس الہام سے اطلاع دی گئی۔ اور مجھے بخوبی یاد ہے کہ اسی ہفتہ میں میں نے آپ کے دوست
مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو بھی اس الہام سے اطلاع دی تھی۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ اس الہام کے بعد میں نے حسب

۱۷۴ باطنی ترکیب میں ایسی بے مثل ہے کہ اس پر نظر کرنے سے اس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوتا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ. وَاِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ
۲۳۳ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ وَقَدْ مَکَرُوْا مَکْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَکْرُهُمْ ؕ وَاِنْ کَانَ مَکْرُهُمْ لِتَزُوْلَ
مِنْهُ الْجِبَالُ. فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ. لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ. اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ
قَرِیْبٌ. یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ. تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ
تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ
۲۳۴ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ. وَاُخْرٰی
تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ. وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ. وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ
الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ مِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ
۲۳۵ الْاُمُوْرِ. وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُهُمْ شَیْئًا. وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ
لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا. وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ لَوْ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

الارشاد حضرت احدیت کسی قدر تحریک کرنے کے بعد لاہور، پشاور، راولپنڈی، کوٹلہ مالیر اور چند دوسرے
مقاموں سے جس قدر اور جہاں سے خدا نے چاہا اس حصہ کے لئے جو چھپتا تھا، مدد پہنچ گئی۔ والحمدللہ علی ذالک، اور اسی الہام
کی قسم میں اور انہیں دنوں میں ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ ایک دن صبح کے وقت کچھ تھوڑی غنودگی میں یکدفعہ زبان پر جاری
۲۲۷ ہوا عبداللہ خان ڈیرہ اسمٰعیل خان۔ چنانچہ ہندو کہ جو اس وقت میرے پاس تھے کہ جو ابھی تک اسی جگہ موجود ہیں۔ ان
کو بھی اس سے اطلاع دی گئی۔ اور اسی دن شام کو جو اتفاقاً انہیں ہندوؤں میں سے ایک شخص ڈاک خانہ کی طرف گیا۔ تو وہ
ایک صاحب عبداللہ خان نامی کا ایک خط لایا جس کے ساتھ ہی کسی قدر روپیہ بھی آیا۔ اور واقعہ مذکورہ سے کچھ دن پہلے ایک
نہایت عجیب نشان الٰہی ظہور میں آیا۔ اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ ایک ہندو آریہ باشندہ اسی جگہ کا طالبعلم مدرسہ قادیان جس
کی عمر بیس یا بائیس برس کی ہوگی کہ جو ابھی تک اس جگہ موجود ہے۔ ایک مدت سے بہ مرض دق مبتلا تھا۔ اور رفتہ رفتہ اس کی
مرض انتہاء کو پہنچ گئی اور آثار مایوسی کے ظاہر ہو گئے۔ ایک دن وہ میرے پاس آ کر اور اپنی زندگی سے نا امید ہو کر بہت بے
قراری سے رویا۔ میرا دل اس کی عاجزانہ حالت پر پگھل گیا۔ اور میں نے حضرت احدیت میں اس کے حق میں دعا کی۔
چونکہ حضرت احدیث میں اس کی صحت مقدر تھی۔ اس لئے دعا کرنے کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا: قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ
سَلٰمًا یعنی ہم نے تپ کی آگ کو کہا کہ تو سرد اور سلامتی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت اس ہندو اور نیز کئی اور ہندوؤں کو کہ جو اب
۲۲۸ تک اس قصبہ میں موجود ہیں اور اس جگہ کے باشندہ ہیں اس الہامؔ سے اطلاع دی گئی اور خدا پر کامل بھروسہ کر کے دعویٰ کیا
گیا کہ وہ ہندو ضرور صحت پا جائیگا۔ اور اس بیماری سے ہرگز نہیں مرے گا۔ چنانچہ بعد اس کے ایک ہفتہ نہیں گزرا ہوگا کہ ہندو
مذکور اس جاں گداز مرض سے بکلّی صحت پا گیا۔ والحمدللہ علی ذلک۔ اب دیکھئے مولوی صاحب !!! ثبوت اسے کہتے ہیں کہ
دین کے دشمنوں کا حوالہ دے کر اور دیانند پنڈت کے تابعین کی گواہی ڈال کر مسلمانوں کے سچے اور بابرکت الہام کا ثبوت

ہے۔ لیکن خدا کے کلام کی فصاحت اور بلاغت ایسی بے نظیر نہیں ہوسکتی جس پر نظر کرنے سے اس کلام کا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

یُضِلُّوْنَکُمْ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَۃٍ ۲۳۶
مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا
اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ وَلَقَدْ
کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ
تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ قُلْ مَا
یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ فَقَدْ کَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ یَکُوْنُ لِزَامًا۔ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ وَاَنَّ اللّٰہَ
مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ۔ ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ ۲۳۷
رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔
وَّاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی
اللّٰہُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَہٗٓ اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ
لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ۔ وَعَدَکُمُ اللّٰہُ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

دیا گیا ہے۔ کیا دنیا میں اس سے مضبوط تر کوئی ثبوت ہوگا کہ خود مذہب کے مخالفوں کو ہی گواہ قرار دیا جائے۔ مہربان من
کہاں اور کس ملک میں آپ نے دیکھا کہ کبھی اس قسم کے سچے اور بابرکت الہام جن میں ایک مایوس کے زندہ رہنے کی خبر
دی گئی۔ گویا مردہ کے جینے کی بشارت ملی۔ کسی اور فرقہ عیسائی یا آریہ یا برہمو میں ایسے سخت مخالفوں کی گواہی سے ثابت
ہوئے ہوں۔ اگر کوئی چشم دیدہ ماجرا یاد ہے تو ایک آدھ کا نام تو بتایئے۔ اب کہئے کہ یہ مبارک الہام خاصہ امت محمدیہ ہے یا
نہیں۔ اسی طرح ایسے ہی صدہا اعلیٰ درجے کے الہاموں کی نسبت ہمارے پاس اس قدر ثبوت ہیں کہ جن کو آپ گن نہ ۲۲۹
سکیں۔ آپ نے دن کو رات تو قرار دیا۔ پر اب آفتاب کو کہا چھپاؤ گے۔ آپ کو دین اسلام کے مخالفوں کے گھروں کی بھی
کچھ خبر ہے۔ نور ایمان کیا وہاں تو ایمان ہی نہیں۔ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور: ۴۰) اور اگر آپ یہ
کہیں کہ ہم اولیاء اللہ کے الہام کو مانتے ہیں اور اس کو خاصہ امت محمدیہ بھی جانتے ہیں۔ مگر اس الہام کو جو اولیاء کو ہوتا ہے علم
قطعی کا موجب نہیں سمجھتے بلکہ علم ظنی کا موجب سمجھتے ہیں تو یہ قول آپ کا صرف ایک وسوسہ ہے جس پر کوئی دلیل عقلی یا نقلی قائم
نہیں ہوسکتی بلکہ تجربہ صحیحہ ومتواترہ اور آیات محکمہ فرقانی اس کے ابطال پر دلائل قائم کرتی ہیں اور درحقیقت ایسے وساوس
انہیں لوگوں کے دلوں میں اٹھتے ہیں کہ جو الہام الٰہی کی کامل روشنی سے بے خبر ہیں اور علم لدنی کی قدرشناسی سے بے بہرہ ہیں
اور جن بے انتہا مراتب یقین اور معرفت تک خدا اپنے طالبوں کو پہنچا سکتا ہے ان عطیات الٰہیہ سے غافل ہیں۔ ان کو یہ سمجھ
نہیں کہ جس خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں لدنی علی کو یقینی طور پر حاصل کرنے کے لئے سخت جوش ڈالا ہے اور ان کو
پوری معرفت اور پوری بصیرت اور پورے نور تک پہنچنے کیلئے اپنے غیبی جذبات سے بے قرار کر دیا ہے۔ وہ خداوند کریم ایسا ۲۳۰
نہیں ہے کہ انکے جوشوں اور ان کے دردوں اور ان کی عاشقانہ سعی اور سرگرمی کو ضائع کرے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس قدر اس
نے بھوک بھڑکا دی اس قدر روٹی عطا نہ کرے اور جس قدر پیاس لگا دی اس قدر پانی نہ پلاوے۔ ایک اس کیلئے مرتا ہے اور

١٧٥ خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو۔ غافلو! اور سعقل کے اندھو! کیا تمہارے نزدیک خدا کے کلام کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

٢٣٨ تَأْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا
قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا
لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۔ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ
وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۔ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ
اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا
٢٣٩ تَسْلِيْمًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں کہ جو جامع علوم حکمیہ ہے۔ کیا لوگوں کو اس بات سے تعجب ہوا کہ جو ہم نے ان میں سے ایک کی طرف یہ وحی بھیجی کہ تو لوگوں کو ڈرا۔ اور ان کو جو ایمان لائے یہ خوشخبری دے کہ ان کیلئے ان کے رب کے نزدیک قدم صدق ہے۔ کافروں نے اس رسول کی نسبت کہا کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔ اور انہوں نے رسول کو مخاطب کر کے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر نازل ہوا تُو تو دیوانہ ہے۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی ایسا رسول نہیں آیا جس کو انہوں نے ساحر یا مجنون نہیں کہا۔ کیا انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی تھی۔ نہیں بلکہ یہ قوم ہی طاغی ہے سو انہیں تو حق کا راستہ یاد دلاتا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

اس کی معرفت کو جان سے زیادہ چاہتا ہے اور اپنی جان کی ساری طاقتوں سے اور اپنے وجود کی تمام قوتوں سے اس کی طرف دوڑتا ہے۔ کیا خدا اس پر رحم نہیں کرتا۔ کیا وہ اس کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ کیا اس کی دعائیں قبولیت کے لائق نہیں۔ کیا اس کی فریادیں کبھی خدا تک نہیں پہنچ سکتیں۔ کیا خدا اسے ناکامی کی حالت میں ہلاک کر دے گا۔ کیا وہ ہزاروں دردوں کے ساتھ قبر میں اترے گا اور خدا اس کا علاج نہیں کرے گا۔ کیا وہ مولیٰ کریم اسے رد کر دے گا۔ اور چھوڑ دے گا۔ کیا خدا اپنے صادق اور فرمانبردار طالب کو اپنے نبیوں کا راہ نہیں دکھلائے گا۔ اور اپنی خاص نعمت سے متمتع نہیں کرے گا۔ بلاشبہ وہ اپنے
٢٣١ طالبوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کی طرف دوڑتے ہیں وہ ان کی طرف ان سے بہت زیادہ دوڑتا ہے۔ جو لوگ اس کا قرب چاہتے ہیں وہ ان سے بہت ہی قریب ہو جاتا ہے۔ وہ ان کی آنکھیں ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ اور ان کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتے ہیں۔ اب تم آپ ہی سوچو کہ جس کی آنکھیں اور کان وہ عالم الغیب ہے کیا ایسا شخص اپنے لدنی علم میں نور یقین تک نہیں پہنچے گا اور ظنون میں ڈوبا رہے گا۔ تم یقیناً سمجھو کہ صادقوں کے لئے اسی قدر اس کے دروازے کھل جاتے ہیں جس قدر ان کے صدق کا اندازہ ہے۔ اس کے خزائن میں کمی نہیں۔ اس کی ذات میں بخل نہیں۔ اس کے فضلوں کا کوئی انتہا نہیں اور ترقیات معرفت کی کوئی حد نہیں۔ ہاں پہلے اس نے اظہار علی الغیب کی نعمت اور علم لدنی یقینی قطعی کی دولت اپنے برگزیدہ رسولوں کو دی۔ مگر پھر یہ تعلیم دے کر کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ:۵۔۶) تمام سچے طالبوں کو خوشخبری دی کہ وہ اپنے رسول مقبول کی طبیعت سے اس علم ظاہری اور باطنی تک پہنچ سکتے ہیں کہ جو بالاصالت خدا کے نبیوں کو دیا گیا۔ انہیں معنوں کر کے تو علماء وارث الانبیاء کہلاتے ہیں۔ اور
٢٣٢ اگر باطنی علم کا ورثہ انکو نہیں مل سکتا۔ تو پھر وہ وارث کیونکر اور کیسے ہوئے۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں کہ اس امت میں محدث ہوں گے وقال اللہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹) وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ:

فصاحت وبلاغت مکھی کے پروں اور پاؤں سے بھی درجہ میں کمتر اور خوبی میں فروتر ہے ۔ کیا افسوس کا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

رہ۔ اور خدا کے فضل سے نہ تو کاہن ہے اور نہ تجھے کسی جن کا آسیب اور دیوانگی ہے۔ ان کو کہہ کہ اگر تمام جن اور آدمی اس بات
پر اتفاق کریں کہ قرآن جیسی کوئی اور کتاب بنا لاویں تو وہ کبھی بنا نہیں سکیں گے۔ اگرچہ بعض بعض کے مددگار بھی ہوں۔ اور
۲۲۰ اگر تم اس کلام کے بارے میں کہ جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے کسی نوع کے شک میں ہو یعنی اگر تمہارے نزدیک اس
نے وہ کلام آپ بنا لیا ہے یا جنات سے سیکھا ہے یا جادو کی قسم ہے یا شعر ہے یا کسی اور قسم کا شک ہے تو تم بھی اگر سچے ہو تو
بقدر ایک سورۃ اس کی مثل بنا کر دکھلاؤ اور اپنے دوسرے مددگاروں یا معبودوں سے مدد لے لو اور اگر نہ بنا سکو اور یاد رکھو کہ
ہرگز بنا نہیں سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور کافر باہم پوشیدہ
طور پر یہ باتیں کرتے ہیں کہ یہ جو پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اس میں کیا زیادتی ہے۔ ایک تم سا آدمی ہے سو کیا تم دیدہ ودانستہ
جادو کے پیچ میں آتے ہو۔ پیغمبر نے کہا کہ میرا خدا ہر بات کو جانتا ہے خواہ آسمان میں ہو خواہ زمین میں وہ اپنی ذات میں سمیع
اور علیم ہے جس سے کوئی بات چھپ نہیں سکتی۔ مگر کافر پیغمبر کی کب سنتے ہیں وہ تو قرآن کی نسبت یہ کہتے ہیں کہ یہ پراگندہ
۲۲۱ خوابیں ہیں بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے آپ بنا لیا ہے۔ بلکہ ان کا یہ بھی مقولہ ہے کہ یہ شاعر ہے۔ بھلا اگر سچا ہے تو
ہمارے روبرو کوئی نشان پیش کرے جیسے پہلے نبی بھیجے گئے تھے۔ انسان کی فطرت میں جلدی ہے عنقریب میں تم کو اپنے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

۱۱۴) اب تم سوچو کہ اگر علم لدنی کا سارا مدار ظنیات پر ہے تو پھر اس کا نام علم کیونکر ہوگا۔ کیا ظنیات بھی کچھ چیز ہیں جن کا نام علم
رکھا جائے۔ پس اس صورت میں وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف:۶۵) کے کیا معنی ہوں گے۔ پس جاننا چاہیے کہ خدا کے
کلام پر غور صحیح کرنے سے اور صدہا تجارب مشہودہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ افراد خاصہ امت محمدیہ کو جب وہ
متابعت اپنے رسول مقبول میں فنا ہو جائیں اور ظاہراً اور باطناً اس کی پیروی اختیار کریں بہ تبعیت اسی رسول کے اس کی
برکتوں میں سے عنایت کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف زہد خشک تک رکھنا چاہتا ہے۔ اور جب کسی دل پر نبوی برکتوں کا پرتوہ
پڑے گا تو ضرور ہے کہ اس کو اپنے متبوع کی طرح علم یقینی قطعی حاصل ہو۔ کیونکہ جس چشمہ کا اس کو وارث بنایا گیا ہے وہ
شکوک اور شبہات کی کدورت سے بکلی پاک ہے اور منصب وارث الرسول ہونے کا بھی اسی بات کو چاہتا ہے کہ علم باطنی
۲۳۳ اس کا یقینی اور قطعی ہو۔ کیونکہ اگر اس کے پاس صرف مجموعہ ظنیات کا ہے تو پھر وہ کیونکر اس ناقص مجموعہ سے کوئی فائدہ خلق
اللہ پہنچا سکتا ہے۔ تو اس صورت میں وہ آدھا وارث ہوا نہ پورا۔ اور یک چشم ہوا نہ دونوں آنکھوں والا، اور جن ضلالتوں کی
مدافعت کے لئے خدا نے اس کو قائم کیا ہے ان ضلالتوں کا نہایت پرزور ہونا، اور زمانہ کا نہایت فاسد ہونا اور منکروں کا
نہایت مکار ہونا، اور غافلوں کا نہایت خوابیدہ ہونا، اور مخالفوں کا اشد فی الکفر ہونا اس بات کیلئے بہت ہی تقاضا کرتا ہے کہ
ایسے شخص کا علم لدنی مشابہ بالرسل ہو۔ اور یہی لوگ ہیں جن کا نام احادیث میں امثل اور قرآن شریف میں صدیق آیا ہے۔
اور ان لوگوں کا زمانہ ظہور پیغمبروں کے زمانہ بعث سے بہت ہی مشابہ ہوتا ہے۔ یعنی جیسے پیغمبر اس وقت آتے رہے ہیں کہ
جب دنیا میں سخت درجہ پر گمراہی اور غفلت پھیلتی رہی ہے۔ ایسا ہی یہ لوگ بھی اس وقت آتے ہیں کہ جب ہر طرف گمراہی کا
سخت غلبہ ہوتا ہے اور حق سے ہنسی کی جاتی ہے اور باطل کی تعریف ہوتی ہے اور کاذبوں کو راستباز قرار دیا جاتا ہے اور دجالوں
۲۳۴ کو مہدی سمجھا جاتا ہے اور دنیا مخلوق اللہ کی نظر میں بہت پیاری معلوم ہوتی ہے جس کی تحصیل کیلئے ایک دوسرے پر سبقت

۱۷۶ مقام ہے کہ ایک مچھر کی ترکیب جسمی کی نسبت تم صاف اقرار کرتے ہو کہ ایسی ترکیب انسان سے نہیں

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نشان دکھلاؤں گا۔ سو تم مجھ سے جلدی تو مت کرو۔ عنقریب ہم ان کو معمورہ عالم کے کناروں تک نشان دکھلائیں گے اور خود
انہیں میں ہمارے نشان ظاہر ہوں گے یہاں تک کہ حق ان پر کھل جائے گا۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے نہیں بلکہ بات
تو یہ ہے کہ خدا نے ان کی طرف حق بھیجا اور وہ حق کے قبول کرنے سے کراہت کر رہے ہیں۔ اور اگر خدا ان کی خواہشوں کی
پیروی کرتا تو زمین اور آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب بگڑ جاتا۔ بلکہ ہم ان کیلئے وہ ہدایت لائے ہیں جس کے وہ محتاج
ہیں۔ سو جس ہدایت کے وہ محتاج ہیں اسی سے کنارہ کش ہیں۔ کیا میں تم کو یہ خبر دوں کہ جنات کن لوگوں پر اترا کرتے ہیں۔
۲۲۲ جنات انہیں پر اترا کرتے ہیں جو دروغ گو اور معصیت کار ہیں اور اکثر ان کی پیشینگوئیاں جھوٹی ہوتی ہیں اور شاعروں کی
پیروی تو وہی لوگ کرتے ہیں کہ جو گمراہ ہیں۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ شاعر لوگ قافیہ اور ردیف کے پیچھے ہر یک جنگل میں
بھٹکتے پھرتے ہیں یعنی کسی حقانی صداقت کے پابند نہیں رہتے اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں اور ظالموں کو عنقریب معلوم
ہوگا کہ ان کا مرجع اور مآب کون سی جگہ ہے۔ اور قرآن کو ہم نے ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور حقانیت کے ساتھ اترا
ہے۔ اور لاجواب کرتی رہیں گی اور کوئی مخالفانہ خیال اس کے سامنے تاب مقاومت نہیں لائے گا۔ اور جو شخص اس کے قبول
کرنے سے انکار کرے۔ وہ خدا کو اپنا غلبہ ظاہر کرنے سے روک نہیں سکے گا۔ اور خدا کے مقابلہ پر کوئی اس کا حمایتی نہیں۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کرتے ہیں۔ اور دین ان کی نظر میں ذلیل اور خوار ہو جاتا ہے۔ ایسے وقتوں میں وہی لوگ حجت اسلام ٹھہرتے ہیں جن کا
الہام یقینی اور قطعی ہوتا ہے اور جو ان کامل افراد کے قائم مقام ہوتے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اب خلاصہ کلام یہ
ہے کہ الہام یقینی اور قطعی ایک واقعی صداقت ہے جس کا وجود افراد کاملہ امت محمدیہ میں ثابت ہے اور انہیں سے خاص ہے۔
ہاں یہ سچ بات ہے کہ رسولوں کا الہام بہت ہی درخشاں اور روشن اور اجلیٰ اور اقویٰ اور اصفیٰ اور اعلیٰ مراتب یقین کے انتہائی
درجہ پر ہوتا ہے اور آفتاب کی طرح چمک کر ہر یک ظلمت کو اٹھا دیتا ہے۔ مگر اولیاء کے الہاموں میں سے جب تک معانی
کسی الہامی عبارت کے مشتبہ یا وہ الہام ہی مشتبہ اور مخفی ہو تب تک وہ ایک امر ظنی ہوگا اور ولی کا الہام اسی وقت حد قطع اور
یقین تک پہنچے گا کہ جب ضعیف الہاموں کی قسم میں سے نہ ہو بلکہ اپنی کامل روشنی کے ساتھ نازل ہو اور بارش کی طرح
۲۳۵ متواتر برس کر اور اپنے نوروں کو قوی طور پر دکھلا کر ملہم کے دل کو کامل یقین سے پر کردے اور مختلف تقریروں اور مختلف
لفظوں میں اتر کر معنی اور مطلب کو بکلی کھول دے اور عبارت کو متشابہت میں سے بکل الوجوہ باہر کردے اور متواتر دعاؤں
اور سوالوں کے وقت خود خداوند تعالیٰ ان معانی کا قطعی اور یقینی ہونا متواتر اجابتوں اور جوابوں کے ذریعہ سے بوضاحت
تمام بیان فرماوے۔ جب کوئی الہام اس حد تک پہنچ جائے تو وہ کامل النور اور قطعی اور یقینی ہے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اصلاً
الہام اولیاء کو قطع اور یقین کی طرف راہ نہیں۔ وہ معرفت کامل سے سخت بے نصیب ہیں۔ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔
اللھم اصلح امۃ محمد۔ اور یہ وہم کہ اگر الہام اولیاء شریعت حقہ محمدیہ سے مخالف ہو تو پھر کیا کریں۔ یہ ایسا ہی قول
ہے جیسا کوئی کہے کہ اگر ایک نبی کا الہام دوسرے نبی کے الہام سے مخالف ہو تو پھر کیا کریں۔ پس ایسے وساوس کا یہ جواب
ہے کہ ایسا کامل النور الہام جس کی ہم نے اوپر تعریف لکھی ہے ممکن نہیں کہ شریعت حقہ محمدیہ سے مخالف ہو۔ اور اگر کوئی کم فہم
کچھ مخالفت سمجھے تو وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے۔

بن سکتی اور نہ آئندہ بنے گی لیکن کلام الٰہی کی نسبت کہتے ہو کہ وہ بن سکتی ہے۔ بلکہ بطور بحث اور مجادلہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہم نے یہ کلام آپ اتارا ہے اور ہم آپ ہی اس کے محافظ ہیں اور وہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جو ہمیشہ باطل کی آمیزش سے ۲۲۳
منزہ رہے گی۔ اور کوئی باطل اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا اور نہ آئندہ کسی زمانہ میں مقابلہ کرے گا۔ یعنی اس کی کامل صداقتیں
کہ جو ہر یک باطل سے منزہ ہیں۔ تمام باطل پرستوں کو کہ جو پہلے اس سے پیدا ہوئے یا آئندہ کبھی پیدا ہوں ملزم اور
لاجواب کرتی رہیں گی اور کوئی مخالفانہ خیال اس کے سامنے تاب مقاومت نہیں لائے گا۔ اور جو شخص اس کے قبول کرنے
سے انکار کرے وہ خدا کو اپنا غلبہ ظاہر کرنے سے روک نہیں سکے گا اور خدا کے مقابلہ پر کوئی اس کا حمایتی نہیں۔ ہم نے یہ کلام
آپ اتارا ہے اور ہم آپ ہی اس کے نگہبان رہیں گے۔ ان کو کہہ کہ حق آ گیا اور باطل بعد اس کے نہ اپنی کوئی نئی شاخ
نکالے گا۔ جس کا ردّ قرآن میں موجود نہ ہو اور نہ اپنی پہلی حالت پر عود کرے گا۔ اور کافروں نے کہا اس وقت قرآن کو مت
سنو۔ اور جب تم کو سنایا جائے تو تم بک بک کرنے سے اس میں ایک شور ڈال دیا کرو۔ شاید اسی طرح تم کو غلبہ ہو۔ اور بعض
یہود اور عیسائیوں نے کہا کہ یوں کرو کہ دن کے اول وقت میں تو ایمان لاؤ اور دن کے آخری وقت یعنی شام کو حقیت اسلام ۲۲۴
سے منکر ہو جاؤ۔ تا شاید اسی طور سے لوگ اسلام کی طرف رجوع کرنے سے ہٹ جائیں۔ سو ہم ان کو ایک سخت عذاب
چکھائیں گے اور جیسے ان کے برے اور بدتر عمل ہیں ویسا ہی ان کو بدلہ ملے گا۔ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

صورت دوم۔ الہام کی جس کا میں باعتبار کثرت عجائبات کے کامل الہام نام رکھتا ہوں۔ یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ بندہ کو کسی ۲۳۶
امر غیبی پر بعد دعا اس بندہ کے یا خود بخود مطلع کرنا چاہتا ہے تو یکدفعہ ایک بیہوشی اور ربودگی اس پر طاری کر دیتا ہے جس سے
وہ بالکل اپنی ہستی سے کھویا جاتا ہے اور ایسا اس بے خودی اور ربودگی اور بیہوشی میں ڈوبتا ہے جیسے کوئی پانی میں غوطہ مارتا ہے
اور نیچے پانی کے چلا جاتا ہے۔ غرض جب بندہ اس حالت ربودگی سے کہ جو غوطہ سے بہت ہی مشابہ ہے باہر آتا ہے تو اپنے
اندر میں کچھ ایسا مشاہدہ کرتا ہے جیسے ایک گونج پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ اور جب وہ گونج کچھ فرو ہوتی ہے تو ناگہاں اس کو اپنے
اندر سے ایک موزون اور لطیف اور لذیذ کلام محسوس ہو جاتی ہے اور یہ غوطہ ربودگی کا ایک نہایت عجیب امر ہے جس کے
عجائبات بیان کرنے کیلئے الفاظ کفایت نہیں کرتے۔ یہی حالت ہے جس سے ایک دریا معرفت کا انسان پر کھل جاتا ہے۔
کیونکہ جب بار بار دعا کرنے کے وقت خداوند تعالیٰ اس حالت غوطہ اور ربودگی کو اپنے بندہ پر وارد کر کے اس کی ہر یک دعا کا
اس کو ایک لطیف اور لذیذ کلام میں جواب دیتا ہے۔ اور ہر یک استفسار کی حالت میں وہ حقائق اس پر کھولتا ہے جن کا کھلنا
انسان کی طاقت سے باہر ہے تو یہ امر اس کیلئے موجب مزید معرفت اور باعث عرفان کامل ہو جاتا ہے۔ بندہ کا دعا کرنا اور ۲۳۷
خدا کا اپنی الوہیت کی تجلّی سے ہر یک دعا کا جواب دینا یہ ایک ایسا امر ہے کہ گویا اسی عالم میں بندہ اپنے خدا کو دیکھ لیتا ہے
اور دونوں عالم اس کیلئے بلاتفاوت یکساں ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ اپنی کسی حاجت کے وقت بار بار اپنے مولیٰ کریم سے
کوئی عقدہ پیش آمدہ دریافت کرتا ہے اور عرض حال کے بعد حضرت خداوند کریم سے جواب پاتا ہے۔ اسی طرح کہ جیسے
ایک انسان دوسرے انسان کی بات کا جواب دیتا ہے اور جواب ایسا ہوتا ہے کہ نہایت فصیح اور لطیف الفاظ میں بلکہ کبھی کسی
ایسی زبان میں ہوتا ہے کہ جس سے وہ بندہ نا آشنا محض ہے۔ اور کبھی امور غیبیہ پر مشتمل ہوتا ہے کہ جو مخلوق کی طاقتوں سے
باہر ہیں اور کبھی اس کے ذریعہ سے مواہب عظیمہ کی بشارت ملتی ہے اور منازل عالیہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے۔ اور قرب

کے یہ حجت پیش کرتے ہو کہ گو اب تک کوئی انسان اسؔ کے بنانے پر قادر نہیں ہوا مگر اس کا کیا ثبوت ۱۷۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

پھونکوں سے بجھائیں پر خدا اپنے کام سے ہرگز نہیں رکے گا جب تک اس نور کو کامل طور پر پورا نہ کرے اگرچہ کافر لوگ
کراہت ہی کریں۔ وہ خدا وہ قادر ذوالجلال ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اس لئے بھیجا ہے تا کہ
دنیا کے تمام دینوں پر اس کو غالب کرے اگرچہ مشرک لوگ کراہت ہی کریں۔ کافروںؔ کو کہہ دے کہ تم عنقریب مغلوب ۲۲۵
کئے جاؤ گے اور پھر آخر جہنم میں پڑو گے۔ جو کچھ تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یعنی دین اسلام کا عزت کے ساتھ دنیا میں پھیل جانا
اور اس کے روکنے والوں کا ذلیل اور رسوا ہونا۔ یہ وعدہ عنقریب پورا ہونے والا ہے اور تم ہرگز اس کو روک نہیں سکو گے۔ یہود
نے کہا کہ خدا کا ہاتھ باندھا ہوا ہے یعنی جو کچھ ہے انسان کی تدبیروں سے ہوتا ہے اور خدا اپنے قادرانہ تصرفات سے عاجز
ہے۔ سو خدا نے ہمیشہ کیلئے یہودیوں کے ہاتھ کو باندھ دیا ہے تا اگر ان کے فکر اور ان کی تدبیروں کچھ چیز ہیں تو ان کے زور
سے دنیا کی حکومتیں اور بادشاہتیں حاصل کرلیں۔ ان پر ذلت کی مار ڈالی گئی ہے۔ یعنی جہاں رہیں گے ذلیل اور محکوم بن کر
رہے گے اور ان کیلئے یہ مقرر کیا گیا ہے کہ بجز کسی قوم کے ماتحت رہنے کے کسی کی ملک میں خود بخود عزت کے ساتھ نہیں رہیں
گے ہمیشہ کمزوری اور ناتوانی اور بدبختی ان کے شامل رہے گی وجہ یہ کہ وہ خدا کے نشانوں سے انکار کرتے رہے ہیں اور خدا
کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں یہ اس لئے کہ وہ معصیت اور نافرمانی میں حد سے زیادہ بڑھ گئے۔ ہماراؔ قانون قدرت ۲۲۶

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

حضرت باری کی مبارکباد دی جاتی ہے اور کبھی دنیوی برکتوں کے بارے میں پیشگوئی ہوتی ہے تو ان کلمات لطیفہ و بلیغہ کے
سننے سے کہ جو مخلوق کی قوتوں سے نہایت بلند اور اعلیٰ ہوتے ہیں جس قدر ذوق اور معرفت حاصل ہوتی ہے، اس کو وہی بندہ
جانتا ہے جس کو یہ نعمت عطاؔ ہوتی ہے۔ فی الحقیقت وہ خدا کو ایسا ہی شناخت کر لیتا ہے جیسے کوئی شخص تم میں سے اپنے پکے اور ۲۳۸
پرانے دوست کو شناخت کرتا ہے۔ اور یہ الہام اکثر معظمات امور میں ہوتا ہے۔ کبھی اس میں ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن
کے معنی لغت کی کتابیں دیکھ کر کرنے پڑتے ہیں بلکہ بعض دفعہ یہ الہام کسی اجنبی زبان مثلاً انگریزی یا کسی ایسی دوسری زبان
میں ہوا ہے جس زبان سے ہم محض ناواقف ہیں۔ اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ جو ابھی اس حاشیہ کی
تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے جس میں یہ امر غیبی بطور پیشین گوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب
کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئے گی اور حق کے طالبوں کو ہدایت
ملے گی اور بدعقیدگی دور ہوگی اور لوگ خدائے تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کریں گے اور متوجہ ہوں گے اور
آئیں گے۔ وغیرہا من الامور اور وہ الہامی کلمات یہ ہیں:۔

یا احمد بارك الله فيك مارميت اذ رميت ولكن الله رمى الرحمن علم القران. لتنذر
قوما ما انذر اباؤهم ولتستبين سبيل المجرمين قل انى امرت وانا اول المؤمنين اى اول
تائب الى الله بامر الله فى هذا الزمان او اول من يومن بهذ الامر والله اعلم. قل جاء ۲۳۹
الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا. كل بركة من محمد صلى الله عليه وسلم
فتبارك من علم وتعلم. قل ان افتريته فعلى اجرامى. هو الذى ارسل رسوله بالهدى ودين
الحق ليظهره على الدين كله. لا مبدل لكلمات الله. ظلموا وان الله على نصرهم لقدير. اى

ہے کہ آئندہ بھی قادر نہ ہو۔ نادانو! اس کا وہی ثبوت ہے جس کو تم مچھر اور مکھی میں اور درختوں کے ہر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

یہی ہے کہ ہم اپنے پیغمبروں اور ایمانداروں کو دنیا اور آخرت میں مدد دیا کرتے ہیں۔ خدا نے یہی لکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے خدا بڑی طاقت والا اور غالب ہے۔ اور کافر تجھے خدا کے سوا اور چیزوں سے ڈراتے ہیں ان کو کہہ کہ تم میرے مغلوب کرنے کیلئے اپنے معبودوں سے کہ جو تمہارے زعم میں خدا کے شریک ہیں مدد طلب کرو اور میرے ناکام رہنے کیلئے ہر یک طور کا مکر کرو اور مجھے ذرا مہلت مت دو۔ میرا کارساز وہ خدا ہے جس نے اپنی کتاب کو نازل کیا ہے اور اس کا یہی قانون قدرت ہے کہ وہ صالحین کے کاموں کو آپ کرتا ہے اور ان کی مہمات کا خود متولی ہوتا ہے اور اپنے خداوند کے حکم پر صبر کر اور صبر سے اس کے وعدوں کا انتظار کر تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے خدا تجھے ان لوگوں کے شر سے بچائے گا
کہ جو تیرے قتل کرنے کی گھات میں ہیں۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے کئی پیغمبران کی قوم کی طرف بھیجے اور وہ بھی روشن نشان ۲۲۷
لائے۔ پس آخر ہم نے ان مجرم لوگوں سے بدلہ لیا۔ جنہوں نے ان نبیوں کو قبول نہیں کیا تھا اور ابتداء سے یہی مقرر ہے کہ مومنوں کی مدد کرنا ہم پر ایک حق لازم ہے یعنی قدیم سے عادت الہیہ اسی طرح پر جاری ہے کہ سچے نبی ضائع نہیں چھوڑے جاتے اور ان کی جماعت متفرق اور پراگندہ نہیں ہوتی بلکہ ان کو مدد ملتی ہے اور تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں سے ہنسی اور ٹھٹھا ہوتا ہے۔ مگر ہمیشہ ٹھٹھا کرنے والے اپنے ٹھٹھے کا بدلہ پاتے رہے ہیں۔ ان کو کہہ کہ زمین کا سیر کر کے دیکھو کہ جو لوگ خدا کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

ليظهر دين الاسلام بالحجج القاطعة والبراهين الساطعة على كل دين ما سواه اى ينصر الله المومنين المظلومين باشراق دينهم واتمام حجتهم انا كفيناك المستهزئين. يقولون انى لك هذا انى لك هذا ان هذا الا قول البشر و اعانه عليه قوم آخرون. افتاتون السحر وانتم تبصرون. هيهات هيهات لما توعدون من هذا الذى هو مهين ولا يكاد يبين. جاهل او مجنون. قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين. هذا من رحمة ربك يتم نعمته عليك ليكون اية للمؤمنين. انت على بينة من ربك فبشر وما انت بنعمة ربك بمجنون.
قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله. انا كفيناك المستهزئين. هل انبئكم على ۲۴۰
من تنزل الشياطين. تنزل على كل افاك اثيم. قل عندى شهادة من الله فهل انتم مومنون. قل عندى شهادة من الله فهل انتم مسلمون. ان معى ربى سيهدين. رب ارنى كيف تحى الموتى. رب اغفر وارحم من السماء. رب لا تذرنى فردا وانت خير الوارثين. رب اصلح امة محمد. ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق وانت خير الفاتحين. وقل اعملوا على مكانتكم انى عامل فسوف تعلمون ولا تقولن لشىء انى فاعل ذلك غدا. ويخوفونك من دونه. ان باعيننا سميتك المتوكل. يحمدك الله من عرشه. نحمدك ونصلى. يريدون ان يطفؤا نورالله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون. سنلقى فى قلوبهم الرعب. اذا جاء نصرالله والفتح وانتهى امر الزمان الينا اليس هذا بالحق هذا تاويل رؤياى من قبل
قد جعلها ربى حقا. وقالوا ان هذا الا اختلاق. قل الله ثم ذرهم فى خوضهم يلعبون. قل ۲۴۱

یک پتے میں خوب سمجھتے اور تسلیم کرتے ہو۔ مگر اس ربانی نور کے دیکھنے کے وقت تمہاری آنکھیں الو کی ۱۷۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نبیوں کو جھٹلاتے رہے ہیں ان کا کیا انجام ہوا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشانی اپنے رب کی طرف سے کیوں نازل
نہ ہوئی۔ کہہ خدا نشانوں کے نازل کرنے پر قادر ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم کو نشان ۲۲۸
دکھلانے کے لئے اوپر سے کوئی عذاب نازل کرے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب نمودار ہو۔ یا ایمانداروں کی
لڑائی سے تم کو عذاب کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم کیونکر آیات کو پھیرتے ہیں تا کہ وہ سمجھ لیں۔ اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے
ہو تو بتلاؤ کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا۔ کہہ مجھے تو اپنے نفس کے نفع و ضرر کا بھی اختیار نہیں۔ مگر جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے۔ ہر یک
گروہ کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت مقررہ ان کا پہنچتا ہے تو پھر نہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہو سکتے ہیں۔ اور نہ
ایک ساعت آگے ہو سکتے ہیں۔ کہہ اے میری قوم تم بجائے خود کام کرو اور میں بجائے خود کام کرتا ہوں سو تمہیں عنقریب ۲۲۹
معلوم ہو جائے گا کہ کس پر اسی دنیا میں عذاب نازل ہوتا ہے کہ جو اس کو رسوا کرے اور کس پر جاودانی عذاب نزول کرتا ہے
یعنی آخرت کا عذاب جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے اور خدا کی راہ سے روکتے ہیں ان پر ہم آخرت کے علاوہ اسی دنیا میں
عذاب نازل کریں گے اور ان کے فساد کا انہیں بدلہ ملے گا۔ اور تجھے کافروں کی بداندیشی سے غم ناک نہیں ہونا چاہیے وہ خدا
کے دین کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور ان کے لئے خدا نے بزرگ عذاب مقرر رکھا ہے جیسے فرعون کے خاندان اور اس

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

ان افتريته فعلى اجرامى ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا. ولن ترضى عنك اليهود ولا النصٰرى وخرقوا له بنين وبنات بغير علم. قل هو الله احد الله الصمد لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد. ويمكرون ويمكرالله والله خيرالماكرين. الفتنة ههنا فاصبر كما صبر اولوا العزم وقل رب ادخلنى مدخل صدق واما نرينك بعض الذى نعدهم او نتوفينك. وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم. اى ما كان الله ليعذبهم بعذاب كامل وانت ساكن فيهم. انى معك وكن معى اينما كنت. كن مع الله حيث ما كنت. اينما تولوا فثم وجه الله. كنتم خير امة اخرجت للناس وافتخار اللمؤمنين. ولا تئيس من روح الله الا ان روح الله قريب. الا ان نصر الله قريب. ياتيك من كل فج عميق. ياتون من كل فج عميق. ينصرك الله من عنده. ينصرك رجال نوحى اليهم من السماء. لا مبدل لكمات الله. انا فتحنالك فتحا مبينا. فتح الولى فتح وقربناه نجيا. اشجع الناس ولو كان الايمان معلقا بالثريا لنا له. انار الله برهانه. يا احمد فاضت الرحمة على شفتيك. انك باعيننا يرفع الله ذكرك. ويتم نعمته عليك فى الدنيا والاخرة ووجدك ضالا فهدى
ونظرنا اليك وقلنا يا نار كونى بردا وسلاما على ابراهيم خزائن رحمة ربك. يا ايها المدثر ۲۴۲
قم فانذر وربك فكبر. يا احمديتم اسمك ولا يتم اسمى. اى انت فان فينقطع تحميدك ولا ينتهى محامد الله فانتها لا تعدو ولا تحصىٰ. كن فى الدنيا كانك غريب او عابر سبيل. وكن من الصالحين الصديقين. وامر بالمعروف وانه عن المنكر وصلى على محمد

طرح اندھی ہو جاتی ہیں یا دھندلا جاتی ہیں۔ اس لئے تم مگس طینتی سے مگس ہی کی عظمت کے قائل ہو خدا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سے پہلے کافروں کا حال ہوا کہ جب انہوں نے خدا کے نشانوں سے انکار کرنا اختیار کیا تو خدا نے ان سے ان کے گناہوں کا
مواخذہ کیا۔ اور بہ تحقیق خدا بڑا طاقت والا اور سزا دینے میں سخت ہے۔ اور ان کی شرارتوں کے دفع کرنے کیلئے خدا تجھے کافی ۲۳۰
ہے اور وہ سمیع اور علیم ہے۔ اور ہم اس بات پر قادر ہیں کہ جو کچھ ہم ان کی نسبت وعدہ کرتے ہیں وہ تجھے دکھلا دیں اور یہ لوگ
کہتے ہیں کہ کیوں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشان تائید دین کا نازل نہ ہوا۔ سو ان کو کہہ کہ علم غیب خدا کا خاصہ
ہے۔ پس تم نشان کے منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور کہہ خدا سب کامل صفتوں کا مالک ہے عنقریب وہ تمہیں
اپنے نشان دکھلائے گا ایسے نشان کہ تم ان کو شناخت کر لو گے اور خدا تمہارے عملوں سے غافل نہیں ہے۔ ہم نے تمہاری
طرف یہ رسول اسی رسول کی مانند بھیجا ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا۔ سو جب فرعون نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم ۲۳۱
نے اس سے ایسا مواخذہ کیا کہ جس کا انجام وبال تھا یعنی اس مواخذہ سے فرعون نیست و نابود کیا گیا سو تم جو بمنزلہ فرعون ہو
ہمارے مواخذہ سے کیونکر نافرمان رہ کر بچ سکتے ہو کیا تمہارے کافر فرعونی گروہ سے کچھ بہتر ہیں یا تم خدا کی کتابوں میں
معذب اور ماخوذ ہونے سے مستثنٰی اور بری قرار دیئے گئے ہو۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی قوی جماعت ہے
کہ جو زبردست اور فتحمند ہے عنقریب یہ ساری جماعت پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگے گی اور ہمیشہ ان کافروں کو کوئی نہ کوئی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

وآل محمد. الصلوة هو المربي. انی رافعك الی والقيت عليك محبة منی. لا اله الا الله
فاكتب وليطبع وليرسل فی الارض. خذوا لتوحيد التوحيد يا ابناء الفارس. وبشرالذين
آمنوا ان لهم قدم صدق عند ربهم. واتل عليهم ما اوحی اليك من ربك. ولا تصعر
لخلق الله ولا تسئم من الناس. اصحاب الصفة وما ادرك ما اصحاب الصفة. تری
اعينهم تفيض من الدمع. يصلون عليك. ربنا اننا سمعنا مناديا ينادی للايمان وداعيا
الی الله وسراجا منيرا. املوا.

اس جگہ یہ وسوسہ دل میں نہیں لانا چاہیے کہ کیونکر ایک ادنیٰ امتی آں رسول مقبول کے اسماء یا صفات یا محامد میں شریک
ہو سکے۔ بلاشبہ یہ سچ بات ہے کہ حقیقی طور پر کوئی نبی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات قدسیہ سے شریک مساوی نہیں ہو سکتا۔ ۲۴۳
بلکہ تمام ملائکہ کو بھی اس جگہ برابری کا دم مارنے کی جگہ نہیں۔ چہ جائیکہ کسی اور کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات سے کچھ نسبت
ہو۔ مگر اے طالب حق ارشدک اللہ تم متوجہ ہو کر اس بات کو سنو کہ خداوند کریم نے اس غرض سے کہ تا ہمیشہ اس رسول مقبول
کی برکتیں ظاہر ہوں اور تا ہمیشہ اس کے نور اور اس کی قبولیت کی کامل شعاعیں مخالفین کو ملزم اور لاجواب کرتی رہیں۔ اس
طرح پر اپنی کمال حکمت اور رحمت سے انتظام کر رکھا ہے کہ بعض افراد امت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گزرے ہوتے
ہیں۔ خدا ان کو فانی اور ایک مصفا شیشہ کی طرح پا کر اپنے رسول مقبول کی برکتیں ان کے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر
کرتا ہے اور جو کچھ منجاب اللہ ان کی تعریف کی جاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات ان سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔
حقیقت میں مرجع تام ان تمام تعریفوں کا اور مصدر کامل ان تمام برکات کا رسول کریم ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ

کے نور کی عظمت کے قائل نہیں ۔ جن لفظوں کو کہتے ہو کہ معانی کی طرح وہ بھی خدا ہی کے مونہہ سے نکلے ۱۷۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کوفت پہنچتی رہے گی یہاں تک کہ وہ وقت موعود آ جائے گا جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے خدا تخلف وعدہ نہیں کرے گا اور
رسولوں کے حق میں پہلے سے ہماری یہ بات قرار پا چکی ہے کہ ہمیشہ نصرت اور فتح انہیں کے شامل حال رہے گی ۔ اور ہمیشہ
ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا ۔ سو اس وقت تک کہ وہ وعدہ پورا ہو ان سے منہ پھیرے رہ اور انکو وہ راہ دکھلا پس عنقریب وہ آپ ۲۳۲
دیکھ لیں گے ۔ اور تجھ سے پہلے جو نبی آئے ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی ۔ پس انہوں نے تکذیب پر صبر کیا اور ایک مدت تک
دکھ دیئے گئے یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی ۔ چنانچہ گذشتہ رسولوں کی خبریں بھی تجھ کو آ چکی ہیں ۔ اور جس دن تو انکو کوئی
آیت نہیں سناتا اس دن کہتے ہیں کہ آج تو نے کوئی آیت کیوں نہ گھڑی ۔ انکو کہہ کہ میں تو اسی کلام کی پیروی کرتا ہوں کہ جو
میرے رب کی طرف سے مجھ پر نازل ہو رہا ہے اپنے دل سے گھڑ لینا میرا کام نہیں اور نہ یہ ایسی باتیں ہیں کہ جنکو انسان
اپنے افترا سے گھڑ سکے ۔ یہ تو میرے رب کی طرف سے بصائر ہیں ۔ یعنی اپنے منجانب اللہ ہونے پر آپ ہی روشن دلیلیں ۲۳۳
ہیں اور ایمانداروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۔ خدا کا یہ ارادہ ہو رہا ہے کہ اپنے کلام سے حق کو ثابت کرے اور کافروں
کے عقائد باطلہ کو جڑھ سے کاٹ دے تا سچے مذہب کی سچائی اور جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ ثابت کر کے دکھلاوے اگرچہ مجرم
لوگ کراہت ہی کریں ۔ اور تو وہ وقت یاد کر کہ جب کافر لوگ تیرے قید کرنے یا قتل کرنے کا نکال دینے پر مکر کر کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

تعریفیں اسی کے لائق ہوتی ہیں ۔ اور وہی ان کا مصداق اتم ہوتا ہے ۔ مگر چونکہ متبع سنن آں سرور کائنات کا اپنے غایت
اتباع کے جہت سے اس شخص نورانی کیلئے کہ جو وجود حضرت نبوی ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے ۔ اس لئے جو کچھ اس شخص
مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں ۔ اُس کے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں ۔ اور سایہ میں اس تمام وضع
اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اس کے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں ۔ ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں ۲۴۴
اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اس میں موجود نہیں بلکہ جو کچھ اس میں موجود ہے وہ اس کے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے جو اس
میں نمودار اور نمایاں ہے ۔ پس لازم ہے کہ آپ یا کوئی دوسرے صاحب اس بات کو حالت نقصان خیال نہ کریں کہ کیوں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار باطنی ان کی امت کے کامل متبعین کو پہنچ جاتے ہیں اور سمجھنا چاہیے کہ اس انعکاس انوار
سے کہ جو بطریق افاضہ دائمی نفوس صافیہ امت محمدیہ پر ہوتا ہے ۔ دو بزرگ امر پیدا ہوتے ہیں ۔ ایک تو یہ کہ اس سے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدرجہ غایت کمالیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے اور ہمیشہ
روشن ہوتا ہے ۔ وہ ایسے چراغ سے بہتر ہے جس سے دوسرا چراغ روشن نہ ہو سکے ۔ دوسرے اس امت کی کمالیت اور دوسری
امتوں پر اس کی فضیلت اس افاضہ دائمی سے ثابت ہوتی ہے اور حقیقت دین اسلام کا ثبوت ہمیشہ تر و تازہ ہوتا رہتا ہے ۔
صرف یہی بات نہیں ہوتی کہ گذشتہ زمانہ پر حوالہ دیا جائے ۔ اور یہ ایک ایسا امر ہے کہ جس سے قرآن شریف کی حقانیت
کے انوار آفتاب کی طرح ظاہر ہو جاتے ہیں اور دین اسلام کے مخالفوں پر حجت اسلام پوری ہوتی ہے اور معاندین اسلام کی
ذلت اور رسوائی اور روسیاہی کامل طور پر کھل جاتی ہے کیونکہ وہ اسلام میں وہ برکتیں اور وہ نور دیکھتے ہیں جن کی نظیر کو وہ اپنی
قوم کے پادریوں اور پنڈتوں وغیرہ میں ثابت نہیں کر سکتے ۔ فتدبر ایها الصادق فی الطلب ایدك الله فی
طلبك ۔ اس جگہ بعض خاموں کے دلوں میں یہ وہم بھی گزر سکتا ہے کہ اسی مندرجہ بالا الہامی عبارت میں کیوں ایک ۲۴۵

ہیں ان کو تم اس لعاب کے برابر نہیں سمجھتے کہ جو مکھی کے منہ سے نکلتا ہے یعنی تمہارے نزدیک انسان

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

منصوبے باندھتے تھے اور مکر کر رہے تھے اور خدا بھی مکر کر رہا تھا۔ اور خدا سب مکر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ سو جہاں تک
ان کا بس چل سکا۔ انہوں نے مکر کیا اور ان کے سارے مکر خدا کے قبضہ میں ہیں اور اگرچہ ان کے مکر ایسے ہوں کہ جن سے
۲۳۴ پہاڑ ٹل جائیں تب بھی یہ گمان مت کر کہ ان سے خدا کے وہ وعدے ٹل جائیں گے کہ جو اس نے اپنے رسول کو دیئے ہیں۔
خدا غالب اور بدلہ لینے والا ہے اور تجھے اسی جگہ پھر لائے گا جہاں سے تو نکالا گیا ہے۔ یعنی مکہ میں جس سے کفار نے
آنحضرتؐ کو نکال دیا تھا۔ یاد رکھو کہ خدا کی مدد بہت ہی قریب ہے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی
تجارت کی طرف رہبری کروں کہ جو تم کو عذاب الیم سے نجات بخشے۔ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور خدا کی راہ میں
اپنے مالوں اور جانوں سے کوشش کرو کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس سے خدا تمہارے گناہوں کو بخشے گا۔ اور ان
۲۳۵ بہشتوں میں داخل کرے گا۔ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اور وہ محل عطا کرے گا کہ جو پاک اور جاودانی بہشتوں میں
ہیں۔ یہی انسان کیلئے سعادت عظمیٰ ہے۔ اور دوسری یہ ہے جسے تم اسی دنیا میں چاہتا ہو کہ خدا کی طرف سے مدد ہے۔ اور فتح
قریب ہے اور سست مت ہو۔ اور غم مت کرو۔ اور انجام کار غلبہ تمہیں کو ہوگا اگر تم ایمان پر قائم رہو گے۔ اور تم یہودیوں اور
عیسائیوں اور دوسرے مشرکوں سے بہت کچھ دل دکھانے کی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو گے اور ہر یک طور کی بے صبری

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

مسلمان کی تعریفیں لکھی ہیں۔ سو سمجھنا چاہیے کہ ان تعریفوں سے دو بزرگ فائدے متصور ہیں جن کو حکیم مطلق نے خلق اللہ کی
بھلائی کیلئے مدنظر رکھ کر ان تعریفوں کو بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ تا نبی متبوع کی متابعت کی تاثیریں معلوم ہوں اور تا عامہ
خلائق پر واضح ہو کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر شان بزرگ ہے۔ اور اس آفتاب صداقت کی کیسی اعلیٰ
درجہ پر روشن تاثیریں ہیں۔ جس کا اتباع کسی کو مومن کامل بناتا ہے۔ کسی کو عارف کے درجہ تک پہنچاتا ہے۔ کسی کو آیت اللہ
اور حجت اللہ کا مرتبہ عنایت فرماتا ہے اور محامد الٰہیہ کا مورد ٹھہراتا ہے۔
دوسرے یہ فائدہ کہ نئے مستفیض کی تعریف کرنے میں بہت سی اندرونی بدعات اور مفاسد کی اصلاح متصور ہے۔ کیونکہ جس
حالت میں اکثر جاہلوں نے گذشتہ اولیاء اور صالحین پر صدہا اس قسم کی تہمتیں لگا رکھی ہیں کہ گویا انہوں نے آپ یہ فہمائش کی
تھی کہ ہم کو خدا کا شریک ٹھہراؤ اور ہم سے مرادیں مانگو اور ہم کو خدا کی طرح قادر اور متصرف فی الکائنات سمجھو۔ تو اس
صورت میں اگر کوئی نیا مصلح ایسی تعریفوں سے عزت یاب نہ ہو کہ جو تعریفیں ان کو اپنے پیروں کی نسبت ذہن نشین ہیں۔
تب تک وعظ اور پند اس مصلح جدید کا بہت ہی کم مؤثر ہوگا۔ کیونکہ وہ لوگ ضرور دل میں کہیں گے کہ یہ حقیر آدمی ہمارے
۲۳۶ پیروں کی شان بزرگ کو کب پہنچ سکتا ہے۔ اور جب خود ہمارے بڑے پیروں نے مرادیں دینے کا وعدہ دے رکھا ہے۔ تو
یہ کون ہے اور اس کی کیا حیثیت اور کیا بضاعت اور کیا رتبت اور کیا منزلت۔ تا ان کو چھوڑ کر اس کی سنیں۔ سو یہ دو فائدے
بزرگ ہیں جن کی وجہ سے اس مولیٰ کریم نے کہ جو سب عزتوں اور تعریفوں کا مالک ہے۔ اپنے ایک عاجز بندہ اور مشت
خاک کی تعریفیں کیں۔ ورنہ درحقیقت ناچیز خاک کی کیا تعریف۔ سب تعریفیں اور تمام نیکیاں اسی ایک کی طرف راجع ہیں
کہ جو رب العالمین اور حی القیوم ہے۔ اور جب خداوند تعالیٰ عزاسمہ مصلحت مذکورہ بالا کی غرض سے کسی بندہ کی جس کے ہاتھ
پر خلق اللہ کی اصلاح منظور ہے۔ کچھ تعریف کرے تو اس بندہ پر لازم ہے کہ اس تعریف کو خلق اللہ کی نفع رسانی کی نیت سے

١٨٠ شہد بنانے پر تو قادر نہیں پر خدا کی کلام کے بنانے پر قادر ہے۔ تمہاری نگاہ میں کیڑے مکوڑے کیسے بچ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اور اضطراب سے پرہیز کرو گے تو ان لوگوں کے مکر کچھ بھی تمہارا بگاڑ نہیں سکیں گے۔ خدا نے تم میں سے بعض نیکوکار
٢٣٦ ایمانداروں کے لئے یہ وعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین پر اپنے رسول مقبول کے خلیفے کرے گا انہیں کی مانند جو پہلے کرتا رہا ہے اور ان کے دین کو کہ جو ان کیلئے اس نے پسند کرلیا ہے۔ یعنی دین اسلام کو زمین پر جما دے گا اور مستحکم اور قائم کردے گا اور بعد اس کے ایماندار خوف کی حالت میں ہوں گے یعنی بعد اس وقت کے کہ جب بباعث وفات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خوف دامنگیر ہو گیا کہ شاید اب دین تباہ نہ ہو جائے۔ تو اس خوف اور اندیشہ کی حالت میں خدائے تعالیٰ خلافت حقہ کو قائم کر کے مسلمانوں کو اندیشہ ابتری دین سے بےغم اور امن کی حالت میں کردے گا وہ خالصا میری پرستش کریں گے اور مجھ سے کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہ تو ظاہری طور پر بشارت ہے مگر جیسا کہ آیات قرآنیہ میں عادت الٰہیہ جاری ہے اس کے نیچے ایک باطنی معنی بھی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ باطنی طور پر ان آیات میں خلافت روحانی کی طرف بھی اشارہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر یک خوف کی حالت میں کہ جب محبت الٰہیہ دلوں سے اٹھ جائے اور مذہب فاسدہ ہر طرف پھیل جائیں اور لوگ روبہ دنیا ہو جائیں اور دین کے گم ہونے کا اندیشہ ہو تو ہمیشہ ایسے وقتوں میں خدا روحانی خلیفوں کو پیدا کرتا رہے گا کہ جن کے ہاتھ پر روحانی طور پر نصرت اور فتح دین کی ظاہر ہو۔ اور حق کی عزت اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

اچھی طرح مشتہر کرے اور اس بات سے ہرگز نہ ڈرے کہ عوام الناس کیا کہیں گے۔ عوام الناس تو جیسا کہ ان کا مادہ اور ان کی سمجھ ہے ضرور کچھ نہ کچھ بکواس کریں گے۔ کیونکہ بدظنی اور بداندیشی کرنا عوام الناس کی قدیم سے فطرت چلی آتی ہے۔ اب کسی زمانہ میں کب بدل سکتی ہے۔ مگر درحقیقت یہ تعریفیں عوام الناس کے حق میں موجب بہبودی ہیں اور گو ابتداء میں عوام الناس کو وہ تعریفیں مکروہ اور کچھ افتراء سا معلوم ہوں۔ لیکن انجام کار خدائے تعالیٰ ان پر حق الامر کھول دیتا ہے اور جب اس ضعیف بندہ کا حق بجانب ہونا اور مؤید من اللہ ہونا عوام پر کھل جاتا ہے۔ تو وہ تمام تعریفیں ایسے شخص کی کہ جو میدان جنگ میں کھڑا ہے، ایک فتح عظیم کا موجب ہو جاتی ہیں اور ایک عجیب اثر پیدا کر کے خدا کے گم گشتہ بندوں کو اس کی توحید
٢٤٧ اور تفرید کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ اور اگر تھوڑے دن ہنسی اور ملامت کا موجب ٹھہریں تو ان ٹھٹھوں اور ملامتوں کا برداشت کرنا خادم دین کیلئے عین سعادت اور فخر ہے۔ والذین یبلغون رسالات ربھم لا یخافون لومة لائم.

صورت سوم۔ الہام کی یہ ہے کہ نرم اور آہستہ طور پر انسان کے قلب پر القا ہوتا ہے۔ یعنی یک مرتبہ دل میں کوئی کلمہ گذر جاتا ہے۔ جس میں وہ عجائبات بہ تمام وکمال نہیں ہوتے کہ جو دوسری صورت میں بیان کئے گئے ہیں۔ بلکہ اس میں ربودگی اور غنودگی بھی شرط نہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ہو جاتا ہے اور اس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا غیب سے کسی نے وہ کلمہ دل میں پھونک دیا ہے یا پھینک دیا ہے۔ انسان کسی قدر بیداری میں ایک استغراق اور محویت کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور کبھی بالکل بیدار ہوتا ہے کہ یک دفعہ دیکھتا ہے کہ ایک نو وارد کلام اس کے سینہ میں داخل ہے یا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معاً وہ کلام دل میں داخل ہوتے ہی اپنی پرزور روشنی ظاہر کر دیتا ہے اور انسان متنبہ ہو جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے یہ القا ہے اور صاحب ذوق کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے تنفّسی ہوا اندر جاتی اور تمام دل وغیرہ اعضاء کو راحت پہنچاتی ہے۔ ویسا ہی وہ الہام دل کی تسلی اور سکینت اور آرام بخشتا ہے۔ اور طبیعت مضطرب پر اس کی خوشی اور خنکی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ ایک باریک بھید ہے جو

گئے اور ایسے من کو بھا گئے کہ خدا کی کلام ان کی مانند بھی نہیں ۔ جاہلو! اگر خدا کی کلام بے مثل نہیں تو

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

باطل کی ذلت ہو۔ تا ہمیشہ دین اپنی اصلی تازگی پر عود کرتا رہے اور ایماندار ضلالت کے پھیل جانے اور دین کہ مفقود ہوجانے کے اندیشہ سے امن کی حالت میں آ جائیں۔ پھر بعد اس کے فرمایا کہ ایک گروہ نے عیسائیوں اور یہودیوں میں سے یہ چاہا ہے کہ کسی طرح تم کو گمراہ کریں۔ اور وہ تم کو تو کیا گمراہ کریں گے خود اپنے ہی نفسوں کو گمراہ کر رہے ہیں پر اپنی غلطی پر انہیں شعور نہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کاموں کے ساتھ تعریف کئے جائیں جن کو وہ کرتے نہیں سو تو یہ گمان مت کر کہ یہ ۲۳۷
لوگ عذاب سے بچ جائیں گے ان کے لئے ایک دردناک عذاب مقرر ہے اور اس سے اور کون ظالم تر ہے کہ جو خدا کی مسجدوں کو اس بات سے روکے کہ ان میں ذکر الٰہی کیا جائے اور مسجدوں کے خراب اور منہدم کرنے میں کوشش کرے۔ یہ عیسائیوں کی بدچلنی اور مفسدانہ حرکت کا حال بتلایا ہے جنہوں نے بیت المقدس کا کچھ پاس نہ کیا اور اسے متکبرانہ جوش میں آ کر منہدم کیا اور بعد اس آیت کے فرمایا کہ جن عیسائیوں نے ایسی شوخی کی ان کو دنیا میں رسوائی در پیش ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔ ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھا ہے کہ جو نیک لوگ ہیں وہی زمین کے وارث ہوں گے یعنی ارض شام کے (زبور: ۳۷) کہہ اے بار خدایا! اے مالک الملک! تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ ہر یک خیر کہ جس کا انسان طالب ہے تیرے ہی ہاتھ میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

عوام لوگوں سے پوشیدہ ہے۔ مگر عارف اور صاحب معرفت لوگ جن کو حضرت واہب حقیقی نے اسرار ربانی میں صاحب تجربہ کر دیا ہے۔ وہ اس کو خوب سمجھتے اور جانتے ہیں۔ اور اس صورت کا الہام بھی اس عاجز کو بارہا ہوا ہے جس کا لکھنا بالفعل کچھ ضروری نہیں۔

صورت چہارم۔ الہام کی یہ ہے کہ رؤیا صادقہ میں کوئی امر خدائے تعالیٰ کی طرف سے منکشف ہو جاتا ہے یا کبھی کوئی فرشتہ انسان ۲۴۸
کی شکل میں متشکل ہو کر کوئی غیبی بات بتلاتا ہے یا کوئی تحریر کاغذ پر یا پتھر وغیرہ پر مشہود ہو جاتی ہے جس سے کچھ اسرار غیبیہ ظاہر ہوتے ہیں۔ وغیرها من الصور۔

چنانچہ یہ عاجز اپنے بعض خوابوں میں سے جن کی اطلاع اکثر مخالفین اسلام کو انہیں دنوں میں دی گئی تھی کہ جب وہ خوابیں آئی تھیں اور جن کی سچائی بھی انہیں کے روبرو ظاہر ہو گئی بطور نمونہ بیان کرتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک وہ خواب ہے جس میں اس عاجز کو جناب خاتم الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تھی۔ اور بطور مختصر بیان اس کا یہ ہے کہ اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء عیسوی میں یعنی اسی زمانے کے قریب کہ جب یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصہ میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا جناب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تالیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے۔ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کا نام میں نے قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کی تالیف ہونے پر یہ کھلی کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے جس کا کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔ غرض آنحضرت نے وہ کتاب مجھ سے لے لی۔ اور جب وہ
کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجناب کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوش رنگ اور خوبصورت میوہ بن ۲۴۹

۱۸۱ کیڑوں اور درختوں کے پتوں کے بےمثل ہونے کی تم کو کہاں سے خبر پہنچ گئی ۔ تم ذرا سوچتے نہیں کہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۳۸ ہے ۔ تو ہر یک چیز پر قادر ہے۔ کافروں کو کہہ کہ اگر تم خدا کی بندگی نہ کرو تو وہ تمہاری پرواہ کیا رکھتا ہے ۔ سو تم نے بجائے
طاعت اور بندگی کے جھٹلانا اختیار کیا ۔ سو عنقریب اس کی سزا تم پر وارد ہونے والی ہے اور تم یقیناً جانو کہ تم خدا کو اس کے
کاموں میں کبھی عاجز نہیں کر سکتے اور خدا تمہیں رسوا کرے گا ۔ وہ لوگ کہ جو تمہارے ناحق کے جنگوں اور قتل کے ارادوں
سے ظلم رسیدہ ہیں ۔ ان کی نسبت مدد دینے کا حکم ہو چکا ہے اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے ۔ وہ خدا وہ کریم اور رحیم ہے جس نے
امیوں میں انہیں میں سے ایک ایسا کامل رسول بھیجا ہے کہ جو باوجود امی ہونے کے خدا کی آیات ان پر پڑھتا ہے ۔ اور
انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھلاتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس نبی کے ظہور سے پہلے صریح گمراہی میں پھنسے ہوئے
تھے اور ان کے گروہ میں سے اور ملکوں کے لوگ بھی ہیں جن کا اسلام میں داخل ہونا ابتدا سے قرار پا چکا ہے اور ابھی وہ
مسلمانوں سے نہیں ملے ۔ اور خدا غالب اور حکیم ہے جس کا فعل حکمت سے خالی نہیں ۔ یعنی جب وہ وقت آ پہنچے گا کہ جو خدا
نے اپنی حکمت کاملہ کے لحاظ سے دوسرے ملکوں کے مسلمان ہونے کیلئے مقرر کر رکھا ہے ۔ تب وہ لوگ دین اسلام میں
۲۳۹ داخل ہونگے ۔ اے ایمان لانے والو! اگر کوئی تم میں سے دین اسلام کو چھوڑ دے گا تو خدا اُس کے عوض میں ایک ایسی قوم
لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے وہ مومنین کے آگے تذلل کریں گے اور کافروں پر غالب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

گئی کہ جو امرود سے مشابہ تھا مگر بقدر تربوز تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کیلئے قاش قاش کرنا چاہا تو
اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجناب کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا ۔ تب ایک مردہ کہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑا تھا جیسے
ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست
پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے ۔ پھر خلاصۂ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض
سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن ڈال دیں اور وہ ایک قاش
میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اور اس نے وہیں کھالی ۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو میں نے دیکھا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت سے اونچی ہو گئی اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک سے متواتر چمکنے لگی کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی ۔ تب اسی نور
کے مشاہدہ کرتے کرتے آنکھ کھل گئی والحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔
یہ وہ خواب ہے کہ تقریباً دو سو آدمی کو انہیں دنوں میں سنائی گئی تھی جن میں سے پچاس یا کم و بیش ہندو بھی ہیں کہ جو اکثر ان
میں سے ابھی تک صحیح و سلامت ہیں اور وہ تمام لوگ خوب جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں براہین احمدیہ کی تالیف کا ابھی نام
۲۵۰ و نشان نہ تھا اور نہ یہ مرکوز خاطر تھا کہ کوئی دینی کتاب بنا کر اس کے استحکام اور سچائی ظاہر کرنے کیلئے دس ہزار روپیہ کا اشتہار
دیا جائے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اب وہ باتیں جن پر خواب دلالت کرتی ہے کس قدر پوری ہو گئیں اور جس قطبیت کے اسم سے
اس وقت کی خواب میں کتاب کو موسوم کیا گیا تھا ۔ اسی قطبیت کو اب مخالفوں کے مقابلے پر بوعدہ انعام کثیر پیش کر کے حجت
اسلام ان پر پوری کی گئی ہے اور جس قدر اجزا اس خواب کے ابھی تک ظہور میں نہیں آئے ان کے ظہور کا سب کو منتظر رہنا

اگر کلام ربانی کی ترکیب میں ایک کیڑے کی ترکیب جتنی بھی کمالیت نہیں تو گویا یہ خدا پر ہی اعتراض

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اور بھاری ہوں گے یعنی خدا کی طرف سے یہ وعدہ ہے کہ ہمیشہ یہ حال ہوتا رہے گا کہ اگر کوئی ناقص الفہم دین اسلام سے مرتد ہوجائے گا تو اس کے مرتد ہونے سے دین میں کچھ کمی نہیں ہوگی بلکہ اس ایک شخص کے عوض میں خدا کئی وفادار بندوں کو دین اسلام میں داخل کرے گا کہ جو اخلاص سے اس پر ایمان لائیں گے اور خدا کے محب اور محبوب ٹھہریں گے اور وہ تمام کافر کہ جو دین اسلام کے روکنے اور بند کرنے کیلئے اپنے مالوں کو خرچ کر رہے ہیں وہ جہاں تک ان کا بس چلے گا خرچ کریں گے۔ پر آخر کار وہ تمام خرچ ان کے لئے تاسف اور حسرت کا موجب ہوگا اور پھر مغلوب ہوجائیں گے۔ خدا نے تم کو بہت سے ملکوں کی غنیمتوں کے عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ سو ان میں سے ایک پہلا امر یہ ہوا کہ خدا نے یہودیوں کے قلعے معہ تمام مال واسباب تم کو دے دیئے اور مخالفوں کے شر سے تم کو امن بخشا تا مومنین کیلئے ایک نشان ہو۔ اور خدا تم کو دوسرے
۲۴۰ ملک بھی یعنی فارس اور روم وغیرہ عطا کرے گا۔ تمہاری طاقت ان پر قبضہ کرنے سے عاجز ہے پر خدا کی طاقتیں ان پر محیط ہورہی ہیں اور خدا ہر یک چیز پر قادر ہے یہاں تک تو وہ پیشین گوئیاں ہیں جن میں ظاہری بشارتیں ہیں۔ پھر بعد اس کے باطنی بشارتوں کی طرف اشارہ فرما کر کہا۔ کافر اور مشرک کہ جو شرک اور کفر پر مریں ان کے گناہ نہیں بخشے جائیں گے اور خدا ان کو ان کے کفر کی حالت میں اپنی معرفت کا راہ نہیں دکھلائے گا۔ ہاں جہنم کا راہ دکھلائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ پر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

چاہیے کہ آسمانی باتیں کبھی ٹل نہیں سکتیں۔

اب ایک دوسری رؤیا سنئے۔ عرصہ تخمیناً بارہ برس کا ہوا ہے کہ ایک ہندو صاحب کہ جو اب آریہ سماج قادیان کے ممبر اور صحیح وسلامت موجود ہیں حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آنجناب کی پیشین گوئیوں سے سخت منکر تھا اور اس کا پادریوں کی طرح شدت عناد سے یہ خیال تھا کہ یہ سب پیشگوئیاں مسلمانوں نے آپ بنالی ہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا نے کوئی امر غیب ظاہر نہیں کیا اور ان میں یہ علامت نبوت موجود ہی نہیں تھی۔ مگر سبحان اللہ کیا فضل خدا کا اپنے نبی پر ہے اور کیا بلند شان اس معصوم اور مقدس نبی کی ہے کہ جس کی صداقت کی شعاعیں اب بھی ایسی ہی چمکتی ہیں کہ جیسی قدیم سے چمکتی آئی ہیں۔ کچھ تھوڑے دنوں کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ اس ہندو صاحب کا ایک عزیز کسی ناگہانی پیچ میں آکر قید ہوگیا اور اس کے ہمراہ ایک اور ہندو بھی قید ہوا۔ اور ان دونوں کا چیف کورٹ میں اپیل گزرا۔ اس حیرانی اور سرگردانی کی حالت میں ایک دن اس آریہ صاحب نے مجھ سے یہ بات کہی کہ غیبی خبر اسے کہتے ہیں کہ آج کوئی یہ بتلا سکے کہ اس ہمارے مقدمہ کا انجام کیا
۲۵۱ ہے۔ تب میں نے جواب دیا کہ غیب تو خاصہ خدا کا ہے اور خدا کے پوشیدہ بھیدوں سے نہ کوئی نجومی واقف ہے نہ رمال نہ فال گیر نہ اور کوئی مخلوق۔ ہاں خدا جو آسمان وزمین کی ہر یک شدنی سے واقف ہے اپنے کامل اور مقدس رسولوں کو اپنے ارادہ اور اختیار سے بعض اسرار غیبیہ پر مطلع کرتا ہے۔ اور نیز کبھی کبھی جب چاہتا ہے تو اپنے سچے رسول کے کامل تابعین پر جو اہل اسلام ہیں ان کی تابعداری کی وجہ سے اور نیز اس باعث سے کہ وہ اپنے رسول کے علوم کے وارث ہیں۔ بعض اسرار پوشیدہ ان پر بھی کھولتا ہے تا ان کے صدق مذہب پر ایک نشان ہو۔ لیکن دوسری قومیں جو باطل پر ہیں جیسے ہندو اور ان کے پنڈت اور عیسائی اور ان کے پادری۔ وہ سب ان کامل برکتوں سے بے نصیب ہیں۔ میرا یہ کہنا ہی تھا کہ وہ شخص اس بات پر اصراری ہوگیا کہ اگر اسلام کے متبعین کو دوسری قوموں پر ترجیح ہے تو اسی موقع پر اس ترجیح کو دکھلانا چاہیے۔ اس کے جواب

ٹھہرا جس نے ادنیٰ کو اعلیٰ سے زیادہ تر شرف دے دیا اور ادنیٰ کو اپنی ذات پر وہ دلالتیں بخشیں کہ جو ۱۸۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

جو لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ۔ وہی ہیں کہ جو خدا کے نزدیک صدیق ہیں ۔ ان کے لئے اجر ہوگا ۔ ان کے لئے نور ہوگا ۔ ان کو اسی زندگی میں بشارتیں ملیں گی یعنی وہ خدا سے نور الہام کا پائیں گے اور بشارتیں سنیں گے جن میں ان کی بہتری اور مدح اور ثنا ہوگی اور خدا ان کی سچائیوں کو روشن کرے گا ۔ خدا نے جو جو وعدہ کیا ہے وہ سب پورا ہوگا ۔ (دیکھو
حاشیہ در حاشیہ نمبر ا کہ کیونکر یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو رہی ہے ۔) اور کسی نوع کی تبدیل واقعہ نہیں ہوگی ۔ یہی سعادت عظمیٰ ۲۴۱
ہے کہ جو ان لوگوں کو ملتی ہے کہ جو محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ۔ خدا اور اس کے سارے فرشتے اس نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں ۔ اے ایماندارو تم بھی اس پر درود بھیجو ۔ اور نہایت اخلاص اور محبت سے سلام کرو ۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو دکھ دیتے ہیں ۔ ان پر دنیا اور آخرت میں خدا کی لعنت ہے ۔ دنیا میں یہ کہ وہ روحانی برکتوں سے محروم رہیں گے اور آخرت میں یہ کہ ذلت اور اہانت کے ساتھ جہنم کے عذاب میں ڈالے جائیں گے ۔
آیات مندرجہ بالا میں جس قدر خداوند قادر مطلق نے تمام دنیا کے مقابلہ پر تمام مخالفوں کے مقابلہ پر تمام دشمنوں کے مقابلہ ۲۴۲
پر تمام منکروں کے مقابلہ پر تمام دولتمندوں کے مقابلہ پر تمام زور آوروں کے مقابلہ پر تمام بادشاہوں کے مقابلہ پر تمام حکیموں کے مقابلہ پر تمام فلاسفروں کے مقابلہ پر تمام اہل مذہب کے مقابلہ پر ایک عاجز ناتوان بے زر بے زور ایک امی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

میں ہر چند کہا گیا کہ اس میں خدا کا اختیار ہے انسان کا اس پر حکم نہیں مگر اس آریہ نے اپنے انکار پر بہت اصرار کیا ۔ غرض جب میں نے دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں اور دین اسلام کی عظمتوں سے سخت منکر ہے ۔ تب میرے دل میں خدا کی طرف سے یہی جوش ڈالا گیا کہ خدا اس کو اسی مقدمہ میں شرمندہ اور لاجواب کرے ۔ اور میں نے دعا کی کہ اے خداوند کریم تیرے نبی کریم کی عزت اور عظمت سے یہ شخص سخت منکر ہے اور تیرے نشانوں اور پیشین گوئیوں سے جو تو نے اپنے رسول پر ظاہر فرمائیں سخت انکاری ہے اور اس مقدمہ کی آخری حقیقت کھلنے سے یہ لاجواب ہو سکتا اور تو ہر بات پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کوئی امر تیرے علم محیط سے مخفی نہیں ۔ تب خدا نے جو اپنے سچے دین اسلام کا حامی ہے اور اپنے رسول کی عزت اور عظمت چاہتا ہے ۔ رات کے وقت رؤیا میں کل حقیقت مجھ پر کھول دی ۔ اور ظاہر کیا کہ تقدیر الٰہی میں یوں مقدر ہے کہ اس کی مثل چیف کورٹ سے عدالت ماتحت میں پھر واپس آئے گی اور پھر اس عدالت ماتحت میں نصف قید اس کی تخفیف ہو جائے گی مگر بری نہیں ہوگا ۔ اور جو اس کا دوسرا رفیق ہے وہ پوری قید بھگت کر خلاصی پائے گا اور بری وہ بھی نہیں ہوگا ۔ پس میں نے اس خواب سے بیدار ہو کر اپنے خداوند کریم کا شکر کیا جس نے مخالف کے سامنے مجھ کو مجبور ہونے نہ دیا اور اسی وقت میں نے یہ رؤیا ایک جماعت کثیر کو سنا دیا اور اس ہندو صاحب کو بھی اسی دن خبر کر دی ۔ اب مولوی صاحب !! آپ خود یہاں آ کر اور خود اس جگہ پہنچ کر جس طرح سے جی چاہے اس ہندو صاحب سے جو اس جگہ قادیان میں موجود ہے اور نیز دوسرے لوگوں سے دریافت کر سکتے ہیں کہ یہ خبر جو میں نے بیان کی ہے یہ ٹھیک درست ہے یا اس میں کچھ کمی بیشی ہے ۔ اور ایسے معاملات میں مخالفین مذہب کی گواہی خاص کر دیانند پنڈت کے تابعین کی گواہی جس قدر قابل اعتبار ہے آپ جانتے ہی ہوں گے ۔ اب ہم ایک تیسری رؤیا بھی آپ کی خدمت میں نذر کرتے ہیں ۔
سردار محمد حیات خان کا کبھی آپ نے نام سنا ہی ہوگا کہ جو گورنمنٹ کے حکم سے ایک عرصہ دراز تک معطل رہے ۔ ڈیڑھ سال ۲۵۲

اعلیٰ کو نہیں ۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ناخوان بے علم بے تربیت کو اپنی خداوندی کے کامل جلال سے کامیابی کے وعدے دیئے ہیں ۔ کیا کوئی ایمانداروں اور حق کے طالبوں میں سے شک کرسکتا ہے کہ یہ تمام مواعید کہ جو اپنے وقتوں پر پورے ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں یہ کسی انسان کا کام ہے ۔ دیکھو ایک غریب اور تنہا اور مسکین نے اپنے دین کے پھیلنے کے اور اپنے مذہب کی جڑھ پکڑنے کی اس وقت
۲۴۳ خبر دی کہ جب اُس کے پاس بجز چند بے سامان درویشوں کے اور کچھ نہ تھا اور تمام مسلمان صرف اس قدر تھے کہ ایک چھوٹے سے حجرہ میں سما سکتے تھے اور انگلیوں پر نام بنام گنے جاسکتے جن کو ایک گاؤں کے چند آدمی ہلاک کر سکتے تھے ۔ جن کا مقابلہ ان لوگوں سے پڑا تھا کہ جو دنیا کے بادشاہ اور حکمران تھے اور جن کو ان قوموں کے ساتھ سامنا پیش آیا تھا کہ جو باوجود کروڑوں مخلوقات ہونے کے اُن کے ہلاک کرنے اور نیست و نابود کرنے پر متفق تھے ۔ مگر اب دنیا کے کناروں تک نظر ڈال کے دیکھو کہ کیونکر خدا نے انہیں ناتوان اور قدر قلیل لوگوں کو دنیا میں پھیلا دیا ۔ اور کیونکر ان کو طاقت اور دولت اور بادشاہت بخش دی اور کیونکر ہزار ہا سال کی تخت نشینیوں کے تاج اور تخت ان کے سپرد کئے گئے ۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ
۲۴۴ جماعت اتنی بھی نہیں تھی کہ جس قدر ایک گھر کے آدمی ہوتے ہیں اور اب وہی لوگ کئی کروڑ دنیا میں نظر آتے ہیں ۔ خداوند نے کہا تھا کہ میں اپنے کلام کی آپ حفاظت کروں گا ۔ اب دیکھو کیا یہ سچ ہے یا نہیں کہ وہی تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کا عرصہ گزرا ہوگا یا شاید اس سے زیادہ کچھ عرصہ گزر گیا ہوگا کہ جب طرح طرح کی مصیبتیں اور مشکلیں اور صعوبتیں اس معطلی کی حالت میں ان کو پیش آئیں اور گورنمنٹ کا منشاء بھی کچھ برخلاف سمجھا جاتا تھا ۔ انہیں دنوں میں ان کے بری ہونے کی خبر ہم کو خواب میں ملی اور خواب میں مَیں نے ان کو کہا کہ تم کچھ خوف مت کرو خدا ہر یک چیز پر قادر ہے وہ تمہیں نجات دے گا ۔ چنانچہ یہ خبر انہیں دنوں میں بیسیوں ہندوؤں اور آریوں اور مسلمانوں کو سنائی گئی ۔ جس نے سنا بعداز قیاس سمجھا اور بعض نے ایک امر محال خیال کیا اور میں نے سنا ہے کہ انہی ایام میں محمد حیات خان صاحب کو بھی یہ خبر کسی نے لاہور میں پہنچا دی تھی ۔ سوالحمدللہ والمنۃ کہ یہ بشارت بھی جیسی دیکھی تھی ویسی ہی پوری ہوئی ۔ اب اس خواب کے گواہ بھی ساٹھ ستر سے کچھ کم نہ ہوں گے ۔ اور اگر اس میں مسلمانوں کی شہادت قابل اعتماد نہ ہو اور نہ محمد حیات خان صاحب کی تو آپ کو یاد رہے کہ اس میں قریب دس بارہ آدمی کے ہندو اور آریہ سماج کے ممبر بھی ہیں کہ جو وید کی لکیر پر چلنے والے اور مسلمانوں کے سخت مخالف ہیں ۔ سردار محمد حیات خان صاحب سے نہ ہماری خط و کتابت اور نہ کچھ میل و ملاقات نہ کچھ ایسا تعلق وتعارف ہے ۔ ہم حیران تھے کہ ان کی آخری حالت ان کی سخت بے قراری کے دنوں میں کیوں خدا نے ہم پر ظاہر کی ۔ سو آج اس کا سبب ظاہر ہوا کہ یہ کشف بھی اس لئے ہوا کہ تا آج دینی کام میں جس میں خدا نے ہمیں لگایا ہوا ہے ۔ کام آوے ۔ والحمدللہ ثم الحمدللہ ۔

۲۵۳ اب ایک چوتھی رؤیا بھی آپ کی تسلی کامل کے لئے بیان کرتا ہوں ۔ تخمیناً دس برس کا عرصہ ہوا ہے جو میں نے خواب میں حضرت مسیح علیہ السلام کو دیکھا اور مسیح نے اور میں نے ایک جگہ ایک ہی برتن میں کھانا کھایا اور کھانے میں ہم دونوں ایسے بے تکلف اور بامحبت تھے کہ جیسے دو حقیقی بھائی ہوتے ہیں اور جیسے قدیم سے دو رفیق اور دلی دوست ہوتے ہیں اور بعد اس کے اسی مکان میں جہاں اب یہ عاجز اس حاشیہ کو لکھ رہا ہے ۔ میں اور مسیح اور ایک اور کامل اور مکمل سید آل رسول دالان میں

۱۸۳ جمالؔ و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے	قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ اس کی کلام کے پہنچائی تھی وہ برابر اس کی کلام میں محفوظ چلی آتی ہے اور لاکھوں قرآن شریف کے حافظ ہیں کہ جو قدیم سے چلے آتے ہیں۔ خدا نے کہا تھا کہ میری کتاب کا کوئی شخص حکمت میں، معرفت میں، بلاغت میں، فصاحت میں، احاطۂ علوم ربانیہ میں، بیان دلائل دینیہ میں مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ سو دیکھو کسی سے مقابلہ نہیں ہو سکا۔ اور اگر کوئی اس سے منکر ہے۔ تو اب کر کے دکھلاوے اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں جس کے ساتھ دس ہزار روپے کا اشتہار بھی شامل ہے۔ حقائق و دقائق و عجائبات قرآن شریف کے کہ جو انسانی طاقتوںؔ سے باہر ہیں لکھے ہیں۔ کسی ۲۴۵ دوسری کتاب میں سے پیش کرے۔ اور جب تک پیش نہ کرے تب تک صریح حجت خدا کی اس پر وارد ہے۔ اور خدا نے کہا تھا کہ میں ارض شام کو عیسائیوں کے قبضہ میں سے نکال کر مسلمانوں کو اس زمین کا وارث کروں گا۔ سو دیکھو اب تک مسلمان ہی اس زمین کے وارث ہیں اور یہ سب خبریں ایسی ہیں کہ جن کے ساتھ اقتدار اور قدرت الوہیت شامل ہے۔ یہ نہیں کہ نجومیوں کی طرح صرف ایسی ہی خبریں ہوں کہ زلزلے آویں گے، قحط پڑیں گے، قوم پر قوم چڑھائی کرے گی، وباء پھیلیں گی، مری پڑی گی وغیرہ وغیرہ۔ اور بہ تبعیت خدا کے کلام کے اور اُسی کی تاثیر اور برکت سے وہ لوگ کہ جو قرآن شریف کا اتباع اختیار کرتے ہیں اور خدا کے رسول مقبول پر صدق دلی سے ایمان لاتے ہیں اور اس سے محبت رکھتے ہیں اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

خوشدلی سے ایک عرصے تک کھڑے رہے اور سید صاحب کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا۔ اس میں بعض افراد خاصہ امت محمدیہ کے نام لکھے ہوئے تھے اور حضرت خداوند تعالیٰ کی طرف سے ان کی کچھ تعریفیں لکھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ سید صاحب نے اس کاغذ کو پڑھنا شروع کیا جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسیح کو امت محمدیہ کے ان مراتب سے اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ جو عنداللہ ان کے لئے مقرر ہیں اور اس کاغذ میں عبارت تعریفی تمام ایسی تھی کہ جو خالص خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ سو جب پڑھتے پڑھتے وہ کاغذ اخیر تک پہنچ گیا اور کچھ تھوڑا ہی باقی رہا۔ تب اس عاجز کا نام آیا۔ جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عبارت تعریفی عربی زبان میں لکھی ہوئی تھی هو منی بمنزلة توحيدی وتفريدی فكاد ان يعرف بين الناس۔ یعنی وہ مجھ سے ایسا ہے جیسے میری توحید اور تفرید، سو عنقریب لوگوں میں مشہور کیا جائے گا۔ یہ اخیر فقرہ فكاد ان يعرف بين الناس اسی وقت بطور الہام بھی القا ہوا۔ چونکہ مجھ کو اس روحانی علم کی اشاعت کا ابتداء سے شوق ہے۔ اس لئے یہ خواب اور یہ القا بھی کئی مسلمانوں اور کئی ہندوؤں کو جو اب تک قادیانؔ میں موجود ہیں اسی وقت بتلایا گیا۔ اب ۲۵۴ دیکھئے کہ یہ خواب اور یہ الہام بھی کس قدر عظیم الشان اور انسانی طاقتوں سے باہر ہے۔ اور گو ابھی تک یہ پیشگوئی کامل طور پر پوری نہیں ہوئی۔ مگر اس کا اپنے وقت پر پورا ہونے کا بھی انتظار کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا کے وعدوں میں ممکن نہیں کہ تخلف ہو۔ اور اس جگہ یاد رہے کہ اگرچہ کبھی کبھی ایسے لوگ بھی کہ جو مذہب اسلام سے خارج ہیں کوئی کوئی سچی خواب دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ان میں اور مسلمانوں کی خوابوں میں کہ جو خدا کے رسول مقبول کا کامل اتباع اختیار کرتے ہیں کئی طور سے صریح فرق ہے۔ منجملہ ان فرقوں کے ایک یہ ہے کہ مسلمانوں کو سچی خوابیں کثرت سے آتی ہیں جیسا ان کی نسبت خدا تعالیٰ نے آپ وعدہ دے رکھا ہے اور فرمایا: لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس: ۶۴) لیکن کفار اور منکرین اسلام کو اس کثرت سے سچی خوابیں ہرگز نصیب نہیں ہوتیں بلکہ ان کا ہزارم حصہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ہماری ان ہزارہا سچی

نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۴۶ اس کو تمام مخلوقات اور تمام نبیوں اور تمام رسولوں اور تمام مقدسوں اور تمام ان چیزوں سے جو ظہور پذیر ہوئیں یا آئندہ ہوں، بہتر اور پاک تر اور کامل تر اور افضل اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ان نعمتوں سے اب تک حصہ پاتے ہیں۔ اور جو شربت موسیٰ اور مسیح کو پلایا گیا۔ وہی شربت نہایت کثرت سے نہایت لطافت سے نہایت لذت سے پیتے ہیں اور پی رہے ہیں۔ اسرائیل نوران میں روشن ہیں۔ بنی یعقوب کے پیغمبروں کی ان میں برکتیں ہیں۔ سبحان اللہ ثم سبحان اللہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کس شان کے نبی ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان نور ہے جس کے ناچیز خادم جس کی ادنیٰ سے ادنیٰ امت۔ جس کے احقر سے احقر چاکر مراتب مذکورہ بالا تک پہنچ جاتے ہیں۔ اللھم صلی علی نبیك وحبیبك سید
۲۴۷ الانبیاء وافضل الرسل وخیر المرسلین وخاتم النبیین محمد والہ واصحابہ وبارك وسلم۔
اس زمانے کے پادری اور پنڈت اور برہمو اور آریہ اور دوسرے مخالف چونک نہ اٹھیں کہ وہ برکتیں کہاں ہیں۔ وہ آسمانی نور کدھر ہیں جن میں امت مرحومہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے مسیح اور موسیٰ کی برکتوں میں شریک ہے۔ اور ان نوروں کی وارث ہے جن سے اور تمام قومیں اور تمام اہل مذاہب محروم اور بے نصیب ہیں۔ اس وسوسہ کے دور کرنے کے لئے بارہا ہم نے اسی حاشیے میں لکھ دیا ہے کہ طالب حق کیلئے کہ جو اسلام کے فضائل خاصہ دیکھ کر فی الفور مسلمان ہونے پر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

خوابوں کے ثبوت سے ہوسکتا ہے جن کو ہم نے قبل از وقوع صدہا مسلمانوں اور ہندوؤں کو بتلا دیا ہے اور جن کے مقابلہ سے غیر قوموں کا عاجز ہونا ہم ابتدا سے دعویٰ کر رہے ہیں۔

اور ایک یہ فرق ہے کہ مسلمان کی خواب اکثر اوقات نہایت عالی شان اور مہمات عظیمہ کی بشارت اور خوشخبری پر مشتمل ہوتی ہے اور کافر کی خواب اکثر اوقات امور خسیسہ میں اور ہیچ اور بے قدر ہوتی ہے اور ذلت اور ناکامی کے مکروہ آثار اس میں
۲۵۵ نمودار ہوتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت کیلئے بھی ہماری ہی خوابوں پر بہ نظر انصاف غور کرنا کافی ہے۔ اور اگر کوئی منکر ہو تو ایسی عالی شان خوابیں کسی غیر مذہب کی ہمارے سامنے پیش کرے اور ثابت کر کے دکھلاوے۔ اور ایک فرق یہ ہے کہ مسلمان کی خواب نہایت راست اور منکشف ہوتی ہے اور کامل مسلمان کو بہت ہی کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کی خواب بے اصل اور اضغاث احلام میں داخل ہو۔ کیونکہ وہ پاک دل اور پاک مذہب ہے اور حضرت احدیت سے سچا رابطہ رکھتا ہے برخلاف منکر اسلام کے کہ جو بباعث ناپاک دلی اور ناراستی مذہب کے گویا ایک نجاست میں پڑا ہوا ہے اس کو بہت ہی کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کی کوئی خواب سچی ہو۔ پھر تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ اگر کسی منکر اسلام کی شاذ و نادر کوئی بعض خواب کبھی سچی بھی ہو تو اس میں یہ شرط ہے کہ وہ منکر کوئی معاند پادری یا پنڈت نہ ہو بلکہ کوئی سیدھا سادھا ہندو یا غریب عیسائی ہو۔ جس کو اپنے مذہب پر کچھ ایسا اعتقاد نہ ہو۔ نہ اسلام سے کچھ بغض و کینہ ہو۔ اور پھر یہ بھی تجارب کثیرہ سے ثابت ہوا ہے کہ جو کسی غریب ہندو یا عیسائی کی کبھی کسی حالت میں خواب سچی ہو جائے تو وہ خطا اور غلطی کی آمیزش سے بکلی پاک اور صاف نہیں ہوتی۔ بلکہ کچھ نہ کچھ کمی بیشی اور پراگندگی اور افراط تفریط ضرور اس میں ہوتا ہے۔ ہم کو یاد ہے کہ محرم ۱۲۹۹ ہجری کی پہلی یا دوسری تاریخ میں ہم کو خواب میں یہ دکھائی دیا کہ کسی صاحب نے مدد کتاب کے لئے پچاس روپیہ روانہ کئے ہیں۔ اسی رات ایک آریہ صاحب نے بھی ہمارے لئے خواب دیکھی کہ کسی نے مدد کتاب کے لئے ہزار روپیہ روانہ کیا ہے۔ اور

۱۸۴ بہارِ جاوداں پیدا ہے اس کی ہر عبارت میں　　نہ وہ خوبی چمن میں ہے نہ اس سا کوئی بستاں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

مستعد ہے۔ اس ثبوت دینی کے ہم آپ ہی ذمہ دار ہیں۔ اور حاشیہ در حاشیہ صورت دوم میں اسی کی طرف ہم نے صریح
۲۴۸ اشارہ کیا ہے۔ بلکہ خدائے تعالیٰ جس جس طرح پر اپنیؔ خداوندی کی طاقتوں اور فضلوں اور برکتوں کو مسلمانوں پر ظاہر کرتا
ہے انہیں ربانی مواعید اور بشارتوں میں سے کہ جو انسانی طاقتوں سے باہر ہیں کسی قدر حاشیہ ممدوحہ میں لکھ دیا ہے۔ پس اگر
کوئی پادری یا پنڈت یا برہمو کہ جو اپنی کور باطنی سے منکر ہیں یا کوئی آریہ اور دوسرے فرقوں میں سے سچائی اور راستی سے خدا
تعالیٰ کا طالب ہے تو اس پر لازم ہے کہ سچے طالبوں کی طرح اپنے تمام تکبروں اور غروروں اور نفاقوں اور دنیا پرستیوں اور
ضدوں اور خصومتوں سے بکلی پاک ہو کر اور فقط حق کا خواہاں اور حق کا جویاں بن کر ایک مسکین اور عاجز اور ذلیل آدمی کی
طرح سیدھا ہماری طرف چلا آوے اور پھر صبر اور برداشت اور اطاعت اور خلوص کو صادق لوگوں کی طرح اختیار کرے تا
۲۴۹ انشاء اللہ اپنے مطلب کو پاوے اور اگر اب بھی کوئی منہ پھیرے تو وہ خود اپنی بے ایمانی پر آپ گواہ ہےؔ۔ بعض کوتاہ نظر لوگ
جب دیکھتے ہیں کہ خدا کے نبیوں اور رسولوں کو بھی تکالیف پیش آتی رہی ہیں تو آخیر پر وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اگر اقتدار
الوہیت کہ جو الہامی خبروں کا نشان سمجھا گیا ہے نبیوں کے شامل حال ہوتا تو ان کو تکلیفیں کیوں پیش آتیں اور کیوں سب سے
زیادہ مصیبتیں انہیں پر پڑتیں۔ لیکن یہ وسوسہ بالکل بے اصل ہے جو سراسر کم توجہی سے پیدا ہوتا ہے۔ الہامی خبروں کا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

جب انہوں نے خواب بیان کی تو ہم نے اسی وقت ان کو اپنی خواب بھی سنادی اور یہ بھی کہہ دیا کہ تمہاری خواب میں انیس
حصے جھوٹ مل گیا ہے۔ اور یہ اسی کی سزا ہے کہ تم ہندو اور دین اسلام سے خارج ہو۔ شاید ان کو گراں ہی گزرا ہوگا۔ مگر بات
۲۵۶ سچی تھی جس کی سچائی پانچویںؔ یا چھٹے محرم میں ظہور میں آ گئی یعنی پنجم یا ششم محرم الحرام میں مبلغ پچاس روپے جن کو جوناگڑھ
سے شیخ محمد بہاؤالدین صاحب مدارالمہام ریاست نے کتاب کے لئے بھیجا تھا۔ کئی لوگوں اور ایک آریہ کے روبرو پہنچ
گئے۔ والحمدللّٰہ علٰی ذٰلک۔

اسی طرح ایک مرتبہ خدا نے ہم کو خواب میں ایک راجہ کے مرجانے کی خبر دی۔ اور وہ خبر ہم نے ایک ہندو صاحب کو کہ جواب پلیڈری کا کام کرتے ہیں بتلائی۔ جب وہ خبر اسی دن پوری ہوئی تو وہ ہندو صاحب بہت ہی متعجب ہوئے کہ ایسا صاف اور کھلا ہوا علم غیب کا کیونکر معلوم ہوگیا۔ پھر ایک مرتبہ جب انہیں وکیل صاحب نے اپنی وکالت کے لئے امتحان دیا تو اسی ضلع میں سے ان کے ساتھ اسی سال میں بہت سے اور لوگوں نے بھی امتحان دیا۔ اس وقت بھی مجھ کو ایک خواب آئی اور میں نے اس وکیل صاحب کو اور شاید تیس یا چالیس اور ہندوؤں کو جن میں سے کوئی تحصیلدار، کوئی سررشتہ دار کوئی محرر ہے بتلایا کہ ان سب میں سے صرف اس شخص مقدم الذکر کا پاس ہوگا اور دوسرے سب امیدوار فیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔ اور ۱۸۶۸ء میں اس وکیل صاحب کے خط سے اس جگہ قادیان میں یہ خبر ہم کو مل گئی۔ والحمدللّٰہ علی ذالک۔

اور اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح ہمارے مخالفین کی خوابیں دنیا کے امور میں اکثر بے اصل اور دروغ بے فروغ نکلتی
ہیں۔ ویسا ہی دینیات میں ان کا مغشوش اور بے سروپا ہونا ہمیشہ ثابت ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں میں جس کو آٹھ یا نو برس کا عرصہ
گزرا ہوگا۔ ہم نے سنا تھا کہ ایک پادری صاحب نے یہ پیشگوئی کی ہے کہ اب تین برس کے اندر اندر حضرت مسیح آسمان
۲۵۷ سے پادریوں کی مدد کیلئے اتر آئیں گے۔ پھر شاید ایک مرتبہ ہم نے منشور محمدیؔ یا کسی اور اخبار میں پڑھا ہے کہ ایک بنگلور

کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز　　اگر لولوئے عماں ہے وگر لعل بدخشاں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

قادرانہ طور پر بیان ہونا شے دیگر ہے اور انبیاء کی مصیبتیں ایک دوسرا امر ہے کہ جو انواع اقسام کی حکمتوں پر مشتمل ہے۔ اور
حقیقت حال پر مطلع ہونے سے تمہیں معلوم ہوگا کہ وہ مصیبتیں اصل میں مصیبتیں نہیں بلکہ بڑی بڑی نعمتیں ہیں کہ جو انہیں کو
دی جاتی ہیں جن پر خدا کا فضل اور کرم ہوتا ہے اور یہ ایسی نعمتیں ہیں کہ جن میں نبیوں اور تمام دنیا کو فائدہ ہے اس جگہ تحقیق ۲۵۰
کلام یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کا وجود اس لئے ہوتا ہے کہ تا لوگ جمیع اخلاق میں ان کی پیروی کریں اور جن امور پر خدا نے
ان کو استقامت بخشی ہے اسی جادۂ استقامت پر سب حق کے طالب قدم ماریں اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ اخلاق
فاضلہ کسی انسان کے اس وقت بہ پایہ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب اپنے وقت پر ظہور پذیر ہوں اور اسی وقت دلوں پر ان کی
تاثیریں بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً عفو وہ معتبر اور قابل تعریف ہے کہ جو قدرت انتقام کے وقت میں ہو۔ اور پرہیزگاری وہ قابل
اعتبار ہے کہ جو نفس پروری کی قدرت موجود ہوتے ہوئے پھر پرہیزگاری قائم رہے۔ غرض خدائے تعالیٰ کا ارادہ انبیاء اور ۲۵۱
اولیاء کی نسبت یہ ہوتا ہے کہ ان کے ہر یک قسم کے اخلاق ظاہر ہوں اور بہ پایہ ثبوت پہنچ جائیں۔ سو خدائے تعالیٰ اسی
ارادے کو پورے کرنے کی غرض سے ان کی نورانی عمر کو دو حصہ پر منقسم کر دیتا ہے۔ ایک حصہ تنگیوں اور مصیبتوں میں گزرتا
ہے اور ہر طرح سے دکھ دیئے جاتے ہیں اور ستائے جاتے ہیں تا وہ اعلیٰ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جو بجز سخت تر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کے پادری نے بھی کچھ ایسا ہی وعدہ کیا تھا۔ بہرحال مدت ہوئی کہ وہ تین برس کا وعدہ گزر بھی گیا۔ مگر آج تک مسیح کو آسمان
سے اترتا کسی نے نہیں دیکھا اور یہ پیشگوئی پادریوں کی ایسی جھوٹی ہوئی جیسا بعض نجومی نومبر ۸۱ء کے مہینے میں قیامت کا
قائم ہونا سمجھ بیٹھے تھے۔ اور واضح رہے کہ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ کسی پادری کو مسیح کے نازل ہونے کے بارے میں
خواب آئی ہو۔ مگر ہمارا یہ منشاء ہے کہ پادریوں کی خوابیں بباعث کفر اور عداوت حضرت خاتم الانبیاء کے اکثر دروغ بے
فروغ نکلتی ہیں اور اگر کوئی خواب شاذ و نادر کسی قدر سچی ہو تو وہ مشتبہ اور مبہم ہوتی ہے۔ پس اگر مسیح کے بارہ میں کہ جو ان کو
خواب آئی اس کو اسی قسم دوم میں داخل کریں تو اس کے یہ معنے ہوں گے کہ مسیح سے مراد عالم رؤیا میں کوئی کامل فرد امت محمدیہ
کا ہے۔ کیونکہ قدیم سے یہ تجربہ ہوتا چلا آیا ہے کہ جب کوئی عیسائی اپنی خواب دیکھتا ہے کہ اب مسیح آنے والا ہے کہ جو دین کو
تازہ کرے گا۔ یا اگر کوئی ہندو دیکھتا ہے کہ اب کوئی اوتار آنے والا ہے جس سے دھرم کی ترقی ہوگی۔ تو ایسی خوابیں ان کی
اگر بعض اوقات سچی ہوں۔ تو ان کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ اس مسیح اور اس اوتار سے مراد کوئی محمدی شخص ہوتا ہے کہ جو دین کی
ترقی اور اصلاح کے لئے اپنے وقت پر ظہور کرتا ہے اور چونکہ وہ اپنی نورانیت میں تمام مقدسوں کا وارث ہوتا ہے اس لئے
مشتبہ الخیال لوگوں کی قوت متخیلہ میں ایسی صورت پر نظر آتا ہے یعنی ان کو وہ ایک ایسے شخص کی صورت میں متصور ہو کر دکھائی
دیتا ہے جس کو وہ اپنے اعتقاد کے رو سے بڑا مقدس اور کامل اور راستی کا پیشوا اور اپنا ہادی خیال کرتے ہیں۔ غرض عیسائیوں
اور ہندوؤں کی خوابیں اکثر اوقات بے اصل اور سراسر دروغ یا مشتبہ نکلتی ہیں۔ پس بنظر ان تمام وجوہات کے یہ بات بخوبی ۲۵۸
بدیہی طور پر ثابت ہے کہ رؤیا صادقہ کا کثرت سے آنا، اور کامل طور پر آنا اور مہمات عظیمہ میں آنا اور انکشاف تام سے آنا،
یہ خاصہ امت محمدیہ کا ہے۔ اس میں کسی دوسرے فرقہ کو مشارکت نہیں۔ اور عدم مشارکت کی وجہ یہی ہے کہ وہ تمام لوگ صراط
مستقیم سے دور اور مہجور ہیں اور ان کے خیالات دنیا پرستی اور مخلوق پرستی اور نفس پرستی میں لگے ہوئے ہیں اور راستبازوں

١٨٥ خدؔا کے قول سے قول بشر کیونکر برابر ہو وہاں قدرت یہاں درماندگی فرق نمایاں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

مصیبتوں کے ہرگز ظاہر اور ثابت نہیں ہوسکتے۔ اگر ان پر وہ سخت تر مصیبتیں نازل نہ ہوں۔ تو یہ کیونکر ثابت ہو کہ وہ ایک
ایسی قوم ہے کہ مصیبتوں کے پڑنے سے اپنے مولیٰ سے بے وفائی نہیں کرتے بلکہ اور بھی آگے قدم بڑھاتے ہیں۔ اور
٢٥٢ خداوند کریم کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے سب کو چھوڑ کر انہیں پر نظر عنایت کی۔ اورؔ انہیں کو اس لائق سمجھا کہ اس کیلئے اور اس
کی راہ میں ستائے جائیں۔ سو خدائے تعالیٰ ان پر مصیبتیں نازل کرتا ہے تا ان کا صبر، ان کا صدق قدم، ان کی مردی، ان کی
استقامت، ان کی وفاداری، ان کی فتوت شعاری لوگوں پر ظاہر کر کے الاستقامة فوق الكرامة کا مصداق ان کو
ٹھہراوے۔ کیونکہ کامل صبر بجز کامل مصیبتوں کے ظاہر نہیں ہوسکتا اور اعلیٰ درجہ کی استقامت اور ثابت قدمی بجز اعلیٰ درجہ
کے زلزلے کے معلوم نہیں ہوسکتی اور یہ مصائب حقیقت میں انبیاء اور اولیاء کے لئے روحانی نعمتیں ہیں جن سے دنیا میں ان
کے اخلاق فاضلہ جن میں وہ بے مثل و مانند ہیں ظاہر ہوتے ہیں اور آخرت میں ان کے درجات کی ترقی ہوتی ہے۔ اگر خدا
٢٥٣ ان پر یہ مصیبتیں نازل نہ کرتا تو یہ نعمتیںؔ بھی ان کو حاصل نہ ہوتیں اور نہ عوام پر ان کے شمائل حسنہ کما حقہ کھلتے بلکہ دوسرے
لوگوں کی طرح اور ان کے مساوی ٹھہرتے۔ اور گو اپنی چند روزہ عمر کو کیسے ہی عشرت اور راحت میں بسر کرتے پر آخر ایک
دن اس دار فانی سے گزر جاتے اور اس صورت میں نہ وہ عیش اور عشرت ان کی باقی رہتی نہ آخرت کے درجات عالیہ حاصل

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کے نور سے کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملتا ہے بکلی بے بہرہ اور بے نصیب ہیں۔ یہ صرف دعویٰ نہیں۔ یہ صرف
زبان کی بات نہیں۔ یہ ایک ثابت شدہ صداقت ہے جس سے کوئی عقلمند اگر انکار کرے تو اس پر لازم ہے کہ مقابلہ کر کے
دکھلاوے۔ کیونکہ جو امر کامل ثبوتوں سے اور کامل شہادتوں سے روشن ہو چکا ہے۔ وہ صرف مونہہ کی فضول اور بیہودہ باتوں
سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ فتدبر و تفکر۔
صورت پنجم الہام کی وہ ہے جس کا انسان کے قلب سے کچھ تعلق نہیں بلکہ خارج سے آواز آتی ہے اور یہ آواز ایسی معلوم ہوتی
ہے جیسے ایک پردہ کے پیچھے سے کوئی آدمی بولتا ہے۔ مگر یہ آواز نہایت لذیذ اور شگفتہ اور کسی قدر سرعت کے ساتھ ہوتی ہے
اور دل کو اس سے ایک لذت پہنچتی ہے۔ انسان کسی قدر استغراق میں ہوتا ہے کہ یکدفعہ یہ آواز آ جاتی ہے اور آواز سن کر وہ
حیران رہ جاتا ہے کہ کہاں سے یہ آواز آئی اور کس نے مجھ سے کلام کی۔ اور حیرت زدہ کی طرح آگے پیچھے دیکھتا ہے پھر سمجھ
جاتا ہے کہ کسی فرشتہ نے یہ آواز دی۔ اور یہ آواز خارجی اکثر اس حالت میں بطور بشارت آتی ہے کہ جب انسان کسی معاملہ
٢٥٩ میں نہایت متفکر اور مغموم ہوتاؔ ہے یا کسی بدخبری کے سننے سے کہ جو اصل میں محض دروغ تھی کوئی سخت اندیشہ اس کو دامنگیر
ہو جاتا ہے۔ مگر صورت دوم کی طرح اس میں مکرر دعاؤں پر اس آواز کا صادر ہونا مشہود نہیں ہوا بلکہ ایک ہی دفعہ اسی وقت کہ
جب خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کوئی فرشتہ غیب سے ناگہانی طور پر آواز کرتا ہے۔ برخلاف صورت دوم کے کہ اس میں اکثر کامل
دعاؤں پر حضرت احدیت کی طرف سے جواب صادر ہونا مشہود ہوا ہے۔ اور خواہ سو مرتبہ دعا اور سوال کرنے کا اتفاق ہو۔
اس کا جواب سو مرتبہ ہی حضرت فیاض مطلق کی طرف سے صادر ہوسکتا ہے جیسا کہ متواتر تجربہ خود اس خاکسار کا اس بات کا
شاہد ہے۔ اس قسم کے الہام میں بھی ایک بزرگ پیشگوئی اس عاجز کو یاد ہے جس سے اس خاکسار نے مشرف من اللہ ہو کر
ایک قادیان کے آریہ سماج کے ممبر کو کہ جواب بھی اس جگہ صحیح و سالم موجود ہے۔ پیشگوئی کے پورے ہونے پر ملزم ولا جواب

ملائک جس کی حضرت میں کریں اقرار لاعلمی سخن میں اس کے ہمتائی کہاں مقدور انساں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہوتے نہ دنیا میں ان کی وہ فتوت اور جوانمردی اور وفاداری اور شجاعت شہرۂ آفاق ہوتی جس سے وہ ایسے ارجمند ٹھہرے جن کا کوئی مانند نہیں اور ایسے یگانہ ٹھہرے جن کا کوئی ہم جنس نہیں اور ایسے فرد الفرد ٹھہرے جن کا کوئی ثانی نہیں اور ایسے غیب الغیب ٹھہرے جن تک کسی ادراک کی رسائی نہیں اور ایسے کامل اور بہادر ٹھہرے کہ گویا ہزار ہا شیر ایک قالب میں ہیں اور ۲۵۴
ہزار ہا پلنگ ایک بدن میں جن کی قوت اور طاقت سب کی نظروں سے بلند تر ہوگئی اور جو تقرب کے اعلیٰ درجات تک پہنچ گئی۔

اور دوسرا حصہ انبیاء اور اولیاء کی عمر کا فتح میں، اقبال میں، دولت میں بمرتبۂ کمال ہوتا ہے تا وہ اخلاق ان کے ظاہر ہو جائیں کہ جن کے ظہور کے لئے فتح مند ہونا، صاحب اقبال ہونا، صاحب دولت ہونا، صاحب اختیار ہونا، صاحب اقتدار ہونا، صاحب طاقت ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اپنے دکھ دینے والوں کے گناہ بخشنا اور اپنے ستانے والوں سے درگزر کرنا اور اپنے دشمنوں سے پیار کرنا اور اپنے بداندیشوں کی خیر خواہی بجالانا، دولت سے دل نہ لگانا، دولت سے مغرور نہ ہونا، دولتمندی میں ۲۵۵
امساک اور بخل اختیار نہ کرنا اور کرم اور جود اور بخشش کا دروازہ کھولنا اور دولت کو ذریعہ نفس پروری نہ ٹھہرانا اور حکومت کو آلہ ظلم وتعدی نہ بنانا۔ یہ سب اخلاق ایسے ہیں کہ جن کے ثبوت کیلئے صاحب دولت اور صاحب طاقت ہونا شرط ہے۔ اور اسی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کیا تھا۔ یہ ایسی بعید از قیاس اور ظاہراً بکلی محال و ممتنع الوقوع معلوم ہوتی تھی جس کو سن کر اس آریہ نے سخت انکار کیا اور اس بات پر ضد کر بیٹھا کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ ایسی بات دور از قیاس واقعہ ہو جائے۔ چنانچہ بالآخر وہ بات بعینہٖ اسی طور پر ظہور میں آئی جیسی پہلے کہی گئی تھی۔ اور یہ پیشگوئی نہ صرف اس آریہ کو بتلائی گئی تھی بلکہ اور کئی لوگوں کو بتلائی گئی تھی کہ جو اب تک موجود ہیں اور کسی کو انکار کرنے کی جگہ باقی نہیں۔ چونکہ یہ پیشگوئی ایک طول طویل واقعہ پر مشتمل ہے۔ لہٰذا بالفعل اس کی تصریح کی ضرورت نہیں۔ بہرحال سمجھنا چاہیے کہ الہام ایک واقعی اور یقینی صداقت ہے جس کا مقدس اور پاک چشمہ دین اسلام ہے۔ اور خدا جو قدیم سے صادقوں کا رفیق ہے۔ دوسروں پر یہ نورانی دروازہ ہرگز نہیں کھولتا اور اپنی خاص نعمت غیر کو ہرگز نہیں دیتا۔ اور کیونکر دیوے۔ کیا ممکن ہے کہ جو شخص اپنے گھر کے تمام دروازے بند کر کے اور آنکھوں پر پردہ ڈال کے ۲۶۰
بیٹھا ہوا ہے۔ وہ ایسا ہی روشنی کو پاوے جیسا وہ شخص جس کے سب دروازے کھلے ہیں اور جس کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں۔ کیا اعمٰی اور بصیر کبھی مساوی ہو سکتے ہیں۔ کیا ظلمت نور کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ کیا ممکن ہے کہ مجذوم جس کا تمام بدن جذام خوردہ ہے اور جس کے اعضاء متعفن ہو کر گرتے جاتے ہیں۔ وہ اپنی بدنی حالت میں اس جماعت سے برابری کر سکے جس کو خدا نے کامل تندرستی اور خوبصورتی عطا فرمائی ہے۔ ہم ہر وقت طالب صادق کو اس بات کا ثبوت دینے کیلئے موجود ہیں کہ وہ روحانی اور حقیقی اور سچی برکتیں کہ جو تابعین حضرت خیر الرسل میں پائی جاتی ہیں کسی دوسرے فرقہ میں ہرگز موجود نہیں۔ جب ہم عیسائیوں اور آریوں اور دوسری غیر قوموں کی ظلمانی اور محجوب حالت پر نظر کرتے ہیں اور ان کے تمام پنڈتوں اور جوگیوں اور راہبوں اور پادریوں اور مشنریوں کو آسمانی نوروں سے بکلی محروم اور بے نصیب پاتے ہیں۔ اور اس طرف امت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں آسمانی نوروں اور روحانی برکتوں کا ایک دریا بہتا ہوا دیکھتے ہیں اور انوار الٰہیہ کو بارش کی طرح برستے ہوئے مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو پھر جس ماجرا کو ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں اور جس کی شہادتیں ہماری تار اور

بنا سکتا نہیں اک پاؤں کیڑے کا بشر ہرگز   تو پھر کیونکر بنانا نورِ حق کا اس پہ آساں ہے ١٨٦

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وقت بہ پایہ ثبوت پہنچتے ہیں کہ جب انسان کے لئے دولت اور اقتدار دونوں میسر ہوں ۔ پس چونکہ بجز زمانہ مصیبت واد
بار وزمانہ دولت واقتدار یہ دونوں قسم کے اخلاق ظاہر نہیں ہو سکتے ، اس لئے حکمت کاملہ ایزدی نے تقاضا کیا کہ انبیاء اور
اولیاء کو ان دونوں طور کی حالتوں سے کہ جو ہزار ہا نعمتوں پر مشتمل ہیں متمتع کرے ۔ لیکن ان دونوں حالتوں کا زمانہ وقوع ہر
یک کیلئے ایک ترتیب پر نہیں ہوتا ۔ بلکہ حکمت الٰہیہ بعض کے لئے زمانہ امن و آسائش پہلے حصہ عمر میں میسر کر دیتی ہے اور ٢٥٦
زمانہ تکالیف پیچھے سے اور بعض پر پہلے وقتوں میں تکالیف وارد ہوتی ہیں اور پھر آخر کار نصرت الٰہی شامل ہو جاتی ہے اور
بعض میں یہ دونوں حالتیں مخفی ہوتی ہیں اور بعض میں کامل درجہ پر ظہور و بروز پکڑتی ہیں اور اس بارے میں سب سے اول
قدم حضرت خاتم الرسل محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے ۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کمال وضاحت سے یہ دونوں
حالتیں وارد ہو گئیں اور ایسی ترتیب سے آئیں کہ جس سے تمام اخلاق فاضلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثل آفتاب کے روشن
ہو گئے اور مضمون اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۴) کا بہ پایہ ثابت پہنچ گیا ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق
کا دونوں طور پر علٰی وجہ الکمال ثابت ہونا تمام انبیاء کے اخلاق کو ثابت کرتا ہے کیونکہ آنجناب نے ان کی نبوت اور ان کی ٢٥٧
کتابوں کو تصدیق کیا اور ان کا مقرب اللہ ہونا ظاہر کر دیا ہے ۔ پس اس تحقیق سے یہ اعتراض بھی بالکل دور ہو گیا کہ جو مسیح

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

پود اور رگ اور ریشہ میں بھری ہوئی ہیں اور جس پر ہمارا ایک ایک قطرہ خون کا گواہ رویت ہے کیونکر اس سے منکر ہو جائیں ۔
کیا ہم امر معلوم کو نا معلوم فرض کر لیں یا مرئی اور مشہود کو غیر مرئی اور غیر مشہود قرار دے دیں کیا کریں ۔ ہم سچ سچ کہتے ہیں
اور سچ کہنے سے کسی حالت میں رک نہیں سکتے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئے نہ ہوتے اور قرآن شریف جس کی
تاثیریں ہمارے ائمہ اور اکابر قدیم سے دیکھتے آئے اور آج ہم دیکھ رہے ہیں ، نازل نہ ہوا ہوتا ۔ تو ہمارے لئے یہ امر بڑا ٢٦١
ہی مشکل ہوتا کہ جو ہم فقط بائبل کے دیکھنے سے یقینی طور پر شناخت کر سکتے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح اور دوسرے گزشتہ
نبی فی الحقیقت اسی پاک اور مقدس جماعت میں سے ہیں جن کو خدا نے اپنے لطف خاص سے اپنی رسالت کے لئے چن لیا
ہے ۔ یہ ہم کو فرقان مجید کا احسان ماننا چاہیے جس نے اپنی روشنی ہر زمانہ میں آپ دکھلائی اور پھر اس کامل روشنی سے گزشتہ
نبیوں کی صداقتیں بھی ہم پر ظاہر کر دیں ۔ اور یہ احسان نہ فقط ہم پر بلکہ آدم سے لے کر مسیح تک ان تمام نبیوں پر ہے کہ جو
قرآن شریف سے پہلے گزر چکے ۔ اور ہر یک رسول اس عالی جناب کا ممنون منت ہے جس کی خدا نے وہ کامل اور مقدس
کتاب عنایت کی جس کی کامل تاثیروں کی برکت سے سب صداقتیں ہمیشہ کیلئے زندہ ہیں ۔ جن سے ان نبیوں کی نبوت
پر یقین کرنے کے لئے ایک راستہ کھلتا ہے اور ان کی نبوتیں شکوک اور شبہات سے محفوظ رہتی ہیں ۔
واضح ہو کہ قرآن شریف میں دو طور کا معجزہ ہمیشہ کے لئے رکھا گیا ہے ۔ ایک اعجاز کلام قرآن دوم اعجاز اثر کلام قرآن ۔ یہ
دونوں اعجاز ایسے بدیہی ہیں کہ اگر کسی کا نفس اعراض صوری یا معنوی سے محجوب نہ ہو تو فی الفور وہ اس نور صداقت کو بچشم خود
مشاہدہ کر لے گا ۔ اعجاز کلام قرآن کے بیان پر تو یہ ساری کتاب مشتمل ہے اور بعض قسم کے اعجاز حاشیہ نمبر ۱۱ میں لکھے بھی
گئے ہیں ۔ اعجاز اثر کلام قرآن کی نسبت ہم یہ ثبوت رکھتے ہیں کہ آج تک کوئی ایسی صدی نہیں گزری جس میں خدائے تعالیٰ
نے مستعد اور طالب حق لوگوں کو قرآن شریف کی پوری پوری پیروی کرنے سے کامل روشنی تک نہیں پہنچایا ۔ اور اب بھی ٢٦٢

ارے لوگو کرو کچھ پاس شان کبریائی کا زباں کو تھام لو اب بھی اگر کچھ بوئے ایماں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کے اخلاق کی نسبت دلوں میں گزر سکتا ہے یعنی یہ کہ اخلاق حضرت مسیح علیہ السلام دونوں قسم مذکورہ بالا پر علیٰ وجہ الکمال ثابت نہیں ہو سکتے بلکہ ایک قسم کے رو سے بھی ثابت نہیں ہیں۔ کیونکہ مسیح نے جو زمانہ مصیبتوں میں صبر کیا۔ تو کمالیت اور صحت اس صبر کی تب بہ پایہ صداقت پہنچ سکتی تھی کہ جب مسیح اپنے تکلیف دہندوں پر اقتدار اور غلبہ پا کر اپنے موذیوں کے گناہ دلی
۲۵۸ صفائی سے بخش دیتا جیسا حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں اور دوسروں لوگوں پر بکلی فتح پا کر اور ان کو اپنی تلوار کے نیچے دیکھ کر پھر ان کا گناہ بخش دیا۔ اور صرف انہیں چند لوگوں کو سزا دی جن کو سزا دینے کیلئے حضرت احدیت کی طرف سے قطعی حکم وارد ہو چکا تھا۔ اور بجز ان ازلی ملعونوں کے ہر یک دشمن کا گناہ بخش دیا اور فتح پا کر سب کو لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ (یوسف: ۹۲) کہا۔ اور اسے عفو تقصیر کی وجہ سے کہا جو مخالفوں کی نظر میں ایک امر محال معلوم ہوتا تھا اور اپنی شرارتوں پر نظر کرنے سے وہ اپنے تئیں اپنے مخالف کے ہاتھ میں دیکھ کر مقتول خیال کرتے تھے۔ ہزاروں انسانوں نے ایک ساعت میں دین اسلام قبول کر لیا اور حقانی صبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ جو ایک زمانۂ دراز تک آنجناب نے ان
۲۵۹ کی سخت سخت ایذاؤں پر کیا تھا۔ آفتاب کی طرح ان کے سامنے روشن ہو گیا۔ اور چونکہ فطرتاً یہ بات انسان کی عادت میں داخل ہے کہ اسی شخص کے صبر کی عظمت اور بزرگی انسان پر کامل طور پر روشن ہوتی ہے کہ جو بعد زمانہ آزارکشی کے اپنے آزار

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

طالبوں کے لئے اس روشنی کا نہایت وسیع دروازہ کھلا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف کسی گزشتہ صدی کا حوالہ دیا جائے۔ جس طرح سچے دین اور بانی کتاب کے حقیقی تابعداروں میں روحانی برکتیں ہونی چاہئیں اور اسرار خاصہ الٰہیہ سے ملہم ہونا چاہیے وہی برکتیں اب بھی جویندوں کیلئے مشہود ہو سکتی ہیں جس کا جی چاہے صدق قدم سے رجوع کرے اور دیکھے اور اپنی عاقبت کو درست کر لے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہر یک طالب صادق اپنے مطلب کو پائے گا اور ہر یک صاحب بصارت اس دین کی عظمت کو دیکھے گا۔ مگر کون ہمارے سامنے آ کر اس بات کو ثبوت دے سکتا ہے کہ وہ آسمانی نور ہمارے کسی مخالف میں بھی موجود ہے۔ اور جس نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور افضلیت اور قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ وہ بھی کوئی روحانی برکت اور آسمانی تائید اپنی شامل حال رکھتا ہے۔ کیا کوئی زمین کے اس سرے سے اس سرے تک ایسا متنفس ہے کہ قرآن شریف کے ان چمکتے ہوئے نوروں کا مقابلہ کر سکے۔ کوئی نہیں ایک بھی نہیں۔ بلکہ وہ لوگ جو اہل کتاب کہلاتے ہیں ان کے ہاتھ میں بھی بجز باتوں ہی باتوں کے اور خاک بھی نہیں۔ حضرت موسیٰ کے پیرو یہ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت موسیٰ اس دنیا سے کوچ کر گئے تو ساتھ ہی ان کا عصا بھی کوچ کر گیا کہ جو سانپ بنا کرتا تھا اور جو لوگ حضرت عیسیٰ کے اتباع کے مدعی ہیں، ان کا یہ بیان ہے کہ جب حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے گئے تو ساتھ ہی ان کے وہ
۲۶۳ برکت بھی اٹھائی گئی جس سے حضرت ممدوح مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ ہاں عیسائی یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کے باراں حواری بھی کچھ کچھ روحانی برکتوں کو ظاہر کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کا یہ بھی تو قول ہے کہ وہی عیسائی مذہب کے باراں امام آسمانی نوروں اور الہاموں کو اپنے ساتھ لے گئے اور ان کے بعد آسمان کے دروازوں پر پکے قفل لگ گئے اور پھر کسی عیسائی پر وہ کبوتر نازل نہ ہوا کہ جو اول حضرت مسیح پر نازل ہو کر پھر آگ کے شعلوں کا بہروپ بدل کر حواریوں پر نازل ہوا تھا۔ گویا ایمان کا وہ نورانی دانہ کہ جس کے شوق میں وہ آسمانی کبوتر اترا کرتا تھا انہیں کے ہاتھ میں تھا اور پھر بجائے اس دانہ

خدؔا سے غیر کو ہمتا بنانا سخت کفراں ہے خدا سے کچھ ڈرو یارو یہ کیسا کذب و بہتاں ہے ١٨٧

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

دہندہ پر قدرت انتقام پا کر اس کے گناہ کو بخش دے۔ اس وجہ سے مسیح کے اخلاق کہ جو صبر اور حلم اور برداشت کے متعلق
تھے۔ بخوبی ثابت نہ ہوئے اور یہ امر اچھی طرح نہ کھلا کہ مسیح کا صبر اور حلم اختیاری تھا یا اضطراری تھا۔ کیونکہ مسیح نے اقتدار
اور طاقت کا زمانہ نہیں پایا تا دیکھا جاتا کہ اس نے اپنے موذیوں کے گناہ کو عفو کیا یا انتقام لیا۔ برخلاف آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کہ وہ صدہا مواقع میں اچھی طرح کھل گئے اور امتحان کئے گئے اور ان کی صداقت آفتاب کی طرح روشنؔ ہوگئی۔ اور ٢٦٠
جو اخلاق، کرم اور جود اور سخاوت اور ایثار اور فتوت اور شجاعت اور زہد اور قناعت اور اعراض عن الدنیا کے متعلق تھے۔ وہ
بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں ایسے روشن اور تاباں اور درخشاں ہوئے کہ مسیح کیا بلکہ دنیا میں آنحضرتؐ
سے پہلے کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس کے اخلاق ایسی وضاحت تامہ سے روشن ہو گئے ہوں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے بے
شمار خزائن کے دروازے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھول دیئے۔ سو آنجناب نے ان سب کو خدا کی راہ میں خرچ کیا اور کسی نوع کی
تن پروری میں ایک حبہ بھی خرچ نہ ہوا۔ نہ کوئی عمارت بنائی۔ نہ کوئی بارگاہ تیار ہوئی۔ بلکہ ایک چھوٹے سے کچے کوٹھے
میں جس کو غریب لوگوں کے کوٹھوں پر کچھ بھی ترجیح نہ تھی اپنیؔ ساری عمر بسر کی۔ بدی کرنے والوں سے نیکی کر کے دکھلائی اور ٢٦١
وہ جو دلآزار تھے ان کو ان کی مصیبت کے وقت اپنے مال سے خوشی پہنچائی۔ سونے کیلئے اکثر زمین پر بستر اور رہنے کے لئے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

کے عیسائیوں کے ہاتھ میں دنیا کمانے کی پھائی رہ گئی جس کو دیکھ کر وہ کبوتر آسمان کی طرف اڑ گیا۔ غرض بجز قرآن شریف
کے اور کوئی ذریعہ آسمانی نوروں کی تحصیل کا موجود نہیں اور خدا نے اس غرض سے کہ حق اور باطل میں ہمیشہ کے لئے مابہ
الامتیاز قائم رہے اور کسی زمانہ میں جھوٹ سچ کا مقابلہ نہ کر سکے۔ امت محمدیہ کو انتہاء زمانہ تک یہ دو معجزے یعنی اعجاز کلام
قرآن اور اعجاز اثر کلام قرآن عطا فرمائے ہیں جن کے مقابلہ سے مذاہب باطلہ ابتداء سے عاجز چلے آتے ہیں۔ اور اگر
صرف اعجاز کلام قرآن کا معجزہ ہوتا اور اعجاز اثر قرآن کا معجزہ نہ ہوتا تو امت مرحومہ محمدیہ کو آثار اور انوار ایمان میں کیا زیادتی
ہوتی۔ کیونکہ مجرد زہد اور عفت اعجاز کی حد تک نہیں پہنچ سکتا۔ کیا ممکن نہیں کہ کوئی پادری یا پنڈت یا برہمو اپنی فطرت سے
ایسا سلیم ہو کہ بطور ظاہری عفت اور زہد اور دیانت کا طریق اختیار کرے۔ پھر جس حالت میں زہد خشک ہر یک فرقہ میں
ممکن ہے۔ تو مومن اور غیر مومن میں من حیث الآثار مابہ الامتیاز کیا رہا۔ حالانکہ اہل حق اور اہل باطل میں من حیث الآثار
مابہؔ الامتیاز ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اگر مومن بھی آسمانی نوروں سے ایسا ہی بے نصیب ہو۔ جیسے ایک بے ایمان بے ٢٦٤
نصیب ہے۔ تو اس کے ایمان کا کون سا نور اس دنیا میں ظاہر ہوا اور ایمان کو بے ایمانی پر کیا ترجیح ہوئی اور خود جس حالت
میں اعجاز اثر قرآن ظاہر ہے جس میں تسلی کر دینے کے لئے ہم آپ ہی متکفل ہیں تو پھر باوجود اس بدیہی دلیل کے طوالت
کلام کی کچھ حاجت نہیں۔ جس کو شک ہو وہ آزماوے جس کو شبہ ہو وہ تجربہ کر لیوے۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ جو امر
بذریعہ الہام الٰہی کسی پر نازل ہو۔ وہ اس کے لئے اور ہر یک کے لئے کہ کوئی وجہ یقین کرنے کی رکھتا ہے یا خدا نے کوئی
نشان یقین کرنے کا اس پر ظاہر کر دیا ہے۔ واجب التعمیل ہے اور جو شخص جس کو اس الہام کی نسبت باور دلایا گیا ہے، اس پر
عمل کرنے سے عمداً دست کش ہو وہ مورد غضب الٰہی ہوگا۔ بلکہ اس کے خاتمہ بد ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ بلعم بن بعور کو خدا
نے الہام میں لاتدع علیھم کہا۔ یعنی یہ کہ موسیٰ اور اس کے لشکر پر بددعا مت کر۔ اس نے برخلاف امر الٰہی کے حضرت

اگر اقرار ہے تم کو خدا کی ذات واحد کا تو پھر کیوں اسقدر دل میں تمہارے شرک پنہاں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ایک چھوٹا سا جھونپڑا اور کھانے کے لئے نان جو یا فاقہ اختیار کیا۔ دنیا کی دولتیں بکثرت ان کو دی گئیں پر آنحضرت ﷺ نے اپنے پاک ہاتھوں کو دنیا سے ذرا آلودہ نہ کیا۔ اور ہمیشہ فقر کو تونگری پر اور مسکینی کو امیری پر اختیار رکھا۔ اور اس دن سے جو ظہور فرمایا اس دن تک جو اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، بجز اپنے مولیٰ کریم کے کسی کو کچھ چیز نہ سمجھا۔ اور ہزاروں دشمنوں کے مقابلہ پر معرکہ جنگ میں جہاں قتل کیا جانا یقینی امر تھا، خالصاً خدا کیلئے کھڑے ہو کر اپنی شجاعت اور وفاداری اور ثابت
۲۶۲ قدمی دکھلائی۔ غرض جود اور سخاوت اور زہد اور قناعت اور مردی اور شجاعت اور محبت الٰہیہ کے متعلق جو جو اخلاق فاضلہ ہیں وہ بھی خداوند کریم نے حضرت الانبیاء میں ایسے ظاہر کئے کہ جن کی مثل نہ کبھی دنیا میں ظاہر ہوئی اور نہ آئندہ ظاہر ہوگی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام میں اس قسم کے اخلاق بھی اچھی طرح ثابت نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ سب اخلاق بجز زمانہ اقتدار اور دولت کے بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچ سکتے اور مسیح نے اقتدار اور دولت کا زمانہ نہیں پایا۔ اس لئے دونوں قسم کے اخلاق اس کے زیر پردہ رہے اور جیسا کہ شرط ہی ظہور پذیر نہ ہوئی۔ پس یہ اعتراض مذکورہ بالا جو مسیح کی ناقص حالت پر وارد ہوتا ہے۔
۲۶۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل حالت سے بکلی مندفع ہو گیا۔ کیونکہ وجود باجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر یک نبی کے لئے متمم اور مکمل ہے اور اس ذات عالی کے ذریعہ سے جو کچھ امر مسیح اور دوسرے نبیوں کا مشتبہ اور مخفی رہا تھا وہ چمک اٹھا۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

موسیٰ کے لشکر پر بددعا کرنے کا ارادہ کیا آخر اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ خدا نے اس کو اپنی جناب سے رد کر دیا اور اس کو کتے سے تشبیہ دی وہ الہام ہی تھا جس کی تعمیل سے حضرت موسیٰ کی ماں نے حضرت موسیٰ کو شیر خوارگی حالت میں ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں پھینک دیا۔ الہام ہی تھا جس کے دیکھنے کے لئے موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو خدا نے اپنے ایک بندہ خضر کے
۲۶۵ پاس جس کا نام بلیا بن ملکان تھا بھیجا تھا۔ جس کے علم قطعی اور یقینی کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آپ فرمایا: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف:٦٥) سو اسی علم قطعی اور یقینی کا یہ نتیجہ تھا کہ خضر نے حضرت موسیٰ کے روبرو ایسے کام کئے کہ جو ظاہراً خلاف شرع معلوم ہوتے تھے۔ کشتی کو توڑا، ایک معصوم بچہ کو قتل کیا، ایک غیر ضروری کام کو کسی اجرت کے بغیر اپنے گلے ڈال لیا اور ظاہر ہے کہ خضر رسول نہیں تھا ورنہ وہ اپنی امت میں ہوتا۔ نہ جنگلوں اور دریاؤں کے کنارہ پر اور خدا نے بھی اس کو رسول یا نبی کر کے نہیں پکارا۔ مگر جو اس کو اطلاع دی جاتی تھی اس کا نام یقینی اور قطعی رکھا ہے۔ کیونکہ قرآن کے عرف میں علم اسی چیز کا نام ہے کہ جو قطعی اور یقینی ہو۔ اور خود ظاہر ہے کہ اگر خضر کے پاس صرف ظنیات کا ذخیرہ ہوتا تو اس کیلئے کب جائز تھا کہ امر مظنون پر بھروسا کر کے ان امور کو کرتا کہ جو صریح خلاف شرع اور منکر بلکہ باتفاق تمام پیغمبروں کے کبائر میں داخل تھے۔ اور پھر اس صورت میں حضرت موسیٰ کا اس کے پاس آنا بھی محض بے فائدہ تھا۔ پس جبکہ بہرصورت ثابت ہے کہ خضر کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے علم یقینی اور قطعی دیا گیا تھا۔ تو پھر کیوں کوئی شخص مسلمان کہلا کر اور قرآن شریف پر ایمان لا کر اس بات سے منکر رہے کہ کوئی فرد بشر امت محمدیہ میں سے باطنی کمالات میں خضر کی مانند نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ خدائے حی قیوم اس بات پر قادر ہے کہ امت مرحومہ محمدیہ کے افراد خاصہ
۲۶۶ کو اس سے بھی بہتر و زیادہ تر باطنی نعمتیں عطا فرماوے اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرہ:١٠٦) کیا اس خداوند کریم نے آپ ہی اس امت کو یہ دعا تعلیم نہیں فرمائی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

۱۸۸ یہ کیسے پڑ گئے دل پر تمہارے جہل کے پردے خطا کرتے ہو باز آؤ اگر کچھ خوف یزداں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اور خدا نے اس ذات مقدس پر انہیں معنوں کر کے وحی اور رسالت کو ختم کیا کہ سب کمالات اس وجود باجود پر ختم ہو گئے۔ وھذا فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

وسوسہ دہم۔ بعض کوتہ فکر لوگ یہ وسوسہ پیش کرتے ہیں کہ الہام میں یہ خرابی اور نقص ہے کہ وہ معرفت کامل تک پہنچنے سے کہ جو حیات
۲۶۴ ابدی اور سعادت دائمی کے حصول کا مدار علیہ ہے مانع اور مزاحم ہے۔ ② اور تقریر اس اعتراض کی یوں کرتے ہیں کہ الہام خیالات کی ترقی کو روکتا ہے اور تحقیقات کے سلسلہ کو آگے چلنے سے بند کرتا ہے۔ کیونکہ الہام کے پابند ہونے کی حالت میں
۲۶۵ ہر یک بات میں یہی جواب کافی سمجھا جاتا ہے کہ یہ امر ہماری الہامی کتاب میں جائز یا ناجائز لکھا ہے۔ اور قویٰ عقلیہ کو ایسا معطل اور بیکار چھوڑ دیتے ہیں کہ گویا خدا نے ان کو وہ قوتیں عطا ہی نہیں کیں۔ سو بالآخر عدم استعمال کے باعث سے وہ تمام قوتیں رفتہ رفتہ ضعیف بلکہ قریب قریب مفقود کے ہوتی جاتی ہیں اور انسانی سرشت بالکل منقلب ہو کر حیوانات سے
۲۶۶ مشابہت پیدا ہو جاتی ہے اور نفس انسان کا عمدہ کمال کہ جو ترقی فی المعقولات ہے ناحق ضائع جاتا ہے۔ اور معرفت کاملہ کے حاصل کرنے سے انسان رک جاتا ہے۔ اور جس حیات ابدی اور سعادت دائمی کے حصول کی انسان کو ضرورت ہے۔ اس کے حصول سے الہامی کتابیں سدراہ ہو جاتی ہیں۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

(الفاتحہ:۵۔۶) کیا اس نے آپ ہی نہیں فرمایا: ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝ (الواقعہ:۴۰،۳۹) تم یقیناً سمجھو کہ خداوند کریم اس امت مرحومہ پر بہت مہربان ہے اور قدیم سے وہ بھی چاہتا ہے کہ اس امت کو اپنی نورانی برکتوں اور آسمانی نوروں کے ساتھ غیر قوموں پر بدیہی ترجیح رہے تا دشمن یہ نہ کہے کہ ہم میں اور تم میں کون سا فرق ہے۔ تا معاند کہ خدا اس کا روسیہ کرے اپنے خبث باطن اور عادت دروغی سے یہ کہہ نہ پاوے کہ آنحضرت سید الطیبین اور اس کی پاک اور طیب آل اور اس کی نورانی جماعت نے آسمانی برکتوں کو نہیں دکھلایا۔ تم فکر کرو اور سوچو۔ کیا تمہارے لئے یہ بہتر تھا کہ تم آسمانی نوروں سے ایسے ہی بے نصیب رہ کر گزشتہ قصوں کے سہارے سے زندگی بسر کرتے جیسے تمہارے مخالف اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یا تمہارے لئے یہ بہتر اور شکر کی جگہ ہے کہ خدا ہمیشہ تم میں سے اور تمہاری قوم میں سے بعض افراد کو اپنے نوروں میں سے حصہ وافر دے کر تم سب کو ایمان کو بمرتبہ کمال پہنچاوے اور مخالفوں کو ملزم اور ذلیل کرے۔ غیر قوموں کی طرف دیکھو کہ وہ کیونکر ڈوبی اور برباد ہوئیں۔ یہی باعث تھا کہ انجیل وغیرہ گزشتہ کتابیں بعلت فساد اور تحریف کے اپنی ذات اور صفات میں کسی معجزہ اور تاثیر روحانی کا مظہر نہ ہو سکیں اور صرف بطور کتھا اور قصہ کے پرانے معجزات پر مدار رہا
۲۶۷ لیکن کیونکر ممکن تھا کہ ایسے لوگ جنہوں نے حضرت موسیٰ کے عصا کو بچشم خود سانپ بنتے نہیں دیکھا اور نہ حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے کوئی مردہ قبر سے اٹھتا مشاہدہ کیا وہ صرف بے اصل قصوں کے سننے سے یقین کامل تک پہنچ جاتے۔ ناچار یہودی

حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

2۔ الہام کامل اور حقیقی کہ جو برہموسماج والوں اور دوسرے مذاہب باطلہ کے ہر یک قسم کے وساوس کو بکلی دور کرتا ہے۔ اور طالب حق کو مرتبہ یقین کامل تک پہنچاتا ہے۔ وہ فقط قرآن شریف ہے اور بجز اس کے دنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں کہ جو
۲۶۵ تمام فرقوں کے اوہام باطلہ کو دور کر سکے اور انسان کو حق الیقین کے درجہ تک پہنچا سکے۔ مگر افسوس کہ اس اندھی اور بے تمیز دنیا

ہمیں کچھ کیں نہیں بھائیو! نصیحت ہے غریبانہ　　کوئی جو پاک دل ہووے دل وجاں اس پہ قرباں ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اما الجواب۔ واضح ہو کہ ایسا سمجھنا کہ گویا خدا کی سچی کتاب پر عمل کرنے سے قویٰ عقلیہ کو بالکل بیکار چھوڑا جاتا ہے اور گویا الہام اور ۲۶۷
عقل ایک دوسرے کی نقیض اور ضد ہیں کہ جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ برہمولوگوں کی کمال درجہ کی بدفہمی اور بداندیشی
اور ہٹ دھرمی ہے اور اس عجیب وہم کی عجیب طرح کی ترکیب ہے جس کے اجزاء میں سے کچھ تو جھوٹ اور کچھ تعصب اور
کچھ جہالت ہے۔ جھوٹ یہ کہ باوصف اس بات کے کہ ان کو بخوبی معلوم ہے کہ حقانی صداقتوں کی ترقی ہمیشہ انہیں لوگوں ۲۶۸
کے ذریعہ سے ہوتی رہی ہے کہ جو الہام کے پابند ہوئے ہیں اور وحدانیت الٰہی کے اسرار دنیا میں پھیلانے والے وہی
برگزیدہ لوگ ہیں کہ جو خدا کی کلام پر ایمان لائے مگر پھر عمداً اس واقعہ معلومہ کے برخلاف بیان کیا ہے اور تعصب یہ کہ اپنی
بات کو خواہ نخواہ سرسبز کرنے کے لئے اس بدیہی صداقت کو چھپایا ہے کہ الٰہیات میں عقل مجرد مرتبہ یقین کامل تک نہیں پہنچا ۲۶۹
سکتی۔ اور جہالت یہ کہ الہام اور عقل کو دو امر متناقض سمجھ لیا ہے کہ جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے اور الہام کو عقل کا مضر اور مخالف
قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ خدشہ سراسر بے اصل ہے۔ ظاہر ہے کہ سچے الہام کا تابع عقلی تحقیقاتوں سے رک نہیں سکتا۔ بلکہ
حقائق اشیاء کو معقول طور پر دیکھنے کے لئے الہام سے مدد پاتا ہے اور الہام کی حمایت اور اس کی روشنی کی برکت سے عقلی
وجوہ میں کوئی دھوکا اس کو پیش نہیں آتا اور نہ خطا کار عاقلوں کی طرح بے جا دلائل کے بنانے کی حاجت پڑتی ہے اور نہ کچھ ۲۷۰
تکلف کرنا پڑتا ہے بلکہ جو ٹھیک ٹھیک عقلمندی کا راہ ہے وہی اس کو نظر آجاتا ہے۔ اور جو حقیقی سچائی ہے اسی پر اس کی نگاہ جا
ٹھہرتی ہے۔ غرض عقل کا کام یہ ہے کہ الہام کے واقعات کو قیاسی طور پر جلوہ دیتی ہے۔ اور الہام کا کام یہ کہ وہ عقل کو طرح
طرح کی سرگردانی سے بچاتا ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ عقل اور الہام میں کوئی جھگڑا نہیں اور ایک دوسرے کا نقیض
اور ضد نہیں اور نہ الہام حقیقی یعنی قرآن شریف عقلی ترقیات کیلئے سنگ راہ ہے بلکہ عقل کو روشنی بخشنے والا اور اس کا بزرگ
معاون اور مددگار اور مربی ہے۔ اور جس طرح آفتاب کا قدر آنکھ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور روز روشن کے فوائد اہل بصارت
ہی پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی کلام کا کامل طور پر انہیں کو قدر ہوتا ہے کہ جو اہل عقل ہیں۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ ۲۷۱
نے آپ فرمایا ہے: تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ۔ (العنکبوت: ۴۳) یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

وعیسائی روبدنیا ہوگئے اور عالم آخرت پر ان کو کچھ اعتماد نہ رہا۔ کیونکہ اپنی آنکھ سے تو انہوں نے کچھ بھی نہ دیکھا اور کسی قسم کی برکت مشاہدہ نہ کی۔ غرض جس کا ایمان عیسائیوں اور یہودیوں اور ہندوؤں کی طرف صرف قصوں اور کہانیوں کے سہارے پر موجود ہو۔ اس کے ایمان کا کچھ بھی ٹھکانا نہیں اور آخر اس کیلئے وہی ضلالت درپیش ہے جس ضلالت میں یہ بدنصیب قوم عیسائیوں وغیرہ کی مبتلا ہوگئی۔ جن کی کل جائداد فقط وہی دیرینہ کہانیاں اور ہزاروں برسوں کے خستہ شکستہ قصے ہیں۔ لیکن ایسے شخصوں کے ایمان کا کچھ بھی قیام نہیں اور ان کو کسی طرح پتہ نہیں مل سکتا کہ وہ پورانا خدا جو پہلے ان کے بزرگوں کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

میں ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں کہ جو خدا کو اپنی اصلی مقصود ٹھہرا کر اور تعصب مذہبی اور قومی اور دوسرے دنیوی لالچوں سے
الگ ہو کر اس روشنی اور صداقت کو قبول کریں کہ جو خدائے تعالیٰ نے خاص قرآن شریف میں رکھی ہے جو اس کے غیر میں
نہیں پائی جاتی۔ بلکہ قبول کرنا تو درکنار ہمارے مخالفوں میں اس قدر شرم بھی باقی نہیں رہی کہ قرآن شریف کی بدیہی عظمتوں ۲۶۶

۱۸۹ اگرچہ یہاں تک جو کچھ کلام الٰہی کی بےنظیری کے بارے میں بیان کیا گیا ہے وہ اس زمانہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

۲۷۲ کیلئے بیان کرتے ہیں پر ان کو معقول طور پر وہی سمجھتے ہیں کہ جو صاحب علم اور دانشمند ہیں۔علیٰ ہذاالقیاس جس طرح آنکھ
کے نور کے فوائد صرف آفتاب ہی سے کھلتے ہیں۔اور اگر وہ نہ ہو تو پھر بینائی اور نابینائی میں کچھ فرق باقی نہیں رہتا۔اسی
طرح بصیرت عقلی کی خوبیاں بھی الہام ہی سے کھلتی ہیں۔کیونکہ وہ عقل کو ہزارہا طور کی سرگردانی سے بچا کر فکر کرنے کے لئے
نزدیک کا راستہ بتلا دیتا ہے اور جس راہ پر چلنے سے جلد تر مطلب حاصل ہو جائے وہ راہ دکھلا دیتا ہے اور ہر یک عاقل خوب
سمجھتا ہے کہ اگر کسی باب میں فکر کرنے کے وقت اس قدر مدد مل جائے کہ کسی خاص طریق پر راہ راست اختیار کرنے کیلئے
۲۷۳ علم حاصل ہو جائے تو اس علم سے عقل کو بڑی مدد ملتی ہے اور بہت سے پراگندہ خیالوں اور ناحق کی دردسریوں سے نجات
ہو جاتی ہے۔الہام کے تابعین نہ صرف اپنے خیال سے عقل کے عمدہ جوہر کو پسند کرتے ہیں بلکہ خود الہام ہی ان کو عقل کے
پختہ کرنے کے لئے تاکید کرتا ہے۔پس ان کو عقلی ترقیات کے لئے دوہری کشش کھینچتی ہے۔ایک تو فطرتی جوش جس سے
بالطبع انسان ہر یک چیز کی ماہیت اور حقیقت کو مدلل اور عقلی طور پر جاننا چاہتا ہے۔دوسری الہامی تاکیدیں کہ جو آتش شوق کو
۲۷۴ دوبالا کر دیتی ہیں۔چنانچہ جو لوگ قرآن شریف کو نظر سرسری سے بھی دیکھتے ہیں وہ بھی اس بدیہی امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ
اس کلام مقدس میں فکر اور نظر کی مشق کیلئے بڑی بڑی تاکیدیں ہیں۔یہاں تک کہ مومنوں کی علامت ہی یہی ٹھہرا دی ہے کہ
وہ ہمیشہ زمین اور آسمان کے عجائبات میں فکر کرتے رہتے ہیں اور قانون حکمت الٰہیہ کو سوچتے رہتے ہیں جیسا کہ ایک جگہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 1:

ساتھ تھا اب کہاں اور کدھر ہے اور موجود ہے یا نہیں۔سو بھائیو اگر تم خدا کے خواہاں ہو۔اگر تم یقین کے طالب ہو۔اگر
تمہارے دل میں دنیا کی محبت نہیں تو اٹھو اور سجدات شکر کرو کہ خدا تمہاری جماعت کو فراموش نہیں کرتا۔وہ تمہیں ضائع کرنا
نہیں چاہتا۔تا تم اسکے حضور میں شکر گزار ٹھہرو۔خدا کے نشانوں کو تحقیر کی نظر سے مت دیکھو کہ یہ تمہارے لئے خطرناک
ہے۔خدا کی نعمتوں کو رد مت کرو کہ یہ اس کے سخط کا موجب ہے۔دنیا سے دل مت لگاؤ کہ یہی سب نخوتوں اور حسدوں اور
خود پسندیوں کا اصل ہے۔خدا کی آیات سے مونہہ مت پھیرو کہ اس کا انجام اچھا نہیں۔وقال اللّٰہ تعالیٰ: وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ
الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ الخ (الاعراف:۱۷۵)

مختصر پیش تو گفتم غم دل ترسیدم که دل آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

اب ہم اس تقریر کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ۔منہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

اور صداقتوں کو دیکھ کر اور اپنے مذہب کے فسادوں اور ضلالتوں پر مطلع ہو کر بدگوئی اور بدزبانی سے باز رہیں اور باوجود چور
۲٦۷ ہونے کے پھر چترائی نہ دکھلاویں۔مثلاً خیال کرنا چاہیے کہ عیسائیوں کے عقائد کا باطل ہونا کس قدر بدیہی ہے کہ خواہ نخواہ
منہ زوری سے ایک عاجز مخلوق کو رب العالمین بنا رکھا ہے۔مگر پھر بھی ان حضرت کو خدائے تعالیٰ سے ایسی لاپروائی اور بے
غرضی ہے کہ کچھ بھی مواخذہ کے روز سے نہیں ڈرتے اور کچھ ایسے سوئے ہوئے ہیں کہ صدہا علماء فضلاء جگا جگا کر تھک گئے۔
۲٦۸ لیکن ان کی آنکھ نہیں کھلتی اور ہمیشہ دنیا پرستی اور کم توجہی کی وجہ سے اس تصور باطل میں گرفتار ہیں کہ گویا انجیلی تعلیم قرآنی

۱۹۰ کے بعض ناقص الفہم اور آزاد مشرب مسلمانوں کیلئے بیان ہوا ہے جن کو انگریزی کی سوفسطائی اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

قرآن شریف میں فرمایا ہے: اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ○
الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا
۲۷۵ بَاطِلًا (آل عمران: ۱۹۰۔۱۹۱) یعنی آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے آنے جانے کے اختلاف میں دانشمندوں کے لئے صانع عالم کی ہستی اور قدرت پر کئی نشان ہیں۔ دانشمند وہی لوگ ہوتے ہیں کہ جو خدا کو بیٹھے، کھڑے اور پہلو پر پڑے ہونے کی حالت میں یاد کرتے رہتے ہیں اور زمین اور آسمان اور دوسری مخلوقات کی پیدائش میں تفکر اور تدبر کرتے رہتے ہیں اور ان کے دل اور زبان پر یہ مناجات جاری رہتی ہے کہ اے ہمارے خداوند تو نے ان چیزوں میں سے کسی چیز کو عبث اور بیہودہ طور پر پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ہر یک چیز تیری مخلوقات میں سے عجائبات قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی ہے کہ جو تیری ذات بابرکات پر دلالت کرتی ہے۔ ہاں دوسری الہامی کتابیں کہ جو محرف اور مبدل ہیں ان میں نامعقول اور محال باتوں پر جمے رہنے کی تاکید پائی جاتی ہے جیسی عیسائیوں کی انجیل شریف۔ مگر یہ الہام کا قصور نہیں یہ بھی حقیقت میں عقل ناقص کا ہی قصور ہے۔ اگر باطل پرستوں کی عقل صحیح ہوتی اور حواس درست ہوتے تو وہ کاہے کو ایسی محرف اور مبدل کتابوں کی پیروی کرتے اور کیوں وہ غیر متغیر اور کامل اور قدیم خدا پر یہ آفات اور مصیبتیں جائز رکھتے کہ گویا وہ ایک عاجز بچہ ہو کر ناپاک غذا کھاتا رہا اور ناپاک جسم سے مجسم ہوا اور ناپاک راہ سے نکلا اور دارالفنا میں آیا اور طرح طرح کے دکھ اٹھا کر آخر بڑی بدبختی اور بدنصیبی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

سے کامل اور بہتر ہے۔ چنانچہ ابھی ایک پادری صاحب نے ۳۔ مارچ ۱۸۸۲ء کے پرچہ نور افشاں میں یہ سوال پیش کر دیا ہے کہ حیات ابدی کی نسبت کتاب مقدس میں کیا نہ تھا کہ قرآن یا صاحب قرآن قرآن لائے۔ اور قرآن کن کن امروں اور تعلیمات میں انجیل پر فوقیت رکھتا ہے۔ تا یہ ثابت ہو کہ انجیل کے اترنے کے بعد قرآن کے نازل ہونے کی بھی ضرورت تھی۔ ایسا ہی ایک عربی رسالہ موسوم بہ رسالہ عبدالمسیح ابن اسحٰق الکندی اسی غرض سے افترا کیا گیا ہے کہ تا انجیل کی ناقص اور آلودہ تعلیم کو سادہ لوحوں کی نظر میں کسی طرح قابل تعریف ٹھہرایا جائے اور قرآنی تعلیم پر بےجا الزامات لگائے جائیں۔ مگر نادان عیسائی نہیں جانتے کہ بلا دلیل ایک کتاب کی تعریف کرنا اور ایک کی مذمت کرتے رہنا نہ کسی کتاب کو قابل تعریف ٹھہراتا ہے نہ قابل مذمت۔ بیہودہ طور پر مونہہ سے بات نکالنا کون نہیں جانتا۔ لیکن جس حالت میں ہم نے اسی کتاب میں انجیلی تعلیم کا حقانیت سے بےنصیب ہونا اور قرآنی تعلیم کا مجمع الانوار ہونا صدہا دلائل سے ثابت کر دیا ہے اور اس پر نہ صرف دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا بلکہ ہمارا خداوند کریم جو دلوں کے پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے اس بات پر گواہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک ذرہ کا ہزارم حصہ بھی قرآن شریف کی تعلیم میں کچھ نقص نکال سکے یا بمقابلہ اس کے اپنی کسی کتاب کی ایک ذرہ بھر کوئی ایسی خوبی ثابت کر سکے کہ جو قرآنی تعلیم کے برخلاف ہو اور اس سے بہتر ہو۔ تو ہم سزائے موت بھی قبول کرنے کو تیار ہیں۔ اب منصفو!! نظر کرو اور خدا کے واسطے ذرہ دل کو صاف کر کے سوچو کہ ہمارے مخالفوں کی ایمانداری اور خدا ترسی کس قسم کی ہے کہ باوجود لاجواب رہنے کے پھر بھی فضول گوئی سے باز نہیں آتے۔

آؤ عیسائیو ادھر آؤ نور حق دیکھو راہ حق پاؤ

مغشوش تعلیموں نے مغرور اور کور باطن کر کے فرقان مجید کے بے مثل و مانند ہونے سے جو کہ اس کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اور ناکامی کی حالت میں ایلی ایلی کرتا مرگیا۔ آخر الہام ہی تھا جس نے اس غلطی کو بھی دور کیا۔ سبحان اللہ کیا بزرگ اور دریائے رحمت وہ کلام ہے جس نے مخلوق پرستوں کو پھر توحید کی طرف کھینچا۔ واہ کیا پیارا اور دلکش وہ نور ہے کہ جو ایک عالم کو ظلمت کدہ سے باہر لایا اور بجز اس کے ہزار ہا لوگ عقلمند کہلا کر اور فلاسفر بن کر اس غلطی اور اس قسم کی بے شمار غلطیوں میں ڈوبے رہے اور جب تک قرآن شریف نہ آیا کسی حکیم نے زور شور سے اس اعتقاد باطل کا رد نہ لکھا اور نہ اس قوم تباہ شدہ کی اصلاح کی۔ بلکہ خود حکماء اس قسم کے صدہا ناپاک عقیدوں میں آلودہ اور مبتلا تھے جیسے پادری پورٹ صاحب لکھتے ہیں کہ حقیقت میں یہ عقیدہ تثلیث کا عیسائیوں نے افلاطون سے اخذ کیا ہے اور اس احمق یونانی کی غلط بنیاد پر ایک دوسری غلط
۲۷۶ بنیاد رکھ دی ہے۔ غرض خدا کا سچا اور کامل الہام عقل کا دشمن نہیں ہے بلکہ عقل ناقص نیم عاقلوں کی آپ دشمن ہے۔ جیسا ظاہر ہے کہ تریاق فی حد ذاتہ انسان کے بدن کے لئے کوئی بری چیز نہیں ہے لیکن اگر کوئی اپنی کوتہ عقلی سے زہر کو تریاق سمجھ لے تو یہ خود اس کی عقل کا قصور ہے نہ تریاق کا۔ پس یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہم کہ ہر یک امر کی تفتیش کے لئے الہامی کتاب کی طرف رجوع کرنا محل خطر ہے۔ یہ سراسر حمق اور نادانی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں الہام عقل کے لئے ایک آئینہ حق نما ہے اور اس کی سچائی پر بھی یہ دلیل اعظم ہے کہ وہ ایسے تمام امور سے بکلی پاک ہے کہ جو خدا کی قدرت اور کمالیت اور قدوسی پر نظر کرنے کے بعد محال ثابت ہوں۔ بلکہ دقائق الٰہیات میں کہ جو نہایت مخفی اور عمیق ہیں عقل ضعیف انسانی کا وہی ایک

بقیہ در حاشیہ نمبر 2:

جس قدر خوبیاں ہیں فرقان میں کہیں انجیل میں تو دکھلاؤ
۲۶۹ سرّ پہ خالق ہے اس کو یاد کرو یوں ہی مخلوق کو نہ بہکاؤ
کب تلک جھوٹ سے کرو گے پیار کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوف خدا کرو لوگو کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ
عیش دنیا سدا نہیں پیارو اس جہاں کو بقا نہیں پیارو
یہ تو رہنے کی جا نہیں پیارو کوئی اس میں رہا نہیں پیارو
اس خرابہ میں کیوں لگاؤ دل ہاتھ سے اپنے کیوں جلاؤ دل
کیوں نہیں تم کو دین حق کا خیال ہائے سو سو اٹھے ہے دل میں ابال
کیوں نہیں دیکھتے طریق صواب کس بلا کا پڑا ہے دل پہ حجاب
اس قدر کیوں ہے کین و استکبار کیوں خدا یاد سے گیا یک بار
تم نے حق کو بھلا دیا ہیہات دل کو پتھر بنا دیا ہیہات
اے عزیزو سنو کہ بے قرآن حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں
ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر کہ بناتا ہے عاشق دلبر
جس کا ہے نام قادر اکبر اس کی ہستی سے دی ہے پختہ خبر

منجانب اللہ ہونے کے لئے خاصہ لازمی ہے روگردان اور منکر کردیا ہے۔ اور جنہوں نے مسلمان کہلا کر ۱۹۱

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہادی اور رہبر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنا عقل کو بیکار نہیں کرتا۔ بلکہ عقل کو ان باریک بھیدوں تک پہنچاتا ہے جن تک خود بخود پہنچنا عقل کے لئے سخت مشکل تھا۔ سو الہام حقیقی سے یعنی قرآن شریف سے عقل کو سراسر فائدہ اور نفع پہنچتا ہے نہ زیاں۔ اور نقصان اور عقل بذریعہ الہام حقیقی خطرات سے بچ جاتی ہے نہ یہ کہ خطرات میں پڑتی ہے۔ کیونکہ یہ بات ہر یک دانا کے نزدیک مسلم بلکہ اجلی بدیہات ہے کہ محض تشخیص عقلی میں خطا اور غلطی ممکن ہے۔ لیکن عالم الغیب کی کلام میں خطا اور غلطی ممکن نہیں۔ پس اب تم آپ ہی ذرہ منصف ہو کر سوچو کہ جس چیز کو کبھی کبھی سخت لغزشیں پیش آجاتی ہیں اگر اس کے ساتھ ایک ایسا رفیق ملایا گیا کہ جو اس کو لغزشوں سے بچاوے اور پاؤں پھسلنے کی جگہ سے سنبھل رکھے تو کیا اس کے لئے اچھا ہوا یا برا ہوا۔ اور کیا اس رفیق نے اس کو اپنے کمال مطلوب تک پہنچایا یا کمال مطلوب سے روک دیا۔ یہ کیسی کور باطنی ہے کہ معین اور مددگار کو مخالف اور مزاحم سمجھا جاوے اور مکمل اور متمم کو رہزن اور نقصان رساں قرار دیا جائے۔ آپ لوگ جب اپنے حواس میں قائم ہو کر اور طالب حق بن کر اس مسئلہ میں غور کریں گے تو آپ پر فی الفور واضح ہو جائے گا کہ خدا نے جو عقل کا رفیق الہام کو ٹھہرا دیا ہے یہ عقل کے حق میں کوئی ضرر کی بات نہیں کی بلکہ اس کو سرگران اور حیران پا کر حق شناسی کے لئے ایک یقینی آلہ عطا کیا ہے جس کی نشاندہی سے عقل کو یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ وہ صدہا کج اور ناراست راہوں میں بھٹکتے پھرنے سے بچ جاتی ہے اور سرگشتہ اور آوارہ نہیں ہوتی اور ہر طرف حیرانی سے بھٹکتی نہیں پھرتی بلکہ اصل مقصود کی ۲۷۷

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

کوئے دلبر میں کھینچ لاتا ہے پھر تو کیا کیا نشان دکھاتا ہے
دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے سینہ کو خوب صاف کرتا ہے
اس کے اوصاف کیا کروں میں بیاں وہ تو دیتا ہے جاں کو ادراک جاں
وہ تو چمکا ہے نیر اکبر اس سے انکار ہوسکے کیونکر
وہ ہمیں دلستاں تلک لایا اس کے پانے سے یار کو پایا
بحر حکمت ہے وہ کلام تمام عشق حق کا پلا رہا ہے جام
بات جب اس کی یاد آتی ہے یاد سے ساری خلق جاتی ہے
سینہ میں نقش حق جماتی ہے دل سے غیر خدا اٹھاتی ہے
درد مندوں کی ہے دوا وہی ایک ہے خدا سے خدا نما وہی ایک
ہم نے پایا خود ہدیٰ وہی ایک ہم نے دیکھا ہے دلربا وہی ایک
اس کے منکر جو بات کہتے ہیں یونہی اک واہیات کہتے ہیں
بات جب ہو کہ میرے پاس آویں میرے منہ پر وہ بات کہہ جاویں
مجھ سے اس دلستاں کا حال سنیں مجھ سے وہ صورت و جمال سنیں
آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی نہ سہی یوں ہی امتحان سہی

اور چونکہ نور افشاں کے صاحب راقم نے اپنے سوال کے جواب کے لئے مجھ کو بھی بشمول اور چند صاحبوں کے مخاطب کیا ہے

اورقرآن شریف پر ایمان لاکر اور کلمہ گو بن کر پھر بھی بے ایمانوں کی طرح کلام الٰہی کو ایک ادنیٰ انسان

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

خاص راہ کو پا لیتی ہے اور جو ٹھیک ٹھیک گوہر مراد کی جگہ ہے اس کو دیکھ لیتی ہے اور بیہودہ جانکنی سے امن میں رہتی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی سچا مخبر کسی گمشدہ شخص کا بدرستی تمام پتہ لگا دیوے کہ وہ فلاں طرف گیا ہے اور فلاں شہر اور فلاں محلہ اور فلاں جگہ میں چھپا ہوا بیٹھا ہے۔ سو ظاہر ہے کہ ایسے مخبر پر جو کسی گمشدہ کا ٹھیک ٹھیک پتہ لگا دیتا ہے اور اس تک پہنچنے کا سہل اور آسان راستہ بتلا دیتا ہے کوئی باعقل آدمی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ وہ ہماری کارروائی کا حارج ہوا ہے بلکہ اس کے بغایت درجہ ممنون اور شکرگزار ہوتے ہیں کہ ہم بے خبر تھے اس نے خبر دی اور ہم ہر طرف بھٹکتے پھرتے تھے اس نے خاص جگہ بتلا دی۔ اور ہم نری اٹکلیں دوڑاتے تھے اس نے یقین کا دروازہ ہم پر کھول دیا۔ ایسا ہی وہ لوگ جن کو خدا نے عقل سلیم بخشی ہے حقیقی الہام کے مرہون منت اور ثناخواں اور مداح ہیں اور بخوبی جانتے اور سمجھتے ہیں کہ الہام حقیقی ان کو خیالات کی ترقی سے نہیں روکتا بلکہ خیالات کی سرگشتگی سے روکتا ہے اور انواع واقسام کے پیچ در پیچ اور مشتبہ راہوں میں سے ایک خاصہ راہ مقصود جتلا دیتا ہے جس پر قدم مارنا عقل کو نہایت آسان ہو جاتا ہے اور جو جو مشکلات انسان کو بباعث قلت عمر وقلت طاقت علمی وکمی بصیرت پیش آتی ہیں ان سب سے خلاصی بخشتا ہے۔ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ عقل انسانی اپنی فطرت میں ایسی ناقص اور ناتمام ہے کہ بغیر استمداد کسی دوسرے رفیق کے اس کا کوئی کام چل ہی نہیں سکتا۔ اور جب تک شہادت واقعہ اس کو نہ ملے تب تک کوئی مقدمہ خواہ دینی ہو خواہ دنیوی صفائی ودرستی اس سے فیصل نہیں ہو سکتا اور جبھی کہ شہادت واقعہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

اور ہر چند ایسے تمام وساوس کی اس کتاب میں اپنے موقعہ پر بکلی بیخ کنی کر دی گئی ہے۔ لیکن بوجہ مذکورہ بالا قرین مصلحت ہے کہ اس جگہ بھی بطور مختصر ان کے وہم کا ازالہ کیا جائے۔ لہٰذا ذیل میں لکھا جاتا ہے:۔ ۲۷۰

جاننا چاہیے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل خیال کرنا سراسر نقصان عقل اور کم فہمی ہے۔ خود حضرت مسیح نے انجیل کی تعلیم کو مبرا عن النقصان نہیں سمجھا جیسا کہ انہوں نے آپ فرمایا ہے کہ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں۔ پر تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح الحق آوے گا تو وہ تمہیں تمام صداقت کا راستہ بتلاوے گا۔ انجیل یوحنا باب ۱۶۔ آیت ۱۲ و ۱۳ و ۱۴۔ اب فرمایئے کیا یہی انجیل ہے کہ جو تمام دینی صداقتوں پر حاوی ہے جس کے ہوتے ہوئے قرآن شریف کی ضرورت نہیں۔ اے حضرات!! جس حالت میں آپ لوگ حضرت مسیح کی وصیت کے موافق انجیل کو کامل اور تمام صداقتوں کی جامع کہنے کے مجاز ہی نہیں۔ تو پھر آپ کا ایمان بھی عجب ایمان ہے کہ اپنے استاد اور رسول کے برخلاف قدم چلا رہے ہیں۔ اور جس کتاب کو حضرت مسیح ناقص کہہ چکے ہیں اس کو کامل کہے جاتے ہیں۔ کیا آپ کی سمجھ مسیح کی سمجھ سے کچھ زیادہ ہے یا مسیح کا کہنا قابل اعتبار نہیں۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ اگرچہ انجیل مسیح کے زمانہ میں ناقص تھی۔ مگر مسیح نے یہ بھی بطور پیشگوئی کے کہہ دیا تھا کہ جو باتیں میرے بیان کرنے سے رہ گئی ہیں۔ ان کو تسلی دہندہ آ کر بیان کر دے گا تو بہت خوب۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ تسلی دہندہ جس کے آنے کی مسیح نے انجیل میں بشارت دی ہے اور جس کی نسبت لکھا ہے کہ وہ دینی صداقتوں کو مرتبۂ کمال تک پہنچائے گا اور آئندہ کے حالات یعنی قیامت کی خبریں انجیل کی نسبت بہت مفصل بیان کرے گا۔ آپ کے خیال میں بجز حضرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن شریف نازل ہوا کہ جو سب کتب سابقہ کی نسبت کامل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ثبوت دیتا ہے۔ کوئی اور شخص ہے جس نے حضرت مسیح کے بعد ظہور کر کے دینی

١٩٢ کی کلام سے اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں میں برابر سمجھا ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ کا مصداق

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کسی معتبر ذریعہ سے مل جائے تب ہی عقل کو ایسی آسانی ہوجاتی ہے کہ گویا ایک پہاڑ مشکلات کا سر پر سے ٹل جاتا ہے اور جس حالت میں عقل انسانی فطرتی طور پر محتاج رفیق پڑی ہوئی ہے۔ تو پھر وہ خود بخود اور تن تنہا کیونکر خیالات میں ترقی کرلے گی۔ اور یہ بھی ہم بدفعات تحریر کرچکے ہیں کہ الٰہیات اور علم معاد میں عقل کے اس نقصان کا جبر قرآن شریف کرتا ہے اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ تمام دلائل عقلیہ کو بھی آپ ہی بیان فرماتا ہے اور تمام دینی صداقتوں کی طرف آپ ہی رہنما
٢٧٨ اور رہبر ہے اور اس طرف بھی ابھی اشارہ ہوچکا ہے کہ اگر کسی کو اس بات کی تصدیق اور تحقیق منظور ہو تو اس کے بھی ہم ہی ذمہ دار ہیں۔ اور ہر یک طالب صادق بذریعہ امتحان ہم سے اپنی تسلی کرا سکتا ہے۔ تو پھر باوجود اس کے کہ ہر ایک طرح سے رفع عذر کرکے اتمام حجت کیا گیا ہے۔ کیوں برہمو سماج والے اپنی فضول گوئی سے باز نہیں آتے۔ کیا کسی نشہ سے مدہوش یا دیوانہ ہیں یا تمام حواس بیک دفعہ معطل اور بیکار ہوگئے ہیں کہ سنایا گیا پھر نہیں سنتے۔ اور سمجھایا گیا پھر نہیں سمجھتے اور دکھایا گیا پھر نہیں دیکھتے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ یہ وہم ان کا بھی سراسر لغو اور بیہودہ ہے کہ تحقیقات کا سلسلہ ہمیشہ آگے سے آگے ہی چلا جاتا ہے اور کسی حد پر آکر ختم نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو کوئی کام دنیا اور دین کا کبھی اختتام کو نہ پہنچتا اور کسی جج کے لئے ممکن نہ ہوتا کہ کوئی مقدمہ قطعی طور پر فیصل کرسکے اور حکم عدالت بوجہ اشتباہ دائمی غیر ممکن اور ناجائز ٹھہر جاتا۔ مگر کیا یہ درست ہے کہ حقائق کل اشیاء کبھی اور کسی طرح پر صفائی اور درستی سے منکشف نہیں ہوتیں اور ہمیشہ کلام اور بحث کرنے کی جگہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

٢٧١ صداقتوں کو کمال کے مرتبہ تک پہنچایا۔ اور آئندہ کی خبریں مسیح کی نسبت زیادہ بتلائیں تو اس کا نام بتلانا چاہیے اور ایسی کتاب کو پیش کرنا چاہیے کہ جو مسیح کے بعد عیسائیوں کو خدا کی طرف سے ملی جس نے وہ اپنی صداقت پیش کیں کہ جو مسیح کی فرمودہ ہیں موجود نہ تھیں اور آخری حالات اور آئندہ کی خبریں بتلائیں جن کے بتلانے سے مسیح قاصر رہا۔ تا اسی کتاب کو قرآن شریف کے مقابلہ پر وزن کیا جائے۔ مگر یہ تو زیبا نہیں کہ آپ لوگ مسیح کے پیرو کہلا کر پھر اس چیز کو کامل قرار دیں جس کو آپ سے اٹھارہ سو بیاسی برس پہلے مسیح ناقص قرار دے چکا ہے۔ اور اگر آپ کا مسیح کے قول پر ایمان ہی نہیں اور بذات خود چاہتے ہیں کہ انجیل کا قرآن شریف سے مقابلہ کریں تو بسم اللہ آیئے اور انجیل میں سے وہ کمالات نکال کر دکھلایئے کہ جو ہم نے اسی کتاب میں قرآن شریف کی نسبت ثابت کئے ہیں تا منصف لوگ آپ ہی دیکھ لیں کہ معرفت الٰہی کا سامان قرآن شریف میں موجود ہے یا انجیل میں۔ جس حالت میں ہم نے اسی فیصلہ کے لئے کہ تا انجیل اور قرآن شریف کی نسبت فرق معلوم ہوجائے دس ہزار روپیہ کا اشتہار بھی اپنی کتاب کے ساتھ شامل کردیا ہے تو پھر آپ جب تک راست بازوں کی طرح اب ہماری کتاب کے مقابلہ پر اپنی انجیل کے فضائل نہ دکھلاویں تب تک کوئی دانشمند عیسائی بھی آپ کی کلام کو اپنے دل میں صحیح نہیں سمجھے گا۔ گو زبان سے ہاں ہاں کرتا رہے۔ حضرات!! آپ خوب یاد رکھیں کہ انجیل اور توریت کا کام نہیں کہ کمالات فرقانیہ کا مقابلہ کرسکیں۔ دور کیوں جائیں انہیں دو امروں میں کہ جو اب تک اس کتاب میں فضائل فرقانیہ میں سے بیان ہوچکے ہیں مقابلہ کرکے دیکھ لیں یعنی اول وہ امر کہ جو متن میں تحریر ہوچکا ہے کہ فرقان مجید تمام الٰہی
٢٧٢ صداقتوں کا جامع ہے۔ اور کوئی محقق کوئی ایسا باریک دقیقہ الٰہیات کا پیش نہیں کرسکتا کہ جو قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔ سو آپ کی انجیل اگر کچھ حقیقت رکھتی ہے۔ تو آپ پر لازم ہے کہ کسی مخالف فریق کے دلائل اور عقائد کو مثلاً برہمو سماج والوں یا

ہو کر خدا کی ان عظیم الشان قدرتوں اور باریک حکمتوں کو بھلا دیا ہے جن کے دیکھنے کے لئے ہر یک

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

باقی رہتی ہے۔ حاشا وکلا ہر گز یہ رائے صحیح نہیں۔ بلکہ اسی وقت تک کوئی واقعہ مشتبہ رہتا ہے اور صفائی سے ثابت نہیں ہوتا
جب تک کسی امر کے دریافت کرنے میں مدار کار صرف اکیلی عقل پر ہوتا ہے۔ اور جب ہی کہ کوئی رفیق ان ضروری رفیقوں
میں سے جن میں سے ایک وحی رسالت ہے کہ جو امور ماوراء المحسوسات اور عالم معاد کا مخبر ہے عقل کو مل جاتا ہے تو تب
تحقیقات عقلی مرتبہ یقین کامل تک پہنچ جاتی ہے۔ سو کبھی عقل الہام کامل کی رفاقت سے اور کبھی متواتر تجارب کی شہادت سے
اور کبھی مضبوط اور محکم تاریخی گواہوں سے یعنی جیسا کہ موقع ہو کسی رفیق کے ذریعہ سے کامل یقین کو پا لیتی ہے۔ ہاں اگر عقل
کو اس راہ کا رفیق میسر نہ آوے جس راہ پر وہ چلنا چاہتی ہے تو تب مرتبہ یقین کامل تک بلاشبہ نہیں پہنچتی بلکہ غایت کار ظن
غالب تک پہنچتی ہے۔ لیکن جب راہ مقصود کا رفیق میسر آ جائے تو بلا ریب وہ اس کو مرتبہ کامل یقین تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسا کہ ۲۷۹
پھر ذرہ شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور ایسے امر ثابت شدہ پر شک کرنا ان سودائیوں اور وہمیوں اور سوفسطائیوں کا کام
ہے جن کے دل اصل فطرت سے ایسے مغلوب الوہم ہیں کہ کسی صداقت پر بظن غالب اعتقاد کرنا بھی ان کو نصیب نہیں ہوتا
اور ہمیشہ شکوک اور شبہات میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اور گو روشنی کیسی ہی اپنے کمال کو پہنچ جائے۔ مگر ان کی جبلی کور باطنی کہ جو
خفاش کی طرح ان کی پیدائش کو لازم ذاتی ہے کچھ رو بہ کمی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ خدا کے وجود میں بھی ہمیشہ ان کو دبدھا ہی
رہتی ہے۔ پس ایسے اندھوں کی بیماری حقیقت میں لاعلاج ہے۔ ورنہ جس شخص کو ایک ذرہ سی بصیرت بھی حاصل ہے۔ وہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

آریا سماج والوں یا دہریہ کے شبہات کو انجیل کے ذریعہ سے عقلی طور پر رد کر کے دکھلاؤ۔ اور جو جو خیالات ان لوگوں نے
ملک میں پھیلا رکھے ہیں ان کو اپنی انجیل کے معقولی بیان سے دور کر کے پیش کرو۔ اور پھر قرآن شریف سے انجیل کا مقابلہ
کر کے دیکھ لو اور کسی ثالث سے پوچھ لو کہ محققانہ طور پر انجیل تسلی کرتی ہے یا قرآن شریف تسلی کرتا ہے۔ دوسرے وہ امر جو
حاشیہ در حاشیہ نمبر ایک میں لکھا گیا ہے یعنی یہ کہ قرآن شریف باطنی طور پر طالب صادق کا مطلوب حقیقی سے پیوند کرا دیتا ہے
اور پھر وہ طالب خدائے تعالیٰ کے قرب سے مشرف ہو کر اس کی طرف سے الہام پاتا ہے جس الہام میں عنایات حضرت
احدیت اس کے حال پر مبذول ہوتی ہیں اور مقبولین میں شمار کیا جاتا ہے اور اس الہام کا صدق ان پیشین گوئیوں کے پورا
ہونے سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اس میں ہوتی ہیں اور حقیقت میں یہی پیوند جو اوپر لکھا گیا ہے حیات ابدی کی حقیقت
ہے۔ کیونکہ زندہ سے پیوند زندگی کا موجب ہے۔
اور جس کتاب کی متابعت سے اس پیوند کے آثار ظاہر ہو جائیں۔ اس کتاب کی ظاہر بلکہ اظہر من الشّمس ہے۔ کیونکہ اس میں
صرف باتیں ہی باتیں نہیں بلکہ اس نے مطلب تک پہنچا دیا ہے۔ سو اب ہم حضرات عیسائیوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر آپ
کی انجیلی تعلیم راست اور درست اور خدا کی طرف سے ہے تو بمقابلہ قرآن شریف کی روحانی تاثیروں کے جن کے ہم نے
ثبوت دے دیا ہے۔ انجیل کی روحانی تاثیریں بھی دکھلایئے اور جو کچھ خدا نے مسلمانوں پر بہ برکت متابعت قرآن شریف
اور بہ یمن اتباع حضرت محمد مصطفی افضل الرسل وخاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے امور غیبیہ وبرکات سماویہ ظاہر کئے اور کرتا
ہے۔ وہ آپ بھی پیش کیجئے۔ ۲۷۳

تا سیہ روئے شود ہر کہ در وغش باشد

صادر من اللہ آئینہ خدا نما ہونا چاہیے لیکن یہ سچائیاں ایسی روشن اور صاف ہیں کہ گو کوئی شخص اسلام کی ۱۹۳

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب سلسلہ تحقیق اور تدقیق کا اس حد تک پہنچ جائے کہ حقیقت واقعی بکلی منکشف ہو جائے اور چاروں طرف سے دلائل واضحہ اور شواہد قاطعہ آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے نکل آویں۔ تو امر تنقیح اور تفتیش کا وہیں ختم ہو جاتا ہے اور طالب حق کو اسی جگہ مضبوطی سے قدم مارنا پڑتا ہے اور انسان کو بجز ماننے اس کے کچھ بن نہیں پڑتا اور خود ظاہر ہے کہ جب مکمل ثبوت ہاتھ میں آگیا اور ہر ایک گوشہ امر مبحوث عنہ کا صبح صادق کی طرح کھل گیا اور حق الامر کا چہرہ بکمال صفائی نمودار ہو گیا۔ تو پھر کیوں دانشمند اور صحیح الحواس انسان اس میں شک کرے۔ اور کیا وجہ کہ سلیم العقل انسان کا دل پھر بھی اس پر تسلی نہ پکڑے۔ ہاں جب تک امکان غلطی باقی ہے اور بصفائی تمام انکشاف نہیں ہوا۔ تب تک غور اور فکر کا گھوڑا آگے سے آگے دوڑ سکتا ہے اور نظر ثانی در نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ یہ کہ ثابت شدہ صداقت میں بھی وہمیوں کی طرح شک کر کے بیہودہ وساوس میں پڑتے جائیں اس کا نام خیالات کی ترقی نہیں۔ یہ تو مادۂ سودا کی ترقی ہے۔ جس شخص پر ایک امر کے جواز یا عدم جواز کی نسبت حال واقعی اظہر من الشّمس ہو گیا تو پھر کیا وہ مدہوش یا دیوانہ ہے کہ باوصف اس انکشاف تام کے پھر بھی اپنے دل میں یہ سوال کرے کہ شاید جس امر کو میں ناجائز سمجھتا ہوں وہ جائز ہی ہو۔ یا جس کو میں جائز قرار دیتا ہوں وہ حقیقت میں ناجائز ہو۔ البتہ ایسے سوالات اس وقت پیش آسکتے تھے اور ایسے وساوس اس حالت میں دلوں میں اٹھ سکتے تھے کہ جب سارا مدار قیاسات عقلیہ پر ہوتا اور عقل انسانی برہموسماج والوں کی عقل کی طرح اپنے دوسرے رفیق کے اتفاق اور اشتمال ۲۸۰

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

مگر آپ یاد رکھیں کہ آپ دونوں قسم کے امور متذکرہ بالا میں سے کسی امر میں مقابلہ نہیں کر سکتے۔ انجیل کی تعلیم کا کامل ہونا تو یک طرف وہ تو صحیح بھی نہیں رہی۔ اس نے تو اپنی پہلی ہی تعلیم میں ہی ابن مریم کو ولد اللہ ٹھہرا کر اول الدن دُردی دکھلا دیا۔ رہی توریت کی تعلیم سو وہ بھی محرف اور ناقص ہونے کی وجہ سے ایک موم کا ناک ہو رہی ہے جس کو عیسائی اپنے طور پر اور یہودی اپنے طور پر بنا رہے ہیں۔ اگر توریت میں الٰہیات اور عالم معاد کے بارے میں وہ تفصیلات ہوتیں کہ جو قرآن شریف میں ہیں تو عیسائیوں اور یہودیوں میں اتنے جھگڑے کیوں پڑتے۔ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر سورہ اخلاص کی ایک سطر میں مضمون توحید بھرا ہوا ہے۔ وہ تمام توریت بلکہ ساری بائبل میں نہیں پایا جاتا۔ اور اگر ہے تو کوئی عیسائی ہمارے سامنے پیش کرے۔ پھر جس حالت میں توریت میں بلکہ تمام بائبل میں صحت اور صفائی اور کمالیت سے توحید حضرت باری کا ذکر ہی نہیں۔ اور اسی وجہ سے توریت اور انجیل میں ایک گڑبڑ پڑ گیا اور قطعی طور پر کچھ سمجھ نہ آیا اور خود اصول میں ہی یہودیوں اور نصاریٰ میں طرح طرح کے تنازعات پیدا ہو گئے۔ اسی توریت سے یہودیوں نے کچھ سمجھا اور عیسائیوں نے کچھ خیال کیا۔ تو اس حالت میں کون حق کا طالب ہے جس کی روح اس بات کو نہیں چاہتی کہ بے شک رحمت عامہ حضرت باری کا یہی مقتضا تھا کہ وہ ان گم گشتہ فرقوں کے تنازعات کا آپ فیصلہ کرتا اور خطا کار کو اس کی خطا کاری پر متنبہ فرماتا۔ پس سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف کے نزول کی یہی ضرورت تھی کہ تا وہ اختلافات کو دور کرے اور جن صداقتوں کے ظاہر ہونے کا باعث انتشار خیالات فاسدہ کے وقت آگیا تھا ان صداقتوں کو ظاہر کر دے اور علم دین کو مرتبہ کمال تک پہنچا دے۔ سو اس پاک ۲۷۴
کلام نے نزول فرما کر ان سب مراتب کو پورا کیا اور سب بگاڑوں کو درست فرمایا اور تعلیم کو اپنے حقیقی کمال تک پہنچایا۔ نہ دانت کے عوض خواہ نخواہ دانت نکالنے کا حکم دیا اور نہ ہمیشہ مجرم کے چھوڑنے اور عفو کرنے پر فرمان صادر کیا۔ بلکہ حقیقی نیکی

جماعت میں داخل نہ ہو وہ بھی بطور مفہوم کلی سمجھ سکتا ہے کہ جس کلام کو خدا کا کلام کہا جائے ۔ اس کا بے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سے محروم اور بے نصیب ہوتی ۔ لیکن الہام حقیقی کے تابعین کی عقل ایسی غریب اور بے کس نہیں بلکہ اس کا ممد و معاون خدا کا کلام کامل ہے جو سلسلہ تحقیقات کو اپنے مرکز اصلی تک پہنچاتا ہے اور وہ مرتبہ یقین اور معرفت کا بخشتا ہے کہ جس کے آگے قدم رکھنے کی گنجائش ہی نہیں ۔ کیونکہ ایک طرف تو دلائل عقلیہ کو باستیفا بیان کرتا ہے اور دوسری طرف خود وہ بے مثل و مانند ہونے کی وجہ سے خدا اور اس کی ہدایتوں پر یقین لانے کے لئے حجت قاطعہ ہے ۔ سو اس دوہرے ثبوت سے جس قدر طالب حق کو مرتبہ حق الیقین حاصل ہوتا ہے اس مرتبہ کا قدر وہی شخص جانتا ہے کہ جو سچے دل سے خدا کو ڈھونڈتا ہے ۔ اور وہی اس کو چاہتا ہے کہ جو روح کی سچائی سے خدا کا طالب ہے لیکن برہمو سماج والے جن کا یہ اصول ہے کہ ایسی کوئی کتاب یا ایسا کوئی انسان نہیں جس میں غلطی کا امکان نہ ہو کیونکر اس مرتبہ یقین تک پہنچ سکتے ہیں ۔ جب تک اس شیطانی اصول سے توبہ کر کے یقینی راہ کے طالب نہ ہوں ۔ کیونکہ جس حالت میں اب تک برہمو سماج والوں کو خود باقرار ان کے ایسی کوئی کتاب نہیں ملی ۔ اور نہ انہوں نے آپ بنائی کہ جو ایسے مسائل کا مجموعہ ہو کہ جو غلطی سے خالی ہوں تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اب تک ایمان ان کا ورطہ شبہات میں ڈوبتا پھرتا ہے اور یہ اصول ان کا صاف دلالت کرتا ہے کہ ان کو خداشناسی کے مسائل میں سے کسی مسئلہ پر یقین حاصل نہیں اور ان کے نزدیک یہ بات محالات میں سے ہے کہ کوئی کتاب علم دین میں صحیح مسائل کا مجموعہ ہو ۔ بلکہ انہوں نے تو علانیہ یہ رائے ظاہر کر دی ہے کہ گو کوئی کتاب ایسی ہو کہ جو سراسر خدا کی ہستی کی قائل اور اس کو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

کے بجا لانے کے لئے تاکید فرمائی ۔ خواہ وہ نیکی کبھی درشتی کے لباس میں ہو اور خواہ کبھی نرمی کے لباس میں اور خواہ کبھی انتقام کی صورت میں ہو اور خواہ کبھی عفو کی صورت میں ۔

از نور پاک قرآن صبح صفا دمیدہ — بر غنچہائے دلہا باد صبا وزیدہ
ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد — وایں دلبری و خوبی کس در قمر ندیدہ
یوسف بقعر چاہے محبوس ماند تنہا — ویں یوسفے کہ تن ہا از چاہ بر کشیدہ
از مشرق معانی صدہا دقائق آورد — قد ہلال نازک زاں نازکی خمیدہ
کیفیت علومش دانی چہ شان دارد — شہدیست آسمانی از وحی حق چکیدہ
آں نیر صداقت چوں رو بعالم آورد — ہر بوم شب پرستی در کنج خود خزیدہ
روئے یقیں نہ بیند ہرگز کسے بدنیا — الا کسے کہ باشد باروئیش آرمیدہ
آنکس کہ عالمش شد شد مخزن معارف — وآن بے خبر ز عالم کیں عالمے ندیدہ
باران فضل رحماں آمد بہ مقدم او — بدقسمت آنکہ از وے سوئے دگر دویدہ
میل بدی نباشد اِلّا رگے زشیطاں — آں را بشر بدانم کز ہر شرے رہیدہ
اے کان دلربائی دانم کہ از کجائی — تو نور آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوب من توئی بس — زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

مثل و مانند ہونا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ ہر یکؔ عاقل خدا کے قانون قدرت پر نظر ڈال کر اور ہر ۱۹۴

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

واحد لاشریک اور قادر اور خالق اور عالم الغیب اور حکیم اور رحمان اور دوسری صفات کاملہ سے یاد کرتی ہو۔ اور حدوث اور فنا
اور تغیر اور تبدل اور شرکت غیر وغیرہ امور ناقصہ سے پاک اور برتر سمجھی ہو۔ مگر تب بھی وہ کتاب ان کے نزدیک غلطی کے
امکان سے خالی نہیں اور اس لائق نہیں کہ جو اس پر یقین کیا جائے۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ قرآن شریف سے بھی انکار
کر رہے ہیں۔ اب دیکھو کہ ان کے دین و ایمان کا انہیں کے اقرار سے یہ خلاصہ نکلا کہ ان کے نزدیک خدا کی ہستی اورؔ اس کی ۲۸۱
وحدانیت اور قادریت بھی امکان غلطی سے خالی نہیں!! غرض جب کہ انہوں نے آپ ہی اقرار کر دیا کہ ان کے پاس کوئی
ایسی کتاب نہیں جس کی صحت ان کے نزدیک یقینی ہو۔ تو اس سے صاف کھل گیا کہ ان کے مذہب کی بنیاد سراسر ظنیات پر
ہے اور ایمان ان کا مراتب یقینیہ سے بکلی دور و مہجور ہے۔ پس یہ وہی بات ہے جس کو ہم بار ہا اسی حاشیہ میں لکھ چکے ہیں کہ
مجرد عقلی تقریروں سے علم الٰہیات میں کامل تسلی اور تشفی ممکن نہیں۔ اس صورت میں ہمارا اور برہمو لوگوں کا اس بات پر تو
اتفاق ہو چکا کہ مجرد عقل کی رہبری سے کوئی انسان یقین کامل تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور ما بہ النزاع فقط یہی امر تھا کہ کیا خدا نے
برہمو لوگوں کی رائے کے موافق انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ باوجود جوش طلب یقین کامل اور حق محض کے جو اس کے
فطرت میں ڈالا گیا ہے پھر بھی اپنی اس فطرتی مراد سے ناکام اور بے نصیب رہے۔ اور صرف ایسے خیالوں تک اس کا علم
محدود رہے کہ جو امکان غلطی سے خالی نہیں یا خدا نے اس کی معرفت کامل اور پوری پوری کامیابی کے لئے کوئی سبیل بھی مقرر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

دیگر

نور فرقاں ہے سب نوروں سے اجلیٰ نکلا　پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا　ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اصفیٰ نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے　جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں　مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ نکلا
کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ　وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں　پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور　ایسا چمکا ہے کہ صد نیر بیضا نکلا ۲۷۵
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں　جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا
جلنے سے آگے ہی یہ لوگ تو جل جاتے ہیں　جن کی ہر بات فقط جھوٹ کا پتلا نکلا ۲۷۶

ایکؔ مسیحی متکلم صاحب یعنی وہی صاحب نامہ نگار نور افشاں اپنا دوسرا بہروپ بدل کر اسی سوال کے نیچے فرماتے ہیں۔ ۲۷۷
ابؔ تو وہ متکلم دینوی امور میں مستغرق ہے ورنہ یہ ثابت کر دکھاتا کہ قرآن کہاں سے لیا گیا۔ واہ حضرات! آپ نے تو یہ
یہودیوں کے نقش قدم کی پیروی کر دکھائی۔ اور جو کچھ انہوں نے ایک مدت دراز سے انجیل کی نسبت ایک خیال قائم ۲۷۸
کیا ہوا ہے۔ وہی خیال آپ قرآن شریف کی نسبت گھسیٹ لائے۔ اتنا بڑا جھوٹ آپ نے مدت العمر بولا نہیں ہوگا کہ جو
اب عیسائیوں کے خوش کرنے کے لئے بول اٹھے۔ بہرحال یہ مقولہ آپؔ کا اسی قسم کا ہے۔ جیسے تمام یہودی اب تک باصرار ۲۷۹

یک چیز کو جو اس کی طرف سے ہے خواہ وہ کیسی ہی ادنیٰ سے ادنیٰ ہو۔ اُس کو ہزار ہا دقائق حکمت سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کر رکھا ہے۔ اور کوئی ایسی کتاب بھی عطا فرمائی ہے کہ جو اس اصول متذکرہ بالا سے باہر ہو کہ جس میں امکان غلطی کا قاعدہ
کلیہ کر رکھا ہے۔ سو الحمدللہ والمنۃ ایسی کتاب کا خدا کی طرف سے نازل ہونا براہین قطعیہ سے ہم پر ثابت ہو گیا ہے اور ہم
بذریعہ کتاب ممدوح کے اس ہلاکت کے ورطہ سے باہر نکل آئے ہیں جس میں برہمو لوگ مردہ کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔
اور وہ کتاب وہی عالی شان اور مقدس کتاب ہے جس کا نام فرقان ہے۔ جو حق اور باطل میں فرق بین دکھلاتی ہے اور ہر ایک
قسم کی غلطیوں سے مبرا ہے۔ جس کی پہلی صفت یہی ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ: ۳) اسی نے ہم پر ظاہر کیا
ہے کہ خدا حق کے طالبوں کو مراتب یقینیہ سے محروم رکھ کر ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس رحیم و کریم نے ایسا اپنے ضعیف اور
ناقص بندوں پر احسان کیا ہے کہ جس کام کو عقل ناقص انسان کی نہیں کر سکتی تھی اس نے وہ کام آپ کر دکھایا ہے۔ اور جس
درخت بلند تک بشر کا کوتہ ہاتھ نہیں پہنچتا تھا اس کے پھلوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے نیچے گرایا ہے اور حق کے طالبوں کو اور
۲۸۲ سچائی کے بھوکے اور پیاسوں کو یقین کامل اور قطعی کا سامان عطا کر دیا ہے۔ اور جو دینی صداقتوں کے ہزار ہا دقائق ذرات کی
طرح روحانی آسمان کی دور دراز فضاؤں میں منتشر تھے اور جو زندگی کا پانی شبنم کی طرح متفرق طور پر انسانی سرشت کے
ظلمات میں اور اس کی عمیق در عمیق استعدادات میں مخفی اور محتجب تھا۔ جس کو بمنصہ ظہور لانا اور ناپیدا کنار فضاؤں سے ایک
جگہ اکٹھا کرنا انسانی عقل کی طاقتوں سے باہر تھا۔ اور بشر کی ضعیف قوتوں کے پاس کوئی ایسا باریک اور غیب نما آلہ نہ تھا کہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

تمام کہتے ہیں کہ مسیح نے انجیل کو ہمارے نبیوں کی کتب مقدسہ سے چرا کر بنا لیا ہے۔ بلکہ ان کے علماء اور احبار تو کتابیں کھول
۲۸۰ کھول کر بتلاتے ہیں کہ اس اس جگہ سے فقرات چرائے گئے ہیں۔ اسی طرح دیانند پنڈت بھی اپنی تالیفات میں شور مچا رہا
ہے کہ توریت ہمارے پستکوں سے کاٹ چھانٹ کر بنائی گئی ہے اور اب تک ہون وغیرہ کی رسم وید کی طرح اس میں پائی
۲۸۱ جاتی ہیں۔ چنانچہ آپ بھی تو اقرار کرتے ہیں کہ ہندوؤں کے اصول سے انجیلی تعلیم کو بہت کچھ مشابہت ہے۔ پس اس اقرار
سے ہی آپ اپنے مونہہ سے ہندوؤں کے دعویٰ کی تصدیق کر رہے ہیں لیکن قرآن شریف ایسا نہیں جس پر یہ الزامات عاید
۲۸۲ ہوسکیں یا کسی بد اندیش کا منصوبہ پیش جاسکے۔ آپ نے برا کیا کہ آفتاب پر تھوکنے کا ارادہ کیا۔ وہ تو حضرت الٹ کر آپ ہی
۲۸۳ کے مونہہ پر پڑے گا۔ متکلم صاحب شاید آپ کی بے اصل لاف و گزاف سے غرض یہ ہے کہ تا آپ بعض سادہ لوح
عیسائیوں کو خوش کر دیں۔ ورنہ دانشمند عیسائی آپ کی اس بے مغزبات پر ہنسے گا کہ جس حالت میں آپ کو خوب معلوم ہے کہ
۲۸۴ قرآن کہاں سے اکٹھا کیا گیا ہے اور اس کے تمام حقائق دقائق کس کس کتاب یہود نصاریٰ یا مجوس سے بطور سرقہ اخذ کئے
گئے ہیں تو پھر کیوں آپ ایسے کام کے دکھانے سے جس کے کرنے سے تمام عیسائیوں کی عزت بحال رہے اور ان کا قدیمی
۲۸۵ داغ عاجز اور لا جواب رہنے کا آپ کی ہمت سے دھویا جائے۔ اور ان سب کے علاوہ دس ہزار روپیہ ہاتھ لگے دست کش
ہیں۔ اگر آپ کی ذات شریف میں ایسا ہنر حاصل ہے کہ جو حضرت مسیح کو بھی حاصل نہیں تھا تو پھر جو ہر کس دن کے لئے چھپا
۲۸۶ رکھا ہے۔ جب آپ ایسے ہی لائق ہیں کہ قرآن شریف کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ اس کا ماخذ بتلا سکتے ہیں تو پھر آپ کے لئے
بات ہی آسان ہے اور آپ بڑی آسانی سے ان تمام حقائق اور دقائق اور براہین اور برکات فرقانیہ کا مقابلہ کر کے کہ جو
۲۸۷ براہین احمدیہ میں اسی غرض کے لئے مندرج ہیں اشتہار کا کل روپیہ لے سکتے ہیں۔ بالخصوص جب آپ کی تقریر کے ضمن

پر دیکھ کر اور انسانی طاقتوں کے مقابلہ سے برتر اور بلند پا کر آپنے تئیں اس اقرار کے کرنے کے لئے ۱۹۵

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

جس کے ذریعہ سے انسان ان ادق اور پوشیدہ ذرات حقیقت کو کہ جن کو باستیفاء دیکھنے کے لئے بصارت وفا نہیں کرتی تھی اور جمع کرنے کے لئے عمر فرصت نہیں دیتی تھی، آسانی سے دریافت اور حاصل کر لیتا۔ ان سب لطائف حکمت و دقائق معرفت کو اس کامل کتاب نے بلا تفاوت و بلا نقصان و بلا سہو و بلا نسیان خدائی کی قدرت اور قوت سے اور ربانیت کی طاقت اور حکومت سے ہمارے سامنے لا رکھا ہے۔ تا ہم اس پانی کو پی کر بچ جائیں اور موت کے گڑھے میں نہ پڑیں اور پھر کمال یہ کہ اس جامعیت سے اکٹھا کیا ہے کہ کوئی دقیقہ دقائق صداقت سے اور کوئی لطیفہ لطائف حکمت سے باہر نہیں رہا اور نہ کوئی ایسا امر داخل ہوا کہ جو کسی صداقت کے مبائن اور منافی ہو۔ چنانچہ ہم نے منکرین کو ملزم اور رسوا کرنے کے لئے جابجا بصراحت لکھ دیا ہے اور بآواز بلند سنا دیا ہے کہ اگر کوئی برہمو قرآن شریف کے کسی بیان کو خلاف صداقت سمجھتا ہے یا کسی صداقت سے خالی خیال کرتا ہے تو اپنا اعتراض پیش کرے۔ ہم خدا کے فضل اور کرم سے اس کے وہم کو ایسا دور کر دیں گے کہ جس بات کو وہ اپنے خیال باطل میں ایک عیب سمجھتا تھا اس کا ہنر ہونا اس پر آشکارا ہو جائے گا۔

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ مجرد عقلی خیالوں میں صرف اتنا ہی نقص نہیں کہ وہ مراتب یقینیہ سے قاصر ہیں اور دقائق الٰہیات کے مجموعہ پر قابض نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ایک یہ بھی نقص ہے کہ مجرد عقلی تقریریں دلوں پر اثر کرنے میں بھی بغایت درجہ کمزور و بے جان ہیں۔ اور کمزور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کسی کلام کا دل پر کارگر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کلام کی سچائی

بقیہ در حاشیہ نمبر 2:

۲۸۸ میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ آپ دنیا کی تکالیف میں سخت مبتلا ہیں اور آپ کو روپیہ کی اشد ضرورت ہے تو پھر اس صورت میں دنیا حاصل کرنے کی اس سے بہتر اور کیا تدبیر ہے کہ آپ سب کام چھوڑ چھاڑ کر یہی کام اختیار کریں اور قرآن شریف کے

۲۸۹ علوم الٰہیہ اور دقائق عقلیہ اور تاثیرات باطنیہ کا اپنی کتاب سے مقابلہ دکھلا کر روپیہ انعام کا وصول کریں۔ اس سے آپ کی بڑی ناموری ہو جاوے گی۔ اور جس میدان کے فتح کرنے سے حضرت مسیح قاصر رہے اور اپنی تعلیم ناقص کا آپ اقرار

۲۹۰ کر کے اس جہان سے سدھار گئے۔ وہ میدان گویا آپ کے ہاتھ سے فتح ہو جائے گا۔ گویا ایک صورت سے آپ عیسائیوں کی نظر میں مسیح سے بہتر ٹھہر جاویں گے کہ جس کتاب کو وہ مدت العمر ناقص سمجھتے رہے۔ آپ نے اس کا کمال ظاہر کر دکھایا۔

۲۹۱ دنیا کے سخت محتاج ہو کر کیوں اس قدر روپیہ ناحق چھوڑتے ہیں اور اگر اکیلے آپ اس کام کو انجام دینا ممکن نہیں تو دو چار یا دس بیس دوسرے پادری جو بیہودہ بازاروں اور دیہات میں گشت کرتے پھرتے ہیں شریک کر لیجئے۔ اور خدا کے ساتھ ذرا

۲۹۲ لڑ کر دکھایئے۔ ورنہ جو لوگ ہمارا مردانہ اشتہار پڑھ کر آپ لوگوں کی یہ زنانہ باتیں سنتے ہیں اب ان لوگوں پر حضرات

۲۹۳ عیسائیوں کی دیانت اور خدا ترسی جیسی کہ ہے بخوبی کھل جائے گی۔ ایک اور عیسائی صاحب ۲۵۔ مئی ۱۸۸۲ء کے نور افشاں میں یہ سوال کرتے ہیں کہ کون کون سے علامات یا شرائط ہیں جن سے سچے اور جھوٹے نجات دہندہ میں تمیز کی

۲۹۴ جا سکے۔ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خدا کی طرف سے سچا نجات دہندہ وہ شخص ہے جس کی متابعت سے سچی نجات حاصل ہو یعنی خدا نے اس کے وعظ میں یہ برکت رکھی ہو کہ کامل پیرو اس کا ظلمات نفسانیہ اور ادناس بشریہ سے نجات پا جائے اور اس

۲۹۵ میں وہ انوار پیدا ہو جائیں جن کا پاک دلوں میں پیدا ہو جانا ضروری ہے ہاں جب تک پیروی کنندہ کی متابعت میں کسر ہو تب تک ظلمات نفسانیہ دور نہیں ہوں گے اور نہ انوار باطنیہ ظاہر ہوں گے لیکن یہ اس نبی متبوع کا قصور نہیں بلکہ خود وہ مدعیٔ

مجبور پاتا ہے کہ کوئی چیز جو صادر من اللہ ہے ایسی نہیں ہے جس کی مثل بنانے پر انسان قادر ہو اور نہ کسی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سامع کے ذہن میں ایسی متحقق ہو کہ جس میں ایک ذرا شک کرنے کی گنجائش نہ ہو۔ اور دلی یقین سے یہ بات دل میں بیٹھ
۲۸۳ جائے کہ جس واقعہ کی مجھ کو خبر دی گئی ہے اس میں غلطی کا امکان نہیں۔ اور ابھی ظاہر ہو چکا ہے کہ مجرد عقل یقین کامل تک
پہنچا ہی نہیں سکتی۔ پس اس صورت میں یہ بات بدیہی ہے کہ وہ آثار کہ یقین کامل پر مترتب ہوتے ہیں اور وہ تاثیریں کہ جو
یقینی کلام دلوں پر کرتی ہے وہ مجرد عقل سے ہرگز متوقع نہیں اور اس کا ثبوت روزمرہ تجربہ سے ظاہر ہے۔ مثلاً ایک شخص ایک
دور دراز ولایت کا سیر کر کے آتا ہے۔ تو جب اپنے وطن میں پہنچتا ہے تو ہر یک خویش و بیگانہ اس ولایت کی خبریں اس سے
دریافت کرتا ہے اور اس کی چشم دید خبریں بشرطیکہ وہ دروغگوئی کی عادت سے متہم نہ ہو۔ دلوں پر بہت اثر کرتی ہیں اور بغیر کسی
تردد اور شک کے فی الواقعہ راست اور صحیح سمجھی جاتی ہیں بالخصوص جب ایسا مخبر ہو کہ لوگوں کی نظر میں ایک بزرگوار اور صالح
آدمی ہو۔ اس قدر تاثیر اس کی کلام میں کیوں ہوتی ہے۔ اس لئے ہوتی ہے کہ اول اس کو ایک شریف اور راست باز تسلیم
کر کے پھر اس کی نسبت یہ یقین کیا گیا ہے کہ وہ جو جو اُن ملکوں کے واقعات بیان کرتا ہے۔ ان کو اس نے اپنی آنکھوں سے
دیکھا ہے۔ اور جو جو خبریں بتلاتا ہے وہ سب اس کا چشم دید ماجرا ہے۔ پس اسی باعث سے اس کی باتوں کا دلوں پر سخت اثر
واقعہ ہوتا ہے اور اس کے بیانات طبیعتوں میں ایسے جم جاتے ہیں کہ گویا ان واقعات کی تصویر نظر کے سامنے آ موجود ہوتی
ہے۔ بلکہ بسا اوقات جب وہ اپنے سفر کی ایک رقت آمیز حکایت سناتا ہے یا کسی قوم کا دردانگیز قصہ بیان کرتا ہے تو سنتے ہی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

اتباع کا اعراض صوری یا معنوی کی آفت میں گرفتار ہے اور اسی اعراض کی وجہ سے محروم اور محجوب ہے یہی حقیقی علامت ہے
۲۹۶ جس سے انسان گزشتہ قصوں اور کہانیوں کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ خود طالب حق بن کر سچے ہادی اور حقیقی فیض رساں کو شناخت
کر لیتا ہے اور اس تقدس اور نور کو کہ جو کامل اور فیض رساں ہی کی نسبت اعتقاد کیا گیا ہے نہ صرف اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے
بلکہ اپنی استعداد کے موافق اس کا مزہ بھی چکھ لیتا ہے اور نجات کو نہ صرف خیالی طور پر ایک ایسا امر قرار دیتا ہے کہ جو قیامت
میں ظاہر ہوگا بلکہ جہل اور ظلمت اور شک اور شبہ اور نفسانی جذبات کے عذاب سے نجات پا کر اور آسمانی نوروں سے منور
۲۹۷ ہو کر اسی عالم میں حقیقت نجات کو پا لیتا ہے۔ اب جبکہ سچے نجات دہندہ کی یہی علامت ٹھہری اور یہی طالب حق کا مقصود
اعظم ہے کہ جو اس کی زندگی کا اصل مقصد اور اس کے مذہب پکڑنے کی علت غائی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ علامت صرف
حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے اور انہیں کی اتباع سے کہ جو قرآن شریف کی اتباع پر منحصر ہے باطنی نور
اور محبت الٰہیہ حاصل ہوتی ہے۔ قرآن شریف جو آنحضرت کی اتباع کا مدار علیہ ہے ایک ایسی کتاب ہے جس کی متابعت
۲۹۸ سے اسی جہان میں آثار نجات کے ظاہر ہو جاتے ہیں کیونکہ وہی کتاب ہے کہ جو دونوں طریق ظاہری اور باطنی کے ذریعہ
سے نفوس ناقصہ کو بمرتبہ تکمیل پہنچاتی ہے اور شکوک اور شبہات سے خلاصی بخشتی ہے۔ ظاہری طریق سے اس طرح پر کہ
بیان اس کا ایسا جامع دقائق وحقائق ہے کہ جس قدر دنیا میں ایسے شبہات پائے جاتے ہیں کہ جو خدا تک پہنچنے سے روکتے
۲۹۹ ہیں جن میں مبتلا ہو کر صدہا جھوٹے فرقے پھیل رہے ہیں اور صدہا طرح کے خیالات باطلہ گمراہ کے دلوں میں جم رہے ہیں
سب کا ردّ معقولی طور پر اس میں موجود ہے اور جو جو تعلیم حقہ اور کاملہ کی روشنی ظلمت موجودہ زمانہ کے لئے درکار ہے وہ سب
آفتاب کی طرح اس میں چمک رہی ہے اور تمام امراض نفسانی کا علاج اس میں مندرج ہے اور تمام معارف حقہ کا بیان اس

عاقل کی عقل یہ تجویز کرسکتی ہے کہ خدا کی ذات یاؔ صفات یا افعال میں مخلوق کا شریک ہونا جائز ہے بلکہ ۱۹۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

وہ بات سامعین کے دل کو ایسا پکڑ لیتی ہے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور ان کی ایک ایسی حالت ہو جاتی ہے
کہ گویا وہ موقعہ پر موجود ہیں اور اس واقعہ کو بچشم خود دیکھ رہے ہیں۔
لیکن جو شخص اپنے گھر کی چار دیوار سے کبھی باہر نہیں نکلا نہ اس ملک میں کبھی گیا اور نہ دیکھنے والوں سے کبھی اس کا حال سنا
اگر وہ اٹھ کر صرف اپنی اٹکل سے اس ملک کی خبریں بیان کرنے لگے تو اس کی بک بک سے خاک بھی تاثیر نہیں ہوتی بلکہ
لوگ اسے کہتے ہیں کہ کیا تو پاگل اور دیوانہ ہے کہ ایسی باتیں بیان کرنے لگا کہ جو تیرے معائنہ اور تجربہ سے باہر ہیں اور
تیرے ناقص علم سے بلند تر ہیں اور اس پر ایسا ہی کہتے ہیں کہ جیسا ایکؔ بزرگ نے کسی احمق کا قصہ لکھا ہے کہ وہ ایک جگہ ۲۸۴
گیہوں کی روٹی کی بہت سی تعریفیں کر رہا تھا کہ وہ بہت ہی مزہ دار ہوتی ہے۔اور جب پوچھا گیا کہ کیا تو نے بھی کبھی کھائی
ہے۔تو اس نے جواب دیا کہ میں نے کھائی تو کبھی نہیں پر میرے دادا جی بات کیا کرتے تھے کہ ایک دفعہ ہم نے کسی کو
کھاتے دیکھا ہے۔
غرض جب تک کوئی سامعین کی نظر میں کسی واقعہ پر بکلی محیط نہ ہو۔تب تک بجائے اس کے کہ اس کا کلام دلوں پر کچھ اثر
کرے خواہ نخواہ ٹھٹھا اور ہنسی کرانے کا موجب ٹھہرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مجرد عقلمندوں کی خشک تقریروں نے کسی کو عالم
آخرت کی طرف یقینی طور پر متوجہ نہیں کیا۔اور لوگ یہی سمجھتے رہے کہ جیسا یہ لوگ صرف اٹکل سے باتیں کرتے ہیں۔علیٰ ہذا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

میں بھرا ہوا ہے اور کوئی دقیقہ علم الٰہی نہیں کہ جو آئندہ کسی وقت ظاہر ہوسکتا ہے اور اس سے باہر رہ گیا ہو۔اور باطنی طریق
سے اس طور پر کہ اس کی کامل متابعت دل کو ایسا صاف کر دیتی ہے کہ انسان اندرونی آلودگیوں سے بالکل پاک ہو کر حضرت
اعلیٰ سے اتصال پکڑ لیتا ہے اور انوار قبولیت اس پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور عنایات الٰہیہ اس قدر اس پر احاطہ
کر لیتی ہیں کہ جب وہ مشکلات کے وقت دعا کرتا ہے تو کمال رحمت اور عطوفت سے خداوند کریم اس کا جواب دیتا ہے اور
بسا اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہزار مرتبہ ہی اپنی مشکلات اور ہجوم غموں کے وقت میں سوال کرےؔ تو ہزار ہا مرتبہ ہی ۳۰۰
اپنے مولیٰ کریم کی طرف سے نہایت فصیح اور لذیذ اور متبرک کلام میں محبت آمیز جواب پاتا ہے اور الہام الٰہی بارش کی طرح
اس پر برستا ہے اور وہ اپنے دل میں محبت الٰہیہ کو ایسا بھرا ہوا پاتا ہے جیسا ایک نہایت صاف شیشہ ایک لطیف عطر سے بھرا
ہوتا ہے اور انس اور شوق کی ایک ایسی پاک لذت اس کو عطا کی جاتی ہے کہ جو اس کی سخت سخت نفسانی زنجیروں کو توڑ کر اور
اس دخانستان سے باہر نکال کر محبوب حقیقی کی ٹھنڈی اور دلارام ہوا سے اس کو ہر دم اور ہر لحظہ تازہ زندگی بخشتی رہتی ہے پس وہ
اپنی وفات سے پہلے ہی ان عنایات الٰہیہ کو بچشم خود دیکھ لیتا ہے جن کے دیکھنے کے لئے دوسرے لوگ بعد مرنے کے
اُمیدیں باندھتے ہیں۔اور یہ سب نعمتیں کسی راہبانہ محنت اور ریاضت پر موقوف نہیں بلکہ صرف قرآن شریف کے کامل
اتباع سے دی جاتی ہیں اور ہر یک طالب صادق ان کو پا سکتا ہے۔ہاں ان کے حصول میں خاتم الرسل اور فخر الرسل کی بدرجہ
کامل محبت بھی شرطؔ ہے تب بعد محبت نبی اللہ کے انسان ان نوروں میں سے بقدر استعداد خود حصہ پا لیتا ہے کہ جو کامل طور پر ۳۰۱
نبی اللہ کو دی گئی ہیں۔پس طالب حق کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہیں کہ وہ کسی صاحب بصیرت اور معرفت کے
ذریعہ سے خود اس دین متین میں داخل ہو کر اور اتباع کلام الٰہی اور محبت رسول مقبول اختیار کر کے ہمارے ان بیانات کی

صاحب عقل اور بصیرت کے علاوہ دلائل متذکرہ بالا کے کئی ایک اور وجوہ بھی ہیں جن سے خدا کے کلام

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

القیاس ہم بھی ان کی رائے کے مخالف اٹکلیں دوڑا سکتے ہیں۔ نہ انہوں نے موقعہ پر جا کر اصل حقیقت کو دیکھا نہ ہم نے۔ اسی باعث سے جب ایک طرف بعض عقلمندوں نے خدا کی ہستی پر رائے ظاہر کرنی شروع کی تو دوسرے عقلمندوں نے ان کے مخالف ہوکر دہریہ مذہب کی تائید میں کتابیں تصنیف کیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ان عاقلوں کا فرقہ کہ جو خدا کی ہستی کے کسی قدر قائل تھے وہ بھی دہریہ پن کی رگ سے کبھی خالی نہیں ہوا اور نہ اب خالی ہے۔ انہیں برہمو لوگوں کو دیکھو۔ کب وہ خدا کو کامل صفتوں سے متصف سمجھتے ہیں۔ کب ان کو اقرار ہے کہ خدا گونگا نہیں بلکہ اس میں حقیقی طور پر صفت تکلم بھی ہے جیسی ایک جیتے جاگتے میں ہونی چاہیے۔ کب وہ اس کو حقانی طور پر پورا پورا مدبر اور رزاق سمجھتے ہیں۔ کب ان کو اس بات پر ایمان ہے کہ حقیقت میں خدا حی و قیوم ہے اور اپنی آوازیں صادق دلوں تک پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ وہ تو اس کے وجود کو ایک موہومی اور مردہ سا خیال کرتے ہیں کہ جس کو عقل انسانی صرف اپنے ہی تصورات سے ایک فرضی طور پر ٹھہرا لیتی ہے۔ اور اس طرف سے زندوں کی طرح کبھی آواز نہیں آتی۔ گویا وہ خدا نہیں ایک بت ہی ہے کہ جو کسی گوشہ میں پڑا ہے۔ میں متعجب ہوں کہ ایسے کچے اور ضعیف خیالات سے کیونکر یہ لوگ خوش ہوئے بیٹھے ہیں۔ اور ایسی خود تراشیدہ باتوں سے کن ثمرات کی توقع ہے۔ کیوں سچے طالبوں کی طرف اس خدا کو نہیں ڈھونڈتے کہ جو قادر توانا اور جیتا جاگتا ہے۔ اور اپنے وجود پر آپ
اطلاع دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور انی انا اللہ کی آواز سے مردوں کو ایک دم میں زندہ کر سکتا ہے۔ جب یہ لوگ خود جانتے ۲۸۵

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

حقیت کو بچشم خود دیکھ لے۔ اور اگر وہ اس غرض کے حصول کے لئے ہماری طرف بصدق دل رجوع کرے تو ہم خدا کے فضل اور کرم پر بھروسہ کر کے اس کو طریق اتباع بتلانے کو تیار ہیں پر خدا کا فضل اور استعداد ذاتی درکار ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سچی نجات سچی تندرستی کی مانند ہے۔ پس جیسی سچی تندرستی وہ ہے کہ جس میں تمام آثار تندرستی کے ظاہر ہوں اور کوئی عارضہ منافی اور مغائر تندرستی کا لاحق نہ ہو اسی طرح سچی نجات بھی وہی ہے کہ جس میں حصول نجات کے آثار بھی پائے جائیں۔
کیونکہ جس چیز کا واقعی طور پر وجود متحقق ہو اس وجود متحقق کے لئے آثار وعلامات کا پائے جانا لازم پڑا ہوا ہے اور بغیر تحقق وجود ۳۰۲
ان آثار وعلامات کے وجود اس چیز کا متحقق نہیں ہو سکتا۔ اور جیسا کہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں تحقق نجات کے لئے یہ علامات خاصہ ہیں کہ انقطاع الی اللہ اور غلبۂ حب الٰہی اس قدر کمال کے درجہ تک پہنچ جائے کہ اس شخص کی صحبت اور توجہ اور دعا سے بھی یہ امور دوسرے ذی استعداد لوگوں میں پیدا ہو سکیں اور خود وہ اپنی ذاتی حالت میں ایسا منور الباطن ہو کہ اس کی برکات طالب حق کی نظر میں بدیہی الظہور رہوں اور اس میں وہ تمام خصوصیات اور مخاطبات حضرت احدیت پائی جائیں کہ جو مقربین میں پائی جاتی ہیں۔ اس جگہ کوئی شخص نجومیوں اور جوتشیوں وغیرہ غیب گویوں کی پیشگوئیوں پر دھوکا نہ کھاوے اور بخوبی یاد رکھے کہ ان لوگوں کو اہل اللہ کے انوار اور برکات سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔ ہم پہلے بھی لکھ چکے کہ قادرانہ پیشگوئیوں اور کریمانہ
مواعید کہ جو حق محض ہیں اور جن میں سراسر فتح اور نصرت کی بشارتیں اور اقبال اور عزت کی خبریں بھری ہوئی ہیں ان سے ۳۰۳
انسانی آلات کو کچھ بھی نسبت نہیں خداوند تعالیٰ نے اہل اللہ کو ایسی فطرت بخشی ہے کہ ان کی نظر اور صحبت اور توجہ اور دعا اکسیر کا حکم رکھتی ہے بشرطیکہ شخص مستفیض میں قابلیت موجود ہو۔ اور ایسے لوگ صرف پیشگوئیوں سے نہیں بلکہ اپنے خزائن معرفت سے اپنے توکل خارق عادت سے اپنی کامل محبت سے اپنے انقطاع تام سے اپنے صدق اور ثبات سے اپنے انس باللہ اور

کا عدیم المثال ہونا اور بھی زیادہ اس پر واضح ہوتا ہے اور مثل اجلیٰ بدیہات کے نظر آتا ہے جیسے منجملہ ۱۹۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہیں کہ عقل کی روشنی دود آمیز ہے تو پھر کامل روشنی کے کیوں خواہاں نہیں ہوتے ۔ عجب احمق ہیں کہ اپنے مریض ہونے کے تو قائل ہیں پر علاج کا کچھ فکر نہیں ۔ ہائے افسوس کیوں ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں تا وہ حق الامر کو دیکھ لیں ۔ کیوں ان کے کانوں پر سے پردہ نہیں اٹھتا تا وہ حقانی آواز کو سن لیں ۔ کیوں ان کے دل ایسے کجرو اور ان کی سمجھیں ایسی الٹی ہوگئیں کہ جو اعتراض حقیقت میں انہیں پر وارد ہوتا تھا وہ الہام حقیقی کے تابعین پر کرنے لگے ۔ کیا ابھی تک ہم نے ان کو یہ ثابت کر کے نہیں دکھلایا کہ وہ معرفت الٰہی میں نہایت ناقص اور خطرہ کی حالت میں ہیں ۔ کیا ہم نے ابھی تک ان پر یہ ظاہر نہیں کیا کہ معرفت تامہ و کاملہ صرف قرآن شریف کے ذریعہ سے حاصل ہوسکتی ہے و بس ۔ پھر جب کہ ہر یک طور سے انہیں کا جھوٹا اور غلطی پر ہونا ثابت ہو چکا ہے تو پھر یہ کیسی ایمانداری اور دیانت شعاری ہے کہ اپنے گھر کے ماتم سے بے خبر رہ کر اہل اسلام کو بیمار قرار دیتے ہیں اور خبث اور شر کی باتیں مونہہ پر لاتے ہیں جن سے یقیناً سمجھا جاتا ہے کہ ان کو راست روی سے کچھ بھی غرض اور تعلق نہیں ۔ اور یہ باتیں ان کی باتیں نہیں ہیں بلکہ حسد اور تعصب کا بدبودار خوان ہے ۔

اسی وہم کا ضمیمہ برہمو سماج والوں کا ایک اور وہم بھی ہے کہ الہام ایک قید ہے اور ہم ہر یک قید سے آزاد ہیں یعنی ہم اچھے ہیں کیونکہ آزاد قیدی سے اچھا ہوتا ہے ۔ ہم اس نکتہ چینی کو مانتے ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ بلاشبہ الہام ایک قید ہے مگر ایسی قید ہے کہ جس کے بغیر سچی آزادی حاصل ہونا ممکن نہیں ۔ کیونکہ سچی آزادی وہ ہے کہ انسان کو ہر یک نوع کی غلطی اور شکوک اور شبہات سے نجات ہو کر مرتبہ یقین کامل کا حاصل ہو جائے اور اپنے مولیٰ کریم کو اسی دنیا میں دیکھ لے ۔ سو جیسا کہ ہم اسی حاشیہ میں ثابت کر چکے ہیں یہ حقیقی آزادی دنیا میں کامل اور خدا دوست مسلمانوں کو بذریعہ قرآن شریف حاصل ہے ۔ اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

شوق اور ذوق سے اور اپنے غلبہ خشوع اور خضوع سے اور اپنے تزکیہ نفس سے اور اپنی ترک محبت دنیا سے اور اپنی کثیر الوجود
برکتوں سے کہ جو بارش کی طرح برستی ہیں اور اپنے موید من اللہ ہونے سے اور اپنی بے مثل استقامت اور اعلیٰ درجہ کی
وفاداری اور لاثانی تقویٰ اور طہارت اور عظیم الشان ہمت اور انشراح صدر سے شناخت کئے جاتے ہیں اور پیشگوئیاں ان کا
اصل منصب نہیں ہے بلکہ وہ اس غرض سے ہے کہ تا وہ ان برکتوں کو جوان پر اور ان کے متعلقین پر وارد ہونے کو ہیں قبل از
وقوع بیان کر کے توجہ خاص حضرات احدیت پر یقین دلائیں اور نیز وہ مخاطبات اور مکالمات جو حضرات احدیت کی طرف ۳۰۴
سے ان کو ہوتے ہیں ان کی صحت اور منجانب اللہ ہونے پر ایک قطعی اور یقینی حجت پیش کریں ۔ اور ایسے انسان جن کو یہ سب
برکات قدسیہ بکثرت عطا ہوتی ہیں ان کی نسبت خدا کی قدرت اور حکمت قدیمہ کے قانون میں یہی قرار پایا ہے کہ وہ ایسے
لوگ ہوتے ہیں جن کے سچے اور پاک عقائد ہوں اور جو سچے مذہب پر ثابت اور مستقیم ہوں اور حضرت احدیت سے
غایت درجہ کا اتصال اور دنیا و مافیہا سے غایت درجہ کا انقطاع رکھتے ہوں ۔ ایسے لوگ کبریت احمر کا حکم رکھتے ہیں اور ان کی
فطرت کو ربانی انوار اور حقانی مذہب لازم ہے اور ان کی ذات ستودہ صفات کو کہ جو جامع البرکات ہے بدبخت نجومیوں اور
جوتشیوں سے نسبت دینا کمال درجہ کی کج فہمی اور غایت درجہ کی بدنصیبی ہے کیونکہ وہ دنیا کے ذلیل جیفہ خواروں کے ساتھ کچھ
مناسبت نہیں رکھتے بلکہ وہ آفتاب اور چاند کی طرح آسمانی نور ہیں اور حکمت الٰہیہ کے قانون قدیم نے اسی غرض سے ان کو ۳۰۵
پیدا کیا ہے کہ تا دنیا میں آ کر دنیا کو منور کریں ۔ یہ بات بتوجہ تمام یاد رکھنی چاہیے کہ جیسے خدا نے امراض بدنی کے لئے بعض

ان کے ایک وہ وجہ ہے جو ان نتائج متفاوتہ سے ماخوذ ہوتی ہے۔ جن کا مختلف طور پر بحالت عمل صادر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

بجز ان کے کسی برہمو وغیرہ کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک وجہ سے برہمو سماج والوں کا نام بھی آزاد اور بے قید ہو سکتا ہے۔ اور اسی خیال سے ہم نے بھی بعض بعض مقامات اس کتاب میں ان کا نام آزاد مشرب رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسے بعض رند ولوند شراب پی کر یا ایک پیالہ بھنگ کا چڑھا کر یا چرس وغیرہ منشی چیزوں کا دم لگا کر ہر یک قسم کی شرم وحیا وحفظ مراتب و پابندی ۲۸۶ سے بلکہ خدا سے بھی آزاد بن بیٹھے ہیں اور جس قسم کا دل میں بخار اٹھتا ہے بول اٹھتے ہیں اور جو چاہتے ہیں بک پڑتے ہیں۔ انہیں کے مطابق بعض برہموں صاحبوں نے ہم پر ثابت کر دیا ہے کہ حقیقت میں وہ ویسے ہی آزاد ہیں اور درحقیقت انہوں نے بے قید اور آزاد ہو کر اس دنیا کا آرام تو خاطر خواہ حاصل کر لیا کہ سب حلال وحرام اپنی زبان پر ہی آ گیا۔ اور دینی احکام کی کنجی اپنے ہی ہاتھ میں ہو گئی۔ اب نفس امارہ کے مشورہ سے جس دروازہ کو چاہیں کھول دیں اور جس کو چاہیں بند کر دیں۔ آپ ہی کرم دھرم کے بانی جو ہوئے۔ لیکن ان آزادیوں کا مزہ اس دن چکھیں گے جس دن خدائے تعالیٰ کے حضور میں اپنی بے ایمانوں کا جواب دینا پڑے گا۔

اسی وہم کا ضمیمہ برہمو سماج والوں کا ایک اور مقولہ ہے کہ گویا انہوں نے اپنے اسی قامت ناساز کو ایک دوسرے لباس میں ظاہر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ الہام کا تابع ہونا ایک حرکت خلاف وضع استقامت اور مبائن طریق فطرت ہے۔ کیونکہ ہر یک امر کی حقیقت پر مطلع ہونے کے لئے صاف اور سیدھا راستہ کہ جس کو ہر یک انسان کا نفس ناطقہ بمقتضائے اپنی فطرت کے چاہتا ہے یہی ہے کہ عقلی دلائل سے اس حقیقت کو کھولا جائے۔ جیسے مثلاً فعل سرقہ کے قبیح ہونے کے لئے حقیقی وجہ جس پر روحانی اطمینان موقوف ہے یہی ہے کہ وہ ایک ظلم اور تعدی ہے کہ عند العقل نامناسب اور ناجائز ہے۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ جو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 2:

ادویہ پیدا کی ہیں اور عمدہ عمدہ چیزیں جیسے تریاق وغیرہ انواع اقسام کے آلام اس کام کے لئے دنیا میں موجود کی ہیں اور ان ادویہ میں ابتدا سے یہ خاصیت رکھی ہے کہ جب کوئی بیمار بشرطیکہ اس کی بیماری درجہ شفایابی سے تجاوز نہ کر گئی ہو ان دواؤں کو برعایت پرہیز وغیرہ شرائط استعمال کرتا ہے تو اس حکیم مطلق کی اسی پر عادت جاری ہے کہ اس بیمار کو حسب استعداد اور قابلیت کسی قدر صحت اور تندرستی سے حصہ بخشتا ہے یا بکلی شفا عنایت کرتا ہے۔ اسی طرح خداوند کریم نے نفوس طیبہ ان ۳۰۶ مقربین میں بھی روز ازل سے یہ خاصیت ڈال رکھی ہے کہ ان کی توجہ اور دعا اور صحبت اور عقد ہمت بشرط قابلیت امراض روحانی کی دعا ہے اور ان کے نفوس حضرت احدیت سے بذریعہ مکالمات ومخاطبات ومکاشفات انواع اقسام کے فیض پاتے رہتے ہیں اور پھر وہ تمام فیوض خلق اللہ کی ہدایت کے لئے ایک عظیم الشان اثر دکھلاتے ہیں۔ غرض اہل اللہ کا وجود خلق اللہ کے لیے ایک رحمت ہوتا ہے اور جس طرح اس جائے اسباب میں قانون قدرت حضرت احدیت کا یہی ہے کہ جو شخص پانی پیتا ہے وہی پیاس کی درد سے نجات پاتا ہے اور جو شخص روٹی کھاتا ہے وہی بھوک کے دکھ سے خلاصی حاصل کرتا ہے اسی طرح عادت الٰہیہ جاری ہے کہ امراض روحانی دور کرنے کے لئے انبیا اور ان کے کامل تابعین کو ذریعہ اور وسیلہ ٹھہرا رکھا ہے انہیں کی صحبت میں دل تسلی پکڑتے ہیں اور بشریت کی آلائشیں روبہ کمی ہوتی ہیں اور نفسانی ظلمتیں اٹھتی ہیں اور محبت الٰہی کا شوق جوش مارتا ہے اور آسمانی برکات اپنا جلوہ دکھاتی ہیں اور بغیر ان کے ہرگز یہ باتیں حاصل نہیں ہوتیں۔ پس یہی باتیں ان کی شناخت کی علامات خاصہ ہیں۔ فتدبر ولا تغفل

ہونا ضروری ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر یک عاقل کی نظر میں یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ جب ١٩٨
چند متکلمین انشا پرداز اپنی اپنی علمی طاقت کے زور سے ایک ایسا مضمون لکھنا چاہیں کہ جو فضول اور
کذب اور حشو اور لغو اور ہزل اور ہر یک مہمل بیانی اور ژولیدہ زبانی اور دوسرے تمام امور مخل حکمت ١٩٩
و بلاغت اور آفات منافی کمالیت و جامعیت سے بکلّی منزہ اور پاک ہو۔ اور سراسر حق اور حکمت اور
فصاحت اور بلاغت اور حقائق اور معارف سے بھرا ہوا ہو تو ایسے مضمون کے لکھنے میں وہی شخص سب ٢٠٠
سے اول درجہ پر رہے گا کہ جو علمی طاقتوں اور وسعت معلومات اور عام واقفیت اور ملکہ علوم دقیقہ میں
سب سے اعلیٰ اور مشق اور ورزشِ املاء و انشاء میں سب سے زیادہ تر فرسودہ روزگار ہو اور ہرگز ممکن نہ ٢٠١
ہوگا کہ جو شخص اس سے استعداد میں، علم میں، لیاقت میں، ملکہ میں، ذہن میں، عقل میں کہیں فروتر اور
متنزل ہے وہ اپنی تحریر میں من حیث الکمالات اس سے برابر ہو جائے۔ مثلاً ایک طبیب حاذق جو علم ٢٠٢

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کسی الہامی کتاب نے اس کا مرتکب ہونا گناہ لکھا ہے۔ یا مثلاً سم الفار جو ایک زہر ہے۔ اس کے کھانے کی ممانعت حقیقی طور پر اسی بنا پر ہو سکتی ہے کہ وہ قاتل اور مہلک ہے۔ نہ اس بنا پر کہ خدا کے کلام میں اس کے اکل و شرب سے نہی وارد ہے۔ پس ثابت ہے کہ واقعی اور حقیقی سچائی کی رہنما صرف عقل ہے نہ الہام۔ لیکن ان حضرات کو ابھی تک یہ خبر بھی نہیں کہ اس وہم کا تو اسی وقت قلع قمع ہو گیا کہ جب مضبوط اور قوی دلائل سے ان کی عقل کا خام اور ناتمام ہونا بہ پایہ ثبوت پہنچ گیا۔ کیا یہ عقلمندی ہے کہ جس وسوسہ کو دلائل قویہ کے پرزور لشکر نے پیس ڈالا ہے۔ اسی مردہ خیال کو بے شرم آدمی کی طرح بار بار پیش کیا
جائے۔ افسوس افسوس!! ارے بابا! کیا تم بارہا سن نہیں چکے کہ گو حقائق اشیاء عقلی دلائل سے کسی قدر منکشف ہوتے ہیں۔ مگر ٢٨٧
ایسا تو نہیں کہ تمام مراتب یقین کا استکمال عقل ہی پر موقوف ہے۔ آپ تو اپنی ہی مثال پیش کردہ سے ملزم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ سم الفار کا قاتل اور مہلک ہونا مجرد عقل کے ذریعہ سے بہ پایہ ثبوت نہیں پہنچا۔ بلکہ یقینی طور پر یہ خاصیت اس کی تب معلوم ہوئی جب عقل نے تجربہ صحیحہ کو اپنا رفیق بنا کر سم الفار کی خاصیت مخفیہ کو مشاہدہ کر لیا ہے۔ سو ہم بھی آپ کو یہی سمجھاتے ہیں کہ جیسی سم الفار کی خاصیت یقینی طور پر دریافت کرنے کے لئے عقل کو ایک دوسرے رفیق کی حاجت ہوئی یعنی تجربہ صحیحہ کی حاجت ایسا ہی الٰہیات اور عالم معاد کے حقائق علیٰ وجہ الیقین دریافت کرنے کے لئے عقل کو الہام الٰہی کی حاجت ہے۔ اور بغیر اس رفیق کے عقل کا کام علم دین میں چل نہیں سکتا جیسے دوسرے علوم میں بغیر دوسرے رفیقوں کے عقل بے دست و پا اور ناقص اور ناتمام ہے۔ غرض عقل فی حد ذاتہٖ مستقل طور پر کسی کام کو یقینی طور پر انجام نہیں دے سکتی جب تک کوئی دوسرا رفیق اس کے ساتھ شامل نہ ہو۔ اور بغیر شمول رفیق کے ممکن نہیں کہ خطا اور غلطی سے محفوظ اور معصوم رہ سکے۔ بالخصوص علم الٰہی میں جس کے تمام اَبحاث کی کنہ اور حقیقت اس عالم کی وراء الوراء ہے اور جس کا کوئی نمونہ اس دنیا میں موجود نہیں۔ ان امور میں عقل ناقص انسانی غلطی سے تو کیا بچے گی۔ کمال معرفت کے مرتبے تک بھی نہیں پہنچا سکتی۔ اور غایت کار جو بذریعہ عقل دریافت کیا جاتا ہے اس کا مضمون صرف اسی قدر ہوتا ہے کہ قیاس کنندہ اپنے گمان میں گو وہ گمان واقعی ہو یا غیر واقعی۔

ابدان میں مہارت تامہ رکھتا ہے جس کو زمانہ دراز کی مشق کے باعث سے تشخیص امراض اور تحقیق
عوارض کی پوری پوری واقفیت حاصل ہے اور علاوہ اس کے فن سخن میں بھی یکتا ہے اور نظم اور نثر میں ۲۰۳
سرآمد روزگار ہے۔ جیسے وہ ایک مرض کے حدوث کی کیفیت اور اس کی علامات اور اسباب فصیح اور وسیع
تقریر میں بکمال صحت وحقانیت اور بہ نہایت متانت و بلاغت بیان کرسکتا ہے۔ اس کے مقابلے پر کوئی ۲۰۴
دوسرا شخص جس کو فن طبابت سے ایک ذرہ مس نہیں اور فن سخن کی نزاکتوں سے بھی ناآشنا محض ہے ممکن ۲۰۵
نہیں کہ مثل اس کے بیان کرسکے۔ یہ بات بہت ہی ظاہر اور عام فہم ہے کہ جاہل اور عاقل کی تقریر میں
ضرور کچھ نہ کچھ فرق ہوتا ہے اور جس قدر انسان کمالات علمیہ رکھتا ہے۔ وہ کمالات ضرور اس کی علمی ۲۰۶
تقریر میں اس طرح پر نظر آتے ہیں۔ جیسے ایک آئینہ صاف میں چہرہ نظر آتا ہے۔ اور حق اور حکمت
کے بیان کرنے کے وقت وہ الفاظ کہ جو اس کے مونہہ سے نکلتے ہیں۔ اس کی لیاقت علمی کا اندازہ ۲۰۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کسی امر کی ضرورت قرار دے لیتا ہے۔ مگر یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ امر جو ضروری قرار دیا گیا ہے خارجی طور پر بھی متحقق الوجود ہے۔ اور اسی جہت سے علم اس کا ایک ایسی فرضی ضرورت پر مبنی ہونے کی وجہ سے جس کا خارجی طور پر اس کو کوئی پتہ نہیں ملا۔ ایک مجرد خیال بے بنیاد تصور ہوتا ہے اور یقین کامل کے درجہ سے اس کو بکلی یاس اور بے نصیبی حاصل ہوتی ہے۔ اور ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ محض فرضی ضرورتوں اور مجرد خیالات کی تودہ بندی سے یقین کامل کا مرتبہ عقل کو حاصل ہوجائے۔ بلکہ اس کامل یقین کے حاصل کرنے کے لئے تمام معاملات دنیا اور دین کے ایک ہی اصول محکم پر چلتے
ہیں یعنی ہر یک امر خواہ دینی ہو خواہ دنیوی اسی حالت میں کامل یقین کے مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے کہ جب علم حقائق اشیاء کا ۲۸۸
صرف قیاسی وجوہ میں محدود نہ رہے۔ اور وجہ ثبوت وجود کسی چیز کی فقط اتنی ہی اپنے ہاتھ میں نہ ہو کہ قیاس اس کے وجود کو چاہتا ہے۔ بلکہ کسی طور سے اس کے واقعہ فی الخارج ہونے کا بھی پتہ مل جائے تا عجوزہ عقل صرف خیالات کے ورطہ میں ڈوبی نہ رہے اور جس امر کا موجود ہونا خیالی طور پر اس نے فرض کرلیا ہے اس امر کے وجود پر بطور واقعی مطلع بھی ہوجائے۔ اور جبکہ استکمال یقین کا علم واقعہ پر موقوف ہوا اور ظاہر ہے کہ واقعات خارجیہ کی خبر دینا عقل کا کام اور منصب نہیں بلکہ یہ مؤرخوں اور واقعہ نگاروں اور تجربہ کاروں کا منصب ہے جنہوں نے بچشم خود ان واقعات کو دیکھا ہو یا ان حالات کو کسی دیکھنے والے کی زبان سے سنا ہو۔ پس اس صورت میں عقل ناقص انسان کے لئے واقعہ نگاروں اور مؤرخوں اور آزمودہ کاروں کی ضرورت پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ گو کسی امر میں لاکھ موشگافی کرو۔ مگر جو کچھ وقعت اور شان اس کی تجربہ یا تاریخ کے شمول سے کھلتی ہے۔ وہ بات مجرد قیاس سے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی اور جس جگہ کسی شہادت رویت کی حاجت پڑتی ہے اس جگہ قیاسی اٹکلیں کام نہیں دے سکتیں اور فقط قیاسی تیر چلانے والا اور صرف مونہہ سے باتیں بنانے والا ایک مؤرخ واقف حالات یا صاحب تجربہ اور آزمائش کا قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ہوسکتا تو پھر مؤرخوں اور واقعہ نگاروں اور تجربہ کاروں کی کچھ ضرورت نہ رہتی اور لوگ صرف اپنے قیاسوں سے دنیا کے متفرق حالات جن کا جاننا تاریخ اور تجربہ اور واقعہ دانی پر موقوف

معلوم کرنے کیلئے ایک پیمانہ تصور کئے جاتے ہیں اور جو بات وسعت علم اور کمالِ عقل کے چشمہ سے
نکلتی ہے اور جو بات تنگ اور منقبض اور تاریک اور محدود خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ ان دونوں طور کی ٢٠٨
باتوں میں اس قدر فرق واضح ہوتا ہے کہ جیسی قوت شامہ کے آگے بشرطیکہ کسی فطرتی یا عارضی آفت
سے ماؤف نہ ہو خوشبو اور بدبو میں فرق واضح ہے۔ جہاں تک تم چاہو فکر کرلو اور جس حد تک چاہو سوچ ٢٠٩
لو کوئی خامی اس صداقت میں نہیں پاؤ گے۔ اور کسی طرف سے کوئی رخنہ نہیں دیکھو گے۔ پس جبکہ من کل
الوجوہ ثابت ہے کہ جو فرق علمی اور عقلی طاقتوں میں مخفی ہوتا ہے۔ وہ ضرور کلام میں ظاہر ہو جاتا ہے اور ٢١٠
ہرگز ممکن ہی نہیں کہ جو لوگ من حیث العقل والعلم افضل اور اعلیٰ ہیں وہ فصاحت بیانی اور رفعت معانی ٢١١
میں یکساں ہو جائیں اور کچھ مابہ الامتیاز باقی نہ رہے۔ تو اس صداقت کا ثابت ہونا اس دوسری
صداقت کے ثبوت کو مستلزم ہے کہ جو کلام خدا کا کلام ہو اس کا انسانی کلام سے اپنے ظاہری اور باطنی ٢١٢

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

ہے معلوم کر لیتے اور سارا دھندا نظام عالم کا فقط قیاسی اٹکلوں سے چلا لیتے۔ مؤرخوں اور واقعہ نگاروں اور اہل تجربہ لوگوں کی تب ہی تو حاجت پڑی کہ جب اکیلی عقل اور مجرد قیاس سے کام چل نہ سکا اور صرف قیاس کی کشتی میں بیٹھنے سے دنیا کی سب مہمات ڈوبتی نظر آئیں اور فقط عقل کے چرخ پر چڑھنے سے سارا کام اس عالم کا برباد ہوتا دکھائی دیا۔ حالانکہ دنیا کے معاملات کچھ ایسے بڑے پیچیدہ نہیں بلکہ ایسے صاف اور واضح ہیں کہ گویا ہماری آنکھ کے سامنے اور نظر کے نیچے ہیں۔ اور جو دقتیں اس نادیدہ عالم کے واقعات میں پیش آتی ہیں اور جس طرح غیر مرئی اور غیب الغیب جہان کے تصور کرنے کے وقت
٢٨٩ میں حیرتیں رونما ہوتی ہیں اور نظر اور فکر کے آگے ایک دریا ناپیدا کنار دکھلائی دیتا ہے۔ اس جگہ اس کا ہزارم حصہ بھی نہیں۔ تو اس صورت میں اگر ہم صریحاً وعمداً بے راہی اختیار نہ کریں تو بلاشبہ اس اقرار کرنے کے لئے مجبور ہیں کہ ہمیں اس عالم کے حالات اور واقعات ٹھیک ٹھیک معلوم کرنے کے لئے اور ان پر یقین کامل لانے کی غرض سے دنیا کی نسبت صدہا درجہ زیادہ مؤرخوں اور واقعہ نگاروں اور تجربہ کاروں کی حاجت ہے۔ اور جبکہ اس عالم کا مورخ اور واقعہ نگار بجز خدا کی کلام کے کوئی اور نہیں ہوسکتا اور ہمارے یقین کا جہاز بغیر وجود واقعہ نگار کے تباہ ہوا جاتا ہے اور بادِ صرصر وساوس کی ایمان کی کشتی کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالتی جاتی ہے تو اس صورت میں کون عاقل ہے کہ جو صرف عقل ناقص کی رہبری پر بھروسہ کر کے ایسے کلام کی ضرورت سے منہ پھیرے جس پر اس کی جان کی سلامتی موقوف ہے اور جس کے مضامین صرف قیاسی اٹکلوں میں محدود نہیں بلکہ وہ عقلی دلائل کے علاوہ بہ حیثیت ایک مورخ صادق عالم ثانی کے واقعات صحیحہ کی خبر بھی دیتا ہے اور چشم دید ماجرا بیان کرتا ہے۔

از وحی خدا صبح صداقت بدمیدہ　　چشمے کہ ندید آں صحف پاک چہ دیدہ
کاخ دل ما شد زہماں نافہ معطر　　وآں یار بیامد کہ ز ما بود رمیدہ
آں دیدہ کہ نورے نگرفت ست زفرقاں　　حقا کہ ہمہ عمر ز کوری نہ رہیدہ

کمالات میں برتر اور اعلیٰ اور عدیم المثال ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ خدا کے علم تام سے کسی کا علم برابر
نہیں ہوسکتا۔ اور اسی کی طرف خدا نے بھی اشارہ فرما کر کہا ہے: فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا ٢١٣
اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود: ١٤) یعنی اگر کفار اس قرآن کی نظیر پیش نہ کرسکیں اور مقابلہ کرنے سے عاجز
رہیں۔ تو تم جان لو کہ یہ کلام علم انسان سے نہیں بلکہ خدا کے علم سے نازل ہوا ہے۔ جس کے علم وسیع اور ٢١٤
تام کے مقابلہ پر علوم انسانیہ بے حقیقت اور ہیچ ہیں۔ اس آیت میں بُرْھَانِ اِنِّیْ کی طرز پر اثر کے وجود
کو مؤثر کے وجود کی دلیل ٹھہرائی ہے جس کا دوسرے لفظوں میں خلاصہ مطلب یہ ہے کہ علم الٰہی بوجہ اپنی ٢١٥
کمالیت اور جامعیت کے ہرگز انسان کے ناقص علم سے متشابہ نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ضرور ہے کہ جو کلام اس
کامل اور بے مثل علم سے نکلا ہے۔ وہ بھی کامل اور بے مثل ہی ہو۔ اور انسانی کلاموں سے بکلی امتیاز ٢١٦
رکھتا ہو۔ سو یہی کمالیت قرآن شریف میں ثابت ہے۔ غرض خدا کے کلام کا انسان کے کلام سے ایسا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

آں دل کہ جز از وے گل وگلزار خدا جست　　سو گند تواں خورد کہ بویش نشمیدہ
با خورندہم نسبت آں نور کہ بینم　　صد خور کہ بہ پیرامن او حلقہ کشیدہ
بے دولت و بدبخت کسلینکہ ازاں نور　　سر تافتہ از نخوت و پیوند بریدہ

ہاں سچ بات ہے کہ عقل بھی بے سود اور بے فائدہ نہیں اور ہم نے کب کہا ہے کہ بے فائدہ ہے۔ مگر اس بدیہی صداقت کے ماننے سے ہم کس طرف بھاگ سکتے ہیں کہ مجرد عقل اور قیاس کے ذریعہ سے ہمیں وہ کامل یقین کا سرمایہ حاصل نہیں ہوسکتا کہ جو عقل اور الہام کے اشتمال سے حاصل ہوتا ہے۔ اور نہ لغزشوں اور غلطیوں اور خطاؤں اور گمراہیوں اور خود پسندیوں اور خود بینیوں سے بچ سکتے ہیں اور نہ ہمارے خود تراشیدہ خیالات خدا کے پرزور اور پرجلال اور پررعب حکم کی طرح جذبات نفسانی پر غالب آسکتے ہیں اور نہ ہمارے طبع زاد تصورات اور خشک تخیلات اور بے اصل توہمات ہم کو وہ سرور اور خوشی اور تسلی اور تشفی پہنچا سکتے ہیں کہ جو محبوب حقیقی کا دلآویز کلام پہنچاتا ہے۔ تو پھر کیا ہم ایک اکیلی عقل کے پیرو ہو کر ان تمام
نقصانوں اور زیانوں اور بدبختیوں اور بدنصیبیوں کو اپنے لئے قبول کرلیں اور ہزار ہا بلاؤں کا اپنے نفس پر دروازہ کھول ٢٩٠
دیں۔ عاقل انسان کسی طرح اس مہمل بات کو باور نہیں کرسکتا کہ جس نے کامل معرفت کی پیاس لگادی ہے اس نے پوری معرفت کا لبالب پیالہ دینے سے دریغ کیا ہے۔ اور جس نے آپ ہی دلوں کو اپنی طرف کھینچا ہے اس نے حقیقی عرفان کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ اور خداشناسی کے تمام مراتب کو صرف فرضی ضرورت پر خیال دوڑانے میں محدود کردیا ہے۔ کیا خدا نے انسان کو ایسا ہی بدبخت اور بے نصیب پیدا کیا ہے کہ جس کامل تسلی کو خداشناسی کی راہ میں اس کی روح چاہتی ہے اور دل تڑپتا ہے اور جس کے حصول کا جوش اس کی جان وجگر میں بھرا ہوا ہے۔ اس کے حصول سے اس دنیا میں اس کو بکلی یاس اور ناامیدی ہے۔ کیا تم ہزار ہا لوگوں میں سے کوئی بھی ایسی روح نہیں کہ اس بات کو سمجھے کہ جو معرفت کے دروازے صرف خدا کے کھولنے سے کھلتے ہیں وہ انسانی قوتوں سے کھل نہیں سکتے۔ اور جو خدا کا آپ کہنا ہے کہ میں موجود ہوں اس سے

فرق بیّن چاہیے۔ جیسا خدا اور انسان کے علم اور عقل اور قدرت میں فرق ہے۔ جس حالت میں افراد ۲۱۷
انسانی نوع واحد میں داخل ہو کر پھر بھی بوجہ تفاوت علم اور عقل اور تجربہ اور مشق کے متفاوت البیان ۲۱۸
پائی جاتی ہیں اور وسیع العلم اور قوی العقل کے فکر رسا تک محدود العلم اور ضعیف العقل ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔
تو پھر خدا جو شرکت نوعی سے بکلی پاک اور بلاشبہ مستجمع کمالات تامہ اور اپنی جمیع صفات میں واحد لا ۲۱۹
شریک ہے۔ اس سے مساوات کسی ذرہ امکان کی کیونکر جائز ہو اور کیونکر کوئی مخلوق ہو کر خالق کے علوم
غیر متناہیہ سے اپنے ہیچ اور ناچیز علم کو برابر کر سکے۔ کیا اس صداقت کے ثابت ہونے میں ابھی کچھ کسر ۲۲۰
رہ گئی ہے کہ کلام کی تمام ظاہری باطنی شوکت وعظمت علمی طاقتوں اور عملی قدرتوں کے تابع ہے۔ کیا کوئی
ایسا انسان بھی ہے جس نے اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے کسی جزئی میں اس سچائی کو دیکھ نہیں لیا؟ پس ۲۲۱
جبکہ یہ صداقت اس قدر قوی اور مستحکم اور شائع اور متعارف ہے کہ کسی درجہ کی عقل اس کے سمجھنے سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

انسانوں کے صرف قیاسی خیالات برابر نہیں ہو سکتے۔ بلاشبہ خدا کا اپنے وجود کی نسبت خبر دینا ایسا ہے کہ گویا خدا کو دکھلا دیتا ہے مگر صرف قیاساً انسان کا کہنا ایسا نہیں ہے اور جبکہ خدا کے کلام سے کہ جو اس کے وجود خاص پر دلالت کرتا ہے ہمارے عقلی خیالات کسی طرح برابر نہیں ہو سکتے تو پھر تکمیل یقین کے لئے کیوں اس کے کلام کی حاجت نہیں۔ کیا اس صریح تفاوت کو دیکھنا تمہارے دل کو ذرا بھی بیدار نہیں کرتا؟ کیا ہمارے کلام میں کوئی بھی ایسی بات نہیں کہ جو تمہارے دل پر مؤثر ہو؟ اے لوگو اس بات کے سمجھنے میں کچھ بھی دقت نہیں کہ عقل انسانی مغیبات کے جاننے کا آلہ نہیں ہو سکتی اور کون تم میں سے اس بات کا منکر ہو سکتا ہے کہ جو کچھ بعد فوت کے پیش آنے والا ہے وہ سب مغیبات میں ہی داخل ہے۔ مثلاً تم سوچو کہ کسی کو واقعی طور پر کیا خبر ہے کہ موت کے وقت کیونکر انسان کی جان نکلتی ہے اور کہاں جاتی ہے اور کون ہمراہ لے جاتا ہے اور کس مقام میں ٹھہرائی جاتی ہے اور پھر کیا کیا معاملہ اس پر گزرتا ہے۔ ان سب باتوں میں عقل انسانی کیونکر قطعی فیصلہ کر سکے۔ قطعی طور پر تو انسان تب فیصلہ کر سکتا ہے کہ جب ایک دو مرتبہ پہلے مر چکا ہوتا اور وہ راہیں اسے معلوم ہوتیں جن راہوں سے خدا تک پہنچتا
تھا اور وہ مقامات اسے یاد ہوتے جن میں ایک عرصہ تک اس کی سکونت رہی تھی مگر اب تو نری اٹکلیں ہیں گو ہزار احتمال نکالو، ۲۹۱
موقعہ پر جا کر تو کسی عاقل نے نہ دیکھا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایسے بے بنیاد خیالات سے آپ ہی تسلی پکڑنا ایک طفل تسلی ہے حقیقی تسلی نہیں ہے۔ اگر تم محققانہ نگاہوں سے دیکھو تو آپ ہی شہادت دو کہ انسان کی عقل اور اس کا کانشنس ان سب امور کو علی وجہ الیقین ہرگز دریافت نہیں کر سکتا اور صحیفہ قدرت کا کوئی صفحہ ان امور پر یقینی دلالت نہیں کرتا۔ دور دراز کی باتیں تو یک طرف رہیں۔ اول قدم میں ہی عقل کو حیرانی ہے کہ روح کیا چیز ہے اور کیونکر داخل ہوتی اور کیونکر نکلتی ہے۔ ظاہراً تو کچھ نکلتا نظر نہیں آتا اور نہ داخل ہوتا نظر آتا ہے اور اگر کسی جاندار کو وقت نزع جان کے کسی شیشہ میں بھی بند کر و تب بھی کوئی چیز نکلتی نظر نہیں آتی اور اگر بند شیشہ کے اندر کسی مادہ میں کیڑے پڑ جائیں تو ان روحوں کے داخل ہونے کا بھی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتا۔ انڈے میں اس سے بھی زیادہ تعجب ہے کس راہ سے روح پرواز کر کے آتی ہے اور اگر بچہ اندر ہی

قاصر نہیں تو اس صورت میں نہایت درجہ کا نادان وہ شخص ہے کہ جو افراد ناقصہ انسانی میں تو اس ۲۲۲
صداقت کو مانتا ہے مگر اس ذات کامل کے کلام مقدس میں جس کا اپنے علوم تامہ میں یکتا اور بے نظیر ہونا
سب کے نزدیک مسلم ہے۔ صداقت مذکورہ کے ماننے سے مونہہ پھیرتا ہے۔ بعض اسلام کے مخالف یہ ۲۲۳
حجت پیش کرتے ہیں کہ اگرچہ عقلی طور پر یہی واجب معلوم ہوتا ہے کہ کلام خدا بے مثل چاہیے۔ لیکن ۲۲۴
ایسا کلام کہاں ہے جس کا بے مثل ہونا کسی صریح دلیل سے ثابت ہو۔ اگر قرآن بے نظیر ہے تو اس کی
بے نظیری کسی واضح دلیل سے ثابت کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس کی بے مثل بلاغت پر صرف وہی شخص مطلع ۲۲۵
ہوسکتا ہے جس کی اصل زبانی عربی ہو۔ اور لوگوں پر اس کی بے نظیری حجت نہیں ہوسکتی اور نہ وہ اس
سے منتفع ہو سکتے ہیں۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

مرجائے تو کس راہ سے نکل جاتی ہے۔ کیا کوئی عاقل اس معمہ کو صرف اپنی ہی عقل کے زور سے کھول سکتا ہے۔ وہم جتنے چاہو دوڑاؤ مگر مجرد عقل کے ذریعہ سے کوئی واقعی اور یقینی بات تو معلوم نہیں ہوتی۔ پھر جبکہ پہلے ہی قدم میں یہ حال ہے تو پھر یہ ناقص عقل امور معاد میں قطعی طور کیا دریافت کرلے گی؟ کیا آپ لوگوں میں اس بات کا سمجھنے والا کوئی نہیں رہا؟ کیا تمہاری اس مصیبت زدہ حالت پر تمہیں آپ ہی رحم نہیں آتا؟ جس حالت میں جیفۂ دنیا کے پیچھے تمہارے پیٹ میں اتنی کھلبلی پڑی ہوئی ہے کہ اس کے حصول کے جوش میں ہزار ہا کوس کا سفر خشکی وتری میں کرتے ہو تو کیا عالم معاد تمہاری نظر میں کچھ چیز نہیں۔ افسوس کیوں آپ لوگوں کو سمجھ نہیں آتا کہ روح کی ہر یک بے قراری کا چارہ اور نفس امارہ کی ہر یک مرض کا علاج صرف اپنے ہی تخیلات اور تصورات سے ممکن نہیں۔ یہ ایک قدرتی قاعدہ ہے کہ جب انسان کسی جذبہ نفسانی یا آفت روحانی میں مبتلا ہو مثلاً قوت غضبیہ اشتعال میں ہو یا قوت شہویہ شعلہ زن ہو یا کسی مصیبت اور ماتم اور ہم اور غم میں گرفتار ہو یا کسی
اور تغیر نفسانی یا روحانی سے مقہور ہو تو وہ ان امراض اور اغراض کو کہ جو اس کے نفس اور روح پر غلبہ کر رہی ہیں صرف اپنے ۲۹۲
وعظ اور نصیحت سے دور نہیں کرسکتا بلکہ ان جذبات کے فرو کرنے کے لئے ایک ایسے واعظ کا محتاج ہوتا ہے کہ جو سامع کی نظر میں بارعب اور بزرگ اور اپنی بات میں سچا اور اپنے علم میں کامل اور اپنے عہدوں میں وفادار ہوا اور باایں ہمہ ان امور کے پورا کرنے پر قادر بھی ہو جن سے سامع کے دل میں خوف یا امید یا تسلی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی اور ظاہر ہے کہ اکثر اوقات انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ ایک گناہ کو حقیقت میں ایک گناہ سمجھتا ہے یا ایک امر خلاف استقامت اور صبر کو خلاف استقامت بھی جانتا ہے مگر کچھ ایسا غفلت کا پردہ یا ناگہانی غم کا صدمہ اس کے دل پر آ پڑتا ہے کہ وہ پردہ تب ہی اٹھتا ہے کہ جب دوسرا شخص جس کی عظمت اور بزرگی اور صداقت اس کے دل میں متمکن ہے اس کو سمجھاتا ہے اور ترغیب یا ترہیب یا تسلی وتشفی یعنی جیسا کہ موقعہ ہو اس کو دیتا ہے اور اس کا کلام اثر میں کچھ ایسا عجیب ہوتا ہے کہ گو وہ انہیں دلائل کو پیش کرے کہ جو سامع کو معلوم ہیں مگر وہ پاشکستہ کو کمر بستہ اور سست کو چست اور ضعیف کو قوی اور مضطرب کو تسلی یافتہ

اما الجواب ۔ واضح ہو کہ یہ عذر خام انہیں لوگوں کا ہے جنہوں نے دلی صدق سے کبھی اس ۲۲۶
طرف توجہ نہیں کی کہ قرآن کی بےنظیری کو کسی صاحب علم سے معلوم کریں ۔ بلکہ فرقانی نوروں کو دیکھ کر
دوسری طرف مونہہ پھیر لیتے ہیں تا ایسا نہ ہو کہ کسی قدر پرتو اس نور کا ان پر پڑ جائے ۔ ورنہ قرآن ۲۲۷
شریف کی بےنظیری حق کے طالبوں کیلئے ایسی ظاہر اور روشن ہے کہ جو آفتاب کی طرح اپنی شعاعوں کو ۲۲۸
ہر طرف پھیلا رہی ہے جس کے سمجھنے اور جاننے کیلئے کوئی دقت اور اشتباہ نہیں ۔ اور اگر تعصب اور عناد
کی تاریکی درمیان میں نہ ہو ۔ تو وہ کامل روشنی ادنیٰ التفات سے معلوم ہو سکتی ہے ۔ یہ سچ ہے کہ فرقان ۲۲۹
مجید کی بےنظیری کی بعض وجوہ ایسی ہیں کہ ان کے جاننے کے لئے کسی قدر علم عربی درکار ہے ۔ مگر یہ
بڑی غلطی اور جہالت ہے کہ ایسا خیال کیا جائے کہ اعجاز قرآن کی تمام وجوہ عربی پر ہی موقوف ہیں یا ۲۳۰
تمام عجائبات قرآنیہ اور جمیع خواص عظمیٰ فرقانیہ صرف عربوں پر ہی کھل سکتے ہیں اور دوسروں کے لئے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کر دیتا ہے اور یہ سب امور ایسے ہیں جن میں دانا انسان آپ اقراری ہوتا ہے کہ وہ اپنے مغلوب النفس یا بےقرار ہونے کی حالتوں میں ان کا محتاج ہے بلکہ جن کی روحیں نہایت لطیف اور طالب حق اور جن کے دل گناہوں کی کدورت اور کثافت سے جلد تر بیزار ہو جاتے ہیں ۔ وہ اپنے مغلوب النفس ہونے کی حالتوں میں خود بیمار کی طرح اس علاج کے مستدعی ہوتے ہیں تا کسی مرد خدا کی زبان سے کلمہ ترغیب یا ترہیب یا کلمات تسلی و تشفی سن کر اپنے اندرونی انقباض سے شفا پاویں ۔ غرض بلاشبہ انسان کی فطرت میں یہ خاصیت ہے کہ گو وہ کیسا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو مگر حوادث اور جذبات نفسانی کے وقت جیسا دوسروں کی باتوں سے متاثر ہوتا ہے صرف اپنی باتوں سے ہرگز نہیں ۔ مثلاً جس پر کوئی حادثہ پڑتا ہے یا کوئی ماتم وقوع میں آ جاتا ہے وہ فی نفسہ اس بات سے کچھ بےخبر نہیں ہوتا کہ دنیا خوشی اور امن کی جگہ نہیں نہ ہمیشہ رہنے کا مقام ہے لیکن صدمہ کے وقت اس عاجز انسان پر قلق اور بےقراری غلبہ کر جاتی ہے اور دل ہاتھ سے نکلتا جاتا ہے ۔ ایسے وقت میں اگر کوئی ایسا شخص کہ جو اس کی نظر میں نہایت مقدس و کامل و بزرگوار ہے اُسے سمجھا جاتا ہے کہ صبر کرو ۔ صابروں کے جناب الٰہی میں
بڑے بڑے اجر ہیں اور یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ۔ سو اگرچہ یہ بات اس کو پہلے بھی معلوم ہی تھی پر اس کے مونہہ سے سن ۲۹۳
کر ایک عجیب طرح کا اثر ہوتا ہے کہ جو گرتے ہوئے کو تھام لیتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ ہر وقت اور ہر محل میں اپنے ہی خود تراشیدہ خیالات اپنے دل پر اثر ڈال نہیں سکتے بلکہ بسا اوقات جذبات نفسانی یا آلام روحانی سے ایسی عقل دب جاتی ہے کہ انسان میں سوچنے اور سمجھنے کی قوت ہی نہیں رہتی اور اس وقت وہ خود اپنے تئیں اس حالت میں پاتا ہے کہ اس کے لئے کسی دوسرے کی طرف سے ترغیب یا ترہیب یا تسلی تشفی کی باتیں صادر ہوں ۔ پس ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے دانا انسان اس نتیجہ تک پہونچ سکتا ہے کہ خدا نے جو اس کی فطرت کو ایسا بنایا ہے یہی وضع فطرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس حکیم مطلق نے انسان ضعیف البنیان کو اپنی ہی رائے اور قیاس پر چھوڑنا نہیں چاہا بلکہ جس طور کے واعظوں اور متکلموں سے اس کی تسلی اور تشفی ہو سکتی ہے اور اس کے جذبات نفسانی دب سکتے ہیں اور اس کی روحانی بےقراریاں دور ہو سکتی ہیں وہ سب متکلم اس

تمام راہیں ان کے دریافت کرنے کی مسدود ہیں ۔ ہرگز نہیں ۔ ہرگز نہیں ۔ یہ بات ہر یک اہل علم پر ۲۳۱
واضح ہے کہ اکثر وجوہ بینظیری فرقان کی ایسی سہل اور سریع الفہم ہیں کہ جن کے جاننے اور معلوم کرنے ۲۳۲
کیلئے کچھ بھی لیاقت عربی درکار نہیں ۔ بلکہ اس درجہ پر بدیہی اور واضح ہیں کہ ادنیٰ عقل جو انسانیت
کیلئے ضروری ہے ان کے سمجھنے کیلئے کفایت کرتی ہے ۔ مثلاً ایک یہ وجہ بےنظیری کہ وہ باوجود اس قدر ۲۳۳
ایجاز کلام کے کہ اگر اس کو متوسط قلم سے لکھیں تو پانچ چار جز میں آ سکتا ہے ۔ پھر تمام دینی صداقتوں پر
کہ جو بطور متفرق پہلی کتابوں میں اور انبیاء سلف کے صحیفوں میں پراگندہ اور منتشر تھیں مشتمل ہے ۔ اور ۲۳۴
نیز اس میں یہ کمال ہے کہ جس قدر انسان محنت اور کوشش اور جانفشانی کر کے علم دین کے متعلق اپنے فکر
اور ادراک سے کچھ صداقتیں نکالے یا کوئی باریک دقیقہ پیدا کرے یا اسی علم کے متعلق کسی قسم کے ۲۳۵
اور حقائق اور معارف یا کسی نوع کے دلائل اور براہین اپنی قوت عقلیہ سے پیدا کر کے دکھلاوے یا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کے لئے پیدا کئے ہیں اور جس کلام سے اس کی امراض و اعراض دور ہوسکتی ہیں وہ کلام اس کے لئے مہیا کیا ہے یہ ثبوت ضرورت الہام کا کسی اور طرز سے نہیں بلکہ خدا کا ہی قانون قدرت اسے ثابت کرتا ہے ۔ کیا یہ سچ نہیں کہ دنیا میں کروڑہا آدمی کہ جو مصیبت میں، معصیت میں، غفلت میں گرفتار ہوتے ہیں ہمیشہ وہ دوسرے واعظ اور ناصح سے متاثر ہوا کرتے ہیں اور ہر جگہ اپنی ہی علم اور اپنے ہی خیالات ہرگز کافی نہیں ہوتے اور ساتھ ہی یہ بات بھی ہے کہ جس قدر متکلم کی ذاتی عظمت اور وقعت سامع کی نظر میں ثابت ہو اسی قدر اس کا کلام تسلی اور تشفی بخشتا ہے ۔ اسی شخص کا وعدہ موجب تسکین خاطر ہوتا ہے کہ جو سامع کی نظر میں صادق الوعد اور ایفاء وعدہ پر قادر بھی ہو ۔ اس صورت میں کون اس بدیہی بات میں کلام کرسکتا ہے کہ امور معاد اور ماوراء المحسوسات میں اعلیٰ مرتبہ تسلی اور تشفی اور تسکین خاطر کا کہ جو جذبات نفسانی اور آلام روحانی کو دور کرنے والا ہو صرف خدا کے کلام سے حاصل ہوسکتا ہے اور قانون قدرت پر نظر ڈالنے سے اس سے عمدہ تر موجب تسلی و تشفی کا اور کوئی امر قرار نہیں پاسکتا ۔ جب کوئی آدمی خدا کے کلام پر پورا پورا ایمان لاتا ہے اور کوئی اعراض صوری یا معنوی درمیان نہیں ہوتا تو خدا کا کلام اس کو بڑے بڑے گردابوں میں سے بچا لیتا ہے اور سخت سخت جذبات نفسانی کا مقابلہ کرتا ہے اور بڑے
بڑے پُردہشت حادثوں میں صبر بخشتا ہے ۔ جب دانا انسان کسی مشکل یا جذبہ نفسانی کے وقت میں خدا کے کلام میں وعد اور ۲۹۴
وعید پاتا ہے یا کوئی دوسرا اسے سمجھاتا ہے کہ خدا نے ایسا فرمایا ہے تو ا یکبارگی اس سے ایسا متاثر ہو جاتا ہے کہ توبہ پر توبہ کرتا ہے ۔ انسان کو خدا کی طرف سے تسلی پانے کی بڑی بڑی حاجتیں پڑتی ہیں ۔ بسا اوقات وہ ایسی سخت مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ اگر خدا کا کلام آیا نہ ہوتا اور اس کو اپنی اس بشارت سے مطلع نہ کرتا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (البقرہ: ۱۵۵ تا ۱۵۷) تو وہ بے حوصلہ ہو کر شاید خدا کے وجود سے ہی انکار کرتا اور یا ناامیدی کی حالت میں خدا سے بکلی رابطہ توڑ دیتا اور یا غموں کے

ایسا ہی کوئی نہایت دقیق صداقت جس کو حکمائے سابقین نے مدت دراز کی محنت اور جانفشانی سے نکالا ۲۳۶
ہو معرض مقابلہ میں لاوے ۔ یا جس مقدر مفاسد باطنی اور امراض روحانی ہیں جن میں اکثر افراد مبتلا ۲۳۷
ہوتے ہیں ۔ ان میں سے کسی کا ذکر یا علاج قرآن شریف سے دریافت کرنا چاہے تو وہ جس طور سے
اور جس باب میں آزمائش کرنا چاہتا ہے آزما کر دیکھ لے کہ ہر یک دینی صداقت اور حکمت کے بیان ۲۳۸
میں قرآن شریف ایک دائرہ کی طرح محیط ہے جس سے کوئی صداقت دینی باہر نہیں ۔ بلکہ جن صداقتوں
کو حکیموں نے بباعث نقصان علم و عقل غلط طور پر بیان کیا ہے ۔ قرآن شریف ان کی تکمیل و اصلاح ۲۳۹
فرماتا ہے اور جن دقائق کا بیان کرنا کسی حکیم و فلاسفر کو میسر نہیں آیا ۔ اور کوئی ذہن ان کی طرف سبقت
نہیں لے گیا ان کو قرآن شریف بکمال صحت و راستی بیان اور ظاہر فرماتا ہے اور ان دقائق علم الٰہی کو کہ ۲۴۰
جو صدہا دفتروں اور طویل کتابوں میں لکھے گئے تھے اور پھر بھی ناقص اور ناتمام تھے ۔ باستیفا تمام لکھتا

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

صدمہ سے ہلاک ہوجاتا ۔ اسی طرح جذبات نفسانی ایسے ہیں کہ جن کی کسرِ ثوران کے لئے خدا کے کلام کی ضرورت تھی اور قدم قدم میں انسان کو وہ امور پیش آتے ہیں جن کا تدارک صرف خدا کا کلام کرسکتا ہے جب انسان خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو صدہا موانع اس کو اس توجہ سے روکتے ہیں کبھی اس دنیا کی لذت یاد ہوتی ہے کبھی ہم مشربوں کی صحبت دامن کھینچتی ہے، کبھی اس راہ کی تکالیف ڈراتی ہیں، کبھی قدیمی عادات اور ملکات راسخہ سنگ راہ ہوجاتی ہیں، کبھی ننگ، کبھی نام، کبھی ریاست، کبھی حکومت اس راہ سے روکنا چاہتی ہے اور کبھی یہ سارے ایک لشکر کی طرح ایک جگہ فراہم ہوکر اپنی طرف کھینچتے ہیں اور اپنے فوائد نقد کی خوبیاں پیش کرتے ہیں ۔ پس ان کے اتفاق اور اژدہام میں ایک ایسا زور پیدا ہوجاتا ہے کہ خیالات خود تراشیدہ ان کی مدافعت نہیں کرسکتے بلکہ ایک دم بھی ان کے مقابلہ پر ٹھہر نہیں سکتے ۔ ایسے جنگ کے موقعہ میں خدا کے کلام کی پرزور بندوقتیں درکار ہیں کہ تا مخالف کی صف کو ایک ہی فیر میں اڑا دیں ۔ کیا کوئی کام یکطرفہ بھی ہوسکتا ہے ۔ پس یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا ایک پتھر کی طرح ہمیشہ خاموش رہے اور بندہ وفاداری میں صدق میں صبر میں خود بخود بڑھتا جائے
اور صرف یہی ایک خیال کہ آسمان اور زمین کا البتہ کوئی خالق ہوگا اس کو ہمیشہ کی قوت دے کر عشق کے میدانوں میں آگے ۲۹۵
سے آگے کھینچتا چلا جائے ۔ خیالی باتیں واقعی باتوں کی ہرگز قائم مقام نہیں ہوسکتیں اور نہ کبھی ہوئیں ۔ مثلاً ایک مفلس قرضدار نے کسی راست باز دولت مند سے وعدہ پایا ہے کہ عین وقت پر میں تیرا کل قرضہ ادا کردوں گا اور دوسرا ایک اور مفلس قرضدار ہے اس کو کسی نے اپنی زبان سے وعدہ نہیں دیا وہ اپنے ہی خیالات دوڑاتا ہے کہ شاید مجھ کو بھی وقت پر روپیہ مل جائے ۔ کیا تسلی پانے میں یہ دونوں برابر سکتے ہیں ۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ۔ یہ سب قوانین قدرت ہی ہیں ۔ قوانین قدرت سے کون سی حقانی صداقت باہر ہے ۔ پر افسوس ان لوگوں پر کہ جو قوانین قدرت کی پابندی کا دعویٰ کرتے کرتے پھر انہیں توڑ کر دوسری طرف بھاگ گئے اور جو کچھ کہا تھا اس کے برعکس عمل میں لائے ۔ اے برہمو سماج والو اگر تم کو دینی امور میں دلسوزی سے نظر نہیں ۔ اگر تمہیں معاد کی کچھ بھی پرواہ نہیں تو کیا ابھی تک دنیوی امور میں تم پر ثابت نہیں ہوچکا کہ عقل نے تن

ہے اور آئندہ کسی عاقل کیلئے کسی نئے دقیقہ کے پیدا کرنے کی جگہ نہیں چھوڑتا ۔ حالانکہ وہ اس قدر قلیل ۲۴۱
الحجم کتاب ہے کہ جو بہ تحریر میانہ چالیس ورق سے زیادہ نہیں ۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی وجہ
بینظیری ہے جس کی صداقت میں ایک ادنیٰ عقل کے آدمی کو بھی شک نہیں رہ سکتا ۔ کیونکہ ہر یک عقل ۲۴۲
سلیم پر روشن ہے کہ ہر یک نوع کی دینی سچائیاں اور الٰہیات کے تمام حقائق اور معارف اور اصول ۲۴۳
حقہ کے جمیع دلائل اور وسائل اور تمام اولین آخرین کا مغز ایک قلیل المقدار کتاب میں اس احاطہ تام
سے درج کرنا جس کے مقابلہ پر کسی ایسی صداقت کا نشان نہ مل سکے کہ جو اس سے باہر رہ گئی ہو ۔ یہ ۲۴۴
انسان کا کام نہیں اور کسی مخلوق کی حد قدرت میں داخل نہیں اور اس کے آزمانے کیلئے بھی ہر یک خواندہ ۲۴۵
اور ناخواندہ پر صاف اور سیدھا راستہ کھلا ہے ۔ کیونکہ اگر اس امر میں شک ہو کہ قرآن شریف کیونکر ۲۴۶
تمام حقائق الٰہیات پر حاوی ہے ۔ تو اس بات کا ہم ہی ذمہ اٹھاتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب طالب حق ۲۴۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

تنہا کوئی کام تمہاری دنیا کا کبھی سرے تک نہیں پہنچایا ۔ کیا تمہیں اس صداقت کے ماننے سے ہنوز کسی عذر کی گنجائش ہے کہ عقل کو کبھی یہ لیاقت حاصل نہیں ہوئی کہ بغیر اشتمال کسی دوسرے رفیق کے بذات خود کسی کام کو بوجہ احسن و اکمل انجام دے سکے ۔ سچ کہو کیا ابھی تک تمہیں اس بات کا امتحان نہیں ہوا کہ جو کام صرف عقل پر پڑا وہی مشتبہ، مظنون اور ناتمام رہا اور جب تک واقعات کا نقشہ بذریعہ کسی واقعہ دان کے تیار ہو کر نہ آیا تب تک تمام کام عقل اور قیاس کا ادھورا اور خام رہا ۔ تم انصاف سے کہو کیا تمہیں آج تک اس بات کی خبر نہیں کہ ہمیشہ سے عقلمند لوگوں کا یہی شعار ہے کہ وہ اپنی قیاسی وجوہ کو کبھی تجربہ سے تقویت دے لیتے ہیں اور کبھی تواریخ سے اور کبھی نقشہ جات موقعہ نما سے اور کبھی خطوط اور مراسلات سے اور کبھی اپنی ہی قوت باصرہ اور سامعہ اور شامہ اور لامسہ وغیرہ کی گواہی سے ۔ پس اب تو تم آپ ہی سوچو اور اپنے دلوں میں آپ ہی خیال
کرو اور اپنی نگاہوں میں آپ ہی جانچ لو کہ جس حالت میں دنیوی امور کے لئے کہ جو مشہود اور محسوس ہیں دوسرے رفیقوں ۲۹۶
کی حاجت پڑے تو پھر ان امور کے لئے کہ جو اس عالم سے وراء الوراء اور غیب الغیب اور اخفی من الاخفی ہیں کس قدر زیادہ حاجت ہے ۔ اور جس حالت میں مجرد عقل دنیا کے سہل اور آسان امور کے لئے بھی کافی نہیں تو پھر امور معاد کے دریافت کرنے میں کہ جو ادق اور الطف ہیں کیونکر کافی ہو سکتی ہے ۔ اور جبکہ تم معاشرت کے نائیدار اور ناچیز کاموں میں جن کا نفع نقصان ایک گزر جانے والی چیز ہے مجرد قیاس اور عقل کو قابل اطمینان نہیں سمجھتے تو پھر آپ لوگ امور معاد میں جن کے آثار دائمی اور جن کے خطرات لاعلاج ہیں فقط اسی عقل ناقص پر کیونکر بھروسہ کر کے بیٹھ رہے ہیں ۔ کیا یہ اس بات کا عمدہ ثبوت نہیں کہ آپ لوگوں نے آخرت کے فکر کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور جیفۂ دنیا بڑا لذیذ اور مزہ دار معلوم ہو رہا ہے ۔ ورنہ کیونکر باور کیا جائے کہ خدا نے اتنی بھی تمہیں سمجھ نہیں دی کہ جس حالت میں اس کریم مطلق نے دنیا کے ناپائیدار امور میں عقل انسانی کو تن تنہا نہیں چھوڑا بلکہ کئی رفیقوں سے تقویت بخشی ہے تو دار آخرت کے نازک اور دقیق مہمات میں جو باقی اور دائم ہیں اس کی رحمت عظیمہ کا ازلی اور ابدی خاصہ کیوں مفقود ہو گیا کہ اس جگہ عقل غریب اور سرگردان کو رفیق کامل کے اشتمال

بن کر یعنی اسلام قبول کرنے کا تحریری وعدہ کر کے کسی کتاب عبرانی، یونانی، لاطینی، انگریزی، سنسکرت ۲۴۸
وغیرہ سے کسی قدر دینی صداقتیں نکال کر پیش کریں یا اپنی ہی عقل کے زور سے کوئی الٰہیات ۲۴۹
کا نہایت باریک دقیقہ پیدا کر کے دکھلاویں تو ہم اس کو قرآن شریف میں سے نکال دیں گے بشرطیکہ ۲۵۰
اسی کتاب کی اثناء طبع میں ہمارے پاس بھیج دیں تا وہ اس کے کسی مقام مناسب میں بطور حاشیہ ۲۵۱
مندرج ہو کر شائع ہو جائے۔ مگر ایسے سوال کے پیش کرنے میں یہ شرط بھی بخوبی یاد رہے کہ جو ۲۵۲
صاحب محرک اس بحث کے ہوں۔ وہ اول صدق اور صفائی سے کسی اخبار میں شائع کرا دیں کہ یہ بحث ۲۵۳
محض طلب حق کی غرض سے کرتے ہیں اور اپنا پورا پورا جواب پانے سے مسلمان ہونے پر مستعد ہیں۔ ۲۵۴
کیونکہ جس کی نیت میں حق کی طلب اور دل میں خدا کا خوف نہیں اور محض خبث باطنی سے مفسدوں ۲۵۵
کی طرح بیہودہ گفتگو کرتا ہے۔ اس کی طرف متوجہ ہونا تضیع اوقات ہے۔ ایسا ہی ایک دوسری وجہ ۲۵۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

سے تقویت نہ بخشی اور ایسا مصاحب اس کو عنایت نہ کیا کہ جو اس ملک کے کلی اور جزئی امور سے ذاتی واقفیت رکھتا اور رویت کے گواہ کی طرح خبر دے سکتا تا قیاس اور تجربہ دونوں مل کر انواع اقسام کی برکتوں کا چشمہ ٹھہرتے اور طالب حق کو اس مرتبہ کمال معرفت تک پہنچا سکتے جس کے حصول کا جوش اس کی فطرت میں ڈالا گیا ہے۔ نہ معلوم آپ لوگوں کو کس نے بہکا دیا کہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ گویا عقل اور الہام میں کسی قدر باہم تناقص ہے جس کے باعث وہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ خدا تمہاری آنکھیں کھولے اور تمہارے دلوں کے پردے اٹھا دے کیا تم اس آسان بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ جس حالت میں الہام کی طفیل سے عقل اپنے کمال کو پہنچتی ہے اپنی غلطیوں پر متنبہ ہوتی ہے اپنی راہ مقصود کی سمت خاص کو دریافت کر لیتی
۲۹۷ ہے آوارہ گردی اور سرگردانی سے چھوٹ جاتی ہے اور ناحق کی محنتوں اور بیہودہ مشقتوں اور بے فائدہ جان کنی سے رہائی پاتی ہے اور اپنے مشتبہ اور مظنون علم کو یقینی اور قطعی کر لیتی ہے اور مجرد اٹکلوں سے آگے بڑھ کر واقعی وجود پر مطلع ہو جاتی ہے تسلی پکڑتی ہے آرام اور اطمینان پاتی ہے تو پھر اس صورت میں الہام اس کا محسن و مددگار اور مربی ہوا یا اس کا دشمن اور مخالف اور ضرر رسان ہوا۔ یہ کس قسم کا تعصب اور کس نوع کی نابینائی ہے کہ جو ایک بزرگ مربی کو جو صریح رہبری اور رہنمائی کا کام دے رہا ہے رہزن اور مزاحم تصور کیا جاتا ہے اور جو گڑھے سے باہر نکالتا ہے اس کو گڑھے کے اندر دھکیلنے والا سمجھ رہے ہیں۔ سارا جہان جانتا ہے اور تمام آنکھوں والے دیکھ رہے ہیں اور غور کرنے والی طبیعتیں مشاہدہ کر رہی ہیں کہ دنیا میں عقل کی خوبی اور عظمت کو ماننے والے لاکھوں ایسے ہو گزرے ہیں اور اب بھی ہیں کہ جو باوجود اس کے کہ عقل کے پیغمبر پر ایمان لائے اور عاقل کہلائے اور عقل کو عمدہ چیز اور اپنا رہبر سمجھتے تھے مگر با ایں ہمہ خدا کے وجود سے منکر ہی رہے اور منکر ہی مرے۔ لیکن ایسا آدمی کوئی ایک تو دکھلاؤ کہ جو الہام پر ایمان لا کر پھر بھی خدا کے وجود سے انکاری رہا۔ پس جس حالت میں خدا پر محکم ایمان لانے کے لئے الہام ہی شرط ہے تو ظاہر ہے کہ جس جگہ شرط مفقود ہو گی اس جگہ مشروط بھی ساتھ ہی مفقود ہو گا۔ سو اب بدیہی طور پر ثابت ہے کہ جو لوگ الہام سے منکر ہو بیٹھے ہیں انہوں نے دیدہ دانستہ بے ایمانی کی راہوں سے

۲۵۷ بےؔنظیری ہے کہ جو ہر یک طالب حق کو آسانی سے سمجھ آ سکتی ہے ۔ یعنی یہ کہ قرآن شریف باوجود
۲۵۸ اسؔ ایجاز اور اس احاطہ حق اور حکمت کے جس کا پہلی وجہ میں ذکر ہو چکا ہے ۔ عبارت میں اس قدر
۲۵۹ فصاحتؔ اور موزونیت اور لطافت اور نرمی اور آب وتاب رکھتا ہے کہ اگر کسی سرگرم نکتہ چین اور
۲۶۰ سختؔ مخالف اسلام کو کہ جو عربی کی املاء انشاء میں کامل دستگاہ رکھتا ہو ۔ حاکم بااختیار کی طرف سے
۲۶۱ یہ پُرتہدیدؔ حکم سنایا جائے کہ اگر تم مثلاً بیس برس کے عرصے میں کہ گویا ایک عمر کی میعاد ہے ۔ اس
۲۶۲ طور پرؔ قرآن کی نظیر پیش کر کے نہ دکھلاؤ کہ قرآن کے کسی مقام میں سے صرف دو چار سطر
۲۶۳ کاؔ کوئی مضمون لے کر اسی کے برابر یا اس سے بہتر کوئی نئی عبارت بنا لاؤ ۔ جس میں وہ سب
۲۶۴ مضمونؔ معہ اپنے تمام دقائق حقائق کے آ جائے اور عبارت بھی ایسی بلیغ اور فصیح ہو جیسی قرآن
۲۶۵ کیؔ تو تم کو اس عجز کی وجہ سے سزائے موت دی جاوے گی تو پھر بھی باوجود سخت عناد اور اندیشہ رسوائی

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

پیار کیا ہے اور دہریہ مذہب کے پھیلنے اور شائع ہو جانے کو روا رکھا ہے ۔ یہ نادان نہیں سوچتے کہ جو وجود غیب الغیب نہ دیکھنے میں آ سکتا ہے نہ سونگھنے میں نہ ٹٹولنے میں اگر قوت سامعہ بھی اس ذات کامل کے کلام سے محروم اور بےخبر ہو تو اس ناپیدا وجود پر کیونکر یقین آوے اور اگر مصنوعات کے ملاحظہ سے صانع کا کچھ خیال بھی دل میں آیا لیکن جب طالب حق نے مدت العمر کوشش کر کے نہ کبھی اس صانع کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہ کبھی اس کے کلام پر مطلع ہوا نہ کبھی اس کی نسبت کوئی ایسا نشان پایا
۲۹۸ کہ جو جیتے جاگتے میں ہوناؔ چاہیے تو کیا آخر اس کو یہ وسوسہ نہیں گزرے گا کہ شاید میری فکر نے ایسے صانع کے قرار دینے میں غلطی کی ہو اور شاید دہریہ اور طبعیہ ہی سچے ہوں کہ جو عالم کی بعض اجزا کو بعض کا صانع قرار دیتے ہیں اور کسی دوسرے صانع کی ضرورت نہیں سمجھتے ۔ میں جانتا ہوں کہ جب نرا عقل پرست اس باب میں اپنے خیال کو آگے سے آگے دوڑائے گا تو وسوسہ مذکورہ ضرور اس کے دل کو پکڑ لے گا کیونکہ ممکن نہیں کہ وہ خدا کے ذاتی نشان سے باوجود سخت جستجو اور تگاپو کے ناکام رہ کر پھر ایسے وساوس سے بچ جائے ۔ وجہ یہ کہ انسان میں یہ فطرتی اور طبعی عادت ہے کہ جس چیز کے وجود کو قیاسی قرائن سے واجب اور ضروری سمجھے اور پھر باوجود نہایت تلاش اور پرلے درجہ کی جستجو کے خارج میں اس چیز کا کچھ پتہ نہ لگے تو اپنے قیاس کی صحت میں اس کو شک بلکہ انکار پیدا ہو جاتا ہے اور اس قیاس کے مخالف اور منافی سینکڑوں احتمال دل میں نمودار ہو جاتے ہیں اور بارہا ہم تم ایک مخفی امر کی نسبت قیاس دوڑایا کرتے ہیں کہ یوں ہوگا یا ؤوں ہوگا، اور جب بات کھلتی ہے تو وہ اور ہی ہوتی ہے ۔ انہیں روزمرہ کے تجارب نے انسان کو یہ سبق دیا ہے کہ مجرد قیاسوں پر طمانیت کر کے بیٹھنا کمال نادانی ہے ۔ غرض جب تک قیاسی اٹکلوں کے ساتھ خبر واقعہ نہ ملے تب تک ساری نمائش عقل کی ایک سراب ہے اس سے زیادہ نہیں جس کا آخری نتیجہ دہریہ پن ہے ۔ سو اگر دہریہ بننے کا ارادہ ہے تو تمہاری خوشی ورنہ وساوس کے تند سیلاب سے کہ جو تم سے بہتر ہزارہا عقلمندوں کو اپنی ایک ہی موج سے تحت الثریٰ کی طرف لے گیا ہے صرف اسی حالت میں تم بچ سکتے ہو کہ جب عروہ وثقیٰ الہام حقیقی کو مضبوطی سے پکڑ لو ۔ ورنہ یہ تو ہرگز نہیں ہوگا کہ تم مجرد خیالات عقلیہ میں ترقی کرتے کرتے آخر خدا

۲۶۶ اور خوف موت کی نظیر بنانے پر ہرگز قادر نہیں ہوسکتا اگرچہ دنیا کے صدہا زبان دانوں اور
۲۶۷ انشا پردازوں کو اپنے مددگار بنالے ۔ یہ مثال متذکرہ بالا کوئی خیالی اور فرضی بات نہیں ہے بلکہ یہ
۲۶۸ واقعہ حقہ ہے جس کا قرآن شریف ہی کے وقت میں امتحان ہوچکا ہے اور جس کی سچائی ابتداء سے ہر
۲۶۹ یک طالب حق پر آج تک ثابت ہوتی چلی آئی ہے ۔ اور اب بھی اگر کوئی طالب حق اس معجزۂ
۲۷۰ قرآنی کو بچشم خود دیکھنا چاہتا ہے تو اس بات کا ہم ذمہ اٹھاتے ہیں کہ یہ معجزہ بھی نہایت
۲۷۱ آسانی سے اس پر ثابت کردیں گے ۔ اور اس بات کا امتحان کرنا اور حق اور باطل میں فرق معلوم
۲۷۲ کرلینا کچھ مشکل بات نہیں ۔ کوئی ایسا امر نہیں جس میں کچھ خرچ ہوتا ہے یا کسی اور قسم کا نقصان اٹھانا
۲۷۳ پڑتا ہے ۔ صرف طالب حق پر یہ لازم ہے کہ اپنی حسب مرضی قرآن شریف کے کسی مقام میں سے
۲۷۴ کوئی مضمون لے کر کسی عربی دان کو کہ جو آج کل اس ملک میں لاکھوں نظر آتے ہیں اس فہمائش سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

کو کسی جگہ بیٹھا ہوا دیکھ لوگے بلکہ تمہارے خیالات کی ترقی کا اگر کچھ انجام ہوگا تو بالآخر یہی انجام ہوگا کہ تم خدا کو بے نشان پا کر اور رزندوں کی علامات خالی دیکھ کر اور اس کے سراغ لگانے سے عاجز اور درماندہ رہ کر اپنے دہریہ بھائیوں سے ہاتھ
۲۹۹ جاملاؤ گے اور اس سے دھوکا مت کھانا کہ اگر نری عقل کا انجام دہریہ پن ہے تو اب تک برہموسماج والے کیوں کسی قدر خدا کے وجود کے اقراری ہیں اور کیوں یک لخت انکاری نہیں ہوجاتے ۔ اس کے دو باعث ہیں ایک تو یہ کہ ہنوز ان کو اپنے خیالات میں پوری پوری ترقی حاصل نہیں ہوئی اور جس وجود کو فرضی طور پر انہوں نے قرار دے لیا ہے ابھی تک اسی فرضی خیال پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور تا حال آگے قدم بڑھا کر اس جستجو میں نہیں پڑے کہ اس فرضی وجود کا خارج میں کہیں پتہ لگادیں ۔ مگر یہ بات یاد رکھو کہ جب ہی کہ وہ اپنے خیالات میں ترقی کر کے کچھ آگے قدم بڑھاویں گے تو پہلا اثر اس پیش قدمی کا یہی ہوگا کہ ان کے دلوں میں یہ کھٹکا پیدا ہوجائے گا کہ جس ذات کو ہم حی قیوم اور ہر جگہ موجود تسلیم کر رہے ہیں وہ کہاں اور کدھر اور کس طرف ہے ۔ اگر وہ واقعی طور پر بوجود خارجی موجود ہے تو پھر اس کا کیوں پتہ نہیں ملتا اور کیوں وہ تلاش کرنے والوں پر اپنی ہستی کو ظاہر نہیں کرتا ۔ اس کھٹکے کے پیدا ہونے سے یا تو وہ بالآخر الہام حقیقی پر ایمان لائیں گے اور اپنے نفس کو ورطۂ شبہات سے چھوڑا لیں گے اور اگر یہ نہیں تو پھر ذرا خیالات کی ترقی ہونے دیجئے پھر دیکھنا کہ پکے دہریہ ہیں یا نہیں ۔ انہیں کے لاکھوں بھائی کہ جو مجرد عقل کے پابند تھے جب ان کے خیالات نے ترقی کی تو آخر طبعیہ اور دہریہ ہو کر مرے ۔ یہ کچھ انوکھے عقل پرست نہیں ہیں کہ جو خیالات میں ترقی کر کے دہریہ نہیں بنیں گے بلکہ خدا کی رہائش کے شیش محل انہیں نظر آجائیں گے ۔ بلاشبہ جو کچھ اثر خیالات کی ترقی سے پہلے عقلمندوں کی ذات پر آیا وہی اثر کسی دن ان کے
۳۰۰ لئے بھی درپیش ہے توقف صرف اتنا ہی ہے کہ ابھی ان کو خدا کی پوری جستجو اور تلاش میں بہت سی کسر باقی ہے اور ہنوز دنیا ہی پیاری اور میٹھی معلوم ہوتی ہے اور دن رات اسی کا سودا ہے اور اسی کے لئے سمندر چیرتے ہوئے دور دراز ملکوں میں چلے جاتے ہیں اور ابھی تک آخرت کے ملک کا ان کو دھیان ہی نہیں اور نہ اس مالک الملک کا کچھ خیال ہے مگر ماشاء اللہ جب وہ

۲۷۵ دیوے کہ وہ اس مضمون کو معہ تمیع لطائف اور نکات اس کے اپنی عبارت میں بنا دے۔ پس جب ایسا مضمون بنا کر طیار ہو جائے تو وہ ہمارے پاس بھیج دینا چاہیے اور ہم اس عبارت کا کمالات قرآنی سے محروم اور بے نصیب ہونا ایسی واضح تقریر سے بیان کر دیں گے جس بیان کو ہر یک اردو خوان بخوبی سمجھ سکے گا۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے اور چیزوں کے خواص متواتر تجربہ اور آزمائش سے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسا ہی بے نظیری کا خاصہ کہ جو قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت میں پایا جاتا ہے۔ وہ
۲۷۶ بھی بذریعہ تجربہ اور آزمائش ہی معلوم ہوتا ہے۔ خداؔ نے خواص الاشیاء کی سچائی معلوم کرنے کا یہی ایک طریق رکھا ہے کہ جس کسی شے کے کسی خاصہ کے وجود میں شک ہو تو اس کو اس قدر آزمایا جاوے جس سے دلی اطمینان پیدا ہو جائے۔ اور جو شخص بعد آزمائش ایک خاصہ کے کہ جو ایک شے میں پایا جاتا ہے پھر بھی یہ وہم کرے کہ کیوں یہ خاصہ اس شے میں پایا جاتا ہے تو وہ شخص حقیقت میں پاگل اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

دن آئیں گے کہ وہ مجرد عقل کے ذریعہ سے اس بات کا فیصلہ کرنا چاہیں گے کہ اگر خدا موجود ہے تو کہاں ہے اور کیوں اس کا وجود تمام موجود چیزوں کی طرح محسوس نہیں تو پھر ایسا فیصلہ ہوگا کہ یا تو اس ذات لطیف کے کلام پر ایمان لانا پڑے گا اور یا یہ فرضی قول بھی ہاتھ سے چھوڑنا پڑے گا کہ مصنوعات کے لئے ایک صانع ہونا چاہیے۔ دوسرا باعث جس کی تقویت سے مجرد عقل پرست جلد تر دہریہ بننے سے رک جاتے ہیں الہام کی برکتیں اور وحی اللہ کے آفتاب کی شعاعیں ہیں جنہوں نے خدا کی ہستی کو شہرہ آفاق کر دیا ہے اور جن کی متواتر بارشوں نے اقرار ہستی الٰہی کو لاکھوں خداترس روحوں میں مضبوطی سے جما دیا ہے اور کروڑ ہادلوں پر ایک بزرگ اثر ڈال رکھا ہے۔ پس چونکہ اسی کی مستحکم اور قدیمی شہادتوں کی بلند آوازوں سے ہر یک انسان کی قوت سامعہ بھر گئی ہے اور ہر یک عصبہ سماعت کی تمام تار و پود میں وہ دلربا آوازیں ایسی سرایت کر گئی ہیں کہ ایک نادان اور اُمی آدمی کہ جو عقل کے نام سے بھی واقف نہیں اور نہ یہ جانتا ہے کہ دلائل کیا چیز ہیں اگر خدا کی ہستی کے بارہ میں سوال کیا جائے کہ آیا وہ موجود ہے یا نہیں تو ایسے سائل کو وہ نہایت درجہ کا احمق جانتا ہے اور خدا کی ہستی پر ایسا پختہ اعتقاد
۳۰۱ رکھتا ہے کہ اگر تمام مجرد عقل پرست ایک طرف رکھےؔ جائیں اور دوسری طرف اس کو رکھا جائے تو اس کے یقین کا پلہ بھاری ہو اور لطف یہ کہ معقولیوں اور فلسفیوں کی طرح ایک دلیل بھی اسے یاد نہیں ہوتی بلکہ اس کی بلا کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ برہان اور دلیل اور حجت اور قیاس کسے کہتے ہیں۔ غرض انہیں برکتوں کے سہارے سے برہموسماج والے بھی باوجود سخت بے راہی اختیار کرنے کے اب تک کسی قدر خدا کی ہستی کے قائل ہیں اور خدا کے موجود ہونے کی بزرگ شہرت نے ان کے خیالات کو بھی آوارہ گردی سے تھام رکھا ہے۔ پس اگرچہ کوئی اپنے خبث باطن سے الہام الٰہی کا شکر گزار نہ ہو مگر درحقیقت اسی کے قوی ہاتھ اور پرزور بازو سے یقین اور صدق کی کشتی چل رہی ہے اور وہی خدادانی کے دریا کا ناخدا ہے۔ اور اگر دہریہ اس کے آثار فیض سے بے بہرہ رہے ہیں تو یہ اس کا قصور نہیں بلکہ خود دہریہ اس شخص کی طرح ہیں کہ جو اپنی فطرت سے اندھا اور بہرہ ہو یا اس عضو کی طرح ہیں جو فاسد اور جذام خوردہ ہو گیا ہو۔

سودائی ہے ۔مثلاً جب ایک شخص نے کئی دفعہ آزما کر دیکھ لیا اور بار بار تجربہ کر کے معلوم کر لیا کہ سم الفار
بالخاصیت قاتل ہے ۔ اگر وہ پھر بھی سم الفار کی اس خاصیت سے اس خیال سے انکار کرتا رہے کہ مجھے
معلوم نہیں کہ کیوں وہ قاتل ہے ۔تو ایسا شخص دانشمندوں کی نظر میں دیوانہ بلکہ دیوانوں سے بدتر ہے ۔ ۲۷۷
کیونکہ اول تو یہ صداقت فی حد ذاتہ واقعی اور درست ہے کہ موجودات میں طرح طرح کے خواص
پائے جاتے ہیں ۔ اور پھر جب ایک شے معین کا خاصہ بذریعہ تجارب متواترہ ثابت بھی ہو گیا تو اس
سے انکار کرنا اگر حمق اور دیوانگی نہیں تو اور کیا ہے ۔ اور سبّ سے زیادہ تر حمق یہ ہے کہ حضرت باری ۲۷۸
کے خواص صفات اور افعال سے انکار کیا جائے ۔ کیونکہ دوسری چیزوں کا خاصہ کہ جو ان کے غیر میں
نہیں پایا جاتا محض تجربہ سے ثابت ہوتا ہے اور کوئی عقلی دلیل اس کی ضرورت پر قائم نہیں ہوتی ۔مگر

بقیہ حاشیہ نمبر 11:

اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ اکیلی عقل کو ماننے والے جیسے علم اور معرفت اور یقین میں ناقص ہیں ویسا ہی عمل اور وفاداری اور
صدق قدم میں بھی ناقص اور قاصر ہیں اور ان کی جماعت نے کوئی ایسا نمونہ قائم نہیں کیا جس سے یہ ثبوت مل سکے کہ وہ بھی
ان کروڑ ہا مقدس لوگوں کی طرح خدا کے وفادار اور مقبول بندے ہیں کہ جن کی برکتیں ایسی دنیا میں ظاہر ہوئیں کہ ان کے
وعظ اور نصیحت اور دعا اور توجہ اور تاثیر صحبت سے صد ہا لوگ پاک روش اور باخدا ہو کر ایسے اپنے مولیٰ کی طرف جھک گئے کہ
دنیا و مافیہا کی کچھ پرواہ نہ رکھ کر اور اس جہان کی لذتوںؔ اور راحتوں اور خوشیوں اور شہرتوں اور فخروں اور مالوں اور ملکوں ۳۰۲
سے بالکل قطع نظر کر کے اس سچائی کے راستہ پر قدم مارا۔ جس پر قدم مارنے سے ان میں سے سینکڑوں کی جانیں تلف
ہوئیں، ہزار ہا سر کاٹے گئے، لاکھوں مقدسوں کے خون سے زمین تر ہو گئی ۔ پر باوجود ان سب آفتوں کے انہوں نے ایسا
صدق دکھایا کہ عاشق دلدادہ کی طرح پابہ زنجیر ہو کر ہنستے رہے اور دکھ اٹھا کر خوش ہوتے رہے اور بلاؤں میں پڑ کر شکر کرتے
رہے اور اسی ایک کی محبت میں وطنوں سے بے وطن ہو گئے اور عزت سے ذلت اختیار کی اور آرام سے مصیبت کو سر پر لے لیا
اور تونگری سے مفلسی قبول کر لی اور ہر یک پیوند و رابطہ اور خویشی سے غریبی اور تنہائی اور بے کسی پر قناعت کی اور اپنے خون
کے بہانے سے اور اپنے سروں کے کٹانے سے اور اپنی جانوں کے دینے سے خدا کی ہستی پر مہریں لگا دیں اور کلام الٰہی کی
سچی متابعت کی برکت سے وہ انوار خاصہ ان میں پیدا ہو گئے کہ جو ان کے غیر میں کبھی نہیں پائے گئے ۔ اور ایسے لوگ نہ
صرف پہلے زمانوں میں موجود تھے بلکہ یہ برگزیدہ جماعت ہمیشہ اہل اسلام میں پیدا ہوتی رہتی ہے اور ہمیشہ اپنے نورانی
وجود سے اپنے مخالفین کو ملزم و لاجواب کرتی آئی ہے لہٰذا منکرین پر ہماری یہ حجت بھی تمام ہے کہ قرآن شریف جیسے مراتب
علمیہ میں اعلیٰ درجہ کمال تک پہنچاتا ہے ویسا ہی مراتب عملیہ کے کمالات بھی اسی کے ذریعہ سے ملتے ہیں اور آثار و انوار
قبولیت حضرت احدیت انہیں لوگوں میں ظاہر ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ظاہر ہوتے ہیںؔ جنہوں نے اس پاک کلام کی ۳۰۳
متابعت اختیار کی ہے دوسروں میں ہرگز ظاہر نہیں ہوتے ۔ پس طالب حق کے لئے یہی دلیل جس کو وہ بچشم خود معائنہ کر سکتا
ہے کافی ہے یعنی یہ کہ آسمانی برکتیں اور ربانی نشان صرف قرآن شریف کے کامل تابعین میں پائے جاتے ہیں اور دوسرے
تمام فرقے کہ جو حقیقی اور پاک الہام سے روگردان ہیں کیا برہمو اور کیا آریا اور کیا عیسائی وہ اس نور صداقت سے بے نصیب

عذر واطلاع

اب کی دفعہ کہ جو حصہ سوم کے نکلنے میں حد سے زیادہ توقف ہوگئی ۔ غالباً اس توقف سے اکثر خریدار اور ناظرین بہت ہی حیران ہوں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ بعض لوگ طرح طرح کے شکوک وشبہات بھی کرتے ہوں ۔ مگر واضح رہے کہ یہ توقف ہماری طرف سے ظہور میں نہیں آئی بلکہ اتفاق یہ ہوگیا کہ جب مئی ۱۸۸۱ء کے مہینہ میں کچھ سرمایہ جمع ہونے کے بعد مطبع سفیر ہند امرتسر میں اجزاء کتاب کے چھپنے کے لئے دیئے گئے اور امید تھی کہ غایت کار دوماہ میں حصہ سوم چھپ کر شائع ہوجائے گا ۔ لیکن تقدیری اتفاقوں سے جن میں انسان ضعیف البنیان کی کچھ پیش نہیں جاسکتی ۔ مہتمم صاحب مطبع سفیر ہند طرح طرح کی ناگہانی آفات اور مجبوریوں میں مبتلا ہوگئے ۔ جن مجبوریوں کی وجہ سے ایک مدت دراز تک مطبع بند رہا ۔ چونکہ یہ توقف ان کے اختیار سے باہر تھی ۔ اس لئے ان کی قائمی جمعیت تک برداشت سے انتظار کرنا مقتضاء انسانیت تھا ۔ سوالحمدللہ کہ بعد ایک مدت کے ان کے موانع کچھ رو بہ خفت ہوگئے اور اب کچھ تھوڑے عرصہ سے حصہ سوم کا چھپنا شروع ہوگیا ۔ لیکن چونکہ اس حصہ کے چھپنے میں بوجہ موانع مذکورہ بالا ایک زمانہ دراز گزر گیا ۔ اس لئے ہم نے بڑے افسوس کے ساتھ اس بات کو قرین مصلحت سمجھا کہ اس حصہ کے مکمل طور پر چھپنے کا انتظار نہ کیا جائے اور جس قدر اب تک چھپ چکا ہے وہی خریداروں کی خدمت میں بھیجا جاوے تا ان کی تسلی وتشفی کا موجب ہو اور جو کچھ اس حصہ میں سے باقی رہ گیا ہے ۔ وہ انشاء اللہ القدیر چہارم حصہ کے ساتھ جو ایک بڑا حصہ ہے چھپوا دیا جائے گا ۔

شاید ہم بعض دوستوں کی نظر میں اس وجہ سے قابل اعتراض ٹھہریں کہ ایسے مطبع میں جس میں ہر دفعہ لمبی لمبی توقف پڑتی ہے کیوں کتاب کا چھپوانا تجویز کیا گیا ۔ سو اس اعتراض کا جواب ابھی عرض کیا گیا ہے کہ یہ مہتمم مطبع کی طرف سے لاچاری توقف ہے نہ اختیاری ۔ اور وہ ہمارے نزدیک

ان مجبوریوں کی حالت میں قابل رحم ہیں نہ قابل الزام۔ ماسوائے اس کے مطبع سفیر ہند کے مہتمم صاحب میں ایک عمدہ خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت صحت اور صفائی اور محنت اور کوشش سے کام کرتے ہیں اور اپنی خدمت کو عرق ریزی اور جانفشانی سے انجام دیتے ہیں۔ یہ پادری صاحب ہیں۔ مگر باوجود اختلاف مذہب کے خدا نے ان کی فطرت میں یہ ڈالا ہوا ہے کہ اپنے منصبی میں اخلاص اور دیانت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑتے۔ ان کو اس بات کا ایک سودا ہے کہ کام کی عمدگی اور خوبی اور صحت میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ انہیں وجوہ کی نظر سے باوجود اس بات کے کہ دوسرے مطابع کی نسبت ہم کو اس مطبع میں بہت زیادہ حق الطبع دینا پڑتا ہے۔ تب بھی انہیں کا مطبع پسند کیا گیا اور آئندہ امید قوی ہے کہ ان کی طرف سے حصہ چہارم کے چھپنے میں کوئی توقف نہ ہو۔

صرف اس قدر توقف ہوگی کہ جب تک کافی سرمایہ اس حصہ کیلئے جمع ہو جائے۔ سو مناسب ہے کہ ہمارے مہربان خریدار اب کی طرح اس حصہ کے انتظار میں مضطرب اور متردد نہ ہوں جب ہی کہ وہ حصہ چھپے گا۔ خواہ جلدی اور خواہ دیر سے جیسا خدا چاہے گا۔ فی الفور تمام خریداروں کی خدمت میں بھیجا جائے گا۔ اور اس جگہ ان تمام صاحبوں کی توجہ اور اعانت کا شکر کرتا ہوں جنہوں نے خالصاً لِلّٰہ حصہ سوم کے چھپنے کیلئے مدد دی۔ اور یہ عاجز خاکسار اب کی دفعہ ان عالی ہمت صاحبوں کے اسماء مبارکہ لکھنے سے اور نیز دوسرے خریداروں کے اندرراج نام سے بوجہ عدم گنجائش اور بباعث بعض مجبوریوں کے مقصر ہے۔ لیکن بعد اس کے اگر خدا چاہے گا اور نیت درست ہوگی تو کسی آئندہ حصہ میں یہ تفصیل تمام درج کئے جائیں گے۔

اور نیز اس جگہ یہ بھی ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس حصہ سوم میں تمام وہ تمہیدی امور لکھے گئے ہیں جن کا غور سے پڑھنا اور یاد رکھنا کتاب کے آئندہ مطالب سمجھنے کیلئے نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے یہ بھی واضح ہوگا کہ خدا نے دین حق اسلام میں وہ عزت اور عظمت اور برکت اور صداقت رکھی ہے جس کا مقابلہ کسی زمانہ میں کسی غیر قوم سے کبھی نہیں ہو سکا اور نہ اب ہو سکتا ہے۔ اور اس امر کو مدلل طور پر بیان کر کے تمام مخالفین پر اتمام حجت کیا گیا ہے اور ہر یک طالب حق کیلئے ثبوت

کامل پانے کا دروازہ کھول دیا گیا ہے تا حق کے طالب اپنے مطلب اور مراد کو پہنچ جاویں اور تا تمام مخالف سچائی کے کامل نوروں کو دیکھ کر شرمندہ اور لاجواب ہوں اور تا وہ لوگ بھی نادم اور منفعل ہوں جنہوں نے یورپ کی جھوٹی روشنی کو اپنا دیوتا بنا رکھا ہے اور آسمانی برکتوں کے قائلوں کو جاہل اور وحشی اور ناتربیت یافتہ سمجھتے ہیں اور سماوی نشانوں کے ماننے والوں کا نام احمق اور سادہ لوح اور نادان رکھتے ہیں ۔جن کا یہ گمان ہے کہ یورپ کے علم کی نئی روشنی اسلام کی روحانی برکتوں کو مٹا دے گی اور مخلوق کا مکر خالق کے نوروں پر غالب آجائے گا ۔سو اب ہر یک منصف دیکھے گا کہ کون غالب آیا اور کون لاجواب اور عاجز رہا اور کون صادق اور دانشمند ہے اور کون کاذب اور نادان! والله المستعان وعليه التكلان ۔

خاکسار

غلام احمد عفی اللہ عنہ

فہرست مضامین براہین احمدیہ حصۂ چہارم

۸۔ ان تمام پیشگوئیوں کا ذکر کہ جو بعض آریوں کو بتلائی گئیں صفحہ ۴۶۸ تا صفحہ ۵۱۴ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳۔

۹۔ آئندہ پیشگوئیوں کا بیان صفحہ ۵۱۴ سے تا صفحہ ۵۶۲ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳۔

۱۰۔ مسیح سے کوئی معجزہ ظہور میں آنا یا ان کا کوئی پیشگوئی بتلانا ثابت نہیں۔ صفحہ ۴۳۴ سے تا صفحہ ۴۶۹ متن۔

۱۱۔ نجات حقیقی کیا چیز ہے اور کیونکر مل سکتی ہے صفحہ ۲۹۳ سے تا صفحہ ۳۰۶ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۲۔

الف

مسلمانوں کی نازک حالت
اور
انگریزی گورنمنٹ

ترسم کہ بہ کعبہ چوں رسی اے اعرابی کیں رہ کہ تو مے روی بترکستان است

آج کل ہمارے دینی بھائیوں مسلمانوں نے دینی فرائض کے ادا کرنے اور اخوت اسلامی کے بجالانے اور ہمدردی قومی کے پورا کرنے میں اس قدر سستی اور لا پروائی اور غفلت کر رکھی ہے کہ کسی قوم میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ان میں ہمدردی قومی اور دینی کا مادہ ہی نہیں رہا۔ اندرونی فسادوں اور عنادوں اور اختلافوں نے قریب قریب ہلاکت کے ان کو پہنچا دیا ہے اور افراط تفریط کی بے جا حرکات نے اصل مقصود سے ان کو بہت دور ڈال دیا ہے۔ جس نفسانی طرز سے ان کی باہمی خصومتیں برپا ہو رہی ہیں اس سے نہ صرف یہی اندیشہ ہے کہ ان کا بے اصل کینہ دن بدن ترقی کرتا جائے گا اور کیڑوں کی طرح بعض کو بعض کھائیں گے اور اپنے ہاتھ سے اپنے استحصال کے موجب ہوں گے بلکہ یہ بھی یقیناً خیال کیا جاتا ہے کہ اگر کوئی دن ایسا ہی ان کا حال رہا تو ان کے ہاتھ سے سخت ضرر اسلام کو پہنچے گا۔ اور ان کے ذریعہ سے بیرونی مفسد مخالف بہت سا موقعہ نکتہ چینی اور فساد انگیزی کا پائیں گے۔ آج کل کے بعض علماء پر ایک یہ بھی افسوس ہے کہ وہ اپنے بھائیوں پر اعتراض کرنے میں بڑی عجلت کرتے ہیں۔ اور قبل اس کے جو اپنے پاس علم صحیح قطعی موجود ہو اپنے بھائی پر حملہ کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور کیونکر تیار نہ ہوں باعث غلبہ نفسانیت یہ بھی تو مدنظر ہوتا ہے کہ کسی طرح ایک مسلمان کو کہ جو مقابل پر نظر آ رہا ہے نابود کیا جائے اور اس کو شکست اور ذلت اور رسوائی پہنچے اور ہماری فتح اور فضیلت ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بات بات میں ان کو فضول جھگڑے کرنے

پڑتے ہیں ۔ خدا نے یکلخت ان سے عجز اور فروتنی اور حسن ظن اور محبت برادرانہ کو اٹھالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ بعض صاحبوں نے مسلمانوں میں سے اس مضمون کی بابت کہ جو حصہ سوم کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے شکر کے بارے میں شامل ہے اعتراض کیا اور بعض نے خطوط بھی بھیجے اور بعض نے سخت اور درشت لفظ بھی لکھے کہ انگریزی عملداری کو دوسری عملداریوں پر کیوں ترجیح دی ۔ لیکن ظاہر ہے کہ جس سلطنت کو اپنی شائستگی اور حسن انتظام کے رو سے ترجیح ہو، اس کو کیونکر چھپا سکتے ہیں ۔ خوبی باعتبار اپنی ذاتی کیفیت کے خوبی ہی ہے گو وہ کسی گورنمنٹ میں پائی جائے ۔ الحكمة ضالة المؤمن الخ ۔ اور یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ اسلام کا ہرگز یہ اصول نہیں ہے کہ مسلمانوں کی قوم جس سلطنت کے ماتحت رہ کر اس کا احسان اٹھاوے اس کے ظل حمایت میں بامن و آسائش رہ کر اپنا رزق مقسوم کھاوے، اس کے انعامات متواترہ سے پرورش پاوے پھر اسی پر عقرب کی طرح نیش چلاوے اور اس کے سلوک اور مروت کا ایک ذرہ شکر نہ بجالاوے ۔ بلکہ ہم کو ہمارے خداوند کریم نے اپنے رسول مقبول کے ذریعہ سے یہی تعلیم دی ہے کہ ہم نیکی کا معاوضہ بہت زیادہ نیکی کے ساتھ کریں اور منعم کا شکر بجالاویں ۔ اور جب کبھی ہم کو موقعہ ملے تو ایسی گورنمنٹ سے بدلی صدق کمال ہمدردی سے پیش آویں اور بہ طیب خاطر معروف اور واجب طور پر اطاعت اٹھاویں ۔ سو اس عاجز نے جس قدر حصہ سوم کے پرچہ مشمولہ میں انگریزی گورنمنٹ کا شکر ادا کیا ہے وہ صرف اپنے ذاتی خیال سے ادا نہیں کیا بلکہ قرآن شریف و احادیث نبوی کی ان بزرگ تاکیدوں نے جو اس عاجز کے پیش نظر ہیں مجھ کو اس شکر ادا کرنے پر مجبور کیا ہے ۔ سو ہمارے بعض نا سمجھ بھائیوں کی یہ افراط ہے جس کو وہ اپنی کوتہ اندیشی اور بخل فطرتی سے اسلام کا جز سمجھ بیٹھے ہیں ۔

اے جفا کیش نہ عذر ست طریق عشاق ہرزہ بدنام کنی چند نکونامے را

اور جیسا کہ ہم نے ابھی اپنے بعض بھائیوں کی افراط کا ذکر کیا ہے ایسا ہی بعض ان میں سے تفریط کی مرض میں بھی مبتلا ہیں اور دین سے کچھ غرض واسطہ ان کا نہیں رہا ۔ بلکہ ان کے خیالات کا ب
تمام زور دنیا کی طرف لگ رہا ہے ۔ مگر افسوس کہ دنیا بھی ان کو نہیں ملتی ۔ خسر الدنيا والعاقبة بن رہے

ہیں۔ اور کیونکر ملے۔ دین تو ہاتھ سے گیا اور دنیا کمانے کے لئے جو لیاقتیں ہونی چاہئیں وہ حاصل نہیں کیں۔ صرف شیخ چلّی کی طرح دنیا کے خیالات دل میں بھرے ہیں۔ اور جس لکیر پر چلنے سے دنیا ملتی ہے اس پر قدم نہ رکھا اور اس کے مناسب حال اپنے تئیں نہ بنایا۔ سو اب ان کا یہ حال ہے کہ نہ ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے رہے۔ انگریز جو انہیں نیم وحشی کہتے ہیں یہ بھی ان کا احسان ہی سمجھئے۔ ورنہ اکثر مسلمان وحشیوں سے بھی بدتر نظر آتے ہیں۔ نہ عقل رہی، نہ ہمت رہی، نہ غیرت رہی، نہ محبت رہی۔ فی الحقیقت یہ سچ ہے کہ جس قدر ان کے ہمسائیوں آریوں کی نظر میں ایک ادنیٰ حیوان گائے کی عزت اور توقیر ہے ان کے دلوں میں اپنی قوم اور اپنے بھائیوں اور اپنے سچے دین کی مہمات کی اس قدر بھی عزت نہیں۔ کیونکہ ہم ہمیشہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ اولوالعزم قوم آریہ گائے کی عزت قائم رکھنے کے لئے اس قدر کوششیں کر کے لکھوکھہا روپیہ جمع کر لیتے ہیں کہ مسلمان لوگ اللہ اور رسول کی عزت ظاہر کرنے کے لئے اس کا ہزارم حصہ بھی جمع نہیں کر سکتے۔ بلکہ جہاں کہیں اعانت دینی کا ذکر آیا تو وہیں عورتوں کی طرح اپنا مونہہ چھپا لیتے ہیں۔ اور آریہ قوم کی اولوالعزمی غور کرنے سے اور بھی زیادہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ گائے کی جان بچانے کے لئے کوشش کرنا حقیقت میں ان کے مذہب کے رو سے ایک ادنیٰ کام ہے کہ جو مذہبی کتب سے ثابت نہیں۔ بلکہ ان کے محقق پنڈتوں کو خوب معلوم ہے کہ کسی وید میں گائے کا حرام ہونا نہیں پایا جاتا۔ بلکہ رگ وید کے پہلے حصہ سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ وید کے زمانہ میں گائے کا گوشت عام طور پر بازاروں میں بکتا تھا اور آریہ لوگ بخوشی خاطر اس کو کھاتے تھے۔ اور حال میں جو ایک بڑے محقق یعنی آنریبل مونٹ اسٹورٹ الفنسٹن صاحب بہادر سابق گورنر بمبئی نے واقعات آریہ قوم میں ہندوؤں کے مستند پستکوں کی رو سے ایک کتاب بنائی ہے جس کا نام تاریخ ہندوستان ہے اس کے صفحہ نواسی میں منو کے مجموعہ کی نسبت صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے تیوہاروں میں بیل کا گوشت کھانے کے لئے برہمنوں کو تاکید کی گئی ہے یعنی اگر نہ کھاویں تو گنہگار رہوں۔ اور ایسی ہی ایک اور کتاب انہیں دنوں میں ایک پنڈت صاحب نے بمقام کلکتہ چھپوائی ہے جس میں لکھا ہے کہ وید کے زمانہ میں گائے کا کھانا ہندوؤں کے لئے دینی فرائض

میں سے تھا اور بڑے بڑے اور عمدہ عمدہ ٹکڑے برہمنوں کو کھانے کے لئے ملتے تھے۔ اور علیٰ ہذا القیاس مہابھارت کے پرب تیرہویں میں بھی صاف تصریح ہے کہ گوشت گائے کا نہ صرف حلال اور طیب بلکہ اس کا اپنے پتروں کے لئے برہمنوں کو کھلانا تمام جانوروں میں سے اولیٰ اور بہتر ہے اور اس کے کھانے سے پتر دس ماہ تک سیر رہتے ہیں۔ غرض وید کے تمام رشیوں اور منوجی اور بیاس جی نے گوشت گائے کا استعمال کرنا فرائض دینی میں داخل کیا ہے اور موجب ثواب سمجھا ہے۔ اور اس جگہ ہمارا بیان بعض کی نظر میں ناقص رہ جاتا اگر ہم پنڈت دیانند صاحب کو کہ جو ۳۰؍اکتوبر ۱۸۸۳ء میں اس جہان کو چھوڑ گئے رائے متفقہ بالا سے باہر رکھ لیتے۔ سوغور سے دیکھنا چاہیے کہ پنڈت صاحب موصوف نے بھی کسی اپنی کتاب میں گائے کا حرام یا پلید ہونا نہیں لکھا اور نہ وید کے رو سے اس کی حرمت اور ممانعت ذبح کو ثابت کیا۔ بلکہ بنظر ارزانی دودھ اور گھی کے اس رواج کی بنیاد بیان کی۔ اور بعض ضرورت کے موقعوں میں گاؤکشی کو مناسب بھی سمجھا جیسا کہ ان کی ستیارتھ پرکاش اور وید بھاش سے ظاہر ہے۔

اب اس تمام تقریر سے ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ آریہ لوگ اپنے وید مقدس اور اپنے بزرگ رشیوں اور بیاس جی اور منوجی کے قابل تعظیم فرمان اور اپنے محقق اور فاضل پنڈتوں کے قول سے کیوں خلاف ورزی اور انحراف کرتے ہیں۔ بلکہ اس جگہ صرف یہ غرض ہے کہ آریہ قوم کیسی اولوالعزم اور باہمت اور اتفاق کرنے والی قوم ہے کہ ایک ادنیٰ بات پر بھی کہ جس کی مذہب کے رو سے کچھ بھی اصلیت نہیں پائی جاتی وہ اتفاق کر لیتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ چندہ ہاتھوں ہاتھ جمع ہو جاتا ہے۔ پس جس قوم کا ناکارہ خیالات پر یہ اتفاق اور جوش ہے اس قوم کی عالی ہمتی اور دلی جوش کا مہمات عظیمہ پر خود اندازہ کر لینا چاہیے۔ پست ہمت مسلمانوں کو لازم ہے کہ جیتے ہی مر جائیں۔ اگر محبت خدا اور رسول کی نہیں تو اسلام کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں۔ کیا خباثت کے کاموں میں اور نفس امارہ کی پیروی میں اور ناک کے بڑھانے کی نیت سے بے اندازہ مال ضائع کرنا اور اللہ اور رسول کی محبت ج
میں اور ہمدردی کی راہ میں ایک دانہ ہاتھ سے نہ چھوڑنا یہی اسلام ہے، نہیں یہ ہرگز اسلام نہیں۔ یہ

ایک باطنی جذام ہے۔ یہی ادبار ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہو رہا ہے۔ اکثر مسلمان امیروں نے مذہب کو ایک ایسی چیز سمجھ رکھا ہے کہ جس کی ہمدردی غریبوں پر ہی لازم ہے اور دولتمند اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جنہیں اس بوجھ کو ہاتھ لگانا بھی منع ہے۔ اس عاجز کو اس تجربہ کا اسی کتاب کے چھپنے کے اثناء میں خوب موقعہ ملا کہ حالانکہ بخوبی مشتہر کیا گیا تھا کہ اب بباعث بڑھ جانے ضخامت کے اصل قیمت کتاب کی سو روپیہ ہی مناسب ہے کہ ذی مقدرت لوگ اس کی رعایت رکھیں۔ کیونکہ غریبوں کو یہ صرف دس روپیہ میں دی جاتی ہے۔ سو جبر نقصان کا واجبات سے ہے۔ مگر بجز سات آٹھ آدمی کے سب غریبوں میں داخل ہو گئے۔ خوب جبر کیا۔ ہم نے جب کسی منی آرڈر کی تفتیش کی کہ یہ پانچ روپیہ بوجہ قیمت کتاب کس کے آئے ہیں یا یہ دس روپیہ کتاب کے مول میں کس نے بھیجے ہیں تو اکثر یہی معلوم ہوا کہ فلاں نواب صاحب نے یا فلاں رئیس اعظم نے ہاں نواب اقبال الدولہ صاحب حیدرآباد نے اور ایک اور رئیس نے ضلع بلند شہر سے جس نے اپنا نام ظاہر کرنے سے منع کیا ہے ایک نسخہ کی قیمت میں سو سو روپیہ بھیجا ہے اور ایک عہدہ دار محمد افضل خان نام نے ایک سو دس اور نواب صاحب کوٹلہ مالیر نے تین نسخہ کی قیمت میں سو روپیہ بھیجا اور سردار عطر سنگھ صاحب رئیس اعظم لودھیانہ نے کہ جو ایک ہندو رئیس ہیں اپنی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے بطور اعانت صٓہ بھیجے ہیں۔ سردار صاحب موصوف نے ہندو ہونے کی حالت میں اسلام سے ہمدردی ظاہر کی۔ بخیل اور ممسک مسلمانوں کو جو بڑے بڑے لقبوں اور ناموں سے بلائے جاتے ہیں اور قارون کی طرح بہت سا روپیہ دبائے بیٹھے ہیں اس جگہ اپنی حالت کو سردار صاحب کے مقابلہ پر دیکھ لینا چاہیے جس حالت میں آریوں میں ایسے لوگ بھی پائے گئے ہیں کہ جو دوسری قوم کی بھی ہمدردی کرتے ہیں اور مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی کم ہیں کہ جو اپنی ہی قوم سے ہمدردی کر سکیں تو پھر کہو کہ اس قوم کی ترقی کیونکر ہو۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:۱۱)

دینی ہمدردی بجز مسلمانوں کے ہر ایک قوم کے امراء میں پائی جاتی ہے۔ ہاں اسلامی امیروں میں ایسے لوگ بہت ہی کم پائے جائیں گے کہ جن کو اپنے سچے اور پاک دین کا ایک ذرہ خیال

ہو۔ کچھ تھوڑا عرصہ گزرا ہے کہ اس خاکسار نے ایک نواب صاحب کی خدمت میں کہ جو بہت پارساطبع اورمتقی اور فضائل علمیہ سے متصف اور قال اللہ اور قال الرسول سے بدرجہ غایت خبر رکھتے ہیں کتاب براہین احمدیہ کی اعانت کیلئے لکھا تھا۔ سو اگر نواب صاحب ممدوح اس کے جواب میں یہ لکھتے کہ ہماری رائے میں کتاب ایسی عمدہ نہیں جس کیلئے کچھ مدد کی جائے تو کچھ جائے افسوس نہ تھا۔ مگر صاحب موصوف نے پہلے تو یہ لکھا کہ پندرہ بیس کتابیں ضرور خریدیں گے اور پھر دوبارہ یاددہانی پر یہ جواب آیا کہ دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا ان میں کچھ مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ امید نہ رکھیں۔ سو ہم بھی نواب صاحب کو امیدگاہ نہیں بناتے بلکہ امیدگاہ خداوندکریم ہی ہے اور وہی کافی ہے (خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے) لیکن ہم بادب تمام عرض کرتے ہیں کہ ایسے ایسے خیالات میں گورنمنٹ کی ہجو ملیح ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول نہیں ہے کہ کسی قوم کو اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کرنے سے روکے یا دینی کتابوں کی اعانت کرنے سے منع کرے۔ ہاں اگر کوئی مضمون مخل امن یا مخالف انتظام سلطنت ہو تو اس میں گورنمنٹ مداخلت کرے گی۔ ورنہ اپنے اپنے مذہب کی ترقی کیلئے وسائل جائزہ کو استعمال میں لانا ہر یک قوم کو گورنمنٹ کی طرف سے اجازت ہے۔ پھر جس قوم کا مذہب حقیقت میں سچا ہے اور نہایت کامل اور مضبوط دلائل سے اس کی حقیقت ثابت ہے۔ وہ قوم اگر نیک نیتی اور تواضع اور فروتنی سے خلق اللہ کو نفع پہنچانے کیلئے اپنے دلائل حقہ شائع کرے تو عادل گورنمنٹ کیوں اس پر ناراض ہوگی۔ ہمارے اسلامی امراء کو اس بات سے بہت کم خبر ہے کہ گورنمنٹ کی عادلانہ مصلحت کا یہی تقاضا ہے کہ وہ دلی انشراح سے آزادی کو قائم رکھے اور خود ہم نے بچشم خود ایسے لائق اور نیک فطرت انگریز کئی دیکھے ہیں کہ جو مداہنہ اور منافقانہ سیرت کو پسند نہیں کرتے اور تقویٰ اور خدا ترسی اور یکرنگی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اور حقیقت میں تمام برکتیں یکرنگی اور خدا ترسی میں ہی ہیں جن کا عکس کبھی نہ کبھی خویش اور بیگانہ پر پڑ جاتا ہے۔ اور جس پر خدا راضی ہے آخر اس پر خلق اللہ بھی راضی ہو جاتی ہے۔ غرض نیک نیتی اور صالحانہ قدم سے دینی اور قومی ہمدردی میں مشغول ہونا اور فی الحقیقت دنیا اور دین میں دلی جوش سے خلق اللہ کا خیرخواہ بننا ایک ایسی نیک صفت ہے کہ اس قسم کے لوگ کسی

د

گورنمنٹ میں پائے جانا اس گورنمنٹ کا فخر ہے۔ اور اس زمین پر آسمان سے برکات نازل ہوتی ہیں جس میں ایسے لوگ پائے جائیں۔ لیکن سخت بدنصیب وہ گورنمنٹ ہے جس کے ماتحت سب منافق ہی ہوں کہ جو گھر میں کچھ کہیں اور روبرو کچھ کہیں۔

سو یقیناً سمجھنا چاہیے کہ لوگوں کا یکرنگی میں ترقی کرتے جانا اور گورنمنٹ کو ایک محسن دوست سمجھ کر بے تکلف اس کے ساتھ پیش آنا یہی خوش قسمتی گورنمنٹ انگریزی کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے مربی حکام نہ صرف قول سے آزادی کا سبق ہم کو دیتے ہیں۔ بلکہ دینی امور میں خود آزادانہ افعال بجالا کر اپنی فعلی نصیحت سے ہم کو آزادی پر قائم کرنا چاہتے ہیں اور بطور نظیر کے یہی کافی ہے کہ شاید ایک ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ جب ہمارے ملک کے نواب لیفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر بٹالہ ضلع گورداسپورہ میں تشریف لائے تو انہوں گرجا گھر کی بنیاد رکھنے کے وقت نہایت سادگی اور بے تکلفی سے عیسائی مذہب سے اپنی ہمدردی ظاہر کر کے فرمایا کہ مجھ کو امید تھی کہ چند روز میں یہ ملک دینداری اور راستبازی میں بخوبی ترقی پائے گا۔ لیکن تجربہ اور مشاہدہ سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بہت ہی کم ترقی ہوئی (یعنی ابھی لوگ بکثرت عیسائی نہیں ہوئے اور پاک گروہ کرسچوں کا ہنوز قلیل المقدار ہے) تو بھی ہم کو مایوس نہیں ہونا چاہیے کیونکہ پادری صاحبان کا کام بے فائدہ نہیں اور ان کی محنت ہرگز ضائع نہیں بلکہ خیر کے موافق دلوں میں اثر کرتی ہے اور باطن میں بہت سے لوگوں کے دل تیار ہوتے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک مہینہ سے کم گزرا ہوگا کہ ایک معزز رئیس میرے پاس آیا اور مجھ سے ایک گھنٹہ تک دینی گفتگو کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دل کچھ تیاری چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے دینی کتابیں بہت دیکھیں لیکن میرے گناہوں کا بوجھ ٹلا نہیں اور میں خوب جانتا ہوں کہ میں نیک کام نہیں کر سکتا۔ مجھے بہت بے چینی ہے۔ میں نے جواب میں اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں اس کو اس لہو کی بابت سمجھایا جو سارے گناہوں سے پاک وصاف کرتا ہے اور اس راستبازی کی بابت سمجھایا کہ جو اعمال سے حاصل نہیں ہو سکتیں بلکہ مفت ملتی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے سنسکرت میں انجیل دیکھی ہے اور ایک دو دفعہ یسوع مسیح سے دعا مانگی ہے اور اب میں خوب انجیل کو دیکھوں گا اور زور زور سے عیسیٰ

مسیح سے دعا مانگوں گا۔ (یعنی مجھ کو آپ کے وعظ سے بڑی تاثیر ہوئی اور عیسائی مذہب کی کامل رغبت پیدا ہوگئی) اب دیکھنا چاہیے کہ نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر نے کس محنت سے ہندو رئیس کو اپنے مذہب کی طرف مائل کیا۔ اور اگر چہ ایسے ایسے رئیس اپنے مطلب نکالنے کیلئے حکام کے روبرو ایسی ایسی منافقانہ باتیں کیا کرتے ہیں تا حکام ان پر خوش ہو جائیں اور ان کو اپنا دینی بھائی بھی خیال کر لیں۔ لیکن اس تقریر سے مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ صاحب موصوف کی اس گفتگو سے گورنمنٹ انگریزی کی آزادی کو سمجھ لینا چاہیے۔ کیونکہ جب خود نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر اپنے خوش عقیدہ کا ہندوستان میں پھیلانا بدلی رغبت چاہتے ہیں بلکہ اس کیلئے کبھی کبھی موقعہ پا کر تحریک بھی کرتے ہیں تو پھر وہ دوسروں پر اپنے اپنے دین کی ہمدردی کرنے میں کیوں ناراض ہوں گے۔ اور حقیقت میں یکرنگی سے ہمدردی بجالانا ایک نیک صفت ہے جس پر نفاق کی سیرت کو قربان کرنا چاہیے۔ اسی یکرنگی کے جوش سے بمبئی کے سابق گورنر سر رچرڈ ٹیمپل صاحب نے مسلمانوں کی نسبت ایک مضمون لکھا ہے چنانچہ وہ ولایت کے ایک اخبار ایوننگ سٹینڈرڈ نامی میں چھپ کر اردو اخباروں میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ افسوس ہے کہ مسلمان لوگ عیسائی نہیں ہوتے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ان کا مذہب ان ناممکن باتوں سے لبریز نہیں ہے جن میں ہندو مذہب ڈوبا ہوا ہے۔ ہندو مذہب اور بدھ مذہب کے قائل کرنے کیلئے ممکن ہے کہ ہنسی ہنسی میں عام دلائل سے قائل کر کے ان کو مذہب سے گرایا جائے لیکن اسلامی مذہب عقل کا مقابلہ بخوبی کرتا ہے اور دلائل سے نہیں ٹوٹ سکتا ہے۔ عیسائی لوگ آسانی سے دوسرے مذہبوں کے ناممکنات ظاہر کر کے ان کے پیرؤں کو مذہب سے ہٹا سکتے ہیں مگر محمدیوں کے ساتھ ایسا کرنا ان کیلئے ٹیڑھی لکیر ہے۔ سو یہ یک رنگی مسلمان امیروں میں نہیں پائی جاتی چہ جائیکہ وہ اس مضمون پر غور کریں۔

خاکسار غلام احمد

جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں خدا کے خواص کا ضروری ہونا یعنی اس کی ذات اور صفات

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور بے بہرہ ہیں۔ چنانچہ ہریک منکر کی تسلی کرنے کے لئے ہم ہی ذمہ اٹھاتے ہیں بشرطیکہ وہ سچے دل سے اسلام قبول کرنے پر مستعد ہوکر پوری پوری ارادت اور استقامت اور صبر اور صداقت سے طلب حق کے لئے اس طرح تکلیف کش ہو۔ اگر اب بھی کوئی انکار سے باز نہ آوے تو یہ انکار اس کا اس بات پر صاف دلیل ہے کہ وہ دنیا کی محبت سے سچائی کو قبول کرنا نہیں چاہتا اور تمام گفتگو اس کی عناد اور بغض کی راہ سے ہے نہ حق جوئی کی راہ سے۔ اب اے حضرات برہمو!! ذرا آنکھ کھول کر دیکھ لو کہ ہماری اس تحقیق سے بانکشاف تمام ثابت ہوگیا کہ الہام نہ غیر ممکن ہے اور نہ غیر موجود بلکہ ایک بدیہی الثبوت صداقت ہے کہ جو عندالعقل واجب اور ضروری اور عندالتفتیش متحقق الوجود ہے جس کا موجود ہونا ہم نے ثابت کر دکھایا ہے۔ پس اے حضرات اب آپ لوگوں پر لازم ہے کہ اس حاشیہ کو اور نیز حاشیہ در حاشیہ نمبر ایک اور نمبر ۲ اور نمبر ۳ کو بغور تمام پڑھیں اور بار بار پڑھیں اور پھر بمقتضائے خداترسی راستے کے روشن چراغ کو پاکر ناراستی کے تاریک خیالات کو چھوڑ
دیں اور اس متعصّبانہ شرم کو دل میں جگہ نہ دیں کہ اپنا ہی سیا ہوا کیونکر ادھیڑیں۔ بلکہ لازم ہے کہ جو شخص اپنے تئیں منصف ۳۰۴
سمجھتا ہے اب وہ اپنا انصاف دکھاوے اور جو اپنے تئیں حق کا طالب جانتا ہے اب وہ حق کے قبول کرنے میں توقف نہ کرے۔ ہاں نفسانی آدمی کو ایسی صداقت کا قبول کرنا جس کے ماننے سے اس کی شیخی میں فرق آتا ہے ایک مشکل امر ہوگا۔ مگر اے ایسی طبیعت کے آدمی!! تو بھی اس قادر مطلق سے خوف کر جس سے آخر کار تیرا معاملہ ہے اور دل میں خوب سوچ لے کہ جو شخص حق کو پاکر پھر بھی طریقہ ناحق کو نہیں چھوڑتا اور مخالفت پر ضد کرتا ہے اور خدا کے پاک نبیوں کے نفوس قدسیہ کو اپنے نفس امارہ پر قیاس کرکے دنیا کے لالچوں سے آلودہ سمجھتا ہے حالانکہ کلام الٰہی کے مقابلہ پر آپ ہی جھوٹا اور ذلیل اور رسوا ہو رہا ہے ایسے شخص کی شقاوت اور بدبختی پر خود اس کی روح گواہ ہوجاتی ہے کہ جو اس کو ہر وقت ملزم کرتی رہتی ہے اور بلاشبہ وہ خدا کے حضور میں اپنی بے ایمانی کا پاداش پائے گا۔ کیونکہ جو شخص نہایت سخت اور جلانے والی دھوپ میں کھڑا ہے وہ ظل ظلیل کا آرام نہیں پاسکتا۔ سو اگرچہ نصیحت ایسا تیر نہیں ہے کہ چھوٹتے ہی پار ہوجائے لیکن جس کام کے اختیار کرنے میں صریح دنیا کی رسوائی نظر آتی ہے اور آخر کی بدبختی بھی ٹلنے والی چیز نہیں اس کام کو کیوں ایسے لوگ اختیار کریں جن کا یہ دعویٰ ہے جو ہم عقل کی راہوں پر چلنا چاہتے ہیں بالخصوص برہمو سماج کے بعض متین اور شائستہ لوگ جو ذی علم اور لائق آدمی ہیں ان کی حکیمانہ طبیعت پر ہمیں قوی اُمید ہے کہ وہ بصدق دلی ان تمام صداقتوں کو جن کی سچائی اس حاشیہ میں ثابت ہوچکی
ہے، قبول کرلیں گے۔ بلکہ میں یہ امید رکھتا ہوں کہ قبل اس کے جو ایسے لوگ بہ تمام وکمال یہ حاشیہ پڑھیں متاثر اور ہدایت ۳۰۵
پذیر ہوجائیں گے کیونکہ دانا اور شریف آدمی کسی بحث میں اپنے تئیں ملزم ہوتے دیکھ کر اپنی حالت کو رسوائی کو نوبت تک نہیں پہنچاتا اور اس وقت سے پہلے جو ذلت ظاہر ہو عزت کے ساتھ حق کو قبول کرکے ارباب حق کی نظر میں قابل تعظیم ٹھہر جاتا ہے۔ لیکن جو شخص اپنی فطرت سے بے حیا اور بے شرم ہے اس کو رسوائی اور ذلت کا ذرہ خیال نہیں اور رسوا ہونے سے وہ کچھ بھی اندیشہ نہیں رکھتا۔ اور حقیقت میں اکثر ایسی جنس کے لوگ دنیا میں پائے جاتے ہیں کہ جو صفت حیا سے بکلی الگ ہوکر بکمال بے حیائی ایک امر بدیہی البطلان پر اصرار کرتے رہتے ہیں اور ہزار سمجھاؤ اپنی ضد کو نہیں چھوڑتے اور اپنی راہ کج سے باز نہیں آتے اور دن کو دیکھ کر پھر اسے رات کہے جاتے ہیں اور اس بات سے کچھ خوف نہیں رکھتے کہ لوگ انہیں اندھا اور نابینا کہیں گے۔ یہی لوگ ہیں جو بباعث شدت تعصب وقلت علم ولیاقت مردہ کی طرح پڑے ہیں اور صداقت کی طرف

اور افعال کا شرکت غیر سے یعنی اس کی ذات اور صفات کا شرکت غیر سے پاک ہونا اور قدرت کاملہ ۲۷۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ایک ذرہ حرکت نہیں کرتے اور راستی اور استقامت کا راستہ نہیں پکڑتے ۔ جوادا دیکھو نرالی، جو بات دیکھو ٹیڑھی' انہیں کی نسبت ہم بار بار لکھتے ہیں کہ ہوش سنبھالیں اور عقل کا دعویٰ کرتے کرتے بے عقل نہ بن جائیں ۔ وہ انسان بڑا نالائق اور دون ہمت کہلاتا ہے جس کی زبان پاکوں اور مقدسوں کی تحقیر میں تو بڑی لمبی ہو لیکن کلمہ حق بولنے کے وقت میں گونگی ہو جائے ۔ اگر یہ لوگ کسی ایسی بات کے سمجھنے سے رک جاتے کہ جو حقیقت میں ایک باریک دقیقہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ ان کا کچھ قصور نہیں ۔ بات باریک تھی اس لئے سمجھ آنے سے رہ گئی ۔ مگر اس تعصب کو دیکھو کہ وہ باتیں کہ جو ادنیٰ استعداد کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے انہیں کے قبول کرنے سے ان کو انکار ہے ۔ بھلا الہام ہی کے بحث میں کوئی منصف آدمی خیال کرے کہ کیا اس ۳۰۶
بات کا سمجھنا کچھ مشکل ہے کہ خدا جو تمام صفات کاملہ سے متصف ہے گونگا نہیں ہوسکتا بلکہ ضرور لازم ہے کہ جیسے دیکھتا ہے سنتا ہے جانتا ہے ایسا ہی بولتا بھی ہو ۔ اور جب بولنے کی صفت پائی گئی تو اس صفت کا فیض بھی افراد لائقہ نوع انسان پر ہونا چاہیے ۔ کیونکہ خدا کی کوئی صفت فیض رسانی سے خالی نہیں اور وہ بجمیع صفاتہ مبدء فیوض ہے نہ ببعض صفاتہ اور تمام صفتوں کے رو سے انسان کے لیے رحمت ہے نہ بعض صفتوں کے رو سے ۔ کیا اس بات کا سمجھنا کچھ پیچ دار ہے کہ انسان جو انواع اقسام کے جذبات نفسانی میں گرفتار ہے اور ہر یک لحظہ حرص اور ہوا کی طرف جھکا جاتا ہے وہ آپ ہی قانون شریعت کا واضع اور بنانے والا نہیں ہوسکتا بلکہ وہ پاک قانون اسی کی طرف سے صادر ہوسکتا ہے کہ جو اپنی ذات میں ہر یک جذبہ نفسانی اور سہو و خطا سے پاک ہے ۔ کیا اس امر میں کچھ شک بھی ہے کہ مجرد عقل خداشناسی کے بارہ میں مرتبۂ ہے تک ہرگز نہیں پہنچا سکتی ۔ کیا انسانوں کے دلوں میں طبعی طور پر اس خواہش کا احساس پایا نہیں جاتا کہ وہ خدا کی دریافت کے بارے میں ظنون عقلیہ سے آگے قدم بڑھاویں ۔ کیا سچے طالبوں کی روح ایسے انکشاف کے لئے نہیں تڑپتی جس سے ان کو اس زندہ خدا کے وجود اور عالم مجازات پر کامل تسلی اور تشفی ملے اور اس کی ہستی اور اس کے وعدوں کا حقیقی طور پر پتہ لگ جاوے ۔ کیا یہ ۳۰۷
امر منصف پر پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ جو صدہا مذہبی جھگڑے طول طویل تقریروں سے پیدا ہوئے ہیں جن کا **اصل موجب** غلط تقریروں کا اثر ہے ۔ وہ صرف قانون قدرت کے اشارت سے اور اسی مبہم صحیفہ کے ایمایات سے طے نہیں ہو سکتے بلکہ جو بات تقریروں نے بگاڑی ہے، اس کی اصلاح بھی تقریروں ہی سے ہوسکتی ہے اور جو کلام کا مارا ہوا ہے وہ کلام ہی سے زندہ ہوسکتا ہے ۔ مگر بمقابلہ ناپاک کلام کے کلام ایسا پاک چاہیے جو بالکل حق محض اور خدا کے خالص علم سے نکلا ہو ۔ پھر جب کہ باوجود بدیہی الصداقت ہونے کے مسئلہ ضرورت الہام کے پھر بھی بعض لوگ الہام سے انکار کئے جاتے ہیں اور خدا کی مقدس کتاب کو انسان کو اختراع خیال کرتے ہیں تو کیونکر خیال کیا جائے کہ ان کو کچھ خدا کا خوف بھی ہے اور کیونکر امید رکھیں کہ ان کے مونہہ سے بھی کوئی انصاف کا کلمہ نکلے گا ۔ جو لوگ کسی حالت میں جھوٹ کو چھوڑنا نہیں چاہتے ان کو ہمارا کہنا بھی عبث ہے اور ان کا اس کتاب کو دیکھنا بھی عبث ۔ افسوس کہ صدہا آدمی عاقل کہلا کر پھر جہالت میں گرفتار ہیں ۔ آنکھیں رکھتے ہیں پر دیکھتے نہیں ۔ اور کان بھی ہیں پر سنتے نہیں ۔ اور دل بھی ہے پر سمجھتے نہیں ۔ ایسے لوگ برہمو سماج والوں میں کچھ کم نہیں جنہوں نے اپنی عقل بھی دکھلائی تو یہ دکھلائی کہ خدا کی صفات قدیمہ کو اس کی ذات میں سے ادھیڑ کر الگ رکھ دیا اور گونگا اور ناقص الفیض اور ناقص القدرت نام رکھا ۔ جب ان کے عقلمندوں کا یہ حال ہے تو کیا وہ جس کی عقل ان میں سے ناقص ہے ان کو دیکھ کر بکلی خدا کی صفات سے منکر نہیں ہو جائے گا ۔ کیونکہ اگر خدا بولنے پر قادر نہیں تو پھر کیونکر کوئی سمجھے کہ

٢٨٠ سے بھرے ہوئے ہونا یہ ایسا امر نہیں ہے کہ جو فقط تجربہ سے ثابت ہوا ہو بلکہ دلائل عقلیہ بھی خدا کا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

دیکھنے اور سننے اور جاننے پر قادر ہے۔ اگر اس میں صفت کلام نہیں پائی جاتی تو پھر اس پر کیا دلیل ہے کہ اور صفتیں پائی جاتی ہیں اور اگر صفت تکلم تو اس کو حاصل ہے پر اس صفت سے کسی مخلوق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا تو کیا یہ خیال نہیں کیا جائے گا کہ وہ درخت رحمت اپنی تمام شاخوں کے ساتھ جو صفات کاملہ ہیں اپنی مخلوق پر سایہ افگن نہیں بلکہ بعض ٹہنیاں اس کی خشک بھی ہیں جن سے کبھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا۔ یہ تو برہموسماج والوں کا خوش اعتقاد ہے پھر ایسے لوگ باوجود ان ذلیل اور باطل اعتقادوں کے قرآن شریف کو کہ جو تمام صداقتوں کا چشمہ ہے ایسا خیال کر رہے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ خدا کا کلام نہیں بلکہ خود
٣٠٨ غرضی سے لکھا گیا ہے۔ اور چونکہ برے خیالات اچھے خلقوں سے محروم رکھتے ہیں اس لئے یہ لوگ بھی قرآن شریف پرؔ بدگمانی کر کے طرح طرح کے خبائث میں پڑ گئے اور انواع اقسام کی اہانت روا رکھی۔ تندرست کو بیمار قرار دے دیا اور اپنے گھر کے ماتم سے بے خبر رہے۔ افسوس کہ یہ لوگ نہیں سوچتے کہ جو کتاب خود غرضی سے لکھی جاتی ہے کیا اس کی یہی نشانیاں ہوا کرتی ہیں کہ وہ حکمت میں، معرفت میں، حقائق میں، دقائق میں سب کتابوں سے افضل و اعلیٰ ہو اور انسان اس کے مقابلہ سے عاجز ہو۔ کیا ایسی کتاب کو انسان کا افترا کہنا چاہیے۔ جس کے مقابلہ پر اگر سارے انسان فکر کرتے کرتے مر بھی جائیں تب بھی اس کے سامنے کچھ بن نہیں پڑے۔ کیا ایسے مقدس اور معصوم اور پاک اور کامل انسان کو نفسانی اور اہل غرض کہنا چاہیے جس نے دنیا کی تعلیموں میں سے ایک ذرہ حصہ نہ پایا اور امی اور محض بے علم ہو کر حکیموں کو اپنے فضائل علمیہ سے شرمندہ کیا، تمام فلاسفروں کا گھمنڈ توڑا، گم گشتہ لوگوں کو خدا کا راستہ دکھایا۔ اگر اس کام کو کسی انسان نے کیا ہے تو گویا وہ انسان نہیں خدا ہی ہوا جس نے ایسا کام کر دکھایا، جس کی نظیر پیش کرنے سے انسانی قوتیں قاصر و درماندہ ہیں۔ اگر وہ پاک نبی جو قرآن شریف لایا نعوذ باللہ نفسانی آدمی ہے تو پھر ان لوگوں کا نام کیا رکھیں جو بڑے بڑے عاقل اور حکیم و فلاسفر بلکہ خدا کہلا کر اور مخلوق پرستوں کی نظر میں رب العالمین بن کر پھر بھی فضائل علمیہ میں اس کے برابر نہ ہو سکے اور ان کی کلام نے قرآن شریف کے سامنے اتنی بھی حیثیت پیدا نہ کی جیسی سمندر کے سامنے ایک نیم قطرہ کی حیثیت ہوتی ہے۔ افسوس کہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان روا رکھ کر یہ خیال نہیں کرتے کہ اس سے ایک عالم کی کسر شان لازم آتی ہے۔ کوئی اپنی عقل پر ناز کرے یا بزعم خود کسی دوسرے نبی کا تابع بن بیٹھے۔ اس کے لئے یہی سیدھا راستہ ہے کہ اول انتہا کی کوشش کر کے قرآن شریف کے حقائق و معارف کے مقابلہ پر اپنی عقل یا اپنی الہامی کتاب میں سے ویسے ہی حقائق حکمیہ نکال کر دکھلاوے پھر جو چاہے بکا کرے۔ مگر قبل اس کے جو اس مہم کو انجام دے سکے جو کچھ وہ کسر شان قرآن شریف کرتا ہے یا جو الفاظ تحقیرانہ حضرت خاتم الانبیاء کے حق میں بولتا ہے۔ وہ حقیقت میں اسی نادان ناقص العقل پر یا اس کے کسی نبی و بزرگ پر وارد ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر آفتاب کی روشنی کو تاریکی قرار دیا جائے تو پھر بعد اس کے اور کون سی چیز رہے گی جس کو ہم روشن کہہ سکتے ہیں۔

اے سر خود کشیدہ از فرقان پا نہادہ بہ لجۂ طغیاں
بانگ کم کن بہ پیش نور ہدیٰ توبہ کن از فسوس و بازیہا
ایں چہ چشمے ست کور و سخت کبود کافتابے درو چو ذرہ نمود
تانگیری کنارہ زیں رہ و خو ہست دور از کنار کشتی تو

۲۸۱ اپنی ذات اور جمیع صفات اور افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری اور واجب ٹھہراتے ہیں۔ اور اس

بقیہ حاشیہ نمبر 11

با خدایت عناد و کیں تا چند خندہ و بازیت بدیں تا چند
خویشتن را مکش بہ ترک حیا جائے گریہ مشو باستہزا
۳۰۹ مہرِ تاباں چو بر فلک رخشید چوں توانی بخاک و خس پوشید
شب تواں کرد صد فریب نہاں لیک در روز روشن ایں نتواں
نور فرقاں نہ تافت است چناں کو بماند نہاں ز دیدہ وراں
آن چراغ ہدی ست دنیا را رہبر و رہنما ست دنیا را
رحمتے از خداست دنیا را نعمتے از سماعت دنیا را
مخزن راز ہائے ربانی از خدا آلۂ خدا دانی
برتر از پایہ بشر بکمال دستگیر قیاس و استدلال
کار سازِ اتم بعلم و عمل حجتش اعظم و اثر اکمل
ہر کہ بر عظمتش نظر بکشاد بے توقف خدایش آمد یاد
داں کہ از کبرو کیں ندید آں نور کور ماند و ز نور حق مہجور
وہ چہ دارد ازاں یگاں اسرار دل و جانم فدائے آں اسرار
پر ز نور جلال حضرت پاک خور تاباں ز اوج حق برخاک
وہ چہ دارد خزائن اسرار دل و جانم فدائے آں انوار
ہست آئینہ بہر روئے خدا عالمے را کشید سوئے خدا
بے زباناں از و فصیح شدند زشت رویاں از و صبیح شدند
میوہ از روضۂ فنا خوردند واز خود و آرزوئے خود مردند
دست غیبے کشید دامن دل پا بر آورد جذب یار ز گل
بود آں جذبۂ کلام خدا کہ دل شاں ربود از دنیا
سینۂ شاں ز غیر حق پرداخت واز مئے عشق آں یگاں پر ساخت
چوں شد آں نور پاک شامل شاں تافت از پردہ بدر کامل شاں
دور شد ہر حجاب ظلمانی شد سراسر وجود نورانی
خاطر شاں بجذب پنہانی کرد مائل بعشق ربانی
آں چناں عشق تیز مرکب راند کہ ازاں مشت خاک ہیچ نماند
نے خودی ماند نے ہوا و ہوس او فتادہ بخاک و خوں سرکس
عاشقان جلال روئے خدا طالبان زلال جوئے خدا
پر زعشق و تہی ز ہر آزے کشت وز ایشاں نخاست آوازے

۲۸۲ کی الوہیت کے تحقق کو انہیں خواص کے تحقق سے مشروط قرار دیتے ہیں۔ پس اب ان نادانوں کو

بقیہ حاشیہ نمبر 11

پاک گشتہ زلوث ہستی خویش　　رستہ از بند خود پرستی خویش
آنچناں یار در کمند انداخت　　کہ نہ دانند بادگر پرداخت
قدم خود زدہ براہ عدم　　گم بیادش ز فرق تا بقدم
ذکر دلبر غذائے نغز حیات　　حاصل روزگار و مغز حیات
سوختہ ہر غرض بجز دلدار　　دوختہ چشم خود زغیر نگار
دل و جاں بر رخے فدا کردہ　　وصل او اصل مدعا کردہ
مردہ و خویشتن فنا کردہ　　عشق جوشید و کارہا کردہ
از دیار خودی شدند جدا　　سیل پرزور بود برد از جا
لا جرم یافتند نور خدا　　چوں خودی رفت شد ظہور خدا
تن چو فرسود دلستاں آمد　　دل چو از دست رفت جاں آمد
عشق دلبر بروئے شاں بارید　　ابر رحمت بکوئے شاں بارید
ہست ایں قوم پاک را جاہے　　کہ ندارد جہاں بدو راہے
دست بہر دعا چو بردارند　　مورد فیض ہائے دادارند
کشف رازے گر از خدا خواہند　　ملہم از حضرت شہنشاہ اند
کس بسر وقت شاں ندارد راہ　　کہ نہاں اند در قباب اللہ
گر نماید خدا یکے زاناں　　برکابش دو اند سلطاناں
ایں ہمہ عاشقان آں یکتا　　نور یابند از کلام خدا
گرچہ ہستند از جہاں پنہاں　　باز گہہ گہہ ہمی شوند عیاں
ہمچو خورشید و مہ بروں آیند　　غیر را چہرہ نیز بنمایند ۳۱۰
بالخصوص آں زماں کہ باد خزاں　　باغ مہر و وفا کند ویراں
دل بہ بندد جہاں بدار فنا　　لب کشاید بمدحت دنیا
جیفہ را کنند مدح و ثنا　　واز خداوند جود استغنا
عاشق زر شوند و دولت و جاہ　　سرد گردد محبت آں شاہ
شوکت و شان ایں سرائے زوال　　خوش نماید بدیدہ جہال
بر زبانہا شود مقام خدا　　اندروں پر شود ز حرص و ہوا
اندریں روز ہائے چوں شب تار　　دست گیرد عنایت دادار
مے فرستد بخلق صاحب نور　　تاشود تیرگی ز نورش دور
تاز شور و فغان عاشق زار　　خلق گردد ز خواب خود بیدار

ذرا حیا اور شرم کو کام میں لاکر غور کرنی چاہیے جنہوں نے کلام الٰہی کی بے نظیری کی عدم تسلیم میں ۲۸۳

بقیہ حاشیہ نمبر 11

تا شناسند مرد مان رہ راست — تا بدانند منکراں کہ خداست
ایں چنیں کس چو رو نہد بہ جہاں — بر جہاں عظمتش کنند عیاں
چوں بیاید بہار باز آید — موسم لالہ زار باز آید
وقت دیدار یار باز آید — بے دلاں را قرار باز آید
ماہ روئے نگار باز آید — خور بہ نصف النہار باز آید
باز خندد بہ ناز لالہ و گل — باز خیزد ز بلبلان غلغل
دست غیبش بہ پرورد ز کرم — صبح صدقش کند ظہور اتم
نور الہام ہمچو باد صبا — نزدش آرد زغیب خوشبوہا
مے شود ملہم از امور نہاں — زاں سرائیر کہ خاصۂ یزداں
تا نماید عیاں حقیقت کار — تا زند سنگ بر سر انکار
ہمچنیں آں کریم و پاک و قدیر — مے کند روشنش چو مہر منیر
دیدہا مے کند بدو بینا — گوشہا مے کند بدو شنوا
ہر کہ آمد بدو بصدق و صفا — یابد از وے شفا بحکم خدا
گفت پیغمبر ستودہ صفات — از خدائے علیم مخفیات
برسر ہر صدی بروں آید — آنکہ ایں کار را ہمی شاید
تا شود پاک ملت از بدعات — تا بیابند خلق زو برکات
الغرض ذات اولیاء کرام — ہست مخصوص ملت اسلام
ایں مگو کیں گزاف و لغو وخطا ست — تو طلب کن ثبوت آں برماست
اے یکے ذرۂ ذلیل و خوار — چہ شود عاجز از تواں دادار
ہمہ ایں راست ست لافے نیست — امتحان کن گر اعترافے نیست
وعدۂ کج بہ طالباں ندہم — کاذبم گر ازو نشاں ندہم
من خود از بہر ایں نشاں زادم — دیگر از ہر غمے دل آزادم
ایں سعادت چو بود قسمت ما — رفتہ رفتہ رسید نوبت ما
نعرہ ہا میزنم بر آب زلال — ہمچو مادر دواں پئے اطفال
تا مگر تشنگان بادیہ ہا — گردم آیند زیں فغان و صلا
لیک شرط است عجز وصدق و صفا — آمدن بانیاز و خوف خدا
جستن از غربت و تذلل دل — و ز خلوص و اطاعت کامل
گر کنوں ہم کسے بتابد سر — گیرد از راہ عدل راہ دگر

۲۸۴ صرف یہ اعتراض بنا رکھا ہے کہ جس حالت میں خدا کا کلام بھی ہمارے کلام کی جنس میں سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

نے ز ما پرسد و نہ خود داند — نے ز کیں روئے خود بگرداند
آں نہ انساں کہ کرمک دون ست — راندۂ بارگاہ بے چون ست
سروکارے بحق نمیدارد — لا جرم لعنتش برو بارد
حجت مومناں بر اوست تمام — کار ما پختہ عذر او ہمہ خام
ایھا الجامحون فی الشھوات — اکثرو ذکر ھادم اللذات
رفتنی است ایں مقام فنا — دل چہ بندی دریں دو روزہ سرا
عمر اول ببیں کجا رفت است — رفت و بنگرز توچہ ہا رفت است ۳۱۱
پارۂ عمر رفت در خوردی — پارہ را بہ سرکشی بردی
تازہ رفت و بماند پس خوردہ — دشمناں شاد و یار آزردہ
صد چو تو معجبے بخورد زمیں — سر ہنوزت بر آسماں از کیں
بشنو از وضع عالم گزراں — چوں کند از زبان حال بیاں
کیں جہاں باکسے وفا نکند — نکند صبر تا جدا نکند
گر بود گوش بشنوی صد آہ — از دل مردۂ درون تباہ
کہ چرا رو بتافتم ز خدا — دل نہادم در آنچہ گشت جدا
قدر ایں راہ پرس از اموات — اے بسا گورہا پر از حسرات
جائے آنست کز چنیں جائے — از تورع بروں نہی پائے
ہرچہ اندازدت ز یار جدا — باش زاں جملہ کاروبار جدا
آخر اے خیرہ سرکشی تا چند — کس ز دلدار بگسلد پیوند
روئے دل را بتاب از اغیار — باش ہر دم بجستجوئے نگار
رو بدو کن کہ رو رخ یار ست — ہمہ رو ہا فدائے دلدار ست
تو بروں آز خود لقا این ست — تو در و محو شو بقا این ست
ہر کہ غافل ز ذات بیچون ست — او نہ دانا کہ سخت مجنون ست
تا یکے رو بتابی از رخ دوست — دیگرے را نشاں دہی کہ چو اوست
در دو عالم نظیر یار کجا — عاشقاں را بغیر کار کجا
چو بدل آتشے ز عشق افروخت — دلستاں ماند وغیر او ہمہ سوخت
لیکن این ست بخشش یزداں — تا نہ بخشد یافتن نتواں
آں کساں را عطا شود ز خدا — کز کمند خودی شوند رہا
زیر حکم کلام حق بروند — و ز فرامین او بروں نشوند

ہے اور انہیں کلمات اور الفاظ سے مرکب ہے جن سے ہمارا کلام مرکب ہے تو پھر کیا وجہ کہ ۲۸۵

بقیہ حاشیہ نمبر 11

دیگرے را نمے دہند ایجا　ور دہندش ثبوت آں بنما
غیر را آں وفا و مہر کجا　زہد خشک ست غایت عقلا
عاقلانے کہ برخرد نازاند　بے خبر از حقیقت و رازند
ہمچو گوری سپید کردہ بروں　اندروں پر زخبث گوناگوں
مرخدا را چوسنگ دادہ قرار　عاجز از نطق وساکت از گفتار
آں خدائے کہ حی و قیوم است　نزد شاں یک وجود موہوم است
آں حفیظ و قدیر و رب عباد　نزد شاں او فتادہ ہمچو جماد
خود پسنداں بعقل خویش اسیر　فارغ از حضرت علیم و قدیر
آنکہ خود بین و معجب افتاد است　حضرت اقدسش کجا یاد است
خوئے عشاق عجز ہست و نیاز　نشنیدیم عشق و کبر انباز
گر بجوئی سوار ایں رہ راست　اندر آنجا بجو کہ گرد بخاست
اندر آنجا بجو کہ زور نماند　خود نمائی و کبر و شور نماند
فانیاں را جہانیاں نرسند　جانیاں را زبانیاں نرسند
خلق و عالم ہمہ بشور و شراند　عشق بازاں بعالم دگر اند
تا نہ کار دلت بجاں برسد　چوں پیامت زدلستاں برسد
تا نہ از خود روی جدا گردی　تا نہ قربان آشنا گردی
تا نیائی زنفس خود بیروں　تا نہ گردی برائے او مجنوں
تا نہ خاکت شود بسان غبار　تا نہ گردد غبار تو خوں بار
تا نہ خونت چکد برائے کسے　تا نہ جانت شود فدائے کسے
چوں دہندت بکوئے جاناں راہ　خود کن از راہ صدق و سوز نگاہ
نیست ایں عقل مرکب آں راہ　ہوش کن ہوش کن مشو گمراہ
اصل طاعت بود فنا ز ہوا　تو کجا و طریق عشق کجا
تو نشستہ بکسر از اصرار　کردہ ایماں فدائے استکبار ۳۱۲
ایں چہ عقل تو ایں چہ دانش ورائے　کہ کنی ہمسری بآں یکتائے
ایں چہ استاد ناقصت آموخت　ایں چہ قہر خدا دو چشمت دوخت
ایں چہ از فکر خود خطا خوردی　اول الدن دردی آوردی
چوں شود عقل ناقصت چو خدائے　خاک زادی چساں پرد بہ سما
آنچہ صد سہو و صد خطا دارد　علم آں پاک از کجا آرد

۲۸۶ اس کی مثل بنانے پر ہم قادر نہ ہوسکیں۔ ایسے لوگوں کی حالت پر رونا آتا ہے جن کو ایسی مستحکم اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سہو کن را ثنا کنی ہیہات　ایں چہ سہو و خطا کنی ہیہات
آں چہ لغزد بہر قدم صدبار　چوں ز دریا رساندت بکنار
ایں سراب است سوئے آں مشتاب　می نماید ز دور چشمۂ آب
کشتی تو شکستہ است و خراب　باز افتادہ در تک گرداب
نازکم کن بریں چنیں کشتی　کم خرام اے دنی بدیں زشتی
نرسی تا یقیں ز راہ قیاس　ہمہ برظن و وہم ہست اساس
گر ز فکر و نظر گداز شوی　ایں نہ ممکن کہ اہل راز شوی
گر دو صد جان تو ز تن برود　ایں نہ ممکن کہ شک و ظن برود
ہست داروئے دل کلام خدا　کے شوی مست جز بجام خدا
ہست برغیر راہ آں بستہ　ہمہ ابواب آسماں بستہ
تانشد مشعلے ز غیب پدید　از شب تا جہل کس نرہید
باید اینجا ز کبرہا دوری　تو بعقل و قیاس مغروری
ایں چہ غفلت کہ خوش بدیں کیشی　و از خدا ہیچ کہ نیندیشی
رو طلب کن وصال یار ز یار　تکیہ بر زور خود مکن زنہار
تانہ گردد نگوں سرت بہ نیاز　پردہ از نفس تو نہ گردد باز
تا نریزد ترا ہمہ پر و بال　اندر اینجا پریدن است محال
ناتوانی ست قوت اینجا　ایں چنیں قوتے بیار و بیا
پردۂ نیس بر رخ دلدار　تو ز خود پردہ خودی بردار
ہر کہ را دولت ازل شد یار　کار او شد تذلل اندر کار
آں در آمد بہ حضرت بیچوں　کہ شد از تنگنائی کبر بروں
حق شناسی ز خود روی ناید　خود روی خود روی بے فزاید
از خودی حال خود خراب مکن　شب پری کار آفتاب مکن
تا بشر پر بود باستکبار　اندرونش تہی بود از یار
چوں رسد عجز کس بحد تمام　شورش عشق را رسد ہنگام
اے کہ چشمت ز کبر پوشیدہ　چہ کنم تا کشایدت دیدہ
گر ترا در دل ست صدق طلب　خود روی ہا مکن ز ترک ادب
راز راہ خدا بجو ز خدا　تو نۂ چوں خدا بجائے خود آ
بندہ گاہیم بندہ را باید　کہ کند ہرچہ خواجہ فرماید

بدیہی صداقت کہ جو دلائل قاطعہ سے ثابت ہے سمجھ آنے سے رہ گئی ۔ اگر ان میں ذرا عقل خداداد ہوتی ۲۸۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11

منصب بندہ نیست خود رائی خود نشستن بکار فرمائی
ہر کہ بر وفق حکم مشغول است برسر اجرت است و مقبول است
وانکہ بے حکم خود تراشد کار مزد واجب نمی شود زنہار
ما ضعیفیم و او فتادہ بخاک خود چہ دانیم راز حضرت پاک
ما ہمہ ہیچ اوست کامل ذات علم ما چوں شود چہ او ہیہات
ذات بیچوں کہ نام اوست خدا کے خیال خرد رسد آنجا
آنکہ او آمدست از بر یار او رساند زدلستاں اسرار
آنچہ ما فی الضمیر تست نہاں کے چو تو داندش دگر انساں
پس تو ما فی الضمیر آں دادار مثل او چوں بدانی اے غدار
آنکہ چشم آفرید نور دہد آنکہ دل داد او سرور دہد ۳۱۳
چشم ظاہر بہ بیں کہ چوں زکرم خالقش داد نیر اعظم
وز برائے مصالح دوراں گاہ پیدا نمود و گاہ نہاں
ایں چنیں ست حال چشم دروں آفتابش کلام آں بے چوں
ہوش دار اے بشر کہ عقل بشر دارد اندر نظر ہزار خطر
سرکشیدن طریق شیطانی ست برخلاف سرشت انسانی ست
تا نہ فصلش رہ تو بکشاید صد فضولی بکن چہ کار آید
در سرائر چہ جائے استنباط شترے چوں خزد بسم خیاط
تو نۂ باخبر ازاں کوئے تو نہ دانی جمال آں روئے
خبرے زو بمردماں چہ دہی ماہ نادیدہ را نشاں چہ دہی
سخن یار و سینۂ افسردہ جامۂ زندہ است بر مردہ
گر بری ریگ را بزرگ و بلند جنبش باد خواہدش افگند
ہست مارا یکے کہ ہر فیضاں میشود زاں محافظ تن و جاں
آں خدائے کہ آفرید جہاں ہست ہر آفریدہ را نگراں
ہر چہ باید برائے مخلوقات از لباس و خوراک و راہ نجات
خود مہیا کند بمنت وجود کہ کریم است و قادر است و ودود
چشم خود کن بگشت صحرا باز خوشہ با خوشہ ایستادہ بناز
ہمہ از بہر ماست تا بخوریم درد و رنج گرسنگی نہ بریم
آنکہ از بہر چند روزہ حیات ایں قدر کردہ است تائیدات

۲۸۸ تو اس بیہودہ اعتراض کرنے کے وقت اول یہی سوچتے کہ کیا خدا کا اپنی ذات اور صفات اور جمیع

بقیہ حاشیہ نمبر11

چوں نہ کردی برائے دار بقا نظرے کن بعقل و شرم و حیا
سنگ افتد بر ایں چنیں فرہنگ کہ ز صدق است دور صد فرسنگ
گر کنی سوئے نفس خویش خطاب کہ چہ سانت گذر شود بجناب
خود ندائے بیایدت ز دروں کہ ز تائید حضرت بیچوں
ناید اندر قیاس و فہم کسے کہ شود کار پیل از مگسے
پس چہ ممکن کہ ذرۂ امکاں خود کند کار حق بزور و تواں
شان دادار پاک را بشناس و از چنیں کسر شان او بہراس
خویشتن را شریک او سازی پیش او دم زنی بانبازی
ایں چہ عقل است اے بترز دواب ایں چہ برفہم تو فتاد حجاب
گر کسے گویدت باستحقار کہ دریں شہر چوں تو ہست ہزار
نیستی از کسے بعقل فزوں باتو ہم پایہ اند مردم دوں
مشتعل میشوی بہ کیں خیزی در دل آری کہ خون او ریزی
آنچہ برخود روا نمیداری چوں پسندی بحضرت باری
چوں پسندی کہ کار ساز امور ابکمے ہست و از سخن معذور
چوں پسندی کہ واہب ہر نور بخل ورزیدہ باشد است قصور
چوں پسندی کہ حضرت غیور ہست عاجز چو مردگان قبور
بہر تعظیم ہست مذہب و دیں تف برآں دیں کہ میکند توہین
آنکہ او خلق را زبانہا داد خاک را طاقت بیانہا داد
چوں بود گنگ و بے زباں ہیہات شرمت آید زپاک و کامل ذات
جامع ہر کمال و عز و جلال چوں بود ناقص اے اسیر ضلال
ہمہ اوصاف او چو گشت عیاں چوں بماندے تکلمش پنہاں
دیدہ آخر برائے آں باشد کہ بدو مرد راہ داں باشد
وہ چہ ایں چشم ہست و ایں دیدہ کہ برو آفتاب پوشیدہ
گر بدل باشدت خیال خدا ایں چنیں ناید از تو استغنا
از دل و جاں طریق او جوئی و از سر صدق سوئے او پوئی
ہر کرا دل بود بہ دلدارے خبرش پرسد از خبر دارے
۳۱۴ گر نباشد لقائے محبوبے جوید از نزد یار مکتوبے
بے دلآرام نایدش آرام گہ بروئیش نظر گہے بکلام

افعال میں واحد لاشریک ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر اس دلیل کو نہیں سوچا تھا تو کاش اس دوسری ۲۸۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

آنکہ داری بہ دل محبت او — نایدت صبر جز بہ صحبت او
فرقت او گر اتفاق افتد — در تن و جان تو فراق افتد
دولت از ہجر او کباب شود — چشمت از رفتنش پر آب شود
باز چوں آں جمال و آں روئے — شد نصیب دو چشم در کوئے
دست در دامنش زنی بجنوں — کہ ز نادیدنت دلم شد خوں
ایں محبت بہ ذرۂ امکاں — واز دل افگندۂ خدائے یگاں
لاابالی فتادہ زاں یار — فارغی زاں جمال و زاں گفتار
مُردگاں را ہمے کشی بہ کنار — و از دلآرام زندۂ بیزار
کس شنیدی کہ قانع از یارست — عشق و صبر ایں دوکار دشوارست
آنکہ در قعر دل فزود آید — دیدہ از دیدنش نیا ساید
تو دل خود بہ دیگراں دادہ — یکسر از یاد فارغ افتادہ
ایں بود حال وطور عاشق زار — ایں بود قدر دلبر اے مردار
عاشقاں را بود ز صدق آثار — اے سیہ دل ترا بعشق چہ کار
تاز تو ہستی ات بدر نرود — تخم شرک از دل تو بر نرود
پائے سعیت بلند تر نرود — تا ترا دود دل بسر نرود
یار پیدا شود دراں ہنگام — کہ تو گردی نہاں زخود بہ تمام
تا نہ سوزی زسوز و غم نرہی — تانمیری ز موت ہم نرہی
چیست آں ہرزہ جان وتن کہ نسوخت — آتش اندر دلے بزن کہ نسوخت
کلبۂ جسم خود بکن برباد — چوں نمی گردد از خدا آباد
پائے خود را جدا کن از تن خویش — چوں نگیرد رہے صداقت پیش
ہیچ چیزے چو ذات بیچوں نیست — جگرے خوں شود کزوخوں نیست
گنجائے جہاں فدائے نگار — بہ ز صد گنج خاک پائے نگار
ہر چہ از دست اور سد آں بہ — خار او از ہزار بستاں بہ
ذلت از بہر او زعزت بہ — قلت از بہر او ز کثرت بہ
مردن از بہر او حیات مدام — صد لذائذ فدائے آں آلام
اے کہ در کوئے دلستاں گذری — باوفا باش ور زجاں گذری
صادقانے کہ طالب یار اند — جانفشاناں ز بہر دلدار اند
گر نیابند راہ آں دلبر — از غمش جاں کنند زیر و زبر

۲۹۰ دلیل کوہی سوچا ہوتا کہ جس ذات کو علمی اور قدرتی طاقتوں میں سب سے زیادہ اور بے مثل و مانند تسلیم

بقیہ حاشیہ نمبر 11

از دلآرام رنگ میدارند   و از رہ نام ننگ میدارند
لذت خود بدرد می بینند   حسن در روئے زرد می بینند
تو کہ چوں خر بہ گل فرومانی   ہمت آں یلاں چہ میدانی
سہل باشد حکایت از غم ودرد   داند آں کس کہ رو بغمہا کرد
آفرین خدا بر آں جانے   کہ ز خود شد برائے جانانے
منزل یار خویش کرد بہ دل   و از ہواہا رمید صد منزل
از خودی در شد و خدا را یافت   گم شد و دست رہنما را یافت
تو چہ یابی کہ غافلے زیں راہ   و از جلال خدا نۂ آگاہ
ہمہ کارت بعقل خام افتاد   ہمہ سعی تو ناتمام افتاد
ہمچو طوطی ہمیں سخن یادست   کہ بشر عاقلست و آزادست
اے کہ دیوانۂ پئے اموال   وہ کہ در کار دیں چنیں اہمال
روئے دل را بجانب دیں کن   فکر آخر غم نخستیں کن
حصر تو برقیاس در ہمہ حال   ہست بر حمق تو یک استدلال
تا نہ فرماں رسد باعلانے   چوں شود کس مطیع فرمانے
۳۱۵ تاؔ نہ حکمے شود ظہور پذیر   چوں توانی شدن مطیع امیر
تا نہ گردد کسے ز حق مامور   کفر و ایماں چساں کنند ظہور
تا نیاید اشارتے زنگار   چہ برآید زدست عاشق زار
فرق در سرکش و مطیع خدا   جز بحکمش چساں شود پیدا
شرط تعمیل حکم چوں حکم است   پس وجودش بجو نخست اے مست
ورنہ ایں دعویٰ غلط بگذار   کہ روم زیر حکم آں دادار
خود تراشیدن از خودی فرماں   آں نہ حکم خداست اے نادان
نہ بعرف است و نے بعقل روا   کہ شود ظن خویش حکم خدا
حکم او آں بود کہ او فرمود   پس چو فرمود خود نگہ کن زود
کہ ازیں شد ثبوت وحی خدا   شد ضرورت مسلمش زیں جا
گر دہندت بصیرت دینی   در گمانہا ہلاک خود بینی
بنگر آخر بعقل و فکر و قیاس   کہ خرد را نہ محکم است اساس
تا نباشد رفیق او دگرے   نایدش از رہ یقیں خبرے
تا نہ بینی بدیدہا جائے   یا نہ یابی خبر ز بینائے

کرتے ہیں ان طاقتوں کے آثار کو بھی بے مثل و مانند ماننا چاہئے کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کلام ۲۹۱

بقیہ حاشیہ نمبر 11

خود نگوید ترا خرد زنہار　　کہ چنیں دارد آں مکاں آثار
پس چہ ممکن کہ دم زند بمعاد　　کہ چنیں اند آں دیار و بلاد
ایں چہ حمق ست و ایں چہ بے راہی　　کہ بجہل است لاف آگاہی
چوں روی از قیاس خود بر ہے　　کہ ندیدی بعمر خویش گہے
چوں شد از عالم دگر خبرت　　مادرت دیدہ بود یا پدرت
ورندید است کس چہ ساں دانی　　کم خرام اے دنی بہ عریانی
تو کہ داری ز انبیاء انکار　　ایں ہمہ کوری است و استکبار
یک نظر کن بہ فطرت انساں　　کہ ندارند جوہرے یکساں
مختلف او فتاد ہر بشرے　　کس بخیرے فزود کس بشرے
پس چو یک بیش و دیگر است کمی　　ہم چنیں در قبول فیض ہمی
خود نگہ کن کنوں ز صدق و صفا　　کہ چہ ثابت ہمیں شود زیں جا
شب تا راست و خوف بیش از بیش　　از سر خود روی مدہ سر خویش
پس دیوار چوں نمے دانی　　چوں بدانی غیوب ربانی
در شگفتم کہ باچنیں نقصاں　　از چہ برعقل مے شوی نازاں
ایں چہ عقل است و ایں چہ معرفت است　　این چہ قہر خدا دو چشمت بست
ایں جہانت چو عید خوش افتاد　　واں وعید خدا نداری یاد
بشنو از وحیٔ حق چہ گوید راز　　از جناب وحید و بے انباز
کاں خردہا کہ در دل عقلاست　　ہمہ یک ذرۂ ز آتش ماست
آں کلام خدا نہ بر فلک است　　تا بگوئی کہ ہست دور از دست
یا بگوئی کہ کار ہست محال　　برفلک رفتم کدام مجال
نے بزیر زمیں کلام خدا　　تا بگوئی کہ چوں خزم آنجا
چوں ز قعر زمیں بروں آرم　　خود چنیں طاقتے نمی دارم
قطع عذر تو کردہ داور پاک　　نور عرش آمد است برسر خاک
گر ترا رحم آں یگاں بکشد　　دولتت سوئے او عناں بکشد
اللہ اللہ چہ ریخت از انوار　　ہست رشح دگر در آں گفتار
جہل گردد زدیدنش یکسو　　رو دہد صد کشائشے زاں رو
نور بار آورد تلاوت او　　عالمے زیر بار منت او
چشم بد دور ایں چہ ہست جمال　　ہست یک چشمۂ ز آب زلال

۲۹۲ کی عظمت وشوکت متکلم کی علمی طاقتوں کے تابع ہے جو کوئی علمی طاقتوں میں زیادہ تر ہے اس کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

تا جہاں رسم دلبری بنہاد	کس چو او دلبری ندارد یاد
آں شعاعے کزو شد است عیاں	کس ندیدہ ز مہر و مہ بجہاں
۳۱۶ چند بر عقل خام ناز کنی	چہ کنم تا تو دیدہ باز کنی
نقص خود بنگر و کمال خدا	ذلت خویشتن جلال خدا
از رہ عقل راہ رب مجید	کس ندید است و کس نخواہد دید
اندر آنجا کہ سوختن باید	چوں رہے از قیاس بکشاید
تا نشد وحی حق مدد فرما	تا نیاورد بو نسیم صبا
عقل را زاں چمن نہ بود خبر	طائر فکر بود سوختہ پر
آں صبا نکہتے زیار آوُرد	تا خرد نیز رو بکار آوُرد
بارہا آب خود نگار آوُرد	تا تخیل قیاس بار آوُرد
وقت عیش است و موسم شادی	تو چہ در سوگ و ماتم افتادی
تند بادے بخواہ از دادار	تا خس و خار تو برد یک بار
در خور و مہ شکے نگیرد راہ	تو ز دلدار خویش دیدہ بخواہ
گمرہی تا دمے کہ سرتابی	چوں بجوئی ز صدق دل یابی
نیستی طالب حقیقت راز	بس ہمیں مشکل است اے ناساز
بر وجودش ز صنعت استدلال	ایں مجاز است نے چو اصل وصال
وصلش از آلۂ مجازی نیست	باز کن دیدہ جائے بازی نیست
گر بر آتش دو صد جگر سوزی	نیستت از قیاس پیروزی
خبرے نیستت ز جانا نہ	مے زنی ہر زہ گام کورانہ
آں یقینے کہ بخشدت دادار	چوں قیاس خودت نہد بکنار
آں یکے از دہان دلدارے	نکتہ ہائے شنید و اسرارے
و آں دگر از خیال خود بگماں	پس کجا باشد ایں دو کس یکساں
اے کہ مغرور راہ مظنونی	تو نہ عاقل کہ سخت مجنونی
آں خدا را کزوست منت ہا	بشمری زیر منت عقلاء
ایں خدائی عجیب در دل تست	کہ چنیں است زار و ماندہ و سُست
تا نہ از عاقلاں مدد ہا یافت	نتوانست سوئے خلق شتافت
کے پسند و خرد کہ آں اکبر	شہرتے یافت از طفیل بشر
شب تارست و دشت و بیم دواں	چوں بخوبی بغفلت اے ناداں

تقریر کی عظمت وشوکت بھی زیادہ تر ہے اور اگر اس دلیل کو بھی نظر سے ساقط کر دیا تھا تو کاش مسئلہ ۲۹۳

بقیہ حاشیہ نمبر 11

خیز و برحال خود نگاہ بکن — خطر راہ بہ بین و آہ بکن
خیز و از نفس خود پرس نشاں — کہ چہ خواہد مراتب عرفاں
مے تپد از برائے رفع حجاب — یا قیاسش بس است در ہر باب
افلا تبصرون★ گفت خدا — خیز و در نفس چو تعطش ہا
تو اسیری بصد ہزار خطا — ہر خطائے بتر ز اژدرہا
عجب ایں کوری است و بے بصری — کہ ازیں کار خام بے خبری
سخن راست است نے ز خطاست — تو نہ فہمی سخن خطا اینجاست
سر سربستہ و ورائے وراء — کہ کشاید بدون وحی خدا
راز ذات نہاں کہ گوید باز — جز خدائے کہ ہست محرم راز
مشت خاکے فتادہ است براہ — تند بادے بجوید از درگاہ
تو نہ فہمی ہنوز ایں سخنم — در دلت چوں فرو شوم چہ کنم
اے دریغا کہ دل ز درد گداخت — درد مارا مخاطبے نشناخت
اے خور روئے یار زود برآ — کہ دل آزرد از شب یلدا
یک نگاہے بس است در دیں ہا — کاش دیدے کسے ز خوف خدا
آشکار است کفر و ایماں ہم — گفتمت آشکار و پنہاں ہم
ترک خوف خدا و بدعملی — ایں دو چیز اند تخم تیرہ دلی
ورنہ روئے نگار نیست نہاں — ہر حجابے ز تست اے بیجاں
از رگ جاں قریب تر یارست — ہر زہ از تو درازی کار است
ہر کہ برخواست از خودی یکبار — خود نشیند بکار او دادار ۳۱۷
حی و قیوم و قادر ست نگار — تو مپندار مردہ اے مردار
میل رفتن گرست جانب یار — جانب صدق را عزیز بدار
در شکے ہست خیز و تجربہ کن — تا شکوکت بر آورم از بن
گر خرد پاک از خطا بودے — ہر خردمند باخدا بودے
کس نرست از ذہول و سہو وخطا — جز خداوند عالم الاشیاء
نظرے کن زروئے استقرا — گر کسے رستہ است باز نما
ورنہ باز آز شورش و انکار — جیفۂ کذب را مخور زنہار
آخرت باخدا فتد سروکار — خود نگہ کن بترس زاں دادار

★ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (الذاریات:۲۱)

۲۹۴ خواصّ الاشیاء حق کا یاد رکھتے ۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ صدہا چیزیں ایک ہی جنس کی ہوتی ہیں بلکہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

در خرابات او فتاد دلے	خود بخود چوں بروں شود ز گلے
رو بہ باطل نہادۂ باز آ	دل بہ بد روئے دادۂ باز آ
در مزابل فتادۂ باز آ	ایں کجا ایستادۂ باز آ
آخر اے لاف زن ز عقل و خرد	ہوش کن پامنہ بروں از حد
دم زدن در خیالہائے محال	ہست شوریدہ مشربی و ضلال
ہر کہ رخت افگند بویرانہ	می نماید بتر ز دیوانہ
چوں چنیں سرزنی ز راہ صواب	چہ نہ دانی کہ آخر است حساب
پائے تو لنگ منزل تو دراز	ترسمت چوں رسی ازیں تگ وتاز
خود چنیں است فطرت انساں	کہ چو بیند کہ مشکل است گراں
اول از زور و تاب وطاقت خویش	می کند سعی و جہد بیش از بیش
تا مگر کار بستہ بکشاید	زیر بار سپاس کس ناید
چوں بہ بیند کہ کار رفت از دست	رسن اختیار رفت از دست
رو نہد سوئے کوچۂ یاراں	مددے جوید از مددگاراں
زور دست براداراں جوید	نزد ہر کارداں ہمی پوید
چوں بماند زہر طرف ناچار	نالد آخر بدرگہ دادار
نعرہ ہا میزند بحضرت پاک	و از تضرع جبیں نہد برخاک
در خود بندد و بگرید زار	کاے کشائیندۂ رہ دشوار
گنہ من بہ بخش و پردہ بہ پوش	تانہ دشمن زند بشادی جوش
چوں چنیں فطرت بشر افتاد	زاں سہ گونہ صفت کہ کردم یاد
آں حکیمش ز لطف بے پایاں	حسب فطرت بداد ہم ساماں
ازپئے جہد خویش عقلش داد	راہ فکر و قیاس و خوض کشاد
و از پئے کار با ہمیں امداد	رحم در قلب یک دگر بنہاد
از شعوب و قبائل و اقوام	کرد کار نظام و ربط تمام
و از پئے حاجت فیض خدا	کرد الہام را ز رحم عطا
تا رسد کار آدمی بکمال	تا میسر شود ہمہ آمال
تا بحد یقین رسد تعلیم	زاں دوگونہ شود رہ تفہیم
زاں دوگونہ مناہج تلقیں	می کشاید رہ حصول یقیں
ہر طبیعت بحسب فہم و خیال	می براید بداں زچاہ ضلال

۲۹۵ ایکؔ ہی صنف کے تحت میں داخل ہوتی ہیں۔مگر پھر بھی حکیم مطلق نے ہر یک چیز میں جداؔ جدا ۲۹۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11

غرض آں میل فطرتے کہ خدا　　کرد در فطرت بشر پیدا
آں ہمی خواست وحی ربانی　　نظرے کن بغور تا دانی
فطرتت چوں فتادہ است چناں　　چوں کشی سر ز فطرت اے ناداں
اقتضائے طبیعت انساں　　کہ نہاد ست ایزد منان
کہ بشر را کشد بسوئے قیاس　　تا نہد کار را بعقل اساس
گاہ دیگر کشد بمنقولات　　تا بیار آمد از بیان ثقات
زینکہ آرام قلب و اطمینان　　جز باخبار صادقان نتواں
نیزؔ چوں واجب است در تعلیم　　کہ بقدر خرد بود تفہیم ۳۱۸
لا جرم راہ کشادہ اند دوتا　　تا رسد ہر طبیعتے بخدا
تا ذکی و غبی و اشرف و دون　　رہ بیابند سوئے آں بیچون
دیگر ایں است نیز ہم برہان　　بر ضرورات وحی آں رحمان
کہ چنیں شہرت خدائے یگان　　ہرگز از جہد عقلہا نتواں
گر نہ گفتے خدا اناالموجود　　چوں فتادے جہاں برش بسجود
ایں ہمہ شور ہستی آں یار　　کہ ازو عالم ست عاشق زار
خود بینداخت آں خدائے جہاں　　نہ بشر کرد بر سرش احساں
اے دریغ ایں چہ آدمی زادند　　کز خدا در خودی بیفتادند
عقل چوں شد چو فیض وحی نہ بود　　دیدہ راز آفتاب ہست وجود
او اگر نور خود نہ بخشیدے　　چشم ما خود بخود چساں دیدے
بلبل از فیض گل سخن آموخت　　منکر ازوے ہماں کہ چشم بدوخت
ہمہ عالم گواہ آلائش　　ابلہ منکر ز وحی و القایئش
مہر پاکاں بجان خود بنشاں　　تا شوی جان من ہم از پاکاں
ایں خرد جملہ خلق میدارند　　نازکم کن کہ چوں تو بسیار اند
چارۂ ما بغیر یار کجا　　ما کجائیم و عقل زار کجا
زہر فرقت چشی و ناکامی　　باز منکر ز وحی و الہامی
جان تو برلب از نخوردن آب　　باز از آب زندگی رو تاب
کور ہستی و کیں بدیدہ وراں　　وہ چہ داری شقاوت و خسران
داروئے درد دل نہ فطنت ماست　　آں بدار الشفائے وحی خداست
نشود عین زر تصور زر　　زر ہمانست کو فتد بہ نظر

۲۹۷ خواص مودع کئے ہیں۔بعض لوگ اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ بولی انسان کی ایجاد

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہست بر عقل منت الہام	کہ ازو پخت ہر تصور خام
آں گماں برد و ایں نمود فراز	آں نہاں گفت و ایں کشود آں راز
آں فرو ریخت ایں بکف بسپرد	آں طمع داد و ایں بجا آورد
آنکہ بشکست ہر بت دل ما	ہست وحئ خدائے بے ہمتا
آنکہ مارا رخ نگار نمود	ہست الہام آں خدائے ودود
آنکہ داد از یقین دل جامے	ہست گفتار آں دلارامے
وصل دلدار و مستی از جامش	ہمہ حاصل شدہ ز الہامش
وصل آں یار اصل ہر کامیست	وانکہ زیں اصل غافل آں خامیست
بے عطیات ما ہمہ بے زاد	بے عنایات ما ہمہ برباد

اس جگہ ہم اس بات کا لکھنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ ہمارے بیان مذکورہ بالا پر جو ضرورت کلام الٰہی کے لئے لکھا گیا ہے پنڈت شیونرائن صاحب اگنی ہوتری نے جو براہم سماج لاہور کے ایک اعلیٰ ممبر ہیں۔ اپنی دانست میں کچھ تعرض کر کے یہ چاہا ہے کہ کسی طرح اس حق الامر کی تاثیر کو اپنی قوم تک پہنچنے سے روک دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس بارہ میں بہت ہی ہاتھ پاؤں مارے ہیں اور بڑی جان کنی سے ایک ریویو بھی لکھا ہے۔لیکن چونکہ بقول مشہور سانچ کو آنچ نہیں اور آفتاب صداقت کسی کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔ اس لئے پنڈت صاحب نے جس قدر کوشش کی اس کا بجز اس کے اور کوئی نتیجہ
۳۱۹ نہیں ہوا کہ دانشمندوں پر صاف کھل گیا ہے کہ پنڈت صاحب حق کے قبول کرنے سے کس قدر نفرت رکھتے ہیں۔سو اگرچہ پنڈت صاحب کی وہ تحریر اس لائق ہرگز نہیں کہ اس کے رد کرنے کی طرف توجہ کی جائے۔ بلکہ خود ہمارے مضمون گزشتہ کو غور سے پڑھنا اس کے رد کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔لیکن اس جہت سے کہ تا پنڈت صاحب کچھ افسوس نہ کریں یا ان کے بعض رفیق ہماری اس خاموشی کو اپنی خوش فہمی سے کسی طور کے عجز پر حمل نہ کر بیٹھیں قرین مصلحت معلوم ہوا کہ گو پنڈت صاحب کی تحریر کیسی ہی بے حقیقت ہے تب بھی منصفین پر اس کی اصلیت ظاہر کی جائے۔سو واضح ہو کہ پنڈت صاحب نے ہمارے ثبوت کے مقابلہ پر اپنے ریویو میں اس بات پر زور دیا ہے کہ جس طریق سے کتب آسمانی کا الہامی ہونا مانا جاتا ہے وہ طریق عقلاً ممتنع اور محال ہے اور قوانین نیچریہ کے برخلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز وہ طریق درست نہیں۔یعنی پنڈت صاحب کی نظر شریف میں وہ الہام ہرگز ممکن الوجود نہیں جس کو کلام الٰہی کہا جاتا ہے۔اور جو محض خداوند حکیم وعالم الغیب کی طرف سے نازل ہوتا ہے اور اس کی ذات پاک کی طرح ہریک شک وشبہ اور غلطی وسہو اور نسیان سے بکلی پاک ہوتا ہے اور جو صفات کاملہ خدا کے کلام میں چاہیے ان تمام صفتوں سے موصوف ہوتا ہے یعنی جیسے خدا عالم الغیب ہے وہ کلام بھی علم غیب پر مشتمل ہوتا ہے۔اور جیسے خدا حکیم وعلیم ہے وہ کلام بھی حکمت اور علم پر اشتمال رکھتا ہے۔اور جیسے خدا غلطی اور جھوٹ اور سہو اور نسیان سے پاک ہے وہ کلام بھی ان تمام امور سے پاک ہوتا ہے اور انسانی خیالات کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا اور نہ انسان کے اختیار میں ہے کہ کسی نوع کا تقدس اور پاکیزگی حاصل کر کے یا کوئی اور حیلہ اور تدبیر بجا لا کر خواہ نخواہ وہ الہام اپنے نفس پر آپ ہی کھول دیا کرے اور انوار غیبیہ اور امور پنہانی اور اسرار آسمانی پر جب چاہے آپ ہی مطلع ہو جائے۔

۲۹۸ ہے۔ اور جبکہ انسان کی ایجاد ہوئی تو پھر بلاغت اور فصاحت اور دوسرے کمالاتِ متعلقہ کلام میں جیسا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کیونکہ اگر ایسا ہو سکتا تو انسان بھی خدا کی طرح ذرہ ذرہ کا علم رکھتا اور کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہ رہ سکتی اور جن معلومات سے
اس کا اقبال چمکتا اور اس کی آفات دور ہوتی وہ سب معلومات اپنے تقدس اور پاکیزگی کی جہت سے آپ ہی حاصل کر لیتا
اور کبھی اس کو کسی جہت سے تکلیف اور رنج نہ پہنچتا۔ مگر تعجب کہ پنڈت صاحب نے باوجود اس قدر انکار اور اصرار کے جو ان
کو کلام الٰہی کے بارہ میں ہے پھر بھی انہوں نے ہمارے ان دلائل اور براہین کو کہ جو ضرورت کلام الٰہی پر بطور یقینی و قطعی
ناطق ہیں توڑ کر نہیں دکھلایا بلکہ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ ظاہر ہے کہ جس حالت میں ہم نے ضرورت کلام الٰہی اور اس
۳۲۰ کے تحقق وجود پر کامل دلائل لکھ دیئے تھے بلکہ بطور نمونہ بعض الہامات پیش بھی کر دیئے تھے۔ تو اس صورت میں اگر پنڈت
صاحب حق جو و حق گو ہو کر بحث کرتے تو ان کے لئے بجز اس کے اور کوئی طریق نہ تھا کہ وہ ہمارے دلائل کو توڑ کر دکھلاتے
اور جو کچھ ہم نے ثبوت ضرورت الہام اور ثبوت وجود الہام اپنی کتاب میں دیا ہے اس ثبوت کو اپنے دلائل بالمقابل سے
معدوم اور مرتفع کرتے۔ لیکن پنڈت صاحب کو خوب معلوم ہے کہ اس عاجز نے دو مرتبہ علی التواتر دو خط رجسٹر کرا کر اس
غرض سے ان کی خدمت میں بھیجے کہ اگر ان کو اس عادت الٰہی میں کچھ تردد در پیش ہے کہ وہ ضرور بعض بندوں سے مکالمات
اور مخاطبات کرتا ہے اور ان کو ایسی چیزوں اور ایسے علموں سے اپنے خاص کلام کے ذریعہ سے مطلع فرماتا ہے کہ جن کی شان
عظیم تک وہ خیالات نہیں پہنچ سکتے کہ جن کا منشاء اور منبع صرف انسان کے تخیلات محدودہ ہیں۔ تو چند روز صدق اور صبر سے
اس عاجز کے پاس ٹھہر کر اس صداقت کو جو ان کی نظر میں ممتنع اور محال اور خلاف قوانین نیچر ہے، بچشم خود دیکھ لیں اور پھر
صادقوں کی طرح وہ راہ اختیار کریں جس کا اختیار کرنا صادق آدمی کے صدق کی شرط اور اس کی صاف باطنی کی علامت ہے۔
مگر افسوس کہ پنڈت صاحب نے باوجود سنیاس دھارنے کے اس امر کو جو حقیقی سنیاس کی پہلی نشانی ہے، سچے طالبوں کی
طرح قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس کے جواب میں قرآن شریف کی نسبت بعض کلمات اپنے خط میں ایسے لکھے کہ جو ایک سچے
خداترس کی قلم سے ہرگز نہیں نکل سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب کو صداقت حقانی سے صرف انکار ہی نہیں بلکہ
عداوت بھی ہے۔ ورنہ جس حالت میں تحقق وجود کلمات اللہ پر عقلی اور مشہودی طور پر ایک بھارا ثبوت دیا گیا ہے اور ہر طرح
کے وساوس کی بیخ کنی کر دی گئی ہے اور ہر یک قسم کی تشفی اور تسلی کے لئے یہ عاجز ہر وقت مستعد کھڑا ہے تو پھر بجز بغض اور
عداوت ذاتی کے اور کونسی وجہ ہے جو پنڈت صاحب کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اب یہ بھی دیکھئے کہ بمقابلہ ہماری
تحقیقات کے پنڈت صاحب کے عذرات کیا کیا ہیں۔ پہلے سب سے آپ یہ فرماتے ہیں کہ براہم لوگ الہام کے قائل تو
ہیں۔ مگر جہاں تک وہ اپنے اصل معنوں اور طبعی طریقہ سے متعلق ہے۔ پھر طبعی طریقہ کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ وہ کوئی کلام
مقرر اور معین نہیں کہ جو بطور خارق عادت کسی کے دل پر نازل ہوتا ہو اور ایسے امور پر مشتمل ہوتا ہو کہ جو انسان طاقتوں سے
۳۲۱ برتر ہوں بلکہ وہ معمولی خیالات ہیں کہ جو حسب مراتب ہر انسان کے دل میں خدا کی طرف سے گزرا کرتے ہیں۔ کیونکہ خدا
کی روح کامل و حاضر و ناظر و علت العلل ہونے کی وجہ سے ہر یک ذرہ اور ہر یک روحانی انسان میں کام کرتی رہتی ہے۔
پس جو شخص جس قدر روحانی نعمتوں اور خدا کی قربت کا بھوکا اور پیاسا ہوتا ہے۔ جس قدر اندرونی زندگی کو مقدس رکھتا ہے۔
جس قدر اپنے تئیں خدا کے حوالے کرتا ہے اور جس قدر ادراک اور ایمان صاف رکھتا ہے اسی قدر وہ اس طبعی فیض سے فیض
یاب ہوتا ہے۔ اس فیض کی ابتدا اسی دن سے ہے جس دن سے انسان کی پیدائش ہے۔ یہ الہام باطنی ہے کہ جو روح انسانی

کہ چاہیے انسان مراتب اقصیٰ تک پہنچ سکتا ہے کیونکہ یہ بات بالکل غیر معقول اور خلاف قیاس ہے کہ ۲۹۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

میں ہوتا ہے۔ اس لئے روح انسانی خدا کی زندہ الہامی کتاب ہے۔ پھر بعد اس کے فرماتے ہیں کہ چونکہ انسانیت میں نفسانیت بھی شامل ہے اس لئے وہ خیالات جو انسانوں کے دلوں میں گزرتے ہیں جن کا نام براہم لوگوں کے نزدیک الہام یا القا ہے وہ اعتماد کلی کے لائق نہیں ہیں بلکہ براہم لوگ ان خیالات کی تصدیق کے لئے کہ جو صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتے ہیں اخلاقی قوتوں کو کسوٹی قرار دیتے ہیں اور جس قوت کے ذریعہ سے فیصلہ کرتے ہیں اس کو عقل کہتے ہیں۔ یہ خلاصہ تقریر پنڈت صاحب ہے۔ اب ظاہر ہے کہ پنڈت صاحب کی ان تمام تقریروں سے مطلب یہ نکلتا ہے کہ جن چیزوں کا نام پنڈت صاحب اور ان کے بھائی الہام رکھتے ہیں۔ وہ فقط عام خیالات ہیں کہ جو عام انسانوں کے دلوں میں عام طور پر گزرا کرتے ہیں اور جو بہ اقرار پنڈت صاحب احتمال غلطی اور خطا سے خالی نہیں ہیں۔ لیکن خدا کی کتابوں میں جس الہام کو خدا کا کلام اور وحی اللہ اور مخاطبات حضرت احدیت بولا جاتا ہے وہ نور ہی الگ ہے جو انسانی خیالات اور بشری طاقتوں سے برتر واعلیٰ ہے۔ پنڈت صاحب اس نور آسمانی کی نسبت جو ایک غیبی آواز ہے جس میں انسان کے خیال اور اس کی طبیعت کا ایک ذرا دخل نہیں ہے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ بوجہ اس کے کہ نیچر کے برخلاف ہے۔ اور ایک امر خارق عادت ہے اس لئے ممتنع اور محال ہے اور ہرگز جائز نہیں کہ خدا اپنا کلام کسی بشر پر نازل کرے۔ بلکہ الہام انہیں خیالات کا نام ہے کہ جو عام طور پر لوگوں کے دلوں میں معمولی اور پیدائشی طریق پر اٹھا کرتے ہیں اور کبھی سچے اور کبھی جھوٹے اور کبھی صحیح اور کبھی غلط اور کبھی پاک اور کبھی ناپاک ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہوتی کہ جو انسانی طاقتوں سے بلندتر ہو۔ بلکہ وہ تمام انسانی طاقتوں کی حد میں پیدا ہوتے ہیں اور انسانی طبیعت ان کا سرچشمہ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ پنڈت صاحب نے ان چند سطروں کے لکھنے میں اپنا وقت ناحق ضائع کیا۔ اگر پنڈت صاحب اپنی اس تحریر سے پہلے کتاب ہذا کے حصہ سوم
۳۲۲ کے صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳ و ۲۱۴ و ۲۱۵ کو ذرا غور سے پڑھ لیتے تو ان پر صاف کھل جاتا کہ اس قسم کے خیالات خدا کا کلام نہیں کہلاتے۔ یہ خیالات خلق اللہ ہیں جو انسان کی طبیعت کا لازمہ ذاتی ہے اور خدا کا کلام جو خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ امر اللہ ہے جو ایک وہبی اور لدنی امر ہے۔ خدا کے کلام کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ جیسے خدا اپنی ذات میں سہو اور خطا اور کذب اور فضول اور ہر یک نقصان اور نالائق امر سے منزہ ہے۔ ایسا ہی اس کا کلام بھی ہر یک سہو اور خطا اور کذب اور فضول اور ہر طرح کے نقصان اور نالائق حالت سے منزہ اور پاک چاہیے۔ کیونکہ جو کلام پاک اور کامل چشمہ سے نکلا ہے اس پر ہرگز یہ بات جائز نہیں کہ کسی نوع کی اس میں ناپاکی یا نقصان پایا جاوے اور ضرور ہے کہ وہ کلام ان تمام کمالات سے متصف ہو کہ جو خدائے قادر و کامل وقدوس و عالم الغیب کے کلام میں ہونی چاہیے۔ لیکن پنڈت صاحب آپ اقراری ہیں کہ جس چیز کا نام انہوں نے الہام رکھا ہوا ہے وہ ہرگز شک اور شبہ اور سہو اور غلطی اور نقصان اور نالیاقتی سے خالی نہیں۔ بلکہ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا الہام ہمیشہ لوگوں کو کفر اور بے ایمانی میں ڈالتا رہا ہے۔ چنانچہ اس نے ابتدائی زمانہ کے لوگوں کو کبھی یہ بتلایا کہ گویا ان کا خدا درخت ہیں۔ اور کبھی پہاڑوں کو خدا بنا دیا، کبھی طوفان کو، کبھی پانی کو، کبھی آگ کو، کبھی ستاروں کو، کبھی چاند کو، کبھی سورج کو۔ غرض اسی طرح طرح طرح کے خداؤں کی طرف ان کو رجوع دیتا رہا۔ اور عقل بھی اس الہام کی تصدیق کرتی گئی۔ آخر مدتوں کے بعد اب کچھ تھوڑے ہی عرصہ سے الہام اور عقل کو اصلی خدا کا پتہ لگا۔ لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس حالت میں پہلے اس سے ہزار ہا مرتبہ پنڈت صاحب کے باپ دادوں کے خیالی الہام نے اور نیز ان کی

انسان اپنی ایجاد میں ترقیات کرنے سے قاصر اور عاجز رہے اور جب کلام کی بلاغت اور فصاحت ۳۰۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

عقل نے طرح طرح کے دھوکے کھائیں ہیں اور خداشناسی میں ہمیشہ کچھ کا کچھ سمجھتے رہے تو اب کیونکر پنڈت صاحب تسلی کر سکتے ہیں کہ ان کا خیالی الہام اور خیالی اٹکلیں خطا اور غلطی سے محفوظ ہیں۔ کیا ممکن نہیں کہ اس میں بھی کچھ دھوکا ہی ہو۔ جس حالت میں پنڈت صاحب کا خیالی الہام ہمیشہ خطا اور غلطی میں ابتدا زمانہ سے ڈوبتا آیا ہے تو پھر اس کا اعتبار کیا رہا۔ غرض پنڈت صاحب کے الہام کی حقیقت اچھی طرح کھل گئی اور انہیں کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے صرف بے بنیاد خیالات کا نام الہام رکھا ہوا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جس چیز پر اکثر اوقات جھوٹ غالب ہے وہ حق شناسی کا آلہ کیونکر ہو
سکے۔ انسان کے اپنے ہی خیالات جن کا نام بقول پنڈت صاحب الہامؔ ہے کیونکر انسان کو غلطی سے بچا سکتے ہیں اور کیونکر ۳۲۳
اس کو وہ تاریک خیال ہر یک تاریکی سے باہر نکال کر یقین کامل کی روشنی تک پہنچا سکتے ہیں۔ بقول پنڈت صاحب انہیں پراگندہ خیالات نے جوان کے زعم میں باوصف اس پراگندگی کے الہام کے نام سے موسوم ہیں۔ ابتدائے زمانہ میں جو ایک پاک زمانہ تھا ایسے لوگوں سے پتھروں کی پوجا کرائی اور چاند اور سورج کو ان کی نظر میں خدا ٹھہرایا کہ جو بہ اقرار پنڈت صاحب الہامی فیض کے پہلے فیض یاب اور الہام یابوں کے صدر نشین تھے اور سب سے زیادہ خدا کی معرفت کے بھوکے اور پیاسے تھے اور دلی اخلاص سے اپنے لئے کوئی خدا مقرر کرنا چاہتے تھے اور اپنی اندرونی زندگی کو بہت مقدس رکھتے تھے۔ کیونکہ ابھی دنیا میں گناہ نہیں پھیلا تھا اور ست جگ کا زمانہ تھا اور اپنے تئیں خدا کے حوالے کرنا چاہتے تھے اسی غرض سے تو خود بخود ان کے دل میں یہ بات گدگدائی تھی کہ آؤ اپنے لئے کوئی خدا مقرر کریں، بے خدا ہی نہ رہیں۔ ایمان اور ادراک صاف رکھتے تھے تب ہی تو ان کو ایک باریک بات سوجھی اور خود بخود بیٹھے بٹھائے خدا کی تلاش میں پڑ گئے۔ پس جس حالت میں بقول پنڈت صاحب ایسے پاک لوگ جو پرمیشر کی پر حکمت پیدائش کا پہلا نمونہ تھا اور حال کے زمانہ کے انواع اقسام کے تعصّبات اور آلودگیوں سے پاک اور دلی جوش سے صانع عالم کی تلاش میں مصروف تھے اور اپنی تازہ پیدائش اور پیدا کنندہ کے تازہ فعل سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ ان کے الہام اور عقل کا یہ حال ہو کہ پتھروں اور پہاڑوں کی پوجا شروع کر دیں اور چاند اور سورج اور آگ اور ہوا کو اپنا پیدا کنندہ سمجھ بیٹھیں تو پھر پنڈت صاحب کا ایسا الہام اور ایسی عقل جس نے پہلی دفعہ ہی ایسی رہزنی کی دوسرے لوگوں کی طبیعت کو کہ جو غفلت کے زمانوں میں اور صدہا ظلمتوں کے وقت میں پیدا ہوئے ہیں کیونکر راہ راست پر لاوے گا کیونکہ یہ لوگ تو اپنے سلسلہ نوعی کی تازہ پیدائش سے بھی واقف نہیں ہیں اور بباعث غلبہ حب دنیا اور طرح طرح کے فسادوں کی زندگی بھی مقدس نہیں رکھتے اور خدا کی قربت کے بھوکے اور پیاسے بھی نہیں بلکہ انسانی گورنمنٹ کی قربت کے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ پس جبکہ پنڈت صاحب کے خیالی الہام کا پاک زمانوں میں وہ اثر ہوا کہ مخلوق چیزوں کو خدا سمجھ بیٹھے تو اس تاریک زمانہ میں ایسے الہام کی یہ تاثیر ہونی چاہیے کہ لوگ خدا سے ہی انکار کریں۔ غرض پنڈت صاحب جو ایسے خیالات کا نام الہام رکھتے ہیں جن سے بہ اقرار ان کے ابتدا سے غلطی
ہوتی چلی آئی ہے۔ یہ پنڈت صاحب کاؔ خیال یا یوں کہوں کہ ان کا خیالی الہام سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔ اگرچہ انسانی ۳۲۴
خیالات کا علت العلل بھی خدا ہے اور خدا ہی دلوں میں ڈالتا ہے اور عقلوں کو راہ دکھاتا ہے۔ لیکن وہ الہام کو جو حقیقت میں خدا کا پاک کلام اور اس کا آواز اور اس کی وحی ہے۔ وہ انسان کے فطرتی خیالات سے برتر و اعلیٰ ہے۔ وہ حضرت خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے کاملوں کے دلوں پر نازل ہوتا اور خدا کا کلام ہونے کی وجہ سے خدا کی برکتوں کو اپنے

میں ہر قسم کی ترقی کرنا اور مرتبۂ کمال تک پہنچ جانا عندالعقل ممنوع نہیں ہے تو اس صورت میں قرآنی ٣٠١

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہمراہ رکھتا ہے۔ خدا کی قدرتوں کو اپنے ہمراہ رکھتا ہے۔ خدا کی پاک سچائیوں کو اپنے ہمراہ رکھتا ہے۔ لاریب فیہ ہونا اس میں ایک ذاتی خاصیت ہے۔ اور جس طرح خوشبو عطر کے وجود پر دلالت کرتی ہے اسی طرح وہ خدا کی ذات اور صفات کے وجود پر قطعی اور یقینی دلالت کرتا ہے۔ لیکن انسان کے اپنے ہی خیالات یہ مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جس طرح انسان پر ضعف مخلوقیت ہے اسی طرح انسانی خیالات پر وہ ضعف غالب ہے۔ جو کچھ قادر مطلق کے چشمہ سے نکلتا ہے وہ اور چیز ہے اور جو کچھ انسانی طبیعت سے پیدا ہوتا ہے وہ اور ہے۔ مناسب ہے کہ پنڈت صاحب حصہ سوم کے صفحہ ٢١٢ سے ٢١٥ تک پھر دیکھیں تا انہیں کلام الٰہی اور خیالات انسانی میں فرق معلوم ہو۔ اور جو پنڈت صاحب بار بار عقل پر ناز کرتے ہیں یہ ناز ان کا بھی سراسر بے جا ہے۔ ہم نے اسی حصہ سوم میں بہ تفصیل لکھ دیا ہے کہ مصنوعات صانع کے وجود کو بہ حیثیت موجودیت ہرگز ثابت نہیں کرتیں بلکہ اس کے وجود کی ضرورت کو ثابت کرتی ہیں اور وہ بھی بطور ظنی۔ لیکن خدا کا کلام اس کی موجودیت کو قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرتا ہے نہ یہ کہ صرف اس کی ضرورت کو ثابت کرے۔ اسی طرح مصنوعات کے ملاحظہ سے خدا کا ازلی اور قدیم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ مصنوعات خود ازلی اور قدیم نہیں۔ پھر دوسرے کا ازلی ہونا کیونکر ثابت کر سکیں۔ حادث جو اپنی ذات میں نو پیدا اور مستحدث ہے خدا تعالیٰ کے وجود کی ضرورت کو صرف اسی حد تک ثابت کرے گا جس حد تک حادث کی انتہا ہے۔ یعنی جو اس کے ظہور اور حدوث کی حد ہے۔ اور پھر بعد اس کے بذریعہ حادث ثابت نہیں ہوتا کہ وجود کائنات سے پہلے خدائے تعالیٰ ازلی طور پر ہمیشہ موجود تھا یا نہیں۔ پس جو علم وجود باری بذریعہ وجود حادثات حاصل کیا جاتا ہے نہایت ہی تنگ اور منقبض اور ناقص علم ہے جو انسان کو شکوک اور شبہات کے ورطہ سے ہرگز نہیں نکالتا اور جہل کی تاریکی اور ظلمت سے باہر نہیں لاتا، بلکہ طرح طرح کے تردّدات میں ڈالتا ہے۔ اسی وجہ سے جن لوگوں کی معرفت کا
٣٢٥ مدار صرف عقلی علم پر تھا ان کا خاتمہ اچھا نہیں ہوا اور اپنے عقائد میں بہت سی تاریکی اور ظلمات کو ساتھ لے گئے۔ انسان اگر تعصب اور ضد سے بکلی الگ ہو کر اور اپنے تئیں ایک سچا طالب حق بنا کر اور فی الحقیقت معرفت الٰہی کا بھوکا اور پیاسا بن کر اپنے دل میں آپ ہی سوچے کہ مجھ کو خدا کی ہستی اور اس کی قادریت اور تمام صفات کاملہ پر یقین حاصل کرنے کے لئے اور عالم معاد اور معاملہ جزا سزا کو بطور علم قطعی وضروری جاننے کے لئے کیا کیا ذخیرہ معرفت درکار ہے۔ کیا میں اپنی خوشحالی دائمی کو صرف اسی مرتبہ علم سے حاصل کر سکتا ہوں کہ جو ظنی طور پر بذریعہ عقل حاصل ہوتا ہے یا خداوند کریم ورحیم نے میرے لئے کوئی اور بھی راہ رکھا ہے۔ کیا اس نے میری تکمیل معرفت کے لئے کوئی اور راہ نہیں رکھا اور مجھ کو صرف میرے ہی خیالات پر چھوڑ دیا ہے۔ کیا اس نے اس قدر مہربانی کرنے سے دریغ کیا ہے کہ جس جگہ میں اپنے کمزور پاؤں سے پہنچ نہیں سکتا اس جگہ وہ اب اپنی ربانی قوت سے مجھ کو پہنچا دے۔ اور جن باریک چیزوں کو میں اپنی ضعیف آنکھ سے دیکھ نہیں سکتا وہ مجھ کو اپنی عمیق نگاہ کی مدد سے آپ دکھا دے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ میرے دل کو ایک دریا کی پیاس لگا کر پھر مجھ کو ایک ناچیز قطرہ پر جو قلت معرفت کی بدبو سے بھرا ہوا ہے روک رکھے۔ کیا اس کے جود اور بخشش اور رحمت اور قدرت کا یہی تقاضا ہے؟ کیا اس کی قادریت یہیں تک ہے کہ جو کچھ عاجز بندہ اپنے طور پر ہاتھ پاؤں مار کر خدا کے وجود کی نسبت کوئی ڈھکونسلہ اپنے دل میں قائم کرے اسی پر اس کی معرفت کو ختم کر دے اور اپنی الوہیت کی خاص قوتوں سے اس کو معرفت حقانی کے عالم کا سیر نہ کرا دے۔ تو جب طالب حق ایسے سوالات اپنے دل سے کرے گا تو ضرور وہ اپنے دل سے یہی محکم جواب پاوے گا کہ

بلاغت کی نظیر بنانا بھی ممنوع نہ ہوگا۔ سو واضح ہو کہ یہ وسوسہ اول تو ہماری اس تقریر متذکرہ بالا سے دور ۳۰۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بلاشبہ خدائے تعالیٰ کی بے انتہا بخشائشوں کا یہی تقاضا ہونا چاہیے کہ وہ اپنے عاجز بندہ کی آپ دستگیری کرے۔ گم گشتہ کو آپ راہ دکھاوے۔ کمزور کا آپ ہاتھ پکڑے۔ کیا ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ قادر ہوکر، توانا ہوکر، رحیم ہوکر، کریم ہوکر، حی ہوکر، قیوم ہوکر اپنی طرف سے ہمیشہ خاموشی اختیار کرے اور بندہ جاہل اور نابینا اس کی جستجو میں آپ ٹکریں مارتا پھرے۔

ناتواناں را کجا تاب و تواں   تا نشاں یابند خود زاں بے نشاں
عقل کوراں رہنما جوید براہ   رہبری از دانش کوراں مخواہ
عقل ما از بہر زاری و بکاست   دفع آزار جہالت از خداست
عقل طفل است ایں کہ گرید زار زار   شیر جز مادر نیاید زینہار

سو اے ناظرین!! اس مضمون میں انصاف سے نظر کرو اور غور اور تعمق سے سوچو۔ ہوشیار رہو اور کسی دھوکا دہندہ کے دھوکا میں مت آؤ۔ اپنے دلوں سے آپ ہی پوچھ لو کہ تمہارے دل کس قدر یقین کے خواہش مند ہیں۔ کیا فقط تمہارے اپنے ہی ۳۲۶ افسردہ خیال تمہارے دلوں کو پوری پوری تسلی دے سکتے ہیں۔ کیا تمہارے روح اس بات کے خواہاں نہیں ہیں کہ تم اس دنیا میں کامل یقین تک پہنچ جاؤ اور نابینائی سے خلاصی پاؤ۔ تم سچ سچ کہو کیا تمہیں اس بات کی طلب نہیں کہ تمہاری ظلمت اور حیرت دور ہو۔ اور وہ شبہات جو تمہارے دلوں میں مخفی ہیں جن کو تم ظاہر بھی نہیں کر سکتے' دور ہو جائیں۔ پس اگر الٰہی معرفت کا کچھ جوش ہے تو یقینا سمجھو کہ اس دنیا میں خدا کا قانون قدرت یہی ہے کہ اس نے ہر یک چیز کے دریافت کرنے کے لئے یا حاصل کرنے کے لئے کسی نہ کسی چیز کو آلہ ٹھہرا دیا ہے۔ اور عقل کا صرف یہی کام ہے کہ اس آلہ کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے۔ لیکن آپ اس آلہ کا کام نہیں دے سکتی۔ مثلاً آٹا پیسنے کے لئے چکی کی ضرورت کو عقل ثابت کرتی ہے۔ مگر یہ بات نہیں کہ عقل آپ ہی چکی بن جاوے اور آٹا پیسنے لگے۔ اسی طرح آج تک صدہا آلات کی عقل نے رہبری کی ہے لیکن کام وہی انجام کو پہنچا ہے جس کو آلہ نے انجام دیا ہے۔ اور جس کام کا آلہ میسر نہیں آیا وہاں عقل حیران رہی ہے۔ پس دنیا کے تمام کاروبار پر نظر ڈال کر دیکھ لو کہ غایت درجہ کی سعی عقل کی یہی ہے کہ اس کو کسی کام کے انجام دینے کے لئے کسی آلہ کا خیال دل میں پیدا ہو جائے۔ مثلاً عقل نے یہ سوچا کہ عبور دریا کے لئے کوئی آلہ چاہیے تو کشتی کی صورت دل میں جم گئی اور پھر کشتی بنانے کا ایک مادہ میسر آ گیا جو دریا پر چلتا ہے اور ڈوبتا نہیں، سو اس مادہ کے میسر آنے سے کشتی بن گئی۔ علیٰ ہذا القیاس ہزارہا اور آلات ہیں جن سے دنیا کا دھندا چلتا ہے اور ہر جگہ عقل کا صرف اتنا منصب ہے کہ وہ آلہ کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اور یہ بیان کر دیتی ہے کہ اس قسم کا آلہ ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ وہ آپ آلہ مطلوبہ کا کام دے سکتی ہے۔ اب سمجھنا چاہیے کہ عقل سلیم اس بات کو بہ بداہت سمجھتی ہے کہ عالم ثانی کے واقعات اور صانع عالم کی ہستی اور اس صانع کی مرضیات اور غیر مرضیات اور جزا سزا کی کیفیات اور کمیات اور ارواح کے خلود اور بقا کے یقینی حالات معلوم کرنا یہ ایک ایسا باریک اور دقیق امر ہے کہ بجز ایک سماوی آلہ کے صحیح اور یقینی طور پر ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور جس طرح عقل نے دنیا کے احسن انتظام کے لئے ہزارہا آلات کی ضرورت ثابت کی ہے۔ اسی طرح اس جگہ بھی عقل سلیم اس نادیدہ عالم کا قطعی طور پر پتہ دریافت کرنے کے لئے ایک آسمانی آلہ کی ضرورت قرار دیتی ہے تا اس قادر مطلق کی ہستی جس کے سمجھنے میں لاکھوں عقلمندوں نے
دھوکے کھائے ہیں یقینی اور قطعی طور پر معلوم ہو جاوے۔ اور اسی طرح عالم جزا سزا بھی قطعی طور پر معلوم ہوتا طالب حق ۳۲۷

۳۰۳ ہوتا ہے جس میں ہم نے بتوضیح تمام لکھ دیا ہے کہ انسان کی علمی طاقتیں خدا تعالیٰ کی علمی طاقتوں سے ہر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ظنیات سے ترقی کر کے اسی عالم میں حضرت باری تعالیٰ اور اس کی صفات کاملہ اور عالم آخرت کو بعین الیقین دیکھ لے۔ اور
وہ آلہ جو اس مرتبہ اعلیٰ یقین تک پہنچاتا ہے کلام الٰہی ہے جس کے ذریعہ سے انسان بہ یقین کامل خدائے تعالیٰ کے وجود اور
اس کی صفات کاملہ اور عالم جزا سزا کو سمجھ لیتا ہے اور خدائے تعالیٰ نے لاکھوں انسانوں کو اس مرتبۂ معرفت تک پہنچا کر ثابت
کر دکھایا ہے کہ یہ آلہ خدا شناسی کا فی الواقعہ دنیا میں موجود ہے۔ اور جو شخص اس سماوی آلہ سے روشنی حاصل نہیں کرتا وہ اس
اندھے کی مانند ہے کہ جو ایک ایسی راہ میں چلتا ہے جس میں جابجا خندقیں ہیں اور ہر یک طرف بڑے بڑے گڑھے ہیں۔
اس کو کچھ خبر نہیں کہ سلامتی کی راہ کدھر ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ بچاؤ کی طرف کون سی ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ انجام قدم اٹھانے کا
کیا ہے۔ نہ آپ دیکھ سکتا ہے نہ کسی رہنما کا دامن پکڑا ہوا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ آخر کس جگہ کا منہ دیکھنا نصیب ہے اور نہ یہ
یقین ہے کہ جس مطلب کے لئے اس نے قدم اٹھایا ہے وہ مطلب ضرور حاصل ہو جائے گا۔ بلکہ آنکھیں بھی اندھی ہیں اور
دل بھی اندھا ہے۔ پھر ایک اور وسوسہ جو پنڈت صاحب کے دل کو پکڑتا ہے یہ ہے کہ الہامی کتاب کسی انسان کے لئے اس
کے ایمان کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ کیوں بنیاد نہیں ہو سکتی؟ اس کی دلیل آپ یہ لکھتے ہیں کہ الہامی کتاب کے تسلیم کرنے سے
پہلے ضرورت ہے کہ خدا پر ایمان قائم کر لیا جاوے۔ ہر یک پیغمبر یا رشی جس پر خدا کا کلام نازل ہوا اس نے کلام پر ایمان
لانے سے پہلے متکلم کے وجود کو تسلیم کیا ہے کیونکہ کسی کلام پر ایمان لانے سے پہلے خود کلام کرنے والے کو مان لینا لازمی
ہے۔ پس ظاہر ہے کہ پیغمبروں نے کلام کے نازل کنندہ کے وجود کا یقین بذریعہ اسی کلام کے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اس کلام
کے نزول سے پہلے ہی ان کو اپنی اندرونی فطرت کی گواہی سے وہ یقین حاصل تھا۔ یہ دلیل پنڈت صاحب نے کلام الٰہی
کے غیر ضروری ہونے پر گویا اپنی عقل کا تمام رس نچوڑ کر پیش کی ہے۔ لیکن ہر یک عاقل پر سوچنے سے ظاہر ہوگا کہ یہ پنڈت
صاحب کا سراسر وہم ہے کہ جو ان کے دل میں ایک صداقت کی غلط فہمی سے پیدا ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ پنڈت صاحب ان
دونوں امروں متذکرہ ذیل کو اجتماع ضدین قرار دیتے ہیں۔ یعنی یہ کہ بے خبر بندہ پر جو خدا کی ذات اور صفات سے بے خبر
ہے کلام الٰہی نازل ہو اور ساتھ ہی وہ قادر خدا بذریعہ اپنی اس پاک کلام کے اپنے وجود پر آپ مطلع کرے۔ یہ دونوں باتیں
پنڈت صاحب کی نظر میں ضدین ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ حالانکہ ان دونوں باتوں کا جمع ہونا کسی عاقل کے
۳۲۸ نزدیک اجتماعِ ضدین میں داخل نہیں۔ جس حالت میں انسان بھی اپنے کلام کے ذریعہ سے دوسرے انسان کو اپنے وجود
سے اطلاع دے سکتا ہے تو پھر وہ اطلاع دہی خدائے تعالیٰ سے کیوں غیر ممکن ہے۔ کیا وہ پنڈت صاحب کے نزدیک اس
بات پر قادر نہیں کہ بذریعہ اپنے کامل اور قادرانہ کلام کے جو تجلیات الوہیت پر مشتمل ہے اپنے وجود سے مطلع کرے۔ اور
اگر پنڈت صاحب کے دل کو یہ وسوسہ پکڑتا ہے کہ جس قدر نبی آئے وہ بلاشبہ کلام الٰہی کے نازل ہونے سے پہلے خدا پر یقین
رکھتے تھے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ وہ یقین انہیں کی فطرت اور عقل سے ان کو حاصل ہوا تھا۔ لیکن واضح ہو کہ یہ وسوسہ
محض قلت تدبر سے ناشی ہے۔ کیونکہ اس یقین کا باعث کسی طور سے مجرد عقل اور فطرت نہیں ہو سکتے۔ انبیاء کسی جنگل میں
اکیلے پیدا نہیں ہوئے تھے تا یہ کہا جائے کہ انہوں نے الہام پانے سے پہلے بذریعہ سلسلہ سماعی بھی جس کی الہام الٰہی سے
بنیاد چلی آتی ہے خدا کا نام نہیں سنا تھا اور صرف اپنی فطرت اور عقل سے خدا کے وجود پر یقین رکھتے تھے، بلکہ بہ بداہت
ثابت ہے کہ خدا کے وجود کی شہرت اس کلام الٰہی کے ذریعہ سے دنیا میں ہوئی ہے کہ جو ابتدا زمانہ میں حضرت آدم پر نازل

گز برابر نہیں ہوسکتیں اور جو علمی طاقتوں میں ادنیٰ اور اعلیٰ اور قوی اور ضعیف کا فرق ہوتا ہے وہ ضرور ۳۰۴

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہوا تھا۔ پھر بعد حضرت آدم کے جس قدر انبیا وقتاً فوقتاً زمانہ کی اصلاح کے لئے آتے رہے۔ ان کو قبل از وحی خدا کے وجود
سے یاد دلانے والی وہی سماعی شہرت تھی جس کی بنیاد حضرت آدم کے صحیفہ سے پڑی تھی۔ پس وہی سماعی شہرت تھی جس کو نبیوں
کی مستعد اور پُر جوش فطرت نے فی الفور قبول کر لیا تھا۔ اور پھر خدا نے بذریعہ اپنے خاص کلام کے مراتب اعلیٰ یقین اور
معرفت تک ان کو پہنچا دیا تھا اور اس نقصان اور قصور کو پورا کر دیا تھا کہ جو محض سماعی شہرت کی پیروی سے عائد حال تھا۔ ہم
پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے وجود کی شہرت بطور سماعی چلی آتی ہے۔ اور سماعی سلسلہ کی بنیاد وہ الہام ہے جو پہلے
پہل خدائے تعالیٰ کی طرف سے حضرت آدم ابو البشر کو ہوا تھا۔ اور اس پر دلیل یہی کافی ہے کہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ
ابتداء میں خداوند قادر مطلق کی ہستی کا پتہ اسی شے کے ذریعہ سے لگا ہے کہ جس میں اب بھی پتہ لگانے کی قدرت مستقلہ
حاصل ہے۔ سو وہ قدرت مستقلہ صرف کلام الٰہی میں پائی جاتی ہے کیونکہ اب بھی کلام الٰہی میں یہ اقتدار موجود و مشہود ہے کہ
وہ امور پنہانی پر جیسا کہ چاہیے صحیح صحیح اطلاع دے سکتا ہے اور گزشتہ خبریں بھی ظاہر کر سکتا ہے اور ذات باری کی غائبانہ ہستی
کا ٹھیک ٹھیک نشان بھی دے سکتا ہے اور اپنے طریق خارق عادت سے اس پر یقین بھی بخش سکتا ہے اور عالم ثانی کے حقائق
اور کیفیتوں پر بھی مفصل طور پر مطلع کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اسی زمانہ میں ملہمین کے تجارب صحیحہ اس بات کی تصدیق کر رہے
ہیں۔ لیکن یہ جوہر عقل میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات بہ پایہ ثبوت پہنچ چکی ہے کہ جس بچہ نو پیدا کو سلسلہ سماعی کی تعلیم ۳۲۹
سے بکلی محروم رکھ کر صرف اس کی عقل پر اس کی خداشناسی کو چھوڑا جاوے تو وہ خدا کی ہستی اور اس کی صفات کاملہ اور عالم جزا
سزا سے بکلی بے خبر رہتا ہے۔ پس چونکہ معرفت حقہ کی تعلیم کا اقتدار صرف کلام الٰہی میں ثابت ہے، عقل میں ثابت نہیں۔
اس لئے ہر یک عاقل کو ماننا پڑتا ہے کہ ایمان اور دین کی بنیاد کلام الٰہی ہے خیالات عقلیہ ہرگز بنیاد نہیں ہیں۔ اگرچہ
استعداد عقلی نفس انسان میں موجود ہے مگر وہ استعداد بغیر رہبری کلام الٰہی کے ناکارہ ہے۔ جیسے استعداد بصارت آنکھوں
میں موجود تو ہے مگر بغیر آفتاب کے کچھ چیز نہیں۔ اور جس طرح آفتاب کی روشنی اپنے وجود کو بھی ثابت کرتی ہے اور آفتاب
کے وجود کی طرف بھی رہبر ہے، اسی طرح خدا کا کلام اپنی ذاتی روشنی اور صداقت اور بے مثل ہونے کی وجہ سے اپنا منجانب
اللہ ہونا بھی ثابت کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی ہستی کی طرف بھی یقینی اور قطعی طور پر رہبر ہے۔

پھر پنڈت صاحب نے پرچہ دھرم جیون جنوری ۱۸۸۳ء میں یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ دانشمند انسان ایسی کتاب تالیف کر سکتا ہے کہ جو کمالات میں مثل قرآن شریف کے یا اس سے بڑھ کر ہو۔ اب چونکہ پنڈت صاحب بھی دانشمند ہی ہیں بلکہ اپنی قوم کے ریفارمر اور مصلح ہونے کا دم مارتے ہیں اس لئے یہ بار ثبوت انہیں کے ذمہ ہے کہ وہ ایسی کتاب تالیف کر کے دکھلاویں اور جس طرح قرآن شریف باوجود کمال ایجاز جامع تمام حقائق و دقائق ہے اور جس طرح قرآن شریف باوجود التزام حق اور حکمت اور صداقت کے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر ہے اور جس طرح قرآن شریف اعلیٰ درجہ کی پیشین گوئیوں اور امور غیبیہ سے بھرا ہوا ہے اور جس طرح قرآن شریف اپنی پاک تاثیروں کی وجہ سے سچے طالبوں کے دلوں کو پاک کر کے آسمانی روشنی سے منور کرتا ہے اور ان میں وہ خاص برکتیں پیدا کرتا ہے کہ جو دوسرے مذہبوں میں نہیں پائی جاتیں جیسا کہ ہم نے ان سب باتوں کو اپنی کتاب میں ثابت کر دیا ہے اور کامل ثبوت دے دیا ہے۔ اسی طور اور شان کی کوئی اور کتاب تالیف کر کے پیش کریں۔

۳۰۵ ہے کہ کلام میں ظاہر ہو یعنی جو کلام اعلیٰ طاقت سے صادر ہوئی ہے وہ اعلیٰ اور جو ادنیٰ طاقت سے صادر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ندارد کسے باتو ناگفتہ کار و لیکن چو گفتی دلیلش بیار

لیکن ہم پنڈت صاحب پر ظاہر کرتے ہیں کہ کسی انسان کے لئے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ امور متذکرہ بالا کو جو طاقت انسانی سے بلندتر ہیں اپنے کلام میں پیدا کر سکے مگر خدا کے کام میں ان امور کا جمع ہونا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خدا بے مثل و مانند ہے اسی طرح جو چیز اسی کی طرف سے صادر ہے وہ بے مثل و مانند چاہیے جس کی نظیر بنانے پر انسان
۳۳۰ قادر نہ ہو سکے۔ پس قرآن شریف نے جو اپنے کمالات میں بے مثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے یہ کوئی بے موقعہ دعویٰ نہیں۔ یہ وہی قانون قدرت کا مسئلہ ہے جس پر چلنا انسان کی دانشمندی ہے۔ جس سے انحراف کرنا حماقت کی نشانی ہے۔ ذرا اپنے ہی دل میں سوچ کر آپ انصافاً فرمایئے کہ خدا کے کلام کا بے نظیر ہونا قانون قدرت کے لحاظ سے لازم ہے یا نہیں۔ اگر آپ کے نزدیک لازم نہیں اور خدا کے کاموں میں شرکت غیر بھی جائز ہے تو پھر صاف یہی کیوں نہیں کہتے کہ ہم کو خدا کے واحد لاشریک ہونے میں ہی کلام ہے۔ کیا آپ اس بدیہی بات کو سمجھ نہیں سکتے کہ خدا کی وحدانیت تب ہی تک ہے جب تک اس کی تمام صفات شرکت غیر سے منزہ ہیں۔ اگر خدا کے کلام کی یہ حیثیت ہو کہ انسان بھی ایسا ہی کلام بنا سکے تو گویا خدا کی ساری حیثیت معلوم ہوگئی۔ گویا اس کی خدائی کا سارا بھید ہی کھل گیا۔ ③

۳۳۱ اب ہم اس جگہ بغرض فائدہ عام یہ بات بطور قاعدہ کلیہ بیان کرتے ہیں کہ کلام کا وہ کونسا مرتبہ ہے جس مرتبہ پر کوئی کلام واقعہ ہونے سے اس صفت سے متصف ہو جاتا ہے کہ اس کو بے نظیر اور منجانب اللہ کہا جائے اور پھر بطور نمونہ کوئی سورۃ قرآن شریف کی لکھ کر اس میں یہ ثابت کر کے دکھلائیں گے کہ وہ تمام وجوہ بے نظیری جو قاعدہ کلیہ میں قرار دی گئی ہیں، اس سورۃ میں یہ تمام و کمال پائی جاتی ہیں۔ اور اگر کسی کو ان وجوہ بے نظیری کے قبول کرنے میں پھر بھی انکار ہوگا تو یہ بار ثبوت اسی کے ذمہ ہوگا کہ کوئی دوسرا کلام پیش کر کے دکھلاوے جس میں وہ تمام وجوہ بے نظیری پائے جاویں۔

حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۳۳۰ ۳۔ اس بات پر عیسائیوں کو بھی نہایت توجہ سے غور کرنی چاہیے کہ خدائے بے مثل و مانند اور کامل کے کلام میں کن کن نشانیوں کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کی انجیل بوجہ محرف اور مبدل ہو جانے کے ان نشانیوں سے بالکل بے بہرہ اور بے نصیب ہے بلکہ الٰہی نشان تو یک طرف رہے معمولی راستی اور صداقت بھی کہ جو ایک منصف اور دانشمند متکلم کے کلام میں ہونی چاہیے انجیل کو نصیب نہیں۔ کم بخت مخلوق پرستوں نے خدا کے کلام کو، خدا کی ہدایت کو، خدا کے نور کو اپنے ظلمانی خیالات سے ایسا ملا دیا کہ اب وہ کتاب بجائے رہبری کے رہزنی کا ایک پکا ذریعہ ہے۔ ایک عالم کو کس نے توحید سے برگشتہ کیا؟ اسی مصنوعی انجیل نے۔ ایک دنیا کا کس نے خون کیا؟ انہیں تالیفات اربعہ نے جن اعتقادوں کی طرف مخلوق پرستوں کا نفس امارہ جھکتا گیا، اسی طرف ترجمہ کرنے کے وقت ان کے الفاظ بھی جھکتے گئے۔ کیونکہ انسان کے الفاظ ہمیشہ اس کے خیالات کے تابع ہوتے ہیں۔ غرض انجیل کی ہمیشہ کا یا پلٹ کرتے رہنے سے اب وہ کچھ اور ہی چیز ہے اور خدا بھی اس کی تعلیم موجودہ کے رو سے وہ اصلی خدا نہیں کہ جو ہمیشہ حدوث اور تولد اور تجسم اور موت سے پاک تھا۔ بلکہ انجیل کی تعلیم کی رو سے عیسائیوں کا خدا ایک نیا خدا ہے یا وہی خدا ہے کہ جس پر بدقسمتی سے بہت سی مصیبتیں آئیں اور آخری حال اس کا پہلے حال سے کہ جو ازلی

ہوئی ہے وہ ادنیٰ ہو جیسا کہ خود انسان کے افراد متفاوت الاستعداد پر نظر کرنے سے یہ فرق ظاہر اور ۳۰۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سو واضح ہو کہ اگر کوئی کلام ان تمام چیزوں میں سے کہ جو خدائے تعالیٰ کی طرف سے صادر اور اس کے دست قدرت کی صنعت ہیں کسی چیز سے مشابہت کلی رکھتا ہو یعنی اس میں عجائبات ظاہری و باطنی ایسے طور پر جمع ہوں کہ جو مصنوعات الٰہیہ میں سے کسی شے میں جمع ہیں تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ وہ کلام ایسے مرتبہ پر واقع ہے کہ جس کی مثل بنانے سے انسانی طاقتیں عاجز ہیں۔ کیونکہ جس چیز کی نسبت بے نظیر اور صادر من اللہ ہونا عندالخواص والعوام ایک مسلّم اور مقبول امر ہے جس میں کسی کو اختلاف و نزاع نہیں۔ اس کی وجوہ بے نظیری میں کسی شے کی شراکت تامہ ثابت ہونا بلا شبہ اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ وہ شے بھی بے نظیر ہی ہے۔ مثلاً اگر کوئی چیز اس چیز سے بکلی مطابق آجائے جو اپنے مقدار میں دس گز ہے تو اس کی نسبت بھی یہ علم صحیح قطعی مفید یقین جازم حاصل ہوگا کہ وہ بھی دس گز ہے۔

اب ہم ان مصنوعات الٰہیہ میں سے ایک لطیف مصنوع کو مثلاً گلاب کے پھول کو بطور مثال قرار دے کر اس کے وہ عجائبات
ظاہری و باطنی لکھتے ہیں جن کی رو سے وہ ایسی اعلیٰ حالت پر تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کی نظیر بنانے سے انسانی طاقتیں عاجز ۳۳۲
ہیں۔ اور پھر اس بات کو ثابت کر کے دکھلائیں گے کہ ان سب عجائبات سے سورۃ فاتحہ کے عجائبات اور کمالات ہم وزن ہیں۔ بلکہ ان عجائبات کا پلہ بھاری ہے اور اس مثال کے اختیار کرنے کا موجب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ اس عاجز نے اپنی نظر کشفی میں سورۃ فاتحہ کو دیکھا کہ ایک ورق پر لکھی ہوئی اس عاجز کے ہاتھ میں ہے اور ایک ایسی خوبصورت اور دلکش شکل میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اور قدیم تھا بالکل بدل گیا اور ہمیشہ قیوم اور غیر متبدل رہ کر آخر کار تمام قیومی اس کی خاک میں مل گئی۔ ماسوائے اس کے عیسائیوں کے محققین کو خود اقرار ہے کہ ساری انجیل الہامی طور پر نہیں لکھی گئی بلکہ متی وغیرہ نے بہت سی باتیں اس کی لوگوں
سے سن سنا کر لکھی ہیں اور لوقا کی انجیل میں تو خود لوقا اقرار کرتا ہے کہ جن لوگوں نے مسیح کو دیکھا تھا اُن سے دریافت کر کے ۳۳۱
میں نے لکھا ہے۔ پس اس تقریر میں خود لوقا اقراری ہے کہ اس کی انجیل الہامی نہیں۔ کیونکہ الہام کے بعد لوگوں سے پوچھنے کی کیا حاجت تھی۔ اسی طرح مرقس کا مسیح کے شاگردوں میں سے ہونا ثابت نہیں۔ پھر وہ نبی کیونکر ہوا۔ بہر حال چاروں
انجیلیں نہ اپنی صحت پر قائم ہیں اور نہ اپنے سب بیان کے رو سے الہامیؔ ہیں اور اسی وجہ سے انجیلوں کے واقعات میں طرح ۳۳۲
طرح کی غلطیاں پڑ گئیں اور کچھ کا کچھ لکھا گیا۔ غرض اس بات پر عیسائیوں کے کامل محققین کا اتفاق ہو چکا ہے کہ انجیل خالص خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ پتے داری گاؤں کی طرح کچھ خدا کا کچھ انسان کا ہے۔ ہاں بعض ناواقف عیسائیوں بوجہ اپنی
نہایت سادہ لوحی کے کبھی کبھی یہ دعویٰ کر بیٹھتے ہیں کہ انجیل بھی اپنی تعلیم کی رو سے بے مثل و مانند ہے۔ یعنی انسان اس کی مثل ۳۳۳
بنانے پر قادر نہیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تعلیم اس کی خدا کا کلام ہے اور انجیل کی تعلیم کا بے مثل و مانند ہونا اس طرح پر
بیان کرتے ہیں کہ اس میں عفو اور درگزر اور نیکی اور احسان کے لئے بہت سی تاکید ہے۔ اورؔ ہر یک جگہ شر کے مقابلہ سے منع ۳۳۴
کیا ہے۔ بلکہ بدی کے عوض نیکی کرنا لکھا ہے اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری گال بھی پھیر دینے کا حکم ہے۔ پس اس دلیل سے ثابت ہو گیا کہ وہ بے مثل و مانند اور انسانی طاقتوں سے برتر ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ۔ اے حضرات! یہ نئی منطق آپ
کہاں سے لائے جس سے آپ یہ سمجھ بیٹھے کہ جن نصیحتوں میں حلم اور درگزر کی تاکید مزید ہو وہ بے نظیر ہو جایا کرتی ہیں اور ۳۳۵
قویٰ بشریہ ایسی نصیحتوں کے بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہیں۔ یہی تو سمجھ کا پھیر ہے کہ اب تک آپ کو یہ بھی خبر نہیں کہ بے

۳۰۷ ہویدا ہے اور ضعیف الاستعداد قوی الاستعداد کا مقابلہ نہیں کرسکتا حالانکہ سب انسان ایک ہی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہے کہ گویا وہ کاغذ جس پر سورۃ فاتحہ لکھی ہوئی ہے سرخ سرخ اور ملائم گلاب کے پھولوں سے اس قدر لدا ہوا ہے کہ جس کا کچھ انتہا نہیں۔ اور جب یہ عاجز اس سورۃ کی کوئی آیت پڑھتا ہے تو اس میں سے بہت سے گلاب کے پھول ایک خوش آواز کے ساتھ پرواز کرکے اوپر کی طرف اڑتے ہیں اور وہ پھول نہایت لطیف اور بڑے بڑے اور سندر اور تر و تازہ اور خوشبودار ہیں جن کے اوپر چڑھنے کے وقت دل و دماغ نہایت معطر ہو جاتا ہے اور ایک ایسا عالم مستی کا پیدا کرتے ہیں کہ جو اپنی بے مثل لذتوں کی کشش سے دنیا و مافیہا سے نہایت درجہ کی نفرت دلاتے ہیں۔ اس مکاشفہ سے معلوم ہوا کہ گلاب کے پھول کو سورۃ فاتحہ کے ساتھ ایک روحانی مناسبت ہے۔ سو ایسی مناسبت کے لحاظ سے اس مثال کو اختیار کیا گیا اور مناسب معلوم ہوا کہ اول بطور مثال گلاب کے پھول کے عجائبات کو کہ جو اس کے ظاہر و باطن میں پائے جاتے ہیں لکھا جائے اور پھر بمقابلہ اس کے عجائبات کے سورۃ فاتحہ کے عجائبات ظاہری و باطنی قلمبند ہوں تا ناظرین باانصاف کو معلوم ہو کہ جو خوبیاں گلاب کے پھول میں ظاہراً و باطناً پائی جاتی ہیں جن کے رو سے اس کی نظیر بنانا عادتاً محال سمجھا گیا ہے۔ اسی طور پر اور اس سے بہتر خوبیاں سورۃ فاتحہ میں موجود ہیں اور تا اس مثال کے لکھنے سے اشارہ کشفی پر بھی عمل ہو جائے۔ پس جاننا چاہیے کہ یہ امر ہر یک عاقل کے نزدیک بغیر کسی تردد اور توقف کے مسلم الثبوت ہے کہ گلاب کا پھول بھی مثل اور مصنوعات الٰہیہ کے ایسی عمدہ
۳۳۳ خوبیاں اپنی ذات میں جمع رکھتا ہے جن کی مثل بنانے پر انسان قادر نہیں اور وہ دو طور کی خوبیاں ہیں۔ ایک وہ کہ جو اس کی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۳۳۶ مثل و مانند کا لفظ کسی شے کی نسبت صرف انہیں حالتوں میں بولا جاتا ہے کہ جب وہ شے اپنی ذات میں ایسے مرتبہ پر واقعہ
ہو کہ جس کی نظیر پیش کرنے سے انسانی طاقتیں عاجز رہ جائیں۔ آپ اپنے دعویٰ میں بار بار اسی بات پر زور دیتے ہیں کہ
انجیل میں ہر جگہ اور ہر موقعہ میں عفو اور درگزر کرنے کے لئے تاکید ہے اور ایسی تاکید کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ بھلا بہت
۳۳۷ خوب یوں ہی سہی مگر کیا اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اس قدر تاکید انسان نہیں کر سکتا۔ اور انسانی قوتیں ان تاکیدوں کے بیان
سے قاصر ہیں۔ کیا رحم اور عفو کی تاکید بت پرستوں کے پستکوں میں کچھ کم ہے۔ بلکہ سچ پوچھو تو آریہ قوم کے بت پرستوں نے
رحم کی تاکید کو اس کمال تک پہنچایا ہے کہ بس حد ہی کردی۔ ان کے ایک شاستر کا اشلوک اس وقت ہم کو یاد آیا ہے۔ جس پر
۳۳۸ تقریباً سارے ہندوؤں کا عمل ہے اور وہ یہ ہے۔ اہنسا برمودھرما یعنی اس سے بڑا دھرم اور کوئی نہیں کہ کسی جاندار کو تکلیف نہ
دی جائے اسی اشلوک کے رو سے ہندو لوگ کسی جاندار کو آزار دینا پسند نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ سانپوں کے شر کا بھی مقابلہ
۳۳۹ نہیں کرتے بلکہ بجائے ان کا شر کے ان کو دودھ پلاتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔ اس پوجا کا نام ان کے مذہب
میں ناگ پوجا ہے۔ بعض ہندو اس قدر رحم دل ہوتے ہیں کہ بالوں میں جوئیں جو پڑ جاتی ہیں ان کو بھی اپنے بالوں سے نہیں
نکالتے۔ بلکہ ان کے آرام کی نظر سے اپنے تمام بدن کے بال نہیں کٹاتے اور آپ دکھ اٹھاتے ہیں تا ان کے استھان میں
۳۴۰ صورت تفرقہ پیدا نہ ہو اور بعض ہندو اپنے مونہہ پر تھیلی چڑھا کر رکھتے ہیں اور پانی پن کر پیتے ہیں تا کوئی جیوان کے مونہہ
کے اندر نہ چلا جائے اور اس طرح پر وہ کسی جیوگھات کے موجب نہ ٹھہریں۔ اب دیکھئے اس کمال کا رحم اور عفو انجیل میں
کہاں ہے۔ لیکن باوجود اس کے کوئی عیسائی یہ رائے ظاہر نہیں کرتا کہ ہندو شاستر کی وہ تعلیم بے نظیر اور انسانی طاقتوں سے
۳۴۱ باہر ہے۔ پھر انجیل کی تعلیم کہ جو حلم اور عفو اور رحم کی تاکید میں اس سے کچھ بڑھ کر نہیں کیونکر بے نظیر ہو سکتی ہے۔ افسوس

نوعؔ میں داخل ہیں ماسوا اس کے یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ ہر یک بولی انسان کی ہی ایجاد ہے بلکہ ۳۰۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ظاہر صورت میں پائی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس کا رنگ نہایت خوشنما اور خوب ہے اور اس کی خوشبو نہایت دلارام اور دلکش ہے اور اس کے ظاہر بدن میں نہایت درجہ کی ملائمت اور تر و تازگی اور نرمی اور نزاکت اور صفائی ہے۔ اور دوسری وہ خوبیاں ہیں کہ جو باطنی طور پر حکیم مطلق نے اس میں ڈال رکھی ہیں۔ یعنی وہ خواص کہ جو اس کے جوہر میں پوشیدہ ہیں اور وہ یہ ہیں کہ وہ مفرح اور مقوی قلب اور مسکن صفرا ہے اور تمام قویٰ اور ارواح کو تقویت بخشتا ہے اور صفرا اور بلغم رقیق کا مسہل بھی ہے اور اسی طرح معدہ اور جگر اور گردہ اور امعاء اور رحم اور پھیپھڑہ کو بھی قوت بخشتا ہے اور خفقان حار اور غشی اور ضعف قلب کے لئے نہایت مفید ہے اور اسی طرح اور کئی امراض بدنی کو فائدہ مند ہے۔ پس انہیں دونوں طور کی خوبیوں کی وجہ سے اس کی نسبت اعتقاد کیا گیا ہے کہ وہ ایسے مرتبہ کمال پر واقعہ ہے کہ ہرگز کسی انسان کے لئے ممکن نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی ایسا پھول بناوے کہ جو اس پھول کی طرح رنگ میں خوشنما اور خوشبو میں دلکش اور بدن میں نہایت تر و تازہ اور نرم اور نازک اور مصفا ہو اور باجود اس کے باطنی طور پر تمام وہ خواص بھی رکھتا ہو جو گلاب کے پھول میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں گلاب کے پھول کی نسبت ایسا اعتقاد کیا گیا کہ انسانی قوتیں اس کی نظیر بنانے سے عاجز ہیں اور کیوں جائز نہیں کہ کوئی انسان اس کی نظیر بنا سکے اور جو خوبیاں اس کی ظاہر و باطن میں پائی جاتی ہیں وہ مصنوعی پھول میں پیدا کر سکے۔ تو اس سوال کا جواب یہی ہے کہ ایسا پھول بنانا عادتاً ممتنع ہے اور آج تک کوئی حکیم اور فیلسوف کسی ایسی ترکیب سے کسی قسم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حضرات عیسائی ذرا نہیں سوچتے کہ اخلاقی امور کو کسی قدر شد ومد سے بیان کرنا اس کو مستلزم نہیں کہ انسان ایسی شد ومد سے
بیان نہیں کر سکتا اور اگر مستلزم ہے تو کوئی برہان منطقی اس پر قائم کرنی چاہیے تا اس برہان کے ذریعہؔ سے انجیل کی تعلیم اور ۳۴۲
ہندوؤں کی پستک بے نظیر بن جائیں مگر جب تک کوئی دلیل بیان نہ ہو تب تک ہم کیونکر ایسی تعلیموں کا بے نظیر ہونا تسلیم
کریں جن کے استخراج کے لئے صریحاً انسان کے نفس میں قوت پاتے ہیں۔ کیا ہم نرا دعویٰ کسی دلیل کے بغیر تسلیم کر لیں۔
یا ایک امر بدیہی البطلان کو حق محض مان لیں کیا کریں؟ تو ابؔ ظاہر ہے کہ یہ کیسا نکما جھگڑا اور کس درجہ کی نادانی ہے کہ ایک ۳۴۳
بے اصل اور بے ثبوت بات پر اصرار کرتے ہیں اور جو راستہ صاف اور سیدھا نظر آتا ہے اس پر قدم رکھنا نہیں چاہتے۔ اور
لطف یہ کہ انجیل کی تعلیم کامل بھی نہیں، چہ جائے کہ اس کو بے نظیر کہا جائے۔ تمام محققین کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے کہ
اخلاق کا کامل مرتبہ صرفؔ اس میں منحصر نہیں ہو سکتا کہ ہر جگہ وہر محل میں عفو اور درگذر کو اختیار کیا جائے۔ اگر انسان کو صرف ۳۴۴
عفو اور درگذر کا ہی حکم دیا جاتا تو صدہا کام کہ جو غضب اور انتقام پر موقوف ہیں فوت ہو جاتے۔ انسان کی صورت فطرت کہ
جس پر قائم ہونے سے وہ انسان کہلاتا ہے یہ ہے کہ خدا نے اس کی سرشت میں جیساؔ عفو اور درگذر کی استعداد رکھی ہے ایسا ۳۴۵
ہی غضب اور انتقام کی خواہش بھی رکھی ہے اور ان تمام قوتوں پر عقل کو بطور افسر کے مقرر کیا ہے۔ پس انسان اپنی حقیقی
انسانیت تک تب پہنچتا ہے کہ جب فطرتی صورت کے موافق یہ دونوں طور کی قوتیں عقل کے تابع ہو کر چلتی رہیں یعنی یہ قوتیں
مثل رعایا کے ہوں اور عقل مثل بادشاہؔ عادل ان کی پرورش اور فیض رسانی اور رفع تنازعہ اور مشکل کشائی میں مشغول رہے۔ ۳۴۶
مثلاً ایک وقت غضب نمودار ہوتا ہے اور حقیقت میں اس وقت حلم کے ظاہر ہونے کا موقعہ ہوتا ہے پس ایسے وقت میں عقل
اپنی فہمائش سے غضب کو فرو کرتی ہے اور حلم کو حرکت دیتی ہے اور بعض وقت غضب کرنے کا وقت ہوتا ہے اور حلمؔ پیدا

بکمال تحقیق ثابت ہے کہ موجد اور خالق انسان کی بولیوں کا وہی خدائے قادر مطلق ہے جس نے ۳۰۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کی ادویہ کو بہم نہیں پہنچا سکا کہ جن کے باہم مخلوط اور ممزوج کرنے سے ظاہر و باطن میں گلاب کے پھول کی سی صورت اور سیرت پیدا ہو جائے۔ اب سمجھنا چاہیے کہ یہی وجہ بے نظیری کی سورۃ فاتحہ میں بلکہ قرآن شریف کے ہر یک حصہ اقل قلیل میں کہ جو چار آیت سے بھی کم ہو پائی جاتی ہیں۔ پہلے ظاہری صورت پر نظر ڈال کر دیکھو کہ کیسی رنگینی عبارت اور خوش بیانی ۳۳۴
اور جودت الفاظ اور کلام میں کمال سلاست اور نرمی اور روانگی اور آب و تاب اور لطافت وغیرہ لوازم حسن کلام اپنا کامل جلوہ دکھا رہے ہیں۔ ایسا جلوہ کہ جس پر زیادت متصور نہیں اور وحشت کلمات اور تعقید ترکیبات سے بکلی سالم اور بری ہے۔ ہر یک فقرہ اس کا نہایت فصیح اور بلیغ ہے اور ہر یک ترکیب اس کی اپنے اپنے موقعہ پر واقعہ ہے اور ہر یک قسم کا التزام جس سے حسن کلام بڑھتا ہے اور لطافت عبارت کھلتی ہے سب اس میں پایا جاتا ہے اور جس قدر حسن تقریر کے لئے بلاغت اور خوش بیانی کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ ذہن میں آسکتا ہے وہ کامل طور پر اس میں موجود اور مشہود ہے اور جس قدر مطلب کے دل نشین کرنے کے لئے حسن بیان درکار ہے وہ سب اس میں مہیا اور موجود ہے اور باوجود اس بلاغت معانی اور التزام کمالیت حسن بیان کے صدق اور راستی کی خوشبو سے بھرا ہوا ہے۔ کوئی مبالغہ ایسا نہیں جس میں جھوٹ کی ذرا آمیزش ہو۔ کوئی رنگینی عبارت اس قسم کی نہیں جس میں شاعروں کی طرح جھوٹ اور ہزل اور فضول گوئی کی نجاست اور بدبو سے مدد لی گئی ہو۔ پس جیسے شاعروں کا کلام جھوٹ اور ہزل اور فضول گوئی کی بدبو سے بھرا ہوا ہوتا ہے یہ کلام صداقت اور راستی کی لطیف خوشبو سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہو جاتا ہے اور ایسے وقت میں عقل غضب کو مشتعل کرتی ہے اور حلم کو درمیان سے اٹھا لیتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تحقیق عمیق سے ثابت ہوا کہ انسان اس دنیا میں بہت سی مختلف قوتوں کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور اس کا کمال فطرتی یہ ہے کہ ہر یک قوت کو
اپنے اپنے موقعہ پر استعمال میں لاوے۔ غضب کی جگہ پر غضب، رحم کی جگہ پر رحم۔ یہ نہیں کہ نرا حلم ہی حلم ہو اور دوسری ۳۴۸
تمام قوتوں کو معطل اور بیکار چھوڑ دے۔ ہاں منجملہ تمام اندرونی قوتوں کی قوت حلم کو بھی اپنے موقعہ پر ظاہر کرنا ایک انسان کی خوبی ہے مگر انسان کی فطرت کا درخت جس کو خدا نے کئی شاخوں پر جو اس کی مختلف قوتیں ہیں منقسم کیا ہے صرف ایک شاخ
کے سرسبز ہونے سے کامل نہیں کہلا سکتا بلکہ وہ اسی حالت میں کامل کہلائے گا کہ جب ساری شاخیں اس کی سرسبز و شاداب ۳۴۹
ہوں اور کوئی شاخ حد موزونیت سے کم یا زیادہ نہ ہو۔ یہ بات بہ بداہتِ عقل ثابت ہے کہ ہمیشہ اور ہر جگہ یہی خلق اچھا
نہیں ہو سکتا کہ شریر کی شرارت سے درگذر کی جائے بلکہ خود قانون فطرت ہی اس خیال کا ناقص ہونا ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ہم ۳۵۰
دیکھتے ہیں کہ مدبر حقیقی نے انتظام عالم اسی میں رکھا ہے جو کبھی نرمی اور کبھی درشتی کی جائے اور کبھی عفو اور کبھی سزا دی جائے۔ اور اگر صرف نرمی ہی ہو یا صرف درشتی ہی ہو تو پھر نظام عالم کی کل ہی بگڑ جاتی ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ ہمیشہ اور ہر محل
میں عفو کرنا حقیقی نیکی نہیں ہے بلکہ ایسی تعلیم کو کامل تعلیم سمجھنا ایک غلطی ہے، جو ان لوگوں کو لگی ہوئی ہے جن کی نگاہیں انسان کی ۳۵۱
فطرت کے پورے گہراؤ تک نہیں پہنچتیں اور جن کی نظر ان تمام قوتوں کے دیکھنے سے بند رہتی ہے جو انسان کو اپنے اپنے
محل پر استعمال کرنے کے لئے عطا کی گئی ہیں۔ جو شخص لگاتار جا بجا ایک ہی قوت کو استعمال کیا جاتا ہے اور دوسری تمام ۳۵۲
اخلاقی قوتوں کو بیکار چھوڑ دیتا ہے وہ گویا اس فطرت کو جو خدا نے عطا کی ہے منقلب کرنا چاہتا ہے اور فعل حکیم مطلق کو اپنی کوتہ فہمی سے قابل اعتراض ٹھہراتا ہے۔ کیا یہ کچھ خوبی کی بات ہے کہ ہم ہر یک وقت بغیر لحاظ موقعہ و مصلحت اپنے گنہگاروں

اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اسی غرض سے زبان عطا فرمائی کہ تا وہ کلام کرنے پر ۳۱۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بھرا ہوا ہے اور پھر اس خوشبو کے ساتھ خوش بیانی اور جودت الفاظ اور رنگینی اور صفائی عبارت کو ایسا جمع کیا گیا ہے کہ جیسے
گلاب کے پھول میں خوشبو کے ساتھ اس کی خوش رنگی اور صفائی بھی جمع ہوتی ہے۔ یہ خوبیاں تو باعتبار ظاہر کے ہیں اور
باعتبار باطن کے اس میں یعنی سورۃ فاتحہ میں یہ خواص ہیں کہ وہ بڑی بڑی امراض روحانی کے علاج پر مشتمل ہے اور تکمیل
قوت علمی اور عملی کے لئے بہت سا سامان اس میں موجود ہے اور بڑے بڑے بگاڑوں کی اصلاح کرتی ہے اور بڑے
بڑے معارف اور دقائق اور لطائف کہ جو حکیموں اور فلسفیوں کی نظر سے چھپے رہے اس میں مذکورہ ہیں۔ سالک کے دل کو
اس کے پڑھنے سے یقینی قوت بڑھتی ہے اور شک اور شبہ اور ضلالت کی بیماری سے شفا حاصل ہوتی ہے اور بہت سی اعلیٰ درجہ ۳۳۵
کی صداقتیں اور نہایت باریک حقیقتیں کہ جو تکمیل نفس ناطقہ کے لئے ضروری ہیں، اس کے مبارک مضمون میں بھری ہوئی
ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کمالات بھی ایسے ہیں کہ گلاب کے پھول کے کمالات کی طرح ان میں بھی عادتاً ممتنع معلوم ہوتا ہے
کہ وہ کسی انسان کے کلام میں مجتمع ہوسکیں اور یہ امتناع نہ نظری بلکہ بدیہی ہے۔ کیونکہ جن دقائق و معارف عالیہ کو خدائے
تعالیٰ نے عین ضرورت حقہ کے وقت اپنے بلیغ اور فصیح کلام میں بیان فرما کر ظاہری اور باطنی خوبی کا کمال دکھلایا ہے اور بڑی
نازک شرطوں کے ساتھ دونوں پہلوؤں ظاہر و باطن کو کمالیت کے اعلیٰ مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ یعنی اول تو ایسے معارف عالیہ
ضرور یہ لکھے ہیں کہ جن کے آثار پہلی تعلیموں سے مندرس اور محو ہو گئے تھے اور کسی حکیم یا فیلسوف نے بھی ان معارف عالیہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کے گناہوں سے درگذر کیا کریں اور کبھی اس قسم کی ہمدردی نہ کریں جس میں شریر کی شرارت کا علاج ہو کر آئندہ کو اس کی ۳۵۳
طبیعت سدھر جائے۔ ظاہر ہے کہ جیسے بات بات میں سزا دینا اور انتقام لینا مذموم و خلاف اخلاق ہے اسی طرح یہ بھی خیر
خواہی حقیقی کے برخلاف ہے کہ ہمیشہ یہی اصول ٹھہرایا جاوے کہ جب کبھی کسی سے کوئی مجرمانہ حرکت صادر ہو تو جھٹ پٹ ۳۵۴
اس کے جرم کو معاف کیا جائے۔ جو شخص ہمیشہ مجرم کو سزا کے بغیر چھوڑ دیتا ہے وہ ایسا ہی نظام عالم کا دشمن ہے جیسے وہ شخص کہ
ہمیشہ اور ہر حالت میں انتقام اور کینہ کشی پر مستعد رہتا ہے۔ نادان لوگ ہر محل میں عفو اور درگذر کرنا پسند کرتے ہیں یہ نہیں
سوچتے کہ ہمیشہ درگذر کرنے سے نظام عالم میں ابتری پیدا ہوتی ہے اور یہ فعل خود مجرم کے حق میں بھی مضر ہے۔ کیونکہ اس ۳۵۵
سے اس کی بدی کی عادت پکتی جاتی ہے اور شرارت کا ملکہ راسخ ہوتا جاتا ہے۔ ایک چور کو سزا کے بغیر چھوڑ دو پھر دیکھو کہ
دوسری مرتبہ کیا رنگ دکھاتا ہے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں جو حکمت سے بھری ہوئی ہے فرمایا: ۳۵۶
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ:۱۷۹) مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا
قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ:۳۲) یعنی اے دانشمندو قاتل کے قتل کرنے اور موذی کی اسی قدر ایذا دینے میں تمہاری زندگی
ہے۔ جس نے ایک انسان کو ناحق بے موجب قتل کر دیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ اور ایسا ہی فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ ۳۵۷
يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل:۹۰) یعنی خدا حکم فرماتا ہے کہ تم عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربیٰ
اپنے اپنے محل پر کرو۔ سو جاننا چاہیے کہ انجیل کی تعلیم اس کمال کے مرتبہ سے جس سے نظام عالم مربوط و مضبوط ہے متنزّل
وفروتر ہے اور اس تعلیم کو کامل خیال کرنا بھی بھاری غلطی ہے۔ ایسی تعلیم ہرگز کامل نہیں ہوسکتی بلکہ یہ ان ایام کی تدبیر ہے کہ ۳۵۸
جب قوم بنی اسرائیل کا اندرونی رحم بہت کم ہو گیا تھا اور بے رحمی اور بے مروتی اور سنگدلی اور قساوتِ قلبی اور کینہ کشی حد سے

قادر ہو سکے۔ اگر بولی انسان کی ایجاد ہوتی تو اس صورت میں کسی بچہ نوزاد کو تعلیم کی کچھ بھی ٣١١

بقیہ حاشیہ نمبر 11

پر قدم نہیں مارا تھا اور پھر ان معارف کو غیر ضروری اور فضول طور پر نہیں لکھا بلکہ ٹھیک ٹھیک اس وقت اور اس زمانہ میں ان کو بیان فرمایا جس وقت حالت موجودہ زمانہ کی اصلاح کے لئے ان کا بیان کرنا ازبس ضروری تھا اور بغیر ان کے بیان کرنے کے زمانہ کی ہلاکت اور تباہی متصور تھی۔ اور پھر وہ معارف عالیہ ناقص اور ناتمام طور پر نہیں لکھے گئے بلکہ کما و کیفا کامل درجہ پر واقعہ ہیں اور کسی عاقل کی عقل کوئی ایسی دینی صداقت پیش نہیں کر سکتی جو ان سے باہر رہ گئی ہو اور کسی باطل پرست کا کوئی ایسا وسوسہ نہیں جس کا ازالہ اس کلام میں موجود نہ ہو۔ ان تمام حقائق و دقائق کے التزام سے کہ جو دوسری طرف ضرورات حقہ کے التزام کے ساتھ وابستہ ہیں فصاحت بلاغت کے ان اعلیٰ کمالات کو ادا کرنا جن پر زیادت متصور نہ ہو۔ یہ تو نہایت بڑا کام ہے کہ جو بشری طاقتوں سے بہ بداہت نظر بلند تر ہے۔ مگر انسان تو ایسا بے ہنر ہے کہ اگر ادنیٰ اور ناکارہ معاملات کو کہ جو حقائق عالیہ سے کچھ تعلق نہیں رکھتے کسی رنگین اور فصیح عبارت میں بہ التزام راست بیانی اور حق گوئی کے لکھنا چاہے تو یہ
بھی اس کے لئے ممکن نہیں۔ جیسا کہ یہ بات ہر عاقل کے نزدیک نہایت بدیہی ہے کہ اگر مثلاً ایک دکاندار جو کامل درجہ کا ٣٣٦
شاعر اور انشا پرداز ہو یہ چاہے کہ جو اپنی اس گفتگو کو جو ہر روز اسے رنگارنگ کے خریداروں اور معاملہ داروں کے ساتھ کرنی پڑتی ہے، کمال بلاغت اور رنگینی عبارت کے ساتھ کیا کرے اور پھر یہ بھی التزام رکھے کہ ہر محل اور ہر موقعہ میں جس قسم کی گفتگو کرنا ضروری ہے وہی کرے۔ مثلاً جہاں کم بولنا مناسب ہے وہاں کم بولے اور جہاں بہت مغز زنی مصلحت ہے وہاں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

زیادہ بڑھ گئی تھی اور خدا کو منظور تھا کہ جیسا وہ لوگ مبالغہ سے کینہ کشی کی طرف مائل تھے ایسا ہی بمبالغہ تمام رحم اور درگذر کی ٣٥٩
طرف مائل کیا جاوے لیکن یہ رحم اور درگذر کی تعلیم ایسی تعلیم نہ تھی کہ جو ہمیشہ کے لئے قائم رہ سکتی۔ کیونکہ حقیقی مرکز پر اس کی بنیاد نہ تھی بلکہ اس قانون کی طرح جو مختص المقام ہوتا ہے صرف سرکش یہودیوں کی اصلاح کے لئے ایک خاص مصلحت تھی
اور صرف چندروزہ انتظام تھا۔ اور مسیح کو خوب معلوم تھا کہ خدا جلد تر اس عارضی تعلیم کو نیست و نابود کر کے اس کامل کتاب کو ٣٦٠
دنیا کی تعلیم کے لئے بھیجے گا کہ جو حقیقی نیکی کی طرف تمام دنیا کو بلائے گی اور بندگان خدا پر حق اور حکمت کا دروازہ کھول دے
گی۔ اس لئے اس کو کہنا پڑا کہ ابھی بہت سی باتیں قابل تعلیم باقی ہیں جن کی تم ہنوز برداشت نہیں کر سکتے مگر میرے بعد ایک ٣٦١
دوسرا آنے والا ہے وہ سب باتیں کھول دے گا اور علم دین کو بمرتبہ کمال پہنچائے گا۔ سو حضرت مسیح تو انجیل کو ناقص ہی چھوڑ کر آسمانوں پر جا بیٹھے اور ایک عرصہ تک وہی ناقص کتاب لوگوں کے ہاتھ میں رہی اور پھر اس نبی معصوم کی پیشین گوئی کے
بموجب قرآن شریف کو خدا نے نازل کیا اور ایسی جامع شریعت عطا فرمائی جس میں نہ توریت کی طرح خواہ نخواہ ہر جگہ اور ہر ٣٦٢
محل میں دانت کے عوض دانت نکالنا ضروری لکھا اور نہ انجیل کی طرح یہ حکم دیا کہ ہمیشہ اور ہر حالت میں دست دراز لوگوں
کے طمانچے کھانے چاہیے۔ بلکہ وہ کامل کلام عارضی خیالات سے ہٹا کر حقیقی نیکی کی طرف ترغیب دیتا ہے اور جس بات میں ٣٦٣
واقعی طور پر بھلائی پیدا ہو خواہ وہ بات درشت ہو خواہ نرم اسی کے کرنے کے لئے تاکید فرماتا ہے جیسا فرمایا ہے: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۰) یعنی بدی کی پاداش میں اصول انصاف تو یہی ہے
کہ بدکن آدمی اسی قدر بدی کا سزاوار ہے جس قدر اس نے بدی کی ہے۔ پر جو شخص عفو کر کے کوئی اصلاح کا کام بجالائے ٣٦٤
یعنی ایسا عفو نہ ہو جس کا نتیجہ کوئی خرابی ہو سو اس کا اجر خدا پر ہے۔ اور ایسا ہی جامعیت اور کمال شریعت کی طرف اس آیت

حاجت نہ ہوتی بلکہ بالغ ہو کر آپ ہی کوئی بولی ایجاد کر لیتا لیکن یہ بداہت عقل ظاہر ہے کہ اگر کسی ۳۱۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بہت گفتگو کرے اور جب اس میں اور اس کے خریدار میں کوئی بحث آ پڑے تو وہ طرز تقریر اختیار کرے جس سے اس بحث
کو اپنے مفید مطلب طے کر سکے۔ یا مثلاً ایک حاکم جس کا یہ کام ہے کہ فریقین اور گواہوں کے بیان کو ٹھیک ٹھیک قلمبند
کرے اور ہر یک بیان پر جو واقعی اور ضروری طور پر جرح قدح کرنا چاہیے وہی کرے اور جیسا کہ تنقیح مقدمہ کے لئے
شرط ہے اور تفتیش امر متنازعہ فیہ کے لئے قرین مصلحت ہے۔ سوال کے موقعہ پر سوال اور جواب کے موقعہ پر جواب لکھے اور
جہاں قانونی وجوہ کا بیان کرنا لازم ہو ان کو درست طور پر حسب منشاء قانون بیان کرے اور جہاں واقعات کا بہ ترتیب تمام
کھولنا واجب ہو ان کو بہ پابندی ترتیب وصحت کھول دے اور پھر جو کچھ فی الواقعہ اپنی رائے اور بتائید اس رائے کے
وجوہات ہیں ان کو بہ صحت تمام بیان کرے اور باوصف ان تمام التزامات کے فصاحت بلاغت کے اس اعلیٰ درجہ پر اس کا
کلام ہو کہ اس سے بہتر کسی بشر کے لئے ممکن نہ ہو تو اس قسم کی بلاغت کو بانجام پہنچانا بہ بداہت ان کے لئے محال ہے۔ سو
انسانی فصاحتوں کا یہی حال ہے کہ بجز فضول اور غیر ضروری اور واہیات باتوں کے قدم ہی نہیں اٹھ سکتا۔ اور بغیر جھوٹ اور
ہزل کے اختیار کرنے کے کچھ بول ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کچھ بولے بھی تو ادھورا۔ ناک ہے تو کان نہیں۔ کان ہیں تو آنکھ
ندارد۔ سچ بولے تو فصاحت گئی۔ فصاحت کے پیچھے پڑے تو جھوٹ اور فضول گوئی کے انبار کے انبار جمع کر لئے۔ پیاز کی
طرح سب پوست ہی پوست اور بیچ میں کچھ بھی نہیں۔ پس جس صورت میں عقل سلیم صریح حکم دیتی ہے کہ ناکارہ اور خفیف ۳۳۷

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

میں بھی اشارہ فرمایا: اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ (المائدہ: ۴) یعنی آج میں نے علم دین کو
مرتبۂ کمال تک پہنچایا اور اپنی نعمت کو امت محمدیہ پر پورا کیا۔ اب اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ انجیل کی تعلیم کامل بھی ۳۶۵
نہیں چہ جائے کہ اس کو بے نظیر اور لاثانی کہا جائے۔ ہاں اگر انجیل لفظاً ومعناً خدا کا کلام ہوتا اور اس میں ایسی خوبیاں پائی
جاتیں جن کا انسان کے کلام میں پایا جانا ممتنع اور محال ہے، تب وہ بلاشبہ بے نظیر ٹھہرتی۔ مگر وہ خوبیاں تو انجیل میں سے اسی ۳۶۶
زمانہ میں رخصت ہو گئیں جب حضرات عیسائیوں نے نفسانیت سے اس میں تصرف کرنا شروع کیا۔ نہ وہ الفاظ رہے، نہ وہ
معانی رہے، نہ وہ حکمت اور نہ وہ معرفت۔ سو اب اے حضرات! آپ لوگ ذرا ہوش سنبھال کر جواب دیں کہ جب ایک
طرف تکمیل ایمان بے مثل کتاب پر موقوف ہے اور دوسری طرف آپ لوگوں کا یہ حال کہ نہ قرآن شریف کو مانیں اور نہ ایسی ۳۶۷
کوئی دوسری کتاب نکال کر دکھلاویں جو بے مثل ہو تو پھر آپ لوگ کمال ایمان ویقین کے درجہ تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں اور
کیوں بے فکر بیٹھے ہیں۔ کیا کسی اور کتاب کے نازل ہونے کا انتظار ہے یا برہمو جی بننے کا ارادہ ہے اور ایمان اور خدا کی کچھ ۳۶۸
پروا نہیں۔ اب دیکھئے کہ قرآن شریف کی بے نظیری کے انکار نے آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا اور ابھی ٹھہریئے اسی پر
ختم نہیں۔ آپ کے اس اعتقاد سے تو خدا کی ہستی کی بھی خیر نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جیسا ہم پہلے لکھ چکے ہیں بڑا بھاری نشان خدا
کی ہستی کا یہی ہے کہ جو کچھ اس کی طرف سے ہے وہ ایسی حالت بے نظیری پر واقعہ ہے کہ اس صانع بے مثل پر دلالت کر رہا ۳۶۹
ہے۔ اب جبکہ وہ بے نظیری انجیل میں ثابت نہ ہوئی اور قرآن شریف کو آپ لوگوں نے قبول نہ کیا تو اس صورت میں آپ
لوگوں کو یہ ماننا پڑا کہ جو کچھ خدا کی طرف سے ہے اس کا بے نظیر ہونا ضروری نہیں اور اس اعتقاد سے آپ لوگوں کو یہ لازم آیا
کہ یہ اقرار کریں کہ جو چیزیں خدا کی طرف سے صادر ہیں ان کے بنانے میں کوئی دوسرا بھی قادر ہے، تو اس قول کے ۳۷۰

٣١٣ بچہؔ کو بولی نہ سکھائی جائے تو وہ کچھ بول نہیں سکتا۔ اور خواہ تم اس بچہ کو یونان کے کسی جنگل میںؔ پرورش ٣١٤

بقیہ حاشیہ نمبر 11

معاملات اور سیدھے سادھے واقعات کو بھی ضرورت حقہ اور راستی کے التزام سے رنگین اور بلیغ عبارت میں ادا کرنا ممکن نہیں تو پھر اس بات کا سمجھنا کس قدر آسان ہے کہ معارف عالیہ کو ضرورت حقہ کے التزام کے ساتھ نہایت رنگین اور فصیح عبارت میں جس سے اعلیٰ اور اصفیٰ متصور نہ ہو بیان کرنا بالکل خارق عادت اور بشری طاقتوں سے بعید ہے۔ اور جیسا کہ گلاب کے پھول کی طرح کوئی پھول جو کہ ظاہر و باطن میں اس سے مشابہ ہو بنانا عادتاً محال ہے۔ ایسا ہی یہ بھی محال ہے کیونکہ جب ادنیٰ ادنیٰ امور میں تجربہ صحیحہ شہادت دیتا ہے اور فطرت سلیمہ قبول کرتی ہے کہ انسان اپنی کسی ضروری اور راست راست بات کو خواہ وہ بات کسی معاملہ خرید و فروخت سے متعلق ہو یا تحقیقات عدالت وغیرہ سے تعلق رکھتی ہو۔ جب اس کو اصلح اور انسب طور پر بجالانا چاہے تو یہ بات غیر ممکن ہو جاتی ہے کہ اس کی عبارت خواہ نخواہ ہر محل میں موزوں اور مقفّٰی اور فصیح اور بلیغ بلکہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر ہو تو پھر ایسی تقریر کہ جو علاوہ التزام راستی اور صدق کے معارف اور حقائق عالیہ سے بھی بھری ہوئی اور ضرورت حقہ کے رو سے صادر ہو اور تمام حقانی صداقتوں پر محیط ہو اور اپنے منصب اصلاح حالت موجودہ اور اتمام حجت اور الزام منکرین میں ایک ذرہ فروگذاشت نہ کرتی ہو اور مناظرہ اور مباحثہ کے تمام پہلوؤں کی کما حقہ رعایت رکھتی ہو اور تمام ضروری دلائل اور ضروری براہین اور ضروری تعلیم اور ضروری سوال اور ضروری جواب پر مشتمل ہو کیونکر باوجود ان مشکلات پیچ در پیچ کے کہ جو پہلی صورت سے صدہا درجہ زیادہ ہیں۔ ایسی فصاحت اور بلاغت کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

بموجب معرفت صانع عالم پر کوئی نشان نہ رہا۔ گویا آپ کے مذہب کا یہ پہلا خلاصہ ہوا کہ خدائے تعالیٰ کی ہستی پر کوئی عقلی
٣٧١ دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ تو اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ کیا آپ کے دہریہ بننے میں کچھ کسر بھی رہ گئی۔ کیا آپؔ لوگوں میں
سے ایسی کوئی بھی روح نہیں کہ جو اس باریک دقیقہ کو سمجھے کہ قرآن سے انکار کرنا حقیقت میں رحمان پر حملہ ہے جس کتاب کی
رو سے اس کی صفات کا بے مثل ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے وجود کا پتہ لگتا ہے، اس کا منزہ اور مقدس ہونا مانا جاتا ہے، اس
٣٧٢ کی وحدانیت پھیلتی ہے، اس کی گم گشتہ توحید پھر قائم ہوتی ہےؔ، اسی کتاب سے آپ لوگ منہ پھیرتے ہیں۔ بدقسمتی ہے یا
نہیں؟ صاحبو! اب بے نظیری وحقانیت قرآن شریف بالکل کھل گئی ہے تمہارے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی۔ جیسے تم دیکھتے
٣٧٣ ہو کہ موسم کے آنے سے پھلوں کو نکلنے اور پکنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ ایسا ہی اب صداقت قرآنی کے ظاہر ہونے کا وقتؔ
آ گیا ہے اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔ سو اب تم چاند پر خاک مت ڈالو ایسا نہ ہو کہ وہ الٹ کر تمہاری ہی آنکھوں پر گر
پڑے۔
٣٧٤ بعض عیسائی انجیل کو بطور نظیر پیش کرنے سے ناامید ہو کر فیضی کی مواردالقلم پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فیضیؔ کی یہ
کتاب ساری بے نقط ہے اس لئے وہ بھی اپنی فصاحت و بلاغت میں قرآن کی طرح بلکہ اس سے بہتر ہے۔ لیکن افسوس یہ
ہے کہ ان نادانوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ یہ بیہودہ حرکت حقیقی فصاحت و بلاغت کے دائرہ سے خارج ہے اور ایسا کلام نہیں ہے
٣٧٥ جس کے التزام سے کوئی کتاب بے نظیرؔ اور بے مثل بن جائے بلکہ بے نقط عبارتوں کا لکھنا نہایت درجہ سہل اور آسان ہے
اور کوئی ایسی صنعت نہیں ہے جس کا انجام دینا انسان پر سخت اور مشکل ہو۔ اسی وجہ سے بہت سے منشیوں نے اپنی عربی اور
٣٧٦ فارسی کے املاء میں اس قسم کی بے نقط عبارتیں لکھی ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں۔ بلکہ بعض منشیوں کی ایسی عبارتیںؔ بھی موجود

کرو یا انگلینڈ کے جزیرہ میں چھوڑ دو۔ خواہ تم اس کو خط استوا کے نیچے لے جاؤ تب بھیؔ وہ بولی سیکھنے میں ۳۱۵

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ساتھ کسی بشر کی تحریر میں جمع ہوسکتی ہے کہ وہ بلاغت بھی بے مثل و مانند ہو اور اس مضمون کو اس سے زیادہ فصیح عبارت میں
بیان کرنا ممکن نہ ہو۔ یہ تو وہ وجوہ ہیں کہ جو سورۃ فاتحہ اور قرآن شریف میں ایسے طور سے پائی جاتی ہیں جن کو گلاب کے پھول
کیؔ وجوہ بے نظیری سے بکلی مطابقت ہے۔ لیکن سورۃ فاتحہ اور قرآن شریف میں ایک اور خاصہ بزرگ پایا جاتا ہے کہ جو اسی ۳۳۸
کلام پاک سے خاص ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کو توجہ اور اخلاص سے پڑھنا دل کو صاف کرتا ہے اور ظلمانی پردوں کو اٹھاتا ہے
اور سینے کو منشرح کرتا ہے اور طالب حق کو حضرت احدیت کی طرف کھینچ کر ایسے انوار اور آثار کا مورد کرتا ہے کہ جو مقربان
حضرت احدیت میں ہونی چاہیے اور جن کو انسان کسی دوسرے حیلہ یا تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں کرسکتا۔ اور اس روحانی
تاثیر کا ثبوت بھی ہم اس کتاب میں دے چکے ہیں اور اگر کوئی طالب حق ہو تو بالمواجہ ہم اس کی تسلی کرسکتے ہیں اور ہر وقت
تازہ بتازہ ثبوت دینے کو طیار ہیں۔ اور نیز اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف کا اپنی کلام میں بے مثل و مانند ہونا
صرف عقلی دلائل میں محصور نہیں بلکہ زمانہ دراز کا تجربہ صحیحہ بھی اس کا مؤید اور مصدق ہے۔ کیونکہ باوجود اس کے کہ قرآن
شریف برابر تیرہ سو برس سے اپنی تمام خوبیاں پیش کر کے ہل من معارض کا نقارہ بجا رہا ہے اور تمام دنیا کو بآواز بلند کہہ رہا
ہے کہ وہ اپنی ظاہری صورت اور باطنی خواص میں بے مثل و مانند ہے اور کسی جن یا انس کو اس کے مقابلہ یا معارضہ کی طاقت
نہیں۔ مگر پھر بھی کسی متنفس نے اس کے مقابلہ پر دم نہیں مارا بلکہ اس کی کم سے کم کسی سورۃ مثلاً سورۃ فاتحہ کی ظاہری و باطنی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہیں جن کے تمام حروف نقطہ دار ہیں اور کوئی بے نقط حرف ان میں داخل نہیں لیکن قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت جن
لوازم اور خصائص سے مخصوص ہے وہ ایک ایسا امر ہے جس کو دانشمند انسان سوچتے ہی بہ یقین دل سمجھ سکتا ہے کہ وہ پاک کلام
انسانی طاقتوں کے احاطہ سے خارج ہے۔ کیونکہؔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں قرآن شریف نے اپنی فصاحت اور بلاغت کو حریری ۳۷۷
اور فیضی وغیرہ انشاء پردازوں کی طرح فضول بیان کے پیرایۂ میں ادا نہیں کیا اور نہ کسی قسم کے لغو اور ہزل یا کذب کو اس
پاک کلام میں دخل ہے بلکہ فرقان مجید نے اپنی فصاحت اور بلاغت کو صداقت اور حکمت اور ضرورت حقہ کے التزامؔ سے ادا ۳۷۸
کیا ہے اور کمال ایجاز سے تمام دینی صداقتوں پر احاطہ کر کے دکھایا ہے۔ چنانچہ اس میں ہر یک مخالف اور منکر کے ساکت
کرنے کے لئے براہین ساطعہ بھری پڑی ہیں اور مؤمنین کی تکمیل یقین کے لئے ہزارہا دقائق حقائق کا ایک دریائے عمیق
وشفاف اس میں بہتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ جن امور میں فساد دیکھاؔ ہے انہیں کی اصلاح کے لئے زور مارا ہے۔ جس شدت سے ۳۷۹
کسی افراط یا تفریط کا غلبہ پایا ہے اسی شدت سے اس کی مدافعت بھی کی ہے۔ جن انواع اقسام کی بیماریاں پھیلی ہوئی دیکھی
ہیں ان سب کا علاج لکھا ہے۔ مذاہب باطلہ کے ہر ایک وہم کو مٹایا ہے۔ ہر یک اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کوئی صداقت
نہیںؔ جس کو بیان نہیں کیا۔ کوئی فرقہ ضالہ نہیں جس کا رد نہیں لکھا۔ اور پھر کمال یہ کہ کوئی کلمہ نہیں کہ بلا ضرورت لکھا ہو اور کوئی ۳۸۰
بات نہیں کہ بے موقع بیان کی ہو اور کوئی لفظ نہیں کہ لغو طور پر تحریر پایا ہو اور پھر باوصف التزام ان سب امور کے فصاحت کا
وہ مرتبۂ کامل دکھلایا جس سے زیادہ تر متصور نہیں اور بلاغت کو اس کمال تکؔ پہنچایا کہ کمال حسن ترتیب اور موجز اور مدلل ۳۸۱
بیان سے علم اولین اور آخرین ایک چھوٹی سی کتاب میں بھر دیا تا کہ انسان جس کی عمر تھوڑی اور کام بہت ہیں بے شمار دردسر
سے چھوٹ جائے اور تا کہ اسلام کو اس بلاغت سے اشاعت مسائل میں مدد پہنچے اور حفظ کرنا اور یاد رکھنا آسان ہو۔ اب

۳۱۶ تعلیم کا محتاج ہوگا اور بغیر سکھانے کے بے زبان رہے گا۔ اورؔ اس خیال کی تائید میں یہ وہم پیش کرنا کہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

خوبیوں کا بھی مقابلہ نہیں کرسکا تو دیکھو اس سے زیادہ بدیہی اور کھلا کھلا معجزہ اور کیا ہوگا کہ عقلی طور پر بھی اس پاک کلام کا
بشری طاقتوں سے بلند تر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور زمانہ دراز کا تجربہ بھی اس کے مرتبہ اعجاز پر گواہی دیتا ہے اور اگر کسی کو یہ
دونوں طور کی گواہی کہ جو عقل اور تجربہ زمانہ دراز کے رو سے بہ پایہ ثبوت پہنچ چکی ہے نامنظور ہوا اور اپنے علم اور ہنر پر ناز اس
ہو یا دنیا میں کسی ایسے بشر کی انشا پردازی کا قائل ہو کہ جو قرآن شریف کی طرح کوئی کلام بنا سکتا ہے تو ہم جیسا کہ وعدہ کر
۳۳۹ چکے ہیں کچھ بطور نمونہ حقائق دقائق سورۃ فاتحہ کے لکھتے ہیں اس کو چاہیے کہ بمقابلہ ان ظاہری و باطنی سورۃ فاتحہؔ کی خوبیوں
کے کوئی اپنا کلام پیش کرے۔ لیکن قبل تفصیل حقائق عالیہ سورۃ فاتحہ کے ہم طول کلام سے کچھ اندیشہ نہ کر کے مکرر بیان
کرتے ہیں کہ شخص معارض اس بات کو خوب یاد رکھے کہ جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن شریف کی
طرح دو قسم کی خوبیاں کہ جو بے مثل و مانند ہیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی ایک ظاہری صورت میں خوبی اور ایک باطنی خوبی۔
ظاہری خوبی یہ کہ جیسا کہ بارہا ذکر کیا گیا ہے اس کی عبارت میں ایسی رنگینی اور آب و تاب اور نزاکت و لطافت و ملایمت اور
بلاغت اور شیرینی اور روانگی اور حسن بیان اور حسن ترتیب پایا جاتا ہے کہ ان معانی کو اس سے بہتر یا اس سے مساوی کسی
دوسری فصیح عبارت میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ اور اگر تمام دنیا کے انشا پرداز اور شاعر متفق ہو کر یہ چاہیں کہ اسی مضمون کو لے کر
اپنے طور سے کسی دوسری فصیح عبارت میں لکھیں کہ جو سورۃ فاتحہ کی عبارت سے مساوی یا اس سے بہتر ہو تو یہ بات بالکل محال

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۳۸۲ بمقابلہ اس فصاحت و بلاغت کے انسانوںؔ کی کتابوں کو دیکھنا چاہیے کہ کیونکر جھوٹ اور ہزل اور بیہودگی سے بھری ہوئی ہیں
اور کیونکر غیر ضروری اور فضول طور پر ان کی عبارتیں لکھی گئی ہیں اور ان کو ہرگز میسر نہیں آیا کہ الفاظ کو معانی مقصودہ کے تابع
۳۸۳ کریں بلکہ ان کے معانی الفاظ کے پیچھے بہکتے پھرتے ہیں اور رعایت حق اور حکمت اور ضرورت و مصلحتؔ سے بکلی عاری
اور خالی ہیں۔ اور جب انہوں نے صداقت اور ضرورت حقہ کے التزام کو چھوڑ دیا اور ہر ہر لفظ میں جھوٹ بولنا یا بیہودہ گوئی
اختیار کرنا یا لغو اور غیر ضروری طور پر الفاظ کو منہ سے نکالنا اختیار کر لیا تو پھر ان کو قرآن شریف کی بلاغت سے کیا نسبت۔ اور
۳۸۴ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ چونکہ قرآنی فصاحت بلاغتؔ فضول طریقوں سے بکلی پاک اور منزہ ہے، پس اس صورت
میں حکیم مطلق کی شان مقدس سے بالکل دور تھا کہ وہ فضول گو شاعروں کی طرح بے نقط یا بانقط عبارت میں اپنا کلام نازل
۳۸۵ کرتا۔ کیونکہ یہ سب لغو حرکتیں ہیں جن میں کچھ بھی فائدہ نہیں اور حکیم مطلق کی شان اس سے بلند و برتر ہے کہ کوئی لغو حرکتؔ
اختیار کرے۔ جس صورت میں اس نے آپ ہی فرمایا ہے: وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ (۲۳:۴) یعنی ایماندار وہ
لوگ ہیں جو لغو کاموں سے پرہیز کرتے ہیں اور اپنا وقت بیہودہ کاموں میں نہیں کھوتے تو پھر آپ ہی کیونکر بیہودہ کام کرتا
۳۸۶ جس حالت میں اپنی کتاب کی اس نے یہ تعریف کی ہے کہ اس کی شان میں فرمایاؔ ہے: لَّا یَاۡتِیۡہِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ
لَا مِنۡ خَلۡفِہٖ (۴۱:۴۳) یعنی قرآن حکمت سے پُر ہے باطل کو اس کے آگے پیچھے سے گذر نہیں تو اس صورت میں وہ کیونکر
۳۸۷ آپ ہی باطل کو اس میں بھر دیتا اس کام کے لئے تو فیضیؔ جیسا ہی کوئی نادان فضول گو چاہیے۔ اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ ... وَ
الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ (۲۴:۲۷) خدا کے کلام کو اس طرح پر بے نقط سمجھنا چاہیے کہ وہ لغو اور جھوٹ اور بیہودہ گوئی کے نقطوں
سے منزہ اور معرّا ہے اور اس کی فصاحت بلاغت وہ بے بہا جوہر ہے جس سے دنیا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ روحانی بیماریوں شفا

ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ بولیوں میں ہمیشہ صدہا طرح کے تغیر وتبدل خود بخو ہوتے رہتے ہیں جن سے ۳۱۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور ممتنع ہے کہ ایسی عبارت لکھ سکیں۔ کیونکہ تیرہ سو برس سے قرآن شریف تمام دنیا کے سامنے اپنی بے نظیری کا دعویٰ پیش
کر رہا ہے۔ اگر ممکن ہوتا تو البتہ کوئی مخالف اس کا معارضہ کر کے دکھلاتا۔ حالانکہ ایسے دعویٰ کے معارضہ نہ کرنے میں تمام
مخالفین کی رسوائی اور ذلت اور قرآن شریف کی شوکت اور عزت ثابت ہوتی ہے۔ پس چونکہ تیرہ سو برس سے اب تک کسی
مخالف نے عبارت قرآنی کی مثل پیش نہیں کی تو اس قدر زمانہ دراز تک تمام مخالفین کا مثل پیش کرنے سے عاجز رہنا اور اپنی
نسبت ان تمام رسوائیوں اور ندامتوں اور لعنتوں کو روا رکھنا کہ جو جھوٹوں اور لاجواب رہنے والوں کی طرف عائد ہوتے ہیں
صریح اس بات پر دلیل ہے کہ فی الحقیقت ان کی علمی طاقت مقابلہ سے عاجز رہی ہے اور اگر کوئی اس امر کو تسلیم نہ کرے تو یہ
بار ثبوت اسی کی گردن پر ہے کہ وہ آپ یا کسی اپنے مددگار سے عبارت قرآن کی مثل بنوا کر پیش کرے۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے
مضمون کو لے کر کوئی دوسری فصیح عبارت بنا کر دکھلا دے جو کمال بلاغت اور فصاحت میں اس کے برابر ہو سکے اور جب تک
ایسا نہ کرے تب تک وہ ثبوت کہ جو مخالفین کے تیرہ سو برس خاموش اور لاجواب رہنے سے اہل حق کے ہاتھ میں ہے کسی ۳۴۰
طور سے ضعیف الاعتبار نہیں ہو سکتا بلکہ مخالفین کے سینکڑوں برسوں کی خاموشی اور لاجواب رہنے سے اس کو وہ کامل مرتبہ
ثبوت کا بخشا ہے کہ جو گلاب کے پھول وغیرہ کو وہ ثبوت بے نظیری کا حاصل نہیں۔ کیونکہ دنیا کے حکیموں اور صنعت کاروں کو
کسی دوسری چیز میں اس طور پر معارضہ کے لئے کبھی ترغیب نہیں دی گئی اور نہ اس کی مثل بنانے سے عاجز رہنے کی حالت

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حاصل ہوتی ہے۔ حقائق اور دقائق کا جاننا حق کے طالبوں پر آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ خدا کا فصیح کلام معارفِ حقہ کو کمال ۳۸۸
ایجاز سے کمال ترتیب سے کمال صفائی اور خوش بیانی سے لکھتا ہے اور وہ طریق اختیار کرتا ہے جس سے دلوں پر اعلیٰ درجہ کا
اثر پڑے اور تھوڑی عبارت میں وہ علوم الٰہیہ سما جائیں جن پر دنیا کی ابتدا سے کسی کتاب یا دفتر نے احاطہ نہیں کیا۔ یہی حقیقی ۳۸۹
فصاحت بلاغت ہے جو تکمیل نفس انسانی کے لئے ممد و معاون ہے۔ جس کے ذریعہ سے حق کے طالب کمال مطلوب تک
پہنچتے ہیں اور یہ وہ صفت ربانی ہے جس کا انجام پذیر ہونا بجز الٰہی طاقت اور اس کے علم وسیع کے ممکن نہیں خدائے تعالیٰ اپنے
کلام کے ایک ایک فقرہ کی سچائی کا ذمہ دار ہے اور جو کچھ اس کی تقریر میں واقعہ ہے خواہ وہ اخبار اور آثار گذشتہ ہیں، خواہ وہ ۳۹۰
آئندہ کی خبریں اور پیشگوئیاں ہیں اور خواہ وہ علمی اور دینی صداقتیں ہیں وہ تمام کذب اور ہزل اور بیہودہ گوئی کے داغ سے
منزہ ہیں اور اگر ایک ذرہ بھی خلاف گوئی یا فضولی اور لاف وگذاف ان میں پایا جاوے تو پھر وہ خدا کا کلام ہی نہیں رہتا۔
اس لئے وہ خود اپنے تمام بیانات کو بہ پایۂ ثبوت پہنچاتا ہے۔ لیکن کوئی شاعر اس بات کا ذمہ وار نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ہوا کہ
اس کا کلام ہر یک قسم کے کذب اور ہزل اور غیر ضروری باتوں سے پاک اور ضروری اور لابدی امور پر احاطہ رکھتا ہے۔ پھر
جبکہ شاعروں کی فضول باتوں کو وہ مراتب حاصل نہیں ہیں کہ جو خدائے تعالیٰ کے پاک کلام کو حاصل ہیں اور نہ اس بارے
میں شاعر کچھ دم مارتے ہیں اور نہ ذمہ وار بنتے ہیں بلکہ اپنے عجز کے آپ ہی اقراری ہیں تو کلام الٰہی کے مقابلہ پر ان کا ناچیز ۳۹۱
کلام پیش کرنا کیسی سفاہت اور ناد انی ہے۔ شاعر تو اگر مر بھی جاویں تو صداقت اور راستی وضرورت حقہ کا اپنے کلام میں
التزام نہ کر سکیں۔ وہ تو بغیر فضول گوئی کے بول ہی نہیں سکتے اور ان کی ساری کل فضول اور جھوٹ پر ہی چلتی ہے۔ اگر جھوٹ
نہیں یا فضول گوئی نہیں تو پھر شعر بھی نہیں۔ اگر تم ان کا فقرہ فقرہ تلاش کرو کہ کس قدر حقائق ودقائق ان میں جمع ہیں۔ کس قدر

۳۱۸ بولیوں میں انسانی تصرف کا ثبوت ملتا ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ وہم سراسر دھوکا ہے۔ تغیرات کہ جو ہمیشہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

میں کبھی ان کو یہ خوف دلایا گیا کہ وہ طرح طرح کی تباہی اور ہلاکت میں ڈالے جائیں گے۔ پس ظاہر ہے کہ جس بداہت
اور چمک اور دمک سے قرآن شریف کی بلاغت اور فصاحت کا انسانی طاقتوں سے بلندتر ہونا ثابت ہے اس طرح پر گلاب
کی لطافت اور رنگینی وغیرہ کا بیمثل ہونا ہرگز ثابت نہیں۔ پس یہ تو سورۃ فاتحہ اور تمام قرآن شریف کی ظاہری خوبی کا بیان ہے
جس میں اس کا بے مثل و مانند ہونا اور بشری طاقتوں سے برتر ہونا مخالفین کے عاجز رہنے سے بہ پایۂ ثبوت پہنچ گیا ہے۔
اب ہم باطنی خوبیوں کو بھی دوہرا کر ذکر کرتے ہیں تا اچھی طرح غور کرنے والوں کے ذہن میں آجائیں۔ سو جاننا چاہیے کہ
جیسا خداوند حکیم مطلق نے گلاب کے پھول میں بدن انسان کے لئے طرح طرح کے منافع رکھے ہیں کہ وہ دل کو قوت دیتا
ہے اور قویٰ اور ارواح کو تقویت بخشتا ہے اور کئی اور مرضوں کو مفید ہے ایسا ہی خداوند کریم نے سورۃ فاتحہ میں تمام قرآن
شریف کی طرح روحانی مرضوں کی شفا رکھی ہے اور باطنی بیماریوں کا اس میں وہ علاج موجود ہے کہ جو اس کے غیر میں ہرگز
نہیں پایا گیا۔ کیونکہ اس میں وہ کامل صداقتیں بھری ہوئی ہیں کہ جو روئے زمین سے نابود ہوگئی تھیں اور دنیا میں ان کا نام
ونشان باقی نہیں رہا تھا۔ پس وہ پاک کلام فضول اور بے فائدہ طور پر دنیا میں نہیں آیا بلکہ وہ آسمانی نور اس وقت تجلّی فرما ہوا
جبکہ دنیا کو اس کی نہایت ضرورت تھی اور ان تعلیموں کو لایا جن کا دنیا میں پھیلانا دنیا کی اصلاح کے لئے نہایت ضروری تھا۔
۳۴۱ غرض جن پاک تعلیموں کی بغایت درجہ ضرورت تھی اور جن معارف حقائق کے شائع کرنے کی شدت سے حاجت تھی انہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

راستی اور صداقت کا التزام ہے، کس قدر حق اور حکمت پر قیام ہے، کس ضرورت حقہ سے وہ باتیں ان کے منہ سے نکلی ہیں اور
کیا کیا اسرار بے مثل و مانند ان میں لپٹے ہوئے ہیں، تو تمہیں معلوم ہو کہ ان تمام خوبیوں میں سے کوئی بھی خوبی ان کی مردہ
عبارات میں پائی نہیں جاتی۔ ان کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ جس طرف قافیہ ردیف ملتا نظر آیا اسی طرف جھک گئے۔ اور جو
مضمون دل کو اچھا لگا وہی جھک ماری۔ نہ حق اور حکمت کی پابندی ہے اور نہ فضول گوئی سے پرہیز ہے اور نہ یہ خیال ہے کہ
۳۹۲ اس کلام کے بولنے کے لئے کون سی سخت ضرورت درپیش ہے اور اس کے ترک کرنے میں کون سا سخت نقصان عائد حال
ہے۔ ناحق بے فائدہ فقرہ سے فقرہ ملاتے ہیں۔ سر کی جگہ پاؤں، پاؤں کی جگہ سر لگاتے ہیں۔ سراب کی طرح چمک تو بہت
ہے پر حقیقت دیکھو تو خاک بھی نہیں۔ شعبدہ باز کی طرح صرف کھیل ہی کھیل۔ اصلیت دیکھو تو کچھ بھی نہیں۔ نادار ناطاقت
اور ناتواں اور گئے گذرے ہیں۔ آنکھیں اندھی اور اس پر عشوہ گری۔ ان کی نسبت نہایت ہی نرمی کیجئے تو یہ کہئے کہ وہ سب
ضعیف اور ہیچ ہونے کی وجہ سے عنکبوت کی طرح ہیں اور ان کے اشعار بیت عنکبوت ہیں۔ ان کی نسبت خداوند کریم نے
خوب فرمایا ہے: وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾ وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا
يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾ ..... وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ (الشعراء: ۲۲۴ تا ۲۲۷) یعنی شاعروں کے
۳۹۳ پیچھے وہی لوگ چلتے ہیں جنہوں نے حق اور حکمت کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا شاعر تو وہ لوگ ہیں جو قافیہ اور ردیف
اور مضمون کی تلاش میں ہر ایک جنگل میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ حقانی باتوں پر ان کا قدم نہیں جمتا اور جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے
نہیں۔ سو ظالم لوگ جو خدا کے حقانی کلام کو شاعروں کے کلام سے تشبیہ دیتے ہیں انہیں عنقریب معلوم ہوگا کہ کس طرف
پھریں گے۔ اب دانا کو سوچنا چاہیے کہ کیا اس سے زیادہ تر ناانصافی کوئی اور بھی ہوگی کہ حق محض کو لغو محض سے تشبیہ دی جائے

بولیوں کو لگے ہوئے ہیں یہ انسان کے ارادہ اور اختیار سے ظہور میں نہیں آتے ۔ اور نہ یہ کچھ قاعدہ ٣١٩

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ضروری اورلابدی اورحقانی صداقتوں کوعین ضرورت کے وقتوں میں اورٹھیک ٹھیک حاجت کے موقعہ میں ایک بیمثل بلاغت
اورفصاحت کے پیرایہ میں بیان فرمایا اور باوصف اس التزام کے جو کچھ گمراہوں کی ہدایت کے لئے اور حالت موجودہ کی
اصلاح کے لئے بیان کرنا واجب تھا اس سے ایک ذرہ ترک نہ کیا اور جو کچھ غیر واجب اور فضول اور بیہودہ تھا اس کا کسی فقرہ
میں کچھ دخل ہونا نہ پایا۔غرض وہ انوار اور پاک صداقتیں باوصف اس شان عالی کے کہ جوان کو بوجہ اعلیٰ درجہ کے معارف
ہونے کے حاصل ہے ایک نہایت درجہ کی عظمت اور برکت یہ رکھتے ہیں کہ وہ عبث اور فضول طور پر ظاہر نہیں کی گئیں بلکہ
جن جن اقسام انواع کی ظلمت دنیا میں پھیلی ہوئی تھی اور جس جس قسم کا جہل اور فساد علمی اور عملی اور اعتقادی امور میں حالت
زمانہ پر غالب آ گیا تھا اس ہر ایک قسم کے فساد کے مقابلہ پر پورے پورے زور سے ان سب ظلمتوں کو اٹھانے کے لئے اور
روشنی کو پھیلانے کے لئے عین ضروری وقت پر بارانِ رحمت کی طرح ان صداقتوں کو دنیا میں ظاہر کیا گیا۔اور حقیقت میں وہ
بارانِ رحمت ہی تھا کہ سخت پیاسوں کی جان رکھنے کے لئے آسمان سے اترا اور دنیا کی روحانی حیات اسی بات پر موقوف تھی
کہ وہ آب حیات نازل ہو کوئی اور قطرہ اس کا ایسا نہ تھا کہ کسی موجود الوقت بیماری کی دوا نہ ہو۔اور حالت موجودہ زمانہ نے
صدہا سال تک اپنی معمولی گمراہی پر رہ کر یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ان بیماریوں کے علاج کو خود بخود بغیر اترنے اس نور کے
حاصل نہیں کرسکتا اور نہ اپنی ظلمت کو آپ اٹھا سکتا ہے ۔ بلکہ ایک آسمانی نور کا محتاج ہے کہ جو اپنی سچائی کی شعاعوں سے دنیا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

یا ظلمت کو نور سے برابر ٹھہرایا جائے ۔کیا ایسی کتابیں اس کتاب مقدس سے کچھ نسبت رکھتی ہیں جن کے چہرہ پر فضول گوئی کا
داغ اور جھوٹ اور ہرزہ درائی کا دھبہ اس قدر پھیل گیا ہے جس کو دیکھ کر ہر یک پاک دل آدمی کو نفرت اور کراہت آتی ہے۔
کیا ایسی کتابیں ان صحف مطہرہ سے مشابہ کہلائیں گی جن کتابوں کا مادہ مجذوم کے خون کی طرح بگڑا ہوا ہے۔نہیں ہرگز
نہیں ۔ اگرچہ تعصب وہ سخت بلا ہے کہ جو نہ عقل کو چھوڑتا ہے اور نہ سمجھ کو اور نہ قوت سامعہ اس سے سلیم رہتی ہے اور نہ قوت ٣٩٤
باصرہ۔لیکن انسان کو یہ بھی تو سوچ لینا چاہیے کہ جن دو چیزوں میں کچھ بھی مشابہت اور مناسبت نہیں ان کو خواہ نخواہ ایک
دوسرے کا شبیہ قرار دینے کا آخری نتیجہ ہمیشہ یہی ہوا کرتا ہے ایسے شخصوں کو دانشمند لوگ پاگل اور دیوانہ کہنے لگتے ہیں۔
اے حضرات عیسائیاں! آپ لوگ ہندوؤں کی چال نہ چلیں ۔آپ لوگوں میں سے قرآن شریف ہی کے اترنے کے زمانہ
میں ایسے نیک سرشت پادری بہت گذرے ہیں جن کے آنسو قرآن شریف کو سنکر نہیں تھمتے تھے۔ان بزرگ قسیسوں کو یاد
کرو جن کی شہادتیں قرآن شریف میں درج ہیں اور جو فرقان مجید کو سنکر ٹھوڑیوں پر گر کر روتے تھے۔قرآن ہی کی عظمت
شان نے ان سے کلمہ بھروایا۔تمام کتب الہامیہ پر اپنی فضیلت کا اقرار کروایا۔اب آپ لوگوں کی آنکھوں میں وہی قرآن
حریری اور فیضی کے واہیات کلام سے برابر نہیں ۔ یہ بڑا کفر خدا کو نہیں بھاتا ۔اگر آپ لوگ کوئی نظیر قرآن شریف کی اس کے ٣٩٥
ظاہری و باطنی کمالات میں ثابت کر دکھاتے تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ پر آپ تو ایسی نظیر پیش کرنے سے بکلی عاجز اور ساکت
ہیں ۔پھر معلوم نہیں کہ تم آنکھیں رکھتے ہوئے کیوں نہیں دیکھتے ۔کان رکھتے ہوئے کیوں نہیں سنتے ۔دل رکھتے ہوئے کیوں
نہیں سمجھتے ۔اگر حریری اور فیضی تم سے ہی عاقل ہوتے تو وہ آپ ہی دعویٰ کرتے کہ ہم نے قرآن شریف کی نظیر بنالی ہے۔
پر خدا نہ کرے کہ کسی لکھے پڑھے آدمی کی ایسی پست عقل ہو۔ بھلا تم آپ ہی بتلاؤ کہ وہ کونسا کلام تمہارے بغل میں ہے جس

مقرر ہوسکتا ہے کہ خود انسان کی طبیعت کسی خاص خاص وقتوں میں بولیوں میں تغیر تبدل کرتی رہتی ۳۲۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کو روشن کرے اور ان کو دکھاوے جنہوں نے کبھی نہیں دیکھا اور ان کو سمجھاوے جنہوں نے کبھی نہیں سمجھا۔ اس آسمانی نور
نے دنیا میں آ کر صرف یہی کام نہیں کیا کہ ایسے معارف حقہ ضروریہ پیش کئے جن کا صفحۂ زمین پر نشان باقی نہیں رہا تھا بلکہ ۳۴۲
اپنے روحانی خاصہ کے زور سے ان جواہر حقہ اور حکمت کو بہت سے سینوں میں بھر دیا اور بہت سے دلوں کو اپنے دلربا چہرہ کی
طرف کھینچ لایا اور اپنی قوی تاثیر سے بہتوں کو علم اور عمل کے اعلیٰ مقام تک پہنچایا۔ اب یہ دونوں قسم کی خوبیاں کہ جو سورۃ
فاتحہ اور تمام قرآن شریف میں پائی جاتی ہیں کلام الٰہی کی بےنظیری ثابت کرنے کے لئے ایسے روشن دلائل ہیں کہ جیسی وہ
خوبیاں جو گلاب کے پھول میں سب کے نزدیک انسانی طاقتوں سے اعلیٰ تسلیم کیے گئے ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر یہ
خوبیاں بدیہی طور پر عادت سے خارج اور طاقت انسانی سے باہر ہیں، اس شان کی خوبیاں گلاب کے پھول میں ہرگز نہیں
پائی جاتیں۔ ان خوبیوں کی عظمت اور شوکت اور بےنظیری اس وقت کھلتی ہے جب انسان سب کو من حیث الاجتماع اپنے
خیال میں لاوے اور اس اجتماعی ہیئت پر غور اور تدبر سے نظر ڈالے۔ مثلاً اول اس بات کے تصور کرنے سے کہ ایک کلام کی
عبارت ایسے اعلیٰ درجہ کی فصیح اور بلیغ اور ملائم اور شیریں اور سلیس اور خوش طرز اور رنگین ہو کہ اگر کوئی انسان کوئی ایسی عبارت
اپنی طرف سے بنانا چاہیے کہ جو بتمام وکمال انہیں معانی پر مشتمل ہو کہ جو اس بلیغ کلام میں پائی جاتی ہیں تو ہرگز ممکن نہ ہو کہ وہ
انسانی عبارت اس پایہ بلاغت ورنگینی کو پہنچ سکے۔ پھر ساتھ ہی یہ دوسرا تصور کرنے سے کہ اس عبارت کا مضمون ایسے حقائق

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

میں قرآن شریف کی طرح یہ دعویٰ موجود ہے: قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا
یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (بنی اسرائیل: ۸۸) وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا
بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرہ: ۲۳) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ
لِلْكٰفِرِیْنَ (البقرہ: ۲۴) یعنی ان کو کہہ دے کہ اگر تمام جن اور آدمی اس بات پر اتفاق کر لیں کہ قرآن کی مثل کوئی کلام لاویں ۳۹۶
تو یہ بات ان کے لئے ممکن نہیں اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جاویں۔ اور اگر تم کو قرآن کے منزل من اللہ
ہونے میں شک ہے تو تم بھی کوئی ایک سورۃ اس کی مانند بنا کر دکھلاؤ۔ اور اگر نہ بناؤ اور یاد رکھو کہ ہرگز نہیں بنا سکو گے تو اس
آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے طیار کی گئی ہے۔ پھر میں مکرر کہتا ہوں کہ قبل اس کے جو تم
لوگ اس فکر میں پڑو کہ قرآن شریف کے مثل و مانند کوئی دوسرا کلام تلاش کیا جائے اول تم کو اس بات کا دیکھ لینا نہایت
ضروری ہے کہ اس دوسری کلام نے وہ دعویٰ بھی کیا ہے یا نہیں جس دعویٰ کو آیات مذکورہ بالا میں ابھی تم سن چکے ہو۔ کیونکہ اگر
کسی متکلم نے ایسا دعویٰ ہی نہیں کیا کہ میرا کلام بےمثل و مانند ہے جس کے مقابلہ اور معارضہ سے فی الحقیقت تمام جن وانس
عاجز و ساکت ہیں تو ایسے متکلم کے کلام کو خواہ نخواہ بےمثل و مانند سمجھ لینا حقیقت میں اسی مثل مشہور کا مصداق ہے کہ مدعی
سست و گواہ چست۔ ماسوا اس کے کسی کلام کو قرآن شریف کی نظیر اور شبیہ ٹھہرانے میں اس بات کا ثبوت بھی پیدا کر لینا چاہیے
کہ جن کمالات ظاہری و باطنی پر قرآن شریف مشتمل ہے انہیں کمالات پر وہ کلام بھی اشتمال رکھتا ہے جس کو بطور نظیر پیش
کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر نظیر پیش کردہ کو کمالات قرآنیہ سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں تو پھر ایسی نظیر پیش کرنا بجز اپنی جہالت اور ۳۹۷
حماقت دکھلانے کے کس غرض پر مبنی ہوگا۔ یہ بات خوب یاد رکھو کہ جیسے ان تمام چیزوں کی نظیر اور شبیہ بنانا کہ جو صادر من اللہ

ہےؔ ۔ بلکہ عمیق نظر سے معلوم ہوگا کہ یہ تغیرات بھی اس علت العلل کے ارادہ اور اختیار سے وقوع ٣٢١

بقیہ حاشیہ نمبر 11

دقائق پر مشتمل ہو کہ جو فی الحقیقت اعلیٰ درجہ کی صداقتیں ہوں اور کوئی فقرہ اور کوئی لفظ اور کوئی حرف ایسا نہ ہو کہ جو حکیمانہ بیان پر مبنی نہ ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ تیسرا تصور کرنے سے کہ وہ صداقتیں ایسی ہوں کہ حالت موجودہ زمانہ کو انکی نہایت ضرورت ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ چوتھا تصور کرنے سے کہ وہ صداقتیں ایسی بے مثل و مانند ہوں کہ کسی حکیم یا فیلسوف کا پتہ نہ مل سکتا ہو کہ ان صداقتوں کو اپنی نظر اور فکر سے دریافت کرنے والا ہو چکا ہو۔ پھر ساتھ ہی یہ پانچواں تصور کرنے سے کہ جس زمانہ میں وہ صداقتیں ظاہر ہوئی ہوں ایک تازہ نعمت کی طرح ظاہر ہوئی ہوں اور اس زمانہ کے لوگ ان کے ظہور سے پہلے
اس راہ راست سے بکلی بے خبر ہوں۔ پھرؔ ساتھ ہی یہ چھٹا تصور کرنے سے کہ اس کلام میں ایک آسمانی برکت بھی ثابت ہو ٣٤٣
کہ جو اس کی متابعت سے طالب حق کو خداوند کریم کے ساتھ ایک سچا پیوند اور ایک حقیقی انس پیدا ہو جائے اور وہ انوار اس میں چمکنے لگیں کہ جو مردانِ خدا میں چمکنے چاہئیں ۔ یہ کل مجموعی ایک ایسی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ عقل سلیم بلاتوقف وتردّد حکم دیتی ہے کہ بشری کلام کا ان تمام مراتب کاملہ پر مشتمل ہونا ممتنع اور محال اور خارق عادت ہے۔اور بلاشبہ ان تمام فضائل ظاہری و باطنی کو بہ نظر یکجائی دیکھنے سے ایک رعب ناک حالت ان میں پائی جاتی ہے کہ جو عقلمند کو اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ اس کل مجموعی کا انسانی طاقتوں سے انجام پذیر ہونا عقل اور قیاس سے باہر اور ایسی رعب ناک حالت گلاب کے پھول میں ہرگز پائی نہیں جاتی کیونکہ قرآن شریف میں یہ خصوصیت زیادہ ہے کہ اس کی صفات مذکورہ کہ جو بے نظیری کا مدار ہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہیں غیر ممکن اور ممتنع ہے، ایسا ہی قرآن شریف کی نظیر بنانا بھی حدّ امکان سے خارج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے عرب کے نامی شاعروں کو کہ جن کی عربی مادری زبان تھی اور جو طبعی طور پر اور نیز کسبی طور پر مذاق کلام سے خوب واقف تھے ماننا پڑا کہ قرآن شریف انسانی طاقتوں سے بلند تر ہے۔ اور کچھ عرب پر موقوف نہیں بلکہ خود تم میں سے کئی اندھے تھے کہ جو اس کامل روشنی سے بینا ہو گئے اور کئی بہرے تھے کہ اس سے سننے لگ گئے اور اب بھی وہ روشنی چاروں طرف سے تاریکی کو اٹھاتی جاتی ہے اور قرآن شریف کے انوار حقہ دلوں کو منور کرتے جاتے ہیں۔ واقعی یہ حال ہو رہا ہے کہ جس قدر لوگوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اسی قدر قرآن شریف کی عظمت کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ بڑے بڑے متعصب انگریزوں میں سے جو کہ حکیم اور فلاسفر کہلاتے تھے خود بول اٹھے کہ قرآن شریف اپنی فصاحت اور بلاغت میں بے نظیر ہے یہاں تک کہ گاڈفری ہیگنس صاحب جیسے سرگرم عیسائی کو اپنی کتاب کے صفحہ ٢٢١ میں لکھنا پڑا کہ حقیقت میں جیسی عالی عبارتیں قرآن میں پائی جاتی ہیں اس سے زیادہ غالباً دنیا بھر میں نہیں مل سکتیں اور ایسا ہی پورٹ صاحب کو بجبوری اپنی کتاب میں یہی گواہی دینی پڑی۔

آریہ سماج والے جو خدا کے الہام اور کلام کو وید پر ختم کیے بیٹھے ہیں وہ بھی عیسائیوں کی طرح قرآن شریف کیؔ بے نظیری سے ٣٩٨
انکار کر کے اپنے وید کی نسبت فصاحت بلاغت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن ہم اس امر کو بار بار غافل لوگوں پر ظاہر کرنا فرض سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف کی بے نظیری سے صرف وہ شخص انکار کر سکتا ہے جس کو یہ طاقت ہو کہ جو کچھ قرآن شریف کی وجوہ بے نظیری اس کتاب میں بطور نمونہ درج کی گئی ہیں کسی دوسری کتاب سے نکال کر دکھلا سکے۔ سو اگر آریہ سماج والوں کو اپنے وید پر یہ امید ہے کہ وہ قرآن شریف کا مقابلہ کر سکے گا تو انہیں بھی اختیار ہے کہ وید کا زور دکھلاویں۔ مگر صرف دعویٰ ہی دعویٰ

۳۲۲ میں آتے رہتے ہیں جیسے تمام تغیرات سماوی وارضی اس کے خاص ارادہ سے ظہور پذیر ہیں ۔ یہ امر کبھی ۳۲۳

بقیہ حاشیہ نمبر 11

نہایت بدیہی الثبوت ہیں اور اسی وجہ سے جب معارض کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک حرف بھی ایسے موقعہ پر نہیں رکھا گیا کہ جو حکمت اور مصلحت سے دور ہو اور اس کا ایک فقرہ بھی ایسا نہیں کہ جو زمانہ کی اصلاح کے لئے اشد ضروری نہ ہو اور پھر بلاغت کا یہ کمال کہ ہرگز ممکن ہی نہیں کہ اس کی ایک سطر کی عبارت تبدیل کر کے بجائے اس کے کوئی دوسری عبارت لکھ سکیں تو ان بدیہی کمالات کے مشاہدہ کرنے سے معارض کے دل پر ایک بزرگ رعب پڑ جاتا ہے ۔ ہاں کوئی نادان جس نے ان باتوں میں کبھی غور نہیں کی شاید بباعث نادانی سوال کرے کہ اس بات کا ثبوت کیا ہے کہ یہ ساری خوبیاں سورۃ فاتحہ اور تمام قرآن شریف میں متحقق اور ثابت ہیں ۔ سو واضح ہو کہ اس بات کا یہی ثبوت ہے کہ جنہوں نے قرآن شریف کے بے مثل کمالات پر غور کی اور اس کی عبارت کو ایسے اعلیٰ درجہ کی فصاحت اور بلاغت پر پایا کہ اس کی نظیر بنانے سے عاجز رہ گئے اور پھر اس کے دقائق وحقائق کو ایسے مرتبہ عالیہ پر دیکھا کہ تمام زمانہ میں اس کی نظیر نظر نہ آئی اور اس میں وہ تاثیرات عجیبہ
۳۴۴ مشاہدہ کیں کہ جو انسانی کلمات میں ہرگز نہیں ہوا کرتیں اور پھر اس میں یہ صفت پاک دیکھی کہ وہ بطور ہزل اور فضول گوئی کے نازل نہیں ہوا بلکہ عین ضرورت حقہ کے وقت نازل ہوا تو انہوں نے ان تمام کمالات کے مشاہدہ کرنے سے بے اختیار اس کی بے مثل عظمت کو تسلیم کر لیا اور ان میں سے جو لوگ بباعث شقاوت ازلی نعمت ایمان سے محروم رہے ان کے دلوں پر بھی اس قدر ہیبت اور رعب اس بے مثل کلام کا پڑا کہ انہوں نے بھی مبہوت اور سراسیمہ ہو کر یہ کہا کہ یہ تو سحر مبین ہے ۔ اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کرنا اور اوباشانہ باتیں منہ پر لانا نیک طینت آدمیوں کا کام نہیں ۔ انسان کی ساری شرافت اور عقل اس میں ہے کہ اگر اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل ہو تو پیش کرے ورنہ ایسا دعویٰ کرنے سے ہی زبان بند رکھے جس کا ماحصل بجز فضول گوئی وژاژ خائی اور کچھ بھی نہیں ۔ سمجھنا چاہیے کہ قرآن شریف کی بلاغت ایک پاک اور مقدس بلاغت ہے جس کا مقصد اعلیٰ یہ ہے کہ حکمت اور راستی کی روشنی کو فصیح کلام میں بیان کر کے تمام حقائق اور دقائق علم دین ایک موجز اور مدلل عبارت میں بھر دیئے جائیں ۔ اور جہاں تفصیل کی اشد ضرورت ہو وہاں تفصیل ہو اور جہاں اجمال کافی ہو وہاں اجمال ہو ۔ اور کوئی صداقت دینی ایسی نہ ہو
جس کا مفصلاً یا مجملاً ذکر نہ کیا جائے اور باوصف اس کے ضرورت حقہ کے تقاضا سے ذکر ہو نہ غیر ضروری طور پر اور پھر کلام بھی ۳۹۹
ایسا فصیح اور سلیس اور متین ہو کہ جس سے بہتر بنانا ہرگز کسی کے لئے ممکن نہ ہو ۔ اور پھر وہ کلام روحانی برکات بھی اپنے ہمراہ رکھتا ہو ۔ یہی قرآن شریف کا دعویٰ ہے جس کو اس نے آپ ثابت کر دیا ہے اور جا بجا فرما بھی دیا ہے کہ کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں کہ اس کی نظیر بنا سکے ۔ اب جو شخص منصفانہ طور پر بحث کرنا چاہتا ہے اس پر یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرآن شریف کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لئے ایسی کتاب کا پیش کرنا ضروری ہے جس میں وہی خوبیاں پائی جائیں جو اس میں پائی جاتی ہیں ۔ سچ ہے کہ وید میں شاعرانہ تلازمات پائے جاتے ہیں اور شاعروں کی طرح انواع اقسام کے استعارات بھی موجود ہیں ۔ مثلاً رگ وید میں ایک جگہ آگ کو ایک دولتمند فرض کر لیا ہے جس کے پاس بہت سے جواہرات ہیں اور اس کی روشنی کو جوہر تابان سے تشبیہ دی ہے ۔ بعض جگہ اس کو ایک سپہ سالار مقرر کیا ہے جس کی کالی جھنڈی ہے اور دھوئیں کو جو آگ پر اٹھتا ہے ایک علم سیہ ٹھہرا لیا ہے ۔ ایک جگہ اس حرارت کو جو بخارات مائی کو اٹھاتی ہے چور مقرر کیا ہے اور اس کا نام بلحاظ قوت ماسکہ ورترا رکھا ہے اور بخارات کو گوین ٹھہرایا ہے اور راندر جس سے وید میں آسمان کا فضا اور خاص کر کے کرہ زمہریر مراد ہے ۔ اس کو اس

ثابت نہیں ہوسکتا کہ کبھی انسانوں نے متفق ہوکر یا الگ الگ ان تمام بولیوں کو ایجاد کیا تھا جو دنیا ۳۲۴

بقیہ حاشیہ نمبر 11

پھر منصف کو اس بات سے بھی قرآن شریف کے بے مثل و مانند ہونے پر ایک قوی دلیل ملتی ہے اور روشن ثبوت ہاتھ میں آتا ہے کہ باوجود اس کے کہ مخالفین کو تیرہ سو برس سے خود قرآن شریف مقابلہ کرنے کی سخت غیرت دلاتا ہے اور لاجواب رہ کر مخالفت اور انکار کرنے والوں کا نام شریر اور پلید اور لعنتی اور جہنمی رکھتا ہے مگر پھر بھی مخالفین نے نامردوں اور مخنثوں کی طرح کمال بے شرمی اور بے حیائی سے اس تمام ذلت اور بے آبروئی اور بے عزتی کو اپنے لئے منظور کیا اور یہ روا رکھا کہ ان کا نام جھوٹا اور ذلیل اور بے حیا اور خبیث اور پلید اور شریر اور بے ایمان اور جہنمی رکھا جائے مگر ایک قلیل المقدار سورۃ کا مقابلہ نہ کر سکے اور نہ ان خوبیوں اور صفتوں اور عظمتوں اور صداقتوں میں کچھ نقص نکال سکے کہ جن کو کلام الٰہی نے پیش کیا ہے۔ حالانکہ ہمارے مخالفین پر درحالت انکار لازم تھا اور اب بھی لازم ہے کہ اگر وہ اپنے کفر اور بے ایمانی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تو وہ قرآن شریف کی کسی سورۃ کی نظیر پیش کریں اور کوئی ایسا کلام بطور معارضہ ہمارے سامنے لاویں کہ جس میں یہ تمام ظاہری و باطنی خوبیاں پائی جاتی ہوں کہ جو قرآن شریف کی ہر ایک اقل قلیل سورۃ میں پائی جاتی ہیں۔ یعنی عبارت اس کی ایسی اعلیٰ درجہ کی بلاغت پر باوصف التزام راستی اور صداقت اور باوصف التزام ضرورت حقہ کے واقعہ ہو کہ ہرگز کسی بشر کے لئے ممکن
نہ ہو کہ وہ معانی کسی دوسری ایسی ہی فصیح عبارت میں لا سکے اور مضمون اس کا نہایت اعلیٰ درجہ کی صداقتوں پر مشتمل ہو اور پھر ۳۲۵
وہ صداقتیں بھی ایسی ہوں کہ فضول طور پر نہ لکھی گئی ہوں بلکہ کمال درجہ کی ضرورت نے ان کا لکھنا واجب کیا ہو اور نیز وہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

مثال میں قصاب سے تشبیہ دی ہے اور لکھا ہے کہ جس طرح قصاب گائے کے گوشت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے اسی طرح اندر نے ورترا کے سر پر ایسا بجر مارا جو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور پانی قطرہ قطرہ ہو کر بہ نکلا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کے
تلازمات کو قرآن شریف سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔ صرف شاعرانہ خیالات ہیں اور پھر بھی ایسے قابل تعریف و باوقعت نہیں ۴۰۰
بلکہ اکثر مقامات سخت نکتہ چینی کے لائق ہیں۔ مثلاً استعارۂ مذکورہ بالا جس میں اندر کو ایک بوچڑ سے تشبیہ دی ہے جس کا کام گائے کا گوشت فروخت کرنا ہے یہ ایک ایسا مضمون ہے کہ جو لطیف طبع شاعروں کے کلام میں ہرگز نہیں آ سکتا۔ کیونکہ شاعر کو یہ بھی خیال کر لینا لازم ہے کہ میرے اس مضمون سے عام لوگ کراہت تو نہیں کریں گے مگر اس شرتی میں یہ خیال نظر انداز ہو گیا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ ہندو لوگ جو وید کے مخاطب ہیں وہ گائے کے گوشت کا نام سننے سے متنفر ہیں اور ان کی طبیعتوں پر ایسا ذکر سخت گراں گذرتا ہے۔ اور پھر اندر کو جو وید میں ایک بزرگ دیوتا مقرر ہو چکا ہے بوچڑ سے تشبیہ دینا اور پھر بعد بزرگ قرار دینے کے پھر اس کی ہجو ملیح کرنا شائستگی کلام سے بعید اور ایک طرح کی بے ادبی ہے۔ ماسوا اس کے اس تشبیہ میں ایک اور بھی نقص ہے وہ یہ ہے کہ تشبیہ اس امر میں چاہیے کہ مشہور اور معروف ہو۔ پس یہ کہنا کہ اندر نے ورترا کو ایسا ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جیسے بوچڑ گائے کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔ یہ تشبیہ فن بلاغت کے رو سے تب درست بیٹھتی ہے کہ جب یہ ثابت ہو کہ وید کے زمانہ میں عام طور پر گائے کا گوشت بازاروں میں بکتا تھا اور بوچڑ لوگ ٹکڑے ٹکڑے کر کے وہ گوشت آریہ لوگوں کو دیتے تھے۔ مگر حال کے آریہ لوگ ہرگز اس کے قائل نہیں۔ اب ظاہر ہے کہ کلام میں ایسی تشبیہ بیان کرنا جس کا خارج میں وجود ہی نہیں بلکہ جس سے لوگ متنفر ہیں دائرہ فصاحت بلاغت سے بالکل خارج ہے۔ اگر ایک لڑکا بھی اپنے کلام میں ایسی تشبیہ بیان کرے تو وہ دانشمندوں کے نزدیک قابل ملامت اور سادہ لوح ٹھہرتا ہے۔ کیونکہ تشبیہ کا

۳۲۵ میں بولی جاتی ہیں۔ اور اگر کوئی یہ وہم پیش کرے کہ جس طرح طبعی طور پر خدا تعالیٰ بولیوں میں ہمیشہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

صداقتیں ایسی ہوں کہ قبل ان کے ظہور کے تمام دنیا ان سے بےخبر ہو اور ان کا ظہور ایک نئی نعمت کی طرح ہو اور پھر ان تمام خوبیوں کے ساتھ ایک یہ روحانی خاصہ بھی ان میں موجود ہو کہ قرآن شریف کی طرح ان میں وہ صریح تاثیریں بھی پائی جائیں جن کا ثبوت ہم نے اس کتاب میں دے دیا ہے اور ہر وقت طالب حق کے لئے تازہ سے تازہ ثبوت دینے کو طیار ہیں۔ اور جب تک کوئی معارض ایسی نظیر پیش نہ کرے تب تک اسی کا عاجز رہنا قرآن شریف کی بےنظیری کو ثابت کرتا ہے اور یہ وجوہ بےنظیری قرآن شریف کی جو اس جگہ لکھی گئی یہ تو ہم نے بطور تنزل اور کفایت شعاری کے لکھی ہیں اور اگر ہم قرآن شریف کی ان تمام دوسری خوبیوں کو بھی کہ جو اس میں پائی جاتی ہیں نظیر طلب کرنے کے لئے لازمی شرط ٹھہراویں مثلاً اپنے مخالفوں کو یہ کہیں کہ جیسا قرآن شریف تمام حقائق اور معارف دینی پر محیط اور مشتمل ہے اور کوئی دینی صداقت اس سے باہر نہیں اور جیسا وہ صدہا امور غیبیہ اور پیشگوئیوں پر احاطہ رکھتا ہے اور پیشگوئیاں بھی ایسی قادرانہ کہ جن میں اپنی عزت اور دشمن کی ذلت اور اپنا اقبال اور دشمن کا ادبار اور اپنی فتح اور دشمن کی شکست پائی جاتی ہے یہ تمام خوبیاں بھی ہمراہ متذکرہ بالا خوبیوں کے اپنے معارضانہ کلام میں پیش کر کے دکھلاویں تو اس شرط سے ان کو تباہی پر تباہی اور موت پر موت آوے گی مگر چونکہ جس قدر پہلے اس سے قرآن شریف کی خوبیاں لکھی گئی ہیں وہی دشمن کو رباطن کے ملزم اور لاجواب اور عاجز کرنے کے لئے کافی ہیں اور انہیں سے ہمارے مخالفوں پر وہ حالت وارد ہو گی جس سے مُردوں سے پرلے پار ہو جائیں گے اس لئے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۴۰۱ لطف تب ہی ظاہر ہوتا ہے کہ جب مشابہت ایسی ظاہر ہو کہ جس چیز سے تشبیہ دی گئی ہے سامعین اس سے بخوبی واقفیت رکھتے ہوں اور ان کی نظر میں وہ چیز بدیہی الظہور اور مسلم الوجود ہو۔ اور نیز ان کی طبیعتیں بھی اس کے ذکر سے کراہت نہ کرتی ہوں۔ لیکن کون ثابت کر سکتا ہے کہ وید کے زمانہ میں ہندوؤں میں گائے کا گوشت بیچنا اور خریدنا اور کھانا ایک عام رواج تھا جس سے آریہ قوم کو نفرت نہ تھی۔ اور اگر یہ بھی خیال کیا جائے کہ خود وید کا ہی ذکر کرنا اس رواج پر ثبوت ہے تو ایسا خیال کرنے سے بکلی اعتراض مرتفع نہیں ہو سکتا کیونکہ گائے کے لہو اور گوشت سے پانی کو عمدہ مشابہت حاصل نہیں۔ ہاں گائے کے دودھ کو مصفا پانی سے مشابہت حاصل ہے۔ سو اگر مثلاً رگ وید سنتھا اشٹک اول سکت ۶۱ کی یہ شرتی جس میں یہ لکھا ہے **اے اندر ورترا پر اپنا بجر چلا اور اسے ایسا ٹکڑے ٹکڑے کر جیسے بوچڑ گائے کے ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے۔** اس طرح پر ہوتے کہ جب اندر نے اپنے بجر سے ورترا کو دبایا تو اس میں سے اس طرح پر پانی بہ نکلا جیسے شیر دار گائے کے پستان دبانے سے دودھ بہ نکلتا ہے تو وہ تلازم جس کا بیان کرنا مقصود تھا وہ بھی قائم رہتا اور تشبیہ بھی نہایت مطابق آ جاتی۔ ماسوا اس کے کسی طبیعت کو اس تشبیہ سے نفرت بھی نہیں کیونکہ ہندو لوگ بھی بلا دغدغہ گائے کا دودھ پی لیتے ہیں۔

قطع نظر ان سب باتوں کے ایسے شاعرانہ تلازمات میں ہماری بحث ہی نہیں اور قرآن شریف کے سامنے ان لغویات کا ذکر کرنا ایک بیہودہ حرکت اور ناحق کی دردسر ہے جس بلاغت حقیقی کو قرآن شریف پیش کرتا ہے وہ تو ایک دوسرا ہی عالم ہے جس سے لغو اور جھوٹ اور بیہودہ باتوں کو کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ حکمت اور معرفت کے بےانتہا دریا کو اقل اور ادل عبارت میں
۴۰۲ بالتزام فصاحت و بلاغت بیان کیا ہے اور جمیع دقائق الٰہیات پر احاطہ کر کے ایسا کمال دکھلایا ہے جس سے انسانی قوتیں عاجز ہیں۔ لیکن وید کی نسبت کیا کہیں اور کیا لکھیں اور کیا تحریر میں لاویں۔ جس میں بجائے حقائق و معارف کے طرح طرح کے

تغیر تبدل کرتا رہتا ہے کیوں جائز نہیں کہ ابتدا میں بھی اسی طور پر بولیاں ایجاد ہوگئی ہوں اور کوئی خاص ٣٢٦

بقیہ حاشیہ نمبر 11

قرآن شریف کی تمام خوبیوں کو نظیر طلب کرنے کے لئے پیش کرنا غیر ضروری ہے اور نیز تمام خوبیوں کے لکھنے سے کتاب
میں بھی بہت سا طول ہو جائے گا۔ سو اسی قدر قتل موذی کے لئے کافی ہتھیار سمجھ کر پیش کیا گیا۔ اب باوصف اس کے کہ بتامتر ٣٤٦
رعایت وتخفیف قرآن شریف کی کسی اقل قلیل سورۃ کی نظیر مخالفوں سے طلب کی جاتی ہے مگر پھر بھی ہر یک باخبر آدمی پر ظاہر
ہے کہ مخالفین باوجود سخت حرص اور شدت عناد اور پرلے درجہ کی مخالفت اور عداوت کے مقابلہ اور معارضہ سے قدیم سے
عاجز رہے ہیں اور اب بھی عاجز ہیں اور کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں اور باوجود اس بات کے کہ اس مقابلہ سے ان کا عاجز رہنا
ان کو ذلیل بناتا ہے، جہنمی ٹھہراتا ہے، کافر اور بے ایمان کا ان کو لقب دیتا ہے، بے حیا اور بے شرم ان کا نام رکھتا ہے مگر مُردہ
کی طرح ان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی۔ پس لاجواب رہنے کی ساری ذلتوں کو قبول کرنا اور تمام ذلیل ناموں کو اپنے
لئے روا رکھنا اور تمام قسم کی بے حیائی اور بے شرمی کی خس وخاشاک کو اپنے سر پر اٹھا لینا اس بات پر نہایت روشن دلیل ہے کہ
ان ذلیل چمگادڑوں کی اس آفتاب حقیقت کے آگے کچھ پیش نہیں جاتی۔ پس جبکہ اس آفتاب صداقت کی اس قدر تیز
شعاعیں چاروں طرف سے چھوٹ رہی ہیں کہ ان کے سامنے ہمارے دشمن خفاش سیرت اندھے ہو رہے ہیں تو اس صورت
میں یہ بالکل مکابرہ اور سخت جہالت ہے کہ گلاب کے پھول کی خوبیوں کو کہ جو بہ نسبت قرآنی خوبیوں کے ضعیف اور کمزور
اور قلیل الثبوت ہیں اس مرتبہ بے نظیری پر سمجھا جائے کہ انسانی قوتیں ان کی مثل بنانے سے عاجز ہیں۔ مگر ان اعلیٰ درجہ کی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

گمراہ کرنے والے مضمون موجود ہیں۔ کروڑ ہا بندگان خدا کو مخلوق پرستی کی طرف کس نے جھکایا؟ وید نے۔ آریوں کو صدہا
دیوتاؤں کا پرستار کس نے بنایا؟ وید نے۔ کیا اس میں کوئی ایسی شرتی بھی ہے جو کہ صاف صاف اور واشگاف طور پر مخلوق
پرستی سے منع کرے اور سورج چاند وغیرہ کی پرستش سے روکے اور ان تمام شرتیوں کو جو مخلوق پرستی کی تعلیم پر مشتمل ہیں محل
اعتراض ٹھہراوے۔ کوئی بھی نہیں۔ پھر وہ بلاغت جو حق اور حکمت کی روشنی دکھلانے پر منحصر ہے کیونکر اس کو نصیب ہوسکتی
ہے۔ کیا ہم ایسے کلام کو بلیغ کہہ سکتے ہیں جس کی نسبت دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ اس کا مقصود اصلی شرک کا مٹانا اور توحید کا قائم
کرنا ہے لیکن وہ گونگوں کی طرح اس دعویٰ کو بہ پایۂ صداقت پہنچانے سے عاجز رہا ہے۔ ہر یک عاقل جانتا ہے کہ وجوہ
بلاغت میں سے نہایت ضروری ایک یہ وجہ ہے کہ جس بات کا ظاہر کرنا اور کھولنا مقصود ہو اس کو اس طرح کھول کر بتلایا
جاوے کہ طالب حق کی تسلی کے لئے کافی ہو۔ اور سب کو معلوم ہے کہ وہی شخص فصیح کہلاتا ہے جو کہ اپنے مطلب کو ایسے عمدہ
طور پر ادا کرے کہ گویا اپنے مافی الضمیر کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دے۔ اب اگر آریہ صاحبوں کا دعویٰ یہ ہوتا کہ وید کا اصلی مطلب
مخلوق پرستی کی تعلیم ہے تو شاید اس کی نسبت گمان ہوسکتا کہ وہ بلاغت کے درجہ سے بکلی ساقط نہیں۔ کیونکہ گو وید نے حقیقی
بلاغت کے مذاق پر مخلوق پرستی پر کوئی دلیل بیان نہیں کی اور اس کو ثابت کر کے نہیں دکھلایا مگر تاہم واضح کلام سے کہ بلاغت
کی ایک جز ہے اپنا منشاء دیوتاؤں کی پوجا کی نسبت کھول کر بیان کر دیا اور اگنی اور وایو اور اندر وغیرہ کی تعریف میں صدہا منتر ٤٠٣
جنتر بنا ڈالے اور ان چیزوں سے گوئیں اور گھوڑے اور بہت سامال بھی مانگا۔ لیکن اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ وید نے اپنی
قوت بیانی اور کمال بلاغت سے توحید کے بیان کرنے میں زور لگایا ہے اور مشرکین کے اوہام اور وساوس کو دلائل واضحہ سے
مٹایا ہے اور جو جو براہین اقامت توحید اور ازالۂ شرک کے لئے ضروری ہیں وہ سب بیان کئے ہیں اور وحدانیت الٰہی کو

۳۲۷ الہام نہ ہوا ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدا زمانہ کے لئے عام قانون قدرت یہی ہے کہ خدا نے ہر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

خوبیوں کو کہ جو کئی درجہ گلاب کے پھول کی ظاہری و باطنی خوبیوں سے افضل و بہتر اور قوی الثبوت ہیں ایسا خیال کیا جائے کہ گویا انسان ان کی نظیر بنانے پر قادر ہے۔ حالانکہ جس حالت میں انسان میں یہ قدرت نہیں پائی جاتی کہ ایک گلاب کے پھول کی جو صرف ایک ساعت تر و تازہ اور خوشنما نظر آتا ہے اور دوسری ساعت میں نہایت افسردہ اور پژمردہ اور بدنما ہو جاتا ہے اور اس کا وہ لطیف رنگ اڑ جاتا ہے اور اس کے پات ایک دوسرے سے الگ ہو کر گر پڑتے ہیں، نظیر بنا سکے تو
۳۴۷ پھر ایسے حقیقی پھول کا مقابلہ کیونکر ہو سکے جس کے لئے مالک ازلی نے بہار جاوداں رکھی ہے اور جس کو ہمیشہ بادِ خزاں کے صدمات سے محفوظ رکھا ہے اور جس کی طراوت اور ملائمت اور حسن اور نزاکت میں کبھی فرق نہیں آتا اور کبھی افسردگی اور پژمردگی اس کی ذات بابرکات میں راہ نہیں پاتی بلکہ جس قدر پُرانا ہوتا جاتا ہے اسی قدر اس کی تازگی اور طراوت زیادہ سے زیادہ کھلتی جاتی ہے اور اس کے عجائبات زیادہ سے زیادہ منکشف ہوتے جاتے ہیں اور اس کے حقائق دقائق لوگوں پر بکثرت ظاہر ہوتے جاتے ہیں تو پھر ایسے حقیقی پھول کے اعلیٰ درجہ کے فضائل اور مراتب سے انکار کرنا پرلے درجہ کی کور باطنی ہے یا نہیں۔ بہرحال اگر کوئی ایسا ہی نابینا ہو کہ جو اپنی اس کور باطنی سے ان خوبیوں کی شان عظیم کو نہ سمجھتا ہو تو یہ بار ثبوت اسی نادان کی گردن پر ہے کہ جو کچھ ہم نے بےنظیری کلام الٰہی کا ثبوت دیا ہے اور جس قدر ہم نے وجوہ متفرقہ سے اس پاک کلام کا انسانی طاقتوں سے بلند تر ہونا بہ پایۂ ثبوت پہنچایا ہے ان سب فضائل قرآنی کی نظیر پیش کرے اور کسی انسان

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ثابت کر کے دکھلایا ہے اور آگ وغیرہ کی پرستش سے منع کیا ہے تو یہ دعویٰ کسی طرح سرسبز نہیں ہو سکتا۔ کون اس بات کو نہیں جانتا کہ وید کے مضمون اسی کی طرف جھکے ہوئے ہیں کہ تم آگ کی پرستش کرو۔ اندر کے بھجن گاؤ۔ سورج کے آگے ہاتھ جوڑو۔ اب ظاہر ہے کہ جس حالت میں بقول تمہارے وید کا یہ منشاء تھا کہ توحید کو بیان کرے اور سورج چاند وغیرہ کی پرستش سے روکے اور مشرکوں کو توحید کے درجہ تک پہنچاوے اور بگڑے ہوئے لوگوں کو اصلاح پر لاوے اور مخلوق پرستوں کو خدا پرست بناوے اور اہل شرک کے تمام وساوس مٹاوے، لیکن بجائے اس کے کہ وہ اپنے اس منشاء کو پورا کرتا جا بجا اس کے بیان سے مخلوق پرستی کی تعلیم جمتی گئی۔ جس تعلیم نے کروڑوں کی کشتی کو ڈبویا، لاکھوں کو ورطۂ شرک و کفر میں غرق کیا۔ ایک جگہ بھی منہ کھول کر وید نے بیان نہ کیا کہ مخلوق پرستی سے باز آجاؤ۔ آگ وغیرہ کی پوجا مت کرو۔ بجز خدا کے اور کسی چیز سے مرادیں مت مانگو۔ خدا کو بےمثل و مانند سمجھو۔ اس صورت میں ہر ایک عاقل آپ ہی انصاف کرے کہ کیا فصیح کلام کی یہی نشانیاں ہوا کرتی ہیں کہ مافی الضمیر کچھ ہے اور منہ سے کچھ اور ہی نکلتا جاتا ہے۔ اس قدر لغو بیانی تو مجانین اور مسلوب
۴۰۴ الحواسوں کے کلام میں بھی نہیں ہوتی وہ بھی اس قدر قوت بیانی رکھتے ہیں کہ اپنا دلی منشاء ظاہر کر دیتے ہیں۔ جب پانی کی خواہش ہو آگ نہیں مانگتے اور اگر روٹی کی طلب ہو تو پتھر نہیں طلب کرتے۔ مگر میں حیران ہوں کہ وید کی بلاغت کس قسم کی بلاغت ہے جس کا منشاء تو توحید تھا مگر برخلاف اس کے صدہا دیوتاؤں کا جھگڑا شروع کر دیا۔ جو کلام میں اپنا منشاء ظاہر کرنے سے بھی عاجز ہے، خدا نہ کرے کہ وہ فصیح و بلیغ ہو۔ کلام بلیغ میں ایسی خرابی کب پڑ سکتی ہے کہ جو امر اصل مقصود بالذات ہو وہی صفائی اور شائستگی سے بیان نہ ہو سکے۔ بلاغت کی اول شرط یہی ہے کہ متکلم اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنے پر بخوبی قادر ہو اور جس امر کو ظاہر کرنا چاہے ایسا صفائی سے ظاہر کرے کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے کہ گونگوں کی طرح مبہم اور بے سروپا بات

یک چیز کو اپنی قدرتِ محض سے پیدا کیا تھا۔ آسمان اور زمین اور سورج اور چاند اور خود انسان کی ٣٢٨

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کے کلام میں ایسے ہی کمالات ظاہری و باطنی دکھلاوے جن کا کلام الٰہی میں پایا جانا ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ اب اتمامِ حجت کے لئے کچھ دقائق وحقائق سورۃ فاتحہ کے ذیل میں لکھے جاتے ہیں مگر اول سورۃ فاتحہ کو لکھ کر پھر اس کے معارف عالیہ کا لکھنا شروع کریں گے اور سورۃ فاتحہ یہ ہے:

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۙ۬ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪﴿۷﴾ ....اس سورۃ کی تفسیر جس میں کسی قدر بطور نمونہ اس سورۃ کے معارف وحقائق مذکور میں ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ یہ آیت سورۃ ممدوحہ کی آیتوں میں سے پہلی آیت ہے اور قرآن شریف کی دوسری سورتوں پر بھی لکھی گئی ہے اور ایک اور جگہ بھی قرآن شریف میں یہ آیت آئی ہے اور جس قدر تکرار اس آیت کا قرآن شریف میں بکثرت پایا جاتا ہے اور کسی آیت میں اس قدر تکرار نہیں پایا جاتا۔ اور چونکہ اسلام میں یہ سنت ٹھہر گئی ہے کہ ہر ٣٤٨
ایک کام کے ابتدا میں جس میں خیر اور برکت مطلوب ہو بطریق تبرک اور استمداد اس آیت کو پڑھ لیتے ہیں اس لئے یہ آیت دشمنوں اور دوستوں اور چھوٹوں اور بڑوں میں شہرت پا گئی ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص تمام قرآنی آیات سے بے خبر مطلق ہو تب بھی امید قوی ہے کہ اس آیت سے ہرگز اس کو بے خبری نہیں ہوگی۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

نہ کہے۔ ہاں جس بات کو مخفی رکھنا اور بطور اسرار بیان کرنا مصلحت ہو اس کو مخفی طور پر بیان کرنا ہی بلاغت ہے۔ مگر توحید جس سے کل معاملہ نجات کا وابستہ ہے ایسا امر نہیں جس کو مخفی رکھنا جائز ہو۔ پس یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ وید نے بالارادہ مضمون توحید کو چیستوں اور پہیلیوں کی طرح بیان کیا ہے اور دانستہ دھوکا دینے والی عبارتیں درج کی ہیں۔ کیونکہ اس سے یہ ماننا پڑے گا کہ وید نے عمداً چندیں کروڑ آدمیوں کو ورطۂ ہلاکت میں ڈالنا چاہا اور جان بوجھ کر ایسی عبارتیں لکھی ہیں جن کے پڑھنے سے مخلوق پرستی کی تعلیم پھیلتی ہے۔ بلکہ اس صورت میں عام ہندوؤں کی یہ رائے درست ہوگی کہ وید کا دلی منشاء یہی تھا کہ آریہ قوم کو دیوتاؤں کا پجاری بناوے۔ اور اگر وید کا دلی ارادہ مخلوق پرستی کے برخلاف سمجھیں تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اس کو بات کرنے کا سلیقہ بالکل یاد نہیں اور اس میں یہ لیاقت ہی نہیں کہ اپنے منشاء کو مخاطبین پر اچھی طرح ظاہر کر سکے تو اس صورت میں وید کا بلاغت کے مرتبہ سے ساقط ہونا ایسا ظاہر ہے کہ حاجت بیان نہیں۔ ایسے کلام کسی عاقل کے نزدیک بلیغ ٤٠٥
وفصیح نہیں کہلا سکتے جس کے الفاظ معانی پر دلالت نہیں کرتے بلکہ برخلاف مراد اور مفاسد کی طرف کھینچتے ہیں۔ جس شرتی پر نظر ڈال کر دیکھو بجائے رہبری کے رہزنی کر رہی ہے۔ یہ خوب بلاغت ہے اور عجب فصاحت مافی الضمیر سمجھانے کا طریق بھی وید ہی پر ختم ہے۔ یوں تو کسی صاحب کو شاید یقین نہ آوے مگر ہم بطور نمونہ رگوید میں سے جو کہ سب ویدوں میں اعلیٰ اور افضل شمار کیا جاتا ہے کسی قدر ایسی شرتیاں لکھتے ہیں جن کی نسبت آریاؤں کا خیال ہے کہ ان میں توحید کی تعلیم ہے اور پھر بعد اس کے کسی قدر بطور نمونہ وہ آیات لکھیں گے جو کہ قرآن شریف نے توحید کے بارے میں لکھی ہیں تا ہر یک کو معلوم ہو کہ وید اور فرقان میں سے کس نے مسئلہ توحید کو صفائی وشائستگی و پُرزور بیان اور بلیغ تقریر میں بیان کیا ہے اور کس کا بیان مہمل اور بے سروپا اور طرح طرح کے شکوک وشبہات میں ڈالتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں بلاغت کے آزمانے کے لئے یہی

۳۲۹ فطرت پر نظر کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ ابتدائی زمانہ محض قدرت نمائی کا زمانہ تھا جس میں اسباب

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اب یہ آیت جن کامل صداقتوں پر مشتمل ہے ان کو بھی سن لینا چاہیے۔ سو منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اصل مطلب اس
آیت کے نزول سے یہ ہے کہ تا عاجز اور بے خبر بندوں کو اس نکتہ معرفت کی تعلیم کی جائے کہ ذات واجب الوجود کا اسم اعظم
جو اللہ ہے کہ جو اصطلاح قرآنی ربانی کے رو سے ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ اور منزّہ عن جمیع رذائل اور معبود برحق اور واحد
لاشریک اور مبدء جمیع فیوض پر بولا جاتا ہے۔ اس اسم اعظم کی بہت سی صفات میں سے جو دو صفتیں بسم اللہ میں بیان کی گئی
ہیں یعنی صفت رحمانیت و رحیمیت انہیں دو صفتوں کے تقاضے سے کلامِ الٰہی کا نزول اور اس کے انوار و برکات کا صدور ہے۔
اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدا کے پاک کلام کا دنیا میں اترنا اور بندوں کو اس سے مطلع کیا جانا یہ صفت رحمانیت کا تقاضا ہے۔
کیونکہ صفت رحمانیت کی کیفیت (جیسا کہ آگے بھی تفصیل سے لکھا جائے گا) یہ ہے کہ وہ صفت بغیر سبقت عمل کسی عامل کے
محض جود اور بخشش الٰہی کے جوش سے ظہور میں آتی ہے جیسا خدا نے سورج اور چاند اور پانی اور ہوا وغیرہ کو بندوں کی بھلائی
کے لئے پیدا کیا ہے یہ تمام جود اور بخشش صفت رحمانیت کے رو سے ہے۔ اور کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا کہ یہ چیزیں میرے
کسی عمل کی پاداش میں بنائی گئی۔ اسی طرح خدا کا کلام بھی کہ جو بندوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے اترا وہ بھی اس صفت
کے رو سے اترا ہے اور کوئی ایسا متنفس نہیں کہ یہ دعویٰ کرسکے کہ میرے کسی عمل یا مجاہدہ یا کسی پاک باطنی کے اجر میں خدا کا
۳۴۹ پاک کلام کہ جو اس کی شریعت پر مشتمل ہے نازل ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ طہارت اور پاک باطنی کا دم مارنے والے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سہل طریق ہے کہ جن دو کلاموں کا موازنہ و مقابلہ منظور ہو ان کی قوت بیانی کو دیکھا جائے کہ کس مرتبہ تک ہے اور اپنے
فرض منصبی کے ادا کرنے کے لئے کیسی کیسی موشگافی و دقیقہ رسی انہوں نے کی ہے اور کہاں تک اپنے مدلل و موجز بیان سے
جہل کی تاریکی کو اٹھانے کے لئے علم کی روشنی دکھلائی ہے اور واحدانیت الٰہی کی خوبیاں اور شرک کی قباحتیں ظاہر کی ہیں۔
لیکن اگر کسی کو یہ شک ہو کہ شاید رگ وید میں ایسی شرتیاں بھی ہوں گی جو کہ بیان توحید میں قرآن شریف کا مقابلہ کرسکیں تو
اسے اختیار ہے کہ وہی شرتیاں بید مذکور سے بیان کرے تا آریہ لوگ جو رگ وید، رگ وید کر رہے ہیں سب ویدوں سے
۴۰۲ پہلے اسی کا فیصلہ ہو جائے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رہے کہ قرآن شریف کی بے نظیر بلاغت اور اس کے ہزارہا دقائق و حقائق جن
کے مقابلہ پر انسانی قوتیں ساقط و عاجز ہیں اپنے موقعہ پر ذکر کیے جائیں گے اس جگہ صرف بعض آریوں کے اصرار سے جو
کہ بمقابلہ قرآن شریف وید کی بلاغت کا دعویٰ کرتے ہیں کسی قدر آیات قرآنی اس غرض سے لکھی جاتی ہیں تا کہ ان کی زبان
درازی کو ایسے آسان طور پر روکا جائے جس سے منصفین پر وید کا بالکل ہیچ اور ناچیز ہونا کھل جائے اور یہ بات ظاہر ہو جائے
کہ وید میں اس قدرت قوت بیانی بھی نہیں کہ وہ اپنے منشاء مراد کو صفائی سے بیان کرسکے چہ جائے کہ اس کو قرآن شریف کی
اعلیٰ بلاغتوں کے ساتھ دم مارنے کی طاقت ہو۔ کیونکہ اس موقعہ سے ہر یک منصف سمجھ سکتا ہے کہ جو کتاب اپنے مطلب کو
صفائی سے بھی بیان نہیں کرسکتی اس پر اور مراتب بلاغت و فصاحت کی توقع رکھنا کمال حماقت ہے۔ اگر وید اس سہل اور
آسان طریق میں مقابلہ قرآن شریف کرسکے گا تو پھر شاید وہ ان دقائق قرآنیہ میں بھی مقابلہ کرسکے جن میں قرآن شریف کا
یہ دعویٰ ہے کہ اس کے مقابلہ سے دوسری تمام کتابیں عاجز ہیں۔ لیکن اگر اسی جگہ آریہ صاحبوں کا وید مردہ کی طرح بے حس
وحرکت رہ گیا اور ایک ذرہ سی بات میں بھی قرآن شریف کے سامنے دم نہ مار سکا تو پھر ایسے وید پر ناز کر کے یہ خیال کرنا کہ

معتادہ کی ذرہ آمیزش نہ تھی ۔ اور اس زمانہ میں جو کچھ خدا نے پیدا کیا وہ ایسی اعلیٰ قدرت سے کیا جس ۳۳۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور زہد اور عبادت میں زندگی بسر کرنے والے اب تک ہزاروں لوگ گزرے ہیں لیکن خدا کا پاک اور کامل کلام کہ جو اس کے فرائض اور احکام کو دنیا میں لایا اور اس کے ارادوں سے خلق اللہ کو مطلع کیا انہیں خاص وقتوں میں نازل ہوا ہے کہ جب اس کے نازل ہونے کی ضرورت تھی ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خدا کا پاک کلام انہیں لوگوں پر نازل ہو کہ جو تقدس اور پاک باطنی میں اعلیٰ درجہ رکھتے ہوں ۔ کیونکہ پاک کو پلید سے کچھ میل اور مناسبت نہیں لیکن یہ ہرگز ضرور نہیں کہ ہر جگہ تقدس اور پاک باطنی کلام الٰہی کے نازل ہونے کو مستلزم ہو بلکہ خدائے تعالیٰ کی حقانی شریعت اور تعلیم کا نازل ہونا ضروراتِ حقہ سے وابستہ ہے ۔ پس جس جگہ ضرورات حقہ پیدا ہوگئیں اور زمانہ کی اصلاح کے لئے واجب معلوم ہوا کہ کلام الٰہی نازل ہو اسی زمانہ میں خدائے تعالیٰ نے جو حکیم مطلق ہے اپنے کلام کو نازل کیا اور کسی دوسرے زمانہ میں گو لاکھوں آدمی تقویٰ اور طہارت کی صفت سے متصف ہوں اور گو کیسی ہی تقدس اور پاک باطنی رکھتے ہوں ان پر خدا کا وہ کامل کلام ہرگز نازل نہیں ہوتا کہ جو شریعت حقانی پر مشتمل ہو ۔ ہاں مکالمات و مخاطبات حضرت احدیت کے بعض پاک باطنوں سے ہو جاتے ہیں اور وہ بھی اس وقت کہ جب حکمت الٰہیہ کے نزدیک ان مکالمات اور مخاطبات کے لئے کوئی ضرورت حقہ پیدا ہو اور ان دونوں طور کی ضرورتوں میں فرق یہ ہے کہ شریعت حقانی کا نازل ہونا اس ضرورت کے وقت پیش آتا ہے کہ جب دنیا کے لوگ بباعث ضلالت اور گمراہی کے جادۂ استقامت سے منحرف ہو گئے ہوں اور ان کے راہ راست پر لانے کے لئے ایک نئی شریعت کی حاجت

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

وہ قرآن شریف کے اعلیٰ حقائق و دقائق کا مقابلہ کرلے گا کمال درجہ کی نادانی ہے ۔ اور اس جگہ یہ بھی ناظرین پر ظاہر کیا جاتا ہے کہ چونکہ محققین ہنود نے اپنشدوں کو ویدوں میں داخل نہیں سمجھا اور نہ اپنے پرمیشر کا کلام ان کو قرار دیا ہے بلکہ صاف صاف یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ بعض لوگوں کے اپنے ہی خیالات ہیں جیسا کہ پنڈت دیانند کی بھی یہی رائے ہے اور تمام نامی اور لائق فائق پنڈت اسی رائے پر متفق ہیں اس لئے غیر ضروری معلوم ہوا کہ اپنشدوں کے مضامین کی تفتیش کی جائے ۔
۴۰۷ کیونکہ جب وہ عبارتیں وید میں داخل ہی نہیں ہیں بلکہ باقرار پنڈت دیانند اور دوسرے محققین کے وید کی تعلیم کے مطابق بھی نہیں ایک فضول اور بے تعلق حواشی ہیں کہ جو بعض ناسمجھ برہمنوں نے پیچھے سے چڑھا دیئے ہیں تو اس صورت میں گو اپنشدوں میں کیسی ہی غلطیاں کیوں نہ ہوں مگر اس جگہ ان کا بیان کرنا محض طول بلا طائل ہے ۔ ہاں خالص ویدوں میں سے جن کو آریہ لوگ اپنے پرمیشر کا کلام اور ست ودیانوں کا پستک سمجھ رہے ہیں کسی قدر شرتیاں بطور نمونہ بیان کرنا قرین مصلحت ہے ۔ سو ہم رگ وید میں سے کئی ایک شرتیاں جن کی نسبت آریوں کا خیال ہے کہ توحید کی تعلیم دیتے ہیں ذیل میں لکھتے ہیں اور وہ یہ ہیں ۔

میں **اگنی دیوتا** کے جو ہوم کا بڑا گرو کارکن اور **دیوتاؤں** کو نذریں پہنچانے والا اور بڑا اثروت والا ہے مہما کرتا ہوں ۔ ایسا ہو کہ اگنی جس کا مہما **زمانہ قدیم** اور زمانہ حال کے رشی کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اس طرف متوجہ کرے ۔ اے **اگنی** جو کہ دولکڑیوں کے باہم رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے اس پاک کٹے ہوئے کشا پر **دیوتاؤں** کو لا ۔ تو ہماری جانب سے ان کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے ۔ اے **اگنی** آج ہماری خوش ذائقہ قربانی **دیوتاؤں** کو ان کے کھانے کے واسطے پیش کر ۔ اے **اگنی وایو** سورج وغیرہ دیوتاؤں کو ہماری نذر پیش کر ۔ اے **بے عیب اگنی** تو منجملہ اور **دیوتاؤں** کے

۳۳۱ میں عقل انسان حیران ہے۔ زمینؔ آسمان اور سورج و چاند وغیرہ اجرام پر نظر ڈال کر دیکھو کہ کیونکر اتنا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہو کہ جو ان کی آفات موجودہ کا بخوبی تدارک کر سکے اور ان کی تاریکی اور ظلمت کو اپنے کامل اور شافی بیان کے نور سے بکلی اٹھا سکے اور جس طور کا علاج حالت فاسدہ زمانہ کے لئے درکار ہے وہ علاج اپنے پرزور بیان سے کر سکے۔ لیکن جو مکالمات
۳۵۰ ومخاطبات اولیاء اللہ کے ساتھ ہوتے ہیں ان کے لئےؔ غالباً اس ضرورت عظمٰی کا پیش آنا ضروری نہیں بلکہ بسا اوقات صرف اسی قدر ان مکالمات سے مطلب ہوتا ہے کہ تا ولی کے نفس کو کسی مصیبت اور محنت کے وقت صبر اور استقامت کے لباس سے متحلّی کیا جائے یا کسی غم اور حزن کے غلبہ میں کوئی بشارت اس کو دی جائے مگر وہ کامل اور پاک کلام خدائے تعالٰی کا کہ جو نبیوں اور رسولوں پر نازل ہوتا ہے وہ جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا ہے اس ضرورت حقہ کے پیش آنے پر نزول فرماتا ہے کہ جب خلق اللہ کو اس کے نزول کی بشدت حاجت ہو۔ غرض کلام الٰہی کے نازل ہونے کا اصل موجب ضرورت حقہ ہے۔ جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ جب تمام رات کا اندھیرا ہو جاتا ہے اور کچھ نور باقی نہیں رہتا تو اسی وقت تم سمجھ جاتے ہو کہ اب ماہ نو کی آمد نزدیک ہے، اسی طرح جب گمراہی کی ظلمت سخت طور پر دنیا پر غالب آجاتی ہے تو عقل سلیم اس روحانی چاند کے نکلنے کو بہت نزدیک سمجھتی ہے ایسا ہی جب امساک باراں سے لوگوں کا حال تباہ ہو جاتا ہے تو اس وقت عقلمند لوگ بارانِ رحمت کا نازل ہونا بہت قریب خیال کرتے ہیں اور جیسا کہ خدا نے اپنے جسمانی قانون میں بھی بعض مہینے برسات کے لئے مقرر کر رکھے ہیں یعنی وہ مہینے جن میں فی الحقیقت مخلوق اللہ کو بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور ان مہینوں میں جو مینہ برستا ہے اس سے یہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ایک ہوشیار **دیوتا** ہے تو اپنے والدین کے پاس رہتا ہے اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے۔ تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے والا ہے۔ **اگنی** کا مبارک نام لے کر پکارو جو کہ سب سے پہلا دیوتا ہے۔ اے **اگنی** سرخ گھوڑوں کے سوامی ہمارے استت سے پرسن ہو **تینتیس دیوتاؤں** کو یہاں لا۔ اے **اگنی** جیسا کہ تو ہے لوگ اپنے گھروں میں تجھے محفوظ جگہ میں ہمیشہ روشن
۴۰۸ کرتےؔ ہیں تو جو سب کی زندگانی کا باعث ہے ہمارے فائدہ کے لئے دولت والا ہو جا۔ اے عاقل اگنی تو نپاپت ہے یعنی اپنے جسم کا آپ جلانے والا ہے آج ہماری خوش ذائقہ قربانی **دیوتاؤں** کو ان کے کھانے کے لئے پیش کر۔ **اگنی دیوتا** جو کہ ہمیشہ جوان رہتا ہے بڑا عاقل ہے۔ اور یگ کرنے والے کے گھر کا محافظ ہے اور نذروں کا لے جانے والا ہے۔ جس کا منہ **دیوتاؤں** تک نذریں پہنچانے کا وسیلہ ہے اور گھر کی آگ سے روشن ہوا ہے۔ لازوال **اگنی** اپنی خوراک کو اپنی لاٹ سے ملا کر اور اس کو جلدی سے تناول کر کے خشک لکڑی پر چڑھ گئی ہے۔ جلانے والے عنصر کا شعلہ چالاک گھوڑے کی مانند پھلتا ہے اور بادل کی مانند بلند ہو کر گرجتا ہے۔ اے **اگنی** یگ جس کو کوئی نہیں روک سکتا اور جس کی تو ہر طرف سے رکشا کرنے والا ہے **دیوتاؤں** کو پہنچتا ہے۔ اے اگنی جس قدر تیرے سے ہو سکے اپنی نذر دینے والے کو فائدہ پہنچا وہ یقیناً تیرے ہی پاس اے **اینگرا** واپس آوے گا۔ **اگنی** کے وسیلہ سے پوجاری کو ایسی آسودگی حاصل ہوتی ہے جو روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور جو شہرت کا چشمہ اور انسان کی نسل بڑھانے والی ہے۔ اے **اندر** اے **وایو** یہ ارگ تمہارے واسطے چھڑکا گیا ہے ہمارے واسطے کھانا لیکر ادھر آؤ۔ اے اندر جس کی استت سب کرتے ہیں ایسا ہو کہ پھلنے والے سوم کا رس تیرے میں سرایت کرے اور تجھے فہم برتر حاصل کرنے کے لئے موافق ہو۔ جو کچھ عمدہ تعریفیں اور دیوتاؤں کی ہو سکتی ہیں ان سب کا اندر بھی مستحق ہے۔ جو لوگ اندر کا دھیان کرتے ہیں خواہ لڑائی میں یا حصول اولاد کے لئے اور عاقل جو فہم کے طالب ہیں

بڑا کام بغیر مدد اسباب اور معماروں اور مزدوروں کے محض ارادہ سے بہ مجرد حکم کے انجام دے دیا۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11

نتیجہ نہیں نکالا جاتا کہ خاص ان مہینوں میں لوگ زیادہ نیکی کرتے ہیں اور دوسرے مہینوں میں فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں۔
بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ وہ مہینے ہیں جن میں زمینداروں کو بارش کی ضرورت ہے اور جن میں بارش کا ہوجانا تمام سال کی
سرسبزی کا موجب ہے ایسا ہی کلام الٰہی کا نزول فرمانا کسی شخص کی طہارت اور تقویٰ کے جہت سے نہیں ہے یعنی علت موجبہ
اس کلام کے نزول کی یہ نہیں ہوسکتی کہ کوئی شخص غایت درجہ کا مقدس اور پاک باطن تھا یا راستی کا بھوکا اور پیاسا تھا بلکہ جیسا
کہ ہم کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کتب آسمانی کے نزول کا اصلی موجب ضرورت حقہ ہے یعنی وہ ظلمت اور تاریکی کہ جو دنیا پر طاری
ہوکر ایک آسمانی نور کو چاہتی ہے کہ تا وہ نور نازل ہوکر اس تاریکی کو دور کرے اور اسی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ جو ۳۵۱
خدائے تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرمایا ہے: اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ (القدر:۱) (یہ لیلۃ القدر اگرچہ اپنے مشہور معنوں
کے رو سے ایک بزرگ رات ہے لیکن قرآنی اشارات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ظلمانی حالت بھی اپنی پوشیدہ
خوبیوں میں لیلۃ القدر کا ہی حکم رکھتی ہے۔ اور اس ظلمانی حالت کے دنوں میں صدق اور صبر اور زہد اور عبادت خدا کی نزدیک
بڑا قدر رکھتا ہے اور وہی ظلمانی حالت تھی کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعثت کے وقت تک اپنے کمال کو پہنچ کر ایک عظیم الشان
نور کے نزول کو چاہتی تھی اور اسی ظلمانی حالت کو دیکھ کر اور ظلمت زدہ بندوں پر رحم کر کے صفت رحمانیت نے جوش مارا اور
آسمانی برکتیں زمین کی طرف متوجہ ہوئیں۔ سو وہ ظلمانی حالت دنیا کے لئے مبارک ہوگئی اور دنیا نے اس سے ایک عظیم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سب کی آرزو پوری ہوتی ہے۔ اندر کا شکم سوم کا رس کثرت سے پینے کے باعث سمندر کی مانند پھولتا ہے اور تالو کی نمی کی مانند ۴۰۹
ہمیشہ تر رہتا ہے۔ **اندر** سب دیوتاؤں سے طاقت میں زیادہ ہے اور تمام **دیوتاؤں** پر اس کو فوقیت حاصل ہے بڑے
دیوتاؤں کو نمشکار چھوٹے دیوتاؤں کو نمشکار نوجوان دیوتاؤں کو نمشکار بوڑھے دیوتاؤں کو نمشکار۔ <u>ہم سب دیوتاؤں کی حتی</u>
<u>المقدور پوجا کرتے ہیں۔ اے اندر کوسیکا رشی کے پوتر جلد آ اور مجھ رشی کو بڑا مالدار کردے۔ (تمام پرانوں کے شجرہ میں لکھا</u>
<u>ہے کہ کوسیکا کا بیٹا وشوامتر تھا اور سیانا وید کا بھاشیکار اس کی وجہ بیان کرنے کو کہ اندر کوسیکا کا کیونکر پوتر ہوگیا یہ قصہ بیان کرتا</u>
<u>ہے جو کہ وید کے تتمہ انوکرامیتکا میں درج ہے کہ کوسیکا اشراتھا کے پوتر نے یہ دل میں خواہش کر کے کہ اندر کی توجہ سے میرا</u>
<u>بیٹا ہو</u> تپ جپ اختیار کیا تھا جس تپ کی جلد و میں خود اندر ہی نے اس کے گھر جنم لے لیا۔ اور آپ ہی اس کا بیٹا بن گیا) اندر
نے جس کی بہت انسان تعریف کرتے ہیں متحرک ہواؤں کی ہمراہ وسیوں اور سمیوں پر یعنی راکشوں پر حملہ آور ہوکر اپنے بجر
سے ان کو قتل کیا۔ من بعد اس نے اپنے گورے ہمراہیوں پر کھیت تقسیم کردی اور سورج اور پانی کو رہا کیا۔ (اس جگہ گورے
ہمراہیوں سے مراد جیسا کہ طرز وید کے تلازمات کی ہے پانی کے قطرے ہیں) اور مطلب اس شرتی کا یہ ہے کہ کرۂ زمہریر
کی تاثیر سے قطراتِ پانی جو شکل میں گورے گورے معلوم ہوتے ہیں بادل سے مترشح ہوکر کھیتوں پر گر پڑے۔ بعض کسی
کھیت پر اور بعض کسی کھیت پر اور سب پانی بہ گیا اور سورج نکل آیا۔ فرنگستانی مفسروں نے یہ معنی کئے ہیں کہ اندر نے بزعم
آریا لوگوں کے آریا قوم پر جو بہ نسبت قدیم باشندوں کے گورے رنگ کے تھے کھیت ان قدیم لوگوں کی تقسیم کردی مگر یہ
معنی درست نہیں ہیں۔ وید کا سیاق سباق صریح ان کے برخلاف ہے۔ اے اندر تیرے ہی سبب سے خوراک کی ہر جگہ ۴۱۰
کثرت ہے اور وہ بآسانی دستیاب ہوسکتی ہے۔ اے بجر کے گھمانے والے چراگاہوں کو سرسبز کردے اور بہت دولت

پھر جس حالت میں اس ابتدائی زمانہ میں خدا کا سارا کام قدرتی پایا جاتا ہے کہ جو آمیزش طبیعت اور ۳۳۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11

الشان رحمت کا حصہ پایا کہ ایک کامل انسان اور سید الرسل کہ جس سا کوئی پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا دنیا کی ہدایت کے لئے آیا اور
دنیا کے لئے اس روشن کتاب کو لایا جس کو نظیر کسی آنکھ نے نہیں دیکھی۔ پس یہ خدا کی کمال رحمانیت کی ایک بزرگ تجلی تھی کہ جو
اس نے ظلمت اور تاریکی کے وقت ایسا عظیم الشان نور نازل کیا جس کا نام فرقان ہے جو حق اور باطل میں فرق کرتا ہے۔ جس
نے حق کو موجود اور باطل کو نابود کر کے دکھلا دیا۔ وہ اس وقت زمین پر نازل ہوا جب زمین ایک موت روحانی کے ساتھ
مر چکی تھی اور برّ اور بحر میں ایک بھاری فساد واقع ہو چکا تھا۔ پس اس نے نزول فرما کر وہ کام کر دکھایا جس کی طرف اللہ تعالیٰ
نے آپ اشارہ فرما کر کہا ہے: اِعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (الحدید: ۱۷) یعنی زمین مر گئی تھی اب خدا اس کو نئے
سرے زندہ کرتا ہے۔ اب اس بات کو بخوبی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نزول قرآن شریف کا کہ جو زمین کے زندہ کرنے کے لئے
ہوا، یہ صفت رحمانیت کے جوش سے ہوا۔ وہی صفت ہے کہ جو کبھی جسمانی طور پر جوش مار کر قحط زدوں کی خبر لیتی ہے اور
بارانِ رحمت خشک زمین پر برساتی ہے اور وہی صفت کبھی روحانی طور پر جوش مار کر ان بھوکوں اور پیاسوں کی حالت پر رحم
کرتی ہے کہ جو ضلالت اور گمراہی کی موت تک پہنچ جاتے ہیں اور حق اور صداقت کی غذا کہ جو روحانی زندگی کا موجب ہے
ان کے پاس نہیں رہتی۔ پس رحمان مطلق جیسا کہ غذا کو اس کی حاجت کے وقت عطا فرماتا ہے ایسا ہی وہ اپنی رحمت کاملہ ۳۵۲
کے تقاضا سے روحانی غذا کو بھی ضرورت حقہ کے وقت مہیا کر دیتا ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ خدا کا کلام انہیں برگزیدہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عطا کر۔ ہم اندر کی طرف اس کی شفقت اور دولت اور کامل طاقت حاصل کرنے کے لئے رجوع ہوتے ہیں کیونکہ وہ طاقتور
اندر دولت بخش کر ہماری رکشا کرنے کے قابل ہے۔ اے **سورج** اور **چاند** ہمارے یگ کو کامیاب کرو اور ہماری قوت
زیادہ کرو تم بہت آدمیوں کے فائدہ کے واسطے پیدا ہوئے ہو۔ بہتوں کو تمہارا ہی آسرا ہے۔ **سورج** کے نکلنے پر ستارے معہ
رات کے چوروں کی مانند بھاگ جاتے ہیں۔ ہم سورج دیوتا کے پاس جاتے ہیں جو **دیوتاؤں** کے درمیان نہایت عمدہ
دیوتا ہے۔ اے **چاند** ہمیں تہمت سے بچا، گناہ سے محفوظ رکھ۔ ہماری توکل سے خوش ہو کر ہمارا دوست ہو جا ایسا ہو کہ تیری
قوت زیادہ ہو۔ اے چاند تو دولت کا بخشنے والا ہے اور مشکلوں سے نجات دینے والا۔ ہمارے مکان پر دلیر بہادروں کے
ہمراہ آ۔ اے **چاند** اور **اگنی** تم مرتبہ میں برابر ہو۔ ہماری تعریفوں کو آپس میں بانٹ لو کیونکہ تم ہمیشہ **دیوتاؤں** کے سردار
ہی ہو۔ میں **جل دیوتا** کو جس میں ہمارے مویشی پانی پیتے ہیں بلاتا ہوں دریا جو بہہ رہے ہیں ان کو نذریں چڑھانی
چاہئیں۔ ایسا ہو کہ وہ جل جو سورج کے قریب ہیں اور وہ جو سورج کے شریک رہتے ہیں ہماری اس ریت پر مہربان ہوں۔
اے **دھرتی دیوتا** ایسا ہو کہ تو بہت وسیع ہو جائے تجھ پر کانٹے نہ رہیں اور تو ہمارے رہنے کی جگہ ہو جائے اور ہمیں بڑی خوشی
دے۔ ایسا ہو کہ **درونا دیوتا** ہمارا خاص مہربان ہو جائے۔ ایسا ہو کہ **مترا دیوتا** ہماری نگہبانی کرے۔ ایسا ہو کہ یہ دونوں مل
کر ہمیں نہایت دولتمند کر دیں۔ اے **نشتری دیوتا** تو اور تیری بی بی یگ کے دیوتاؤں سے ہماری سفارش کرو۔ اے اگنی ۴۱۱
دیوتاؤں کو یہاں لا ان کو تین جگہ بٹھا اور انہیں آراستہ کر اور تو رتو **دیوتا** کا ہم پیالہ ہو۔ اے اگنی سرخ گھوڑوں کے سوامی
یعنی لال لاٹوں والے ہم سے خوش ہو کر تیت تینتیس دیوتاؤں کو یہاں لا۔ ہم اگنی کے جو مذہبی رسوم میں روشن کی جاتی ہے
پرستش کرتے ہیں۔ عاقلوں نے اے اگنی تجھے **دیوتاؤں** کا بلانے والا کار کن پروہت بڑی دولت بخشنے والا جلد سننے والا

سبب سے بہ کلی پاک اور خالص ربانی ارادہ سے نکلا ہوا ہے تو پھر کیونکر بے ایمانوں کی طرح بولیوں

بقیہ حاشیہ نمبر 11

لوگوں پر نازل ہوتا ہے جن سے خدا راضی ہے اور انہیں سے وہ مکالمات اور مخاطبات کرتا ہے جن سے وہ خوش ہے۔ مگر یہ بات ہرگز درست نہیں کہ جس سے خدا راضی اور خوش ہو اس پر خواہ نخواہ بغیر کسی ضرورت حقہ کے کتابِ آسمانی نازل ہو جایا کرے یا خدائے تعالیٰ یونہی بلا ضرورت حقہ کسی کی طہارت لازمی کی وجہ سے لازمی اور دائمی طور پر اس سے ہر وقت باتیں کرتا رہے بلکہ خدا کی کتاب اس وقت نازل ہوتی ہے جب فی الحقیقت اس کے نزول کی ضرورت پیش آجائے۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ وحی اللہ کے نزول کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی رحمانیت ہے کسی عامل کا عمل نہیں اور یہ ایک بزرگ صداقت ہے جس سے ہمارے مخالف برہمو وغیرہ بے خبر ہیں۔

پھر بعد اس کے سمجھنا چاہیے کہ کسی فرد انسانی کا کلام الٰہی کے فیض سے فی الحقیقۃ مستفیض ہو جانا اور اس کی برکات اور انوار سے متمتع ہو کر منزل مقصود تک پہنچنا اور اپنی سعی اور کوشش کے ثمرہ کو حاصل کرنا یہ صفت رحیمیت کی تائید سے وقوع میں آتا ہے اور اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے بعد ذکر صفت رحمانیت کی صفت رحیمیت کو بیان فرمایا تا معلوم ہو کہ کلام الٰہی کی تاثیریں جو نفوس انسانیہ میں ہوتی ہیں یہ صفت رحیمیت کا اثر ہے۔ جس قدر کوئی اعراض صوری و معنوی سے پاک ہو جاتا ہے، جس قدر کسی کے دل میں خلوص اور صدق پیدا ہوتا ہے، جس قدر کوئی جدوجہد سے متابعت اختیار کرتا ہے اسی قدر کلام الٰہی کی تاثیر اس کے دل پر ہوتی ہے اور اسی قدر وہ اس کے انوار سے متمتع ہوتا ہے اور علاماتِ خاصہ مقبولان الٰہی کی اس میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اور بہت مشہور پا کر اپنے یگوں میں رکھا ہے۔ **اگنی** ہوا سے بھڑک کر اور مشتعل ہو کر بڑی بڑی لکڑیوں میں بآسانی گھس جاتی ہے۔ اے اگنی جب تو سانڈھ کی طرح بن میں گھس جاتی ہے تب تو جس طرف جائے تیرا راستہ سیاہ ہوتا جاتا ہے یعنی لکڑیوں کو جلا کر بھسم کرتی جاتی ہے اور سب چیزوں کو جو آگے آتی ہیں خواہ ساکن ہوں یا متحرک جلا دیتی ہے۔ میں اگنی کی جو ہر قسم کی دولت کا دینے والا ہے پوجا کرتی ہوں۔ اگنی جس میں ایسی روشنی ہے جو کہ اور کو حاصل نہیں ہو سکتی وہ یگ کے مکان میں سب کی زیبائش ہے جیسے گھر کی زیبائش عورت ہوتی ہے۔ اگنی جو بن میں پیدا ہوا ہے اور انسان کا دوست ہے۔ اپنے پوجاری کی اس طرح حفاظت کرتا ہے جیسے راجہ لئیق آدمی پر مہربانی کرتا ہے ایسا ہو کہ وہ ہم پر مہربان ہو۔ جب اے اگنی دیوتا تو خشک لکڑی کے رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے تب تمام تیرے پوجاری پاک رسم ادا کرتے ہیں ایسا ہو کہ وہ **اگنی** جو رنگ برنگ روشنی کی مالک ہے اس اپنے پوجاری کی خواہشوں کو غور سے سنے۔ ہمیشہ انگلیاں پیاری اگنی سے ایسی محبت کرتی ہیں جیسی عورتیں اپنے خاوندوں سے کرتی ہیں۔ اے اگنی جب کہ پوجاری تجھے اپنے گھر میں روشن کرتا ہے اور تجھے بھوک
لگاتا ہے جس کی وہ ہر روز خواہش رکھتا ہے۔ تو اے اگنیؔ دو طرح سے زیادہ ہو کر اس کی اوقات بسری کے لوازم زیادہ کرتی ۴۱۲
ہے۔ ایسا ہو کہ قوت ہاضمہ کی اگنی جو خوراک سے تعلق رکھتی ہے بھگتوں اور نامور پروہتوں کی خدمت کرنے والے کو بطور چشمہ حرارت مردی کے دی جاوے اور ایسا ہو کہ **اگنی** سے اس کا مضبوط اور بے عیب اور جوان اور فہیم لڑکا پیدا ہو۔ ایسا ہو کہ اے **اگنی** تیرے دولتمند پوجاری بہت خوراک حاصل کریں۔ ایسا ہو کہ وہ بدیاوان جو تیری تعریف کرتے ہیں اور تجھے روشن کرتے ہیں ان کی عمر دراز ہو۔ ایسا ہو کہ ہم لڑائیوں میں اپنے دشمنوں سے لوٹ حاصل کریں۔ **جل** میں بوٹیاں ہیں اس واسطے اے برہمچاری جل کی تعریف کرنے میں مستعد ہو۔ اے **جل** تمام بیماریوں کے کھونے والی بوٹیوں کو میرے بدن

۳۳۳ کے بارہ میں خدا کو اس بات سے عاجز سمجھا جائے کہ جس طرح اس نے تمام چیزوں کو محض قدرت سے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۳۵۳ پیدا ہو جاتی ہیں۔ دوسری صداقت کہ جو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ میں مودع ہے یہ ہے کہ یہ آیت قرآن شریف کے شروع کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اور اس کے پڑھنے سے مدعا یہ ہے کہ تا اس ذات مستجمع جمیع صفات کاملہ سے مدد طلب کی جائے جس کی صفتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رحمان ہے اور طالب حق کے لئے محض تفضّل اور احسان سے اسباب خیر اور برکت اور رشد کے پیدا کر دیتا ہے۔ اور دوسری صفت یہ ہے کہ وہ رحیم ہے یعنی سعی اور کوشش کرنے والوں کی کوششوں کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کے جدوجہد پر ثمرات حسنہ مترتب کرتا ہے اور ان کی محنت کا پھل ان کو عطا فرماتا ہے۔ اور یہ دونوں صفتیں یعنی رحمانیت اور رحیمیت ایسی ہیں کہ بغیر ان کے کوئی کام دنیا کا ہو یا دین کا انجام کو پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر غور کر کے دیکھو تو ظاہر ہوگا کہ دنیا کی تمام مہمات کے انجام دینے کے لئے یہ دونوں صفتیں ہر وقت اور ہر لحظہ کام میں لگی ہوئی ہیں۔ خدا کی رحمانیت اس وقت سے ظاہر ہو رہی ہے کہ جب انسان ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ سو وہ رحمانیت انسان کے لئے ایسے ایسے اسباب بہم پہنچاتی ہے کہ جو اس کی طاقت سے باہر ہیں اور جن کو وہ کسی حیلہ یا تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں کر سکتا اور وہ اسباب کسی عمل کی پاداش میں نہیں دیئے جاتے بلکہ تفضّل اور احسان کی راہ سے عطا ہوتے ہیں۔ جیسے نبیوں کا آنا، کتابوں کا نازل ہونا، بارشوں کا ہونا، سورج اور چاند اور ہوا اور بادل وغیرہ کا اپنے اپنے کاموں میں لگے رہنا۔ اور خود انسان کا طرح طرح کی قوتوں اور طاقتوں کے ساتھ مشرف ہو کر اس دنیا میں آنا اور تندرستی اور امن اور فرصت اور ایک کافی مدت تک عمر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کے فائدہ کے واسطے پکا۔ اندر کا ہتھیار اس کے مخالفوں پر پڑا۔ اپنے تیز اور عمدہ تیر سے اس نے ان کے شہر غارت کیے تب اندر اپنا بجر لیکر ورترا کی جانب متوجہ ہوا اور اس کو مار کر اپنی طبیعت خوش کی۔ اے جنگل کے مالکو پسندیدہ صورت والو تم دونوں ہمارا شیریں سوم کا رس دل پسند ارگون سمیت اندر کے واسطے طیار کرو۔ سوم کے رس کا بقیہ کرچھیوں میں لاؤ اور اس کو کشا کے پتھیوں پر چڑ چو اور جو باقی بچے اس کو گائے کی کھال پر رکھ دو یعنی ہتھیلی پر جو کہ گائے کی کھال کا بنا ہوا ہوتا ہے۔ اے سوم کی رس کے پینے والے اندر گو ہم مستحق نہ ہوں پر تو ہمیں ہزار ہا عمدہ گائیوں اور گھوڑے دے کر مالا مال کر۔ اے خوبصورت اور طاقتور اندر خوراک کے مالک تیری شفقت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ ہمیں ہزاروں عمدہ گھوڑے اور گوئیں دے۔ ہر ایک کو جو ہمیں گالی دیتا ہے غارت کر۔ ہر ایک جو ہمیں نقصان پہنچاتا ہے قتل کر اور ہمیں ہزاروں گھوڑے اور گوئیں
۴۱۳ دے۔ اے اندر جو ہماری بہتری میں راضی ہوتا ہے ایسا کر کہ ہمیں خوراک بافراط ملے اور مضبوط اور بہت دودھ پینے والی گویں ہمارے ہاتھ آویں جن کے باعث سے ہم عیش و عشرت میں مشغول رہیں۔ اے اندر اور اگنی میں جو دولت کا خواہشمند ہوں تم دونوں کو اپنے دل میں رشتہ دار اور قرابتی تصور کرتا ہوں۔ ادراک جو تم نے مجھے عطا کیا ہے کسی دوسرے نے کبھی نہیں دیا۔ اور اس طرح بہرہ مند ہو کر میں نے یہ منتر جس میں مَیں نے اپنی خوراک کی خواہش ظاہر کی ہے تمہاری تعریف میں بنایا ہے۔ اے اندر اور اگنی نعمتوں کے عطا کرنے والو خواہ پاتال لوگ مرت لوگ یا سرگ لوگ جہاں کہیں تم ہو وہاں سے یہاں آؤ اور ارگ پیو۔ اے اندر اور اگنی نعمتوں کے عطا کرنے والو۔ خواہ سرگ لوگ پاتال لوگ یا مرت لوگ جہیاں تم ہو وہاں سے یہاں آؤ اور کچلا ہوا ارگ پیو۔ اے اندر اور اگنی بجر گھمانے والو، شہروں کے غارت کرنے والو، ہمیں دولت عطا کرو۔ لڑائیوں میں ہماری مدد کرو۔ ایسا ہو کہ **متر ادیوتا۔ ورن دیوتا۔ ادتی دیوی۔ سمندر**

پیدا کیا تھا وہ بولیوں کے پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ جس نے خود انسان کو بغیر باپ اور ماں ۳۳۴

بقیہ حاشیہ نمبر 11

پانا یہ وہ سب امور ہیں کہ جو صفت رحمانیت کے تقاضا سے ظہور میں آتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی رحیمیت تب ظہور کرتی ہے
کہ جب انسان سب توفیقوں کو پا کر خداداد قوتوں کو کسی فعل کے انجام کے لئے حرکت دیتا ہے اور جہاں تک اپنا زور اور
طاقت اور قوت ہے خرچ کرتا ہے تو اس وقت عادتِ الٰہیہ اس طرح پر جاری ہے کہ وہ اس کی کوششوں کو ضائع ہونے نہیں ۳۵۴
دیتا۔ بلکہ ان کوششوں پر ثمراتِ حسنہ مترتب کرتا ہے۔ پس یہ اس کی سراسر رحیمیت ہے کہ جو انسان کی مردہ محنتوں میں جان
ڈالتی ہے۔ اب جاننا چاہیے کہ آیت ممدوحہ کی تعلیم سے مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف کے شروع کرنے کے وقت اللہ تعالیٰ
کی ذات جامع صفات کاملہ کی رحمانیت اور رحیمیت سے استمداد اور برکت طلب کی جائے۔ صفت رحمانیت سے برکت
طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذات کامل اپنی رحمانیت کی وجہ سے ان سب اسباب کو محض لطف اور احسان سے میسر
کر دے کہ جو کلام الٰہی کی متابعت میں جدوجہد کرنے سے پہلے درکار ہیں۔ جیسے عمر کا وفا کرنا، فرصت اور فراغت کا حاصل
ہونا، وقت صفا میسر آ جانا، طاقتوں اور قوتوں کا قائم ہونا، کوئی ایسا امر پیش نہ آ جانا کہ جو آسائش اور امن میں خلل ڈالے۔
کوئی ایسا مانع نہ آ پڑنا کہ جو دل کو متوجہ ہونے سے روک دے۔ غرض ہر طرح سے توفیق دیئے عطا کیے جانا یہ سب امور
صفتِ رحمانیت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اور صفت رحیمیت سے برکت طلب کرنا اس غرض سے ہے کہ تا وہ ذات کامل اپنی
رحیمیت کی وجہ سے انسان کی کوششوں پر ثمرات حسنہ مرتب کرے اور انسان کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچاوے اور اس

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دیوتا۔ دھرتی دیوی۔ آسمان دیوتا یہ سب مل کر ہماری اس دعا پر متوجہ ہوں۔ اے انسانوں پر مہربانی کرنے والے
اندر تو بھی مخلوق ہی ہے۔ پر پیدائش کے وقت سے آج تک کوئی تیرا نظیر نہیں ہوا۔ تو تینوں لوگ اور تینوں کرّہٗ آتش اور تمام
اس عالم کا جو مخلوقات سے پُر ہے، سہارا دینے والا ہے۔ اے اندر جو سب **دیوتاؤں** میں اوّل درجہ کا دیوتا ہے ہم تجھے
بلاتے ہیں۔ تو نے لڑائیوں میں فتوحات حاصل کی ہیں۔ ایسا ہو کہ اندر جو کہ کارساز تند اور تمام مانع چیزوں کا جڑھ سے
اکھاڑنے والا ہے ہمارے رتبہ کو لڑائیوں میں سب سے آگے رکھے۔ تو اے اندر فتح کرتا ہے لیکن لوٹ کو نہیں روکتا۔ چھوٹی
چھوٹی لڑائیوں میں اور بڑی سخت لڑائیوں میں ہم تجھے اے خونخوار میگواہن اپنی حفاظت کے لئے تیز کرتے ہیں۔ ایسا ہو کہ
اندر ہمارا ساتھی ہو اور ایسا ہو کہ ہم سیدھے راستہ سے خوراک کثیر حاصل کریں۔ اور ایسا ہو کہ **مترا دیوتا۔ ورن دیوتا۔** ۴۱۴
ادتی دیو۔ سمندر دیوتا۔ دھرتی دیوی۔ اکاس دیوتا ہمارے واسطے خوراک کی حفاظت کریں۔ ہم سوم کا ارگ اس
کو جو بہت سی مہمات کا سر کرنے والا سب دیوتاؤں سے اچھا دیوتا۔ نعمتوں کا عطا کرنے والا۔ سچی طاقت والا بہادر اندر
ہے۔ جو دولت کا لحاظ کرتا ہے اور اس شخص سے دولت چھین لیتا ہے جو یگ نہیں کرتا۔ جیسے رہزن مسافر سے چھین لیتا ہے اور
اسے یگ کرنے والے کو دیتا ہے، چھڑاتے ہیں۔ اے **اندر** تیری سب تعریف کرتے ہیں ایسی کر پا کر کہ اور لوگوں سے
ہمیں نقصان نہ پہنچے تو بڑا طاقت والا ہے زیادتی و تعدی سے ہمیں محفوظ رکھ۔ اے انسانوں تمہاری ہر روزہ زندگی کا باعث وہ
اندر ہے جو صبح کی کرنوں کے ساتھ بے عقل کو عقل دیتا ہے اور بے شکل کو شکل عطا کرتا ہے۔ تو نے اے اندر بہمراہی **مروت**
دیوتا یعنی ہوا جو ہر چیز کو اڑا لے جاتی ہے اور دشوار گذار مقاموں میں پہنچ سکتی ہے گوؤں کا کھوج لگایا جو غار میں چوروں نے
چھپا رکھی ہیں۔ ایسا ہو کہ اے **مروت دیوتا** تم دلیر اندر کے ہمراہ دونوں خوشی مناتے ہوئے اور یکساں شان و شوکت کے

کے پیدا کر کے اپنی قدرت تامہ کا ثبوت دے دیا ہے۔ پھر بولیوں کے بارہ میں کیوں اس کی قدرت

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کی سعی اور جدوجہد کے بعد اس کے کام میں برکت ڈالے۔ پس اس طور پر خدائے تعالیٰ کی دونوں صفتوں رحمانیت اور
رحیمیت سے کلام الٰہی کے شروع کرنے کے وقت بلکہ ہر ایک ذیشان کام کے ابتدا میں تبرک اور استمداد چاہنا یہ نہایت اعلیٰ
درجہ کی صداقت ہے جس سے انسان کو حقیقت توحید کی حاصل ہوتی ہے اور اپنے جہل اور بے خبری اور نادانی اور گمراہی اور
عاجزی اور خواری پر یقین کامل ہو کر مبدء فیض کی عظمت اور جلال پر نظر جا ٹھہرتی ہے اور اپنے تئیں بکلی مفلس اور مسکین اور
ہیچ اور ناچیز سمجھ کر خداوند قادر مطلق سے اس کی رحمانیت اور رحیمیت کی برکتیں طلب کرتا ہے۔ اور اگرچہ خدائے تعالیٰ کی یہ ۳۵۵
صفتیں خود بخود اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں مگر اس حکیم مطلق نے قدیم سے انسان کے لئے یہ قانون قدرت مقرر کر دیا ہے کہ
اس کی دعا اور استمداد کو کامیابی میں بہت سا دخل ہے۔ جو لوگ اپنی مہمات میں دلی صدق سے دعا مانگتے ہیں اور ان کی دعا
پورے پورے اخلاص تک پہنچ جاتی ہے تو ضرور فیضانِ الٰہی ان کی مشکل کشائی کی طرف توجہ کرتا ہے۔ ہر یک انسان جو
اپنی کمزوریوں پر نگاہ کرتا ہے اور اپنے قصوروں کو دیکھتا ہے وہ کسی کام پر آزادی اور خود بینی سے ہاتھ نہیں ڈالتا بلکہ سچی
عبودیت اس کو یہ سمجھاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہ جو متصرف مطلق ہے اس سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ یہ سچی عبودیت کا جوش ہر
یک ایسے دل میں پایا جاتا ہے کہ جو اپنی فطرتی سادگی پر قائم ہے اور اپنی کمزوری پر اطلاع رکھتا ہے۔ پس صادق آدمی جس
کے روح میں کسی قسم کے غرور اور عجب نے جگہ نہیں پکڑی اور جو اپنے کمزور اور ہیچ اور بے حقیقت وجود پر خوب واقف ہے

بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3:

ساتھ نمودار ہو۔ اے **اجیت اندر** ایسی لڑائیوں میں ہماری حفاظت کر جہاں سے بہت لوٹ ہمارے ہاتھ آوے۔ ہم
اندر کو جو ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں بجر کو گھماتا ہے اور جو ہمارا مددگار رہے بہت فارغ البالی اور بیشمار دولت حاصل کرنے
کے لئے بلاتے ہیں۔ اے مینہ کے برسانے والے، تمام خواہشوں کے پورا کرنے والے اس بادل کو کھول دے۔ تو ہمیشہ
ہماری درخواستیں قبول کرتا رہا ہے۔ مینہ کے برسانے والا طاقتور مالک اندر ہمیشہ درخواستیں قبول کرنے والا انسانوں کو اپنی ۴۱۵
طاقت عطا کرتا ہے جیسی سانڈھ گوؤں کی ریوڑ کی حفاظت کرتا ہے۔ ہم اے اندر جو کہ ہر جگہ انسانوں میں موجود ہے تجھے
بلاتے ہیں۔ ایسا ہو کہ تو صرف ہمارا ہی ہو جائے۔ اے اندر تیری حمایت کا ہمارے پاس ایک ذاتی ہتھیار ہے جس کے
وسیلہ سے ہم اپنے مخالفوں پر ظفریاب ہو سکتے ہیں۔ **اندر دیوتا** بڑا طاقت والا اور عالی رتبہ ہے ایسا ہو کہ قدر و منزلت ہمیشہ
بجلی بردار کے قبضہ میں رہے اس کی جرّار فوجیں آسمان کی مانند ہمیشہ عظیم ہوں۔ حقیقت میں اندر کے گانے کے لائق یا پڑھنے
کے لائق تعریف بار بار کرنی چاہئے۔ تا کہ وہ سوما کا رس پیوے۔ اے اندر دیوتا یہاں آؤ اور اقسام اقسام کے ارگوں سے
اور کھانوں سے سیر ہو کر اور قوت حاصل کر کر اپنے دشمنوں پر ظفریاب ہو۔ اے اندر نعمتوں کے بخشنے والے اور اپنے
پوجاریوں کی رکشا کرنے والے میں نے تیری تعریف کی ہے جو تجھ تک پہنچ گئی ہے اور جس کو تو نے منظور کیا ہے۔ اے متمول
اندر اس رسم میں ہمیں دولت حاصل کرنے کے لئے دلیر کر کیونکہ ہم محنتی اور مشہور ہیں۔ اے اندر ہمیں بے اندازہ بے شمار اور
لازوال دولت بخش جو مویشی اور خوراک اور زندگانی کا چشمہ ہے۔ اے اندر ہمیں نامور کر اور ایسی دولت دے جو ہزاروں
طریقوں سے حاصل ہو اور وہ کھانے کی چیزیں جو کھیتوں سے چھکڑوں میں آتی ہیں عطا کر۔ ہم **اندر** کو اپنے مال کی حفاظت
کے واسطے مدح کر کر بلاتے ہیں۔ ایسا اندر جو دولت کا مالک ہے اور جس کی لوگ تعریف کرتے ہیں اور جو یگ کرنے کی جگہ

کو ناقص خیال کیا جائے۔ غرض جبکہ ہر یک عاقل کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ پہلا زمانہ خالص قدرت نمائی کا ۳۳۵

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور اپنے تئیں کسی کام کے انجام دینے کے لائق نہیں پاتا اور اپنے نفس میں کچھ قوت اور طاقت نہیں دیکھتا جب کسی کام کو شروع کرتا ہے تو بلا تصنع اس کی کمزور روح آسمانی قوت کی خواستگار ہوتی ہے اور ہر وقت اس کو خدا کی مقتدر ہستی اپنے سارے کمال وجلال کے ساتھ نظر آتی ہے اور اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہر یک کام کے انجام کے لئے مدار دکھلائی دیتی ہے۔ پس وہ بلا ساختہ اپنا ناقص اور ناکارہ زور ظاہر کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی دعا سے امداد الٰہی چاہتا ہے۔ پس اس انکسار اور فروتنی کی وجہ سے اس لائق ہو جاتا ہے کہ خدا کی قوت سے قوت اور خدا کی طاقت سے طاقت اور خدا کے علم سے علم پاوے اور اپنی مرادات میں کامیابی حاصل کرے۔ اس بات کے ثبوت کے واسطے کسی منطق یا فلسفہ کے دلائل پُر از تکلف درکار نہیں ہیں بلکہ ہر یک انسان کے روح میں اس کے سمجھنے کی استعداد موجود ہے اور عارف صادق کے
اپنے ذاتی تجارت اس کی صحت پر بہ تواتر شہادت دیتے ہیں۔ بندہ کا خدا سے امداد چاہنا کوئی ایسا امر نہیں ہے جو صرف ۳۵۶
بیہودہ اور بناوٹ ہو یا جو صرف بے اصل خیالات پر مبنی ہو اور کوئی معقول نتیجہ اس پر مترتب نہ ہو بلکہ خداوند کریم کہ جو فی الحقیقۃ قیوم عالم ہے اور جس کے سہارے پر سچ مچ اس عالم کی کشتی چل رہی ہے اس کی عادت قدیمہ کے رو سے یہ صداقت قدیم سے چلی آتی ہے کہ جو لوگ اپنے تئیں حقیر اور ذلیل سمجھ کر اپنے کاموں میں اس کا سہارا طلب کرتے ہیں اور اس کے نام سے اپنے کاموں کو شروع کرتے ہیں تو وہ ان کو اپنا سہارا دیتا ہے۔ جب وہ ٹھیک ٹھیک اپنی عاجزی اور عبودیت سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

آمد ورفت رکھتا ہے۔ اے ستا کرتو اندر شام وید کے پڑھنے والے تیری استت کرتے ہیں۔ رگ وید کے پڑھنے والے تیری تعریف کرتے ہیں جو کہ تعریف کے لائق ہے اور برہمن تجھے بانس کی مانند بلند کرتے ہیں۔ اندر نعمتیں بخشنے والا اپنے
پوجاری کے مطلب سے واقف ہے جس نے پہاڑ کی چوٹیوں پر سوم کا پودہ لا کر بہت پرستش کی ہے۔ اس واسطے اندر ۴۱۶
مروت کی فوج کے ہمراہ آتا ہے۔ اے سوم کی رس پینے والے اندر اپنے بڑے ایال والے مضبوط اور خوبصورت گھوڑوں کو **جوت** کر ہماری تعریفیں سننے کے لئے یہاں آ۔ اے **باسو دیوتا** ہماری اس پوجا میں آ کر شامل ہو۔ ہماری منتر اور تعریف اور دعاؤں کو قبول کر۔ ہمارے یگ پر مہربان ہو اور بہت خوراک دے۔ منتر جو کہ ترقی کا باعث ہے اندر کی مہما میں بار بار پڑھنا چاہیے جو کہ بہت سے دشمنوں کو پراگندہ کرنے والا ہے تا کہ یہ طاقتور دیوتا ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے دوستوں سے شفقت سے بولے۔ ہم اندر کی طرف اس کی شفقت اور دولت اور کامل طاقت حاصل کرنے کے لئے رجوع ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ طاقتور اندر دولت بخش کر ہماری رکشا کرنے کے قابل ہے۔ اے **اندر** جبکہ تو اپنے دشمنوں کو غارت کرتا ہے اس وقت آسمان اور زمین تجھے سہارا نہیں دے سکتے مینہ برسانا تیرے اختیار میں ہے۔ ہمیں بڑی فیاضی سے گائیں عطا کر۔ اے تعریف کے مستحق اندر ایسا ہو کہ ہم ہمیشہ تیری تعریف کرتے رہیں۔ ایسا ہو کہ اس تعریف سے اے بڑی عمر والے تیری قوت زیادہ ہو اور ایسا ہو کہ یہ ہماری تعریف تجھے پسند آوے تا کہ ہمیں خوشی حاصل ہو۔ ہم اگنی کو جو دیوتاؤں کا پیغمبر اور ان کے بلانے والا اور بہت ثروت والا اور اس یگ کا سمپورن کرنے والا ہے منتخب کرتے ہیں۔ اے روشن اگنی ہم نے تجھے گھی کا ہوم کر کے بلایا ہے ہمارے دشمنوں کو جلا وے جن کے محافظ ناپاک ارواح ہیں۔ اس اگنی کے یگ میں تعریف کرو کہ جو بڑا عاقل صادق اور روشن ہے اور بیماری کا کھونے والا ہے۔ اے روشن اگنی دیوتاؤں کے پیغمبر

زمانہ تھا اور اس میں عام طور پر قانون قدرت یہی تھا کہ ہر یک کام بغیر آمیزش اسباب معتادہ کے کیا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

رو بخدا ہوجاتے ہیں تو اس کی تائیدیں ان کے شامل حال ہوجاتی ہیں۔غرض ہر یک شاندار کام کے شروع میں اس مبدء فیوض کے نام سے مدد چاہنا کہ جو رحمان ورحیم ہے ایک نہایت ادب اور عبودیت اور نیستی اور فقر کا طریقہ ہے۔اور ایسا ضروری طریقہ ہے کہ جس سے توحید فی الاعمال کا پہلا زینہ شروع ہوتا ہے جس کے التزام سے انسان بچوں کی سی عاجزی اختیار کر کے نخوتوں سے پاک ہوجاتا ہے کہ جو دنیا کے مغرور دانشمندوں کے دلوں میں بھری ہوتی ہیں اور پھر اپنی کمزوری اور امداد الٰہی پر یقین کامل کر کے اس معرفت سے حصہ پالیتا ہے کہ جو خاص اہل اللہ کو دی جاتی ہے۔اور بلاشبہ جس قدر انسان اس طریقہ کو لازم پکڑتا ہے، جس قدر اس پر عمل کرنا اپنا فرض ٹھہرالیتا ہے، جس قدر اس کے چھوڑنے میں اپنی ہلاکت دیکھتا ہے اسی قدر اس کی توحید صاف ہوتی ہے اور اسی قدر عجب اور خود بینی کی آلائشوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اور اسی قدر تکلف اور بناوٹ کی سیاہی اس کے چہرہ پر سے اٹھ جاتی ہے اور سادگی اور بھولا پن کا نور اس کے منہ پر چمکنے لگتا ہے۔پس یہ وہ صداقت ہے کہ جو رفتہ رفتہ انسان کو فنافی اللہ کے مرتبہ تک پہنچاتی ہے۔یہاں تک کہ وہ دیکھتا ہے کہ میرا کچھ بھی اپنا نہیں بلکہ سب کچھ میں خدا سے پاتا ہوں۔جہاں کہیں یہ طریق کسی نے اختیار کیا وہیں توحید کی خوشبو پہلی دفعہ میں ہی اس کو پہنچنے لگتی ۳۵۷
ہے اور دل اور دماغ کا معطر ہونا شروع ہوتا جاتا ہے بشرطیکہ قوت شامہ میں کچھ فساد نہ ہو۔غرض اس صداقت کے التزام میں طالب صادق کو اپنے ہیچ اور بے حقیقت ہونے کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اللہ جل شانہٗ کے متصرف مطلق اور مبدء فیوض

بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3:

۴۱۷ اس نذریں پیش کرنے والے کی حفاظت کرؔ جو کہ تیری پوجا کرتا ہے۔اے صاف کرنے والے اس شخص پر مہربان ہو جو دیوتاؤں کے خوش کرنے کے واسطے اگنی کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔اے روشن اور صاف کرنے والے اگنی ہمارے یگ اور ہمارے بھوگ میں **دیوتاؤں** کو لا۔ہم نے تیری تعریف وہ منتر پڑھ کر کی ہے جو سب سے آخر تصنیف ہوا ہے۔ ہمیں خوراک عطا کر اور دولت جو اولاد کا چشمہ ہے عنایت فرما۔اے **اگنی دیوتا** ہمارا بھوگ **دیوتاؤں** کو چھڑا اور ایسا ہو کہ نذریں دینے والے کو یعنی اگنی کو اس کے عوض میں علم نصیب ہو۔اے **اگنی** معہ تمام دیوتاؤں کے سوم کا رس پینے کو ہماری پوجا میں آ اور نذر پیش کر۔اے دانا اگنی کانوا یعنی رشی لوگ تجھے بلاتے ہیں اور تیرے گن گاتے ہیں۔اے اگنی معہ دیوتاؤں کے آ۔اے اگنی نیک کاموں کے ترقی دینے والوں کو یعنی دیوتاؤں کو جن کی ہم پوجا کرتے ہیں اس نذر میں معہ ان کی بیبیوں کے شریک کر۔اے روشن زبان والے انہیں سوم کا رس پینے کو دے۔ان دیوتاؤں کو جن کی ہم پرستش اور تعریف کرتے ہیں سوم کا رس ارگ چرچنی کے وقت پلا۔اے **اگنی دیوتا** اپنی چالاک اور طاقتور گھوڑیاں جن کو بنام روہت نامزد کرتے ہیں اپنی رتھ میں جوت اور ان کے وسیلہ سے یہاں دیوتاؤں کو لا۔اے اگنی انعام کے دینے والے اور **رتو دیوتا** کے ساتھ یگ میں حصہ لینے والے گھر کی آگ ہو کر پوجاری کی خاطر دیوتاؤں کی پرستش کر۔تجھے اے **اگنی** سوم کا رس پینے کو شوق سے بلایا ہے **مروت** کو ساتھ لے کر آ۔نہ کسی دیوتا کو اور نہ انسان کو اس یگ میں کچھ اختیار حاصل ہے جو کہ تیرے واسطے اے طاقت والے حاصل ہوا ہے۔اے اگنی مروت کو ساتھ لے کر آ۔اے **اگنی** دیوتاؤں کی خوبصورت رانیوں کو اور
۴۱۸ نواشتری کو سوم کا رس پینے کےؔ واسطے یہاں لا۔اے **اگنی** ہمارے اس بھوگ کی اور ان نئے منتروں کے دیوتاؤں کو خبر کر۔ اے **اگنی** تو سب سے پہلے اینگرا رشی تھا۔تو دیوتا اور دیوتاؤں کا مددگار دوست تھا۔تیرے ہی یگ میں عاقل فہیم اور روشن

۳۳۶ جائے تو پھر بولیوں کو اس عام قانون سے باہر نکال کر قانون قدرت کو توڑنا سراسر جہالت اور نادانی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہونے پر شہادت دینی پڑتی ہے اور یہ دونوں ایسے امر ہیں کہ جو حق کے طالبوں کا مقصود ہے اور مرتبہ فنا کے حاصل ہونے کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔ اس ضروری شرط کے سمجھنے کے لئے یہی مثال کافی ہے کہ بارش اگرچہ عالمگیر ہو مگر تاہم اس پر پڑتی ہے کہ جو بارش کے موقعہ پر آکھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ طلب کرتے ہیں وہی پاتے ہیں اور جو ڈھونڈتے ہیں انہیں کو ملتا ہے۔ جو لوگ کسی کام کے شروع کرنے کے وقت اپنے ہنر یا عقل یا طاقت پر بھروسا رکھتے ہیں اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ نہیں رکھتے وہ اس ذات قادر مطلق کا کہ جو اپنی قیومی کے ساتھ تمام عالم پر محیط ہے کچھ قدر شناخت نہیں کرتے اور ان کا ایمان اس خشک ٹہنی کی طرح ہوتا ہے کہ جس کو اپنے شاداب اور سرسبز درخت سے کچھ علاقہ نہیں رہا اور جو ایسی خشک ہوگئی ہے کہ اپنے درخت کی تازگی اور پھول اور پھل سے کچھ بھی حصہ حاصل نہیں کر سکتے صرف ظاہری جوڑ ہے جو ذرا سی جنبش ہوا سے یا کسی اور شخص کے ہلانے سے ٹوٹ سکتا ہے۔ پس ایسا ہی خشک فلسفیوں کا ایمان ہے کہ جو قیوم عالم کے سہارے پر نظر نہیں رکھتے اور اس مبدءِ فیوض کو جس کا نام اللہ ہے ہر یک طرفۃ العین کے لئے اور ہر حال میں اپنا محتاج الیہ قرار نہیں دیتے۔ پس یہ لوگ حقیقی توحید سے ایسے دور پڑے ہوئے ہیں جیسے نور سے ظلمت دور ہے انہیں یہ سمجھ ہی نہیں کہ اپنے تئیں ہیچ اور لاشے سمجھ کر قادر مطلق کی طاقت عظمیٰ کے نیچے آپڑنا عبودیت کے مراتب کی آخری حد ہے اور توحید کا انتہائی مقام ہے جس سے فنا اتم کا چشمہ جوش مارتا ہے اور انسان اپنے نفس اور اس کے ارادوں سے بالکل کھویا جاتا ہے اور سچے دل

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہتھیار والی **مروت** پیدا ہوئی تھی۔ اے **اگنی** تو جو سب سے پہلا اور سب اینگراوں کا سردار ہے دیوتاؤں کی پوجا کو تیرے ہی باعث سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ تو دانا ہے رنگ برنگ رنگوں والا ہے۔ تمام دنیا کے فائدے کے واسطے ہی فہیم ہے۔ ودیایوں کی اولاد ہے اور انسان کے فائدے کے واسطے انیک روپ دھارن کر رکھے ہیں۔ اے ہوا پر فوقیت رکھنے والے **اگنی** اپنے پوجاری کو درشن دے تا کہ اس کو معلوم ہو کہ میری پوجا قبول ہوئی۔ تیرے بل سے اکاش اور دھرتی لرزاں ہے۔ تو نے اس بوجھ کو اٹھایا ہے جس کے لئے پروہت مقرر کیا گیا تھا۔ تو نے بزرگ دیوتاؤں کی پرستش کی ہے۔ تو اے اگنی خواہشوں کی پورا کرنے والی ہے۔ اپنے پوجاریوں کی دولت کی زیادہ کرنے والی ہے۔ اے اگنی دولت کی خاطر ہم تیری پوجا کرتے ہیں۔ اس ہوم کے کرنے والے کا نام کر دے۔ ایسا ہو کہ تیری کرپا سے جو ہماری اولاد ہو تو پھر ہم یہ رسم ادا کریں۔ دھرتی اکاش اور تمام دیوتاؤں سمیت ہمیں بچا۔ اے اگنی اس ہماری غلطی کو اور اس طریق کو جس میں ہم گمراہ ہو گئے معاف کر۔ تیری تعریف کرنی چاہیے کیونکہ تو ان لوگوں کی جو تجھ کو تیرے لائق ارگ دیتے ہیں حفاظت کرنے والی ہے۔ اے پاک **اگنی** جو بھوگ لینے ہر طرف جاتی ہے یگ کے کمرہ میں جو تیرے روبرو ہے جا۔ جیسے پہلے زمانہ میں منش انگرار اور تیاتی یعنی راجگان سلف جاتے تھے اور دیوتاؤں کو یہاں لا اور انہیں پاک رکشا پر بٹھا اور ان میں ایسا بلدان پیش کر جس
سے وہ مشکور ہوں۔ اے اگنی تو ہماری اس منتر سے جو ہم اپنی لیاقت اور اپنی آگاہی کے موافق پڑھتے ہیں ترقی پا۔ اور ہمیں ۴۱۹
دولتمند کر اور ہمیں نیک سمجھ دے اور بہت خوراک دے ہم منتر پڑھ کر طاقتور اگنی کو جس کی اور رشی بھی تعریف کرتے ہیں بہت آدمیوں کے فائدہ کے واسطے جو دیوتاؤں کے پرستار ہیں مناتے ہیں۔ آدمی اس **اگنی** کی طرف رجوع لاتے ہیں جو بل کے زیادہ کرنے والی ہے۔ ہم اے اگنی نذریں چڑھا کر تیری پوجا کرتے ہیں۔ اے بہت خوراک دینے والے ہم پر آج

ہے۔اس زمانہ کی نظیر میں اِس زمانہ کے حالات پیش کرنا درست نہیں ہے۔مثلاً اب کوئی بچہ انسان کا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سے خدا کے تصرف پر ایمان لاتا ہے۔اس جگہ ان خشک فلسفیوں کے اس مقولہ کو بھی کچھ چیز نہیں سمجھنا چاہیے کہ جو کہتے ہیں ۳۵۸
کہ کسی کام کے شروع کرنے میں استمداد الٰہی کی کیا حاجت ہے۔خدا نے ہماری فطرت میں پہلے سے طاقتیں ڈال رکھی ہیں۔پس ان طاقتوں کے ہوتے ہوئے پھر دوبارہ خدا سے طاقت مانگنا تحصیل حاصل ہے۔کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ بیشک یہ بات سچ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بعض افعال کے بجالانے کے لئے کچھ کچھ ہم کو طاقتیں بھی دی ہیں مگر پھر بھی اس قیوم عالم کی حکومت ہمارے سر پر سے دور نہیں ہوئی اور وہ ہم سے الگ نہیں ہوا اور اپنے سہارے سے ہم کو جدا کرنا نہیں چاہا اور اپنے فیوض غیر متناہی سے ہم کو محروم کرنا روا نہیں رکھا۔جو کچھ ہم کو اس نے دیا ہے وہ ایک امر محدود ہے اور جو کچھ اس سے مانگا جاتا ہے اس کی نہایت نہیں۔علاوہ اس کے جو کام ہماری طاقت سے باہر ہیں ان کے حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی ہم کو طاقت نہیں دی گئی۔اب اگر غور کر کے دیکھو اور ذرا پوری فلسفیت کو کام میں لاؤ تو ظاہر ہوگا کہ کامل طور پر کوئی بھی طاقت ہم کو حاصل نہیں۔مثلاً ہماری بدنی طاقتیں ہماری تندرستی پر موقوف ہیں اور ہماری تندرستی بہت سے ایسے اسباب پر موقوف ہے کہ کچھ ان میں سے سماوی اور کچھ ارضی ہیں اور وہ سب کی سب ہماری طاقت سے بالکل باہر ہیں۔اور یہ تو ہم نے ایک موٹی سی بات عام لوگوں کی سمجھ کے موافق کہی ہے لیکن جس قدر حقیقت وہ قیوم عالم اپنی علت العلل ہونے کی وجہ سے ہمارے ظاہر اور ہمارے باطن اور ہمارے اول اور ہمارے آخر اور ہمارے فوق اور ہمارے تحت اور ہمارے یمین اور ہمارے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

مہربان ہو۔اے اگنی تو خوشی کی دینے والی۔دیوتاؤں کے بلانے والی اور ان کے پیغمبر اور انسان کی محافظ ہے۔وہ نیک اور دیرپا کام جو دیوتا کرتے ہیں سب تیرے میں جمع ہیں۔اے نوجوان اور نیک فال اگنی جو کچھ کہ ہم تجھ کو پیش کریں تو ہم پر مہربان ہو کر یا تو اب یا کسی اور وقت طاقتور دیوتاؤں کے پاس لے جا۔اے اگنی اس طور پر تیرا پوجاری تیری پوجا کرتا ہے اور تو اپنی روشنی سے آپ روشن ہے۔آدمی بمد ساتکا روبار کرنے والے پروہتوں کے ہوم کر کر اس اگنی کو جوان کے دشمنوں پر فتحیاب ہے روشن کرتے ہیں۔اے اگنی جو کہ فنا کرنے والی ہے تو نے اور دوسرے دیوتاؤں نے مل کر ورترا کو قتل کیا ہے۔دیوتاؤں نے دھرتی اور سرگ اور اکاس کو مخلوقات کے واسطے فراخ رہنے کی جگہ بنایا ہے۔ایسا ہو کہ دولت والا اگنی بروقت ضرورت کے کانوا پر اس طرح مہربان ہو جیسا کہ لڑائی میں گھوڑا مویشی کے واسطے ہنہناتا ہے۔اس اگنی کی کرنیں جس کو کانوا نے سورج سے زیادہ روشن کر دیا ہے سرفرازی سے چمکتے ہیں۔ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں۔ہم اس کو بلند کرتے ہیں۔اے اگنی خوراک کے بخشنے والی ہمارے خزانے پُر کر دے کیونکہ دیوتاؤں کی دوستی تیرے ذریعے سے
حاصل ہو سکتی ہے۔تو طرح طرح کی خوراکوں کی مالک ہے ہمیں خوش کر کیونکہ تو بزرگ ہے۔اے اگنی ہماری حفاظت کے ۴۲۰
لئے سورج دیوتا کی مانند ہو سیدھی کھڑی ہو جا تو خوراک کی دینے والی ہے جس کے کارن ہم تجھے مرہم چھڑا کر بلاتے ہیں اور پروہت تجھے نذریں چڑھاتے ہیں۔اے جوان اور چمکدار اگنی ہمیں ناپاک روحوں سے اور کینہ ور آدمی سے جو بخشش نہیں کرتا اور موذی جانوروں سے اور ان لوگوں سے جو ہمارے مارنے کی فکر میں ہیں بچا۔اے اگنی تجھے منو نے انسان کی بہت سی نسلوں پر روشنی کرنے کے لئے روکا تھا تو جو یگ کے لئے پیدا ہوئی ہے اور چڑھاوے سے سیر ہوتی ہے تو جس کو سب آدمی نمشکار کرتے ہیں روشن ہوگئی ہے۔اگنی کے شعلے روشن طاقتور اور خوفناک ہیں ان کا اعتماد نہ کرنا چاہیے۔وہ طاقتور

بغیر ذریعہ ماں اور باپ کے پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر اس ابتدائی زمانہ میں بھی انسان کا پیدا ہونا ۳۳۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11

یسار اور ہمارے دل اور ہماری جان اور ہمارے روح کی تمام طاقتوں پر احاطہ کر رہا ہے وہ ایک ایسا مسئلہ دقیق ہے جس کے کنہ تک عقول بشریہ پہنچ ہی نہیں سکتیں اور اس کے سمجھانے کی اس جگہ ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ جس قدر ہم نے اوپر لکھا ہے وہی مخالف کے الزام اور افحام کے لئے کافی ہے۔ غرض قیوم عالم کے فیوض حاصل کرنے کا یہی طریق ہے کہ اپنی ساری
قوت اور زور اور طاقت سے اپنا بچاؤ طلب کیا جائے اور یہ طریق کچھ نیا طریق نہیں ہے بلکہ یہ وہی طریق ہے جو قدیم سے ۳۵۹
بنی آدم کی فطرت کے ساتھ لگا چلا آتا ہے۔ جو شخص عبودیت کے طریقہ پر چلنا چاہتا ہے وہ اسی طریق کو اختیار کرتا ہے اور جو شخص خدا کے فیوض کا طالب ہے وہ اسی راستے پر قدم مارتا ہے اور جو شخص مورد رحمت ہونا چاہتا ہے وہ انہیں قوانین قدیمہ کی تعمیل کرتا ہے یہ قوانین کچھ نئے نہیں ہیں۔ یہ عیسائیوں کے خدا کی طرح کچھ مستحدث بات نہیں بلکہ خدا کا یہ ایک قانون محکم ہے کہ جو قدیم سے بندھا ہوا چلا آتا ہے اور سنت اللہ ہے کہ جو ہمیشہ سے جاری ہے جس کی سچائی کثرت تجارب سے ہر یک طالب صادق پر روشن ہے اور کیونکر روشن نہ ہو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ہم لوگ کس حالت ضعف اور ناتوانی میں پڑے ہوئے ہیں اور بغیر خدا کی مددوں کے کیسے نکمے اور ناکارہ ہیں۔ اگر ایک ذات متصرف مطلق ہر لحظہ اور ہر دم ہماری خبر گیران نہ ہو اور پھر اس کی رحمانیت اور رحیمیت ہماری کارسازی نہ کرے تو ہمارے سارے کام تباہ ہو جائیں بلکہ ہم آپ ہی فنا کا راستہ لیں۔ پس اپنے کاموں کو خصوصاً آسمانی کتاب کو کہ جو سب امور عظیمہ سے ادق اور الطف ہے خداوند قادر مطلق کے نام

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ناپاک روحوں کو اور دیگر ہمارے مخالفوں کو ہمیشہ ضرور بالکل جلا دیتے ہیں۔ اے اگنی جو امیر ہے اور جو کہ تمام مخلوقات کی فریادرسی کرنے والی ہے صبح سے نذریں دینے والے کے پاس بہت قسم کی دولت معہ عمدہ گھر کے لا۔ آج یہاں دیوتاؤں کو اٹھتے ہی لا۔ آج ہم اگنی کو جو پیغمبر مکانوں کے دینے والی ہر دلعزیز دھوئیں کے جھنڈے والی روشنی بخشنے والی اور علی الصباح جو پوجاری پوجا کرتا ہے اس کی حفاظت کرنے والی ہے منتخب کرتے ہیں۔ میں اگنی کے جو سب دیوتاؤں سے بہتر اور کم عمر کا دیوتا ہے انسان کا مہمان ہے جس کو سب بلاتے ہیں اور جو چڑھاوا چڑھانے والے کا رفیق ہے۔ سب مخلوقات کو جانتا ہے۔ پرات کال مہما کرتا ہوں تا کہ وہ اور دیوتاؤں کو لینے جائے۔ اے یگ کرنے والی اور سرب گیانی اگنی سب آدمی تجھے روشن
کرتے ہیں۔ بہت لوگ بلاتے ہیں عاقل دیوتاؤں کو جلدی سے یہاں لا۔ تو اے اگنی انسانوں کے یگوں کی حفاظت کرنے ۴۲۱
والی ہے اور دیوتاؤں کی پیغمبر ہے۔ آج یہاں دیوتاؤں کو جو صبح اٹھتے ہیں اور سورج کا دھیان کرتے ہیں لا۔ اے **اسونوں دیوتاؤ** تم صبح کے یگ کے واسطے جاگو ایسا ہو کہ وہ دونوں دیوتا سوم کا رس پینے کے لئے یہاں آویں۔ ہم دونوں **اسونوں** کو جو دونوں دیوتا ہیں اور نہایت اچھے رتھ بان ہیں اور ایک عمدہ گاڑی میں سوار ہوتے ہیں اور سرگ تک پہنچتے ہیں بلاتے ہیں۔ اے **اسونوں دیوتاؤ** اپنی چابک سے جو کہ تمہارے گھوڑوں کی جھاگوں سے تر ہے اور اس کی پٹخار سے بڑی آواز ہوتی ہے۔ سوم کے ارگ کو ہلا دو۔ اے اسونوں دیوتاؤ ارگ چرچنی والے کے رہنے کی جگہ جہاں تم اپنی رتھ میں سوار ہو کر جاتے ہو تم سے دور نہیں ہے۔ میں سونے کے ہاتھ والے سورج کو اپنی حفاظت کے لئے بلاتا ہوں۔ وہ پوجاریوں کا درجہ مقرر کرتا ہے۔ **سورج** کی جو پانی کا مددگار نہیں ہے ہماری حفاظت کے لئے تعریف کرو۔ ہم اس کی پوجا کرنے کے لئے آرزو رکھتے ہیں۔ دوستو بیٹھ جاؤ درحقیقت ہم سورج کی تعریف کریں گے کیونکہ وہ درحقیقت دولت کا بخشنے والا ہے۔ عاقل ہمیشہ سورج

والدین کے وجود پر ہی موقوف ہوتا تو پھر کیونکر یہ دنیا پیدا ہوسکتی ۔ علاوہ اس کے جو تغیرات بولیوں

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سے جو رحمان ورحیم ہے بہ نیت تبرک واستمداد شروع کرنا ایک ایسی بدیہی صداقت ہے کہ بلا اختیار ہم اس کی طرف کھنچے
جاتے ہیں۔ کیونکہ فی الحقیقت ہر یک برکت اسی راہ سے آتی ہے کہ وہ ذات جو متصرف مطلق اور علت العلل اور تمام فیوض
کا مبدء ہے جس کا نام قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ ہے خود متوجہ ہوکر اول اپنی صفت رحمانیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ
قبل از سعی درکار ہے اس کو محض اپنے تفضّل اور احسان سے بغیر توسط عمل کے ظہور میں لاوے۔ پھر جب وہ صفت رحمانیت
کی اپنے کام کو بہ تمام وکمال کر چکی اور انسان توفیق پاکر اپنی قوتوں کے ذریعہ سے محنت اور کوشش کا حق بجالاوے تو پھر
دوسرا کام اللہ تعالیٰ کا یہ ہے کہ اپنی صفت رحیمیت کو ظاہر کرے اور جو کچھ بندہ نے محنت اور کوشش کی ہے اس پر نیک ثمرہ
مترتب کرے اور اس کی محنتوں کو ضائع ہونے سے بچا کر گوہر مراد عطا فرماوے۔ اسی صفت ثانی کی رو سے کہا گیا ہے کہ جو ٣٦٠
ڈھونڈتا ہے پاتا ہے، جو مانگتا ہے اس کو دیا جاتا ہے، جو کھٹکھٹاتا ہے اس کے واسطے کھولا جاتا ہے۔ یعنی خدائے تعالیٰ اپنی
صفت رحیمیت سے کسی کی محنت اور کوشش کو ضائع ہونے نہیں دیتا اور آخر جوئندہ یا بندہ ہو جاتا ہے۔ غرض یہ صداقتیں ایسی
بین الظہور رہیں کہ ہر یک شخص خود تجربہ کر کے ان کی سچائی کو شناخت کر سکتا ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں کہ بشرط کسی قدر عقلمندی
کے یہ بدیہی صداقتیں اس پر چھپی رہیں۔ ہاں یہ بات ان عام لوگوں پر نہیں کھلتی کہ جو دلوں کی سختی اور غفلت کی وجہ سے
صرف اسباب معتادہ پر ان کی نظر ٹھہری رہتی ہے اور جو ذات متصرف فی الاسباب ہے اس کے تصرفات لطیفہ پر ان کو علم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کے اس بڑے درجہ کا دھیان کرتے ہیں جب سے آنکھ آسمان کی سیر کرتی ہے۔ دانا آدمی جو کہ ہوشیار رہتے ہیں اور تعریف
کرنے میں بڑے سرگرم ہیں سورج کے اعلیٰ درجہ کی ہم تعریف کرتے ہیں۔ سرب گیانی **سورج دیوتا** کو اس کے گھوڑے
بلندی پر لیجاتے ہیں تا کہ وہ تمام دنیا کو دکھائی دے۔ تو اے سورج سب سے زیادہ چلتا ہے۔ تو سب کو دکھائی دیتا ہے۔ تو
چشمہ روشنی کا ہے۔ تو تمام آسمان پر چمکتا ہے۔ تو اے سورج مارت دیوتا کے سامنے نکلتا ہے۔ تو انسان کے روبرو نکلتا ہے اور
تو اس طرح نکلتا ہے کہ تمام دیولوگ تجھے دیکھ سکے۔ تو اس روشنی کے ساتھ نمودار ہوتا ہے جس کے ساتھ تو صاف کرنے والا ٤٢٢
برائی سے بچانے والا ہے۔ تو فراخ آسمان کو دن اور رات کا اندازہ کرتا ہوا اور سب مخلوقات کو دیکھتا ہوا طے کرتا ہے۔ تو
اے سورج آرام دہندہ روشنی سے چمکتا ہوا نمودار ہو کر اور سب سے بلند آسمان پر چڑھ کر میرے دل کی بیماری اور میرے
بدن کی زردی کھودے۔ روشنی کو تاریکی کے پرے دیکھ کر ہم سورج دیوتا کے پاس جاتے ہیں۔ جو دیوتاؤں کے درمیان
ایک چیدہ دیوتا ہے۔ اے چاند دیوتا تو ہر دم کے کام کرنے سے نیکی کا کرنے والا ہے۔ تو اپنی قوتوں کے باعث سے
صاحب طاقت اور سرب بیاپی ہے۔ تو اپنی بخششوں کے باعث نعمتوں کا دینے والا اور اپنی بزرگی سے بزرگ ہے۔ تو نے
اے انسان کے رہنما یگ کے چڑھاؤں سے خوب پرورش پائی ہے۔ تیرے کام ورن راجہ کے مانند ہیں۔ تیرا کلام اے
چاند بڑا ہے۔ تو عزیز متر ادیوتا کی مانند سب کا صاف کرنے والا ہے۔ تو اریمان دیوتا کی مانند سب کا بڑھانے والا ہے۔
چونکہ تیرے میں وہ سب کلیں ہیں جو تیرے سبب سے آسمان زمین پہاڑیوں اور پانی سب میں پرگت ہے۔ اس لئے اے
چاند راجہ ہم سے اچھی طرح پیش آ اور بلا خفگی ہماری نذریں قبول کر۔ تو اے چاند جو تعریف کا شائق اور پودوں کا گورو ہے
ہماری جان ہے۔ اگر تو چاہے گا تو ہم نہیں مریں گے۔ تو اے چاند اس شخص کو جو تیری پوجا کرتا ہے خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا

میں طبعی طور پر ہوتے رہتے ہیں ان تغیرات میں اور اس دوسری صورت میں کہ جب بولی عدمِ محض ۳۳۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11

حاصل نہیں ہوتا اور نہ ان کی عقل اس قدر وسیع ہوتی ہے کہ جو اس بات کو سوچ لیں کہ ہزارہا بلکہ بے شمار ایسے اسباب سماوی وارضی انسان کے ہر یک جسم کی آرائش کے لئے درکار ہیں جن کا بہم پہنچنا ہرگز انسان کے اختیار اور قدرت میں نہیں بلکہ ایک ہی ذات مستجمع صفات کاملہ ہے کہ جو تمام اسباب کو آسمانوں کے اوپر سے زمینوں کے نیچے تک پیدا کرتا ہے اور ان پر بہرطور تصرف اور قدرت رکھتا ہے۔ مگر جو لوگ عقلمند ہیں وہ اس بات کو بلا تردد بلکہ بدیہی طور پر سمجھتے ہیں اور جو ان سے بھی اعلیٰ اور صاحب تجربہ ہیں وہ اس مسئلہ میں حق الیقین کے مرتبہ تک پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ شبہ کرنا کہ یہ استعانت بعض اوقات کیوں بے فائدہ اور غیر مفید ہوتی ہے اور کیوں خدا کی رحمانیت ورحیمیت ہر یک وقت استعانت میں تجلی نہیں فرماتی۔ پس یہ شبہ صرف ایک صداقت کی غلط فہمی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ ان دعاؤں کو کہ جو خلوص کے ساتھ کی جائیں ضرور سنتا ہے اور جس طرح مناسب ہو مدد چاہنے والوں کے لئے مدد بھی کرتا ہے۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کی استمداد اور دعا میں خلوص نہیں ہوتا نہ انسان دلی عاجزی کے ساتھ امداد الٰہی چاہتا ہے اور نہ اس کی روحانی حالت درست ہوتی ہے بلکہ اس کے
ہونٹوں میں دعا اور اس کے دل میں غفلت یاریاں ہوتی ہے یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خدا اس کی دعا کو سن تو لیتا ہے اور اس ۳۶۱
کے لئے جو کچھ اپنی حکمت کاملہ کے رو سے مناسب اور اصلح دیکھتا ہے عطا بھی فرماتا ہے۔ لیکن نادان انسان خدا کی ان الطاف خفیہ کو شناخت نہیں کرتا اور بباعث اپنے جہل اور بے خبری کے شکوہ اور شکایت شروع کر دیتا ہے اور اس آیت کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دولت دیتا ہے تا کہ وہ اس سے حظ اٹھاوے اور زندہ رہے۔ اے چاند راجا ہمیں اس سے جو نقصان پہنچانے کی فکر میں ہے محفوظ رکھ۔ تجھ جیسے دیوتا کا دوست کبھی نہیں مرسکتا۔ اے **چاند دیوتا** ہماری ایسی مدد کر کر رکشا کر جس سے بھوگ لگانے
والے کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ہماری اس بلدان کو اور تعریف کو قبول فرما کر اے **چاند دیوتا** ہمارے پاس آ اور ہماری رسم کا ۴۲۳
ترقی دینے والا ہو۔ چونکہ ہم منتروں سے واقف ہیں اس سبب سے ہم تیری تعریف کر کر تیرا رتبہ بڑھاتے ہیں اے کر پاندھان چاند ادھر آ۔ اے دولت بخشنے والے ہماری کھونے والی دولت سے آگاہ خوراک کے بڑھانے والے **چاند دیوتا** ہمارا ایک لائق مددگار ہو۔ اے چاند دیوتا ہمارے دلوں میں ایسا خوش رہ جیسے مویشی سبزہ زاروں میں یا انسان اپنے گھروں میں خوش رہتا ہے۔ اے **چاند دیوتا** ایسا ہو کہ قوت تیرے میں ہر طرف سے آوے ہمارے واسطے خوراک مہیا کرنے میں سرگرم ہو۔ اے خوش چاند دیوتا سب بیلوں کے ساتھ بڑھتا جا۔ ہمارا دوست ہو۔ خوراک کی طرف سے آسودہ حالی بخش۔ تا ہم پھلیں پھولیں۔ چاند دیوتا اس شخص کو جو کہ نذریں چڑھاتا ہے دودھ والی گائے، چالاک گھوڑا اور ایک بیٹا جو کہ کاروبار میں ہوشیار خانگی تعلقات میں ہنرمند پوجا میں سرگرم مجلس میں لائق اور جو اپنے باپ کی عزت کا باعث ہو دیتا ہے۔ ہم اے **چاند دیوتا** تجھے رن میں اٹل ہزاروں آدمیوں کے گروہوں میں لڑ کر فتحیاب ہونے والا طاقت زائل نہ ہونے دینے والا یگو کے درمیان پیدا اور روشن مکان میں رہنے والا مشہور اور بہادر جان کر خوش ہوتے ہیں۔ تو نے اے **چاند دیوتا** یہ پودے پانی کے اور گوویں پیدا کی ہیں۔ تو نے کشادہ آسمان کو پھیلایا ہے۔ تو نے تاریکی کو روشنی سے پراگندہ کر دیا ہے۔ اے طاقتور **چاند دیوتا** اپنی روشن دماغی کے ساتھ اپنی دولت کا ایک حصہ دے ایسا ہو کہ کوئی مخالف تجھے دق نہ کر سکے۔ تو کسی
دو برابر کے مخالفوں کی بہادری پر فوقیت رکھتا ہے ہمیں رن میں ہمارے دشمنوں سے بچا۔ سورج روشن صبح کے اس طرح ۴۲۴

سے پیدا کی جائے بڑا فرق ہے۔ کسی موجودہ بولی میں کچھ تغیر ہونا شے دیگر ہے اور عدم محض سے ایک

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مضمون کو نہیں سمجھتا عَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡـًٔا وَّ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ۚ وَ عَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّ ہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ وَ اَنۡتُمۡ
لَا تَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ:۲۱۶) یعنی یہ ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُری سمجھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے اچھی ہو اور ممکن ہے کہ تم
ایک چیز کو دوست رکھو اور وہ اصل میں تمہارے لئے بُری ہو۔ اور خدا چیزوں کی اصل حقیقت کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔
اب ہماری اس تمام تقریر سے واضح ہے کہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کس قدر عالی شان صداقت ہے جس میں حقیقی توحید
اور عبودیت اور خلوص میں ترقی کرنے کا نہایت عمدہ سامان موجود ہے جس کی نظیر کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی اور اگر کسی
کے زعم میں پائی جاتی ہے تو وہ اس صداقت کو معہ تمام دوسری صداقتوں کے جو ہم نیچے لکھتے ہیں نکال کر پیش کرے۔
اس جگہ بعض کوتہ اندیش اور نادان دشمنوں نے ایک اعتراض بھی بسم اللہ کی بلاغت پر کیا ہے۔ ان معترضین میں سے ایک
صاحب تو پادری عماد الدین نام ہیں جس نے اپنی کتاب ہدایت المسلمین میں اعتراض مندرجہ ذیل لکھا ہے۔ دوسرے
صاحب باوا نرائن سنگھ نام وکیل امرتسری ہیں جنہوں نے پادری کے اعتراض کو سچ سمجھ کر اپنے دلی عناد کے تقاضا کی وجہ سے
وہی پوچ اعتراض اپنے رسالہ ودّیا پرکاشک میں درج کر دیا ہے۔ سو ہم اس اعتراض کو معہ جواب اس کے کے لکھنے مناسب
٣٦٢ سمجھتے ہیں تا منصفین کو معلوم ہو کہ فرط تعصب نے ہمارے مخالفین کو کس درجہ کی کور باطنی اور نابینائی تک پہنچا دیا ہے کہ جو
نہایت درجہ کی روشنی ہے وہ ان کو تاریکی دکھائی دیتی ہے اور جو اعلیٰ درجہ کی خوشبو ہے وہ اس کو بدبو تصور کرتے ہیں۔ سو اب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ساتھ آتا ہے جیسے مرد نوجوان خوبصورت عورت کے پیچھے چلتا ہے۔ اس وقت دھرم آتما لوگ مقرری وقت کی رسموں کو کرتے
ہیں اور مبارک سورج کو اچھے انعام کی خاطر پوجتے ہیں یعنی اس کی پرستش کرتے ہیں۔ سورج کی تیز رفتار ہمایون فال
ہاتھ پاؤں کے مضبوط راستہ طے کرنے والے گھوڑے جن کی ہم نے پرستش کی ہے اور جو تعریف کئے جانے کے مستحق ہیں
آسمان کی چوٹی پر پہنچ گئے ہیں اور جلد زمین اور آسمان کے گرد پھر آئے ہیں۔ ایسا دیوتا پن اور جلال سورج کا ہے کہ جب وہ
غروب ہو جاتا ہے اور پھیلی ہوئی روشنی کو جو ادھورے کام پر پھیلی ہوئی تھی اپنے میں چھپا لیتا ہے جب وہ اپنے گھوڑوں کو کھول
دیتا ہے اس وقت رات کی تاریکی سب پر چھا جاتی ہے۔ آفتاب متر ادیوتا اور ورن دیوتا کے سامنے اپنی روشن صورت
آسمان کے درمیان ظاہر کرتا ہے اور اس کی کرنیں ایک تو اس کی بیحد روشن طاقت کو پھیلاتی ہیں اور دوسری جب وہ چلی جاتی
ہیں تب رات کی تاریکی لاتی ہیں۔ آج دیوتاؤ سورج کے نکلتے ہی ہمیں نالائق باتوں سے بچاؤ۔ اور ایسا ہو کہ متر ادیوتا
ورن دیوتا ادوتی دیوی سمندر دیوتا دھرتی دیوی اکاس دیوتا اس ہماری دعا کو متوجہ ہو کر سنیں۔
اب ناظرین اس کتاب کے خود خیال فرماویں کہ اس قدر شرتیوں سے جن کا ایک ذخیرۂ کلاں یہاں لکھ کر کئی صفحے ہم نے سیاہ
کئے ہیں کیا کچھ خدا کا بھی پتہ مل سکتا ہے۔ اور حضرات آریہ سماج والے انصافاً ہم کو بتلاویں کہ رگ وید نے ان شرتیوں میں
اپنا منشاء ظاہر کرنے میں کونسی بلاغت دکھلائی ہے۔ اور آپ ہی بولیں کہ کیا اس کی تقریر فصیح تقریروں کی طرح پُرزور اور مدلل
٤٢٥ ہے یا پوچ اور لچر ہے۔ منصفین پر پوشیدہ نہیں کہ ان شرتیوں میں بجائے اس کے حق الامر کو اپنی خوش بیانی کے ذریعہ سے
ظاہر کیا جاتا اور راستی کے پھیلانے کے لئے کوشش کی جاتی خود مضمون شرتیوں کا ایسا بے سروپا اور مہمل ہے جس سے سامع
اس کا ایک دبدھا میں پڑ جاتا ہے۔ کبھی ایک چیز کو خالق ٹھہراتا ہے اور اس سے مرادیں مانگتا ہے۔ کبھی اسی کو مخلوق بناتا ہے

بولی کا من کل الوجوہ پیدا ہو جانا یہ اور بات ہے ۔ ماسوا ان سب باتوں کے جبکہ اب بھی خدائے تعالیٰ ۳۳۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

جاننا چاہیے کہ جو اعتراض بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی بلاغت پر مذکورہ بالا لوگوں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ الرحمن الرحیم جو بسم اللہ میں واقع ہے یہ فصیح طرز پر نہیں اگر رحیم الرحمن ہوتا تو یہ فصیح اور صحیح طرز تھی ۔ کیونکہ خدا کا نام رحمان باعتبار اس رحمت کے ہے کہ جو اکثر اور عام ہے اور رحیم کا لفظ بہ نسبت رحمان کے اس رحمت کے لئے آتا ہے کہ جو قلیل اور خاص ہے ۔ اور بلاغت کا کام یہ ہے کہ قلت سے کثرت کی طرف انتقال ہو نہ یہ کہ کثرت سے قلت کی طرف ۔ یہ اعتراض ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس کلام پر کیا ہے جس کلام کی بلاغت کو عرب کے تمام اہل زبان جن میں بڑے بڑے شاعر بھی تھے باوجود سخت مخالفت کے تسلیم کر چکے ہیں بلکہ بڑے بڑے معاند اس کلام کی شان عظیم سے نہایت درجہ تعجب میں پڑ گئے اور اکثر ان میں سے کہ جو فصیح اور بلیغ کلام کے اسلوب کو بخوبی جاننے پہچاننے والے اور مذاقِ سخن سے عارف اور باانصاف تھے وہ طرز قرآنی کو طاقت انسانی سے باہر دیکھ کر ایک معجزہ عظیم یقین کر کے ایمان لے آئے جن کی شہادتیں جابجا قرآن شریف میں درج ہیں ۔ اور جو لوگ سخت کور باطن تھے اگرچہ وہ ایمان نہ لائے مگر سراسیمگی اور حیرانی کی حالت میں ان کو بھی کہنا پڑا کہ یہ سحر عظیم ہے جس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ ان کا یہ بیان بھی فرقان مجید کے کئی مقام میں موجود ہے ۔ اب اسی کلام معجز نظام پر ایسے لوگ اعتراض کرنے لگے جن میں سے ایک تو وہ شخص ہے جس کو دو سطریں عربی کی بھی صحیح اور بلیغ طور پر لکھنے کا ملکہ نہیں اور اگر کسی اہل زبان سے بات چیت کرنے کا اتفاق ہو تو بجز ٹوٹے پھوٹے اور بے ربط اور غلط

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اور دوسرے کی محتاج قرار دیتا ہے ۔ کبھی کسی کے لئے خدا کی صفتیں قائم کرتا ہے اور پھر اسی کی طرف فانی چیزوں کی صفتیں منسوب کرتا ہے ۔ اور ظاہر ہے کہ جس نے اس قدر کلام کو طول دیا اور پھر ماحصل اس کا خاک بھی نہیں ۔ نہ توحید کا مدعی ہو کر توحید کو بیان کیا ہے ۔ نہ مخلوق پرستی کا مدعی ہو کر مخلوق پرستی کو بہ پایہ ثبوت پہنچایا ہے بلکہ سراسیمہ اور مخبط الحواس آدمی کی طرح ایسی تقریر بے بنیاد اور متناقض کی ہے کہ جس سے ہندو مذہب میں عجب طرح کی گڑبڑ پڑ گئی ہے اور کوئی کسی دیوتا کا پوجاری اور کوئی کسی دیوتا کا بھجن گا رہا ہے ۔ کیا ایسی تقریر سراپا فضول و مہمل اس لائق ہو سکتی ہے کہ کوئی دانا اس کو بلیغ و فصیح کہے ۔ شاید بعض ہندو صاحب جنہوں نے فقط وید کا نام سن رکھا ہے اور کبھی اس مقدس کتاب کا درشن نہیں کیا وہ دل میں یہ وسوسہ کریں کہ یہ شرتیاں جو رگ وید میں سے لکھی گئی ہیں وہ صحیح طور پر نہیں لکھی گئیں یا شاید ان سے بہتر وید مذکورہ میں اور شرتیاں ہوں گی جن میں وید نے وحدانیت الٰہی کے بیان کرنے میں داد فصاحت دی ہو گی یا مخلوق پرستی کو فصیح اور مدلل تقریر میں جو لازمہ فصاحت و بلاغت ہے عطا کیا ہو گا ۔ سو ایسے وسواسی آدمیوں کے جواب میں عرض کیا جاتا ہے کہ ہم نے یہ تمام شرتیاں رگ
وید سنتھا اشٹک اول سکت سے ۱۱۵ سکت تک بطور نمونہ منتخب کر کے لکھے ہیں ۔ اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ وہ شرتیاں صحیح نہیں ہیں تو ۴۲۶
اس پر لازم ہے کہ جو اس کی دانست بھی صحیح ترجمہ ہو وہ پیش کرے تا منصف لوگ آپ دیکھ لیں کہ یہ شرتیاں صحیح ہیں یا اس کی پیش کردہ صحیح ہیں ۔ اور اگر کسی کو یہ دعویٰ ہو کہ اگرچہ یہ شرتیاں مہمل اور بے سروپا ہیں مگر اسی رگ وید میں ایسی شرتیاں بھی پائی جاتی ہیں جن میں وحدانیت الٰہی کا بیان نہایت صفائی اور شائستگی سے موجود ہے تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ ہمراہ ان شرتیوں کے ان شرتیوں کو بھی پیش کرے تا کہ اگر کسی طرح ہاتھ پاؤں مار کر وید کی بلاغت و خوش بیانی ثابت ہو سکے تو ثابت ہو جائے ۔ ہم کو کسی صاحب سے ناحق کی ضد نہیں ہے ۔ ہم اپنے سچے دل سے کہتے ہیں کہ ہم نے بڑی غور اور تدبر سے وید

بذریعہ اپنے الہام کے مختلف بولیوں کو اپنے بندوں پر القا کرتا ہے اور ایسی زبانوں میں الہام کر سکتا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

فقروں کے کچھ بول نہ سکے اور اگر کسی کو شک ہو تو امتحان کر کے دیکھ لے۔ اور دوسرا وہ شخص ہے جو علم عربی سے بکلی بے بہرہ
۳۶۳ بلکہ فارسی بھی اچھی طرح نہیں جانتا اور افسوس کہ عیسائی مقدم الذکر کو یہ بھی خبر نہیں کہ یورپ کے اہل علم کہ جو اس کے بزرگ
اور پیشرو ہیں جن کا پورٹ صاحب وغیرہ انگریزوں نے ذکر کیا ہے وہ خود قرآن شریف کے اعلیٰ درجہ کی بلاغت کے قائل
ہیں۔ اور پھر دانا کو زیادہ تر اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ جب ایک کتاب جو خود ایک اہل زبان پر ہی نازل ہوئی ہے اور اس
کی کمال بلاغت پر تمام اہل زبان بلکہ سبعہ معلقہ کے شعراء جیسے اتفاق کر چکے ہیں تو کیا ایسا مسلم الثبوت کلام کسی نادان اجنبی
وژولیدہ زبان والے کے انکار سے جو کہ لیاقت فن سخن سے محض بے نصیب اور توغل علوم عربیہ سے بالکل بے بہرہ بلکہ کسی
ادنیٰ عربی آدمی کے مقابلہ پر بولنے سے عاجز ہے قابل اعتراض ٹھہر سکتا ہے۔ بلکہ ایسے لوگ جو اپنی حیثیت سے بڑھ کر
بات کرتے ہیں خود اپنی نادانی دکھلاتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اہل زبان کی شہادت کے برخلاف اور بڑے بڑے نامی
شاعروں کی گواہی کے مخالف کوئی نکتہ چینی کرنا حقیقت میں اپنی جہالت اور خرفطرتی دکھلانا ہے۔ بھلا عماد الدین پادری کسی
عربی آدمی کے مقابلہ پر کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں ذرا ایک آدھ گھنٹہ تک ہم کو بول کر تو دکھاوے تا اول یہی لوگوں پر کھلے
کہ اس کو سیدھی سادھی اور بامحاورہ اہل عرب کے مذاق پر بات چیت کرنی آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہم کو یقین ہے کہ اس کو
ہرگز نہیں آتی اور ہم بہ یقین تمام جانتے ہیں کہ اگر ہم کسی عربی آدمی کو اس کے سامنے بولنے کے لئے پیش کریں تو وہ عربوں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

پر نظر کر کے اس کو طریقہ شائستہ بیانی سے بالکل دور اور مہجور پایا ہے اور ہم بڑے افسوس سے لکھتے ہیں کہ ایسی پراگندہ باتیں
کیونکر آریہ سماج والوں کے دلوں کو بھا رہی ہیں اور کیوں وہ ایسے کچے اور پست خیالات پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ اگر وید کا
کلام باوجود اس فضول طوالت اور مہمل بیانی اور خبط مضمون کے پھر بھی فصیح اور بلیغ ہی ہے تو پھر غیر فصیح کلام دنیا میں کس کو کہنا
چاہئے۔ اور اگر آریہ سماج والوں کو یہ معلوم نہیں کہ کلام فصیح کسے کہتے ہیں تو لازم ہے کہ وہ ذرا آنکھ کھول کر بمقابلہ طول طویل
وید کے کلام کے جو اوپر تحریر ہو چکا ہے قرآن شریف کی چند آیات پر نظر ڈالیں کہ کس لطافت و ایجاز سے مسائل کثیرہ
وحدانیت کو قل ودل عبارت میں بیان کرتا ہے اور کس جہد و کوشش سے مسئلہ توحید کو دل میں بٹھاتا ہے اور کیسی فصیح اور مدلل
۴۲۷ تقریر سے توحید الٰہی کو قلوب صافیہ میں منقش کرتا ہے۔ اگر اس کی مانند وید مذکورہ میں شرتیاں موجود ہوں تو پیش کرنی چاہئیں
ورنہ بیہودہ بک بک کرنا اور لاجواب رہ کر پھر خبث اور شر سے باز نہ آنا ان لوگوں کا کام ہے جن لوگوں کو خدا اور ایمانداری
سے کچھ بھی غرض نہیں اور نہ حیا اور شرم سے کچھ سروکار ہے۔ اب یہاں ہم بطور نمونہ بمقابلہ وید کی شرتیوں کے کسی قدر آیات
قرآن شریف جو وحدانیت الٰہی کو بیان کرتے ہیں لکھتے ہیں تا کہ ہر یک کو معلوم ہو جائے کہ وید اور قرآن شریف میں سے
کس کی عبارت میں لطافت اور ایجاز اور زور بیان پایا جاتا ہے اور کس کی عبارت طرح طرح کے شکوک اور شبہات میں
ڈالتی ہے اور فضول اور طول طویل ہے۔ اور آیاتِ ممدوحہ یہ ہیں۔
اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ (البقرہ:۲۵۵) قُلْ هُوَ اللّٰهُ
اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۠﴿۴﴾ (اخلاص:۱ تا ۴) لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ
لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۲) مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ (المومنون:۹۱) قُلِ

ہےؔ جن زبانوں کا ان بندوں کو کچھ بھی علم حاصل نہیں جیسا کہ ہم حاشیہ در حاشیہ نمبر ا میں اس کا ثبوت ۳۴۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کی طرح اوران کے مذاق پر ایک چھوٹا سا قصہ بھی بیان نہ کر سکے اور جہالت کے کیچڑ میں پھنسا رہ جائے اور اگر شک ہے تو اس کو قسم ہے کہ آزما کر دیکھ لے۔ اور ہم خود اس بات کے ذمہ دار ہیں کہ اگر پادری عماد الدین صاحب ہم سے درخواست کریں تو ہم کوئی عربی آدمی بہم پہنچا کر کسی مقررہ تاریخ پر ایک جلسہ کریں گے جس میں چند لائق ہندو ہوں گے اور چند مولوی مسلمان بھی ہوں گے اور عماد الدین صاحب پر لازم ہوگا کہ وہ بھی چند عیسائی بھائی اپنے ساتھ لے آویں اور پھر سب حاضرین کے روبرو اول عماد الدین صاحب کوئی قصہ جو اسی وقت ان کو بتلا دیا جائے گا عربی زبان میں بیان کریں اور پھر وہی قصہ وہ عربی صاحب کہ جو مقابل پر حاضر ہوں گے اپنی زبان میں بیان فرماویں۔ پھر اگر منصفوں نے یہ رائے دے دی کہ عماد الدین صاحب نے ٹھیک ٹھیک عربوں کے مذاق پر عمدہ اور لطیف تقریر کی ہے تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ ان کا اہل زبان پر نکتہ چینی کرنا کچھ جائے تعجب نہیں بلکہ اسی وقت پچاس روپیہ نقد بطور انعام ان کو دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر اس وقت عماد الدین صاحب بجائے فصیح اور بلیغ تقریر کے اپنے ژولیدہ اور غلط بیان کی بدبو پھیلانے لگے یا اپنی رسوائی اور نالیاقتی سے ڈر کر کسی اخبار کے ذریعہ سے یہ اطلاع بھی نہ دی کہ میں ایسے مقابلہ کے لئے حاضر ہوں تو پھر ہم بجز اس کے کہ ۳۶۴
لعنت اللہ علی الکاذبین کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر عماد الدین صاحب تولد ثانی بھی پاویں تب بھی وہ کسی اہل زبان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پھر جس حالت میں وہ عربوں کے سامنے بھی بول نہیں سکتے اور فی الفور گونگا بننے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل:۵۶) اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ (الاعراف: ۱۹۵ تا ۱۹۷) تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل: ۴۴) قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِيُّ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ (یونس: ۶۸) اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۴۲۸
وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ (النساء: ۱۷۱) يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ (النحل: ۵۷) اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿۲۲﴾ (النجم: ۲۱-۲۲) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ (البقرہ: ۲۱-۲۲) وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ (الزخرف: ۸۴) هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ (الحدید: ۳) لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام: ۱۰۳) لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (الشوریٰ: ۱۱) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان: ۲) لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (القصص: ۷۰) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: ۴۸) فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ

دے چکے ہیں تو اس صورت میں کس قدر حماقت ہے کہ یہ خیال کیا جائے کہ اس القا کے خداوند علیم ۳۴۱

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کے لئے طیار ہیں تو پھر ان عیسائیوں اور آریوں کی ایسی سمجھ پر ہزار حیف اور دو ہزار لعنت ہے کہ جو ایسے نادان کی تالیف پر اعتماد کر کے اس بے مثل کتاب کی بلاغت پر اعتراض کرتے ہیں کہ جس نے سید العرب پر نازل ہو کر عرب کے تمام فصیحوں اور بلیغوں سے اپنی عظمت شان کا اقرار کرایا اور جس کے نازل ہونے سے سبعہ معلقہ مکہ کے دروازہ پر سے اتارا گیا اور معلقہ مذکورہ کے شاعروں میں سے جو شاعر اس وقت بقید حیات تھا وہ بلا توقف اس کتاب پر ایمان لایا۔ پھر دوسرا افسوس یہ کہ اس نادان عیسائی کو اب تک یہ بھی خبر نہیں کہ بلاغت حقیقی اس امر میں محدود نہیں کہ قلیل کو کثیر پر ہر جگہ اور ہر محل میں خواہ نخواہ مقدم رکھا جائے۔ بلکہ اصل قاعدہ بلاغت کا یہ ہے کہ اپنے کلام کو واقعی صورت اور مناسبت وقت کا آئینہ بنایا جاوے سو اس جگہ بھی رحمان کو رحیم پر مقدم کرنے میں کلام کو واقعی صورت اور ترتیب کا آئینہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اس ترتیب طبعی کا مفصل ذکر ابھی سورۃ فاتحہ کی آئندہ آیتوں میں آوے گا۔ اور اب ہم سورۃ ممدوحہ کی دوسری آیتوں کو تفصیل سے لکھتے ہیں اور وہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ تمام محامد اس ذات معبود برحق مستجمع جمیع صفات کاملہ کو ثابت ہیں جس کا نام اللہ ہے۔ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ اس ذات کامل کا نام ہے کہ جو معبود برحق اور مستجمع جمیع صفات کاملہ اور تمام رذائل سے منزہ اور واحد لاشریک اور مبدء جمیع فیوض ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک قرآن شریف میں اپنے نام اللہ کو تمام دوسرے اسماء وصفات کا موصوف ٹھہرایا ہے اور کسی جگہ کسی دوسرے اسم کو یہ رتبہ نہیں دیا۔ پس اللہ کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اَحَدًا (الکہف:۱۱۰) لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۣ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:۱۳) وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ (القصص:۸۸) وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل:۲۳) وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا (لقمان:۱۵) وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ (الانعام:۱۷۔۱۸) لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ (الرعد:۱۴) مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (البقرہ:۲۵۵) وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء:۲۸) وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۴۲۹
فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۸۰) اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا (العنکبوت:۱۷) فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج:۳۰) لَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۫ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا (الاعراف:۱۹۵) لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم السجدہ:۳۷) لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (یٰس:۴۰) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم:۹۳) وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ (الانبیاء:۲۹) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (النساء:۱۷۱) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا

مطلق کو ابتدائی زمانہ میں قدرت حاصل نہیں تھی کیونکہ جس حالت میں اس کی غیر محدود قدرت کا اب

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اسم کو بوجہ موصوفیت تامہ ان تمام صفتوں پر دلالت ہے جن کا وہ موصوف ہے اور چونکہ وہ جمیع اسماء اور صفات کا موصوف ہے اس لئے اس کا مفہوم یہ ہوا کہ وہ جمیع صفات کاملہ پر مشتمل ہے۔ پس خلاصہ مطلب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا یہ نکلا کہ تمام اقسام حمد کے کیا باعتبار ظاہر کے اور کیا باعتبار باطن کے اور کیا باعتبار ذاتی کمالات کے اور کیا باعتبار قدرتی عجائبات کے اللہ سے مخصوص ہیں اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اور نیز جس قدر محامد صحیحہ اور کمالات تامہ کو عقل کسی عاقل کی سوچ سکتی ہے یا فکر کسی متفکر کا ٣٦٥ ذہن میں لا سکتا ہے وہ سب خوبیاں اللہ تعالیٰ میں موجود ہیں اور کوئی ایسی خوبی نہیں کہ عقل اس خوبی کے امکان پر شہادت دے۔ مگر اللہ تعالیٰ بدقسمت انسان کی طرح اس خوبی سے محروم ہو بلکہ کسی عاقل کی عقل ایسی خوبی پیش ہی نہیں کر سکتی کہ جو خدا میں نہ پائی جائے۔ جہاں تک انسان زیادہ سے زیادہ خوبیاں سوچ سکتا ہے وہ سب اس میں موجود ہیں اور اس کو اپنی ذات اور صفات اور محامد میں من کل الوجوہ کمال حاصل ہے اور رذائل سے بکلی منزہ ہے۔ اب دیکھو یہ ایسی صداقت ہے جس سے سچا اور جھوٹا مذہب ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تمام مذہبوں پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بجز اسلام دنیا میں کوئی بھی ایسا مذہب نہیں ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کو جمیع رذائل سے منزہ اور تمام محامد کاملہ سے متصف سمجھتا ہو۔ عام ہندو اپنے دیوتاؤں کو کارخانۂ ربوبیت میں شریک سمجھتے ہیں اور خدا کے کاموں میں ان کو مستقل طور پر دخیل قرار دیتے ہیں۔ بلکہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ خدا کے ارادوں کو بدلنے والے اور اس کی تقدیروں کو زیر و زبر کرنے والے ہیں اور نیز ہندو لوگ کئی انسانوں اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۷۴﴾ (الحج: ٧٣-٧٤) اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا (البقرہ: ١٦٥) وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ (الانعام: ١٠٠) وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ (التوبہ: ٣٠-٣١) مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿ؕ۳۵﴾ (مریم: ٣٥) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَ ٤٣٠ النَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ (الحج: ١٧-١٨)

ترجمہ: اللہ جو جامع صفات کاملہ اور مستحق عبادت ہے اس کا وجود بدیہی الثبوت ہے کیونکہ وہ حی بالذّات اور قائم بالذات ہے بجز اس کے کوئی چیز حی بالذات اور قائم بالذات نہیں۔ یعنی اس کے بغیر کسی چیز میں یہ صفت پائی نہیں جاتی کہ بغیر کسی علت موجدہ کے آپ ہی موجود اور قائم رہ سکے یا کہ اس عالم کی جو کمال حکمت اور ترتیب محکم اور موزوں سے بنایا گیا ہے علت موجبہ ہو سکے اور یہ امر اس صانع عالم جامع صفات کاملہ کی ہستی کو ثابت کرنے والا ہے۔ تفصیل اس استدلال لطیف کی

۳۴۲ بھی بدیہی طور پر ثبوت ملتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسی بولیوں کا الہام کر دیتا ہے جن بولیوں سے وہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

دوسرے جانوروں کی نسبت بلکہ بعض ناپاک اور نجاست خوار حیوانات یعنی خنزیر وغیرہ کی نسبت یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی زمانہ میں ان کا پرمیشر ایسی ایسی جونوں میں تولد پاکر ان تمام آلائشوں اور آلودگیوں سے ملوث ہوتا رہا ہے کہ جو ان چیزوں کے عائد حال ہیں اور نیز انہی چیزوں کی طرح بھوک اور پیاس اور درد اور دکھ اور خوف اور غم اور بیماری اور موت اور ذلت اور رسوائی اور عاجزی اور ناتوانی کی آفات میں گرفتار ہوتا رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تمام اعتقادات خدائے تعالیٰ کی خوبیوں میں بٹہ لگاتے ہیں اور اس کے ازلی و ابدی جاہ و جلال کو گھٹاتے ہیں۔ اور آریہ سماج والے جو ان کے مہذب بھائی نکلے ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک وید کی لکیر پر چلتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کو خالقیت سے ہی جواب دیتے ہیں اور تمام روحوں

۳۶۶ کو اس کی ذات کامل کی طرح غیر مخلوق اور واجب الوجود اور موجود بوجود حقیقی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ عقل سلیم خدائے تعالیٰ کی نسبت صریح یہ نقص سمجھتی ہے کہ وہ دنیا کا مالک کہلا کر پھر کسی چیز کا رب اور خالق نہ ہو اور دنیا کی زندگی اس کے سہارے سے نہیں بلکہ اپنے ذاتی وجوب کے رو سے ہو۔ اور جب عقل سلیم کے آگے یہ دونوں سوال پیش کیے جائیں کہ آیا خداوند قادر مطلق کے محامد تامہ کے لئے یہ بات اصلح اور انسب ہے کہ وہ آپ ہی اپنی قدرت کاملہ سے تمام موجودات کو منصۂ ظہور میں لا کر ان سب کا رب اور خالق ہو اور تمام کائنات کا سلسلہ اسی کی ربوبیت تک ختم ہوتا ہو اور خالقیت کی صفت اور قدرت اس کی ذات کامل میں موجود ہو اور پیدائش اور موت کے نقصان سے پاک ہو۔ یا یہ باتیں اس کی شان کے لائق ہیں کہ جس

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

یہ ہے کہ یہ بات بہ بداہت ثابت ہے کہ عالم کے اشیاء میں سے ہر یک موجود جو نظر آتا ہے اس کا وجود اور قیام نظراً علی ذاتہ ضروری نہیں۔ مثلاً زمین کروی الشکل ہے اور قطر اس کا بعض کے گمان کے موافق تخمیناً چار ہزار کوس پختہ ہے مگر اس بات پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ کیوں یہی شکل اور یہی مقدار اس کے لئے ضروری ہے اور کیوں جائز نہیں کہ اس سے زیادہ یا اس سے کم ہو یا برخلاف شکل حاصل کے کسی اور شکل سے متشکل ہو اور جب اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہوئی تو یہ شکل اور یہ مقدار جس کے مجموعہ کا نام وجود ہے زمین کے لئے ضروری نہ ہوا اور علیٰ ہذا القیاس عالم کی تمام اشیاء کا وجود اور قیام غیر ضروری ٹھہرا۔ اور صرف یہی بات نہیں کہ وجود ہر یک ممکن کا نظراً علی ذاتہ غیر ضروری ہے بلکہ بعض صورتیں ایسی نظر آتی ہیں کہ اکثر چیزوں کے معدوم ہونے کے اسباب بھی قائم ہو جاتے ہیں پھر وہ چیزیں معدوم نہیں ہوتیں۔ مثلاً باوجود اس کے کہ سخت سخت

۴۳۱ قحط اور وبا پڑتی ہیں مگر پھر بھی ابتداء زمانہ سے تخم ہر یک چیز کا بچتا چلا آیا ہے حالانکہ عند العقل جائز بلکہ واجب تھا کہ ہزارہا شدائد اور حوادث میں سے جو ابتدا سے دنیا پر نازل ہوتی رہی کبھی کسی دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ شدت قحط کے وقت غلہ جو کہ خوراک انسان کی ہے بالکل مفقود ہو جاتا یا کوئی قسم غلہ کی مفقود ہو جاتی یا کبھی شدت وبا کے وقت نوع انسان کا نام و نشان باقی نہ رہتا یا کوئی اور انواع حیوانات میں سے مفقود ہو جاتے یا کبھی اتفاقی طور پر سورج یا چاند کی کل بگڑ جاتی یا دوسری بےشمار چیزوں سے جو عالم کی درستی نظام کے لئے ضروری ہیں کسی چیز کے وجود میں خلل راہ پا جاتا۔ کیونکہ کروڑہا چیزوں کا اختلال اور فساد سے سالم رہنا اور کبھی ان پر آفت نازل نہ ہونا قیاس ہے ان پر کبھی زوال نہ آنا اور احسن طور پر بہ ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ ان کا وجود اور قیام پایا جانا اور کروڑہا ضروریات عالم میں سے کبھی کسی چیز کا مفقود نہ ہونا صریح اس بات پر نشان ہے کہ ان سب کے لئے ایک محیی اور محافظ اور قیوم ہے جو جامع صفات کاملہ یعنی مدبر اور حکیم اور رحمان اور رحیم اور

بندے نا آشنا محض ہیں اور جن کو نہ انہوں نے اپنے ماں باپ سے سیکھا اور نہ کسی استاد سے تعلیم پائی تو

بقیہ حاشیہ نمبر 11

قدر مخلوقات اس کے قبضۂ تصرف میں ہے یہ چیزیں اس کی مخلوق نہیں ہیں اور نہ اس کے سہارے سے اپنا وجود رکھتی ہیں اور
نہ اپنے وجود اور بقا میں اس کی محتاج ہیں اور نہ وہ ان کا خالق اور رب ہے اور نہ خالقیت کی صفت اور قدرت اس میں پائی
جاتی ہے اور نہ پیدائش اور موت کے نقصان سے پاک ہے، تو ہرگز عقل یہ فتویٰ نہیں دیتی کہ وہ جو دنیا کا مالک ہے وہ دنیا کا
پیدا کنندہ نہیں اور ہزاروں پُرحکمت صفتیں کہ جو روحوں اور جسموں میں پائی جاتی ہیں وہ خودبخود ہیں اور ان کا بنانے والا کوئی
نہیں، اور خدا جو ان سب چیزوں کا مالک کہلاتا ہے وہ فرضی طور پر مالک ہے اور نہ یہ فتویٰ دیتی ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے
عاجز سمجھا جاوے یا ناطاقت اور ناقص ٹھہرایا جاوے یا پلیدی اور نجاست خواری کی نالائق اور قبیح عادت کو اس کی طرف
منسوب کیا جاوے یا موت اور درد اور دکھ اور بے علمی اور جہالت کو اس پر روا رکھا جائے۔ بلکہ صاف یہ شہادت دیتی ہے کہ
خدائے تعالیٰ ان تمام رذیلتوں اور نقصانوں سے پاک ہونا چاہیے اور اس میں کمال تام چاہیے اور کمال تام قدرت تام سے
مشروط ہے۔ اور جب خدائے تعالیٰ میں قدرت تام نہ رہی اور نہ وہ کسی دوسری چیز کو پیدا کر سکا اور نہ اپنی ذات کو ہر یک قسم
کے نقصان اور عیب سے بچا سکا تو اس میں کمال تام بھی نہ رہا اور جب کمال تام نہ رہا تو محامد کاملہ سے وہ بے نصیب رہا۔
یہ ہندوؤں اور آریوں کا حال ہے اور جو کچھ عیسائی لوگ خدائے تعالیٰ کا جلال ظاہر کر رہے ہیں وہ ایک ایسا امر ہے کہ صرف ٣٦٧
ایک ہی سوال سے دانا انسان سمجھ سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی دانا سے پوچھا جائے کہ کیا اس ذات کامل اور قدیم اور غنی اور بے نیاز

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اپنی ذات میں ازلی ابدی اور ہر یک نقصان سے پاک ہے۔ جس پر کبھی موت اور فنا طاری نہیں ہوتی بلکہ اونگھ اور نیند سے بھی
جو فی الجملہ موت سے مشابہ ہے پاک ہے۔ سو وہی ذات جامع صفات کاملہ ہے جس نے اس عالم امکانی کو برعایت کمال
حکمت و موزونیت وجود عطا کیا اور ہستی کو نیستی پر ترجیح بخشی اور وہی بوجہ اپنی کمالیت اور خالقیت اور ربوبیت اور قیومیت
کے مستحق عبادت ہے۔ یہاں تک تو ترجمہ اس آیت کا ہوا اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ؕ لَہٗ
مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ۔ اب بنظر انصاف دیکھنا چاہیے کہ کس بلاغت اور لطافت اور متانت اور حکمت سے اس
آیت میں وجود صانع عالم پر دلیل بیان فرمائی ہے اور کس قدر تھوڑے لفظوں میں معانی کثیرہ اور لطائف حکمیہ کو کوٹ کوٹ
کر بھر دیا ہے اور مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ کے لئے ایسی محکم دلیل سے وجود ایک خالق کامل الصفات کا ثابت کر ٤٣٢
دکھایا ہے جس کے کامل اور محیط بیان کے برابر کسی حکیم نے آج تک کوئی تقریر بیان نہیں کی بلکہ حکماء ناقص الفہم نے ارواح
اور اجسام کو حادث بھی نہیں سمجھا اور اس راز دقیق سے بے خبر رہے کہ حیات حقیقی اور ہستی حقیقی اور قیام حقیقی صرف خدا ہی کے
لئے مسلم ہے۔ یہ عمیق معرفت اسی آیت سے انسان کو حاصل ہوتی ہے جس میں خدا نے فرمایا کہ حقیقی طور پر زندگی اور بقاء
زندگی صرف اللہ کے لئے حاصل ہے جو جامع صفات کاملہ ہے۔ اس کے بغیر کسی دوسری چیز کو وجود حقیقی اور قیام حقیقی حاصل
نہیں اور اسی بات کو صانع عالم کی ضرورت کے لئے دلیل ٹھہرایا اور فرمایا لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ یعنی جبکہ عالم
کے لئے نہ حیات حقیقی حاصل ہے نہ قیام حقیقی تو بالضرور اس کو ایک علت موجبہ کی حاجت ہے جس کے ذریعہ سے اس کو
حیات اور قیام حاصل ہوا۔ اور ضرور ہے کہ ایسی علت موجبہ جامع صفاتِ کاملہ اور مدبر بالا رادہ اور حکیم اور عالم الغیب ہو۔
سو وہی اللہ ہے۔ کیونکہ اللہ بموجب اصطلاح قرآن شریف کے اس ذات کا نام ہے جو مستجمع کمالاتِ تامہ ہے۔ اسی وجہ سے

۳۴۳ پھر کیا وجہ کہ ابتدآءِ پیدائش میں جو عین حاجت کا زمانہ ہے انسان کو بولیاں تعلیم کرنا خدائے تعالیٰ کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کی نسبت جائز ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ اپنے تمام عظیم الشان کاموں میں جو قدیم سے وہ کرتا رہا ہے آپ ہی کافی ہو۔ آپ ہی بغیر حاجت کسی باپ یا بیٹے کے تمام دنیا کو پیدا کیا ہو اور آپ ہی تمام روحوں اور جسموں کو وہ قوتیں بخشی ہوں جن کی انہیں حاجت ہے اور آپ ہی تمام کائنات کا حافظ اور قیوم اور مدبر ہو بلکہ ان کے وجود سے پہلے جو کچھ ان کو زندگی کے لئے درکار تھا وہ سب اپنی صفت رحمانیت سے ظہور میں لایا اور بغیر انتظار عمل کسی عامل کے سورج اور چاند اور بے شمار ستارے اور زمین اور ہزارہا نعمتیں جو زمین پر پائی جاتی ہیں محض اپنے فضل وکرم سے انسانوں کے لئے پیدا کی ہوں اور ان سب کاموں میں کسی بیٹے کا محتاج نہ ہوا ہو لیکن پھر وہی کامل خدا آخری زمانہ میں اپنا تمام جلال اور اقتدار کالعدم کر کے مغفرت اور نجات دینے کیلئے بیٹے کا محتاج ہو جائے اور پھر بیٹا بھی ایسا ناقص بیٹا جس کو باپ سے کچھ بھی مناسبت نہیں۔ جس نے باپ کی طرح نہ کوئی گوشہ آسمان کا اور نہ کوئی قطعہ زمین کا پیدا کیا جس سے اس کی الوہیت ثابت ہو۔ بلکہ مرقس کے ۸ باب ۱۲ آیت میں اس کی عاجزانہ حالت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ''اس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا کہ اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔'' اور اس کے مصلوب ہونے کے وقت بھی یہودیوں نے کہا کہ اگر وہ اب ہمارے روبرو زندہ ہو جائے تو ہم ایمان لائیں گے لیکن اس نے ان کو زندہ ہو کر نہ دکھلایا اور اپنی خدائی اور قدرت کاملہ کا ایک ذرہ ثبوت نہ دیا۔ اور اگر بعض معجزات بھی دکھلائے تو وہ دکھلائے کہ اس سے پہلے ۳۶۸

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

قرآن شریف میں اللہ کے اسم کو جمیع صفات کاملہ کا موصوف ٹھہرایا ہے اور جا بجا فرمایا ہے کہ اللہ وہ ہے کہ جو کہ رب العالمین ہے، رحمان ہے، رحیم ہے، مدبر بالارادہ ہے، حکیم ہے، عالم الغیب ہے، قادر مطلق ہے، ازلی ابدی ہے وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ قرآن شریف کی ایک اصطلاح ٹھہر گئی ہے کہ اللہ یک ذات جامع جمیع صفات کاملہ کا نام ہے۔ اسی جہت سے اس آیت کے سر پر بھی اللہ کا اسم لائے اور فرمایا اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۔ یعنی اس عالم بے ثبات کا قیوم ذات جامع الکمالات ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ عالم جس ترتیب محکم اور ترکیب ابلغ سے موجود اور مترتب ہے اس کے لئے یہ گمان کرنا باطل ہے کہ انہیں چیزوں میں سے بعض چیزیں بعض کے لئے علت موجبہ ہو سکتی ہیں بلکہ اس حکیمانہ کام کے لئے جو سراسر حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ ایک ایسے صانع کی ضرورت ہے جو اپنی ذات میں مدبر بالارادہ اور حکیم اور علیم اور رحیم اور غیر فانی اور تمام صفات کاملہ سے متصفؔ ہو۔ سو وہی اللہ ہے جس کو اپنی ذات میں کمال تام حاصل ہے۔ پھر بعد ۴۳۳
ثبوت وجود صانع عالم کے طالب حق کو اس بات کا سمجھانا ضروری تھا کہ وہ صانع ہر یک طور کی شرکت سے پاک ہے۔ سو اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اس اقل عبارت کو جو بقدر ایک سطر بھی نہیں دیکھنا چاہیے کہ کس لطافت اور عمدگی سے ہر یک قسم کی شراکت سے وجود حضرت باری کا منزہ ہونا بیان فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شرکت از روئے حصر عقلی چار قسم پر ہے۔ کبھی شرکت عدد میں ہوتی ہے اور کبھی مرتبہ میں اور کبھی نسب میں اور کبھی فعل اور تاثیر میں۔ سو اس سورۃ میں ان چاروں قسموں کی شرکت سے خدا کا پاک ہونا بیان فرمایا اور کھول کر بتلا دیا کہ وہ اپنے عدد میں ایک ہے۔ دو یا تین نہیں۔ اور وہ صمد ہے یعنی اپنے مرتبۂ وجوب اور محتاج الیہ ہونے میں منفرد اور یگانہ ہے اور بجز اس کے تمام چیزیں ممکن الوجود اور ہالک الذات ہیں جو اس کی طرف ہر دم محتاج ہیں۔ اور وہ لَمۡ یَلِدۡ ہے یعنی اس کا کوئی بیٹا نہیں تا بوجہ بیٹا ہونے

قدرت کاملہ سے بعید خیال کیا جائے اور کیوں خدا کو کمزور اور عاجز ٹھہرا کر انسان پر اس قدر مصیبتیں

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور نبی بکثرت دکھلا چکے تھے۔ بلکہ اسی زمانہ میں ایک حوض کے پانی سے بھی ایسے ہی عجائبات ظہور میں آتے تھے (دیکھو باب پنجم انجیل یوحنا)۔غرض وہ اپنے خدا ہونے کا کوئی نشان دکھلا نہ سکا جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں خود اس کا اقرار موجود ہے۔ بلکہ ایک ضعیفہ عاجزہ کے پیٹ سے تولد پا کر (بقول عیسائیوں) وہ ذلت اور رسوائی اور ناتوانی اور خواری عمر بھر دیکھی کہ جو انسانوں میں سے وہ انسان دیکھتے ہیں کہ جو بدقسمت اور بے نصیب کہلاتے ہیں اور پھر مدت تک ظلمت خانہ رحم میں قیدرہ کر اور اس ناپاک راہ سے کہ جو پیشاب کی بدررَو ہے پیدا ہو کر ہر یک قسم کی آلودہ حالت کو اپنے اوپر وارد کر لیا اور بشری آلودگیوں اور نقصانوں میں سے کوئی ایسی آلودگی باقی نہ رہی جس سے وہ بیٹا باپ کا بدنام کنندہ ملوث نہ ہو۔اور پھر اس نے اپنی جہالت اور بےعلمی اور بے قدرتی اور نیز اپنے نیک نہ ہونے کا اپنی کتاب میں آپ ہی اقرار کر لیا اور پھر درصورتیکہ وہ عاجز بندہ کہ خواہ نخواہ خدا کا بیٹا قرار دیا گیا بعض بزرگ نبیوں سے فضائل علمی اور عملی میں کم بھی تھا اور اس کی تعلیم بھی ایک ناقص تعلیم تھی کہ جو موسیٰ کی شریعت کی ایک فرع تھی تو پھر کیونکر جائز ہے کہ خداوند قادر مطلق اور ازلی اور ابدی پر یہ بہتان باندھا جاوے کہ وہ ہمیشہ اپنی ذات میں کامل اور غنی اور قادر مطلق رہ کر آخر کار ایسے ناقص بیٹے کا محتاج ہو گیا اور اپنے سارے جلال اور بزرگی کو بہ یکبارگی کھو دیا۔ میں ہرگز باور نہیں کرتا کہ کوئی دانا اس ذات کامل کی نسبت کہ جو مستجمع جمیع صفات کاملہ ہے ایسی ایسی ذلتیں جائز رکھے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ابن مریم کے واقعات کو فضول اور بیہودہ تعریفوں سے الگ

بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3:

کے اس کا شریک ٹھہر جائے اور وہ لَمۡ یُوۡلَدۡ ہے یعنی اس کا کوئی باپ نہیں تا بوجہ باپ ہونے کے اس کا شریک بن جائے اور وہ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا ہے یعنی اس کے کاموں میں کوئی اس سے برابری کرنے والا نہیں تا باعتبار فعل کے اس کا شریک قرار پاوے۔ سو اس طور سے ظاہر فرما دیا کہ خدائے تعالیٰ چاروں قسم کی شرکت سے پاک اور منزہ ہے اور وحدہ لاشریک ہے۔ پھر بعد اس کے اس کے وحدہ لاشریک ہونے پر ایک عقلی دلیل بیان فرمائی اور کہا: لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء: ۲۳) وَّ مَا کَانَ مَعَہٗ مِنۡ اِلٰہٍ (المومنون: ۹۱) یعنی اگر زمین و آسمان میں بجز اس ایک ذات جامع صفات کاملہ کے کوئی اور بھی خدا ہوتا تو وہ دونوں بگڑ جاتے۔ کیونکہ ضرور تھا کہ کبھی وہ جماعت خدائیوں کی ایک دوسرے کے برخلاف کام کرتے۔ پس اسی پھوٹ اور اختلاف سے عالم میں فساد راہ پاتا اور نیز اگر الگ الگ خالق ہوتے تو ہر واحد ان میں سے اپنی ہی مخلوق کی بھلائی چاہتا اور ان کے آرام کے دوسروں کا برباد کرنا روا رکھتا۔ پس یہ بھی موجب فساد عالم ٹھہرتا یہاں تک تو
دلیل لمی سے خدا کا واحد لاشریک ہونا ثابت کیا۔ پھر بعد اس کے خدا کے وحدہٗ لاشریک ہونے پر دلیل اِنّی بیان فرمائی اور ۴۳۴
کہا: قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ فَلَا یَمۡلِکُوۡنَ کَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡکُمۡ وَ لَا تَحۡوِیۡلًا ﴿۵۶﴾ (بنی اسرائیل: ۵۶) یعنی مشرکین اور منکرین وجود حضرت باری کو کہہ کہ اگر خدا کے کارخانہ میں کوئی اور لوگ بھی شریک ہیں یا اسباب موجودہ ہی کافی ہیں تو اس وقت کہ تم اسلام کے دلائل حقیت اور اس کی شوکت اور قوت کے مقابلہ پر مقہور ہو رہے ہو ان اپنے شرکاء کو مدد کے لئے بلاؤ۔ اور یاد رکھو کہ وہ ہرگز تمہاری مشکل کشائی نہ کریں گے اور نہ بلا کو تمہارے سر پر سے ٹال سکیں گے۔ اے رسول ان مشرکین کو کہہ کہ تم اپنے شرکاء کو جن کی پرستش کرتے ہو میرے مقابلہ پر بلاؤ۔ اور جو تدبیری میرے مغلوب کرنے کے لئے کر سکتے ہو وہ سب تدبیریں کرو اور مجھے ذرا مہلت مت دو۔ اور یہ بات سمجھ رکھو کہ میرا حامی اور ناصر اور کارساز وہ خدا

۳۴۴ ڈالی جائیں جن کی تفصیل میں یہ بیان کیا جائے کہ انسان پیدا ہو کر پھر ایک مدت دراز تک گونگا اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کرلیا جائے تو انجیلوں سے اس کے واقعی حالت کا یہی خلاصہ نکلتا ہے کہ وہ ایک عاجز اور ضعیف اور ناقص بندہ یعنی جیسے کہ
۳۶۹ بندے ہوا کرتے ہیں اور حضرت موسیٰ کے ماتحت نبیوں میں سے ایک نبی تھا اور اس بزرگ اور عظیم الشان رسول کا ایک تابع
اور پس رو تھا اور خود اس بزرگی کو ہرگز نہیں پہنچا تھا۔ یعنی اس کی تعلیم ایک اعلیٰ تعلیم کی فرع تھی مستقل تعلیم نہ تھی۔ اور وہ خود انجیلوں میں اقرار کرتا ہے کہ میں نہ نیک ہوں اور نہ عالم الغیب ہوں نہ قادر ہوں بلکہ ایک بندہ عاجز ہوں۔ اور انجیل کے بیان سے ظاہر ہے کہ اس نے گرفتار ہونے سے پہلے کئی دفعہ رات کے وقت اپنے بچاؤ کے لئے دعا کی اور چاہتا تھا کہ دعا اس کی قبول ہو جائے مگر اس کی وہ دعا قبول نہ ہوئی اور نیز جیسے عاجز بندے آزمائے جاتے ہیں وہ شیطان سے آزمایا گیا۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ وہ ہر طرح عاجز ہی عاجز تھا۔ مخرج معلوم کی راہ سے جو پلیدی اور ناپاکی کا مبرز ہے تولد پا کر مدت تک بھوک اور پیاس اور درد اور بیماری کا دکھ اٹھاتا رہا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ بھوک کے دکھ سے ایک انجیر کے نیچے گیا۔ مگر چونکہ انجیر پھلوں سے خالی پڑی ہوئی تھی اس لئے محروم رہا اور یہ بھی نہ ہو سکا کہ دو چار انجیریں اپنے کھانے کے لئے پیدا کرلیتا۔ غرض ایک مدت تک ایسی ایسی آلودگیوں میں رہ کر اور ایسے ایسے دکھ اٹھا کر بہ اقرار عیسائیوں کے مر گیا اور اس جہان سے اٹھایا گیا۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا خداوند قادر مطلق کی ذات میں ایسی ہی صفات ناقصہ ہونی چاہئیں۔ کیا وہ اسی سے قدوس اور ذوالجلال کہلاتا ہے کہ وہ ایسے عیبوں اور نقصانوں سے بھرا ہوا ہے اور کیا ممکن ہے کہ ایک ہی ماں یعنی مریم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہے جس نے قرآن کو نازل کیا ہے اور وہ اپنے سچے اور صالح رسولوں کی آپ کارسازی کرتا ہے۔ مگر جن چیزوں کو تم لوگ اپنی مدد کے لئے پکارتے ہو وہ ممکن نہیں ہے جو تمہاری مدد کر سکیں اور نہ کچھ اپنی مدد کر سکتے ہیں۔ پھر بعد اس کے خدا کا ہر یک نقصان اور عیب سے پاک ہونا قانونِ قدرت کے رو سے ثابت کیا اور فرمایا: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهِنَّ (بنی اسرائیل: ۴۴) یعنی ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے خدا کی تقدیس کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی تقدیس نہیں کرتی پر تم ان کی تقدیسوں کو سمجھتے نہیں۔ یعنی زمین آسمان پر نظر غور کرنے سے خدا کا کامل اور مقدس ہونا اور بیٹوں اور شریکوں سے پاک ہونا ثابت ہو رہا ہے، مگر ان کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ پھر بعد اس کے جزی طور پر مخلوق پرستوں کو ملزم کیا اور ان کا خطا پر ہونا ظاہر فرمایا اور کہا: قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ هُوَ الۡغَنِيُّ (یونس: ۶۸) یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا بیٹا رکھتا ہے حالانکہ بیٹے کا محتاج ہونا ایک نقصان ہے اور خدا ہر یک نقصان سے پاک ہے۔ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے جس کو کسی کی حاجت نہیں۔ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب اسی کا ہے کیا تم خدا پر ایسا بہتان لگاتے ہو جس کی
۴۳۵ تائید میں تمہارے پاس کسی نوع کا علم نہیں۔ خدا کیوں بیٹوں کا محتاج ہونے لگا۔ وہ کامل ہے اور فرائض الوہیت کے ادا
کرنے کے لئے وہ ہی اکیلا کافی ہے کسی اور منصوبہ کی حاجت نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا بیٹیاں رکھتا ہے حالانکہ وہ ان سب نقصانوں سے پاک ہے۔ کیا تمہارے لئے بیٹے اور اس کے لئے بیٹیاں۔ یہ تو ٹھیک تقسیم نہ ہوئی۔ اے لوگو! تم اس خدائے واحد لاشریک کی پرستش کرو جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ چاہیے کہ تم اس قادر توانا سے ڈرو جس نے زمین کو تمہارے لئے بچھونا اور آسمان کو تمہارے لئے چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتار کر طرح طرح کے رزق تمہارے لئے پھلوں میں سے پیدا کیے۔ سو تم دیدہ دانستہ انہیں چیزوں کو خدا کا شریک مت ٹھہراؤ جو تمہارے فائدہ کے

بے زبان رہا اور اس بدبختی کے زمانہ میں بصد دقت و مصیبت صرف اشارات سے کام نکالتا رہا اور جو ۳۴۵

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کے پیٹ میں سے پانچ بچے پیدا ہو کر ایک بچہ خدا کا بیٹا بلکہ خدا بن گیا اور چار باقی جو رہے ان بیچاروں کو خدائی سے کچھ بھی حصہ نہ ملا۔ بلکہ قیاس یہ چاہتا تھا کہ جبکہ کسی مخلوق کے پیٹ سے خدا بھی پیدا ہو سکتا ہے یہ نہیں کہ ہمیشہ آدمی سے آدمی اور گدھی سے گدھا پیدا ہو تو جہاں کہیں کسی عورت کے پیٹ سے خدا پیدا ہو تو پھر اس پیٹ سے کوئی مخلوق پیدا نہ ہو بلکہ جس قدر بچے پیدا ہوتے جائیں وہ سب خدا ہی ہوں تا وہ پاک رحم مخلوق کے شرکت سے منزہ رہے اور فقط خداؤں ہی کے پیدا ہونے کی ایک کان ہو۔ پس قیاس متذکرہ بالا کے رو سے لازم تھا کہ حضرت مسیح کے دوسرے بھائی اور بہن بھی کچھ نہ کچھ خدائی میں سے بخرہ پاتے اور ان پانچوں حضرات کی والدہ تو رب الارباب ہی کہلاتی۔ کیونکہ یہ پانچوں حضرات روحانی اور
۳۷۰ جسمانی قوتوں میں اسی سے فیضیاب ہیں۔ عیسائیوں نے ابن مریم کی بیجا تعریفوں میں بہت سا افترا بھی کیا مگر پھر بھی اس کے نقصانوں کو چھپا نہ سکے اور اس کی آلودگیوں کا آپ اقرار کر کے پھر خواہ نخواہ اس کو خدائے تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ یوں تو عیسائی اور یہودی اپنی عجیب کتابوں کے رو سے سب خدا کے بیٹے ہی ہیں بلکہ ایک آیت کے رو سے آپ ہی خدا ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بدھ مت والے اپنے افترا اور اختراع میں ان سے اچھے رہے کیونکہ انہوں نے بدھ کو خدا ٹھہرا کر پھر ہرگز اس کے لئے یہ تجویز نہیں کیا کہ اس نے پلیدی اور ناپاکی کی راہ سے تولد پایا تھا یا کسی قسم کی نجاست کھائی تھی۔ بلکہ ان کا بدھ کی نسبت یہ اعتقاد ہے کہ وہ منہ کے راستہ سے پیدا ہوا تھا۔ پر افسوس عیسائیوں نے بہت سی جعلسازیاں تو کیں مگر یہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

لئے بنائی گئی ہیں۔ خدا ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی آسمان میں خدا ہے اور وہی زمین میں خدا۔ وہی اول ہے اور وہی آخر۔ وہی ظاہر ہے وہی باطن۔ آنکھیں اس کی کنہ دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور اس کو آنکھوں کی کنہ معلوم ہے۔ وہ سب کا خالق ہے اور کوئی چیز اس کی مانند نہیں اور اس کے خالق ہونے پر یہ دلیل واضح ہے کہ ہر یک چیز کو ایک اندازۂ مقرری میں محصور اور محدود پیدا کیا ہے جس سے وجود اس ایک حاصر اور محدّد کا ثابت ہوتا ہے اس کے لئے تمام محامد ثابت ہیں۔ اور دنیا و آخرت میں وہی منعم حقیقی ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر یک حکم ہے اور وہی تمام چیزوں کا مرجع و مآب ہے۔ خدا ہر یک گناہ کو بخش دے گا جس کے لئے چاہے گا۔ پر شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ سو جو شخص خدا کی ملاقات کا طالب ہے اسے لازم ہے کہ ایسا عمل اختیار کرے جس میں کسی نوع کا فساد نہ ہو اور کسی چیز کو خدا کی بندگی میں شریک نہ کرے۔ تو خدا کے ساتھ کسی دوسری چیز کو ہرگز شریک مت ٹھہراؤ۔ خدا کا شریک ٹھہرنا سخت ظلم ہے۔ تو بجز خدا کے کسی اور سے مرادیں مت
۴۳۶ مانگ۔ سب ہلاک ہو جائیں گے ایک اسی کی ذات باقی رہ جاوے گی۔ اسی کے ہاتھ میں حکم ہے اور وہی تمہارا مرجع ہے۔ تیرے خدا نے یہ چاہا ہے کہ تو فقط اسی کی بندگی کر اور اپنے ماں باپ سے احسان کرتا وہ اور اگر تجھے اس بات کی طرف بہکاویں کہ تو میرے ساتھ کسی اور کو شریک ٹھہراوے تو ان کا کہا مت مان۔ اگر تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو بجز خدا اور کوئی تیرا یار نہیں کہ اس تکلیف کو دور کرے۔ اور اگر تجھے کچھ بھلائی پہنچے تو ہر یک بھلائی کے پہنچانے پر خدا ہی قادر ہے کوئی دوسرا نہیں۔ اسی کا تمام بندوں پر تسلط اور تصرف ہے اور وہی صاحب حکمت کاملہ اور ہر یک چیز کی حقیقت سے آگاہ ہے۔ تمام حاجتوں کو اس سے مانگنا چاہیے اور جو لوگ بجز اس کے اور اور چیزوں سے اپنی حاجت مانگتے ہیں وہ چیزیں ان کی دعاؤں کا کچھ جواب نہیں دیتیں۔ ایسے لوگوں کی یہ مثال ہے جیسے کوئی پانی کی طرف دونوں ہاتھ پھیلا کر کہے کہ اے پانی میرے منہ میں

لمبی تقریریں یا باریک باتیں اشارات سے ادا نہ ہوسکیں ان کے ادا کرنے سے قاصر رہ کر ان

بقیہ حاشیہ نمبر 11

جعلسازی نہ سوجھی کہ مسیح کو بھی منہ کے راستہ سے ہی پیدا کرتے اوراپنے خدا کو پیشاب اور پلیدی سے بچاتے اور نہ یہ سوجھی کہ موت جو حقیقت الوہیت سے بکلی منافی ہے اس پر وارد نہ کرتے اور نہ یہ خیال آیا کہ جہاں مریم کے بیٹے نے انجیلوں میں اقرار کیا ہے کہ میں نہ نیک ہوں اور نہ دانا مطلق ہوں، نہ خود بخود آیا ہوں، نہ عالم الغیب ہوں، نہ قادر ہوں، نہ دعا کی قبولیت میرے ہاتھ میں ہے۔ میں صرف ایک عاجز بندہ اور مسکین آدم زاد ہوں کہ جو ایک مالک رب العالمین کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ ان سب مقاموں کو انجیل سے نکال ڈالنا چاہیے۔ اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو عظیم الشان صداقت الحمد للہ کے مضمون میں ہے وہ بجز پاک اور مقدس مذہب اسلام کے کسی دوسرے مذہب میں ہرگز پائی نہیں جاتی لیکن اگر برہمو لوگ کہیں کہ صداقت مذکورہ بالا کے ہم قائل ہیں تو جاننا چاہیے کہ وہ بھی اپنے اس بیان میں جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ہم اسی مضمون میں لکھ چکے ہیں کہ برہمو لوگ خدائے تعالیٰ کے لیے گونگا اور غیر متکلم ہونا اور نطق پر ہرگز قادر نہ ہونا اور اپنے علوم کے القا اور
الہام سے عاجز ہونا تجویز کرتے ہیں اور جو حقیقی اور کامل ہادی میں صفات کاملہ ہونی چاہئیں ان صفات سے اس کو خالی سمجھتے ۳۷۱
ہیں۔ بلکہ اس قدر ایمان بھی انہیں نصیب نہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد رکھیں کہ اپنی ہستی اور الوہیت کو اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے دنیا میں ظاہر کیا ہے۔ برخلاف اس کے وہ تو یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ایک مردہ یا ایک پتھر کی طرح کسی گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا تھا۔ عقلمندوں نے آپ محنتیں کر کے اس کے وجود کا پتہ لگایا اور اس کی خدائی کو دنیا میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

آجا۔ سو ظاہر ہے کہ پانی میں یہ طاقت نہیں کہ کسی کی آواز سنے اور خود بخود اس کے منہ میں پہنچ جائے۔ اسی طرح مشرک لوگ بھی اپنے معبودوں سے عبث طور پر مدد طلب کرتے ہیں جس پر کوئی فائدہ مترتب نہیں ہوسکتا۔ گو کوئی مقرب الٰہی ہو مگر کسی کی مجال نہیں کہ خواہ نخواہ سفارش کر کے کسی مجرم کو رہا کراوے۔ خدا کا علم ان کے پیش و پس پر محیط ہو رہا ہے۔ اور ان کو خدا کے علوم سے صرف اسی قدر اطلاع ہوتی ہے جن باتوں پر وہ آپ مطلع کرے اس سے زیادہ نہیں۔ اور وہ خدائے تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں اور خدا کے تمام کامل نام اسی سے مخصوص ہیں اور ان میں شرکت غیر کی جائز نہیں۔ سو خدا کو انہیں ناموں سے پکارو جو بلا شرکت غیرے ہیں۔ یعنی نہ مخلوقات ارضی وسماوی کے نام خدا کے لئے وضع کرو اور نہ خدا کے نام مخلوق چیزوں
پر اطلاق کرو۔ اور ان لوگوں سے جدا رہو جو کہ خدا کے ناموں میں شرکت غیر جائز رکھتے ہیں عنقریب وہ اپنے کاموں کا بدلہ ۴۳۷
پائیں گے۔ تم اے مشرکو بجز خدا کے صرف بے جان بتوں کی پرستش کرتے ہو اور سراسر جھوٹ پر جم رہے ہو۔ سو اس پلیدی سے جو بت ہیں پرہیز کرو اور دروغگوئی سے باز آؤ۔ کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں۔ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں۔ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں۔ کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں۔ اور تم سورج اور چاند کو بھی مت سجدہ کرو اور اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ اگر حقیقی طور پر خدا کے پرستار ہو تو اسی خالق کی پرستش کرو نہ کہ مخلوق کی۔ سورج کو یہ طاقت نہیں کہ چاند کی جگہ پہنچ جائے اور نہ رات دن پر سبقت کرسکتی ہے۔ کوئی ستارہ اپنے فلک مقرری سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ زمین آسمان میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو مخلوق اور بندۂ خدا ہونے سے باہر ہو۔ اور اگر کوئی کہے کہ میں بھی بمقابلہ خدائے تعالیٰ ایک خدا ہوں تو ایسے شخص کو ہم واصل جہنم کریں اور ظالموں کو ہم یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ سو تم خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ اور یہ مت کہو کہ تین ہیں باز آجاؤ یہی

نقصانوں کو اٹھاتا رہا کہ جو ان تقریروں کی عدم تفہیم اور تفہم سے عائد حال ہوتی ضروری تھی اور باوجود ٣٤٦

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مشہور کیا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ بھی مثل اپنے اور بھائیوں کے محامد کاملہ حضرت احدیت سے منکر ہیں بلکہ جن تعریفوں سے اس
کو یاد کرنا چاہیے وہ تمام تعریفیں اپنے نفس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ مٰلِكِ يَوْمِ
الدِّيْنِ اس جگہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی چار صفتیں بیان فرمائیں یعنی رب العالمین، رحمان، رحیم، مالک یوم الدین
اوران چہار صفتوں میں سے رب العالمین کو سب سے مقدم رکھا اور پھر بعد اس کے صفت رحمان کو ذکر کیا پھر صفت رحیم کو
بیان فرمایا۔ پھر سب کے اخیر صفت مالک یوم الدین کو لائے۔ پس سمجھنا چاہیے کہ یہ ترتیب خدائے تعالیٰ نے کیوں اختیار
کی۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ ان صفات اربعہ کی ترتیب طبعی یہی ہے اور اپنی واقعی صورت میں اسی ترتیب سے یہ صفتیں ظہور
پذیر ہوتی ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا پر خدا کا چار طور پر فیضان پایا جاتا ہے۔ غور کرنے سے ہر یک عاقل اس کو سمجھ سکتا
ہے۔ پہلا فیضان...... **فیضان اعم** ہے۔ یہ وہ فیضان **مطلق** ہے کہ جو بلاتمیز ذی روح وغیر ذی روح افلاک سے لے کر
خاک تک تمام چیزوں پر علی الاتصال جاری ہے اور ہر یک چیز کا عدم سے صورت وجود پکڑنا اور پھر وجود کا حد کمال تک پہنچنا
اسی فیضان کے ذریعہ سے ہے اور کوئی چیز جاندار ہو یا غیر جاندار اس سے باہر نہیں۔ اسی سے وجود تمام ارواح و اجسام ظہور ٣٤٧
پذیر ہوا اور ہوتا ہے اور ہر یک چیز نے پرورش پائی اور پاتی ہے۔ یہی فیضان تمام کائنات کی جان ہے۔ اگر ایک لمحہ منقطع
ہو جائے تو تمام عالم نابود ہو جائے۔ اور اگر نہ ہوتا تو مخلوقات میں سے کچھ بھی نہ ہوتا۔ اس کا نام قرآن شریف میں ربوبیت

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تمہارے لئے بہتر ہے۔ اے لوگو! ایک مثال ہے تم غور کر کے سنو جن چیزوں سے تم مرادیں مانگتے ہو وہ چیزیں تو ایک مکھی
بھی پیدا نہیں کر سکتیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین لے تو اس سے چھڑا نہیں سکتیں۔ طالب بھی ضعیف ہیں اور مطلوب بھی
ضعیف۔ یعنی مخلوق چیزوں سے مرادیں مانگنے والے ضعیف العقل ہیں اور مخلوق چیزیں جو معبود ٹھہرائی گئیں وہ ضعیف
القدرت ہیں۔ مشرک لوگوں نے جیسا چاہیے تھا خدا کو شاخت نہیں کیا وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ گویا خدا کا کارخانہ بغیر دوسرے
شرکاء کے چل نہیں سکتا۔ حالانکہ خدا اپنی ذات میں صاحب قوت تامہ اور غلبہ کاملہ ہے۔ تمام قوتیں اسی کے لئے خاص ہیں
اور مشرک لوگ ایسے نادان ہیں کہ جنات کو خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور اس کے لئے بغیر کسی علم اور اطلاع حقیقت حال ٣٤٨
کے بیٹے اور بیٹیاں تراش رکھی ہیں اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ مسیح کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں۔ یہ سب ان
کے منہ کی باتیں ہیں جن کی صداقت پر کوئی حجت قائم نہیں کر سکتے بلکہ صرف پہلے زمانہ کے مشرکوں کی ریس کر رہے ہیں۔
ملعونوں نے سچائی کا راستہ کیسا چھوڑ دیا۔ اپنے فقیہوں اور درویشوں اور مریم کے بیٹے کو خدا ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ حکم یہ تھا کہ
فقط خدائے واحد کی پرستش کرو۔ خدا اپنی ذات میں کامل ہے اس کو کچھ حاجت نہیں کہ بیٹا بناوے۔ کون سی کسر اس کی ذات
میں رہ گئی تھی جو بیٹے کے وجود سے پوری ہو گئی اور اگر کوئی کسر نہیں تھیں تو پھر کیا بیٹا بنانے میں خدا ایک فضول حرکت کرتا
جس کی اس کو کچھ ضرورت نہ تھی۔ وہ تو ہر یک عبث کام اور ہر ایک حالت ناتمام سے پاک ہے۔ جب کسی بات کو کہتا ہے ہو تو
ہو جاتی ہے۔ اہل اسلام جو ایمان لائے ہیں جنہوں نے توحید خالص اختیار کی اور یہود جنہوں نے اولیاء اور انبیاء کو اپنا
قاضی الحاجات ٹھہرا دیا اور مخلوق چیزوں کو کارخانہ خدائی میں شریک مقرر کیا اور صائبین جو ستاروں کی پرستش کرتے ہیں اور
نصاریٰ جنہوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا قرار دیا ہے اور مجوس جو آگ اور سورج کے پرستار ہیں اور باقی تمام مشرک جو طرح طرح

ان سب تکالیف کے کہ جو انسان پر پیدا ہوتی ہے پڑ گئیں خدا نے اس کے دردوں کا کچھ علاج نہ کیا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہے اور اسی کے رو سے خدا کا نام رب العالمین ہے۔ جیسا کہ اس نے دوسری جگہ بھی فرمایا ہے: وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام:۱۶۵) یعنی خدا ہر یک چیز کا رب ہے اور کوئی چیز عالم کی چیزوں میں سے اس کی ربوبیت میں سے باہر نہیں۔ سو خدا نے سورۂ فاتحہ میں سب صفات فیضانی میں سے پہلے صفت رب العالمین کو بیان فرمایا اور کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہ اس لیے کہا کہ سب فیضانی صفتوں میں سے تقدم طبعی صفت ربوبیت کو حاصل ہے یعنی ظہور کے رو سے بھی صفت مقدم الظہور اور تمام صفات فیضانی سے اعم ہے۔ کیونکہ ہر یک چیز پر خواہ جاندار ہو خواہ غیر جاندار مشتمل ہے۔ پھر دوسر قسم فیضان کا جو دوسرے مرتبہ پر واقعہ ہے **فیضان عام** ہے۔ اس میں اور فیضان اعم میں یہ فرق ہے کہ فیضان اعم تو ایک عام ربوبیت ہے جس کے ذریعہ سے کل کائنات کا ظہور اور وجود ہے اور یہ فیضان جس کا نام فیضان عام ہے یہ ایک خاص عنایت ازلیہ ہے جو جانداروں کے حال پر مبذول ہے یعنی ذی روح چیزوں کی طرف حضرت باری کی جو ایک خاص توجہ ہے اس کا نام فیضان عام ہے۔ اور اس فیضان کی یہ تعریف ہے کہ یہ بلا استحقاق اور بغیر اس کے کہ کسی کا کچھ حق ہو سب ذی روحوں پر حسب حاجت ان کے جاری ہے کسی کے عمل کا پاداش نہیں اور اسی فیضان کی برکت سے ہر یک جاندار جیتا جاگتا کھاتا پیتا ۳۷۳
اور آفات سے محفوظ اور ضروریات سے متمتع نظر آتا ہے۔ اور ہر ایک ذی روح کے لئے تمام اسباب زندگی کے جو اس کے لئے یا اس کی نوع کے بقا کے لئے مطلوب ہیں میسر نظر آتے ہیں اور یہ سب آثار اسی فیضان کے ہیں کہ جو کچھ روحوں کو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کے شرک میں گرفتار ہیں خدا ان سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔ خدا ہر یک چیز پر شاہد ہے اور خود مخلوق پرستوں کا باطل پر ہونا کچھ پوشیدہ بات نہیں۔ یہ امر نہایت بدیہی ہے اور ہر یک شخص ذاتی توجہ سے دیکھ سکتا ہے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں اجرام فلکی اور اجسام ارضی و نباتات اور جمادات اور حیوانات اور عناصر اور چاند اور سورج اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور طرح طرح کے جاندار اور انسان ہیں جن کی مشرک لوگ پوجا کرتے ہیں یہ سب چیزیں خدا کو سجدہ کرتی ہیں یعنی اپنی ہستی اور بقاء اور وجود میں اس کی محتاج پڑی ہوئی ہیں اور بہ تذلل تمام اس کی طرف جھکی ہوئی ہیں اور ایک دم اس سے بے نیاز نہیں۔ پس انہیں چیزوں سے جو آپ ہی حاجتمند ہیں حاجتیں مانگنا صریح گمراہی ہے۔ اور بعض انسان جو سرکش
ہو جاتے ہیں وہ بھی تذلل سے خالی نہیں۔ کیونکہ اسی دنیا میں طرح طرح کے آلام اور اسقام اور افکار اور ہموم کا عذاب ان پر ۴۳۹
نازل ہوتا رہتا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ان کے طیار ہے۔ پھر بجز خدا کے کونسی چیز ہے جس کے وجود پر نظر کرنے سے صفت غنی اور بے نیاز ہونے کی اس میں پائی جاتی ہے تا کوئی اس کو اپنا معبود ٹھہراوے۔ اور جبکہ کوئی چیز بجز خدا کے غنی اور بے نیاز نہیں تو تمام مخلوق پرستوں کا باطل پر ہونا ثابت ہے۔

یہ چند آیات قرآن شریف ہیں جن کو رگ وید کی طول طویل شرتیوں کے مقابلہ پر ہم نے اس جگہ بیان کیا ہے۔ اب وید کی شرتیوں میں جس قدر بے فائدہ طوالت اور فضول تقریر اور بے سروپا اور دھوکا دینے والا مضمون اور غیر معقول باتیں ہیں بمقابلہ اس کے دیکھنا چاہیے کہ کیونکر قرآن شریف کی آیات میں بکمال ایجاز و لطافت توحید کے ایک عظیم الشان دریا کو معہ حکمیہ و براہین فلسفیہ اقل قلیل الفاظ میں بھر دیا ہے اور کیونکر مدلل اور موجز عبارت میں تمام ضروریات توحید کا ثبوت دے کر طالبین حق پر معرفت الٰہی کا دروازہ کھول دیا ہے اور کیونکر ہر یک آیت اپنے پرزور بیان سے مستعد دلوں پر پورا پورا اثر ڈال

اور اس کی حاجتوں کو پورا نہ کر سکا اور اگرچہ خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے انسان کو عدم محض سے بنایا ۳۴۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11

جسمانی تربیت کے لئے درکار ہے سب کچھ دیا گیا ہے اور ایسا ہی جن روحوں کو علاوہ جسمانی تربیت کے روحانی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ یعنی روحانی ترقی کی استعداد رکھتے ہیں ان کے لئے قدیم سے عین ضرورتوں کے وقتوں میں کلام الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔ غرض اسی فیضان رحمانیت کے ذریعہ سے انسان اپنی کروڑ ہا ضروریات پر کامیاب ہے۔ سکونت کے لئے سطح زمین، روشنی کے لئے چانداور سورج، دم لینے کے لئے ہوا، پینے کے لئے پانی، کھانے کے لئے انواع اقسام کے رزق اور علاج امراض کے لئے لاکھوں طرح کی ادویہ اور پوشاک کے لئے طرح طرح کی پوشیدنی چیزیں اور ہدایت پانے کے لئے صحف ربانی موجود ہیں۔ اور کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ تمام چیزیں میرے عملوں کی برکت سے پیدا ہو گئیں ہیں اور میں نے ہی کسی پہلے جنم میں کوئی نیک عمل کیا تھا جس کی پاداش میں یہ بے شمار نعمتیں خدا نے بنی آدم کو عنایت کیں۔ پس ثابت ہے کہ یہ فیضان جو ہزار ہا طور پر ذی روحوں کے آرام کے لئے ظہور پذیر ہو رہا ہے یہ عطیہ بلا استحقاق ہے جو کسی عمل کے عوض میں نہیں فقط ربانی رحمت کا ایک جوش ہے تا کہ ہر یک جاندار اپنے فطرتی مطلوب کو پہنچ جائے اور جو کچھ اس کی فطرت میں حاجتیں ڈالی گئیں وہ پوری ہو جائیں۔ پس اس فیضان میں عنایت ازلیہ کا کام یہ ہے کہ انسان اور جمیع حیوانات
کی ضروریات کا تعہد کرے اور ان کی بائیست اور نا بائیست کی خبر رکھے تا وہ ضائع نہ ہو جائیں اور ان کی استعدادیں حیزّ ۳۷۴
کتمان میں نہ رہیں اور اس صفت فیضانی کا خدائے تعالیٰ کی ذات میں پائے جانا قانون قدرت کے ملاحظہ سے نہایت

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

رہی ہے اور اندرونی تاریکیوں کو دور کرنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی روشنی دکھلا رہی ہے۔ اسی جگہ سے دانا انسان سمجھ سکتا ہے کہ کس کتاب میں بلاغت اور خوش بیانی اور زور تقریر پایا جاتا ہے اور کونسی کتاب کلام بلیغ اور فصیح سے محروم ہے۔ نیک دل اور منصف انسان جب بہ نیت مقابلہ و موازنہ وید اور قرآن شریف کی عبارت پر نظر ڈالے گا تو اسے فی الفور یہ دکھائی دے گا کہ وید اپنی عبارت میں ایسا کچا اور ناتمام ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں طرح طرح کے شکوک پیدا کرتا ہے اور خدائے تعالیٰ کی نسبت انواع اقسام کی بدگمانیوں میں ڈالتا ہے اور کسی جگہ اپنے دعویٰ کو طاقت بیانی سے واضح کر کے نہیں دکھلاتا اور
نہ پایۂ ثبوت تک پہنچاتا ہے بلکہ یہ خود معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اس کا دعویٰ کیا ہے اور اگر کچھ معلوم بھی ہوتا ہے تو بس یہی کہ وہ ۴۴۰
اگنی اور سورج اور اندر وغیرہ کی پرستش کرانا چاہتا ہے اور اس پر بھی کوئی حجت اور دلیل پیش نہیں کرتا کہ کب سے اور کیونکر ان چیزوں کو خدائی کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اور پھر باوجود اس مہمل بیانی کے چاروں وید اس قدر لمبی اور طول طویل عبارت میں لکھے گئے ہیں جن کا مطالعہ شاید کوئی بڑا محنتی آدمی بشرطیکہ اس کی عمر بھی دراز ہو کر سکے۔ اور بمقابلہ اس کے جب منصف آدمی قرآن شریف کو دیکھے تو فی الفور اسے معلوم ہو گا کہ قرآن شریف میں ایجاز کلام اور اقل و دل بیان میں جو لازمہ ضروریہ بلاغت ہے وہ کمال دکھلایا ہے کہ وہ باوجود احاطہ جمیع ضروریات دین اور استیفا تمام دلائل و براہین کے اس قدر حجم میں قلیل المقدار ہے کہ انسان صرف تین چار پہر کے عرصہ میں ابتداء سے انتہا تک بفراغ خاطر اس کو پڑھ سکتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ بلاغت قرآن کس قدر بھارا معجزہ ہے کہ علم کے ایک بحر ذخار کو تین چار جز میں لپیٹ کر دکھلا دیا ہے اور حکمت کے ایک جہان کو صرف چند صفحات میں بھر دیا ہے۔ کیا کبھی کسی نے دیکھا یا سنا کہ اس قدر قلیل الحجم کتاب تمام زمانہ کی صداقتوں پر مشتمل ہو۔ کیا عقل کسی عاقل کی انسان کے لئے یہ مرتبہ عالیہ تجویز کر سکتی ہے کہ وہ تھوڑے سے لفظوں میں ایک دریا

پھر اس کو زبان عطا کی، آنکھیں، دیں کان دیئے اور طرح طرح کی ترقیات کے لئے استعداد بخشی اسی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بدیہی طور پر ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ کسی عاقل کو اس میں کلام نہیں کہ جو کچھ چاند اور سورج اور زمین اور عناصر وغیرہ ضروریات دنیا میں پائی جاتی ہیں جن پر تمام ذی روحوں کی زندگی کا مدار ہے اسی فیضان کے اثر سے ظہور پذیر ہیں اور ہر یک متنفس بلاتمیز انسان وحیوان ومومن وکافر ونیک وبدحسب حاجت اپنے ان فیوض مذکورہ بالا سے مستفیض ہو رہا ہے اور کوئی ذی روح اس سے محروم نہیں اور اس فیضان کا نام قرآن شریف میں رحمانیت ہے اور اسی کے رو سے خدا کا نام سورۃ فاتحہ میں بعد صفت رب العالمین رحمن آیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ ۔ اسی صفت کی طرف قرآن شریف کے کئی ایک اور مقامات میں بھی اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ منجملہ ان کے یہ ہے: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۝۶۰ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝۶۲ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝۶۳ (الفرقان: ۶۰ تا ۶۳) یعنی جب کافروں اور بے دینوں اور دہریوں کو کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ رحمان کے نام سے متنفر ہو کر بطور انکار سوال کرتے ہیں کہ رحمان کیا چیز ہے (پھر بطور جواب فرمایا) رحمان وہ ذات کثیر البرکت اور مصدر خیرات دائمی ہے جس نے
آسمان میں برج بنائے، برجوں میں آفتاب اور چاند کو رکھا جو کہ عامہ مخلوقات کو بغیر تفریق کافر ومومن کے روشنی پہنچاتے ۳۷۵

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حکمت کا بھر دے جس سے علم دین کی کوئی صداقت باہر نہ ہو۔ یہ واقعی اور سچی باتیں ہیں جن کو ہم لکھتے ہیں جسے انکار ہو وہ بمقابلہ ہمارے امتحان کر لے۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وید کا کلام ایک اور ضروری نشانی سے جو کلام الٰہی کے لئے لابدی ولازمی ہے خالی ہے اور وہ یہ ہے کہ وید میں پیشگوئیوں کا نام ونشان نہیں اور وید ہرگز اخبار غیبیہ پر مشتمل نہیں ہے۔
حالانکہ جو کتاب خدا کا کلام کہلاتی ہے اس کے لئے یہ ضروری بات ہے کہ خدا کے انوار اس میں ظاہر ہوں یعنی جیسے خدائے ۴۴۱
تعالیٰ عالم الغیب اور قادر مطلق بے مثل وبے ہمتا ہے ویسا ہی لازم ہے کہ اس کا کلام جو اس کی صفاتِ کاملہ کا آئینہ ہے صفات مذکورہ کو اپنی صورت حالی میں ثابت کرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ خدا کے کلام سے یہی علت غائی ہے کہ تا اس کے ذریعہ سے کامل طور پر خدا کی ذات اور صفات کا علم حاصل ہو اور تا انسان وجوہات قیاسی سے ترقی کر کے عین الیقین بلکہ حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جائے اور ظاہر ہے کہ یہ مرتبہ علمی تب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب خدا کا کلام طالب حقیقت کو صرف عقل کے حوالہ نہ کرے بلکہ اپنی ذاتی تجلیات سے ہر یک عقیدہ کو کھول دے۔ مثلاً بہت سی پیشگوئیاں اور اخبار غیبیہ بیان کر کے اور پھر ان کا پورا ہونا دکھلا کر صفت عالم الغیبی کی جو خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہے طالب حق پر ثابت کرے علی ہذا القیاس اپنے تابعین کو پوری پوری مدد کا وعدہ دے کر اور پھر ان وعدوں کو پورا کر کے اپنا قادر اور صادق اور ناصر ہونا بہ پایۂ ثبوت پہنچا دے۔ لیکن ان باتوں میں سے وید میں کوئی بھی نہیں بشرطیکہ کوئی انصاف پر آوے اور غور اور فکر سے نگاہ کرے تو اس پر ظاہر ہوگا کہ وید میں ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی پائی نہیں جاتی۔ اور جس تکمیل علمی کے لئے کلام الٰہی نازل ہوتا ہے اس تکمیل کا سامان وید کے پاس موجود نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ جس قدر عقلی طور پر ایک عقلمند آدمی معرفت الٰہی کے لئے سامان تیار کرتا ہے اور حتی الوسیع والطاقت اپنے قدم کو غلطی اور خطا سے بچاتا ہے وہ مرتبہ بھی وید کو حاصل نہیں۔ اور وید کے اصول

۳۴۸ طرح اپنی قدرت کاملہ سے اس قدر نعمتیں عطا فرمائیں جن کو انسان گن نہیں سکتا لیکن وہی قادر خدا بولی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہیں۔ اسی رحمان نے تمہارے لئے یعنی تمام بنی آدم کے لئے دن اور رات بنائے جو کہ ایک دوسرے کے بعد دورہ کرتے رہتے ہیں تا جو شخص طالب معرفت ہو وہ ان دقائق حکمت سے فائدہ اٹھاوے اور جہل اور غفلت کے پردہ سے خلاصی پاوے اور جو شخص شکر نعمت کرنے پر مستعد ہو وہ شکر کرے۔ رحمان کے حقیقی پرستار وہ لوگ ہیں کہ زمین پر بردباری سے چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے سخت کلامی سے پیش آئیں تو سلامتی اور رحمت کے لفظوں سے ان کا معاوضہ کرتے ہیں یعنی بجائے سختی کے نرمی اور بجائے گالی کے دعا دیتے ہیں اور تشبہ باخلاق رحمانی کرتے ہیں۔ کیونکہ رحمان بھی بغیر تفریق نیک و بد کے اپنے سب بندوں کو سورج اور چاند اور زمین اور دوسری بیشمار نعمتوں سے فائدہ پہنچاتا ہے۔ پس ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے اچھی طرح کھول دیا کہ رحمان کا لفظ ان معنوں کر کے خدا پر بولا جاتا ہے کہ اس کی رحمت وسیع عام طور پر ہر ایک بُرے بھلے پر محیط ہو رہی ہے جیسا ایک جگہ اور بھی اسی رحمت عام کی طرف اشارہ فرمایا ہے: عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ (الاعراف:۱۵۶) یعنی میں اپنا عذاب جس کو لائق اس کے دیکھتا ہوں پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے ہر ایک چیز کو گھیر رکھا ہے اور پھر ایک اور موقعہ پر فرمایا: قُلْ مَنْ یَّكْلَؤُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء:۴۲) یعنی ان کافروں اور نافرمانوں کو کہہ کہ اگر خدا میں صفت رحمانیت کی نہ ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ تم اس کے عذاب سے محفوظ رہ سکتے۔ یعنی اسی کی رحمانیت کا اثر ہے کہ وہ کافروں اور بے ایمانوں کو مہلت دیتا ہے اور جلد تر نہیں پکڑتا۔ پھر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ایسے فاسد اور بدیہی البطلان ہیں کہ دس برس کا بچہ بھی بشرطیکہ تعصب اور ضد نہ کرے ان کی غلطی اور بے راہی پر شہادت
۴۴۲ دے سکتا ہے۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ جن روحانی تاثیرات پر فرقان مجید مشتمل ہے ان سے بھی وید بکلی محروم اور تہی دست ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فرقان مجید باوجود ان تمام کمالات بلاغت وفصاحت و احاطۂ حکمت و معرفت ایک روحانی تاثیر اپنی ذات بابرکات میں ایسی رکھتا ہے کہ اس کا سچا اتباع انسان کو مستقیم الحال اور منور الباطل اور منشرح الصدر اور مقبول الٰہی اور قابل خطاب حضرت عزت بنا دیتا ہے اور اس میں وہ انوار پیدا کرتا ہے اور وہ فیوض غیبی اور تائیدات لاریبی اس کے شامل حال کر دیتا ہے کہ جو اغیار میں ہرگز پائی نہیں جاتیں۔ اور حضرت احدیت کی طرف سے وہ لذیذ اور دلآرام کلام اس پر نازل ہوتا ہے جس سے اس پر دمبدم کھلتا جاتا ہے کہ وہ فرقان مجید کی سچی متابعت سے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سچی پیروی سے ان مقامات تک پہنچایا گیا ہے کہ جو محبوبان الٰہی کے لئے خاص ہیں اور ان ربانی خوشنودیوں اور مہربانیوں سے بہرہ یاب ہو گیا ہے جن سے وہ کامل ایماندار بہرہ یاب تھے جو اس سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور نہ صرف مقال کے طور پر بلکہ حال کے طور پر بھی ان تمام محبتوں کا ایک صافی چشمہ اپنے پر صدق دل میں بہتا ہوا دیکھتا ہے اور ایک ایسی کیفیت تعلق باللہ کی اپنے منشرح سینہ میں مشاہدہ کرتا ہے جس کو نہ الفاظ کے ذریعہ سے اور نہ کسی مثال کے پیرایہ میں بیان کر سکتا ہے اور انوار الٰہی کو اپنے نفس پر بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ انوار کبھی اخبار غیبیہ کے رنگ میں اور کبھی علوم و معارف کی صورت میں اور کبھی اخلاق فاضلہ کے پیرایہ میں اس پر اپنا پرتو ڈالتے رہتے ہیں۔ یہ تاثیرات فرقان مجید کی سلسلہ وار چلی آتی ہیں اور جب سے کہ آفتاب صداقت ذات بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں آیا اسی دم سے آج تک ہزارہا نفوس جو استعداد اور قابلیت رکھتے تھے متابعت کلام الٰہی اور اتباع رسول مقبول سے مدارج عالیہ مذکورۂ بالا تک پہنچ چکے ہیں اور

جو انسان کے لئے نہایت ضروری تھی انسان کو سکھلا نہ سکا یہاں تک کہ انسان نے مدت دراز تک بے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۳۷۶ ایک اور جگہ اسی رحمانیت کی طرف اشارہ فرمایا: اَوَلَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ (الملک:۱۹) یعنی کیا ان لوگوں نے اپنے سروں پر پرندوں کو اڑتے ہوئے نہیں دیکھا کہ کبھی وہ بازو کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ رحمٰن ہی ہے کہ ان کو گرنے سے تھام رکھتا ہے۔ یعنی فیضان رحمانیت ایسا تمام ذی روحوں پر محیط ہو رہا ہے کہ پرندے بھی جو ایک پیسہ کے دو تین مل سکتے ہیں وہ بھی اس فیضان کے وسیع دریا میں خوشی اور سرور سے تیر رہے ہیں۔ اور چونکہ ربوبیت کے بعد اسی فیضان کا مرتبہ ہے۔ اس جہت سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی صفت بیان فرما کر پھر اس کے رحمان ہونے کی صفت بیان فرمائی تا ترتیب طبعی ان کی ملحوظ رہے۔ تیسری قسم فیضان کی **فیضان خاص** ہے۔ اس میں اور فیضان عام میں یہ فرق ہے کہ فیضان عام میں مستفیض پر لازم نہیں کہ حصول فیض کے لئے اپنی حالت کو نیک بناوے اور اپنے نفس کو حجب ظلمانیہ سے باہر نکالے یا کسی قسم کا مجاہدہ اور کوشش کرے۔ بلکہ اس فیضان میں جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں خدائے تعالیٰ آپ ہی ہر ایک ذی روح کو اس کی ضروریات جن کا وہ حسب فطرت محتاج ہے عنایت فرماتا ہے اور بن مانگے اور بغیر کسی کوشش کے مہیا کر دیتا ہے۔ لیکن فیضان خاص میں جہد اور کوشش اور تزکیہ قلب اور دعا اور تضرع اور توجہ الی اللہ اور دوسرا ہر طرح کا مجاہدہ جیسا کہ موقعہ ہو شرط ہے اور اس فیضان کو وہی پاتا ہے جو ڈھونڈتا ہے اور اسی پر وارد ہوتا ہے جو اس کے لئے محنت کرتا ہے اور اس فیضان کا وجود بھی ملاحظہ قانون

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۴۴۳ پہنچتے جاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اس قدر ان پر پے در پے اور علی الاتصال تلطفات و تفضلات وارد کرتا ہے اور اپنی حمائتیں اور عنائتیں دکھلاتا ہے کہ صافی نگاہوں کی نظر میں ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ لوگ منظوران نظر احدیت سے ہیں جن پر لطف ربانی کا ایک عظیم الشان سایہ اور فضل یزدانی کا ایک جلیل القدر پیرایہ ہے۔ اور دیکھنے والوں کو صریح دکھائی دیتا ہے کہ وہ انعامات خارق عادت سے سرفراز ہیں اور کرامات عجیب اور غریب سے ممتاز ہیں اور محبوبیت کے عطر سے معطر ہیں اور مقبولیت کے فخروں سے مفتخر ہیں اور قادر مطلق کا نور ان کی صحبت میں، ان کی توجہ میں، ان کی ہمت میں، ان کی دعا میں، ان کی نظر میں، ان کے اخلاق میں، ان کی طرز معیشت میں، ان کی خوشنودی میں، ان کے غضب میں، ان کی رغبت میں، ان کی نفرت میں، ان کی حرکت میں، ان کے سکون میں، ان کے نطق میں، ان کی خاموشی میں، ان کے ظاہر میں، ان کے باطن میں ایسا بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ایک لطیف اور مصفا شیشہ ایک نہایت عمدہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور ان کے فیض صحبت اور ارتباط اور محبت سے وہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں کہ جو ریاضات شاقہ سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور ان کی نسبت ارادت اور عقیدت پیدا کرنے سے ایمانی حالت ایک دوسرا رنگ پیدا کر لیتی ہے اور نیک اخلاق کے ظاہر کرنے میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور شوریدگی اور امارگی نفس کی رو بہ کمی ہونے لگتی ہے اور اطمینان اور حلاوت پیدا ہوتی جاتی ہے اور بقدر استعداد اور مناسبت ذوق ایمانی جوش مارتا ہے اور انس اور شوق ظاہر ہوتا ہے اور التذاذ بذکر اللہ بڑھتا ہے اور ان کی صحبت طویلہ سے بضرورت یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنی ایمانی قوتوں میں اور اخلاقی حالتوں میں اور انقطاع عن الدنیا میں اور توجہ الی اللہ میں اور محبت الٰہیہ میں اور شفقت علی العباد میں اور وفا اور رضا اور استقامت میں اس عالی مرتبہ پر
۴۴۴ ہیں جس کی نظیر دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ اور عقل سلیم فی الفور معلوم کر لیتی ہے کہ وہ بند اور زنجیر ان کے پاؤں سے اتارے

زبانی کی تکلیفیں اٹھا کر آپ بولی کو ایجاد کیا ۔ کیا یہ ایسا اعتقاد ہے جس سے خدا کی قدرت الوہیت قابل ۳۴۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

قدرت سے ثابت ہے ۔ کیونکہ یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ خدا کی راہ میں سعی کرنے والے اور غافل رہنے والے دونوں
برابر نہیں ہوسکتے ۔ بلاشبہ جو لوگ دل کی سچائی سے خدا کی راہ میں کوشش کرتے ہیں اورؔ ہر یک تاریکی اور فساد سے کنارہ کش ۳۷۷
ہوجاتے ہیں ایک رحمت ان کے شامل حال ہوجاتی ہے اس فیضان کے رو سے خدائے تعالیٰ کا نام قرآن شریف میں رحیم
ہے اور یہ مرتبہ صفت رحیمیت کا بوجہ خاص ہونے اور مشروط بہ شرائط ہونے کے مرتبہ صفت رحمانیت سے مؤخر ہے ۔ کیونکہ
خدائے تعالیٰ کی طرف سے اول صفت رحمانیت ظہور میں آئی ہے پھر بعد اس کے صفت رحیمیت ظہور پذیر ہوئی ۔ پس اسی
ترتیب طبعی کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ میں صفت رحیمیت کو صفت رحمانیت کے بعد میں ذکر فرمایا اور کہا الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور
صفت رحیمیت کے بیان میں کئی مقامات قرآن شریف میں ذکر موجود ہے جیسا ایک جگہ فرمایا ہے: وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا
(الاحزاب: ۴۳) یعنی خدا کی رحیمیت صرف ایمانداروں سے خاص ہے جس سے کافر کو یعنی بے ایمان اور سرکش کو حصہ نہیں ۔
اس جگہ دیکھنا چاہیے کہ خدا نے کیسی صفت رحیمیت کو مومن کے ساتھ خاص کردیا لیکن رحمانیت کو کسی جگہ مؤمنین کے ساتھ
خاص نہیں کیا اور کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحْمَانًا بلکہ جو مؤمنین سے رحمت خاص متعلق ہے ہر جگہ
اس کو رحیمیت کی صفت سے ذکر کیا ہے ۔ پھر دوسری جگہ فرمایا ہے: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (الاعراف: ۵۶)
یعنی رحیمیت الٰہی انہیں لوگوں سے قریب ہے جو نیکوکار ہیں ۔ پھر ایک اور جگہ فرمایا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

گئے ہیں جن میں دوسرے لوگ گرفتار ہیں اور وہ تنگی اور انقباض ان کے سینہ سے دور کیا گیا ہے جس کے باعث سے دوسرے
لوگوں کے سینہ منقبض اور کوفتہ خاطر ہیں ۔ ایسا ہی وہ لوگ تحدیث اور مکالمات حضرت احدیت سے بکثرت مشرف ہوتے
ہیں اور متواتر دائمی خطابات کے قابل ٹھہر جاتے ہیں اور حق جل وعلیٰ اور اس کے مستعد بندوں میں ارشاد اور ہدایت کے
لئے واسطہ گردانے جاتے ہیں ۔ ان کی نورانیت دوسرے دلوں کو منور کردیتی ہے اور جیسے موسم بہار کے آنے سے نباتی قوتیں
جوش زن ہوجاتی ہیں، ایسا ہی ان کے ظہور سے فطرتی نور طبائع سلیمہ میں جوش مارتے ہیں اور خود بخود ہر یک سعید کا دل یہی
چاہتا ہے کہ اپنی سعادتمندی کی استعدادوں کو بہ کوشش تمام منصۂ ظہور میں لاوے اور خواب غفلت کے پردوں سے خلاصی
پاوے اور معصیت اور فسق و فجور کے داغوں سے اور جہالت اور بے خبری کی ظلمتوں سے نجات حاصل کرے ۔ سو ان کے
مبارک عہد میں کچھ ایسی خاصیت ہوتی ہے اور کچھ اس قسم کا انتشار نورانیت ہوجاتا ہے کہ ہر یک مومن اور طالب حق بقدر
طاقت ایمانی اپنے نفس میں بغیر کسی ظاہری موجب کے انشراح اور شوق دینداری کا پاتا ہے اور ہمت کو زیادت اور قوت میں
دیکھتا ہے ۔ غرض ان کے اس عطر لطیف سے جو ان کو کامل متابعت کی برکت سے حاصل ہوا ہے ہر ایک مخلص کو بقدر اپنے
اخلاص کے حظ پہنچتا ہے ۔ ہاں جو لوگ شقی ازلی ہیں وہ اس سے کچھ حصہ نہیں پاتے بلکہ اور بھی عناد اور حسد اور شقاوت میں
بڑھ کر ہاویہ جہنم میں گرتے ہیں اسی کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرۃ: ۷) ۔
پھر ہم اسی تقریر کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی غرض سے دوسرے لفظوں میں دوہرا کر بہ تفصیل لکھتے ہیں کہؔ متبعین قرآن ۴۴۵
شریف کو جو انعامات ملتے ہیں اور جو مواہب خاصہ ان کے نصیب ہوتے ہیں اگرچہ وہ بیان اور تقریر سے خارج ہیں مگر ان
میں سے کئی ایک ایسے انعامات عظیمہ ہیں جن کو اس جگہ مفصل طور پر بغرض ہدایت طالبین بطور نمونہ لکھنا قرین مصلحت ہے

۳۵۰ تعریف ٹھہر سکتی ہے۔ کیا کوئی ایماندار اس کامل اور قادرِ مطلق کی نسبت ایسی بدظنی کر سکتا ہے کہ وہ اپنی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرہ:۲۱۸) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور خدا کے لئے وطنوں سے یا نفس پرستیوں سے جدائی اختیار کی اور خدا کی راہ میں کوشش کی وہ خدا کی رحیمیت کے امیدوار ہیں اور ۳۷۸ خدا غفور اور رحیم ہے۔ یعنی اس کا فیضان رحیمیت ضرور ان لوگوں کے شامل حال ہو جاتا ہے کہ جو اس کے مستحق ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس نے اس کو طلب کیا اور نہ پایا۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

چوتھا قسم کا فیضان **فیضان اخص** ہے۔ یہ وہ فیضان ہے کہ جو صرف محنت اور سعی پر مترتب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے ظہور اور بروز کے لیے اول شرط یہ ہے کہ یہ عالم اسباب کہ جو ایک تنگ و تاریک جگہ ہے بکلی معدوم اور منعدم ہو جائے اور قدرت کاملہ حضرت احدیت کی بغیر آمیزش اسباب معتادہ کے برہنہ طور پر اپنا کامل چمکار دکھلاوے۔ کیونکہ اس آخری فیضان میں کہ جو تمام فیوض کا خاتمہ ہے جو کچھ پہلے فیضانوں کی نسبت عند العقل زیادتی اور کمالیت متصور ہو سکتی ہے وہ یہی ہے کہ یہ فیضان نہایت منکشف اور صاف طور پر ہو اور کوئی اشتباہ اور خفا اور نقص باقی نہ رہے۔ یعنی نہ مفیض کے بالا ارادہ فیضان میں کوئی شبہ رہ جائے اور نہ فیضان کے حقیقی فیضان اور رحمت خالص اور کاملہ ہونے میں کچھ جائے کلام ہو۔ بلکہ جس مالک قدیم کی طرف سے فیض بھرا ہوا ہے اس کی فیاضی اور جزا دہی روز روشن کی طرح کھل جائے اور شخص فیضیاب کو بطور حق الیقین یہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

چنانچہ وہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں۔

از انجملہ علوم و معارف ہیں جو کامل متبعین کو خوانِ نعمت فرقانیہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ جب انسان فرقان مجید کی سچی متابعت اختیار کرتا ہے اور اپنے نفس کو اس کے امر و نہی کے بکلی حوالہ کر دیتا ہے اور کامل محبت اور اخلاص سے اس کی ہدایتوں میں غور کرتا ہے اور کوئی اغراض صوری یا معنوی باقی نہیں رہتا تب اس کی نظر اور فکر کو حضرت فیاض مطلق کی طرف سے ایک نور عطا کیا جاتا ہے اور ایک لطیف عقل اس کو بخشی جاتی ہے جس سے عجیب غریب لطائف اور نکاتِ علم الٰہی کے جو کلام الٰہی میں پوشیدہ ہیں اس پر کھلتے ہیں اور ابر نیساں کے رنگ میں معارف دقیقہ اس کے دل پر برستے ہیں۔ وہی معارف دقیقہ ہیں جن کو فرقان مجید میں حکمت کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے: يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:۲۶۹) یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی ہے۔ یعنی حکمت خیر کثیر پر مشتمل ہے اور جس نے حکمت پائی اس نے خیر کثیر کو پالیا۔ سو یہ علوم و معارف جو دوسرے لفظوں میں حکمت کے نام سے موسوم ہیں یہ خیر کثیر پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بحر محیط کے رنگ میں ہیں جو کلام الٰہی کے تابعین کو دیئے جاتے ہیں اور ان کے فکر اور نظر میں ایک ایسی برکت رکھی جاتی ہے جو اعلیٰ درجہ کے حقائق حقہ ان کے ۴۴۶ نفس آئینہ صفت پر منعکس ہوتے رہتے ہیں اور کامل صداقتیں ان پر منکشف ہوتی رہتی ہیں۔ اور تائیدات الٰہیہ ہر یک تحقیق اور تدقیق کے وقت کچھ ایسا سامان ان کے لئے میسر کر دیتی ہیں جس سے بیان ان کا ادھورا اور ناقص نہیں رہتا اور نہ کچھ غلطی واقعہ ہوتی ہے۔ سو جو جو علوم و معارف و دقائق حقائق و لطائف و نکات و ادلہ و براہین ان کو سوجھتے ہیں وہ اپنی کمیت اور کیفیت میں ایسے مرتبہ کاملہ پر واقع ہوتے ہیں کہ خارق عادت ہے اور جس کا موازنہ اور مقابلہ دوسرے لوگوں سے ممکن

قدرت نمائی کے پہلے زمانہ میں ہے جبکہ خدائی کی طاقتیں بےخبر بندوں پر ظاہر کرنا منظور تھا بعض

بقیہ حاشیہ نمبر 11

امر مشہود اور محسوس ہو کہ حقیقت میں وہ مالک الملک ہی اپنے ارادہ اور توجہ اور قدرت خاص سے ایک نعمت عظمیٰ اور لذت کبریٰ اس کو عطا کر رہا ہے اور حقیقت میں اس کو اپنے اعمالِ صالحہ کی ایک کامل اور دائمی جزا کو جو نہایت اصفیٰ اور نہایت اعلیٰ اور نہایت مرغوب اور نہایت محبوب ہے مل رہی ہے کسی قسم کا امتحان اور ابتلا نہیں ہے۔ اور ایسے فیضان اکمل اور اتم اور ابقیٰ اور اعلیٰ اور اجلیٰ سے متمتع ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ بندہ اس عالم ناقص اور مکدر اور کثیف اور تنگ اور منقبض اور ناپائدار اور مشتبہ الحال سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرے۔ کیونکہ یہ فیضان تجلیات عظمیٰ کا مظہر ہے جن میں شرط ہے کہ محسن ۳۷۹
حقیقی کا جمال بطور عریان اور بمرتبۂ حق الیقین مشہود ہو اور کوئی مرتبۂ شہود اور ظہور اور یقین کا باقی نہ رہ جائے۔ اور کوئی پردہ اسباب معتادہ کا درمیان نہ ہو اور ہر یک دقیقہ معرفت تامہ کا مکمن قوت سے حیز فعل میں آجائے اور نیز فیضان بھی ایسا منکشف اور معلوم الحقیقت ہو کہ اس کی نسبت آپ خدا نے یہ ظاہر کر دیا ہو کہ وہ ہر یک امتحان اور ابتلاء کی کدورت سے پاک ہے اور نیز اس فیضان میں وہ اعلیٰ اور اکمل درجہ کی لذتیں ہوں جن کی پاک اور کامل کیفیت انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایسا اکمل اور ابقیٰ احاطہ رکھتی ہو کہ جس پر عقلاً اور خیالاً اور وہماً زیادت متصور نہ ہو اور یہ عالم کہ جو ناقص الحقیقت اور مکدر الصورت اور ہالکۃ الذات اور مشتبہ الکیفیت اور ضیق الظرف ہے ان تجلیات عظمیٰ اور انوار اصفیٰ اور عطیات دائمی کی برداشت نہیں کرسکتا۔ اور وہ اشعہ تامہ کاملہ دائمہ اس میں سما نہیں سکتے۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے آپ ہی نہیں بلکہ تفہیم غیبی اور تائید صمدی ان کی پیش رو ہوتی ہے۔ اور اسی تفہیم کی طاقت سے وہ اسرار اور انوار قرآنی ان پر کھلتے ہیں کہ جو صرف عقل کی دود آمیز روشنی سے کھل نہیں سکتے۔ اور یہ علوم و معارف جو ان کو عطا ہوتے ہیں جن سے ذات اور صفات الٰہی کے متعلق اور عالم معاد کی نسبت لطیف اور باریک باتیں اور نہایت عمیق حقیقتیں ان پر ظاہر ہوتی ہیں یہ ایک روحانی خوارق ہیں کہ جو بالغ نظروں کی نگاہوں میں جسمانی خوارق سے اعلیٰ اور الطف ہیں۔ بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ عارفین اور اہل اللہ کا قدر و منزلت دانشمندوں کی نظر میں انہیں خوارق سے معلوم ہوتا ہے اور وہی خوارق ان کی منزلت عالیہ کی زینت اور آرائش اور ان کے چہرہ صلاحیت کی زیبائی اور خوبصورتی ہیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ علوم و معارف حقہ کی ہیبت سب سے زیادہ اس پر اثر ڈالتی ہے اور صداقت اور معرفت ہر یک چیز سے زیادہ اس کو پیاری ہے۔ اور اگر ایک زاہد و عابد ایسا فرض کیا جائے کہ صاحب مکاشفات ہے اور اخبار غیبیہ بھی اسے معلوم ہوتے ہیں اور ریاضات شاقہ بھی بجالاتا ہے اور کئی اور قسم کے خوارق بھی اس سے ظہور میں آتے ہیں مگر علم الٰہی کے بارہ میں سخت جاہل ہے۔ یہاں تک کہ حق اور باطل میں تمیز ہی نہیں کرسکتا بلکہ خیالات فاسدہ میں گرفتار اور عقائد غیر صحیحہ میں ۴۴۷
مبتلا ہے ہر ایک بات میں خام اور ہر ایک رائے میں فاش غلطی کرتا ہے تو ایسا شخص طبائع سلیمہ کی نظر میں نہایت حقیر اور ذلیل معلوم ہوگا۔ اس کی یہی وجہ ہے کہ جس شخص سے دانا انسان کو جہالت کی بدبو آتی ہے اور کوئی احمقانہ کلمہ اس کے منہ سے سن لیتا ہے تو فی الفور اس کی طرف سے دل متنفر ہو جاتا ہے اور پھر وہ شخص عاقل کی نظر میں کسی طور سے قابل تعظیم نہیں ٹھہر سکتا اور گو کیسا ہی زاہد عابد کیوں نہ ہو کچھ حقیر سا معلوم ہوتا ہے۔ پس انسان کی اس فطرتی عادت سے ظاہر ہے کہ خوارق روحانی یعنی علوم و معارف اس کی نظر میں اہل اللہ کے لئے شرط لازمی اور اکابر دین کی شناخت کے لئے علامات خاصہ اور ضروریہ

۳۵۱ ضروری قدرتوں کے دکھلانے سے عاجز رہا۔ کیا قریب قیاس ہے کہ جس نے چندیں ہزار مخلوقات کو

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بلکہ اس کے ظہور کے لئے ایک دوسرا عالم درکار ہے کہ جو اسباب معتادہ کی ظلمت سے بکلی پاک اور منزہ اور ذات واحد قہار
کی اقتدار کامل اور خالص کا مظہر ہے۔ ہاں اس فیضان اخص سے ان کامل انسانوں کو اسی زندگی میں کچھ حظ پہنچتا ہے کہ جو سچا
ئی کی راہ پر کامل طور پر قدم مارتے ہیں اور اپنے نفس کے ارادوں اور خواہشوں سے الگ ہو کر بکلی خدا کی طرف جھک جاتے
ہیں کیونکہ وہ مرنے سے پہلے مرتے ہیں اور اگرچہ بظاہر صورت اس عالم میں ہیں لیکن درحقیقت وہ دوسرے عالم میں
۳۸۰ سکونت رکھتے ہیں۔ پس چونکہ وہ اپنے دل کو اس دنیا کے اسباب سے منقطع کر لیتے ہیں اور عادات بشریت کو توڑ کر اور
بیکبارگی غیر اللہ سے منہ پھیر کر وہ طریق جو خارق عادت ہے اختیار کر لیتے ہیں اس لئے خداوند کریم بھی ان کے ساتھ ایسا ہی
معاملہ کرتا ہے اور بطور خارق عادت ان پر اپنے وہ انوار خاصہ ظاہر کرتا ہے کہ جو دوسروں پر بجز موت کے ظاہر نہیں ہو سکتے۔
غرض بباعث امور متذکرۂ بالا وہ اس عالم میں بھی فیضان اخص کے نور سے کچھ حصہ پالیتے ہیں اور یہ فیضان ہر یک فیض سے
خاص تر اور خاتمہ تمام فیضانوں کا ہے۔ اور اس کو پانے والا سعادت عظمیٰ کو پہنچ جاتا ہے اور خوشحالی دائمی کو پالیتا ہے کہ جو تمام
خوشیوں کا سرچشمہ ہے۔ اور جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہمیشہ کے دوزخ میں پڑا۔ اس فیضان کے رو سے خدا تعالیٰ نے
قرآن شریف میں اپنا نام مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ بیان فرمایا ہے۔ دین کے لفظ پر الف لام لانے سے یہ غرض ہے کہ تا یہ معنی
ظاہر ہوں کہ جزا سے مراد وہ کامل جزا ہے جس کی تفصیل فرقان مجید میں مندرج ہے۔ اور وہ کامل جزاء بجز تجلی مالکیت تامہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہیں۔ پس یہ علامتیں فرقان شریف کی کامل تابعین کو اکمل اور اتم طور پر عطا ہوتی ہیں اور باوجودیکہ ان میں سے اکثروں کی
سرشت پر امیت غالب ہوتی ہے اور علوم رسمیہ کو باستیفا حاصل نہیں کیا ہوتا لیکن نکات اور لطائف علم الٰہی میں اس قدر اپنے
ہمعصروں سے سبقت لے جاتے ہیں کہ بسا اوقات بڑے بڑے مخالف ان کی تقریروں کو سن کر یا ان کی تحریروں کو پڑھ کر
اور دریائے حیرت میں پڑ کر بلا اختیار بول اٹھتے ہیں کہ ان کے علوم و معارف ایک دوسرے عالم سے ہیں جو تائیدات الٰہی
کے رنگ خاص سے رنگین ہیں۔ اور اس کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ اگر کوئی منکر بطور مقابلہ کے الٰہیات کے مباحث میں سے
کسی بحث میں ان کی محققانہ اور عارفانہ تقریروں کے ساتھ کسی تقریر کا مقابلہ کرنا چاہے تو اخیر پر بشرط انصاف و دیانت
اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ صداقت حقہ اسی تقریر میں تھی جو ان کے منہ سے نکلی تھی۔ اور جیسے جیسے بحث عمیق ہوتی جائے گی
بہت سے لطیف اور دقیق براہین ایسے نکلتے آئیں گے جن سے روز روشن کی طرح ان کا سچا ہونا کھلتا جائے گا۔ چنانچہ ہر یک
۴۴۸ طالب حق پر اس کا ثبوت ظاہر کرنے کے لئے ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں۔ ازاں جملہ ایک عصمت بھی ہے جس کو حفظ الٰہی سے
تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور یہ عصمت بھی فرقان مجید کے کامل تابعین کو بطور خارق عادت عطا ہوتی ہے۔ اور اس جگہ عصمت سے
مراد ہماری یہ ہے کہ وہ ایسی نالائق اور مذموم عادات اور خیالات اور اخلاق اور افعال سے محفوظ رکھے جاتے ہیں جن میں
دوسرے لوگ دن رات آلودہ اور ملوث نظر آتے ہیں اور اگر کوئی لغزش بھی ہو جائے تو رحمت الٰہیہ جلد تر ان کا تدارک کر لیتی
ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ عصمت کا مقام نہایت نازک اور نفس امارہ کے مقتضیات سے نہایت دور پڑا ہوا ہے جس کا حاصل
ہونا بجز توجہ خاص الٰہی کے ممکن نہیں۔ مثلاً اگر کسی کو یہ کہا جائے کہ وہ صرف ایک کذب اور دروغگوئی کی عادت سے اپنے جمیع
معاملات اور بیانات اور حرفوں اور پیشوں میں قطعی طور پر باز رہے تو یہ اس کے لئے مشکل اور ممتنع ہو جاتا ہے۔ بلکہ اگر اس

بغیر مدد مادہ اور ہیولیٰ کے ایک حکم سے پیدا کر دکھایا وہ بولیوں کی ایجاد پر قادر نہیں ہوسکتا تھا۔ کیا کوئی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کے کہ جو ہدم بنیان اسباب کو مستلزم ہے ظہور میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ اسی کی طرف دوسری جگہ بھی اشارہ فرما کر کہا ہے: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن:۱۶) یعنی اس دن ربوبیت الٰہیہ بغیر توسط اسباب عادیہ کے اپنی تجلّی آپ دکھائے گی اور یہی مشہود اور محسوس ہوگا کہ بجز قوت عظمیٰ اور قدرت کاملہ حضرت باری تعالیٰ کے اور سب ہیچ ہیں۔ تب سارا آرام وسرور اور سب جزا اور پاداش بنظرِ صاف وصریح خدا کی طرف سے دکھلائی دے گا اور کوئی پردہ اور حجاب درمیان نہیں رہے گا اور کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں رہے گی۔ تب جنہوں نے اس کے لئے اپنے تئیں منقطع کر لیا تھا وہ اپنے تئیں ایک کامل سعادت میں دیکھیں گے کہ جو ان کے جسم اور جان اور ظاہر اور باطن پر محیط ہو جائے گی اور کوئی حصہ وجود ان کے کا ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس سعادت عظمیٰ کے پانے سے بے نصیب رہا ہو۔ اور اس جگہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس روز راحت یا عذاب اور لذت یا درد جو کچھ بنی آدم کو پہنچے گا اس کا اصل موجب خدائے تعالیٰ کی ذات ہوگی اور ۳۸۱
مالک امر مجازات کا حقیقی طور پر وہی ہوگا یعنی اس کا وصل یا فصل سعادت ابدی یا شقاوت ابدی کا موجب ٹھہرے گا۔ اس طرح پر کہ جو لوگ اس کی ذات پر ایمان لائے تھے اور توحید اختیار کی تھی اور اس کی خالص محبت سے اپنے دلوں کو رنگین کر لیا تھا ان پر انوار رحمت اس ذات کامل کے صاف اور آشکارا طور پر نازل ہوں گے اور جن کو ایمان اور محبت الٰہیہ حاصل نہیں ہوئی وہ اس لذت اور راحت سے محروم رہیں گے اور عذاب الیم میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ فیوض اربعہ ہیں جن کو ہم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کام کے کرنے کے لئے کوشش اور سعی بھی کرے تو اس قدر موانع اور عوائق اس کو پیش آتے ہیں کہ بالآخر خود اس کا یہ اصول ہو جاتا ہے کہ دنیا داری میں جھوٹ اور خلاف گوئی سے پرہیز کرنا ناممکن ہے۔ مگر ان سعید لوگوں کے لئے کہ جو سچی محبت اور پرجوش ارادت سے فرقان مجید کی ہدایتوں پر چلنا چاہتے ہیں صرف یہی امر آسان نہیں کیا جاتا کہ وہ دروغگوئی کی قبیح عادت سے باز رہیں بلکہ وہ ہر ناکردنی اور ناگفتنی کے چھوڑنے پر قادر مطلق سے توفیق پاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے ایسی تقریبات شنیعہ سے ان کو محفوظ رکھتا ہے جن سے وہ ہلاکت کے ورطوں میں پڑیں۔ کیوں کہ وہ دنیا کا نور ہوتے ہیں اور ان کی سلامتی میں دنیا کی سلامتی اور ان کی ہلاکت میں دنیا کی ہلاکت ہوتی ہے۔ اسی جہت سے وہ اپنے ہر ایک خیال اور علم اور فہم اور غضب اور شہوت اور خوف اور طمع اور تنگی اور فراخی اور خوشی اور غمی اور عسر اور یُسر میں تمام نالائق باتوں اور
فاسد خیالوں اور نادرست علموں اور ناجائز عملوں اور بے جا فہموں اور ہر یک افراط اور تفریط نفسانی سے بچائے جاتے ہیں ۴۴۹
اور کسی مذموم بات پر ٹھہرنا نہیں پاتے کیوں کہ خود خداوند کریم ان کی تربیت کا متکفل ہوتا ہے اور جس شاخ کو ان کے شجرۂ طیبہ میں خشک دیکھتا ہے اس کو فی الفور اپنے مربیانہ ہاتھ سے کاٹ ڈالتا ہے اور حمایت الٰہی ہر دم اور ہر لحظہ ان کی نگرانی کرتی رہتی ہے۔ اور یہ نعمت محفوظیت کی جو ان کو عطا ہوتی ہے یہ بھی بغیر ثبوت نہیں بلکہ زیرک انسان کسی قدر صحبت سے اپنی پوری تسلی سے اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ از انجملہ ایک مقام توکل ہے جس پر نہایت مضبوطی سے ان کو قائم کیا جاتا ہے اور ان کے غیر کو وہ چشمہ صافی ہرگز میسر نہیں آسکتا بلکہ انہیں کے لئے وہ خوشگوار اور موافق کیا جاتا ہے اور نور معرفت ایسا ان کو تھامے رہتا ہے کہ بسا اوقات طرح طرح کی بے سامانی میں ہو کر اور اسباب عادیہ سے بکلی اپنے تئیں دور پا کر پھر بھی ایسی بشاشت اور انشراح خاطر سے زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسی خوشحالی سے دنوں کو کاٹتے ہیں کہ گویا ان کے پاس ہزارہا خزائن ہیں۔

٣٥٢ عقل اس بات کو قبول کر سکتی ہے کہ جس نے انسانؔ کو ایک بڑی مصلحت کے لئے پیدا کیا اور اپنے خاص

بقیہ حاشیہ نمبر 11

نے تفصیل وار لکھ دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ صفت رحمان کو صفت رحیم پر مقدم رکھنا نہایت ضروری اور مقتضائے بلاغت کاملہ ہے۔ کیونکہ صحیفۂ قدرت پر جب نظر ڈالی جائے تو پہلے پہل خدائے تعالیٰ کی عام ربوبیت پر نظر پڑتی ہے۔ پھر اس کی رحمانیت پر، پھر اس کی رحیمیت پر، پھر اس کے مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہونے پر۔ اور کمال بلاغت اسی کا نام ہے کہ جو صحیفۂ فطرت میں ترتیب ہو وہی ترتیب صحیفۂ الہام میں بھی ملحوظ رہے۔ کیونکہ کلام میں ترتیب قدرتی کا منقلب کرنا گویا قانون قدرت کو منقلب کرنا ہے اور نظام طبعی کو الٹا دینا ہے۔ کلام بلیغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نظام کلام کا نظام طبعی کے ایسا مطابق ہو کہ گویا اسی کی عکسی تصویر ہو اور جو امر طبعاً اور وقوعاً مقدم ہو اس کو وضعاً بھی مقدم رکھا جائے۔ سو آیت موصوفہ میں یہ اعلیٰ درجہ کی بلاغت ہے کہ باوجود کمال فصاحت اور خوش بیانی کے واقعی ترتیب کا نقشہ کھینچ کر دکھلا دیا ہے اور وہی طرز بیان اختیار کی ہے جو کہ ہر یک صاحب نظر کو نظام عالم میں بدیہی طور پر نظر آرہی ہے۔ کیا یہ نہایت سیدھا راستہ نہیں ہے کہ جس
٣٨٢ ترتیب سے نعماء الٰہی صحیفۂ فطرت میںؔ واقعہ ہیں اسی ترتیب سے صحیفۂ الہام میں بھی واقعہ ہوں۔ سو ایسی عمدہ اور پُرحکمت ترتیب پر اعتراض کرنا حقیقت میں انہیں اندھوں کا کام ہے جن کی بصیرت اور بصارت دونوں یکبارگی جاتی رہی ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش در نظر

اب ہم پھر تقریر کو دوہرا کر اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ نے سورۃ ممدوحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی صفت سے لے کر مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ تک بیان فرمایا ہے۔ یہ حسب تصریحات قرآن شریف چار عالیشان صداقتیں ہیں جن کا اس

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ان کے چہروں پر تونگری کی تازگی نظر آتی ہے اور صاحب دولت ہونے کی مستقل مزاجی دکھائی دیتی ہے اور تنگیوں کی حالت میں بکمال کشادہ دلی اور یقین کامل اپنے مولیٰ کریم پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ سیرت ایثار ان کا مشرب ہوتا ہے اور خدمت خلق ان کی عادت ہوتی ہے اور کبھی انقباض ان کی حالت میں راہ نہیں پاتا اگرچہ سارا جہان ان کا عیال ہو جائے۔ اور فی الحقیقت خدائے تعالیٰ کی ستاری مستوجب شکر ہے جو ہر جگہ ان کی پردہ پوشی کرتی ہے اور قبل اس کے جو کوئی آفت فوق الطاقت نازل ہو ان کو دامن عاطفت میں لے لیتی ہے کیونکہ ان کے تمام کاموں کا خدا متولی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس نے آپ ہی فرمایا ہے: وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف:۱۹۷) لیکن دوسروں کو دنیاداری کے دل آزار اسباب میں چھوڑا جاتا ہے اور وہ خارق عادت سیرت جو خاص لوگوں کے ساتھ ظاہر کی جاتی ہے کسی دوسرے کے ساتھ ظاہر نہیں کی جاتی۔ اور یہ خاصہ ان کا
٤٥٠ بھیؔ صحبت سے بہت جلد ثابت ہو سکتا ہے۔ ازانجملہ ایک مقام محبت ذاتی کا ہے جس پر قرآن شریف کے کامل متبعین کو قائم کیا جاتا ہے۔ اور ان کے رگ و ریشہ میں اس قدر محبت الٰہیہ تاثیر کر جاتی ہے کہ ان کے وجود کی حقیقت بلکہ ان کی جان کی جان ہو جاتی ہے۔ اور محبوب حقیقی سے ایک عجیب طرح کا پیار ان کے دلوں میں جوش مارتا ہے اور ایک خارق عادت انس اور شوق ان کے قلوب صافیہ پر مستولی ہو جاتا ہے کہ جو غیر سے بکلی منقطع اور گسستہ کر دیتا ہے اور آتش عشق الٰہی ایسی افروختہ ہوتی ہے کہ جو ہم صحبت لوگوں کو اوقات خاصہ میں بدیہی طور پر مشہود اور محسوس ہوتی ہے۔ بلکہ اگر محبان صادق اس جوش محبت کو کسی حیلہ اور تدبیر سے پوشیدہ رکھنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے غیر ممکن ہو جاتا ہے۔ جیسے عشاق مجازی کے لئے بھی یہ بات غیر ممکن ہے کہ وہ اپنے محبوب کی محبت کو جس کے دیکھنے کے لئے دن رات مرتے ہیں اپنے رفیقوں اور ہم صحبتوں

ارادہ سے اس کو اشرف المخلوقات بنایا وہ اس کی پیدائش کو ادھورا چھوڑ دیتا اور پھر انسان اتفاقی طور پر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

جگہ کھول کر بیان کرنا قرین مصلحت ہے۔ پہلی صداقت یہ کہ خدائے تعالیٰ رب العالمین ہے یعنی عالم کے اشیا میں سے جو کچھ موجود ہے سب کا رب اور مالک خدا ہے اور جو کچھ عالم میں نمودار ہو چکا ہے اور دیکھا جاتا ہے یا ٹٹولا جاتا ہے یا عقل اس پر محیط ہوسکتی ہے وہ سب چیزیں مخلوق ہی ہیں اور ہستی حقیقی بجز ایک ذات حضرت باری تعالیٰ کے اور کسی چیز کے لئے حاصل نہیں۔ غرض عالم بجمیع اجزائے مخلوق اور خدا کی پیدائش ہے اور کوئی چیز اجزائے عالم میں سے ایسی نہیں کہ جو خدا کی پیدائش نہ ہو۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی ربوبیت تامہ کے ساتھ عالم کے ذرہ ذرہ پر متصرف اور حکمران ہے اور اس کی ربوبیت ہر وقت کام میں لگی ہوئی ہے۔ یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ دنیا کو بنا کر اس کے انتظام سے الگ ہو بیٹھا ہے اور اسے نیچر کے قاعدہ کے ایسا سپرد کیا ہے کہ خود کسی کام میں دخل بھی نہیں دیتا۔ اور جیسے کوئی کل بعد بنائے جانے کے پھر بنانے والے سے بے علاقہ ہو جاتی ہے ایسا ہی مصنوعات صانع حقیقی سے بے علاقہ ہیں۔ بلکہ وہ رب العالمین اپنی ربوبیت تامہ کی آب پاشی
ہر وقت برابر تمام عالم پر کر رہا ہے اور اس کی ربوبیت کا مینہ بالاتصال تمام عالم پر نازل ہو رہا ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں کہ ۳۸۳
اس کے رشح فیض سے خالی ہو۔ بلکہ عالم کے بنانے کے بعد بھی اس مبدء فیوض کی فی الحقیقت بلا ایک ذرہ تفاوت کے ایسی ہی حاجت ہے کہ گویا ابھی تک اس نے کچھ بھی نہیں بنایا اور جیسے دنیا اپنے وجود اور نمود کے لئے اس کی ربوبیت کی محتاج تھی ایسا ہی اپنے بقا اور قیام کے لئے اس کی ربوبیت کی حاجتمند ہے۔ وہی ہے جو ہر دم دنیا کو سنبھالے ہوئی ہے اور دنیا کا ہر ذرہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سے چھپائے رکھیں بلکہ وہ عشق جو ان کے کلام اور ان کی صورت اور ان کی آنکھ اور ان کی وضع اور ان کی فطرت میں گھس گیا ہے اور ان کے بال بال سے مترشح ہو رہا ہے وہ ان کے چھپانے سے ہرگز چھپ ہی نہیں سکتا۔ اور ہزار چھپائیں کوئی نہ کوئی نشان اس کا نمودار ہو جاتا ہے اور سب سے بزرگ تر ان کے صدق قدم کا نشان یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب حقیقی کو ہر یک چیز پر اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اگر آلام اس کی طرف سے پہنچیں تو محبت ذاتی کے غلبہ سے برنگ انعام ان کو مشاہدہ کرتے ہیں اور عذاب کو شربت عذب کی طرح سمجھتے ہیں۔ کسی تلوار کی تیز دھار ان میں اور ان کے محبوب میں جدائی نہیں ڈال سکتی اور کوئی بلیہ عظمیٰ ان کو اپنے اس پیارے کی یاد داشت سے روک نہیں سکتے۔ اسی کو اپنی جان سمجھتے ہیں اور اسی کی محبت میں لذات پاتے اور اسی کی ہستی کو ہستی خیال کرتے ہیں اور اسی کے ذکر کو اپنی زندگی کا ماحصل قرار دیتے ہیں۔ اگر چاہتے ہیں تو اسی کو،
اگر آرام پاتے ہیں تو اسی سے، تمام عالم میں اسی کو رکھتے ہیں اور اسی کے ہو رہتے ہیں۔ اسی کے لئے جیتے ہیں اور اسی کے ۴۵۱
لئے مرتے ہیں۔ عالم میں رہ کر پھر بے عالم ہیں اور باخود ہو کر پھر بے خود ہیں۔ نہ عزت سے کام رکھتے ہیں نہ نام سے نہ اپنی جان سے نہ اپنے آرام سے بلکہ سب کچھ ایک کے لئے کھو بیٹھتے ہیں اور ایک کے پانے کے لئے سب کچھ دے ڈالتے ہیں۔ لایدرک آتش سے جلتے جاتے ہیں اور کچھ بیان نہیں کر سکتے کہ کیوں جلتے ہیں۔ اور تفہیم اور تفہم سے صم بکم ہوتے ہیں اور ہر یک مصیبت اور ہر یک رسوائی کے سہنے کو طیار رہتے ہیں اور اس سے لذت پاتے ہیں۔

عشق است کہ برخاک مذلت غلطاند　　عشق است کہ بر آتش سوزاں بنشاند
کس بہر کسی سر ندہد جان نہ فشاند　　عشق است کہ ایں کار بصد صدق کناند

ازانجملہ اخلاق فاضلہ ہیں جیسے سخاوت شجاعت ایثار علوّ ہمت وفور شفقت حلم حیا مودت یہ تمام اخلاق بھی بوجہ احسن اور

٣٥٣ اپنے نقصان کی آپ تکمیل کرتا۔ کیا جس ذات کو ان تمام بولیوں کا قدیم سے علم حاصل ہے اور جس کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اسی سے تر و تازہ ہے اور وہ اپنی مرضی اور ارادہ کے موافق ہر چیز کی ربوبیت کررہا ہے۔ یہ نہیں کہ بلا ارادہ کسی شے کی ربوبیت کا موجب ہو۔ غرض آیات قرآنی کی رو سے جن کا خلاصہ ہم بیان کررہے ہیں اس صداقت کا یہ منشا ہے کہ ہر یک چیز کہ جو عالم میں پائی جاتی ہے وہ مخلوق ہے اور اپنے تمام کمالات اور اپنے تمام حالات اور اپنے تمام اوقات میں خدائے تعالیٰ کی ربوبیت کی محتاج ہے۔ اور کوئی روحانی یا جسمانی ایسا کمال نہیں ہے جس کو کوئی مخلوق خودبخود اور بغیر ارادہ خاص اس متصرف مطلق کے حاصل کرسکتا ہو۔ اور نیز حسب توضیح اسی کلام پاک کے اس صداقت اور ایسا ہی دوسری صداقتوں میں یہ معنی بھی ملحوظ ہیں کہ رب العالمین وغیرہ صفتیں جو خدائے تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں یہ اسی کی ذات واحد لاشریک سے خاص ہیں اور کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں۔ جیسا کہ اس سورۃ کے پہلے فقرہ میں یعنی الحمدللہ میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ تمام محامد خدا ہی سے خاص ہیں۔ دوسری صداقت رحمٰن ہے کہ جو بعد رب العالمین بیان فرمایا گیا۔ اور رحمٰن کے معنی جیسا کہ ہم پہلے
٣٨٤ بھی بیان کرچکے ہیں یہ ہیں کہ جس قدر جاندار ہیں خواہ ذی شعور اور خواہ غیر ذی شعور اور خواہ نیک اور خواہ بد، ان سب کے قیام اور بقائے وجود اور بقائے نوع کے لئے اور ان کی تکمیل کے لئے خدائے تعالیٰ نے اپنی رحمت عامہ کے رو سے ہر یک قسم کے اسباب مطلوبہ میسر کردیئے ہیں اور ہمیشہ میسر کرتا رہتا ہے اور یہ عطیہ محض ہے کہ جو کسی عامل کے عمل پر موقوف نہیں۔ تیسری صداقت رحیم ہے کہ جو بعد رحمٰن کے مذکور ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ سعی کرنے والوں کی سعی پر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

انسب انہیں سے صادر ہوتے ہیں۔ اور وہی لوگ بہ یمن متابعت قرآن شریف وفاداری سے آخیر عمر تک ہر یک حالت میں ان کو بخوبی وشائستگی انجام دیتے ہیں اور کوئی انقباض خاطر ان کو ایسا پیش نہیں آتا کہ جو اخلاق حسنہ کی کما ینبغی صادر ہونے سے ان کو روک سکے۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کچھ خوبی علمی یا عملی یا اخلاقی انسان سے صادر ہوسکتی ہے وہ صرف انسانی طاقتوں سے صادر نہیں ہوسکتی بلکہ اصل موجب اس کے صدور کا فضل الٰہی ہے۔ پس چونکہ یہ لوگ سب سے زیادہ مورد فضل الٰہی ہوتے ہیں اس لئے خود خداوند کریم اپنے تفضلات نامتناہی سے تمام خوبیوں سے ان کو متمتع کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ حقیقی طور پر بجز خدائے تعالیٰ کے اور کوئی نیک نہیں۔ تمام اخلاق فاضلہ اور تمام نیکیاں اسی کے لئے مسلم ہیں۔
٤٥٢ پھر جس قدر کوئی اپنے نفس اور ارادت سے فانی ہوکر اس ذات خیر محض کا قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر اخلاق الٰہیہ اس کے نفس پر منعکس ہوتی ہیں۔ پس بندہ کو جو جو خوبیاں اور سچی تہذیب حاصل ہوتی ہے وہ خدا ہی کے قرب سے حاصل ہوتی ہے اور ایسا ہی چاہیے تھا کیونکہ مخلوق فی ذاتہ کچھ چیز نہیں ہے۔ سو اخلاق فاضلہ الٰہیہ کا انعکاس انہیں کے دلوں پر ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن شریف کا کامل اتباع اختیار کرتے ہیں۔ اور تجربہ صحیحہ بتلاسکتا ہے کہ جس مشرب صافی اور روحانی ذوق اور محبت کے بھرے ہوئے جوش سے اخلاق فاضلہ ان سے صادر ہوتے ہیں اس کی نظیر دنیا میں نہیں پائی جاتی اگرچہ منہ سے ہر یک شخص دعویٰ کرسکتا ہے اور لاف وگذاف کے طور پر ہر ایک کی زبان چل سکتی ہے مگر جو تجربہ صحیحہ کا تنگ دروازہ ہے اس دروازہ سے سلامت نکلنے والے یہی لوگ ہیں۔ اور دوسرے لوگ اگر کچھ اخلاق فاضلہ ظاہر کرتے بھی ہیں تو تکلف اور تصنع سے ظاہر کرتے ہیں اور اپنی آلودگیوں کو پوشیدہ رکھ کر اور اپنی بیماریوں کو چھپا کر اپنی جھوٹی تہذیب دکھلاتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ امتحانوں میں ان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ اور تکلف اور تصنع اخلاق فاضلہ کے ادا کرنے میں اکثر وہ اس لئے کرتے ہیں کہ

نظر عمیق کے آگے سب موجود ہونے والی چیزیں موجود بالفعل کا حکم رکھتی ہیں اور جس کی قدرت تامہ ہر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بمقتضائے رحمت خاصہ ثمرات حسنہ مترتب کرتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کے گناہ بخشتا ہے۔ مانگنے والوں کو دیتا ہے۔ کھٹکھٹانے والوں کے لئے کھولتا ہے۔ چوتھی صداقت جو سورہ فاتحہ میں مندرج ہے مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ہے یعنی یہ کمال و کامل جزا سزا کہ ہر یک قسم کے امتحان و ابتلا اور توسط اسباب غفلت افترا سے منزہ ہے اور ہر یک کدورت اور کثافت اور شک اور شبہ اور نقصان سے پاک ہے اور تجلیات عظمٰی کا مظہر ہے اس کا مالک بھی وہی اللہ قادر مطلق ہے۔ اور وہ اس بات سے ہرگز عاجز نہیں کہ اپنی کامل جزاء کو جو دن کی طرح روشن ہے ظہور میں لاوے۔ اور اس صداقت عظمٰی کے ظاہر کرنے سے حضرت احدیت کا یہ مطلب ہے کہ تا ہر یک نفس پر بطور حق الیقین امور مفصلۂ ذیل کھل جائیں۔ اول یہ امر کہ جزا سزا ایک واقعی اور یقینی امر ہے کہ جو مالک حقیقی کی طرف سے اور اسی کے ارادۂ خاص سے بندوں پر وارد ہوتا ہے اور ایسا کھل جانا دنیا میں ممکن نہیں۔ کیونکہ اس عالم میں یہ بات عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی کہ جو کچھ خیر و شر و راحت و رنج پہنچ رہا ہے وہ کیوں پہنچ رہا ہے اور کس کے حکم و اختیار سے پہنچ رہا ہے۔ اور کسی کو ان میں سے یہ آواز نہیں آتی کہ وہ اپنی جزا پا رہا ہے اور کسی پر بطور مشہود و محسوس منکشف نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ بھگت رہا ہے حقیقت میں وہ اس کے عملوں کا بدلہ ہے۔ دوسرے اس صداقت ۳۸۵
میں اس امر کا کھلنا مطلوب ہے کہ اسباب عادیہ کچھ چیز نہیں ہیں اور فاعل حقیقی خدا ہے اور وہی ایک ذات عظمٰی ہے کہ جو جمیع فیوض کا مبدء اور ہر یک جزا سزا کا مالک ہے۔ تیسرے اس صداقت میں اس بات کا ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ سعادتِ عظمٰی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اپنی دنیا اور معاشرت کا حسن انتظام وہ اسی میں دیکھتے ہیں۔ اور اگر اپنی اندرونی آلائشوں کی ہر جگہ پیروی کریں تو پھر مہمات معاشرت میں خلل پڑتا ہے۔ اور اگرچہ بقدر استعداد فطرتی کے کچھ تخم اخلاق کا ان میں بھی ہوتا ہے مگر وہ اکثر نفسانی خواہشوں کے کانٹوں کے نیچے دبا رہتا ہے اور بغیر آمیزش اغراض نفسانی کے خالصاً للہ ظاہر نہیں ہوتا چہ جائیکہ اپنے کمال کو پہنچے۔ اور خالصاً للہ انہیں میں وہ تخم کمال کو پہنچتا ہے کہ جو خدا کے ہو رہتے ہیں اور جن کے نفوس کو خدائے تعالیٰ غیریت کی لوث سے بکلی خالی پا کر خود اپنے پاک اخلاق سے بھر دیتا ہے اور ان کے دلوں میں وہ اخلاق ایسے پیارے کر دیتا ہے جیسے وہ اس کو آپ پیارے ہیں۔ پس وہ لوگ فانی ہونے کی وجہ سے تخلق باخلاق اللہ کا ایسا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں کہ گویا وہ خدا کا ایک آلہ ہو جاتے ہیں جس کی توسط سے وہ اپنے اخلاق ظاہر کرتا ہے اور ان کو بھوکے اور پیاسے پا کر وہ آبِ زلال ان کو ۴۵۳
اپنے اس خاص چشمہ سے پلاتا ہے جس میں کسی مخلوق کو علی وجہ الاصالت اس کے ساتھ شرکت نہیں۔ اور منجملہ ان عطیات کے ایک کمال عظیم جو قرآن شریف کے کامل تابعین کو دیا جاتا ہے عبودیت ہے۔ یعنی وہ باوجود بہت سے کمالات کے ہر وقت نقصان ذاتی اپنا پیش نظر رکھتے ہیں اور بشہود کبریائی حضرت باری تعالیٰ ہمیشہ تذلل اور نیستی اور انکسار میں رہتے ہیں اور اپنی اصل حقیقت ذلت اور مفلسی اور ناداری اور پُر تقصیری اور خطا واری سمجھتے ہیں اور ان تمام کمالات کو جو ان کو دیئے گئے ہیں اس عارضی روشنی کی مانند سمجھتے ہیں جو کسی وقت آفتاب کی طرف سے دیوار پر پڑتی ہے جس کو حقیقی طور پر دیوار سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہوتا اور لباس مستعار کی طرح معرض زوال میں ہوتی ہے۔ پس وہ تمام خیر و خوبی خدا ہی میں محصور رکھتے ہیں اور تمام نیکیوں کا چشمہ اسی کی ذات کامل کو قرار دیتے ہیں اور صفات الٰہیہ کے کامل شہود سے ان کے دل میں حق الیقین کے طور پر بھر جاتا ہے کہ ہم کچھ چیز نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وجود اور ارادہ اور خواہش سے بکلی کھوئے جاتے ہیں اور

۳۵۴ یک طورؔ کی تعلیم وتفہیم کرسکتی ہے وہ اس لائق ہے کہ اس کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ اس نے دیدہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور شقاوت عظمیٰ کیا چیز ہے۔یعنی سعادت عظمی وہ فوز عظیم کی حالت ہے کہ جب نور اور سرور اور لذت اور راحت انسان کے تمام ظاہر وباطن اور تن اور جان پر محیط ہوجائے اور کوئی عضو اور قوت اس سے باہر نہ رہے۔اور شقاوت عظمیٰ وہ عذاب الیم ہے کہ جو بباعث نافرمانی اور ناپاکی اور بعد اور دوری کے دلوں سے مشتعل ہوکر بدنوں پر مستولی ہوجائے اور تمام وجود فی النار والسقر معلوم ہو۔اور یہ تجلیات عظمیٰ اس عالم میں ظاہر نہیں ہوسکتیں کیونکہ اس تنگ اور منقبض اور مکدر عالم کو جو روپوش اسباب ہوکر ایک ناقص حالت میں پڑا ہے ان کے ظہور کی برداشت نہیں۔ بلکہ اس عالم پر ابتلاء اور آزمائش غالب ہے اور اس کی راحت اور رنج دونوں ناپائدار اور ناقص ہیں۔اور نیز اس عالم میں جو کچھ انسان پر وارد ہوتا ہے وہ زیر پردہ اسباب ہے جس سے مالک الجزاء کا چہرہ محجوب اور مکتوم ہو رہا ہے۔اس لئے یہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الجزا نہیں ہوسکتا بلکہ خالص اور کامل اور منکشف طور پر یوم الدین یعنی یوم الجزا وہ عالم ہوگا کہ جو اس عالم کے ختم ہونے کے بعد آوے گا اور وہی عالم تجلیات عظمیٰ کا مظہر اور جلال اور جمال کے پوری ظہور کی جگہ ہے۔اور چونکہ یہ عالم دنیوی اپنی اصل وضع کے رو سے دارالجزاء نہیں بلکہ دارالابتلاء ہے اس لئے جو کچھ عسر ویسر وراحت وتکلیف اور غم اور خوشی اس عالم میں
۳۸۶ لوگوں پر وارد ہوتی ہے اس کو خدائے تعالیٰ کے لطفؔ یا قہر پر دلالت قطعی نہیں مثلاً کسی کا دولتمند ہوجانا اس بات پر دلالت قطعی نہیں کرتا کہ خدائے تعالیٰ اس پر خوش ہے اور نہ کسی کا مفلس اور نادار ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عظمت الٰہی کا پُرجوش دریا ان کے دلوں پر ایسا محیط ہوجاتا ہے کہ ہزارہا طور کی نیستی ان پر وارد ہوجاتی ہے اور شرک خفی کے ہر ایک رگ وریشہ سے بکلی پاک اور منزہ ہوجاتے ہیں۔اور منجملہ ان عطیات کے ایک یہ ہے کہ ان کی معرفت اور خداشناسی بذریعہ کشوف صادقہ اور علوم لدنیہ والہامات صریحہ ومکالمات ومخاطبات حضرت احدیت ودیگر خوارق عادت بدرجہ اکمل واتم پہنچائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں اور عالم ثانی میں ایک نہایت رقیق اور شفاف حجاب باقی رہ جاتا ہے۔جس میں سے ان کی نظر عبور کرکے واقعات اخروی کو اسی عالم میں دیکھ لیتی ہے، برخلاف دوسرے لوگوں کے کہ جو
۴۵۴ بباعث پُرظلمت ہونے اپنی کتابوں کے اس مرتبۂ کاملہ تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے بلکہ ان کی کج تعلیم کتابیں ان کے حجابوںؔ پر اور بھی صدہا حجاب ڈالتے ہیں اور بیماری کو آگے سے آگے بڑھا کر موت تک پہنچاتے ہیں۔اور فلسفی جن کے قدموں پر آج کل برہمو سماج والے چلتے ہیں اور جن کے مذہب کا سارا مدار عقلی خیالات پر ہے وہ خود اپنے طریق میں ناقص ہیں اور ان کے نقصان پر یہی دلیل کافی ہے کہ ان کی معرفت باوجود صدہا طرح کی غلطیوں کی نظری وجوہ سے تجاوز نہیں کرتی اور قیاسی اٹکلوں سے آگے نہیں بڑھتی۔اور ظاہر ہے کہ جس شخص کی معرفت صرف نظری طور تک محدود ہے اور وہ بھی کئی طرح کی خطا کی آلودگیوں سے ملوث وہ شخص بمقابلہ اس شخص کے جس کا عرفان بداہت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے اپنی علمی حالت میں بغایت درجہ پست اور متنزل ہے۔ظاہر ہے کہ نظر اور فکر کے مرتبہ کے آگے ایک مرتبہ بداہت اور شہود کا باقی ہے۔یعنی جو امور نظری اور فکری طور پر معلوم ہوتے ہیں وہ ممکن ہیں کہ کسی اور ذریعہ سے بدیہی اور مشہود طور پر معلوم ہوں۔سو یہ مرتبہ بداہت کا عندالعقل ممکن الوجود ہے اور گو برہمو سماج والے اس مرتبہ کے وجود فی الخارج سے انکار ہی کریں پر اس بات سے انہیں انکار نہیں کہ وہ مرتبہ اگر خارج میں پایا جائے تو بلاشبہ اعلیٰ واکمل ہے اور جو نظر اور فکر میں خفا یا باقی رہ جاتے ہیں ان کا

۳۵۵ ودانستہ انسان کو بے زبانی کی حالت میں دیکھ کر پھر اس کو زبان سکھلانے سے دریغ کیاؔ یہاں تک کہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اس پر ناراض ہے۔ بلکہ یہ دونوں طور کے ابتلاء ہیں تا دولتمند کو اس کی دولت میں اور مفلس کو اس کی مفلسی میں جانچا جائے۔ یہ چار صداقتیں ہیں جن کا قرآن شریف میں مفصل بیان موجود ہے۔ اور قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ ان صداقتوں کی تفصیل میں آیاتِ قرآنی ایک دریا کی طرح بہتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ اور اگر ہم اس جگہ مفصل طور پر ان تمام آیات کو لکھتے تو بہت سے اجزاء کتاب کے اس میں خرچ ہو جاتے۔ سو ہم نے اس نظر سے کہ انشاء اللہ عنقریب براہین قرآنی کے موقعہ پر وہ تمام آیات بہ تفصیل لکھے جائیں گے ان تمہیدی مباحث میں صرف سورۃ فاتحہ کے قل ودل کلمات پر کفایت کی۔

اب بعد اس کے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یہ چاروں صداقتیں کہ جو بین الثبوت اور بدیہی الصدق ہیں ایسے بے نظیر اور اعلیٰ درجہ کے ہیں کہ یہ بات دلائل قطعیہ سے ثابت ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور فرمانے کے وقت یہ چاروں صداقتیں دنیا سے گم ہو چکی تھیں اور کوئی قوم پردۂ زمین پر ایسی موجود نہیں تھی کہ جو بغیر آمیزش افراط یا تفریط کے ان صداقتوں کی پابند ہو۔ پھر جب قرآن شریف نازل ہوا تو اس کلام مقدس نے نئے سرے ان گم شدہ صداقتوں کو زاویہ گمنامی
۳۸۷ سے باہر نکالا اور گمراہوں کو ان کے حقانی وجود سے اطلاع دی اور دنیا میں ان کو پھیلایا اور ایک عالم کو ان کے نورؔ سے منور کیا۔ لیکن اس بات کے ثبوت کے لئے کہ کیونکر تمام قومیں ان صداقتوں سے بے خبر اور ناواقف محض تھیں۔ یہی ایک کافی دلیل

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ظہور اور بروز اسی مرتبہ پر موقوف ہے اور خود اس بات کو کون نہیں سمجھ سکتا کہ ایک امر کا بدیہی طور پر کھل جانا نظری طور سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ مثلاً اگرچہ مصنوعات کو دیکھ کر دانا اور سلیم الطبع انسان کا اس طرف خیال آ سکتا ہے کہ ان چیزوں کا کوئی صانع ہوگا مگر نہایت بدیہی اور روشن طریق معرفت الٰہی کا جو اس کے وجود پر بڑی ہی مضبوط دلیل ہے یہ ہے کہ اس کے بندوں کو الہام ملتا ہے اور قبل اس کے جو حقائق اشیاء کا انجام کھلے ان پر کھولا جاتا ہے اور وہ اپنے معروضات میں حضرت
۴۵۵ احدیت سے جوابات پاتے ہیں اور ان سے مکالمات اورؔ مخاطبات ہوتے ہیں اور بہ نظر کشفی ان کو عالم ثانی کے واقعات دکھلائے جاتے ہیں اور جزا سزا کی حقیقت پر مطلع کیا جاتا ہے اور دوسرے کئی طور کے اسرار اخروی ان پر کھولے جاتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ تمام امور علم الیقین کو اتم اور اکمل مرتبہ تک پہنچاتے ہیں اور نظری ہونے کے عمیق نشیب سے بداہت کے بلند مینار تک لے جاتے ہیں۔ بالخصوص مکالمات اور مخاطبات حضرت احدیت ان سب اقسام سے اعلیٰ ہیں کیونکہ ان کے ذریعہ سے صرف اخبار غیبیہ ہی معلوم نہیں ہوتے بلکہ عاجز بندہ پر جو جو مولیٰ کریم کی عنایتیں ہیں ان سے بھی اطلاع دی جاتی ہے اور ایک لذیذ اور مبارک کلام سے ایسی تسلی اور تشفی اس کو عطا ہوتی ہے اور خوشنودی حضرت باری تعالیٰ سے مطلع کیا جاتا ہے جس سے بندہ مکروہات دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑی قوت پاتا ہے گویا صبر اور استقامت کے پہاڑ اس کو عطا کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح بذریعہ کلام اعلیٰ درجہ کے علوم اور معارف بھی بندہ کو سکھلائے جاتے ہیں اور وہ اسرار خفیہ ودقائق عمیقہ بتلائے جاتے ہیں کہ جو بغیر تعلیم خاص ربانی کے کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ پیش کرے کہ یہ تمام امور جن کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ قرآن شریف کے کامل اتباع سے حاصل ہوتے ہیں کیونکر اسلام میں ان کا متحقق فی الخارج ہونا بہ پایہ ثبوت پہنچ سکتا ہے، تو اس وہم کا جواب یہ ہے کہ صحبت سے۔ اور اگرچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں

انسان اس کی کم اتفاقی کی وجہ سے مدت دراز تک حیوانوں اور وحشیوں کی طرح اپنی زندگی کو بسر کرتا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہے کہ اب بھی دنیا میں کوئی قوم بجز دین حق اسلام کی ٹھیک ٹھیک اور کامل طور پر ان صداقتوں پر قائم نہیں۔ اور جو شخص کسی ایسی قوم کے وجود کا دعویٰ کرے تو بار ثبوت اسی کے ذمہ ہے۔ ماسوا اس کے قرآنی شہادت کہ جو ہر یک دوست و دشمن میں شائع ہونے کی وجہ سے ہر یک مخاصم پر حجت ہے اس بات کے لئے ثبوت کافی ہے اور وہ شہادتیں جا بجا فرقان مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ اور خود کسی تاریخ دان اور واقف حقیقت کو اس سے بے خبری نہیں ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہور کے وقت تک ہر یک قوم کی ضلالت اور گمراہی کمال کے درجہ تک پہنچ چکی تھی اور کسی صداقت پر کامل طور پر ان کا قیام نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اگر اول یہودیوں ہی کے حال پر نظر کریں تو ظاہر ہوگا کہ ان کو خدائے تعالیٰ کی ربوبیت تامہ میں بہت سے شک اور شبہات پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے ایک ذات رب العالمین پر کفایت نہ کر کے صدہا ارباب متفرقہ اپنے لئے بنا رکھے تھے۔ یعنی مخلوق پرستی اور دیوتا پرستی کا بغایت درجہ ان میں بازار گرم تھا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حال قرآن شریف میں بیان کر کے فرمایا ہے: اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۱) یعنی یہودیوں نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو کہ جو مخلوق اور غیر خدا ہیں اپنے رب اور قاضی الحاجات ٹھہرا رکھے ہیں اور نیز اکثروں کا یہودیوں میں سے بعض نیچریوں کی طرح یہ اعتقاد ہو گیا تھا کہ انتظام دنیا کا قوانین منضبطہ متعینہ پر چل رہا ہے اور اس قانون میں مختارانہ تصرف کرنے سے خدائے تعالیٰ قاصر اور عاجز ہے۔ گویا اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ نہ اس قاعدہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

لیکن بغیر اندیشہ طول کے پھر مکرر ہر یک مخالف پر ظاہر کرتے ہیں کہ فی الحقیقت یہ دولت عظمیٰ اسلام میں پائی جاتی ہے کسی
دوسرے مذہب میں ہرگز پائی نہیں جاتی اور طالب حق کے لئے اس کے ثبوت کے بارے میں ہم آپ ہی ذمہ وار ہیں۔
بشرط صحبت و حسن ارادت و تحقق مناسبت اور صبر اور ثبات کے یہ امور ہر یک طالب پر بقدر استعداد اور لیاقت ذاتی اس کی
کے کھل سکتے ہیں اور ان امور میں سے جو اخبار غیبیہ ہیں ان کی نسبت یہ شبہ ہرگز نہیں کرنا چاہیے جو اس کام میں رمال و منجم بھی ۴۵۶
شریک ہیں، کیونکہ یہ قوم کسی خاص فن یا قواعد کے ذریعہ سے اخبار غیبیہ کو نہیں بتلاتی اور نہ غیب دان ہونے کا دعویٰ کرتی ہے
بلکہ خداوند کریم جو ان پر مہربان ہے اور ان کے حال پر ایک خاص عنایات و توجہات رکھتا ہے وہ بعض مصالح کے لحاظ سے
بعض امور پیش از وقوع ان کو بتلا دیتا ہے تا جس کام کا اس نے ارادہ کیا ہے بوجہ احسن انجام کو پہنچ جائے۔ مثلاً وہ خلق اللہ پر
یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ فلاں بندہ مؤید من اللہ ہے اور جو کچھ انعامات اور کرامات وہ پاتا ہے وہ معمولی اور اتفاقی طور پر نہیں
بلکہ خاص ارادہ و توجہ الٰہی سے ظہور میں آتے ہیں۔ اسی طرح جو کچھ فتح و نصرت اور اقبال و عزت اس کو ملتی ہے وہ کسی تدبیر
اور حیلہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ خدا ہی نے چاہا ہے کہ اس کو غلبہ بخشے اور اپنی تائیدات اس کے شامل حال کرے۔ پس وہ
کریم اور رحیم اس مقصود کے ثابت کرنے کی غرض سے ان انعامات اور فتوح سے پہلے بطور پیشگوئی ان نعمتوں کے عطا
کرنے کی بشارت دے دیتا ہے۔ سو ان پیش گوئیوں سے مقصود بالذات اخبار غیبیہ نہیں ہوتیں بلکہ مقصود بالذات یہ
ہوتا ہے کہ تا یقینی اور قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ وہ شخص مؤید من اللہ اور ان خاص لوگوں میں سے ہے جن کی تائید کے لئے
عنایات حضرت عزت خاص طور پر تجلی کرتی ہیں۔ اب اس تقریر سے ظاہر ہے کہ اس مؤید من اللہ کو منجم وغیرہ سے کچھ بھی
نسبت نہیں اور اس کی پیشگوئیاں اصل مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود کی شناخت کے لئے علامات و آثار ہیں۔ ماسوا اس

٣٥٦ رہا اور پھر آخر کار اس کو آپ ہی سوجھی کہ کوئی بولی ایجاد کرنی چاہیے ۔ یہ خیال ایسا بدیہی البطلان ہے کہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کے برخلاف کچھ ایجاد کر سکتا ہے اور نہ فنا کر سکتا ہے ۔ بلکہ جب سے کہ اس نے اس عالم کا ایک خاص طور پر شیرازہ باندھ کر اس کی پیدائش سے فراغت پالی ہے تب سے یہ کل اپنے ہی پرزوں کی صلاحیت کی وجہ سے خودبخود چل رہی ہے اور رب
٣٨٨ العالمین کسی قسم کا تصرف اور دخل اس کل کے چلنے میں نہیں رکھتا اور نہ اس کو اختیار ہے کہ اپنی مرضی کے موافق اور اپنی خوشنودی ناخوشنودی کے رو سے اپنی ربوبیت کو بہ تفاوت مراتب ظاہر کرے یا اپنے ارادۂ خاص سے کسی طور کا تغیر اور تبدل کرے ۔ بلکہ یہودی لوگ خدائے تعالیٰ کو جسمانی اور مجسم قرار دے کر عالم جسمانی کی طرح اور اس کا ایک جز سمجھتے ہیں اور ان کی نظر ناقص میں یہ سمایا ہوا ہے بہت سی باتیں کہ جو مخلوق پر جائز ہیں وہ خدا پر بھی جائز ہیں اور اس کو من کل الوجوہ منزہ خیال نہیں کرتے ۔ اور ان کی توریت میں جو محرف اور مبدل ہے خدائے تعالیٰ کی نسبت کئی طور کی بے ادبیاں پائی جاتی ہیں ۔ چنانچہ پیدائش کے ۳۲ باب میں لکھا ہے کہ ’’خدائے تعالیٰ یعقوب سے تمام رات صبح تک کشتی لڑا کیا اور اس پر غالب نہ ہوا ۔‘‘ اسی طرح برخلاف اس اصول کے کہ خدائے تعالیٰ ہر یک مافی العالم کا رب ہے ، بعض مَردوں کو انہوں نے خدا کے بیٹے قرار دے رکھا ہے اور کسی جگہ عورتوں کو خدا کی بیٹیاں لکھا گیا ہے اور کسی جگہ بائبل میں یہ بھی فرمادیا ہے کہ تم سب خدا ہی ہو ۔ اور سچ تو یہ ہے کہ عیسائیوں نے بھی انہیں تعلیموں سے مخلوق پرستی کا سبق سیکھا ہے ۔ کیونکہ جب عیسائیوں نے معلوم کیا کہ بائبل کی تعلیم بہت سے لوگوں کو خدا کے بیٹے اور خدا کی بیٹیاں بلکہ خدا ہی بناتی ہے تو انہوں نے کہا کہ آؤ ہم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کے جن لوگوں کو خدائے تعالیٰ خاص اپنے لئے چن لیتا ہے اور اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے اور اپنے گروہ میں داخل کرتا ہے ۔ ان میں صرف یہی علامت نہیں کہ وہ پوشیدہ چیزیں بتلاتے ہیں تا ان کا حال نجومیوں اور جوتشیوں اور رمالوں اور کاہنوں کے حال سے مشتبہ ہوجائے اور کچھ مابہ الامتیاز باقی نہ رہے بلکہ ان کے شامل حال ایک عظیم الشان نور ہوتا ہے جس
٤٥٧ کے مشاہدہ کے سبب سے طالبؔ صادق بدیہی طور پر ان کو شناخت کر سکتا ہے ۔ اور حقیقت میں وہی ایک نور ہے جو ان کے ہر یک قول اور فعل اور حال اور قال اور عقل اور فہم اور ظاہر اور باطن پر محیط ہوجاتا ہے اور صدہا شاخیں اس کی نمودار ہوجاتی ہیں اور رنگارنگ کی صورتوں میں جلوہ فرماتا ہے ۔ وہی نور شدائد اور مصائب کے وقتوں میں صبر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور استقامت اور رضا کے پیرایہ میں اپنا چہرہ دکھاتا ہے ۔ تب یہ لوگ جو اس نور کے مورد میں آفاتِ عظیمہ کے مقابلہ پر جبال راسیات کی طرح دکھائی دیتے ہیں اور جن صدمات کی ادنیٰ مس سے ناآشنا لوگ روتے اور چلاتے ہیں بلکہ قریب بمرگ ہوجاتے ہیں ان صدمات کے سخت زور آور حملوں کو یہ لوگ کچھ چیز نہیں سمجھتے اور فی الفور حمایت الٰہی کنار عاطفت میں ان کو کھینچ لیتی ہے اور کوئی خامی اور بے صبری ان سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ محبوب حقیقی کے ایلام کو برنگ انعام دیکھتے ہیں اور بکشادگی سینہ وانشراح خاطر اس کو قبول کرتے ہیں بلکہ اس سے متلذذ ہوتے ہیں ۔ کیونکہ طاقتوں اور قوتوں اور صبروں کے پہاڑ ان کی طرف رواں کیے جاتے ہیں اور محبت الٰہیہ کی پُرجوش موجیں غیر کی یادداشت سے ان کو روک لیتی ہیں ۔ پس ان سے ایک ایسی برداشت ظہور میں آتی ہے کہ جو خارق عادت ہے اور جو کسی بشر سے بلا تائید الٰہی ممکن نہیں ۔ اور ایسا ہی وہ نور حاجات کے وقتوں میں قناعت کی صورت میں ان پر جلوہ گر ہوتا ہے ۔ سو دنیا کی خواہشوں سے ایک عجیب طور کی برودت ان کے دلوں میں پیدا ہوجاتی ہے کہ بدبودار چیز کی طرح دنیا کو سمجھتے ہیں اور یہی دنیوی لذات جن کے حظوظ پر دنیا دار لوگ

خدا کی وہ کامل قدرتیں اور کامل رحم اور کامل تربیت کہ جو ہر ایک زمانہ میں مشہور چلی آئی ہے وہ اس کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بھی اپنے ابن مریم کو انہیں میں داخل کریں تا وہ دوسرے بیٹوں سے کم نہ رہ جائے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے قرآن
شریف میں فرمایا ہے کہ عیسائیوں نے ابن مریم کو ابن اللہ بنا کر کوئی نئی بات نہیں نکالی بلکہ پہلے بے ایمانوں اور مشرکوں کے ٣٨٩
قدم پر قدم مارا ہے۔ غرض حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں یہودیوں کی یہ حالت تھی کہ مخلوق پرستی بدرجۂ غایت ان پر غالب آ گئی تھی اور عقائد حقہ سے بہت دور جا پڑی تھی یہاں تک کہ بعض ان کے ہندوؤں کی طرح تناسخ کے بھی قائل تھے اور بعض جزا سزا کے قطعاً منکر تھے اور بعض مجازات کو صرف دنیا میں محصور سمجھتے تھے اور قیامت کے قائل نہ تھے اور بعض یونانیوں کے نقش قدم پر چل کر مادہ اور روحوں کو قدیم اور غیر مخلوق خیال کرتے تھے اور بعض دہریوں کی طرح روح کو فانی سمجھتے تھے اور بعض کا فلسفیوں کی طرح یہ مذہب تھا کہ خدائے تعالیٰ رب العالمین اور مدبر بالا رادہ نہیں ہے۔ غرض مجذوم کے بدن کی طرح تمام خیالات ان کے فاسد ہو گئے تھے اور خدائے تعالیٰ کی صفات کاملہ ربوبیت و رحمانیت و رحیمیت اور مالک یوم الدین ہونے پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے، نہ ان صفتوں کو اس کی ذات سے مخصوص سمجھتے تھے اور نہ ان صفتوں کا کامل طور پر خدائے تعالیٰ میں پایا جانا یقین رکھتے تھے۔ بلکہ بہت سی بدگمانیاں اور بے ایمانیاں اور آلودگیاں ان کے اعتقادوں میں بھر گئی تھیں اور توریت کی تعلیم کو انہوں نے نہایت بدشکل چیز کی طرح بنا کر شرک اور بدی کی بدبو کو پھیلانا شروع کر رکھا تھا۔ پس وہ لوگ خدائے تعالیٰ کو جسمانی اور جسم قرار دینے میں اور اس کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت وغیرہ صفات کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

فریفتہ ہیں و بشوق تمام ان کے جویاں اور ان کے زوال سے سخت ہراساں ہیں۔ یہ ان کی نظر میں بغایت درجہ ناچیز ہو جاتے ہیں اور تمام سرور اپنا اس میں پاتے ہیں کہ مولیٰ حقیقی کی وفا اور محبت اور رضا سے دل بھرا رہے اور اسی کے ذوق اور
شوق اور انس سے اوقات معمور رہیں۔ اسؔ دولت سے بیزار ہیں کہ جو اس کی خلاف مرضی ہے اور اس عزت پر خاک ٤٥٨
ڈالتے ہیں جس میں مولیٰ کریم کی ارادت نہیں۔ اور ایسا ہی وہ نور کبھی فراست کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی قوت نظریہ کی بلند پروازی میں اور کبھی قوت عملیہ کی حیرت انگیز کارگذاری میں کبھی حلم اور رفق کے لباس میں اور کبھی درشتی اور غیرت کے لباس میں۔ کبھی سخاوت اور ایثار کے لباس میں۔ کبھی شجاعت اور استقامت کے لباس میں کبھی کسی خلق کے لباس میں اور کبھی کسی خلق کے لباس میں۔ اور کبھی مخاطبات حضرت احدیت کے پیرایہ میں اور کبھی کشوف صادقہ اور اعلامات واضحہ کے رنگ میں یعنی جیسا موقعہ پیش آتا ہے اس موقعہ کے مناسب حال وہ نور حضرت واہب الخیر کی طرف سے جوش مارتا ہے۔ نور ایک ہی ہے اور یہ تمام اس کی شاخیں ہیں۔ جو شخص فقط ایک شاخ کو دیکھتا ہے اور صرف ایک ٹہنی پر نظر رکھتا ہے اس کی نظر محدود رہتی ہے اس لئے بسا اوقات وہ دھوکا کھا لیتا ہے۔ لیکن جو شخص یکجائی نگاہ سے اس شجرۂ طیبہ کی تمام شاخوں پر نظر ڈالتا ہے اور ان کے انواع و اقسام کے پھلوں اور شگوفوں کی کیفیت معلوم کرتا ہے وہ روز روشن کی طرح ان نوروں کو دیکھ لیتا ہے اور نورانی جلال کی کھینچی ہوئی تلواریں اس کے تمام گھمنڈوں کو توڑ ڈالتی ہیں۔ شاید اس جگہ بعض طبائع پر یہ اشکال پیش آوے کہ کیونکر ان کمالات کو وہ لوگ بھی پا لیتے ہیں کہ جو نہ نبی ہیں اور نہ رسول۔ لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں یہ اشکال ایک ناچیز وہم ہے کہ جو ان لوگوں کے دلوں کو پکڑتا ہے کہ جو اسلام کی اصل حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اگر نبیوں کے تابعین کو ان کے کمالات اور علوم اور معارف میں علیٰ وجہ التبعیت شرکت نہ ہو تو باب وراثت کا بکلی مسدود ہو جاتا ہے یا بہت ہی تنگ اور

۳۵۷ تکذیب کررہے ہیں ۔ جس خدا کے عجائبؔ الہامات اب بھی نامعلوم بولیوں کو اپنے بندوں پر منکشف

بقیہ حاشیہ نمبر 11

معطل جاننے میں اور اس صفتوں میں دوسری چیزوں کو شریک گرداننے میں اکثر مشرکین کے پیشوا اور سابقین اولین میں سے ہیں۔

۳۹۰ یہ توؔ یہودیوں کا حال ہوا مگر افسوس کہ عیسائیوں نے تھوڑے ہی دنوں میں اس سے بدتر اپنا حال بنا لیا اور مذکورہ بالا صداقتوں میں سے کسی صداقت پر قائم نہ رہے اور جو خدا کی صفات کاملہ تھی وہ سب ابن مریم پر تھاپ دی۔ اور ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جمیع مافی العالم کا رب نہیں ہے بلکہ مسیح اس کی ربوبیت سے باہر ہے، بلکہ مسیح آپ ہی رب ہے۔ اور جو کچھ عالم میں پیدا ہوا وہ بزعم باطل ان کے بطور قاعدۂ کلیہ مخلوق اور حادث نہیں بلکہ ابن مریم عالم کے اندر حدوث پا کر اور صریح مخلوق ہو کر پھر غیر مخلوق اور خدا کے برابر بلکہ آپ ہی خدا ہے۔ اور اس کی عجیب ذات میں ایک ایسا اعجوبہ ہے کہ باوجود حادث ہونے کے قدیم ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے ایک واجب الوجود کے ماتحت اور اس کا محکوم ہے مگر پھر بھی آپ ہی واجب الوجود اور آزاد مطلق اور کسی کا ماتحت نہیں۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے عاجز
۳۹۱ اور ناتوان ہے مگر پھر بھی عیسائیوں کے بے بنیاد زعم میں قادر مطلق ہے اور عاجز نہیںؔ۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے امور غیبیہ کے بارہ میں نادان محض ہے یہاں تک کہ قیامت کی بھی خبر نہیں کہ کب آئے گی مگر پھر بھی نصرانیوں کے خوش عقیدہ کے رو سے عالم الغیب ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے اور نیز صحف انبیاء کی گواہی سے ایک مسکین بندہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

منقبض رہ جاتا ہے کیونکہ یہ معنی بکلی منافی وارثت ہے کہ جو کچھ فیوض حضرت مبدء فیاض سے اس کے رسولوں اور نبیوں کو
۴۵۹ ملتےؔ ہیں اور جس نورانیت یقین اور معرفت تک ان مقدسوں کو پہنچایا جاتا ہے اس شربت سے ان کے تابعین کے حلق محض ناآشنا رہیں اور صرف خشک اور ظاہری باتوں سے ہی ان کے آنسو پونچھے جائیں۔ ایسی تجویز سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ حضرت فیاض مطلق کی ذات میں بھی ایک قسم کا بخل ہو اور نیز اس سے کلام الٰہی اور رسول مقبول کی عظمت اور بزرگی کی کسر شان لازم آتی ہے۔ کیونکہ کلام الٰہی کی اعلیٰ تاثیریں اور نبی معصوم کی قوت قدسیہ کے کمالات اسی میں ہیں کہ انوار دائمہ کلام الٰہی کہ ہمیشہ قلوب صافیہ اور مستعدہ کو روشن کرتے رہیں نہ یہ کہ تاثیر ان کی بکلی معطل ہو یا صرف معدودے چند تک ہو کر پھر ہمیشہ کے لئے باطل ہو جائے اور زائل القوت دوا کی طرح فقط نام ہی تاثیر کا باقی رہ جائے۔ ماسوا اس کے جبکہ ایک حقیقت واقعی طور پر ہر عہد اور ہر زمانہ میں خارج میں متحقق الوجود چلی آئی ہے اور اب بھی متحقق الوجود ہے اور شہادات متکاثرہ سے اس کا ثبوت بدیہی طور پر مل سکتا ہے تو پھر ایسی روشن صداقت سے کیونکر کوئی منصف انکار کر سکتا ہے اور ایسی کھلا کھلی سچائی کیونکر اور کہاں چھپ سکتی ہے۔ حالانکہ قیاس بھی یہی چاہتا ہے کہ جب تک درخت قائم ہو اس کو پھل بھی لگتے رہیں۔ ہاں جو درخت خشک ہو جائے یا جڑ سے کاٹا جائے اس کے پھلوں کی توقع رکھنا محض نادانی ہے۔ پس جس حالت میں فرقانِ مجید وعظیم الشان وسرسبز وشاداب درخت ہے جس کی جڑھیں زمین کے نیچے تک اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں تو پھر ایسے شجرہ طیبہ کے پھلوں سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ اس کے پھل بدیہی الظہور رہیں جن کو ہمیشہ لوگ کھاتے رہے ہیں اور اب بھی کھاتے ہیں اور آئندہ بھی کھائیں گے۔ اور یہ بات بعض نادانوں کی بالکل بے ہودہ اور غلط ہے کہ اس زمانہ میں
۴۶۰ کسی کو ان پھلوں تک گذر ہی نہیں بلکہ ان کا کھانا پہلے لوگوں کے ہی حصہؔ میں تھا اور وہی خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے وہ

کر دیتے ہیں اس کی نسبت یہ گمان کہ ایسے الہامات سے ابتداء زمانہ میں جبکہ ان کی نہایت ضرورت

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہے مگر پھر بھی حضرات مسیحیوں کی نظر میں خدا ہے۔ اور باوجود اس کے کہ خود اپنے اقرار سے نیک اور بے گناہ نہیں ہے مگر پھر بھی عیسائیوں کے خیال میں نیک اور بے گناہ ہے۔ غرض عیسائی قوم بھی ایک عجیب قوم ہے جنہوں نے ضدین کو جمع کر دکھایا اور تناقض کو جائز سمجھ لیا۔ اور گو ان کے اعتقاد کے قائم ہونے سے مسیح کا دروغ گو ہونا لازم آیا مگر انہوں نے اپنے اعتقاد کو نہ چھوڑا۔ ایک ذلیل اور عاجز اور ناچیز بندہ کو رب العالمین قرار دیا۔ اور رب العالمین پر ہر طرح کی ذلت اور موت اور درد اور دکھ اور تجسم اور حلول اور تغیر اور تبدل اور حدوث اور تولد کو روا رکھا ہے۔ نادانوں نے خدا کو بھی ایک کھیل بنالیا ہے۔ عیسائیوں پر کیا حصر ہے ان سے پہلے کئی عاجز بندے خدا قرار دیئے گئے ہیں۔ کوئی کہتا ہے رام چندر خدا ہے، کوئی کہتا ہے ۳۹۲
نہیں کرشن کی خدائی اس سے قوی تر ہے۔ اسی طرح کوئی بدھ کو، کوئی کسی کو، کوئی کسی کو خدا اٹھہراتا ہے۔ ایسا ہی آخری زمانہ کے ان سادہ لوحوں نے بھی پہلے مشرکوں کی ریس کر کے ابن مریم کو بھی خدا اور خدا کا فرزند ٹھہرا لیا۔ غرض عیسائی لوگ نہ خداوند حقیقی کو رب العالمین سمجھتے ہیں نہ اسے رحمان اور رحیم خیال کرتے ہیں اور نہ جزا سزا اس کے ہاتھ میں یقین رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کے گمان میں حقیقی خدا کے وجود سے زمین اور آسمان خالی پڑا ہوا ہے اور جو کچھ ہے ابن مریم ہی ہے۔ اگر رب ہے تو وہی ہے، اگر رحمان ہے تو وہی ہے، اگر رحیم ہے تو وہی ہے، اگر مالک یوم الدین ہے تو وہی ہے۔ ایسے ہی عام ہندو اور آریہ بھی ان صداقتوں سے منحرف ہیں۔ کیونکہ ان میں سے جو آریہ ہیں وہ تو خدائے تعالیٰ کو خالق ہی نہیں سمجھتے اور اپنی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

پھل کھائے اور ان سے متمتع ہوئے اور ان کے بعد بدنصیب لوگ پیدا ہوئے جن کو مالک نے باغ کے اندر آنے سے روک دیا۔ خدا کسی ذی استعداد کی استعداد کو ضائع نہیں کرتا اور کسی سچے طالب پر اس کے فیض کا دروازہ بند نہیں ہوتا اور اگر کسی کے خیال باطل میں یہ سمایا ہوا ہے کہ کسی وقت کسی زمانہ میں فیوض الٰہی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور ذی استعداد لوگوں کی کوششیں اور محنتیں ضائع جاتی ہیں تو اس نے اب تک خدائے تعالیٰ کا قدر شناخت نہیں کیا۔ اور ایسا آدمی انہیں لوگوں میں داخل ہے جن کی نسبت خدائے تعالیٰ نے آپ فرمایا ہے: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ (الانعام: ۹۱) لیکن اگر یہ عذر پیش کیا جائے کہ جن علوم و معارف و کشوف صادقہ و مخاطبات حضرت احدیت کے تحقق وجود کا ذکر کیا جاتا ہے وہ اب کہاں ہیں اور کیونکر بہ پایۂ ثبوت پہنچ سکتے ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب امور اسی کتاب میں ثابت کیے گئے ہیں اور طالب حق کے لئے ان کے امتحان کا نہایت سیدھا اور آسان راستہ کھلا ہے۔ کیونکہ وہ علوم و معارف کو خود اس کتاب میں دیکھ سکتا ہے اور جو کشوف صادقہ اور اخبار غیبیہ اور دوسرے خوارق ہیں وہ غیر مذہب والوں کی شہادت سے اس پر ثابت ہو سکتے ہیں یا وہ آپ ہی ایک عرصہ تک صحبت میں رہ کر یقین کامل کے مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اور جو دوسرے لوازم اور خصوصیاتِ اسلام ہیں وہ بھی سب صحبت سے کھل سکتے ہیں۔ لیکن اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو کچھ عجائب و غرائب اہل حق پر منکشف ہوتے ہیں اور جو کچھ برکات ان میں پائے جاتے ہیں وہ کسی طالب پر تب کھولے جاتے ہیں کہ جب وہ طالب کمال صدق اور اخلاص سے بہ نیت ہدایت پانے کے رجوع کرتا ہے۔ اور جب وہ ایسے طور سے رجوع کرتا ہے تو تب جس قدر اور جس طور
سے انکشاف مقدّر ہوتا ہے وہ بالا رادہ خالص الٰہی ظہور میں آتا ہے۔ مگر جس جگہ سائل کے صدق اور نیت میں کچھ فتور ۴٦٠١
ہوتا ہے اور سینہ خلوص سے خالی ہوتا ہے تو پھر ایسے سائل کو کوئی نشان دکھلایا نہیں جاتا۔ یہی عادت خداوند تعالیٰ کی انبیاء کرام

تھی خدا نے دریغ کیا سخت نادانی اور کور باطنی ہے۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ وہم گذرے کہ اب ۳۵۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11

روحوں کا رب اس کو قرار نہیں دیتے۔ اور جو ان میں سے بت پرست ہیں وہ صفت ربوبیت کو اس رب العالمین سے خاص
نہیں سمجھتے اور تینتیس کروڑ دیوتا ربوبیت کے کاروبار میں خدائے تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ۳۹۳
ہیں۔ اور یہ ہر دو فریق خدائے تعالیٰ کی رحمانیت کے بھی انکاری ہیں اور اپنے وید کے رو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ رحمانیت
کی صفت ہرگز خدائے تعالیٰ میں نہیں پائی جاتی اور جو کچھ دنیا کے لئے خدا نے بنایا ہے یہ خود دنیا کے نیک عملوں کی وجہ سے خدا
کو بنانا پڑا۔ ورنہ پرمیشر خود اپنے ارادہ سے کسی سے نیکی نہیں کر سکتا اور نہ کبھی کی۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ کو کامل طور پر رحیم
بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ کوئی گنہگار خواہ کیسا ہی سچے دل سے توبہ کرے اور خواہ وہ سالہا سال تضرع
اور زاری اور اعمال صالح میں مشغول رہے خدا اس کے گناہوں کو جو اس سے صادر ہو چکے ہیں ہرگز نہیں بخشے گا، جب تک وہ
کئی لاکھ جونوں کو بھگت کر اپنی سزا نہ پالے۔ جب ہی کسی نے ایک گناہ کیا پھر نہ وہاں توبہ کام آوے نہ بندگی نہ خوف الٰہی نہ
عشق الٰہی نہ اور کوئی عمل صالح۔ گویا وہ جیتے جی ہی مر گیا اور خدائے تعالیٰ کی رحیمیت سے بکلی نا امید ہو گیا علیٰ ہذا القیاس۔
یہ لوگ یوم الجزا پر جس کے رو سے خدائے تعالیٰ مالکِ یوم الدین کہلاتا ہے صحیح طور پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جن طریقوں ۳۹۴
متذکرۂ بالا کے رو سے انسان اپنی سعادتِ عظمیٰ تک پہنچتا ہے یا شقاوتِ عظمیٰ میں پڑتا ہے اس کامل سعادت اور شقاوت
کے ظہور سے انکاری ہیں اور نجات آخروی کو صرف ایک خیالی اور وہمی طور پر سمجھ رہے ہیں بلکہ وہ نجات ابدی کے قائل ہی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سے ہے۔ جیسا کہ یہ بات انجیل کے مطالعہ سے نہایت ظاہر ہے کہ کئی مرتبہ یہودیوں نے مسیح سے کچھ معجزہ دیکھنا چاہا تو اس
نے معجزہ دکھلانے سے صاف انکار کیا اور کسی گذشتہ معجزہ کا بھی حوالہ نہ دیا۔ چنانچہ مرقس کی انجیل کے آٹھ باب اور بارہ
آیت میں بھی اسی کی تصریح ہے اور عبارت مذکور یہ ہے: ’’تب فریسی نکلے اور اس سے (یعنی مسیح سے) حجت کر کے اس کے
امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اس نے اپنے دل میں آہ کھینچ کر کہا اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں؟
میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اس زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان دیا نہ جائے گا۔‘‘ سو اگرچہ بظاہر دلالت عبارت اسی پر ہے کہ مسیح
سے کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا لیکن اصلی معنی اس کے یہی ہیں کہ اس وقت تک مسیح سے کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آیا تھا تب ہی
اس نے کسی گذشتہ معجزہ کا حوالہ نہیں دیا۔ کیونکہ یہود میں صاحب صدق اور اخلاص کم تھے تا کسی کے حسن ارادت کے لحاظ
سے کوئی معجزہ ظہور میں آتا۔ لیکن اس کے بعد جب لوگ صاحب صدق اور ارادت پیدا ہو گئے اور طالب حق بن کر مسیح کے
پاس آئے تو وہ معجزات دیکھنے سے محروم نہیں رہے۔ چنانچہ یہودا اسکریوطی کی خراب نیت پر مسیح کا مطلع ہو جانا یہ اس کا ایک
معجزہ ہی تھا جو اس نے اپنے شاگردوں اور صادق الاعتقاد لوگوں کو دکھلایا۔ اگرچہ اس کے دوسرے سب عجیب کام بباعث
قصۂ حوض اور بوجہ آیت مذکورۂ بالا کے مخالف کی نظر میں قابل انکار اور محل اعتراض ٹھہر گئے اور اب بطور حجت مستعمل نہیں
ہو سکتے۔ لیکن معجزۂ مذکورۂ بالا منصف مخالف کی نظر میں بھی ممکن ہے کہ ظہور میں آیا ہو۔ غرض معجزات اور خوارق کے ظہور کے
لئے طالب کا صدق اور اخلاص شرط ہے۔ اور صدق اور اخلاص کے یہی آثار و علامات ہیں کہ کینہ اور مکابرہ درمیان نہ ہو اور ۴۶۲
صبر اور ثبات اور غربت اور تذلل سے بہ نیت ہدایت پانے کے کوئی نشان طلب کیا جائے۔ اور پھر اس نشان کے ظہور تک صبر
اور ادب سے انتظار کیا جائے تا خداوند کریم وہ بات ظاہر کرے جس سے طالب صادق یقین کامل کے مرتبہ تک پہنچ جائے۔

۳۵۹ جنگلی آدمیوں کو جو بے زبانی کی حالت میں محض اشارات سے گزارہ کرتے ہیں کیوں بذریعہ الہام

بقیہ حاشیہ نمبر 11

نہیں ہیں۔ اور ان کا مقولہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے نہ اس جگہ آرام ہے اور نہ اس جگہ اور نیز ان کے زعم باطل میں دنیا
بھی آخرت کی طرح ایک کامل دارالجزا ہے۔ جس کو دنیا میں بہت سی دولت دی گئی وہ اس کے نیک عملوں کے عوض میں ہے
کہ جو کسی پہلے جنم میں اس نے کیے ہوں گے دی گئی ہے اور وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسی دنیا میں اپنے نفس امارہ کی
خواہشوں کے پورا کرنے میں اس دولت کو خرچ کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اسی جہاں میں خدائے تعالیٰ کا کسی کو اس غرض
سے دولت دینا کہ وہ اس دولت کو فی الحقیقت اپنے اعمال کو جزاء سمجھ کر کھانے پینے اور ہر طرح کی عیاشی کے لئے آلہ
۳۹۵ بناوے یہ ایک ایسا ناجائز فعل ہے کہ جس کو خدائے تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا نہایت درجہ کی بے ادبی ہے۔ کیونکہ اس سے
یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گویا ہندوؤں کا پرمیشر آپ ہی لوگوں کو بدفعلی اور پلیدی میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اور قبل اس کے جوان کا نفس
پاک ہو نفسانی لذات کے وسیع دروازے ان پر کھولتا ہے۔ اور پہلے جنموں کے نیک عملوں کا اجر ان کو یہ دیتا ہے کہ پچھلے جنم
میں وہ ہر طرح کے اسباب تنعم پا کر اور نفس امارہ کے پورے پورے تابع بن کر پھر تحت الثریٰ میں جا پڑیں۔ اور ظاہر ہے کہ
جس شخص کے خیال میں یہ بھرا ہوا ہے کہ میرے ہاتھ میں جس قدر دولت اور مال اور حشمت اور حکومت ہے یہ میرے ہی
اعمالِ سابقہ کا بدلہ ہے، وہ کیا کچھ نفس امارہ کی پیروی نہیں کرے گا۔ لیکن اگر وہ یہ سمجھتا کہ دنیا دارالجزاء نہیں ہے بلکہ دار
الابتلاء ہے اور جو کچھ مجھ کو دیا گیا ہے وہ بطور ابتلاء اور آزمائش کے دیا گیا ہے تا یہ ظاہر کیا جاوے کہ میں کس طور پر اس میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

غرض ادب اور صدق اور صبر برکاتِ الٰہیہ کے ظہور کے لئے شرط اعظم ہے۔ جو شخص فیض الٰہی سے مستفیض ہونا چاہتا ہے اس
کے حال کے یہ مناسب ہے کہ وہ سراپا ادب ہو کر بہ تمام تر غربت وبصر اس نعمت کو اس کے اہل کے دروازہ سے طلب کرے
اور جہاں معرفت الٰہیہ کا چشمہ دیکھے آپ افتاں وخیزاں اس چشمہ کی طرف دوڑے اور پھر صبر اور ادب سے کچھ دنوں تک
ٹھہرا رہے۔ لیکن جو لوگ خدائے تعالیٰ کی طرف سے صاحب خوارق ہیں ان کا یہ منصب نہیں ہے کہ وہ شعبدہ بازوں کی
طرح بازاروں اور مجالس میں تماشا دکھلاتے پھریں اور نہ یہ امور ان کے اختیار میں ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے
پتھر میں آگ تو بلاشبہ ہے لیکن صادقوں اور صابروں اور مخلصوں کی پُرارادت ضرب پر اس آگ کا ظہور اور بروز موقوف
ہے۔ اور ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے کشوف اور الہامات کو فقط اخبار غیبیہ کا ہی خطاب دینا
غلطی ہے بلکہ وہ کشوف اور الہامات تائیدات الٰہیہ کے باغ کی خوشبوئیں ہیں جو دور سے ہی اس باغ کا وجود بتلاتے ہیں
اور عظمت اور شان ان کشوف اور الہامات کے اس شخص پر کماحقہ کھلتی ہے جس کی نظر تائیداتِ الٰہیہ کی تلاش میں ہو یعنی وہ
اصل نشان تائیدات الٰہیہ کو ٹھہرا کر پیشگوئیوں کو ان تائیدوں کے لوازم سمجھتا ہو جو بغرض ثابت کرنے تائیدوں کے استعمال
۴۶۳ میں لائے گئے ہیں۔ غرض مدار مقرب اللہ ہونے کا تائیدات الٰہیہ ہیں اور پیشگوئیاں روشن ثبوت سے ان تائیدات کا واقعی
طور پر پایا جانا ہر یک عام اور خاص کو دکھلاتے ہیں۔ پس تائیدات اصل ہیں اور پیشگوئیاں ان کی فرع اور تائیدات قرص
آفتاب کی طرح ہیں اور پیشگوئیاں اس آفتاب کی شعاعیں اور کرنیں ہیں۔ تائیدات کو پیشگوئیوں کے وجود سے یہ فائدہ ہے
کہ تا ہر یک کو معلوم ہو کہ وہ حقیقت میں خاص تائیدیں ہیں معمولی اتفاقات سے نہیں اور بخت اور اتفاق پر محمول نہیں
ہوسکتیں۔ اور پیشگوئیوں کو تائیدات کے وجود سے یہ فائدہ ہے کہ اس بزرگ پیوند سے ان کی شان بڑھتی ہے اور ایک بے

کے کسی بولی سے مطلع نہیں کیا جاتا اور کیوں کوئی بچۂ نوزاد جنگل میں رکھنے سے خدا کی طرف سے کوئی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

تصرف کرتا ہوں۔ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو میری ملکیت یا میرا حق ہو، تو ایسا سمجھنے سے وہ اپنی نجات اس بات میں دیکھتا کہ
اپنا تمام مال نیک مصارف میں خرچ کرے اور نیز وہ غایت درجہ کا شکر بھی کرتا کیونکہ وہی شخص دلی اخلاص اور محبت سے شکر ۳۹۶
کرسکتا ہے کہ جو سمجھتا ہے کہ میں نے مفت پایا اور بغیر کسی استحقاق کے مجھ کو ملا ہے۔ غرض آریہ لوگوں کے نزدیک خدائے
تعالیٰ نہ رب العالمین ہے نہ رحمان نہ رحیم اور اور نہ ابدی اور دائمی اور کامل جزا دینے پر قادر ہے۔
اب ہم یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ برہموسماج والوں کا معارف مذکورہ بالا کی نسبت کیا حال ہے یعنی وہ ہر چہار صداقتیں کہ جو ابھی
مذکور ہوئی ہیں برہمولوگ ان پر ثابت قدم ہیں یا نہیں۔ سو واضح ہو کہ برہمولوگ ان چاروں صداقتوں پر جیسا کہ چاہیے ثبات ۳۹۷
اور قیام نہیں رکھتے بلکہ ان معارف عالیہ کے کامل مفہوم پر ان کو اطلاع ہی نہیں۔ اول خدا کا رب العالمین ہونا کہ جو ربوبیت
تامہ سے مراد ہے، برہمولوگوں کی سمجھ اور عقل سے اب تک چھپا ہوا ہے اور وہ لوگ ربوبیت الٰہیہ کا دنیا پر اس سے زیادہ اثر
نہیں سمجھتے کہ اس نے کسی وقت یہ تمام عالم معہ اس کی تمام قوتوں اور طاقتوں کے پیدا کیا ہے۔ لیکن اب وہ تمام قوتیں اور ۳۹۸
طاقتیں مستقل طور پر اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں اور خدائے تعالیٰ کو قدرت نہیں ہے کہ ان میں کچھ تصرف کرے یا کچھ
تغیر اور تبدل ظہور میں لاوے۔ اور ان کے زعم باطل میں قوانین نیچریہ کی مستحکم اور پائیدار بنیاد نے قادر مطلق کو معطل اور
بیکار کی طرح کردیا ہے اور ان میں تصرف کرنے کے لئے کوئی راہ اس پر کھلا نہیں اور ایسی کوئی تدبیر اس کو یاد نہیں جس سے وہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

مثل خصوصیت ان میں پیدا ہوجاتی ہے کہ جو مؤید ان الٰہی کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔ سو یہی خصوصیت عام پیشگوئیوں اور
ان جلیل الشان پیشگوئیوں میں مابہ الامتیاز ٹھہر جاتا ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس قوم کی عظمت اور بزرگی سمجھنے کے لیے جو
پیشگوئیوں اور تائیدات کاملہ میں ایک پیوند ہے اس کو خیال میں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ پیوند دوسرے لوگوں کی پیشگوئیوں
میں غیر ممکن اور ممتنع ہے اور نیز ان کی پیشگوئیوں میں ایسی فاش غلطیاں نکل آتی ہیں جن سے ہر ایک ذلت ان کی ظاہر ہوتی ۴۶۴
ہے۔ مگر خدا کے لوگ جو ہوتے ہیں ان کی روشن پیشگوئیاں ہمیشہ سے سچائی کے نور سے منور ہوتی ہیں ماسوا اس کے وہ مبارک
پیشگوئیاں ایک عجیب طور کی عجیب تائید سے لازم ملزوم ہوتی ہیں۔ خدا اپنے بندوں کے کاموں کا آپ متولی ہو کر ایک
حیرت انگیز طور پر ان کی تائید کرتا ہے اور کیا ظاہری طور پر اور کیا باطنی طور پر ہر دم اور ہر لحظہ ان کی مدد میں رہتا ہے اور ان
سے اس کی یہی عادت ہے کہ ان کو اپنی تائیدات کی خبریں پیش از وقوع بتلاتا ہے اور ان کے تردّد و تفکر کے وقت میں اپنے
پُرنور کلام سے ان کو تسلی اور تشفی بخشتا ہے اور پھر ایک ایسے عجیب طور پر ان کی مدد کرتا ہے کہ جو خیال اور گمان میں نہیں ہوتی۔
اور جو شخص ان کی صحبت میں رہ کر ان باتوں کو عمیق نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے اور صاف اور پاک نظر سے ان کی عظمت اور بزرگی
پر غور کرتا ہے اس کو بلا اختیار ایک ضروری اور جازم یقین سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ مؤید من اللہ ہیں اور حضرت
احدیت کو ان کی طرف ایک خاص توجہ ہے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب ایک آدھ دفعہ نہیں بلکہ بیسیوں دفعہ کسی انسان کو
اتفاق پڑے کہ وہ کسی تائید کا وعدہ قبل از وقوع سن کر پھر اس تائید کو ظہور میں آتے ہوئے بچشم خود دیکھ لے تو کوئی انسان ایسا
پاگل اور دیوانہ نہیں کہ پھر بھی ان صحیح پیشگوئیوں اور قوی تائیدوں پر یقین کامل نہ کرسکے۔ ہاں اگر فرط تعصب اور بے ایمانی ۴۶۵
سے کسی چشم دید ماجرا کا دانستہ انکار کرے تو یہ اور بات ہے لیکن پھر بھی اس کا دل انکار نہیں کرسکتا اور ہر وقت اس کو ملزم

۳۶۰ الہام نہیں پاتا تو یہ خدا کے صفات کی ایک غلط فہمی ہے کیونکہ القا اور الہام ایسا امر نہیں ہے کہ جو ہر جگہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۳۹۹ مثلاً کسی مادہ حار کو اس کی تاثیر حرارت سے روک سکے یا کسی مادہ بارد کو اس کو برودت کے اثروں سے بند کر سکے یا آگ میں
اس کی خاصیت احراق کی ظاہر نہ ہونے دے۔ اور اگر اس کو کوئی تدبیر یاد بھی ہے تو صرف انہیں حدود تک جن پر علم انسان کا
محیط ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یعنی جو کچھ محدود اور محصور طور پر کوائف و خواص عالم کے متعلق انسان نے دریافت کیا ہے اور
۴۰۰ جو کچھ تا دم حال بشری تجارب کے احاطہ میں آچکا ہے یہیں تک خدا کی قدرتوں کی حد بست ہے اور اس سے بڑھ کر اس کی
قدرت تامہ اور ربوبیت عامہ کوئی کام نہیں کر سکتی۔ گویا خدا کی قدرتیں اور حکمتیں ہمگی تمامی یہی ہیں جن کو انسان دریافت
۴۰۱ کر چکا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اعتقاد ربوبیت تامہ اور قدرت کاملہ کے مفہوم سے بکلی منافی ہے۔ کیونکہ ربوبیت تامہ اور
قدرت کاملہ وہ ہے کہ جو اس ذات غیر محدود کی طرح غیر محدود ہے اور کوئی انسانی قاعدہ اور قانون اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔

نہیں محصور ہرگز راستہ قدرت نمائی کا خدا کی قدرتوں کا حصر دعویٰ ہے خدائی کا

۴۰۲ جاننا چاہیے کہ جو امر غیر محدود اور غیر محصور ہے وہ کسی قانون کے اندر آ ہی نہیں سکتا کیونکہ جو چیز اول سے آخر تک قواعد معلومہ
مفہومہ کے سلسلہ کے اندر داخل ہو اور کوئی جز اس کا اس سلسلہ سے باہر نہ ہو اور نہ غیر معلوم اور نامفہوم ہو تو وہ چیز محدود ہوتی
۴۰۳ ہے۔ اب اگر خدائے تعالیٰ کی قدرت کاملہ و ربوبیت تامہ کو قوانین محدودہ محصورہ میں ہی منحصر سمجھا جائے تو جس چیز کو غیر محدود
تسلیم کیا گیا ہے اس کا محدود ہونا لازم آجائے گا۔ پس برہمو سماج والوں کی یہی بھاری غلطی ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی غیر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کرتا ہے کہ تو شریر اور سرکش آدمی ہے۔ اب چند کشوف اور الہامات نو واردہ بغرض افادۂ طالبین حق لکھے جاتے ہیں اور اسی
طرح انشاء اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً اگر خدا نے چاہا تو جو کچھ مواہب لدنیہ سے اس احقر عباد پر ظاہر کیا جائے گا وہ اس کتاب میں
درج ہوتا رہے گا۔ الا ماشاء اللہ۔ اور اس سے غرض یہ ہے کہ تا یقین اور معرفت کے سچے طالب فائدہ حاصل کریں اور اپنی
حالت میں کشائش پاویں اور ان کے دل پر سے وہ پردے اٹھیں جن سے ان کی ہمت نہایت پست اور ان کے خیالات
نہایت پُر ظلمت ہو رہے ہیں۔ اور اس جگہ ہم مکرراً یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ یہ باتیں ایسی نہیں ہیں جن کا ثبوت دینے سے یہ
خاکسار عاجز ہو یا جن کے ثبوت میں اپنے ہی ہم مذہبوں کو پیش کیا جائے۔ بلکہ یہ وہ بدیہی الصدق باتیں ہیں جن کی
۴۶۶ صداقت پر مخالف المذہب لوگ گواہ ہیں اور جن کی سچائی پر وہ لوگ شہادت دے سکتے ہیں جو ہمارے دینی دشمن ہیں۔ اور
یہ سب اہتمام اس لئے کیا گیا تا کہ جو لوگ فی الحقیقۃ راہ راست کے خواہاں اور جویاں ہیں ان پر بکمال انکشاف ظاہر
ہو جائے کہ تمام برکات اور انوار اسلام میں محدود اور محصور ہیں اور تا جو اس زمانہ کے ملحد ذریت ہے اس پر خدائے تعالیٰ کی
حجت قاطعہ اتمام کو پہنچے اور تا ان لوگوں کی فطرتی شیطنت ہر یک منصف پر ظاہر ہو کہ جو ظلمت سے دوستی اور نور سے دشمنی رکھ
کر حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب عالیہ سے انکار کر کے اس عالی جناب کی شان کی نسبت پُر خبث کلمات منہ پر لاتے
ہیں اور اس افضل البشر پر ناحق کی تہمتیں لگاتے ہیں اور بباعث غایت درجہ کی کور باطنی کے اور بوجہ نہایت درجہ کی بے
ایمانی کے اس بات سے بے خبر ہو رہے ہیں کہ دنیا میں وہی ایک کامل انسان آیا ہے جس کا نور آفتاب کی طرح ہمیشہ دنیا پر
اپنی شعاعیں ڈالتا رہا ہے اور ہمیشہ ڈالتا رہے گا۔ اور تا ان تحریرات حقہ سے اسلام کی شان و شوکت خود مخالفوں کے اقرار
سے ظاہر ہو جائے۔ اور تا جو شخص سچی طلب رکھتا ہو اس کے لئے ثبوت کا راستہ کھل جائے اور جو اپنے میں کچھ دماغ رکھتا ہو

جابجا بلا لحاظ مادۂ قابلہ کے ہوجایا کرے بلکہ القا اور الہام کے لئے مادۂ قابلہ کا ہونا نہایت ضروری

بقیہ حاشیہ نمبر 11

متناہی قدرتوں اور ربوبیتوں کو اپنے تنگ اور منقبض تجارب کے دائرہ میں گھسیٹرنا چاہتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ جو امور ایک
قانون مشخص مقرر کے نیچے آجائیں ان کا مفہوم محدود ہونے کو لازم پڑا ہوا ہے۔ اور جو حکمتیں اور قدرتیں ذاتِ غیر محدود ۴۰۴
میں پائی جاتی ہیں ان کا غیر محدود ہونا واجب ہے۔ کیا کوئی دانا کہہ سکتا ہے کہ اس ذات قادر مطلق کو اس اس طور پر بنانا یاد
ہے اور اس سے زیادہ نہیں۔ کیا اس کی غیر متناہی قدرتیں انسانی قیاس کے پیمانہ سے وزن کی جاسکتی ہیں یا اس کی قادرانہ اور
غیر متناہی حکمتیں تصرف فی العالم سے کسی وقت عاجز ہوسکتی ہیں۔ بلاشبہ اس کا پُرزور ہاتھ ذرہ ذرہ پر قابض ہے اور کسی مخلوق ۴۰۵
کا قیام اور بقا اپنی مستحکم پیدائش کے موجب سے نہیں بلکہ اسی کے سہارے اور آسرے سے ہے اور اس کی ربانی طاقتوں
کے آگے بے شمار میدان قدرتوں کے پڑے ہیں۔ نہ اندرونی طور پر کسی جگہ انتہا ہے اور نہ بیرونی طور پر کوئی کنارہ ہے۔ ۴۰۶
جس طرح یہ ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ایک مشتعل آگ کی تیزی فرو کرنے کے لئے خارج میں کوئی ایسے اسباب پیدا کرے جن
سے اس آگ کی تیزی جاتی رہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ خدائے تعالیٰ اس آگ کی خاصیت احراق دور کرنے کے لئے
اسی کے وجود میں کوئی ایسے اسباب پیدا کردے جن سے خاصیت احراق دور ہوجائے۔ کیونکہ اس کی غیر متناہی حکمتوں اور ۴۰۷
قدرتوں کے آگے کوئی بات ان ہونی نہیں۔ اور جب ہم اس کی حکمتوں اور قدرتوں کو غیر متناہی مان چکے تو ہم پر یہ بھی فرض
ہے کہ ہم اس بات کو بھی مان لیں کہ اس کی تمام حکمتوں اور قدرتوں پر ہم کو علم حاصل ہونا ممتنع اور محال ہے۔ سو ہم اس کی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اس کی دماغ شکنی ہوجائے۔ اور نیز ان کشوف اور الہامات کے لکھنے کا یہ بھی ایک باعث ہے کہ تا اس سے مومنوں کی قوت ۴۲۶
ایمانی بڑھے اور ان کے دلوں کو تثبت اور تسلی حاصل ہو اور وہ اس حقیقت حقہ کو بہ یقین کامل سمجھ لیں کہ صراط مستقیم فقط دین
اسلام ہے اور اب آسمان کے نیچے فقط ایک ہی نبی اور ایک ہی کتاب ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلیٰ و افضل سب
نبیوں سے اور اتم و اکمل سب رسولوں سے اور خاتم الانبیاء اور خیر الناس ہیں۔ جن کی پیروی سے خدائے تعالیٰ ملتا ہے اور
ظلماتی پردے اٹھتے ہیں اور اسی جہان میں سچی نجات کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ اور قرآن شریف جو سچی اور کامل
ہدایتوں اور تاثیروں پر مشتمل ہے جس کے ذریعہ سے حقانی علوم اور معارف حاصل ہوتے ہیں اور بشری آلودگیوں سے دل
پاک ہوتا ہے اور انسان جہل اور غفلت اور شبہات کے حجابوں سے نجات پاکر حق الیقین کے مقام تک پہنچ جاتا ہے اور ایک
باعث ان کشوف اور الہامات کی تحریر پر اور پھر غیر مذہب والوں کی شہادتوں سے اس کے ثابت کرنے پر یہ بھی ہے کہ تا
ہمیشہ کے لئے ایک قوی حجت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہے اور جو سفلہ اور ناخدا ترس اور سیاہ دل آدمی ناحق کا مقابلہ اور ۴۲۸
مکابرہ مسلمانوں سے کرتے ہیں ان کا مغلوب اور لاجواب ہونا ہمیشہ لوگوں پر ثابت اور آشکار ہوتا رہے۔ اور جو ضلالت
اور گمراہی کی ایک زہرناک ہوا آجکل چل رہی ہے اس کی زہر سے زمانہ حال کے طالب حق اور نیز آئندہ کی نسلیں محفوظ
رہیں۔ کیونکہ ان الہامات میں ایسی بہت سی باتیں آئیں گی جن کا ظہور آئندہ زمانوں پر موقوف ہے۔ پس جب یہ زمانہ گذر
جائے گا اور ایک نئی دنیا نقاب پوشیدگی سے اپنا چہرہ دکھائے گی اور ان باتوں کی صداقت کو جو اس کتاب میں درج ہے بچشم
خود دیکھے گی تو ان کی تقویت ایمان کے لئے یہ پیشین گوئیاں بہت فائدہ دیں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ سو اس وقت جو پیشگوئیاں
خداوند کریم کی طرف سے ظاہر ہوئی ہیں بعض ان میں سے ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ از انجملہ ایک یہ ہے کہ کچھ عرصہ گذرا

۳۶۱ شرط ہے اور دوسری شرط یہ بھی ہے کہ اس الہام کے لئے ضرورت حقہ بھی پائی جائے۔ ابتدا میں جب

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۴۰۸ ناپیدا کنار حکمتوں اور قدرتوں کے لئے کوئی قانون نہیں بنا سکتے اور جس چیز کی حدود ہمیں معلوم ہی نہیں اس کی پیمائش کرنے
سے ہم عاجز ہیں۔ ہم بنی آدم کی دنیا کا نہایت ہی تنگ اور چھوٹا سا دائرہ ہیں اور پھر اس دائرہ کا بھی پورا پورا ہمیں علم حاصل
نہیں۔ پس اس صورت میں ہماری نہایت ہی کم ظرفی اور سفاہت ہے کہ ہم اس اقل قلیل پیمانہ سے خدائے تعالیٰ کی غیر
۴۰۹ محدود حکمتوں اور قدرتوں کو ناپنے لگیں۔ غرض خدائے تعالیٰ کی ربوبیت تامہ اور قدرت کاملہ کہ جو ذرہ ذرہ کے وجود اور بقاء
کے لئے ہر دم اور ہر لحظہ آبپاشی کر رہی ہے اور جس کے عمیق در عمیق تصرفات تعداد اور شمار سے باہر ہیں، اس ربوبیت تامہ سے
۴۱۰ برہمو سماج والے منکر ہیں۔ ماسوا اس کے برہمو سماج والے ربوبیت الٰہیہ کو روحانی طور پر بھی تام اور کامل نہیں سمجھتے اور
خدائے تعالیٰ کو اس قدرت سے عاجز اور درماندہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنی ربوبیت تامہ کے تقاضا سے اپنا روشن اور
لاریب فیہ کلام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کرتا۔
۴۱۱ اسی طرح وہ خدائے تعالیٰ کی رحمانیت پر بھی کامل طور پر ایمان نہیں لاتے۔ کیونکہ کامل رحمانیت یہ ہے کہ جس طرح خدائے
تعالیٰ نے ابدان کی تکمیل اور تربیت کے لئے تمام اسباب اپنے خاص دست قدرت سے ظاہر فرمائے ہیں اور اس چندروزہ
جسمانی آسائش کے لئے سورج اور چاند اور ہوا اور بادل وغیرہ صدہا چیزیں اپنے ہاتھ سے بنادی ہیں۔ اسی طرح اس نے
۴۱۲ روحانی تکمیل اور تربیت کے لئے اور اس عالم کی آسائش کے لئے جس کی شقاوت اور سعادت ابدی اور دائمی ہے روحانی نور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہے کہ ایک دفعہ سخت ضرورت روپیہ کی پیش آئی جس ضرورت کا ہمارے اس جگہ کے آریہ ہم نشینوں کو بخوبی علم تھا اور یہ بھی ان
کو خوب معلوم تھا کہ بظاہر کوئی ایسی تقریب پیش نہیں ہے جو جائے امید ہو سکے بلکہ اس معاملہ میں ان کو ذاتی طور پر واقفیت
۴۶۹ تھی، جس کی وہ شہادت دے سکتے ہیں۔ پس جبکہ وہ ایسے مشکل اور فقدان اسباب حل مشکل سے کامل طور پر مطلع تھے اس
لئے بلا اختیار دل میں اس خواہش نے جوش مارا کہ مشکل کشائی کے لئے حضرت احدیت میں دعا کی جائے تا اس دعا کی
قبولیت سے ایک تو اپنی مشکل حل ہو جائے اور دوسری مخالفین کے لئے تائید الٰہی کا نشان پیدا ہو۔ ایسا نشان کہ اس کی سچائی
پر وہ لوگ گواہ ہو جائیں۔ سو اسی دن دعا کی گئی اور خدائے تعالیٰ سے یہ مانگا گیا کہ وہ نشان کے طور پر مالی مدد سے اطلاع
بخشے۔ تب یہ الہام ہوا۔ دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ۔ فی شائل مقیاس۔ **دن
ول یو گوٹو امرت سر**۔ یعنی دس دن کے بعد روپیہ آئے گا۔ خدا کی مدد نزدیک ہے اور جیسے جب جننے کے لئے اونٹنی دم
اٹھاتی ہے تب اس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے ایسا ہی مدد الٰہی بھی قریب ہے اور پھر انگریزی فقرہ میں یہ فرمایا کہ دس دن کے
بعد جب روپیہ آئے گا تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ تو جیسا اس پیشگوئی میں فرمایا تھا ایسا ہی ہندوؤں یعنی آریوں مذکورۂ بالا کے
روبرو وقوع میں آیا۔ یعنی حسب منشاء پیشگوئی دس دن تک ایک خرمہرہ نہ آیا اور دس دن کے بعد یعنی گیارہویں روز محمد افضل
خان صاحب سپرنٹنڈنٹ بندوبست راولپنڈی نے ایک سو دس روپیہ بھیجے اور بیست روپیہ ایک اور جگہ سے آئے اور پھر برابر
۴۷۰ روپیہ آنے کا سلسلہ ایسا جاری ہو گیا جس کی امید نہ تھی۔ اور اسی روز کہ جب دس دن کے گذرنے کے بعد محمد افضل خان
صاحب وغیرہ کا روپیہ آیا، امرتسر بھی جانا پڑا۔ کیونکہ عدالت خفیفہ امرتسر سے ایک شہادت کے ادا کرنے کے لئے اس عاجز
کے نام اسی روز ایک سمن آ گیا۔ سو یہ وہ عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کی مفصل حقیقت پر اس جگہ کے چند آریوں کو بخوبی

خدا نے انسان کو پیدا کیا اس وقت بذریعہ الہام بولیوں کی تعلیم کرنا ایسا امر تھا کہ جس میں دونوں طور کی ٣٦٢

بقیہ حاشیہ نمبر 11

یعنی اپنا پاک اور روشن کلام دنیا کے انجام کے لئے بھیجا ہو اور جس علم کی مستعد روحوں کو ضرورت ہے وہ سب علم آپ عطا
فرمایا ہو اور جن شکوک اور شبہات میں ان کی ہلاکت ہے ان سب شکوک سے آپ نجات بخشی ہو۔ لیکن اس کامل رحمانیت کو
برہموسماج والے تسلیم نہیں کرتے اور ان کے زعم میں گو خدا نے انسان کے شکم پُر کرنے کے لئے ہر ایک طرح کی مدد کی اور ٤١٣
کوئی دقیقہ تائید کا اٹھا نہ رکھا مگر وہ مدد روحانی تربیت میں نہ کر سکا۔ گویا خدا نے روحانی تربیت کے بارے میں جو اصلی اور
حقیقی تربیت تھی دانستہ دریغ کیا اور اس کے لئے ایسے زبردست اور قوی اور خاص اسباب پیدا نہ کیے جیسے اسؔ نے بدنی ٤١٤
تربیت کے لئے پیدا کیے۔ بلکہ انسان کو صرف اسی کی عقل ناقص کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور کوئی ایسا کامل نور اپنی طرف سے
اس کی عقل کی امداد کے لئے پیدا نہ کیا جس سے عقل کی پُر غبار آنکھ روشن ہو کر سیدھا راستہ اختیار کرتی اور سہو اور غلطی کے
مہلک خطرات سے بچ جاتی۔ اسی طرح برہموسماج والے خدائے تعالیٰ کی رؔحیمیت پر بھی کامل طور پر ایمان نہیں رکھتے۔ ٤١٥
کیونکہ کامل رحیمیت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ مستعد روحوں کو ان کے فطرتی جوشوں کے مطابق اور ان کے پُر جوش اخلاص کے
اندازہ پر اور ان کے صدق سے بھری ہوئی کوششوں کے مقدار پر معارف صافیہ غیر مجوبہ سے ان کو ملبب کرے اور جس قدر
وہ اپنے دلوں کو کھولیں اسی قدر ان کے لئےؔ آسمانی دروازے کھولے جائیں۔ اور جس قدر ان کی پیاس بڑھتی جائے اسی قدر ٤١٦
ان کو پانی بھی دیا جائے یہاں تک کہ وہ حق الیقین کے شربت خوشگوار سے سیراب ہو جائیں اور شک اور شبہ کی موت سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اطلاع ہے اور وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس پیشگوئی سے پہلے سخت ضرورت پیش آنے کی وجہ سے دعا کی گئی اور پھر اس دعا کا
قبول ہونا اور دس دن کے بعد ہی روپیہ آنے کی بشارت دیا جانا اور ساتھ ہی روپیہ آنے کے بعد امرتسر جانے کی اطلاع
دیا جانا یہ سب واقعات حقہ اور صحیحہ ہیں اور پھر انہیں کے روبرو اس پیشگوئی کا پورا ہونا بھی ان کو معلوم ہے۔ اگرچہ وہ لوگ
بباعث ظلمت کفر کے خبث اور عناد سے خالی نہیں ہیں اور اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح بغض اور کینہ اسلام پر کمر بستہ اور
جیفہ دنیا پر گرے ہوئے اور حق اور راستی سے بے بکلی بے غرض ہیں لیکن اگر شہادت کے وقت ان کو قسم دی جائے تو بحالت
قسم وہ سچ سچ بیان کرنے سے کسی طرح گریز نہیں کر سکتے اور اگر خدا سے نہیں تو رسوائی اور وبال قسم سے ڈر کر ضرور سچی گواہی
دیویں گے۔

ازانجملہؔ ایک یہ ہے کہ مولوی ابوعبداللہ غلام علی صاحب قصوری جن کا ذکر خیر حاشیہ در حاشیہ نمبر ۲ میں درج ہے الہام اولیاء ٤١٧
اللہ کی عظمت شان میں کچھ شک رکھتے تھے اور یہ شک ان کی بالمواجہ تقریر سے نہیں بلکہ ان کے رسالہ کی بعض عبارتوں سے
مترشح تھا۔ سو کچھ عرصہ ہوا کہ ان شاگردوں میں سے ایک صاحب نور احمد نامی جو حافظ اور حاجی بھی ہیں بلکہ شاید کچھ عربی
دان بھی ہیں اور واعظ قرآن ہیں اور خاص امرتسر میں رہتے ہیں اتفاقاً اپنی درویشانہ حالت میں سیر کرتے کرتے یہاں بھی
آ گئے ان کا خیال الہام کے انکار میں مولوی صاحب کے انکار سے کچھ بڑھ کر معلوم ہوتا تھا اور برہموسماج والوں کی طرح
صرف انسانی خیالات کا نام الہام رکھتے تھے۔ چونکہ وہ ہمارے ہی یہاں ٹھہرے اور اس عاجز پر انہوں نے خود آپ ہی یہ
غلط رائے جو الہام کے بارہ میں ان کے دل میں تھی مدعیانہ طور پر ظاہر بھی کر دی اس لئے دل میں بہت رنج گذرا۔ ہر چند
معقولی طور پر سمجھایا گیا کچھ اثر مترتب نہ ہوا آخر توجہ الی اللہ تک نوبت پہنچی اور ان کو قبل از ظہور پیشگوئی بتلایا گیا کہ

شرائط موجود تھیں ۔ اوّل ذاتی قابلیت پہلے انسان میں جیسا کہ چاہیے الہام پانے کے لئے موجود تھی،

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۴۱۷ بکلّی نجات حاصل ہو۔لیکن برہموسماج والے اس صداقت سے انکاری ہیں اور بقول ان کے انسان کچھ ایسا بدقسمت ہے کہ
گو کیسا ہی دلبر حقیقی کے وصال کے لئے تڑپا کرے اور گو اس کی آنکھوں سے دریا بہ نکلے اور وہ اس یار عزیز کے لئے خاک
میں مل جائے مگر وہ ہرگز نہ ملے۔ اوران کے نزدیک وہ کچھ ایسا سخت دل ہے کہ جس کو اپنے طالبوں پر رحم ہی نہیں اور اپنے
۴۱۸ خاص نشانوں سے ڈھونڈنے والوں کو تسلی نہیں بخشتا اور اپنے دلبرانہ تجلیات سے دردمندوں کا کچھ علاج نہیں کرتا بلکہ ان کو
انہیں کے خیالات میں آوارہ چھوڑتا ہے اور اس سے زیادہ ان کو کچھ بھی معرفت عطا نہیں کرتا کہ صرف اپنی اٹکلیں
دوڑایا کریں اور انہیں اٹکلوں میں ہی ساری عمر کھو کر اپنی ظلمانی حالت میں ہی مر جائیں۔ مگر کیا یہ سچ ہے کہ خداوند کریم ایسا
۴۱۹ ہی سخت دل ہے یا ایسا ہی بے رحم اور بخیل ہے یا ایسا ہی کمزور اور ناتوان ہے کہ ڈھونڈھنے والوں کو سراسیمہ اور حیران چھوڑتا
ہے اور کھٹکانے والوں پر اپنا دروازہ بند رکھتا ہے۔ اور جو صدق سے اس کی طرف دوڑتے ہیں ان کی کمزوری پر رحم نہیں کرتا
۴۲۰ اوران کا ہاتھ نہیں پکڑتا اور ان سچے طالبوں کو گڑھے میں گرنے دیتا ہے اور خود لطف فرما کر چند قدم آگے نہیں آتا اور اپنے
جلوۂ خاص سے مشکلات کے لمبے قصہ کو کوتاہ نہیں کرتا۔ سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوۡنَ (الانعام:۱۰۰) اسی طرح برہموسماج
والے خدائے تعالیٰ کے مالک یوم الدین ہونے سے بھی بے خبر ہیں۔ کیونکہ یوم الجزاء کے مالک ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ
۴۲۱ خدائے تعالیٰ کی ملکیت تامہ کہ جو تجلیات عظمیٰ پر موقوف ہے ظہور میں آکر پھر اس ملکیت تامہ کی شان کے موافق پوری پوری

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

۴۷۲ خداوند کریم کی حضرت میں دعا کی جائے گی کچھ تعجب نہیں کہ وہ دعا بہ پایۂ اجابت پہنچ کر کوئی ایسی پیشگوئی خداوند کریم ظاہر
فرمادے جس کو تم بچشم خود دیکھ جاؤ۔ سو اس رات اس مطلب کے لئے قادر مطلق کی جناب میں دعا کی گئی علی الصباح بہ نظر
کشفی ایک خط دکھلایا گیا جو ایک شخص نے ڈاک میں بھیجا ہے۔ اس خط پر انگریزی زبان میں لکھا ہوا ہے آئی ایم کورلر اور
عربی میں یہ لکھا ہوا ہے هذا شاهد نزاغ اور یہی الہام حکایتاً عن الکاتب القا کیا گیا اور پھر وہ حالت جاتی رہی۔ چونکہ
یہ خاکسار انگریزی زبان سے کچھ واقفیت نہیں رکھتا۔ اس جہت سے پہلے علی الصباح میاں نور احمد صاحب کو اس کشف اور
الہام کی اطلاع دے کر اور اس آنے والے خط سے مطلع کر کے پھر اسی وقت ایک انگریزی خوان سے اس انگریزی فقرہ
کے معنی دریافت کیے گئے تو معلوم ہوا اس کے یہ معنی ہیں کہ میں جھگڑنے والا ہوں۔ سو اس مختصر فقرہ سے یقیناً یہ معلوم ہوگیا
کہ کسی جھگڑے کے متعلق کوئی خط آنے والا ہے اور هذا شاهد نزاغ کہ جو کاتب کی طرف سے دوسرا فقرہ لکھا ہوا دیکھا
۴۷۳ تھا۔ اس کا یہ معنی کھلے کہ کاتب خط نے کسی مقدمہ کی شہادت کے بارہ میں وہ خط لکھا ہے۔ اس دن حافظ نور احمد صاحب
بباعث بارش باران امرتسر جانے سے روکے گئے اور در حقیقت ایک سماوی سبب سے ان کا روکا جانا بھی قبولیت دعا کے ایک
خبر تھی تا وہ جیسا کہ ان کے لئے خدائے تعالیٰ سے درخواست کی گئی تھی پیشگوئی کے ظہور کو بچشم خود دیکھ لیں۔ غرض اس تمام
پیشگوئی کا مضمون ان کو سنا دیا گیا۔ شام کو ان کے روبرو پادری رجب علی صاحب مہتمم و مالک مطبع سفیر ہند کا ایک خط رجسٹری
شدہ امرتسر سے آیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ پادری صاحب نے اپنے کاتب پر جو اسی کتاب کا کاتب ہے عدالت خفیفہ میں
نالش کی ہے اور اس عاجز کو ایک واقعہ کا گواہ ٹھہرایا ہے اور ساتھ اس کے ایک سرکاری سمن بھی آیا اور اس خط کے آنے کے
بعد وہ فقرہ الہامی یعنی هذا شاهد نزاغ جس کے یہ معنی ہیں کہ یہ گواہ تباہی ڈالنے والا ہے۔ ان معنوں پر محمول معلوم ہوا

۳۶۳ دوسری ضرورت حقہ بھی الہام کی مقتضی تھی کیونکہ اس وقت بجز خدائے تعالیٰ کے اور کوئی حضرت آدم

بقیہ حاشیہ نمبر 11

جزا بندوں کو دی جائے ۔ یعنی اول اس مالک حقیقی کی ملکیت تامہ کا ثبوت ایسے کامل الظہور مرتبہ پر ہو جائے کہ تمام اسباب متعادہ بکلی درمیان سے اٹھ جائیں اور زید و عمر کا دخل درمیان نہ رہے اور مالک واحد قہار کا وجود عریاں طور پر نظر آوے ۔
۴۲۲ اور جب یہ معرفت کاملہ اپنا جلوہ دکھا چکی تو پھر جزا بھی بطور کامل ظہور میں آوے یعنی من حیث الورود بھی کامل ہو اور من حیث الوجود بھی ۔ من حیث الورود اس طرح پر کہ ہر یک جزا یاب کو جزا کے وارد ہونے کے ساتھ ہی یہ بات معلوم اور متحقق ہو کہ یہ
۴۲۳ فی الحقیق اس کے اعمال کی جزا ہے اور نیز یہ بھی متحقق ہو کہ اس جزا کا وارد کنندہ فی الحقیقت کریم ہی ہے جو رب العالمین ہے کوئی دوسرا نہیں ۔ اور ان دونوں باتوں میں ایسا تحقق ہو کہ کوئی اشتباہ درمیان نہ رہ جائے ۔ اور من حیث الوجود اس طرح پر کامل ہو کہ انسان کے دل اور روح اور ظاہر اور باطن اور جسم اور جان اور ہر یک روحانی اور بدنی قوت پر ایک دائرہ کی طرح محیط ہو جائے اور نیز دائمی اور لازوال اور غیر منقطع ہو ۔ تا وہ شخص جو نیکیوں میں سبقت لے گیا ہے اپنی اس سعادت عظمیٰ کو کہ
۴۲۴ جو تمام سعادتوں کا انتہائی مرتبہ ہے اور وہ شخص کہ جو بدیوں میں سبقت لے گیا ہے اپنی اس شقاوتِ عظمیٰ کو کہ جو تمام شقاوتوں کی آخری حد ہے پہنچ جائے اور تا ہر یک فریق اس اعلیٰ درجہ کے مکافات کو پالے جو اس کے لئے ممکن ہے ۔ یعنی اس کامل اور دائمی مکافات کو پالے کہ جو اس عالم بے بقا اور زوال پذیر میں جس کا تمام رنج و راحت موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے بمنصہ ظہور نہیں آسکتی بلکہ اس کے کامل ظہور کے لئے مالک حقیقی نے اپنے لطف کامل اور قہر عظیم کے دکھلانے کی غرض سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کہ مہتمم مطبع سفیر ہند کے دل میں بہ یقین کامل یہ مرکوز تھا کہ اس عاجز کی شہادت جو ٹھیک ٹھیک اور مطابق واقعہ ہوگی بباعث وثاقت اور صداقت اور نیز بااعتبار اور قابل قدر ہونے کی وجہ سے فریق ثانی پر تباہی ڈالے گی اور اسی نیت سے مہتمم مذکور
۴۷۴ نے اس عاجز کو ادائے شہادت کے لئے تکلیف بھی دی اور سمن جاری کرایا ۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ جس دن یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور امرتسر جانے کا سفر پیش آیا وہی دن پہلی پیشگوئی کے پورے ہونے کا دن تھا ۔ سو وہ پہلی پیشگوئی بھی میاں نور احمد صاحب کے روبرو پوری ہوگئی یعنی اسی دن جو دس دن کے بعد کا دن تھا ۔ روپیہ آ گیا اور امرتسر بھی جانا پڑا ۔ فالحمد للّٰہ علی ذٰلك ۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ فجر کے وقت الہام ہوا کہ آج حاجی ارباب محمد لشکر خان کے قرابتی کا روپیہ آتا ہے ۔ یہ پیشگوئی بھی بدستور معمول اسی وقت چند آریوں کو بتلائی گئی اور یہ قرار پایا کہ انہیں میں سے ڈاک کے وقت کوئی ڈاکخانہ میں جاوے ۔ چنانچہ ایک آریہ ملاوامل نامی اس وقت ڈاکخانہ میں گیا اور یہ خبر لایا کہ ہوتی مردان سے دس روپیہ آئے ہیں اور ایک خط لایا جس میں لکھا تھا کہ یہ دس روپیہ ارباب سرور خان نے بھیجے ہیں ۔ چونکہ ارباب کے لفظ سے اتحاد قومی مفہوم ہوتا تھا اس لئے ان آریوں کو کہا گیا کہ ارباب کے لفظ میں دونوں صاحبوں کی شراکت ہونا پیشگوئی کی صداقت کے لئے
۴۷۵ کافی ہے مگر بعض نے ان میں سے اس بات کو قبول نہ کیا اور کہا کہ اتحاد قومی شے دیگر ہے اور قرابت شے دیگر اور اس انکار پر بہت ضد کی ناچار ان کے اصرار پر خط لکھنا پڑا اور وہاں سے یعنی ہوتی مردان سے کئی روز کے بعد ایک دوست منشی الٰہی بخش نامی نے جو ان دنوں میں ہوتی مردان میں اکونٹنٹ تھے خط کے جواب میں لکھا کہ ارباب سرور خان ارباب محمد لشکر خان کا بیٹا ہے ۔ چنانچہ اس خط کے آنے پر سب مخالفین لاجواب اور عاجز رہ گئے ۔ فالحمد للّٰہ علی ذٰلك ۔

کے لئے رفیق شفیق نہ تھا کہ جوان کو بولنا سکھاتا پھر اپنی تعلیم سے شائستگی اور تہذیب کے مرتبہ تک

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۴۲۵ یعنی جمالی وجلالی صفتوں کی پوری پوری تجلی ظاہر کرنے کے قصد سے ایک اور عالم جو ابدی اور لازوال ہے مقرر کر رکھا ہے تا خدائے تعالیٰ میں جو صفتِ مجازات ہے جس کا کامل طور پر اس منقبض اور فانی عالم میں ظہور نہیں ہوسکتا وہ اس ابدی اور وسیع عالم میں ظہور پذیر ہوجائے اور تا ان تجلیات تامہ اور کاملہ سے انسان اس اعلیٰ درجہ کے شہود تام تک بھی پہنچ جائے کہ جو اس کی بشری طاقتوں کے لئے حدِّ امکان میں داخل ہے۔ اور چونکہ اعلیٰ درجہ کی مکافاتِ عند العقل اسی میں منحصر ہے کہ جو امر
۴۲۶ بطور جزا وارد ہے وہ انسان کے ظاہرؔ و باطن وجسم وجان پر بتمام وکمال دائمی ولازمی طور پر محیط ہوجائے۔ اور نیز اعلیٰ درجہ کا یقین مالک حقیقی کے وجود کی نسبت اسی بات پر موقوف ہے کہ وہ مالکِ حقیقی اسباب معتادہ کو بکلی نیست ونابود کر کے عریاں طور پر جلوہ گر ہو۔ اس لئے یہ صداقت قصویٰ جس سے مطلب انتہائی معرفت اور انتہائی مکافات ہے تب ہی متحقق ہوگی کہ جب وہ تمام باتیں مذکورۂ بالا متحقق ہوجائیں کہ جو عند العقل اس کی تعریف میں داخل ہیں۔ کیونکہ انتہائی معرفت بجز اس کے
۴۲۷ عند العقل ممکن نہیں کہ مالک حقیقی کا جمال بطور حق الیقین مشہود ہو یعنی ظہور اور بروز تام ہو جس پر زیادت متصور نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس۔ انتہائی مکافات پھر بجز اس کے عند العقل غیر ممکن ہے کہ جیسے جسم اور جان دونوں دنیا کی زندگی میں مل کر فرمانبردار
۴۲۸ یا نافرمان اور سرکش تھی۔ ایسا ہی مکافات کے وقت وہ دونوں موردِ انعام ہوںؔ یا دونوں سزا میں پکڑے جائیں اور مکافاتِ کاملہ کا بحر مواج یکساں ظاہر و باطن پر اپنے احاطہ تام سے محیط اور مشتمل ہوجائے۔ لیکن برہموسماج والے اس صداقت سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

از انجملہ ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ اپریل ۱۸۸۳ء میں صبح کے وقت بیداری ہی میں جہلم سے روپیہ روانہ ہونے کی اطلاع دی گئی اور اس بات سے اس جگہ کے آریوں کو جن میں سے بعض خود جا کر ڈاکخانہ میں خبر لیتے تھے بخوبی اطلاع تھی کہ اس روپیہ کے روانہ ہونے کے بارہ میں جہلم سے کوئی خط نہیں آیا تھا کیونکہ یہ انتظام اس عاجز نے پہلے سے کر رکھا تھا کہ جو کچھ
۴۷۶ ڈاکخانہ سے خط وغیرہ آتا تھا اس کو خود بعض آریہ ڈاکخانہ سے لے آتے تھے اور ہر روز ہر یک بات سے بخوبی مطلع رہتے تھے اور خود اب تک ڈاکخانہ کا ڈاک منشی بھی ایک ہندو ہی ہے۔ غرض جب یہ الہام ہوا تو ان دنوں میں ایک پنڈت کا بیٹا شام لال نامی جو ناگری اور فارسی دونوں میں لکھ سکتا تھا بطور روز نامہ نویس کے نوکر رکھا ہوا تھا اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے اس کے ہاتھ سے وہ ناگری اور فارسی خط میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور پھر شام لال مذکور کے اس پر دستخط کرائے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی بدستور اس سے لکھائی گئی اور اس وقت کئی آریوں کو بھی خبر دی گئی۔ اور ابھی پانچ روز نہیں گذرے تھے جو پینتالیس روپیہ کا منی آرڈر جہلم سے آگیا اور جب حساب کیا گیا تو ٹھیک ٹھیک اسی دن منی آرڈر روانہ ہوا تھا جس دن خداوند عالم الغیب نے اس کے روانہ ہونے کی خبر دی تھی۔ اور یہ پیشگوئی بھی اسی طور پر ظہور میں آئی
۴۷۷ جس سے یہ تمام تر انکشاف مخالفینؔ پر اس کی صداقت کھل گئی اور اس کے قبول کرنے سے کچھ چارہ نہ رہا۔ کیونکہ ان کو اپنی ذاتی واقفیت سے بخوبی معلوم تھا کہ اس روپیہ کا اس مہینہ میں جہلم سے روانہ ہونا بے نشان محض تھا جس سے پہلے کوئی اطلاعی خط نہیں آیا تھا فالحمد للّٰہ علی ذٰلک۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا ہے کہ خواب میں دیکھا تھا کہ حیدر آباد سے نواب اقبال الدولہ صاحب کی طرف سے خط آیا ہے اور اس میں کسی قدر روپیہ دینے کا وعدہ لکھا ہے۔ یہ خواب بھی بدستور روز نامہ مذکورۂ بالا میں اسی ہندو کے ہاتھ سے

پہنچا تا بلکہ حضرت آدم کے لئے صرف ایک خدائے تعالیٰ تھا جس نے تمام ضروری حوائج آدم کو پورا کیا ۳۶۴

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بھی انکاری ہیں بلکہ اس صداقت قصویٰ کا وجود ان کے نزدیک متحقق ہی نہیں۔ اور بزعم ان کے انسان کی قسمت میں نہ انتہائی ۴۲۹
معرفت کا پانا مقدر ہے نہ انتہائی مکافات کا۔ اور مکافات ان کے نزدیک فقط ایک خیالی پلاؤ ہے جو صرف اپنے ہی بے بنیاد ۴۳۰
تصورات سے پکایا جائے گا۔ نہ حقیقی طور پر کوئی جزا خدائے تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر وارد ہوگی، نہ کوئی سزا۔ بلکہ خود
تراشیدہ خیالات ہی خوشحالی یا بدحالی کے موجب ہو جائیں گے اور کوئی ایسا ظاہری و باطنی امر نہیں ہوگا کہ جو خاص خدائے ۴۳۱
تعالیٰ کے ارادہ سے نیک بندوں پر بصورت نعمت اور بد بندوں پر بصورت عذاب اترے گا۔ پس ان کا یہ مذہب نہیں ہے
کہ امر مجازات کا خدا مالک ہے اور وہی اپنے نیک بندوں پر اپنے خاص ارادہ سے خوشحالی اور لذت دائمی کا فیضان کرے ۴۳۲
گا۔ جس لذت کاملہ کو سعید لوگ نہ صرف باطنی طور پر بلکہ صور مشہودہ اور محسوسہ میں بھی مشاہدہ کریں گے اور قویٰ انسانیہ میں
سے کوئی قوت ظاہری ہو یا باطنی اپنے مناسب حال سے لذت اٹھانے سے محروم نہیں رہے گی۔ اور جسم اور جان دونوں ۴۳۳
راحت یا عذاب اخروی میں یعنی جیسی صورت ہو شریک ہو جائیں گے۔ غرض برہمو سماج والوں کا اعتقاد بالکل اس صداقت
کے برخلاف اور اس کے مفہوم کامل کی منافی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی کور باطنی سے نجاتِ اخروی کے جسمانی سامان کو کہ جو ۴۳۴
ظاہری قوتوں کے مناسب حال سعادت عظمیٰ کی تکمیل کے لئے قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے اور اسی طرح عذاب ۴۳۵
اخروی کے جسمانی سامان کو کہ جو ظاہری قوتوں کے مناسب حال شقاوت عظمی کی تکمیل کے لئے فرقان مجید میں مندرج ہے

بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3:

لکھائی گئی اور کئی آریوں کو اطلاع دی گئی۔ پھر تھوڑی دنوں کے بعد حیدرآباد سے خط آ گیا اور نواب صاحب موصوف نے سو
روپیہ بھیجا۔ فالحمد للہ علی ذلك۔

از انجملہ ایک یہ ہے کہ ایک دوست نے بڑی مشکل کے وقت لکھا کہ اس کا ایک عزیز کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہے اور کوئی
صورت نجات کی نظر نہیں آتی اور کوئی سبیل رہائی کی دکھائی نہیں دیتی۔ سو اس دوست نے یہ پُر درد ماجرا لکھ کر دعا کے لئے ۴۷۸
درخواست کی۔ چونکہ اس کی بھلائی مقدر تھی اور تقدیر معلق تھی اس لئے اسی رات وقت صافی میسر آ گیا جو ایک مدت تک میسر
نہیں آیا تھا۔ دعا کی گئی اور وقت صافی قبولیت کی امید دیتا تھا۔ چنانچہ قبولیت کے آثار سے ایک آریہ کو اطلاع دی گئی۔ پھر
چندروز کے بعد خبر ملی کہ مدعی ایک ناگہانی موت سے مر گیا اور اس طرح پر شخص ماخوذ نے خلاصی پائی۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

ماسوا اس کے کبھی کبھی دوسری زبان میں الہام ہونا جس سے یہ خاکسار ناآشنا محض ہے اور پھر وہ الہام کسی پیشگوئی پر مشتمل
ہونا عجائبات غریبہ میں سے ہے جو قادر مطلق کی وسیع قدرتوں پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ بیگانہ زبان کے تمام الفاظ محفوظ ۴۷۹
نہیں رہتے اور ان کے تلفظ میں بعض وقت بباعث سرعت ورود الہام اور ناآشنائی لہجہ و زبان کچھ فرق آ جاتا ہے مگر اکثر
صاف صاف اور غیر ثقیل فقرات میں کم فرق آتا ہے اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جلدی جلدی القا ہونے کی وجہ سے بعض الفاظ
یادداشت سے باہر رہ جاتے ہیں۔ لیکن جب کسی فقرہ کا القا مکرر سہ کرر ہو تو پھر وہ الفاظ اچھی طرح سے یاد رہتے ہیں۔ الہام
کے وقت میں قادر مطلق اپنے اس تصرف بحث سے کام کرتا ہے جس میں اسباب اندرونی یا بیرونی کی کچھ آمیزش نہیں ہوتی
اس وقت زبان خدا کے ہاتھ میں ایک آلہ ہوتا ہے اور جس طرح اور جس طرف چاہتا ہے اس آلہ کو یعنی زبان کو پھیرتا ہے اور
اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ الفاظ زور کے ساتھ اور ایک جلدی سے نکلتے آتے ہیں اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جیسے کوئی لطف اور ۴۸۰

اور اس کو آپ حسن تربیت اور حسن تادیب سے بمرتبۂ حقیقی انسانیت کے پہنچایا۔ ہاں بعد اس کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مورد اعتراض سمجھتے۔ ہیں مگر ایسی سمجھ پر پتھر پڑیں کہ جو ایک بدیہی اور کامل صداقت کو عیب کی صورت میں تصور کیا جائے۔
۴۳۶ افسوس یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ سعادت عظمیٰ یا شقاوت عظمیٰ کے پانے کے لئے یہی ایک طریق ہے کہ خدائے تعالیٰ توجہ
خاص فرما کر امر مکافات کو کامل طور پر نازل کرے اور کامل طور پر نازل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ وہ مکافات تمام ظاہر
۴۳۷ وباطن پر مستولی ہو جائے اور کوئی ایسی ظاہری یا باطنی قوت باقی نہ رہے جس کو اس مکافات سے حصہ نہ پہنچا ہو۔ یہ وہی
مکافاتِ عظیمہ کا انتہائی مرتبہ ہے جس کو فرقانِ مجید نے دوسرے لفظوں میں بہشت اور دوزخ کے نام سے تعبیر کیا ہے اور
اپنی کامل اور روشن کتاب میں بتلا دیا ہے کہ وہ بہشت اور دوزخ روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے مکافات پر کامل طور پر
۴۳۸ مشتمل ہے اور ان دونوں قسموں کو کتاب ممدوح میں مفصل طور پر بیان فرما دیا ہے اور سعادت عظمیٰ اور شقاوتِ عظمیٰ کی
حقیقت کو بخوبی کھول دیا ہے۔ مگر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اس صداقت قصویٰ اور نیز دوسری گذشتہ بالا صداقتوں
سے برہموسماج والے ناآشنا محض ہیں۔
۴۳۹ چھٹی صداقت جو سورۃ فاتحہ میں مندرج ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے صاحب صفاتِ
کاملہ اور مبدء فیوض اربعہ ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور پرستش وغیرہ ضرورتوں اور حاجتوں میں مدد بھی تجھ سے ہی
۴۴۰ چاہتے ہیں یعنی خالصاً معبود ہمارا تو ہی ہے اور تیرے تک پہنچنے کے لئے کوئی اور دیوتا ہم اپنا ذریعہ قرار نہیں دیتے نہ کسی

بقیہ درحاشیہ نمبر 3:

ناز سے قدم رکھتا ہے اور ایک قدم پر ٹھہر کر پھر دوسرا قدم اٹھاتا ہے اور چلنے میں اپنی خوش وضع دکھلاتا ہے۔ اور ان دونوں
اندازوں کے اختیار کرنے میں حکمت یہ ہے کہ تا ربانی الہام کو نفسانی اور شیطانی خیالات سے امتیاز کلی حاصل رہے اور
خداوند مطلق کا الہام اپنی جلالی اور جمالی برکت سے فی الفور شناخت کیا جائے۔ ایک دفعہ کی حالت یاد آئی ہے کہ انگریزی
میں اول یہ الہام ہوا: **آئی لو یو** یعنی میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔ پھر یہ الہام ہوا: **آئی ایم ود یو** یعنی میں تمہارے ساتھ
ہوں پھر الہام ہوا: **آئی شیل ہیلپ یو** یعنی میں تمہاری مدد کروں گا۔ پھر الہام ہوا: **آئی کین وٹ آئی ول ڈو**۔ یعنی
۴۸۱ میں کر سکتا ہوں جو چاہوں گا۔ پھر بعد اس کے بہت ہی زور سے جس سے بدن کانپ گیا یہ الہام ہوا: **وی کین وٹ وی
ڈو**۔ یعنی ہم کر سکتے ہیں جو چاہیں گے۔ اور اس وقت ایک ایسا لہجہ اور تلفظ معلوم ہوا کہ گویا ایک انگریز ہے جو سر پر کھڑا ہوا
بول رہا ہے اور باوجود پُردہشت ہونے کے پھر اس میں ایک لذت تھی جس سے روح کو معنی معلوم کرنے سے پہلے ہی ایک
تسلی اور تشفی ملتی تھی۔ اور یہ انگریزی زبان کا الہام اکثر ہوتا رہا ہے۔ ایک دفعہ ایک طالب العلم انگریزی خوان ملنے کو آیا۔
اس کے روبرو ہی یہ الہام ہوا: **دِس از مائی اینیمی**۔ یعنی یہ میرا دشمن ہے۔ اگرچہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ الہام اسی کی نسبت
ہے مگر اسی سے یہ معنی بھی دریافت کیے گئے اور آخر وہ ایسا ہی آدمی نکلا اور اس کے باطن میں طرح طرح کے خبث پائے
۴۸۲ گئے۔ ایک دفعہ صبح کے وقت بہ نظر کشفی چند ورق چھپے ہوئے دکھائے گئے کہ جو ڈاک خانہ سے آئے ہیں۔ اور آخیر پر ان
کے لکھا تھا: **آئی ایم بائی عیسیٰ**۔ یعنی میں عیسیٰ کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ وہ مضمون کسی انگریزی خوان سے دریافت کر کے دو
ہندو آریہ کو بتلایا گیا جس سے یہ سمجھا گیا تھا کہ کوئی شخص عیسائی یا عیسائیوں کی طرز پر دین اسلام کی نسبت کچھ اعتراض چھپوا
کر بھیجے گا۔ چنانچہ اسی روز ایک آریہ کو ڈاک آنے کے وقت ڈاک خانہ میں بھیجا گیا تو وہ چند چھپے ہوئے ورق لایا جس میں

جب اولاد حضرت آدم کی دنیا میں پھیل گئی اور جو علوم خدائے تعالیٰ نے آدم کو سکھلائے تھے وہ اس کی ٣٦٥

بقیہ حاشیہ نمبر 11

انسان کو نہ کسی بت کو نہ اپنی عقل اور علم کو کچھ حقیقت سمجھتے ہیں اور ہر بات میں تیری ذات قادر مطلق سے مدد چاہتے ہیں۔ یہ
صداقت بھی ہمارے مخالفین کی نظر سے چھپی ہوئی ہے۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ بت پرست لوگ بجز ذات واحد خدائے تعالیٰ
کے اَور اَور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں اور آریہ سماج والے اپنی روحانی طاقتوں کو غیر مخلوق سمجھ کر ان کے زور سے مکتی حاصل ٤٤١
کرنا چاہتے ہیں۔ برہمو سماج والے الہام کی روشنی سے منہ پھیر کر اپنی عقل کو ایک دیوی قرار دے بیٹھے ہیں جو کہ ان کے زعم
باطل میں خدا تک پہنچانے میں اختیار کلی رکھتی ہے اور سب الٰہی اسرار پر محیط اور متصرف ہے۔ سو وہ لوگ بجائے خدا کے ٤٤٢
پرستش اور استمداد کے اسی سے اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کا خطاب کر رہے ہیں اور شرک خفی میں گرفتار اور مبتلا ہیں۔ اور جب منع کیا
جائے تو کہتے ہیں عقل عطیات الٰہیہ سے ہے اور اسی غرض سے دی گئی ہے کہ تا انسان اپنی معاش اور مہمات میں اس کا
استعمال میں لاوے۔ پس عطیہ الٰہیہ کا استعمال میں لانا شرک نہیں بن سکتا۔ سو واضح ہو کہ یہ ان کی غلطی ہے اور بارہا یہ امر
معرض بیان میں آ لیا ہے کہ جس یقین کامل اور جن معارف حقہ پر ہماری نجات موقوف ہے ان مقاصد عالیہ کے حصول کے ٤٤٣
لئے عقل ذریعہ نہیں بن سکتی۔ ہاں ان معارف کے حاصل کرنے کے بعد ان کی صداقت اور سچائی کو سمجھ سکتی ہے۔ لیکن وہ
انکشاف صحیح اور کامل فقط اس پاک اور صاف روشنی سے ہوتا ہے کہ جو خدائے تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے اور عقل کی دود
آمیز اور ناقص روشنی جو انسان میں موجود ہے اس جگہ عاجز ہے۔ سو شرک اس طرح لازم آتا ہے کہ برہمو سماج والے خدا کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عیسائیوں کی طرز پر ایک صاحب خام خیال نے اعتراضات لکھے تھے۔ ایک دفعہ کسی امر میں جو دریافت طلب تھا خواب
میں ایک درم نقرہ جو بشکل بادامی تھا اس عاجز کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس میں دو سطریں تھیں۔ اول سطر میں یہ انگریزی فقرہ ٤٨٣
لکھا تھا: **یس آئی ایم ہپی** اور دوسری سطر جو خط فارق ڈال کر نیچے لکھی ہوئی تھی وہ اسی پہلی سطر کا ترجمہ تھا یعنی یہ لکھا تھا کہ
ہاں میں خوش ہوں۔ ایک دفعہ کچھ حزن اور غم کے دن آنے والے تھے کہ ایک کاغذ پر بہ نظر کشفی یہ فقرہ انگریزی میں لکھا ہوا
دکھایا گیا: **لائف آف پین**۔ یعنی زندگی دکھ کی۔ ایک دفعہ بعض مخالفوں کے بارہ میں جنہوں نے عنادِ دلی سے خواہ نخواہ ٤٨٤
قرآن شریف کی توہین کی تھی اور عداوت ذاتی سے جس کا کچھ چارہ نہیں دین متین اسلام پر بیجا اعتراضات اور بیہودہ
تعرضات کئے تھے یہ دو فقرے انگریزی میں الہام ہوئے: **گوڈ از کمنگ بائی ہز آرمی۔ ہی از ود یوٹو کل اینیمی۔**
یعنی خدائے تعالیٰ دلائل اور براہین کا لشکر لے کر چلا آتا ہے وہ دشمن کو مغلوب اور ہلاک کرنے کے لئے تمہارے ساتھ
ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سے فقرات تھے جن میں سے کچھ تو یاد ہیں اور کچھ بھول گئے۔ لیکن سب سے زیادہ عربی زبان ٤٨٥
میں الہام ہوتا ہے۔ خصوصاً آیات فرقانیہ میں بکثرت اور بہ تواتر ہوتا ہے۔ چنانچہ کسی قدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان
پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں ذیل میں معہ ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تا کہ اگر خدا چاہے تو طالب صادق کو ان سے
فائدہ ہو اور تا مخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظر عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہ راست پر ہوتے ہیں ان ٤٨٦
سے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بہ مہربانی پیش آتا ہے اور کیونکر ان تفضلات سے پیش از وقوع اطلا
دیتا ہے جن کو اس نے لطف محض سے اپنے وقتوں پر طیار رکھا ہے اور وہ الہامات یہ ہیں:۔
بورکت یا احمد وکان ما بارك الله فيك حقاً فيك۔ اے احمد تو مبارک کیا گیا ہے اور خدا نے جو تجھ میں ٤٨٧

اولاد میں بخوبی رواج پکڑ گئے تب بعض انسان بعض انسانوں کے استاد اور معلم بن بیٹھے اور ہر ایک بچہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اس روشن کلام سے کہ جو انکشاف صحیح اور کامل کا مدار ہے منہ پھیر کر اور اس سے بکلی بے نیازی ظاہر کر کے اپنی ہی عقل ناقص
کو رہبر مطلق ٹھہراتے ہیں اور بنائے کار بناتے ہیں۔ سو ان کا دل بیمار اس دھوکہ میں پڑا ہوا ہے کہ جس منزل عالی تک الٰہی
قوتیں اور ربانی تجلیات پہنچا سکتے ہیں اس منزل تک ان کی اپنی ہی عقل پہنچا دے گی۔ اب ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور ۴۴۴
کیا شرک ہوگا کہ اپنی عقل کی طاقت کو ربانی طاقت کے مساوی بلکہ اس سے عمدہ تر خیال کر رہے ہیں۔ سو دیکھئے وہی بات سچ
نکلی یا نہیں کہ وہ بجائے خدا کے عقل سے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پکار رہے ہیں۔ عیسائیوں کا حال بیان کرنا کچھ ضرورت ہی نہیں۔
سب لوگ جانتے ہیں کہ حضرات عیسائی بجائے اس کے کہ خداوند تعالیٰ کی خالص طور پر پرستش کریں مسیح کی پرستش میں
مشغول ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے کاروبار میں خدا سے مدد چاہیں مسیح سے مدد مانگتے رہتے ہیں۔ اور ان کی زبانوں پر
ہر وقت ربنا المسیح جاری ہے۔ سو وہ لوگ مضمون اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پر عمل کرنے سے ۴۴۵
محروم اور راندہ درگاہ الٰہی ہیں۔ ساتویں صداقت جو سورۂ فاتحہ میں درج ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہے۔ جس کے
معنی یہ ہیں کہ ہم کو وہ راستہ دکھلا اور اس راہ پر ہم کو ثابت اور قائم کر کہ جو سیدھا ہے جس میں کسی نوع کی کجی نہیں۔ اس
صداقت کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی حقیقی دعا یہی ہے کہ وہ خدا تک پہنچنے کا سیدھا راستہ طلب کرے کیونکہ ہر یک مطلوب
کے حاصل کرنے کے لئے طبعی قاعدہ یہ ہے کہ ان وسائل کو حاصل کیا جائے جن کے ذریعہ سے وہ مطلب ملتا ہے اور خدا نے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

برکت رکھی ہے وہ حقانی طور پر رکھی ہے۔ شانك عجیب واجرك قریب۔ تیری شان عجیب ہے اور تیرا بدلہ
نزدیک ہے انی راض منك انی رافعك الی الارض والسماء معك کما ھو معی۔ میں تجھ سے راضی
ہوں۔ میں تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں۔ زمین اور آسمان تیرے ساتھ ہیں جیسے وہ میرے ساتھ ہیں۔ ھو کا ضمیر
واحد بتاویل مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے اور ان کلمات کا حاصل مطلب تلطفات اور برکات الٰہیہ ہیں جو حضرت ۴۸۸
خیر الرسل کی متابعت کی برکت سے ہر یک کامل مومن کے شامل ہو جاتی ہیں اور حقیقی طور پر مصداق ان سب عنایات کا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور دوسرے سب طفیلی ہیں۔ اور اس بات کو ہر جگہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر یک مدح و ثنا جو کسی مومن کے
الہامات میں کی جائے وہ حقیقی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح ہوتی ہے اور وہ مومن بقدر اپنی متابعت کے اس مدح سے
حصہ حاصل کرتا ہے۔ اور وہ بھی محض خدائے تعالیٰ کے لطف اور احسان سے نہ کسی اپنی لیاقت اور خوبی سے۔ پھر بعد اس کے ۴۸۹
فرمایا: انت وجیہ فی حضرتی اخترتك لنفسی تو میری درگاہ میں وجیہ ہے میں نے تجھے اپنے لئے اختیار کیا۔
انت منی بمنزلة توحیدی وتفریدی. فحان ان تعان وتعرف بین الناس تو مجھ سے ایسا ہے جیسا
میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آ گیا جو تیری مدد کی جائے اور تجھ کو لوگوں میں معروف و مشہور کیا جائے۔ هَلْ اَتٰى عَلَى
الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں
کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔ یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تو کون ہے اور کیا چیز ہے اور کسی شمار و حساب میں نہ تھا۔ یعنی کچھ بھی نہ ۴۹۰
تھا۔ یہ گذشتہ تلطفات و احسانات کا حوالہ ہے تا محسن حقیقی کے آئندہ فضلوں کے لئے ایک نمونہ ٹھہرے۔ سبحان اللّٰہ
تبارك وتعالیٰ زاد مجدك. ینقطع اٰباءك ویبدء منك۔ سب پاکیاں خدا کے لئے ہیں جو نہایت برکت والا

کے لئے اس کے والدین بولی سکھانے کے لئے رفیق شفیق نکل آئے مگر آدم کے لئے بجز ایک خدا کے ۳۶۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہر یک امر کی تحصیل کے لئے یہی قانونِ قدرت ٹھہرا رکھا ہے کہ جو اس کے حصول کے وسائل ہیں وہ حاصل کیے جائیں ۔ اور ۴۴۶
جن راہوں پر چلنے سے وہ مطلب مل سکتا ہے وہ راہیں اختیار کی جائیں ۔ اور جب انسان صراط مستقیم پر ٹھیک ٹھیک قدم
مارے اور جو حصول مطلب کی راہیں ہیں ان پر چلنا اختیار کرے تو پھر مطلب خود بخود حاصل ہوجاتا ہے ۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں
ہوسکتا کہ ان راہوں کے چھوڑ دینے سے جو کسی مطلب کے حصول کے لئے بطور وسائل کے ہیں یونہی مطلب حاصل
ہوجائے ۔ بلکہ قدیم سے یہی قانون قدرت بندھا ہوا چلا آتا ہے کہ ہر یک مقصد کے حصول کے لئے ایک مقرری طریقہ ہے ۴۴۷
جب تک انسان اس طریقہ مقررہ پر قدم نہیں مارتا تب تک وہ امر اس کو حاصل نہیں ہوتا ۔ پس وہ شے جس کو محنت اور کوشش
اور دعا اور تضرع سے حاصل کرنا چاہیے صراط مستقیم ہے ۔ جو شخص صراط مستقیم کی طلب میں کوشش نہیں کرتا اور نہ اس کی کچھ ۴۴۸
پرواہ رکھتا ہے وہ خدا کے نزدیک ایک کجرو آدمی ہے ۔ اور اگر وہ خدا سے بہشت اور عالم ثانی کی راحتوں کا طالب ہو تو
حکمت الٰہی اسے یہی جواب دیتی ہے کہ اے نادان اول صراط مستقیم کو طلب کر پھر یہ سب کچھ تجھے آسانی سے مل جائے گا ۔
سو سب دعاؤں سے مقدم دعا جس کی طالب حق کو اشد ضرورت ہے طلب صراط مستقیم ہے ۔ اب ظاہر ہے کہ ہمارے مخالفین ۴۴۹
اس صداقت پر قدم مارنے سے بھی محروم ہیں ۔ عیسائی لوگ تو اپنی ہر دعا میں روٹی ہی مانگا کرتے ہیں اور اگر کھا پی کر اور
پیٹ بھر کر بھی گرجا میں آویں پھر بھی جھوٹ موٹ اپنے تئیں بھوکے ظاہر کر کے روٹی مانگتے رہتے ہیں ۔ گویا ان کا مطلوب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اور عالی ذات ہے ۔ اس نے تیرے مجد کو زیادہ کیا ۔ تیرے آباء کا نام اور ذکر منقطع ہوجائے گا ۔ یعنی بطور مستقل ان کا نام
نہیں رہے گا ۔ اور خدا تجھ سے ابتدا شرف او رمجد کا کرے گا ۔ نصرت بالرعب واحییت بالصدق ایھا
الصدیق. نصرت قالوا لَاتَ حِیْنَ مَنَاصٍ ۔ تو رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا ۔ اے
صدیق تو مدد کیا گیا ۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں ۔ یعنی امداد الٰہی اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مخالفوں کے دل ۴۹۱
ٹوٹ جائیں گے اور ان کے دلوں پر یاس مستولی ہوجائے گی اور حق آشکارا ہوجائے گا ۔ وما کان اللہ لیترکك
حتی یمیز الخبیث من الطیب ۔ اور خدا ایسا نہیں ہے جو تجھے چھوڑ دے جب تک وہ خبیث اور طیب میں صریح
فرق نہ کرے ۔ وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ اور خدا اپنے امر پر غالب ہے
مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ۔ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ. وَتَمَّتْ کَلِمَۃُ رَبِّکَ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ. جب مدد اور فتح الٰہی آئے گی اور تیرے رب کی بات پوری ہوجائے گی تو کفار اس خطاب کے لائق
ٹھہریں گے کہ یہ وہی بات ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے ۔ اردت ان استخلف فخلقت اٰدم. اِنِّیْ ۴۹۲
جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ یعنی میں نے اپنی طرف سے خلیفہ کرنے کا ارادہ کیا ۔ سو میں نے آدم کو پیدا کیا میں زمین پر کرنے
والا ہوں ۔ یہ اختصاری کلمہ ہے یعنی اس کو قائم کرنے والا ہوں ۔ اس جگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور
ہدایت کے لئے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو ۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی اطلاق پاتی ہے مراد نہیں ہے اور نہ وہ
بجز قریش کے کسی دوسرے کے لئے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہوسکتی ہے بلکہ یہ محض روحانی مراتب اور
روحانی نیابت کا ذکر ہے ۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابو البشر ہے مراد نہیں بلکہ ایسا شخص مراد ہے جس سے سلسلۂ ۴۹۳

۳۶۷ اور کوئی نہ تھا جو اس کو بولی سکھاتا اور ادب انسانیت سے ادب آموز کرتا۔ اس کے لئے بجائے استاد

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۴۵۰ اعظم روٹی ہی ہے وبس۔ آریہ سماج والے اور دوسرے ان کے بت پرست بھائی اپنی دعاؤں میں جنم مرن سے بچنے کے
لئے یعنی اوا گوان سے جو ان کے زعم باطل میں ٹھیک اور درست ہے طرح طرح کے اشلوک پڑھا کرتے ہیں اور صراط
۴۵۱ مستقیم کو خدا سے نہیں مانگتے۔ علاوہ اس کے اللہ تعالیٰ نے تو اس جگہ جمع کا لفظ بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ
کوئی انسان ہدایت طلب کرنے اور انعام الٰہی پانے سے ممنوع نہیں ہے۔ مگر بموجب اصول آریہ سماج کے ہدایت طلب
کرنا گنہگار کے لئے ناجائز ہے اور خدا اس کو ضرور سزا دے گا۔ اور ہدایت پانا نہ پانا اس کے لئے برابر ہے۔ برہمو سماج
۴۵۲ والوں کا دعاؤں پر کچھ ایسا اعتقاد ہی نہیں وہ ہر وقت اپنی عقل کے گھمنڈ میں رہتے ہیں اور نیز ان کا یہ بھی مقولہ ہے کہ کسی
خاص دعا کو بندگی اور عبادت کے لئے خاص کرنا ضروری نہیں۔ انسان کو اختیار ہے جو چاہے دعا مانگے۔ مگر یہ ان کی سراسر
۴۵۳ نادانی ہے اور ظاہر ہے کہ اگرچہ جزوی حاجات صدہا انسان کو لگی ہوئی ہیں مگر حاجت اعظم جس کا دن رات اور ہر ایک دم فکر
کرنا چاہیے صرف ایک ہی ہے۔ یعنی یہ کہ انسان ان طرح طرح کے حجب ظلمانیہ سے نجات پا کر معرفت کامل کے درجہ تک
پہنچ جائے اور کسی طرح کی نابینائی اور کور باطنی اور بے مہری اور بے وفائی باقی نہ رہے بلکہ خدا کو کامل طور پر شناخت کر کے
۴۵۴ اور اس کی خالص محبت سے پُر ہو کر مرتبۂ وصال الٰہی کا جس میں اس کی سعادت تامہ ہے پا لیوے۔ یہی ایک دعا ہے جس کی
انسان کو سخت حاجت ہے اور جس پر اس کی ساری سعادت موقوف ہے۔ سو اس کے حصول کا سیدھا راستہ یہی ہے کہ اِھْدِنَا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ارشاد اور ہدایت کا قائم ہو کر روحانی پیدائش کی بنیاد ڈالی جائے۔ گویا وہ روحانی زندگی کے رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس میں روحانی سلسلہ کے قائم ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اس سلسلہ کا نام و نشان نہیں۔ پھر بعد اس کے اس روحانی آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا اور کہا: دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔ جب یہ آیت شریفہ جو قرآن شریف کی آیت ہے الہام ہوئی تو اس کے معنی کی تشخیص اور تعیین میں تامل تھا اور اسی تامل میں کچھ خفیف سی خواب آ گئی اور اس خواب میں اس کے معنی حل کیے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ دنوّ سے مراد قرب الٰہی ہے۔ اور قرب کسی حرکت مکانی کا نام نہیں بلکہ اس وقت انسان کو مقرب الٰہی بولا جاتا ہے کہ جب وہ ارادہ اور نفس اور خلق اور تمام اضداد اور اغیار سے بکلی الگ ہو کر طاعت اور محبت الٰہی میں سراپا محو ہو جاوے اور ہر یک ماسوا اللہ سے پوری دوری حاصل کر لیوے اور محبت الٰہی کے دریا میں ایسا ڈوبے کہ کچھ اثر وجود اور انانیت کا باقی نہ رہے۔ اور جب تک اپنی ہستی کے لوث سے مبرا نہیں اور بقا باللہ کے پیرایہ سے متحلّی نہیں تب تک اس قرب کی لیاقت نہیں رکھتا اور بقا باللہ کا مرتبہ تب حاصل ہوتا ہے کہ جب خدا کی محبت ہی انسان کی غذا ہو جائے اور ایسی حالت ہو جائے کہ بغیر اس کی یاد کے جی ہی
۴۹۴ نہیں سکتا اور اس کے غیر کا دل میں سمانا موت کی طرح دکھائی دے اور صریح مشہور ہو کہ وہ اسی کے ساتھ جیتا ہے اور ایسا خدا کی طرف کھینچا جاوے جو دل اس کا ہر وقت یاد الٰہی میں مستغرق اور اس کے درد سے دردمند رہے۔ اور ماسوا سے اس قدر نفرت پیدا ہو جائے کہ گویا غیر اللہ سے اس کی عداوت ذاتی ہے جن کی طرف میل کرنے سے بالطبع دکھ اٹھاتا ہے۔ جب یہ حالت متحقق ہو گی تو دل جو مورد انوار الٰہی ہے خوب صاف ہو گا اور اسماء اور صفات الٰہی کا اس میں انعکاس ہو کر ایک دوسرا کمال جو تدلّی ہے عارف کے لئے پیش آئے گا۔ اور تدلّی سے مراد وہ ہبوط اور نزول ہے کہ جب انسان تخلق با خلاق اللہ

اور معلم اور ماں اور باپ کے اکیلا خدا ہی تھا جس نے اس کو پیدا کرکے آپ سب کچھ اس کو سکھایا۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11

الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کہے۔ کیونکہ انسان کے لئے ہر یک مطلب کے پانے کا یہی ایک طریق ہے کہ جن راہوں پر چلنے
سے وہ مطلب حاصل ہوتا ہے ان راہوں پر مضبوطی سے قدم مارے اور وہی راستہ اختیار کرے کہ جو سیدھا منزل مقصود تک ۴۵۵
پہنچتا ہے اور بے راہیوں کو چھوڑ دے۔ اور یہ بات نہایت بدیہی ہے کہ ہر شے کے حصول کے لئے خدا نے اپنے قانون
قدرت میں صرف ایک ہی راستہ ایسا رکھا ہے جس کو سیدھا کہنا چاہیے اور جب تک ٹھیک ٹھیک وہی راستہ اختیار نہ کیا جائے
ممکن نہیں کہ وہ چیز حاصل ہو سکے۔ جس طرح خدا کے تمام قواعد قدیم سے مقرر اور منضبط ہیں ایسا ہی نجات اور سعادت ۴۵۶
اخروی کی تحصیل کے لئے ایک خاص طریق مقرر ہے جو مستقیم اور سیدھا ہے۔ سو دعا میں وضع استقامت یہی ہے کہ اسی
طریق مستقیم کو حدا سے مانگا جائے۔ آٹھویں اور نویں اور دسویں صداقت جو سورۃ فاتحہ میں درج ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم کو ان سالکین کا راستہ بتلا ۴۵۷
جنہوں نے ایسی راہیں اختیار کیں کہ جن سے ان پر تیرا انعام وارد ہوا اور ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے لاپرواہی
سے سیدھی راہ پر قدم مارنے کے لئے کوشش نہ کی اور اس باعث سے تیری تائیدی سے محروم رہ کر گمراہ رہے۔ یہ تین ۴۵۸
صداقتیں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے کہ بنی آدم اپنے اقوال اور افعال اور اعمال اور نیات کے رو سے تین قسم کے ہوتے ہیں۔
بعض سچے دل سے خدا کے طالب ہوتے ہیں اور صدق اور عاجزی سے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پس خدا بھی ان کا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حاصل کرکے اس ذات رحمان ورحیم کی طرف شفقتاً علی العباد عالم خلق کی طرف رجوع کرے۔ اور چونکہ کمالات
دنوّ کے کمالات تدلی سے لازم ملزوم ہیں۔ پس تدلی اسی قدر ہوگی جس قدر دنوّ ہے۔ اور دنوّ کی کمالیت اس میں ہے کہ
اسماء اور صفاتِ الٰہی کے عکوس کا سالک کے قلب میں ظہور ہو۔ اور محبوب حقیقی بے شائبہ ظلیت اور بے توہم حالیت ومحلیت
اپنے تمام صفات کاملہ کے ساتھ اس میں ظہور فرمائے اور یہی استخلاف کی حقیقت اور روح اللہ کی نفخ کی ماہیت ہے اور یہی
تخلق باخلاق اللہ کی اصل بنیاد ہے۔ اور جبکہ تدلی کی حقیقت کو تخلق باخلاق اللہ لازم ہوا اور کمالیت فی التخلق اس بات کو
چاہتی ہے کہ شفقت علی العباد اور ان کے لئے بمقام نصیحت کھڑے ہونا اور ان کی بھلائی کے لئے بدل وجان مصروف ہوجانا
اس حد تک پہنچ جائے جس پر زیادت متصور نہیں اس لئے واصل تام کو مجمع الاضداد ہونا پڑا کہ وہ کامل طور پر رو بخدا بھی ہو اور ۴۹۵
پھر کامل طور پر رو بخلق بھی۔ پس وہ ان دونوں قوسوں الوہیت وانسانیت میں ایک وتر کی طرح واقعہ ہے جو دونوں سے تعلق
کامل رکھتا ہے۔ اب خلاصہ کلام یہ کہ وصول کامل کے لئے دنوّ اور تدلی دونوں لازم ہیں۔ دنوّ اس قرب تام کا نام ہے کہ
جب کامل تزکیہ کے ذریعہ سے انسان کامل سیر الی اللہ سے سیر فی اللہ کے ساتھ متحقق ہوجائے اور اپنی ہستی ناچیز سے بالکل
ناپدید ہو کر اور غرق دریائے بیچوں وبیچگون ہو کر ایک جدید ہستی پیدا کرے جس میں بیگانگی اور دوئی اور جہل اور نادانی نہیں
ہے اور صبغۃ اللہ کے پاک رنگ سے کامل رنگینی میسر ہے۔ اور تدلی انسان کی اس حالت کا نام ہے کہ جب وہ تخلق باخلاق
اللہ کے بعد ربانی شفقتوں اور رحمتوں سے رنگین ہو کر خدا کے بندوں کی طرف اصلاح اور فائدہ رسانی کے لئے رجوع
کرے۔ پس جاننا چاہیے کہ اس جگہ ایک ہی دل میں ایک ہی حالت اور نیت کے ساتھ دو قسم کا رجوع پایا گیا۔ ایک خدائے
تعالیٰ کی طرف جو وجود قدیم ہے اور ایک اس کے بندوں کی طرف جو وجود محدث ہے۔ اور دونوں قسم کا وجود یعنی قدیم اور

غرض آدم کے لئے یہ ضرورت حقاً و وجوباً پیش آگئی تھی کہ خدا اس کی تربیت آپ فرماتا اور اس کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

طالب ہوجاتا ہے اور رحمت اور انعام کے ساتھ ان پر رجوع کرتا ہے۔ اس حالت کا نام انعام الٰہی ہے۔ اسی کی طرف ۴۵۹
آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا اور کہا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی وہ لوگ ایسا صفا اور سیدھا راستہ اختیار کرتے ہیں
جس سے فیضان رحمت الٰہی کے مستحق ٹھہر جاتے ہیں اور بباعث اس کے کہ ان میں اور خدا میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا اور ۴۶۰
بالکل رحمت الٰہی کے محاذی آپڑتے ہیں، اس جہت سے انوار فیضان الٰہی کے ان پر وارد ہوتے ہیں۔ دوسری قسم وہ لوگ
ہیں کہ جو دیدہ و دانستہ مخالفت کا طریق اختیار کر لیتے ہیں اور دشمنوں کی طرح خدا سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ سو خدا بھی ان سے ۴۶۱
منہ پھیر لیتا ہے اور رحمت کے ساتھ ان پر رجوع نہیں کرتا۔ اس کا باعث یہی ہوتا ہے کہ وہ عداوت اور بیزاری اور غضب
اور غیظ اور نارضامندی جو خدا کی نسبت ان کے دلوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے وہی ان میں اور خدا میں حجاب ہوجاتی ہے۔
اس حالت کا نام غضب الٰہی ہے۔ اسی کی طرف خدائے تعالیٰ نے اشارہ فرما کر کہا غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ۔ تیسری قسم
کے وہ لوگ ہیں کہ جو خدا سے لاپرواہ رہتے ہیں اور سعی اور کوشش سے اس کو طلب نہیں کرتے خدا بھی ان کے ساتھ ۴۶۲
لاپرواہی کرتا ہے اور ان کو اپنا راستہ نہیں دکھلاتا کیونکہ وہ لوگ راستہ طلب کرنے میں آپ سستی کرتے ہیں اور اپنے تئیں اس
فیض کے لائق نہیں بناتے کہ جو خدا کے قانون قدیم میں محنت اور کوشش کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔ اس حالت کا نام ۴۶۳
اضلالِ الٰہی ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ خدا نے ان کو گمراہ کیا یعنی جبکہ انہوں نے ہدایت پانے کے طریقوں کو بہ جد و جہد

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حادث ایک دائرہ کی طرح ہے جس کی طرف اعلیٰ وجوب اور طرف اسفل امکان ہے۔ اب اس دائرہ کے درمیان میں انسان
کامل بوجہ دنوّ اور تدلی کی دونوں طرف سے اتصال محکم کر کے یوں مثالی طور پر صورت پیدا کر لیتا ہے جیسے ایک وتر دائرہ ۴۹۶
کے دو قوسوں میں ہوتا ہے۔ یعنی حق اور خلق میں واسطہ ٹھہر جاتا ہے۔ پہلے اس کو دنوّ اور قرب الٰہی کی خلعت خاص عطا کی
جاتی ہے اور قرب کے اعلیٰ مقام تک صعود کرتا ہے اور پھر خلقت کی طرف اس کو لایا جاتا ہے۔ پس اس کا وہ صعود اور نزول
دو قوس کی صورت میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور نفس جامع التعلقین انسان کامل کا ان دونوں قوسوں میں قاب قوسین کی طرح
ہوتا ہے۔ اور قاب عرب کے محاورہ میں کمان کے چلّہ پر اطلاق پاتا ہے۔ پس آیت کے بطور تحت اللفظ یہ معنی ہوئے کہ
نزدیک ہوا یعنی خدا سے، پھر اترا یعنی خلقت پر۔ پس اپنے اس صعود اور نزول کی وجہ سے دو قوسوں کے لئے ایک ہی وتر
ہوگیا۔ اور چونکہ اس کا روبخلق ہونا چشمۂ صافیہ تخلق باخلاق اللہ ہے اس لئے اس کی توجہ بمخلوق توجہ بخالق کے عین ہے۔ یا
یوں سمجھو کہ چونکہ مالک حقیقی اپنی غایت شفقت علی العباد کی وجہ سے اس قدر بندوں کی طرف رجوع رکھتا ہے کہ گویا وہ
بندوں کے پاس ہی خیمہ زن ہے۔ پس جبکہ سالک سیر الی اللہ کرتا کرتا اپنی کمال سیر کو پہنچ گیا تو جہاں خدا تھا وہیں اس کو لوٹ
کر آنا پڑا۔ پس اس وجہ سے کمال دنوّ یعنی قرب تام اس کی تدلی یعنی ہبوط کا موجب ہوگیا۔ يحى الدين ويقيم
الشريعة زندہ کرے گا دین کو اور قائم کرے گا شریعت کو۔ يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ. یا مریم
اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ. یا احمد اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ. نفخت فيك من لدنی
روح الصدق۔ اے آدم، اے مریم، اے احمد تو اور جو شخص تیرا تابع اور رفیق ہے جنت میں یعنی نجات حقیقی کے وسائل ۴۹۷
میں داخل ہوجاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے سچائی کی روح تجھ میں پھونک دی ہے۔ اس آیت میں بھی روحانی آدم کا وجہ

۳۶۸ مایحتاج کا آپ بندوبست کرتا لیکن اس کی اولاد کے لئے یہ ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ اب کروڑ ہا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

طلب نہ کیا تو خدا نے بہ پابندی اپنے قانون قدیم کے ان کو ہدایت بھی نہ دی اور اپنی تائید سے محروم رکھا۔اسی کی طرف
اشارہ فرمایا اور کہا وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۔غرض ماحصل اور خلاصہ ان تینوں صداقتوں کا یہ ہے کہ جیسے انسان کی خدا کے ساتھ تین
۴۶۴ حالتیں ہیں ایسا ہی خدا بھی ہر ایک حالت کے موافق ان کے ساتھ جدا جدا معاملہ کرتا ہے۔جو لوگ اس پر راضی ہوتے ہیں
اور دلی محبت اور صدق سے اس کے خواہاں ہو جاتے ہیں خدا بھی ان پر راضی ہو جاتا ہے اور اپنی رضا مندی کے انوار ان پر
نازل کرتا ہے۔اور جو لوگ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور عمداً مخالفت اختیار کرتے ہیں خدا بھی مخالف کی طرح ان سے
معاملہ کرتا ہے اور جو لوگ اس کی طلب میں سستی اور لاپروائی کرتے ہیں خدا بھی ان سے لاپروائی کرتا ہے اور ان کو گمراہی
میں چھوڑ دیتا ہے۔غرض جس طرح آئینہ میں انسان کو وہی شکل نظر آتی ہے کہ جو حقیقت میں شکل رکھتا ہے اسی طرح حضرت
۴۶۵ احدیت کہ جو ہر یک کدورت سے مصفٰی اور پاک ہے محبت والوں کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔غضب والوں پر غضبناک
ہے۔لاپرواہوں کے ساتھ لاپرواہی۔رکنے والوں سے رک جاتا ہے اور جھکنے والوں کی طرف جھکتا ہے، چاہنے والوں کو
چاہتا ہے اور نفرت کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے اور جس طرح آئینہ کے سامنے جو انداز اپنا بناؤ گے وہی انداز میں بھی
نظر آئے گا۔ایسا ہی خداوند تعالیٰ کے روبرو جس انداز سے کوئی چلتا ہے وہی انداز خدا کی طرف سے اس کے لئے موجود ہے
۴۶۶ اور جن لباسوں کو بندہ اپنے لئے آپ اختیار کر لیتا ہے وہی تخم بویا ہوا اس کا اس کو دیا جاتا ہے۔جب انسان ہر یک طرح کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تسمیہ بیان کیا گیا یعنی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش بلاتوسط اسباب ہے، ایسا ہی روحانی آدم میں بلاتوسط
اسباب ظاہریہ نفخ روح ہوتا ہے۔اور یہ نفخ روح حقیقی طور پر انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔اور پھر بطور تبعیت اور وراثت
کے بعض افراد خاصہ امت محمدیہ کو یہ نعمت عطا کی جاتی ہے اور ان کلمات میں بھی جس قدر پیشگوئیاں ہیں وہ ظاہر ہیں۔پھر بعد
اس کے فرمایا: نصرت وقالوا لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ تو مدد دیا گیا۔اور انہوں نے کہا کہ اب کوئی گریز کی جگہ نہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ردّ عليهم. رجل من فارس شكر الله سعيه جن
لوگوں نے کفر اختیار کیا اور خدا تعالیٰ کی راہ کے مزاحم ہوئے ان کا ایک مرد فارسی الاصل نے ردّ لکھا ہے۔اس کی سعی کا خدا
شاکر ہے۔ كتاب الولی ذوالفقار علی۔ولی کی کتاب علی کی تلوار کی طرح ہے یعنی مخالف کو نیست و نابود کرنے والی
ہے۔اور جیسے علی کی تلوار نے بڑے بڑے خطرناک معرکوں میں نمایاں کار دکھلائے تھے ایسا ہی یہ بھی دکھلائے گی۔اور یہ
بھی ایک پیشگوئی ہے کہ جو کتاب کی تاثیرات عظیمہ اور برکات عمیمہ پر دلالت کرتی ہے۔پھر بعد اس کے فرمایا: وَلَوْ كَانَ
الْاِيْمَانُ بِالثُّرَيَّا لَنَا لَهٗ اگر ایمان ثریا سے ٹنگا ہوتا یعنی زمین سے بالکل اٹھ جاتا تب بھی شخص مقدم الذکر اس کو پا لیتا
۴۹۸ ہے۔يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ عنقریب ہے کہ اس کا تیل خود بخود روشن ہو جائے اگرچہ آگ اس کو چھو بھی نہ
جائے۔اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ. وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ
مُّسْتَمِرٌّ ۔ وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ وقالوا لَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ. فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا
غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِه. وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ کیا کہتے ہیں کہ ہم ایک قوی جماعت ہیں جو
جواب دینے پر قادر ہیں۔عنقریب یہ ساری جماعت بھاگ جائے گی۔اور پیٹھ پھیر لیں گے۔اور جب یہ لوگ کوئی نشان

انسان مختلف بولیاں بولتے اور اپنے بچوں کو سکھاتے ہیں ماسوا اس کے جیسا کہ ہم نے ابھی اوپر بیان

بقیہ حاشیہ نمبر 11

حجابوں اور کدورتوں اور آلائشوں سے اپنے دل کو پاک کر لیتا ہے اور صحن سینہ اس کے کا موادِ ردّیہ ماسوائے اللہ سے بالکل خالی ہو جاتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے مکان کا دروازہ جو آفتاب کی طرف ہے کھول دیتا ہے اور سورج کی کرنیں اس کے گھر کے اندر چلی آتی ہیں۔ لیکن جب بندہ ناراستی اور دروغ اور طرح طرح کی آلائشوں کو آپ اختیار
۴۶۷ کر لیتا ہے اور خدا کو حقیر چیز کی طرح خیال کر کے چھوڑ دیتا ہے تو اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی روشنی کو ناپسند کر کے اور اس سے بغض رکھ کر اپنے گھر کے تمام دروازے بند کر دے تا ایسا نہ ہو کہ کسی طرف سے آفتاب کی شعاعیں اس کے گھر کے اندر آ جائیں۔ اور جب انسان بباعث جذبات نفسانی یا ننگ و ناموس یا تقلید قوم وغیرہ طرح طرح کی غلطیوں اور آلائشوں میں گرفتار ہو اور سستی اور تکاسل اور لاپروائی سے ان آلائشوں سے پاک ہونے کے لئے کچھ سعی اور کوشش نہ کرے تو اس کی
۴۶۸ ایسی مثال ہوتی ہے جیسے کوئی اپنے گھر کے دروازوں کو بند پاوے اور تمام گھر میں اندھیرا بھرا ہوا دیکھے اور پھر اٹھ کر دروازوں کو نہ کھولے اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھا رہے اور دل میں یہ کہے کہ اب اس وقت کون اٹھے اور کون اتنی تکلیف اٹھاوے۔ یہ تینوں مثالیں ان تینوں حالتوں کی ہیں جو انسان کے اپنے ہی فعل یا اپنی ہی سستی سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن میں سے پہلی حالت کا نام حسب تصریح گذشتہ کے انعام الٰہی اور دوسری حالت کا نام غضب الٰہی اور تیسری حالت کا نام اضلالِ الٰہی ہے۔ ان تینوں صداقتوں سے بھی ہمارے مخالفین بے خبر ہیں۔ کیونکہ برہمو سماج والوں کو اس صداقت سے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایک معمولی اور قدیمی سحر ہے۔ حالانکہ ان کے دل ان نشانوں پر یقین کر گئے ہیں اور دلوں میں انہوں نے سمجھ لیا ہے کہ اب گریز کی جگہ نہیں اور یہ خدا کی رحمت ہے کہ تو ان پر نرم ہوا۔ اور اگر تو سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تیرے نزدیک نہ آتے اور تجھ سے الگ ہو جاتے۔ اگرچہ قرآنی معجزات ایسے دیکھتے جن سے پہاڑ جنبش میں آ جاتے۔ یہ آیات ان بعض لوگوں کے حق میں بطور الہام القا ہوئیں جن کا ایسا ہی خیال اور حال تھا اور شاید ایسے ہی اور لوگ بھی نکل آویں جو اس قسم کی باتیں کریں اور بدرجہ یقین کامل پہنچ کر پھر منکر رہیں۔ پھر بعد اس کے فرمایا: انا انزلناه قریباً من القادیان. وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ صَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا۔ یعنی ہم نے ان نشانوں اور عجائبات کو اور نیز الہام پُر از معارف و حقائق کو قادیان کے قریب اتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور بضرورت حقہ اترا ہے۔ خدا اور اس کے رسول نے خبر دی تھی کہ جو اپنے وقت پر پوری ہوئی اور جو کچھ خدا نے چاہا تھا وہ ہونا ہی تھا۔ یہ آخری فقرات اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کے ظہور کے لئے حضرت نبی کریم ﷺ اپنی حدیث متذکرۂ بالا میں اشارہ فرما چکے ہیں اور خدائے تعالیٰ اپنے کلام مقدس میں اشارہ فرما چکا ہے چنانچہ وہ اشارہ حصہ سوم کے الہامات میں درج ہو چکا ہے۔ اور فرقانی اشارہ اس آیت میں ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف:۹) یہ آیت جسمانی اور سیاست ملکی کے طور پر حضرت مسیح کے حق میں پیشگوئی ہے اور جس غلبۂ کاملہ دین اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئے گا۔ اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ
۴۹۹ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دین اسلام جمیع آفاق اور اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور ایثار اور آیات اور انوار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے

کیا ہے ذاتی قابلیت بھی کہ جو الہام پانے کے لئے ضروری شرط ہے ہر یک فرد بنی آدم میں نہیں پائی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بالکل اطلاع نہیں ہے جس کے رو سے خدائے تعالیٰ سرکش اور غضبناک بندوں کے ساتھ غضبناک کا معاملہ کرتا ہے۔ چنانچہ ۴۶۹
برہموں صاحبوں میں سے ایک صاحب نے اس بارہ میں انہیں دنوں ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس میں صاحب موصوف خدا
کی کتابوں پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ان میں غضب کی صفت خدائے تعالیٰ کی طرف کیونکر منسوب کی گئی ہے۔ کیا خدا
ہماری کمزوریوں پر چڑتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اگر صاحب راقم کو اس صداقت کی کچھ بھی خبر ہوتی تو کیوں وہ ناحق اپنی
اوقات ضائع کر کے ایسا رسالہ چھپواتے جس سے ان کی کم فہمی ہر یک پر کھل گئی ہے اور ان کو باوجود دعویٰ عقل کے یہ بات ۴۷۰
سمجھ نہ آئی کہ خدا کا غضب بندہ کی حالت کا ایک عکس ہے۔ جب انسان کسی مخالفانہ شر سے محجوب ہوجائے اور خدا سے
دوسری طرف منہ پھیر لے تو کیا وہ اس لائق رہ سکتا ہے کہ جو سچے محبوں اور صادقوں پر فیضان رحمت ہوتا ہے۔ اس پر بھی وہی
فیضان ہوجائے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ خدا کا قانون قدیم جو ابتدا سے چلا آیا ہے جس کو ہمیشہ راستباز اور صادق آدمی تجربہ کرتے
رہے ہیں اور اب بھی صحیح تجارب سے اس کی سچائیوں کو مشاہدہ کرتے ہیں، وہ یہی قانون ہے کہ جو شخص ظلماتی حجابوں سے نکل
کر سیدھا خدائے تعالیٰ کی طرف اپنے روح کا منہ پھیر کر اسؔ کے آستانہ پر گر پڑتا ہے اسی پر فیضان رحمت خاصۂ ایزدی کا ۴۷۱
ہوتا ہے اور جو شخص اس طریق کے برخلاف کوئی دوسرا طریق اختیار کر لیتا ہے تو بالضرور جو امر رحمت کے برخلاف ہے یعنی
غضب الٰہی اس پر وارد ہوجاتا ہے۔ اور غضب کی اصل حقیقت یہی ہے کہ جب ایک شخص اس طریق مستقیم کو چھوڑ دیتا ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدی اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور پر بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے۔ اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبی کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سید الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے۔ اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے۔ اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو حضرت مسیح سے مشابہت تامہ ہے اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت مسیح پیشگوئی متذکرہ بالا کا ظاہری اور جسمانی طور پر مصداق ہے۔ اور یہ عاجز روحانی اور معقولی طور پر اس کا محل اور مورد ہے یعنی روحانی طور پر دین اسلام کا غلبہ جو حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ پر موقوف ہے اس عاجز کے ذریعہ سے مقدر ہے، گو اس کی زندگی میں یا بعد وفات ہو۔ اور اگرچہ دین اسلام اپنے دلائل حقہ کے رو سے قدیم سے غالب چلا آیا ہے اور ابتداء سے اس کے مخالف رسوا اور ذلیل ہوتے چلے آئے ہیں لیکن اس غلبہ کا مختلف فرقوں اور قوموں پر ظاہر ہونا ایک ایسے زمانہ کے آنے پر موقوف تھا کہ جو باعث کھل
جانے راہوں کے تمام دنیا کو ممالک متحدہ کی طرح بناتا ہو اور ایک ہی قوم کے حکم میں داخل کرتا ہو۔ اور تمام اسباب اشاعت
تعلیم اور تمام وسائل اشاعت دین کے بتمامتر سہولت و آسانی پیش کرتا ہوں اورؔ اندرونی اور بیرونی طور پر تعلیم حقانی کے لئے ۵۰۰
نہایت مناسب اور موزون ہو۔ سو اب وہی زمانہ ہے کیونکہ بباعث کھل جانے راستوں اور مطلع ہونے ایک قوم کے دوسری قوم سے اور ایک ملک کے دوسرے ملک سے سامان تبلیغ کا بوجۂ احسن میسر آ گیا ہے اور بوجۂ انتظام ڈاک وریل و تار و جہاز و وسائل متفرقہ اخبار وغیرہ کے دینی تالیفات کی اشاعت کے لئے بہت سی آسانیاں ہوگئی ہیں۔ غرض بلاشبہ اب وہ وقت پہنچ

جاتی اور اگر کسی میں ذاتی قابلیت پائی جائے تو وہ اب بھی بذریعۂ الہام اپنے مایحتاج میں خدائے تعالیٰ ۳۶۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کہ جو قانون الٰہی میں افاضۂ رحمت الٰہی کا طریق ہے تو فیضان رحمت سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی محرومی کی حالت کا نام
غضب الٰہی ہے۔ اور چونکہ انسان کی زندگی اور آرام اور راحت خدا کے فیض سے ہی ہے۔ اس جہت سے جو لوگ فیضان ۴۷۲
رحمت کے طریق کو چھوڑ دیتے ہیں وہ خدا کی طرف سے اسی جہان میں یا دوسرے جہان میں طرح طرح کے عذابوں میں
مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جس کے شامل حال رحمت الٰہی نہیں ہے ضرور ہے کہ انواع اقسام کے عذاب روحانی و بدنی اس کی
طرف منہ کریں۔ اور چونکہ خدا کے قانون میں یہی انتظام مقرر ہے کہ رحمت خاصہ انہیں کے شامل حال ہوتی ہے کہ جو رحمت
کے طریق کو یعنی دعا اور توحید کو اختیار کرتے ہیں اس باعث سے جو لوگ اس طریق کو چھوڑ دیئے ہیں وہ طرح طرح کی
آفات میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: قُلۡ مَا یَعۡبَؤُا بِکُمۡ رَبِّیۡ لَوۡلَا دُعَآؤُکُمۡ ۴۷۳
(الفرقان: ۷۷) فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ (آل عمران: ۹۷) یعنی ان کو کہہ دے کہ میرا خدا تمہاری پروا کیا رکھتا ہے اگر تم
دعا نہ کرو اور اس کے فیضان کے خواہاں نہ ہو۔ خدا کو تو کسی کی زندگی اور وجود کی حاجت نہیں۔ وہ تو بے نیاز مطلق ہے۔ اور
آریہ سماج والے اور عیسائی بھی ان تینوں صداقتوں میں سے پہلی اور تیسری صداقت سے بے خبر ہیں۔ کوئی ان میں سے یہ
اعتراض کرتا ہے کہ خدائے تعالیٰ سب لوگوں کو کیوں ہدایت نہیں دیتا اور کوئی یہ اعتراض کر رہا ہے کہ خدا میں صفت اضلال ۴۷۴
کیونکر پائی جاتی ہے۔ جو لوگ خدائے تعالیٰ کی ہدایت کی نسبت معترض ہیں وہ یہ نہیں سوچتے کہ ہدایت الٰہی انہیں کے شامل

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

گیا ہے کہ جس میں تمام دنیا ایک ہی ملک کا حکم پیدا کرتی جاتی ہے۔ اور بباعث شائع اور رائج ہونے کئی زبانوں کے تفہیم
تفہم کے بہت سے ذریعے نکل آئے ہیں اور غیریت اور اجنبیت کی مشکلات سے بہت سی سبکدوشی ہوگئی ہے۔ اور بوجہ میل
ملاپ دائمی اور اختلاط شب روزی کی وحشت اور نفرت بھی کہ جو بالطبع ایک قوم کو دوسری قوم سے تھی بہت سی گھٹ گئی ہے۔
چنانچہ اب ہندو بھی جن کی دنیا ہمیشہ ہمالہ پہاڑ کے اندر ہی اندر تھی اور جن کو سمندر کا سفر کرنا مذہب سے خارج کر دیتا تھا
لنڈن اور امریکہ تک سیر کر آتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ اس زمانہ میں ہر یک ذریعہ اشاعت دین کا اپنی وسعت تامہ کو پہنچ گیا
ہے اور گو دنیا پر بہت سی ظلمت اور تاریکی چھا رہی ہے مگر پھر بھی ضلالت کا دورہ اختتام پر پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے اور گمراہی کا
کمال رو بہ زوال نظر آتا ہے۔ کچھ خدا کی طرف سے ہی طبائع سلیمہ صراط مستقیم کی تلاش میں لگ گئے ہیں اور نیک اور پاکیزہ
فطرتیں طریقہ حقہ کے مناسب حال ہوتی جاتی ہیں اور توحید کے قدرتی جوش نے مستعد دلوں کو وحدانیت کے چشمۂ صافی کی
طرف مائل کر دیا ہے اور مخلوق پرستی کی عمارت کا بودہ ہونا دانشمند لوگوں پر کھلتا جاتا ہے اور مصنوعی خدا پھر دوبارہ عقلمندوں کی
نظر میں انسانیت کا جامہ پہنتے جاتے ہیں اور باایں ہمہ آسمانی مدد دین حق کی تائید کے لئے ایسے جوش میں ہے کہ وہ نشان اور
خوارق جن کی سماعت سے عاجز اور ناقص بندے خدا بنائے گئے تھے اب وہ حضرت سید الرسل کے ادنیٰ خادموں اور
چاکروں سے مشہود اور محسوس ہو رہے ہیں اور جو پہلے زمانہ کے بعض نبی صرف اپنے حواریوں کو چھپ چھپ کر کچھ نشان ۵۰۱
دکھلاتے تھے اب وہ نشان حضرت سید الرسل کے احقر توابع سے دشمنوں کے روبرو ظاہر ہوتے ہیں اور انہیں دشمنوں کی
شہادتوں سے حقیت اسلام کا آفتاب تمام عالم کے لئے طلوع کرتا جاتا ہے۔ ماسوا اس کے یہ زمانہ اشاعت دین کے لئے
ایسا مددگار ہے کہ جو امر پہلے زمانوں میں سو سال تک دنیا میں شائع نہیں ہو سکتا تھا اب اس زمانہ میں وہ صرف ایک سال میں

سے اطلاع پا سکتا ہے اور خدا اس کو ہرگز ضائع نہیں چھوڑتا۔ خدا کی نظر عمیق ہر ایک انسان کی استعداد

بقیہ حاشیہ نمبر 11

حال ہوتی ہے جو ہدایت پانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اور ان کی راہوں پر چلتے ہیں جن راہوں پر چلنا فیضان رحمت کے
لئے ضروری ہے۔ اور جو لوگ اضلال الٰہی کی نسبت معترض ہیں ان کو یہ خیال نہیں آتا کہ خدائے تعالیٰ اپنے قواعد مقررہ کے
ساتھ ہر یک انسان سے مناسب حال معاملہ کرتا ہے۔ جو شخص سستی اور تکاسل سے اس کے لئے کوشش کرنا چھوڑ دیتا ہے
ایسے لوگوں کے بارہ میں قدیم سے اس کا یہی قاعدہ مقرر ہے کہ وہ اپنی تائید سے ان کو محروم رکھتا ہے اور انہیں کو اپنی راہیں ۴۷۵
دکھلاتا ہے جو ان راہوں کے لئے بدل و جان سعی کرتے ہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکے کہ جو شخص نہایت لاپروائی سے سستی کر رہا
ہے وہ ایسا ہی خدا کے فیض سے مستفیض ہو جائے جیسے وہ شخص کہ جو تمام عقل اور تمام زور اور تمام اخلاص سے اس کو ڈھونڈتا
ہے۔ اسی کی طرف ایک دوسرے مقام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا
لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۶۹) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو بالضرور اپنی راہیں دکھلا دیا
کرتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ دس صداقتیں جو سورۂ فاتحہ میں درج ہیں کس قدر عالی اور بے نظیر صداقتیں ہیں جن کے ۴۷۶
دریافت کرنے سے ہمارے تمام مخالفین قاصر رہے۔ اور پھر دیکھنا چاہیے کہ کس ایجاز اور لطافت سے اقل قلیل عبارت میں
ان کو خدائے تعالیٰ نے بھر دیا ہے اور پھر اس طرف خیال کرنا چاہیے کہ علاوہ ان سچائیوں کے اور اس کمال ایجاز کے
دوسرے کیا کیا لطائف ہیں جو اس سورۂ مبارکہ میں بھرے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اس جگہ ان سب لطائف کو بیان کریں تو یہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تمام ملکوں میں پھیل سکتا ہے۔ اس لئے اسلامی ہدایت اور ربانی نشانوں کا نقارہ بجانے کے لئے اس قدر اس زمانہ میں
طاقت و قوت پائی جاتی ہے جو کسی زمانہ میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ صدہا وسائل جیسے ریل و تار و اخبار وغیرہ اسی خدمت
کے لئے ہر وقت طیار ہیں کہ تا ایک ملک کے واقعات دوسرے ملک میں پہنچاویں۔ سو بلاشبہ معقولی اور روحانی طور پر دین
اسلام کے دلائل حقیت کا تمام دنیا میں پھیلنا ایسے ہی زمانہ پر موقوف تھا اور یہی باسامان زمانہ اس مہمان عزیز کی خدمت
کرنے کے لئے من کل الوجوہ اسباب مہیا رکھتا ہے۔ پس خداوند تعالیٰ نے اس احقر عباد کو اس زمانہ میں پیدا کر کے اور صدہا
نشان آسمانی اور خوارق غیبی اور معارف و حقائق مرحمت فرما کر اور صدہا دلائل عقلیہ قطعیہ پر علم بخش کر یہ ارادہ فرمایا ہے کہ
تا تعلیمات حقہ قرآنی کو ہر قوم اور ہر ملک میں شائع اور رائج فرماوے اور اپنی حجت ان پر پوری کرے اور اسی ارادہ کی وجہ
سے خداوند کریم نے اس عاجز کو یہ توفیق دی کہ اتماماً للحجۃ دس ہزار روپیہ کا اشتہار کتاب کے ساتھ شامل کیا گیا اور دشمنوں اور
مخالفوں کی شہادت سے آسمانی نشانی پیش کی گئی۔ اور ان کے معارضہ اور مقابلہ کے لئے تمام مخالفین کو مخاطب کیا گیا تا کوئی
دقیقہ اتمام حجت کا باقی نہ رہے اور ہر یک مخالف اپنے مغلوب اور لاجواب ہونے کا آپ گواہ ہو جائے۔ غرض خداوند کریم
نے جو اسباب اور وسائل اشاعت دین کے اور دلائل اور براہین اتمام حجت کے محض اپنے فضل اور کرم سے اس عاجز کو عطا
فرمائے ہیں وہ امم سابقہ میں سے آج تک کسی کو عطا نہیں فرمائے۔ اور جو کچھ اس بارے میں توفیقات غیبیہ اس عاجز کو
دی گئی ہیں وہ ان میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ سو چونکہ خداوند کریم نے اسباب خاصہ ۵۰۲
سے اس عاجز کو مخصوص کیا ہے اور ایسے زمانہ میں اس خاکسار کو پیدا کیا ہے کہ جو تمام خدمت تبلیغ کے لئے نہایت ہی معین
و مددگار ہے اس لئے اس نے اپنے تفضلات و عنایات سے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ روز ازل سے یہی قرار یافتہ ہے کہ آیت

۳۷۰ کے گہراؤ تک پہنچی ہوئی ہے وہ صاحب استعداد کو اپنی استعداد ظاہر کرنے سے کبھی محروم نہیں رکھتا اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مضمون ایک دفتر بن جائے گا۔ صرف چند لطیفہ بطور نمونہ بیان کیے جاتے ہیں۔ اول یہ لطیفہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس
سورۂ فاتحہ میں دعا کرنے کا ایسا طریقہ حسنہ بتلایا ہے جس سے خوب تر طریقہ پیدا ہونا ممکن نہیں۔ اور جس میں وہ تمام امور
۴۷۷ جمع ہیں جو دعا میں دلی جوش پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قبولیت دعا کے لئے ضرور ہے
کہ اس میں ایک جوش ہو۔ کیونکہ جس دعا میں جوش نہ ہو وہ صرف لفظی بڑبڑ ہے، حقیقی دعا نہیں۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ دعا میں
جوش پیدا ہونا ہر یک وقت انسان کے اختیار میں نہیں بلکہ انسان کے لئے اشد ضرورت ہے کہ دعا کرنے کے وقت جو امور
دلی جوش کے محرک ہیں وہ اس کے خیال میں حاضر ہوں۔ اور یہ بات ہر یک عاقل پر روشن ہے کہ دلی جوش پیدا کرنے والی
صرف دو ہی چیزیں ہیں ایک خدا کو کامل اور قادر اور جامع صفات کاملہ خیال کر کے اس کی رحمتوں اور کرموں کو ابتدا سے انتہاء
تک اپنے وجود اور بقا کے لئے ضروری دیکھنا اور تمام فیوض کا مبدء اسی کو خیال کرنا۔ دوسرے اپنے تئیں اور اپنے تمام ہم
۴۷۸ جنسوں کو عاجز اور مفلس اور خدا کی مدد کا محتاج یقین کرنا۔ یہی دو امر ہیں جن سے دعاؤں میں جوش پیدا ہوتا ہے اور جو جوش
دلانے کے لئے کامل ذریعہ ہیں۔ وجہ یہ کہ انسان کی دعا میں تب ہی جوش پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے تئیں سراسر ضعیف اور
ناتواں اور مدد الٰہی کا محتاج دیکھتا ہے اور خدا کی نسبت نہایت قوی اعتقاد سے یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ بغایت درجہ کامل
القدرت اور رب العالمین اور رحمان اور رحیم اور مالک امر مجازات ہے اور جو کچھ انسانی حاجتیں ہیں سب کا پورا کرنا اسی کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

کریمہ متذکرۂ بالا اور نیز آیت وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ (الصّف:۸) کا روحانی طور پر مصداق یہ عاجز ہے اور خدائے تعالیٰ ان دلائل و براہین کو اور ان سب باتوں کو کہ جو اس عاجز نے مخالفوں کے لئے لکھے ہیں خود مخالفوں تک پہنچا دے گا اور ان کا عاجز اور لاجواب اور مغلوب ہونا دنیا میں ظاہر کر کے مفہوم آیت متذکرۂ بالا کا پورا کر دے گا۔ فالحمدللہ علی ذٰلک۔ پھر بعد اس کے جو الہام ہے وہ یہ ہے۔ صل علی محمد واٰل محمد سید ولد اٰدم وخاتم النبیین۔ اور درود بھیج محمد اور آل محمد پر جو سردار ہے آدم کے بیٹوں کا اور خاتم الانبیاء ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب مراتب اور تفضلات اور عنایات اسی کے طفیل سے ہیں اور اسی سے محبت کرنے کا یہ صلہ ہے۔ سبحان اللہ اس سرور کائنات کے حضرت احدیت میں کیا ہی اعلیٰ مراتب ہیں اور کس قسم کا قرب ہے کہ اس کا محب خدا کا محبوب بن جاتا ہے اور اس کا خادم ایک دنیا کا مخدوم بنایا جاتا ہے۔

ہیچ محبوبی نماند ہمچو یار دلبرم　　مہر و مہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا روئے کہ دارد ہمچو رویش آب و تاب　　وان کجا باغے کہ مے دارد بہارِ دلبرم

اس مقام میں مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔
اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال کی شکل پُرنور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے ان
میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد کی طرف بھیجی تھی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایسا ہی عجیب ایک اور قصہ یاد آیا ہے کہ ایک مرتبہ
الہام ہوا جس کے معنی یہ تھے کہ ملاء اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں یعنی ارادۂ الٰہی احیاء دین کے لئے جوش میں ہے لیکن
۵۰۳ ہنوز ملاء اعلیٰ پر شخص محیی کے تعیین ظاہر نہیں ہوئی اس لئے وہ اختلاف میں ہے۔ اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک

ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک شخص خدا کے علم میں استعداد معرفت اور ولایت یا نبوت اور رسالت کی رکھتا

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ہاتھ میں ہے۔ سو سُورۃ فاتحہ کے ابتداء میں جو اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان فرمایا گیا کہ وہی ایک ذات ہے جو تمام محامد کاملہ سے متصف اور تمام خوبیوں کی جامع ہے اور وہی ایک ذات ہے جو تمام عالموں کی رب اور تمام رحمتوں کا چشمہ اور سب کو ان کے
عملوں کا بدلہ دینے والی ہے۔ پس ان صفات کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ نے بخوبی ظاہر فرما دیا کہ سب قدرت اسی کے ۴۷۹
ہاتھ میں ہے اور ہر یک فیض اسی کی طرف سے ہے۔ اور اپنی اس قدر عظمت بیان کی کہ دنیا اور آخرت کے کاموں کا قاضی الحاجات اور ہر یک چیز کا علت العلل اور ہر یک فیض کا مبدء اپنی ذات کو ٹھہرایا۔ جس میں یہ بھی اشارہ فرما دیا ہے کہ اس کی ذات کے بغیر اور اس کی رحمت کے بدون کسی زندہ کی زندگی اور آرام اور راحت ممکن نہیں۔ اور پھر بندہ کو تذلل کی تعلیم دی اور فرمایا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اے مبدء تمام فیوض ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ یعنی ہم عاجز ہیں آپ سے کچھ بھی نہیں کر سکتے جب تک تیری توفیق اور تائید شامل حال نہ ہو۔ پس خدائے تعالیٰ نے دعا میں جوش دلانے کے لئے دو محرک بیان فرمائے۔ ایک اپنی عظمت اور رحمت شاملہ، دوسرے بندوں کا
عاجز اور ذلیل ہونا۔ اب جاننا چاہیے کہ یہی دو محرک ہیں جن کا دعا کے وقت خیال میں لانا دعا کرنے والوں کے لئے نہایت ۴۸۰
ضروری ہے۔ جو لوگ دعا کی کیفیت سے کسی قدر چاشنی حاصل رکھتے ہیں انہیں خوب معلوم ہے کہ بغیر پیش ہونے ان دونوں محرکوں کی دعا ہو ہی نہیں سکتی اور بجز ان کے آتش شوق الٰہی دعا میں اپنے شعلوں کو بلند نہیں کرتے۔ یہ بات نہایت ظاہر ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

محبی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا: هذا رجل يحب رسول الله یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت رکھتا ہے۔ اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرط اعظم اس عہدہ کی محبت رسول ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے۔ اور ایسا ہی الہام متذکرہ بالا میں جو آل رسول پر درود بھیجنے کا حکم ہے سو اس میں بھی یہی سرّ ہے کہ افاضہ انوار الٰہی میں محبت اہل بیت کو بھی نہایت عظیم دخل ہے۔ اور جو شخص حضرت احدیت کے مقربین میں داخل ہوتا ہے وہ انہی طیبین وطاہرین کی وراثت پاتا ہے اور تمام علوم و معارف میں ان کا وارث ٹھہرتا ہے۔ اس جگہ ایک نہایت روشن کشف یاد آیا اور وہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ نماز مغرب کے بعد عین بیداری میں ایک تھوڑی سی غیبت حس سے جو خفیف سے نشاء سے مشابہ تھی ایک عجیب عالم ظاہر ہوا کہ پہلے یک دفعہ چند آدمیوں کے جلد جلد آنے کی آواز آئی جیسی بسرعت چلنے کی حالت میں پاؤں کی جوتی اور موزہ کی آواز آتی ہے۔ پھر اسی وقت پانچ آدمی نہایت وجیہہ اور مقبول اور خوبصورت سامنے آ گئے۔ یعنی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و حضرت علیؓ و حسنینؓ و فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم اجمعین اور ایک نے ان میں سے اور ایسا یاد پڑتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نہایت محبت اور شفقت سے مادر مہربان کی طرح اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔ پھر بعد اس کے ایک کتاب مجھ کو دی گئی جس کی نسبت یہ بتلایا گیا کہ یہ تفسیر قرآن ہے جس کو علیؓ نے تالیف کیا ہے۔ اور اب علی وہ تفسیر تجھ کو دیتا ہے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہوا: اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ تو سیدھی راہ پر ہے پس جو حکم کیا جاتا ہے اس کو کھول کر سنا اور جاہلوں سے کنارہ کر۔ وَ قَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ . وقالوا انى لك ہذا. ان ہذا
لمکر مکرتموہ فی المدینۃ. ینظرون الیك وھم لا یبصرون۔ اور کہیں گے کہ کیوں نہیں یہ اترا کسی بڑے ۵۰۴

ہے اور پھر بعض حوادث ارضی کے باعث سے یا جنگلی پیدائش ہونے کی وجہ سے وہ اسی حالت میں

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کہ جو شخص خدا کی عظمت اور رحمت اور قدرت کاملہ کو یاد نہیں رکھتا وہ کسی طرح سے خدا کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ اور جو شخص اپنی عاجزی اور درماندگی اور مسکینی کا اقراری نہیں اس کی روح اس مولیٰ کریم کی طرف ہرگز جھک نہیں سکتی۔ غرض یہ ایسی صداقت ہے جس کے سمجھنے کے لئے کوئی عمیق فلسفہ درکار نہیں بلکہ جب خدا کی عظمت اور اپنی ذلت اور عاجزی متحقق طور پر دل میں منتقش ہو تو وہ حالت خاصہ خود انسان کو سمجھا دیتی ہے کہ خالص دعا کرنے کا وہی ذریعہ ہے۔ سچے پرستار خوب سمجھتے ہیں کہ حقیقت میں انہیں دو چیزوں کا تصوّر دعا کے لئے ضروری ہے یعنی اول اس بات کا تصور کہ خدائے تعالیٰ ہر ایک ۴۸۱
قسم کی ربوبیت اور پرورش اور رحمت اور بدلہ دینے پر قادر ہے اور اس کی یہ صفات کاملہ ہمیشہ اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ دوسرے اس بات کا تصور کہ انسان بغیر توفیق اور تائید الٰہی کے کسی چیز کو حاصل نہیں کرسکتا اور بلاشبہ یہ دونوں تصور ایسے ہیں کہ جب دعا کرنے کے وقت دل میں جم جاتے ہیں تو یکایک انسان کی حالت کو ایسا تبدیل کردیتے ہیں کہ ایک متکبران سے متاثر ہوکر روتا ہوا زمین پر گر پڑتا ہے۔ اور ایک گردن کش سخت دل کے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ یہی کل ہے جس سے ایک غافل مردہ میں جان پڑ جاتی ہے۔ انہیں دو باتوں کے تصور سے ہر یک دل دعا کرنے کی طرف کھینچا جاتا ہے۔ غرض یہی وہ روحانی وسیلہ ہے جس سے انسان کی روح روبخدا ہوتی ہے اور اپنی کمزوری اور امداد ربانی پر نظر پڑتی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان ایک ایسے عالم بیخودی میں پہنچ جاتا ہے جہاں اپنی مکدر ہستی کا نشان باقی نہیں رہتا اور صرف ایک ذات

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عالم فاضل پر اور شہروں میں سے۔ اور کہیں گے کہ یہ مرتبہ تجھ کو کہاں سے ملا۔ یہ تو ایک مکر ہے جو تم نے شہر میں باہم مل کر بنالیا ہے۔ تیری طرف دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے۔ یعنی تو انہیں نظر نہیں آتا۔ تَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ ہمیں اپنی ذات کی قسم ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلی امت محمدیہ میں کئی اولیاء کامل بھیجے پر شیطان نے ان کی توابع کی راہ کو بگاڑ دیا۔ یعنی طرح طرح کی بدعات مخلوط ہوگئیں اور سیدھا قرآنی راہ ان میں محفوظ نہ رہا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ واعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ ومن كان لله كان الله له. قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُه فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ شدید کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو سو میری پیروی کرو یعنی اتباع رسول مقبول کرو تا خدا بھی تم سے محبت رکھے۔ اور یہ بات جان لو کہ اللہ تعالیٰ نئے سرے زمین کو زندہ کرتا ہے۔ اور جو شخص خدا کے لئے ہوجائے خدا اس کے لئے ہوجاتا ہے کہہ اگر میں نے یہ افتراء کیا ہے تو میرے پر جرم شدید ہے۔ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ. وان عليك رحمتى فى الدنيا والدين. وانک من المنصورين. آج تو میرے نزدیک بامرتبہ اور امین ہے اور تیرے پر میری رحمت دنیا اور دین میں ہے اور تو مدد دیا گیا ہے۔ يحمدك الله ويمشى اليك خدا تیری تعریف کرتا ہے اور تیری طرف چلا آتا ہے۔ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ. خبردار ہو خدا کی مدد نزدیک ہے سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو رات کے وقت میں سیر کرایا یعنی ضلالت اور گمراہی کے زمانہ میں جو رات سے مشابہ ہے مقاماتِ معرفت اور یقین تک لدنی طور سے پہنچایا۔ خلق اٰدم فاكرمه۔ پیدا کیا آدم کو پس اکرام کیا اس کا۔ جرى الله فى حلل الانبياء جری اللہ نبیوں کے حلوں میں۔ اس فقرۂ الہامی کے یہ معنی ہیں کہ منصب ارشاد اور ہدایت و مورد وحیٔ الٰہی ہونے کا دراصل حلہ انبیاء ہے اور ان کے غیر کو بطور

مرجائے اور خدا اس کو اس مرتبۂ اقصیٰ تک نہ پہنچاوے جس تک پہنچنے کے لئے اس کو استعداد دی گئی تھی ۳۷۱

بقیہ حاشیہ نمبر 11

عظمیٰ کا جلال چمکتا ہوا نظر آتا ہے اور وہی ذات رحمت کل اور ہر یک ہستی کا ستون اور ہر ایک درد کا چارہ اور ہر یک فیض کا
مبدء دکھائی دیتی ہے۔ آخر اس سے ایک صورت فنا فی اللہ کے ظہور پذیر ہوجاتی ہے جس کے ظہور سے نہ انسان مخلوق کی ۴۸۲
طرف مائل رہتا ہے نہ اپنے نفس کی طرف، نہ اپنے ارادہ کی طرف اور بالکل خدا کی محبت میں کھویا جاتا ہے اور اس ہستی حقیقی
کی شہود سے اپنی اور دوسری مخلوق چیزوں کی ہستی کالعدم معلوم ہوتی ہے اس حالت کا نام خدا نے صراط مستقیم رکھا ہے۔ جس
کی طلب کے لئے بندہ کو تعلیم فرمایا اور کہا اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ یعنی وہ راستہ فنا اور توحید اور محبت الٰہی کا جو آیاتِ
مذکورہ بالا سے مفہوم ہو رہا ہے وہ ہمیں عطا فرما اور اپنے غیر سے بکلی منقطع کر۔ خلاصہ یہ کہ خدائے تعالیٰ نے دعا میں جوش
پیدا کرنے کے لئے وہ اسباب حقہ انسان کو عطا فرمائے کہ جو اس قدر دلی جوش پیدا کرتے ہیں کہ دعا کرنے والے کو خودی
کے عالم سے بیخودی اور نیستی کے عالم میں پہنچا دیتے ہیں۔ اس جگہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بات ہرگز نہیں کہ سورۃ فاتحہ دعا
کے کئی طریقوں میں سے ہدایت مانگنے کا ایک طریقہ ہے۔ بلکہ جیسا کہ دلائل مذکورہ بالا سے ثابت ہوچکا ہے درحقیقت
صرف یہی ایک طریقہ ہے جس پر جوش دل سے دعا کا صادر ہونا موقوف ہے اور جس پر طبیعت انسانی بمقتضاء اپنے فطرتی
تقاضا کے چلنا چاہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے خدا نے دوسرے امور میں قواعد مقررہ ٹھہرا رکھے ہیں، ایسا ہی دعا کے لئے ۴۸۳
بھی ایک قاعدہ خاص ہے۔ اور وہ قاعدہ وہی محرک ہیں جو سورۃ فاتحہ میں لکھے گئے ہیں اور ممکن نہیں کہ جب تک وہ دونوں

بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3:

مستعار ملتا ہے اور یہ حلہ انبیاء امت محمدیہ کے بعض افراد کو بغرض تکمیل ناقصین عطا ہوتا ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ پس یہ لوگ اگرچہ نبی نہیں پر نبیوں کا کام ان کو سپرد
کیا جاتا ہے۔ وَ كُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا اور تھے تم ایک گڑھے کے کنارہ پر سو اس سے تم کو
خلاصی بخشی یعنی خلاصی کا سامان عطا فرمایا۔ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ وَ اِنۡ عُدۡتُّمۡ عُدۡنَا وَ جَعَلۡنَا ۵۰۵
جَهَنَّمَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ حَصِيۡرًا خدائے تعالیٰ کا ارادہ اس بات کی طرف متوجہ ہے جو تم پر رحم کرے۔ اور اگر تم نے گناہ
اور سرکشی کی طرف رجوع کیا تو ہم بھی سزا اور عقوبت کی طرف رجوع کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے قید خانہ
بنا رکھا ہے۔ یہ آیت اس مقام میں حضرت مسیح کے جلالی طور پر ظاہر ہونے کا اشارہ ہے یعنی اگر طریق رفق اور نرمی اور لطف
احسان کو قبول نہیں کریں گے اور حق محض جو دلائل واضحہ اور آیاتِ بینہ سے کھل گیا ہے اس سے سرکش رہیں گے تو وہ زمانہ بھی
آنے والا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ مجرمین کے لئے شدت اور عنف اور قہر اور سختی کو استعمال میں لائے گا اور حضرت مسیح علیہ
السلام نہایت جلالیت کے ساتھ دنیا پر اتریں گے اور تمام راہوں اور سڑکوں کو خس و خاشاک سے صاف کردیں گے اور کج
اور ناراست کا نام ونشان نہ رہے گا۔ اور جلال الٰہی گمراہی کے تخم کو اپنی تجلی قہری سے نیست ونابود کردے گا۔ اور یہ زمانہ اس
زمانہ کے لئے بطور ارہاص کے واقع ہوا ہے یعنی اس وقت جلالی طور پر خدائے تعالیٰ اتمام حجت کرے گا۔ اب بجائے اس
کے جمالی طور پر یعنی رفق اور احسان سے اتمام حجت کر رہا ہے۔ توبوا واصلحوا والی اللہ توجھوا وعلی اللہ
توکلوا واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ توبہ کرو اور فسق اور فجور اور کفر اور معصیت سے باز آؤ۔ اور اپنے حال کی
اصلاح کرو اور خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ اور اس پر توکل کرو اور صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ اس سے مدد چاہو کیونکہ نیکیوں سے

بلکہ جنگلی اور بے زبان اور وحشی اور جاہل وہی رہتا ہے کہ جو اپنی فطرت میں ناقص اور ناکارہ اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11

محرک کسی کے خیال میں نہ ہوں تب تک اس کی دعا میں جوش پیدا ہو سکے۔ سو طبعی راستہ دعا مانگنے کا وہی ہے جو سورۃ فاتحہ میں ذکر ہو چکا ہے۔ پس سورۂ ممدوحہ کے لطائف میں سے یہ ایک نہایت عمدہ لطیفہ ہے کہ دعا کو معہ محرکات اس کے کے بیان کیا ہے۔ فتدبر۔

پھر ایک دوسرا لطیفہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ ہدایت کے قبول کرنے کے لئے پورے پورے اسباب ترغیب بیان فرمائے ہیں۔ کیونکہ ترغیب کامل جو معقول طور پر دی جائے ایک زبردست کشش ہے اور حصر عقلی کے رو سے ترغیب کامل اس ترغیب کا نام ہے جس میں تین جزیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس کی ذاتی خوبی بیان کی جائے۔ سو اس خبر کو اس آیت میں بیان فرمایا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ یعنی ہم کو وہ راستہ بتلا جو اپنی ذات میں صفتِ استقامت اور راستی سے موصوف ہے جس میں ذرا کجی نہیں۔ سو اس آیت میں ذاتی خوبی اس راستہ کی بیان فرما کر اس کے حصول کے لئے ترغیب دی۔ دوسری جز ترغیب کی یہ ہے کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس شے کے فوائد بیان کیے جائیں۔ سو اس جز کو اس آیت میں بیان فرمایا: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی اس راستہ پر ہم کو چلا جس پر چلنے سے پہلے سالکوں پر انعام اور کرم ہو چکا ہے۔ سو اس آیت میں راستہ چلنے والوں کا کامیاب ہونا ذکر فرما کر اس راستہ کا شوق دلایا۔ تیسری جز ترغیب کی یہ ہے کہ جس شے کی طرف ترغیب دینا منظور ہو اس شے کے چھوڑنے والوں کی خرابی اور ۴۸۴

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

بدیاں دور ہو جاتی ہیں۔ بشری لك یا احمدی. انت مرادی ومعی غرست کرامتك بیدی۔ خوشخبری ہو تجھے اے میرے احمد۔ تو میری مراد ہے اور میرے ساتھ ہے۔ میں نے تیری کرامت کو اپنے ہاتھ سے لگایا ہے۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ۔ مؤمنین کو کہہ دے کہ اپنی آنکھیں نامحرموں سے بند رکھیں اور اپنی سترگاہوں کو اور کانوں کو نالائق امور سے بچاویں۔ یہی ان کی پاکیزگی کے لئے ضروری اور لازم ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر ایک مومن کے لئے منہیات سے پرہیز کرنا اور اپنے اعضاء کو ناجائز افعال سے محفوظ رکھنا لازم ہے۔ اور یہی طریق اس کی پاکیزگی کا مدار ہے۔

چشم گوش ودیدہ بند اے حق گزین یاد کن فرمان قل للمؤمنین ۵۰۶
خاطر خود زین وآن یکسر برآر تا شود برخاطرت حق آشکار
زیرِ پاکن دلبرانِ ایں جہاں تا نماید چہرہ آں محبوبِ جاں
کاملان حق اندہم زیر زمیں تو بگوری باحیات ایں چنیں
سالہا باید کہ خون دل خوری تا بکوئے دلستانِ رہبری
کے بآسانی رہے بکشایدت صد جنون باید کہ تاہوش ایدت

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ. اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ. وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں اور میں نے تجھے اس لئے بھیجا ہے کہ تا سب لوگوں کے لئے رحمت کا سامان پیش کروں۔ لَمْ يَكُنِ

چار پایوں کی طرح ہے۔ ماسوا اس کے جبکہ خدا نے کروڑ ہا انسانوں کو طرح طرح کی بولیاں عطا کر کے ۳۷۲

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بدحالی بیان کی جائے۔ سو اس جز کو اس آیت میں بیان فرمایا: غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ یعنی ان لوگوں کی راہوں سے بچا جنہوں نے صراط مستقیم کو چھوڑا اور دوسری راہیں اختیار کیں اور غضب الٰہی میں پڑے اور گمراہ ہوئے۔ سو اس آیت میں اس سیدھا راستہ چھوڑنے پر جو ضرر مترتب ہوتا ہے اس سے آگاہ کیا۔ غرض سورۃ فاتحہ میں ترغیب کی تینوں جزوں کو لطیف طور پر بیان کیا۔ ذاتی خوبی بھی بیان کی، فوائد بھی بیان کیے اور پھر اس راہ کے چھوڑنے والوں کی ناکامی اور
بدحالی بھی بیان فرمائی۔ تا ذاتی خوبی کو سن کر طبائع سلیمہ اس کی طرف میل کریں اور فوائد پر اطلاع پا کر جو لوگ فوائد کے ۴۸۵
خواہاں ہیں ان کے دلوں میں شوق پیدا ہو اور ترک کرنے کی خرابیاں معلوم کر کے اس وبال سے ڈریں جو کہ ترک کرنے پر عائد حال ہوگا۔ پس یہ بھی ایک کامل لطیفہ ہے جس کا التزام اس سورت میں کیا گیا۔ پھر تیسرا لطیفہ اس سورۃ میں یہ ہے کہ باوجود التزام فصاحت و بلاغت یہ کمال دکھلایا ہے کہ محامد الہیہ کے ذکر کرنے کے بعد جو فقرات دعا وغیرہ کے بارہ میں لکھے ہیں ان کو ایسے عمدہ طور پر بطور لف و نشر مرتب کے بیان کیا ہے جس کا صفائی سے بیان کرنا باوجود رعایت تمام مدارج
فصاحت و بلاغت کے بہت مشکل ہوتا ہے۔ اور جو لوگ سخن میں صاحب مذاق ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے لف ۴۸۶
و نشر کیسا نازک اور دقیق کام ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اول محامد الٰہیہ میں فیوض اربعہ کا ذکر فرمایا کہ وہ رب العالمین ہے۔ رحمان[۲] ہے۔ رحیم[۳] ہے۔ مالک یوم[۴] الدین ہے۔ اور پھر بعد اس کے فقرات تعبد اور استعانت اور دعا اور

بقیہ درحاشیہ نمبر 3:

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ وكان كيدهم عظيماً۔ اور جو لوگ اہل کتاب اور مشرکوں میں سے کافر ہو گئے ہیں یعنی کفر پر سخت اصرار اختیار کر لیا ہے وہ اپنے کفر سے بجز اس کے باز آنے والے نہیں تھے کہ ان کو کھلی نشانی دکھلائی جاتی اور ان کا مکر ایک بھارا مکر تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ خدائے تعالیٰ نے آیات سماوی اور دلائل عقلی سے اس عاجز کے ہاتھ پر ظاہر کیا ہے وہ اتمام حجت کیے لئے نہایت ضروری تھا۔ اور اس زمانہ کے سیاہ باطن جن کو جہل اور خبث کے کیڑے نے اندر ہی اندر کھا لیا ہے ایسے نہیں تھے جو بجز آیات صریحہ و براہین قطعیہ اپنے کفر سے باز آ جاتے بلکہ وہ اس مکر میں لگے ہوئے تھے کہ تا کسی طرح باغ اسلام کو صفحۂ زمین سے نیست و نابود کر دیں۔ اگر خدا ایسا نہ کرتا تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جو دنیا کو ان آیات بینات کی نہایت ضرورت تھی اور دنیا کے لوگ جو اپنے کفر اور خبث کی بیماری سے مجذوم کی طرح گداز ہو گئے ہیں وہ بجز اس آسمانی دوا کے جو حقیقت میں حق کے طالبوں کے لئے آب حیات تھی تندرستی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ وَاِذَا
قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ ۵۰۷
شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ۔ اور جب ان کو کہا جائے کہ تم زمین میں فساد مت کرو اور کفر اور شرک اور بدعقیدگی کو مت پھیلاؤ۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ہی راستہ ٹھیک ہے اور ہم مفسد نہیں ہیں بلکہ مصلح اور ریفارمر ہیں۔ خبردار رہو۔ یہی لوگ مفسد ہیں جو زمین میں فساد کر رہے ہیں۔ کہہ میں شریر مخلوقات کی شرارتوں سے خدا کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں اور اندھیری رات سے خدا کی پناہ میں آتا ہوں یعنی یہ زمانہ اپنے فساد عظیم کے رو سے اندھیری رات کی مانند ہے۔ سو الٰہی قوتیں اور طاقتیں اس زمانہ کی تنویر کے لئے درکار ہیں۔ انسانی طاقتوں سے یہ کام انجام ہونا محال ہے۔ انی ناصرك انی

دوسرے لوگوں کے لئے عام تعلیم کا دروازہ کھول دیا ہے تو اس صورت میں بجز اس صورت خاص کے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

طلب جزا کو انہیں کے ذیل میں اس لطافت سے لکھا ہے کہ جس فقرہ کو کسی قسم فیض سے نہایت مناسبت تھی اسی کے نیچے وہ فقرہ درج کیا۔ چنانچہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے مقابلہ پر اِيَّاكَ نَعْبُدُ لکھا۔ کیونکہ ربوبیت سے استحقاق عبادت شروع ہوجاتا ہے۔ پس اسی کے نیچے اوراسی کے محاذات میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ لکھنا نہایت موزون اور مناسب ہے۔ اور رحمان کے مقابلہ پر
اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ لکھا۔ کیونکہ بندہ کے لئے اعانت الٰہی جو توفیق عبادت اور ہر یک اس کے مطلوب میں ہوتی ہے جس پر اس ۴۸۷
کی دنیا اور آخرت کی صلاحیت موقوف ہے یہ اس کے کسی عمل کا پاداش نہیں بلکہ محض صفت رحمانیت کا اثر ہے۔ پس استعانت کو صفت رحمانیت سے بشدت مناسبت ہے اور رحیم کے مقابلہ پر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ لکھا۔ کیونکہ دعا ایک مجاہدہ اور کوشش ہے اور کوششوں پر جو ثمرہ مترتب ہوتا ہے وہ صفت رحیمیت کا اثر ہے۔ اور مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے مقابلہ پر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ لکھا۔ کیونکہ امر مجازات مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے متعلق ہے۔ سو ایسا فقرہ جس میں طلب انعام اور عذاب سے بچنے کی درخواست ہے اسی کے نیچے رکھنا موزون
ہے۔ چوتھا لطیفہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ مجمل طور پر تمام مقاصد قرآن شریف پر مشتمل ہے۔ گویا یہ سورۃ مقاصد قرآنیہ کا ایک ۴۸۸
ایجاز لطیف ہے۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (الحجر:۸۷) یعنی ہم نے تجھے اے رسول سات آیتیں سورۃ فاتحہ کی عطا کی ہیں جو مجمل طور پر تمام مقاصد قرآنیہ پر مشتمل ہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

حافظك اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا. اکان للناس عجباً. قل ھو اللّٰہ عجیب. یجتبی من یشاء من عبادہ. لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون. وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ میں تیری مدد کروں گا۔ میں تیری حفاظت کروں گا۔ میں تجھے لوگوں کے لئے پیشرو بناؤں گا۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا۔ کہہ کہ خدا ذوالعجائب ہے ہمیشہ عجیب کام ظہور میں لاتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے وہ اپنے کاموں سے پوچھا نہیں جاتا کہ ایسا کیوں کیا اور لوگ پوچھے جاتے ہیں اور ہم یہ دن لوگوں میں پھیرتے رہتے ہیں یعنی کبھی کسی کی نوبت آتی ہے اور کبھی کسی کی اور عنایات الٰہیہ نوبت بہ نوبت امت محمدیہ کے مختلف افراد پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ وقالوا اَنّٰی لَكِ هٰذَا. وقالوا اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ. اذا نصر اللّٰہ المؤمن جعل لہ الحاسدین فی الارض فالنار موعدھم قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ اور کہیں گے کہ یہ تجھ کو کہاں سے۔ اور یہ تو ایک بناوٹ ہے۔ خدائے تعالیٰ جب مومن کی مدد کرتا ہے تو زمین پر کئی اس کے حاسد بنا دیتا ہے۔ سو جو لوگ حسد پر اصرار کریں اور باز نہ آویں تو جہنم ان کا وعدہ گاہ ہے۔ کہہ یہ سب کاروبار خدا کی طرف سے ہیں پھر ان کو چھوڑ دے تا اپنے بیجا خوض میں
کھیلتے رہیں۔ تلطف بالناس وترحم علیھم. انت فیھم بمنزلۃ موسٰی. وَاصْبِرْ عَلٰي مَا ۵۰۸
يَقُوْلُوْنَ۔ لوگوں کے ساتھ رفق اور نرمی سے پیش آ اور ان پر رحم کر۔ تو ان میں بمنزلہ موسیٰ کے ہے۔ اور ان کی باتوں پر صبر کر۔ حضرت موسیٰ بُردباری اور حلم میں بنی اسرائیل کے تمام نبیوں سے سبقت لے گئے تھے اور بنی اسرائیل میں نہ مسیح اور نہ کوئی دوسرا نبی ایسا نہیں ہوا جو حضرت موسیٰ رفق کے مرتبہ عالیہ تک پہنچ سکے۔ توریت سے ثابت ہے جو حضرت موسیٰ اور حلم اور اخلاق فاضلہ میں سب اسرائیلی نبیوں سے بہتر اور فائق تر تھے۔ جیسا کہ گنتی باب دوازدہم آیت سوم توریت میں لکھا

کہ جس میں کوئی نشان ظاہر کرنا منظور ہو اور سب صورتوں میں بطور الہام بولی سیکھنے کی کچھ بھی ضرورت

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور ان کے مقابلہ پر قرآن عظیم بھی عطا فرمایا ہے جو مفصل طور پر مقاصد دینیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اسی جہت سے اس سورۃ کا نام ام الکتاب اور سورۃ الجامع ہے۔ ام الکتاب اس جہت سے کہ جمیع مقاصد قرآنیہ اس سے متخرج ہوتے ہیں۔ اور سورۃ الجامع اس جہت سے کہ علوم قرآنیہ کے جمیع انواع پر بصورت اجمالی مشتمل ہے۔ اسی جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ کو پڑھا گویا اس نے سارے قرآن کو پڑھ لیا۔ غرض قرآن شریف اور احادیث نبوی سے ثابت ہے کہ سورۃ فاتحہ ممدوحہ ایک آئینہ قرآن نما ہے۔ اس کی تصریح یہ ہے کہ قرآن شریف کے مقاصد میں سے ایک یہ ہے ۴۸۹
کہ وہ تمام محامد کاملہ باری تعالیٰ کو بیان کرتا ہے اور اس کی ذات کے لئے جو کمال تام حاصل ہے اس کو بوضاحت بیان فرماتا ہے۔ سو یہ مقصد الحمد للہ میں بطور اجمال آ گیا۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تمام محامد کاملہ اللہ کے لئے ثابت ہیں جو مستجمع جمیع کمالات اور مستحق جمیع عبادات ہے۔ دوسرا مقصد قرآن شریف کا یہ ہے کہ وہ خدا کا صانع کامل ہونا اور خالق العالمین ہونا ظاہر کرتا ہے اور عالم کے ابتداء کا حال بیان فرماتا ہے اور جو دائرہ عالم میں داخل ہو چکا اس کو مخلوق ٹھہراتا ہے اور ان امور ۴۹۰
کے جو لوگ مخالف ہیں ان کا کذب ثابت کرتا ہے۔ سو یہ مقصد رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں بطور اجمال آ گیا۔ تیسرا مقصد قرآن شریف کا خدا کا فیضان بلا استحقاق ثابت کرنا اور اس کی رحمت عامہ کا بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد لفظ رحمان میں بطور اجمال آ گیا۔ چوتھا مقصد قرآن شریف کا خدا کا وہ فیضان ثابت کرنا ہے جو محنت اور کوشش پر مترتب ہوتا ہے۔ سو یہ مقصد لفظ رحیم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہے کہ موسیٰ سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے زیادہ بُردبار تھا۔ سو خدا نے توریت میں موسیٰ کی بُردباری کی ایسی تعریف کی جو بنی اسرائیل کے تمام نبیوں میں سے کسی کی تعریف میں یہ کلمات بیان نہیں فرمائے۔ ہاں جو اخلاق فاضلہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن شریف میں ذکر ہے وہ حضرت موسیٰ سے ہزار ہا درجہ بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام اخلاق فاضلہ کا جامع ہے جو نبیوں میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔ اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے: اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم: ۵) تو خلق عظیم پر ہے۔ اور عظیم کے لفظ کے ساتھ جس چیز کی تعریف کی جائے وہ عرب کے محاورہ میں اس چیز کے انتہائے کمال کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ یہ درخت عظیم ہے تو اس سے یہ مطلب ہوگا کہ جہاں تک درختوں کے لئے طول و عرض اور تناوری ممکن ہے وہ سب اس درخت میں حاصل ہے۔ ایسا ہی اس آیت کا مفہوم ہے کہ جہاں تک اخلاق فاضلہ و شمائل حسنہ نفس انسانی کو حاصل ہو سکتے ہیں وہ تمام اخلاق کاملہ تامہ نفس محمدی میں موجود ہیں۔ سو یہ تعریف ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء: ۱۱۴) یعنی تیرے پر خدا کا سب سے زیادہ فضل ہے اور کوئی نبی تیرے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہی تعریف بطور پیشگوئی زبور باب ۴۵ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں موجود ہے جیسا کہ فرمایا کہ خدا نے جو تیرا خدا ہے خوشی کے روغن سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ تجھے معطر کیا۔ اور چونکہ امت محمدیہ کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں اس لئے الہام متذکرہ بالا میں اس
عاجز کی تشبیہ حضرت موسیٰ سے دی گئی۔ اور یہ تمام برکات حضرت سید الرسل کے ہیں جو خداوند کریم اس کی عاجز امت کو ۵۰۹
اپنے کمال لطف اور احسان سے ایسے ایسے مخاطبات شریفہ سے یاد فرماتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کہ جو حکیم مطلق ہے بغیر ضرورتؔ کے کوئی کام نہیں کرتا اور عبث اور بے فائدہ ۳۷۳

بقیہ حاشیہ نمبر 11

میں آ گیا۔ پانچواں مقصد قرآن شریف کا عالم معاد کی حقیقت بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ میں آ گیا۔ چھٹا
مقصد قرآنؔ شریف کا اخلاص اور عبودیت اور تزکیہ نفس عن غیر اللہ اور علاج امراض روحانی اور اصلاح اخلاق ردّیہ اور توحید ۴۹۱
فی العبادت کا بیان کرنا ہے۔ سو یہ مقصد اِیَّاكَ نَعْبُدُ میں بطور اجمال آ گیا۔ ساتواں مقصد قرآن شریف کا ہر یک کام میں
فاعل حقیقی خدا کو ٹھہرانا اور تمام توفیق اور لطف اور نصرت اور ثبات علی الطاعت اور عصمت عن العصیان اور حصول جمیع اسباب
خیر اور صلاحیت دنیا و دین اسی کی طرف سے اسے قرار دینا اور ان تمام امور میں اسی سے مدد چاہنے کے لئے تاکید کرنا، سو یہ
مقصد اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں بطور اجمال آ گیا۔ آٹھواںؔ مقصد قرآن شریف کا صراط مستقیم کے دقائق کو بیان کرنا ہے اور پھر ۴۹۲
اس کی طلب کے لئے تاکید کرنا کہ دعا اور تضرع سے اس کو طلب کریں۔ سو یہ مقصد اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں بطور
اجمال کے آ گیا۔ نواں مقصد قرآن شریف کا ان لوگوں کا طریق و خلق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا انعام و فضل ہوا تا طالبین
حق کے دل جمعیت پکڑیں، سو یہ مقصد صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ میں آ گیا۔ دسواں مقصد قرآن شریف کا ان لوگوں
کا خلق و طریق بیان کرنا ہے جن پر خدا کا غضب ہوا یا جو راستہ بھول کر انواع اقسام کی بدعتوں میں پڑ گئے۔ تا حق کے
طالب ان کی راہوں سے ڈریں۔ سو یہ مقصد غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ میں بطور اجمال آ گیا ہے۔ یہ
مقاصد عشرہ ہیں جو قرآن شریف میں مندرج ہیں جو تمام صداقتوں کا اصل الاصول ہیں۔ سو یہ تمام مقاصد سورۃ فاتحہ میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

پھر بعد اس کے یہ الہامی عبارت ہے: وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَ نُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ. ویحبون ان تدهنون. قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ. قیل ارجعوا الی الله فلا ترجعون. وقیل استحوذوا فلا تستحوذون. اَمْ تَسْئَلُهُمْ خرج فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ. بل اٰتینهم بالحق فهم للحق کارهون. سبحنه وتعالیٰ عما یصفون. احسب الناس ان یترکو ان یقولوا امنا و هم لا یفتنون. یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا. ولا یخفی علی الله خافیة. ولا یصلح شئ قبل اصلاحه. ومن رُدّ من مطبعه فلا مرد له. اور جب ان کو کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسا ہی ایمان لاویں جیسے بیوقوف ایمان لائے ہیں۔ خبردار ہو وہی بیوقوف ہیں مگر جانتے نہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تم ان سے مداہنہ کرو۔ کہہ اے کافرو میں اس چیز کی پرستش نہیں کرتا جس کی تم کرتے ہو۔ تم کو کہا گیا کہ خدا کی طرف رجوع کرو سو تم رجوع نہیں کرتے۔ اور تم کو کہا گیا جو تم اپنے نفسوں پر غالب آ جاؤ سو تم غالب نہیں آتے۔ کیا تو ان لوگوں سے کچھ مزدوری مانگتا ہے۔ پس وہ اس تاوان کی وجہ سے حق کو قبول کرنا ایک پہاڑ سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کو مفت حق دیا جاتا ہے اور وہ حق سے کراہت کر رہے ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان عیبوں سے پاک و برتر ہے جو وہ لوگ اس کی ذات پر لگاتے ہیں۔ کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بے امتحان کیے صرف زبان ایمان کے دعویٰ سے چھوٹ جاویں گے۔ چاہتے ہیں جو ایسے کاموں سے تعریف کیے جائیں جن کو انہوں نے کیا نہیں۔ اور خدائے تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ اور جب تک
وہ کسی شے کی اصلاح نہ کرے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اور جو شخص اس کے مطبع سے رد کیا جائے اسؔ کو کوئی واپس نہیں لا سکتا۔ ۵۱۰

طریقوں کو خواہ مخواہ لازم نہیں پکڑتا۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11

بطور اجمال آگئے۔ پانچواؔں لطیفہ سورۃ فاتحہ میں یہ ہے کہ وہ اس اتم اور اکمل تعلیم پر مشتمل ہے کہ جو طالب حق کے لئے ۴۹۳
ضروری ہے۔ اور جو ترقیات قربت اور معرفت کے لئے کامل دستور العمل ہے۔ کیونکہ ترقیات قربت کا شروع اس نقطہ سیر
سے ہے کہ جب سالک اپنے نفس پر ایک موت قبول کر کے اور سختی اور آزارکشی کو روا رکھ کر انؔ تمام نفسانی خواہشوں سے ۴۹۴
خالصاً للہ دست کش ہو جائے کہ جو اس میں اور اس کے مولیٰ کریم میں جدائی ڈالتے ہیں اور اس کے منہ کو خدا کی طرف سے
پھیر کر اپنی نفسانی لذات اور جذبات اور عادات اور خیالات اور ارادت اور نیز مخلوق کی طرف پھیرتے ہیں اور ان کے ۴۹۵
خوفوں اور امیدوں میں گرفتار کرتے ہیں اور ترقیات کا اوسط درجہ وؔہ ہے کہ جو جو ابتدائی درجہ میں نفس کشی کے لئے تکالیف
اٹھائی جاتی ہیں اور حالت معتادہ کو چھوڑ کر طرح طرح کے دکھ سہنے پڑتے ہیں وہ سب آلام صورت انعام میں ظاہر ہو جائیں
اور بجائے مشقت کے لذت اور بجائے رنج کے راحت اور بجائے تنگی کے انشراح اور بشاشت نمودار ہو۔ اور ترقیات کا اعلیٰ ۴۹۶
درجہ وہ ہے کہ ؔسالک اس قدر خدا اور اس کے ارادوں اور خواہشوں سے اتحاد اور محبت اور یکجہتی پیدا کر لے کہ اس کا تمام اپنا
عین واثر جاتا رہے اور ذات وصفات الٰہیہ بلا شائبہ ظلمت اور بلاتوہم حالیت ومحلیّت اس کے وجود آئینہ صفت میں منعکس
ہو جائیں۔ اور فنا اتم کے آئینہ کے ذریعہ سے جس نے سالک میں اور اس کی نفسانی خواہشوؔں میں غایت درجہ کا بعد ڈال ۴۹۷
دیا ہے، انعکاس ربانی ذات اور صفات کا نہایت صفائی سے دکھائی دے۔ اس تقریر میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس میں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ. لَا تَــقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِه عِلْمٌ.وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ. يٰاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هذَا. انه عبد غير صالح. انما انت مذكر وما انت عليهم بمسيطر۔ کیا تو اسی غم میں اپنے تئیں ہلاک کر دے گا کہ یہ لوگ کیوں ایمان نہیں لاتے۔ جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے مت پڑ اور ان لوگوں کے بارے میں جو ظالم ہیں میرے ساتھ مخاطبت مت کر۔ وہ غرق کیے جائیں گے۔ اے ابراہیم! اس سے کنارہ کر یہ صالح آدمی نہیں۔ تو صرف نصیحت دہندہ ہے ان پر داروغہ نہیں۔ یہ چند آیات جو بطور الہام القا ہوئی ہیں بعض خاص لوگوں کے حق میں ہیں۔ پھر آگے اس کے یہ الہام ہے: وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ. وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيمَ مُصَلًّى۔ اور صبر اور صلوٰۃ کے ساتھ مدد چاہو۔ اور ابراہیم کے مقام سے نماز کی جگہ پکڑو۔ اس جگہ مقام ابراہیم سے اطلاق مرضیہ و معاملہ باللہ مراد ہے یعنی محبت الٰہیہ اور تفویض اور رضا اور وفا یہی حقیقی مقام ابراہیم کا ہے جو امت محمدیہ کو بطور تبعیت و وراثت عطا ہوتا ہے اور جو شخص قلب ابراہیم پر مخلوق ہے اس کی اتباع بھی اسی میں ہے۔ يظل ربك عليك ويغيثك ويرحمك. وان لم يعصمك الناس فيعصمك الله من عنده. يعصمك الله من عنده. وان لم يعصمك الناس خدائے تعالیٰ اپنی رحمت کا تجھ پر سایہ کرے گا اور نیز تیرا فریادرس ہوگا اور تجھ پر رحم کرے گا۔ اور اگر تمام لوگ تیرے بچانے سے دریغ کریں مگر خدا تجھے بچائے گا۔ اور خدا تجھے ضرور اپنی مدد سے بچائے گا اگرچہ تمام لوگ دریغ کریں۔ یعنی خدا تجھے آپ مدد دے گا اور تیری سعی کے ضائع ہونے سے تجھے محفوظ رکھے گا۔ اور اس کی تائیدیں تیرے شامل حال رہیں گی۔ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا. اَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ لَعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰي وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّه مِنَ الْكٰذِبِيْنَ. یاد کر جب

۳۷۴ بعض نادان آریہ ایک سنسکرت کو پرمیشر کی بولی ٹھہرا کر دوسری تمام بولیاں جو صدہا عجائب

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۴۹۸ جودیوں یا ویدانیتوں کے باطل خیال کی تائید ہو۔ کیونکہ انہوں نے خالق اور مخلوق میں جو ابدی امتیاز ہے شناخت نہیں کیا۔
اور اپنے کشوف مشتبہ کے دھوکہ سے کہ جو سلوک ناتمام کی حالت میں اکثر پیش آجاتے ہیں یا جو سوداانگیز ریاضتوں کا ایک
نتیجہ ہوتا ہے سخت مغالطات کے پیچ میں پڑ گئے یا کسی نے سکر اور بے خودی کی حالت میں جو ایک قسم کا جنون ہے اس فرق کو
۴۹۹ نظر سے ساقط کر دیا کہ جو خدا کی روح اور انسان کی روح میں باعتبار طاقتوں اور قوتوں اور کمالات اور تقدسات کے ہے۔
ورنہ ظاہر ہے کہ قادر مطلق کہ جس کے علم قدیم سے ایک ذرہ مخفی نہیں اور جس کی طرف کوئی نقصان اور خسران عائد نہیں
۵۰۰ ہوسکتا۔ اور جو ہر یک قسم کے جہل اور آلودگی اور ناتوانی اور غم اور حزن اور درد اور رنج اور گرفتاری سے پاک ہے، وہ کیونکر
اس چیز کا عین ہوسکتا ہے کہ جو ان سب بلاؤں میں مبتلا ہے۔ کیا انسان جس کی روحانی ترقیات کے لئے اس قدر حالات
منتظرہ ہیں جن کا کوئی کنارہ نظر نہیں آتا۔ وہ اس ذات صاحب کمال تام سے مشابہ یا اس کا عین ہوسکتا ہے جس کے لئے کوئی
۵۰۱ حالت منتظرہ باقی نہیں؟ کیا جس کی ہستی فانی اور جس کی روح میں صریح مخلوقیت کے نقصان پائے جاتے ہیں وہ باوجود اپنی
تمام آلائشوں اور کمزوریوں اور ناپاکیوں اور عیبوں اور نقصانوں کے اس ذات جلیل الصفات سے برابر ہوسکتا ہے جو اپنی
خوبیوں اور پاک صفتوں میں ازلی ابدی طور پر اتم اور اکمل ہے سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ (الانعام:۱۰۰) بلکہ اس تیسرے
۵۰۲ قسم کی ترقی سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ سالک خدا کی محبت میں ایسا فانی اور مستہلک ہوجاتا ہے اور اس قدر ذات بیچوں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

منکر نے بغرض کسی مکر کے اپنے رفیق کو کہا کہ کسی فتنہ یا آزمائش کی آگ بھڑکا تا میں موسیٰ کے خدا پر یعنی اس شخص کے خدا پر
مطلع ہوجاؤں کہ کیونکر وہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے ساتھ ہے یا نہیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ کسی واقعہ
آئندہ کی طرف اشارہ ہے کہ جو بصورت گذشتہ بیان کیا گیا ہے۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ. ماکان له ان
یدخل فیها الا خائفا. وما اصابك فمن الله. ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگئے اور وہ بھی ہلاک ہوا اور
۵۱۱ اس کو لائق نہ تھا کہ اس کام میں بجز خائف اور ترساں ہونے کے یوں ہی دلیری سے داخل ہوجاتا اور جو تجھ کو پہنچے وہ تو خدا
کی طرف سے ہے۔ یہ کسی شخص کے شر کی طرف اشارہ ہے جو بذریعہ تحریر یا بذریعہ کسی اور فعل کے اس سے ظہور میں
آوے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ الفتنة ههنا. فاصبر كما صبر اولوا العزم. الا انها فتنة من الله
لیحب حبا جما. حبا من الله العزیز الاکرم عطاء غیر مجذود. اس جگہ فتنہ ہے۔ پس صبر کر جیسے
اولوالعزم لوگوں نے صبر کیا ہے۔ خبردار ہو۔ یہ فتنہ خدا کی طرف سے ہے تا وہ ایسی محبت کرے جو کامل محبت ہے۔ اس خدا کی
محبت جو نہایت عزت والا اور نہایت بزرگ ہے وہ بخشش جس کا کبھی انقطاع نہیں۔ شاتان تذبحان وكل من علیها
فان. دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ اور زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے بچ جائے گا۔ یعنی ہر یک کے لئے قضا وقدر
در پیش ہے اور موت سے کسی کو خلاصی نہیں۔ کوئی چار روز پہلے اس دنیا کو چھوڑ گیا اور کوئی پیچھے اسے جاملا۔

ہمیں مرگ است کز یاراں بپوشد روئے یاراں را بیکدم می کند وقتِ خزاں فصل بہاراں را

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا. اَ لَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه. لَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ. وَّ
جِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰٓؤُلَاءِ شَهِیْدًا۔ اور سست مت ہو اور غم مت کرو۔ کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں ہے۔ کیا تو نہیں

اورغرائب صنع باری سے بھری ہوئی ہیں انسان کا ایجاد قرار دیتے ہیں۔ گویا انسان کے ہاتھ میں بھی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

وبیچگون اپنی تمام صفات کاملہ کے ساتھ اس سے قریب ہوجاتی ہے کہ الوہیت کے تجلیات اس کے نفسانی جذبات پر ایسے
غالب آجاتے ہیں اور ایسے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں جو اس کو اپنے نفسانی جذبات سے بلکہ ہر یک سے جو نفسانی
جذبات کا تابع ہو مغائرت کلی اور عداوت ذاتی پیدا ہوجاتی ہے اور اس میں اور قسم دویم کی ترقی میں فرق یہ ہے کہ گو قسم دویم ۵۰۳
میں بھی اپنے رب کی مرضی سے موافقت تامہ پیدا ہوجاتی ہے اور اس کا ایلام بصورت انعام نظر آتا ہے مگر ہنوز اس میں ایسا
تعلق باللہ نہیں ہوتا کہ جو ماسوی اللہ کے ساتھ عداوتِ ذاتی پیدا ہوجانے کا موجب ہو اور جس سے محبت الٰہی صرف دل کا
مقصد ہی نہ رہے بلکہ دل کی سرشت بھی ہوجائے۔ غرض قسم دویم کی ترقی میں خدا سے موافقت تامہ کرنا اور اس کے غیر سے ۵۰۴
عداوت رکھنا سالک کا مقصد ہوتا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول سے وہ لذت پاتا ہے لیکن قسم سوم کی ترقی میں خدا سے
موافقت تامہ اور اس کے غیر سے عداوت خود سالک کی سرشت ہوجاتی ہے جس سرشت کو وہ کسی حالت میں چھوڑ نہیں سکتا۔
کیونکہ انفكاك الشي عن نفسه محال ہے۔ برخلاف قسم دوم کے کہ اس میں انفکاک جائز ہے اور جب تک ولایت
کسی ولی کی قسم سوم تک نہیں پہنچتی عارضی ہے اور خطرات سے امن میں نہیں۔ وجہ یہ کہ جب تک انسان کی سرشت میں خدا ۵۰۵
کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت داخل نہیں تب تک کچھ رگ وریشہ ظلم کا اس میں باقی ہے کیونکہ اس نے حق ربوبیت کو جیسا
کہ چاہیے تھا ادا نہیں کیا۔ اور لقائے تام حاصل کرنے سے ہنوز قاصر ہے۔ لیکن جب اس کی سرشت میں محبت الٰہی اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

جانتا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ اور خدا ان لوگوں پر تجھ کو گواہ لائے گا۔ اوفى الله اجرك ويرضى عنك ربك
ويتم اسمك وَ عَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّ هوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَ عَسٰٓى اَنْ تَكْرَهوْا شَيْـًٔا وَّ هوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ خدا تیرا بدلہ پورا دے گا اور تجھ سے راضی ہوگا اور تیرے اسم کو پورا
کرے گا اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو دوست رکھو اور اصل میں وہ تمہارے لئے بُری ہو اور ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُری سمجھو
اور اصل میں وہ تمہارے لئے اچھی ہو۔ اور خدائے تعالیٰ عواقب امور کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ كنت كنزا مخفيًا
فاحببت ان اعرف. اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا. وَاِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا.
اهذا الذى بعث الله. قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ. والخير
كله فى القراٰن. لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ. فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَ فَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ ۵۱۲
میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا سو میں نے چاہا کہ شناخت کیا جاؤں۔ آسمان اور زمین دونوں بند تھے سو ہم نے ان دونوں کو کھول
دیا اور تیرے ساتھ ہنسی سے ہی پیش آئیں گے اور ٹھٹھا مار کر کہیں گے کیا یہی ہے جس کو خدا نے اصلاح خلق کے لئے مقرر کیا
یعنی جن کا مادہ ہی خبث ہے ان سے صلاحیت کی امید مت رکھ۔ اور پھر فرمایا کہہ میں صرف تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں مجھ
کو یہ وحی ہوتی ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی تمہارا معبود نہیں وہی اکیلا معبود ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرنا نہیں
چاہئے۔ اور تمام خیر اور بھلائی قرآن میں ہے۔ بجز اس کے اور کسی جگہ سے بھلائی نہیں مل سکتی اور قرآنی حقائق صرف انہیں ۵۱۳
لوگوں پر کھلتے ہیں جن کو خدائے تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف اور پاک کرتا ہے اور میں ایک عمر تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں کیا
تم کو عقل نہیں۔

ایک قسم کی خدائی ہے کہ پرمیشر نے تو صرف ایک بولی ظاہر کی مگر آدمیوں نے وہ قوت دکھلائی کہ بیسیوں

بقیہ حاشیہ نمبر 11

موافقت باللہ بخوبی داخل ہوگئی یہاں تک کہ خدا اس کے کان ہوگیا جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہوگیا جن سے وہ
دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوگیا جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہوگیا جس سے وہ چلتا ہے تو پھر کوئی ظلم اس میں باقی نہ رہا ٥٠٦
اور ہر یک خطرہ سے امن میں آگیا۔ اسی درجہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْۤا
اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (الانعام: ٨٢)۔
اب سمجھنا چاہیے کہ یہ ترقیات ثلاثہ کہ جو تمام علوم و معارف کا اصل الاصول بلکہ تمام دین کا لبّ لباب ہے سورۃ فاتحہ میں ٥٠٧
بتمام تر خوبی و رعایت ایجاز و خوش اسلوبی بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ پہلی ترقی کہ جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے
اول قدم ہے اس آیت میں تعلیم کی گئی ہے جو فرمایا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کیونکہ ہر ایک قسم کی کجی اور بے راہی
سے باز آکر اور بالکل رو بخدا ہو کر راہ راست کو اختیار کرنا یہ وہی سخت گھاٹی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں فنا سے تعبیر کیا گیا
ہے۔ کیونکہ امور مالوفہ اور معتادہ کو یکلخت چھوڑ دینا اور نفسانی خواہشوں کو جو ایک عمر سے عادت ہو چکی ہے یک دفعہ ترک ٥٠٨
کرنا اور ہر یک ننگ اور ناموس اور عجب اور ریاء سے منہ پھیر کر اور تمام ماسوا اللہ کو کالعدم سمجھ کر سیدھا خدا کی طرف رخ کر
لینا حقیقت میں ایک ایسا کام ہے جو موت کے برابر ہے اور یہ موت روحانی پیدائش کا مدار ہے۔ اور جیسے دانہ جب تک
خاک میں نہیں ملتا اور اپنی صورت کو نہیں چھوڑتا تب تک نیا دانہ وجود میں آنا غیر ممکن ہے، اسی طرح روحانی پیدائش کا جسم ٥٠٩

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہست فرقانِ مبارک از خدا طیب شجر — نونہال و نیک بو و سایہ دار و پُر زبر
میوہ گر خواہی بیا زیر درخت میوہ دار — گر خردمندی مجنباں بید را بہر ثمر
ور نیاید باورت در وصفِ فرقان مجید — حسن آں شاہد بپرس از شاہداں یا خود نگر
وانکہ او نامد پے تحقیق و در کیں مبتلاست — آدمی ہرگز نباشد ہست او بدتر زخر

قل ان هدى الله الهدى وَاِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ. رب اغفر وارحم من السماء. رب اَنِّيْ
مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ. ايلى ايلى لما سبقتنى. ايلى اوس۔ کہہ ہدایت وہی ہے جو خدا کی ہدایت ہے اور میرے
ساتھ میرا رب ہے عنقریب وہ میرا راہ کھول دے گا۔ اے میرے خدا آسمان سے رحم اور مغفرت کر۔ میں مغلوب ہوں
میری طرف سے مقابلہ کر۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ آخری فقرہ اس الہام کا یعنی ایلی
اوس بباعث سُرعت ورود مشتبہ رہا ہے اور نہ اس کے کچھ معنی کھلے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اےؔ خالق ارض و سما بر من در رحمت کشا — دانی تواں دردِ مرا کز دیگراں پنہاں کنم ٥١٤
از بس لطیفے دلبرا در ہر رگ و تارم درا — تا چوں بخود یابم ترا دل خوشتر از بستاں کنم
در سرکشی اے پاک خو جاں بر کنم در ہجر تو — زانساں ہمی گریم کز و یک عالمے گریاں کنم
خواہی بقہرم کن جدا خواہی بلطفم رونما — خواہی بکش یا کن رہا کے ترک آں داماں کنم

یہ سب اشارات مختص المقامات ہیں جن کی تشریح اس جگہ ضروری نہیں۔ یا عبدالقادر انی معك اسمع وارىٰ
غرست لك بيدى رحمتى وقدرتى ونجينك من الغم وفتناك فتونا. لياتينكم منى هدىً.

۳۷۵ بولیاں اس سے بہتر ایجاد کرلیں ۔ بھلا! ہم آریہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر یہی سچ ہے کہ سنسکرت ہی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اس فنا سے طیار ہوتا ہے ۔ جوں جوں بندہ کا نفس شکست پکڑتا جاتا ہے اور اس کا فعل اور ارادت اور روبخلق ہونا فنا ہوتا جاتا ہے توں توں پیدائش روحانی کے اعضاء بنتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب فنا اتم حاصل ہوجاتی ہے تو وجود ثانی کی خلعت عطا کی جاتی ہے اور ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون:۱۴) کا وقت آجاتا ہے اور چونکہ یہ فناء اتم بغیر نصرت و توفیق و توجہ
خاص قادر مطلق کے ممکن نہیں اس لئے یہ دعا تعلیم کی یعنی اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ جس کے یہ معنی ہیں کہ اے خدا ہم کو ۵۱۰
راہ راست پر قائم کر اور ہر یک طور کی کجی اور بے راہی سے نجات بخش ۔ اور یہ کامل استقامت اور راست روی جس کو طلب کرنے کا حکم ہے نہایت سخت کام ہے اور اول دفعہ میں اس کا حملہ سالک پر ایک شیر ببر کی طرح ہے جس کے سامنے موت نظر آتی ہے ۔ پس اگر سالک ٹھہر گیا اور اس موت کو قبول کر لیا تو پھر بعد اس کے کوئی اسے سخت موت نہیں اور خدا اس سے
زیادہ تر کریم ہے کہ پھر اس کو یہ جلتا ہوا دوزخ دکھاوے ۔ غرض یہ کامل استقامت وہ فنا ہے کہ جس سے کارخانہ وجود بندہ کو ۵۱۱
بکلی شکست پہنچتی ہے اور ہوا اور شہوت اور ارادت اور ہر یک خود روی کے فعل سے بہ یکبارگی دستکش ہونا پڑتا ہے اور یہ مرتبہ سیر وسلوک کے مراتب میں سے وہ مرتبہ ہے جس میں انسانی کوششوں کا بہت کچھ دخل ہے اور بشری مجاہدات کی بخوبی پیش
رفت ہے اور اسی حد تک اولیاء اللہ کی کوششیں اور سالکین کی محنتیں ختم ہوجاتی ہیں ۔ اور پھر بعد اس کے خاص مواہب سماوی ۵۱۲
ہیں جن میں بشری کوششوں کو کچھ دخل نہیں بلکہ خود خدائے تعالیٰ کی طرف سے عجائبات سماوی کی سیر کرانے کے لئے غیبی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

الا ان حزب الله هم الغالبون. وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم وما كان الله ليعذبهم وهم يستغفرون ۔ اے عبد القادر میں تیرے ساتھ ہوں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں ۔ تیرے لئے میں نے رحمت اور قدرت کو اپنے ہاتھ سے لگایا اور تجھ کو غم سے نجات دی اور تجھ کو خالص کیا ۔ اور تم کو میری طرف سے مدد آئے گی ۔ خبردار ہو لشکر خدا کا ہی غالب ہوتا ہے ۔ اور خدا ایسا نہیں جو ان کو عذاب پہنچاوے جب تک تو ان کے درمیان ہے یا جب وہ استغفار کریں ۔ انا بدك اللازم انا محييك نفخت فيك من لدنى روح الصدق والقيت عليك محبة
منى ولتصنع على عينى كزرع اخرج شطئه فاستغلظ فاستوىٰ على سوقه ۔ میں تیرا چارہ لازمی ۵۱۵
ہوں میں تیرا زندہ کرنے والا ہوں ۔ میں نے تجھ میں سچائی کی روح پھونکی ہے اور اپنی طرف سے تجھ میں محبت ڈال دی ہے تا کہ میرے روبرو تجھ سے نیکی کی جائے ۔ سو تو اس بیج کی طرح ہے جس نے اپنا سبزہ نکالا پھر موٹا ہوتا گیا یہاں تک کہ اپنے ساقوں پر قائم ہوگیا ۔ ان آیات میں خدائے تعالیٰ کی ان تائیدات اور احسانات کی طرف اشارہ ہے اور نیز اس عروج اور اقبال اور عزت اور عظمت کی خبر دی گئی ہے کہ جو آہستہ آہستہ اپنے کمال کو پہنچے گی ۔ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ۔ ہم نے تجھ کو کھلی کھلی فتح عطا فرمائی ہے ۔ یعنی عطا فرمائیں گے اور درمیان میں جو بعض مکروہات و شدائد ہیں وہ اس لئے ہیں تا خدائے تعالیٰ تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف فرماوے ۔ یعنی اگر خدائے تعالیٰ چاہتا تو قادر تھا کہ جو کام مدنظر ہے وہ بغیر پیش آنے کسی نوع کی تکلیف کے اپنے انجام کو پہنچ جاتا اور بآسانی فتح عظیم حاصل ہوجاتی ۔ لیکن تکالیف اس جہت سے ہیں کہ تا وہ تکالیف موجب ترقی مراتب و مغفرت خطایا ہوں ۔ آج اس موقع کے اثناء میں جبکہ یہ عاجز بغرض تصحیح کاپی کو دیکھ رہا تھا بعالم کشف چند ورق ہاتھ میں دیئے گئے اور ان پر لکھا ہوا

پرمیشر کے منہ سے نکلی ہے اور دوسری زبانیں انسانوں کی صنعت ہیں اور پرمیشر کے منہ سے دور رہی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سواری اور آسمانی برّاق عطا ہوتا ہے۔
۵۱۳ اور دوسری ترقی کہ جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے دوسرا قدم ہے اس آیت میں تعلیم کی گئی ہے جو صِرَاطَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یعنی ہم کو ان لوگوں کا راہ دکھلا جن پر تیرا انعام اکرام ہے۔ اس جگہ واضح رہے کہ جو لوگ منعم علیہم ہیں اور
خدا سے ظاہری و باطنی نعمتیں پاتے ہیں شدائد سے خالی نہیں ہیں۔ بلکہ اس دارالابتلاء میں ایسی ایسی شدتیں اور صعوبتیں ان
کو پہنچتی ہیں کہ اگر وہ کسی دوسرے کو پہنچتیں تو مدد ایمانی اس کی منقطع ہو جاتی۔ لیکن اس جہت سے ان کا نام منعم علیہم رکھا
گیا ہے کہ وہ بباعث غلبۂ محبت آلام کو برنگ انعام دیکھتے ہیں اور ہر یک رنج یا راحت جو دوست حقیقی کی طرف سے ان کو
۵۱۴ پہنچتی ہے بوجہ سرمستی عشق اس سے لذت اٹھاتے ہیں۔ پس یہ ترقی فی القرب کی دوسری قسم ہے جس میں اپنے محبوب کے جمیع
افعال سے لذت آتی ہے اور جو کچھ اس کی طرف سے پہنچے انعام ہی انعام نظر آتا ہے اور اصل موجب اس حالت کا ایک
محبت کامل اور تعلق صادق ہوتا ہے جو اپنے محبوب سے ہو جاتا ہے اور یہ ایک موہبت خاص ہوتی ہے جس میں حیلہ اور تدبیر کو
کچھ دخل نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے آتی ہے اور جب آتی ہے تو پھر سالک ایک دوسرا رنگ پکڑ لیتا ہے۔ اور تمام بوجھ اس
۵۱۵ کے سر سے اتارے جاتے ہیں اور ہر یک ایلام انعام ہی معلوم ہوتا ہے اور شکوہ اور شکایت کا نشان نہیں ہوتا۔ پس یہ حالت
ایسی ہوتی ہے کہ گویا انسان بعد موت کے زندہ کیا گیا ہے کیونکہ ان تلخیوں سے بکلی نکل آتا ہے جو پہلے درجہ میں تھیں جن

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تھا کہ فتح کا نقارہ بجے۔ پھر ایک نے مسکرا کر ان ورقوں کی دوسری طرف ایک تصویر دکھلائی اور کہا کہ دیکھو کیا کہتی ہے تصویر
تمہاری۔ جب اس عاجز نے دیکھا تو وہ اسی عاجز کی تصویر تھی اور سبز پوشاک تھی۔ مگر نہایت رعب ناک جیسے سپہ سالار مسلح
۵۱۶ فتح یاب ہوتے ہیں اور تصویر کے یمین و یسار میں حجت اللہ القادر و سلطان احمد مختار لکھا تھا۔ اور یہ سوموار کا روز انیسویں
ذوالحجہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۸۳ء اور ششم کاتک ۱۹۴۰ بکرم ہے۔ اَ لَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه. فَبَرَّاَهُ
اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا. اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه.فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّه لِلْجَبَلِ
جَعَلَه دَكًّا. وَاللّٰهُ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ. بعد العسر يسر لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْ بَعْدُ.
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَه. وَ لِنَجْعَلَه اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا. قول الحق
الذى فيه تمترون۔ کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔ پس خدا نے اس کو ان الزامات سے بری کیا جو اس پر لگائے گئے
تھے اور خدا کے نزدیک وہ وجیہہ ہے۔ کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔ پس جبکہ خدا نے پہاڑ پر تجلّی کی تو اس کو پاش پاش کر دیا
یعنی مشکلات کے پہاڑ آسان ہوئے اور خدائے تعالیٰ کافروں کے مکر کو سست کر دے گا اور ان کو مغلوب اور ذلیل کر کے
دکھلائے گا۔ تنگی کے بعد فراخی ہے۔ اور پہلے بھی خدا کا حکم ہے اور پیچھے بھی خدا کا ہی حکم ہے۔ کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں۔
اور ہم اس کو لوگوں کے لئے رحمت کا نشان بنائیں گے اور یہ امر پہلے ہی سے قرار پایا ہوا تھا۔ یہ وہ سچی بات ہے جس میں تم
شک کرتے ہو۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ. رِجَالٌ لَّا
تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ. متع الله المسلمين ببركاتهم. فانظروا الى اٰثار رحمة
الله. وانبؤنى من مثل هؤلاء ان كنتم صدقين. وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ

ہوئی ہیں تو ذرا بتلاؤ تو سہی کہ وہ کون سے کمالاتِ خاصہ ہیں جو سنسکرت میں پائے جاتے ہیں اور دوسری

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سے ہر یک وقت موت کا سامنا معلوم ہوتا تھا۔ مگر اب چاروں طرف سے انعام ہی انعام پاتا ہے اور اسی جہت سے اس کی
حالت کے مناسب حال یہی تھا کہ اس کا نام منعم علیہ رکھا جاتا۔ اور دوسرے لفظوں میں اس حالت کا نام بقا ہے۔ کیونکہ ٥١٦
سالک اس حالت میں اپنے تئیں ایسا پاتا کہ گویا وہ مرا ہوا تھا اور اب زندہ ہوگیا اور اپنے نفس میں بڑی خوشحالی اور انشراح
صدر دیکھتا ہے اور بشریت کے انقباض سب دور ہوجاتے ہیں اور الوہیت کے مربیانہ انوار نعمت کی طرح برستے ہوئے
دکھائی دیتے ہیں۔ اسی مرتبہ میں سالک پر ہر یک نعمت کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور عنایاتِ الٰہیہ کامل طور پر متوجہ ہوتی ہیں
اور اس مرتبہ کا نام سیر فی اللہ ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ میں ربوبیت کے عجائبات سالک پر کھولے جاتے ہیں اور جو ربانی نعمتیں ٥١٧
دوسروں سے مخفی ہیں ان کا اس کو سیر کرایا جاتا ہے، کشوف صادقہ سے متمتع ہوتا ہے اور مخاطبات حضرت احدیت سے
سرفرازی پاتا ہے اور عالم ثانی کے باریک بھیدوں سے مطلع کیا جاتا ہے اور علوم اور معارف سے وافر حصہ دیا جاتا ہے۔
غرض ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بہت کچھ اس کو عطا کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس درجۂ یقین کامل تک پہنچتا ہے کہ گویا ٥١٨
مدبر حقیقی کو بچشم خود دیکھتا ہے۔ سو اس طور کی اطلاع کا جو اسرار سماوی ہیں اس کو بخشے جاتے ہیں اس کا نام سیر فی اللہ ہے۔ لیکن
یہ وہ مرتبہ ہے جس میں محبت الٰہی انسان کو دی تو جاتی ہے لیکن بطریق طبعیت اس میں قائم نہیں کی جاتی یعنی اس کی سرشت
میں داخل نہیں ہوتی بلکہ اس میں محفوظ ہوتی ہے۔ ٥١٩

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ. محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدا کا رسول ہے۔ اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں یعنی ٥١٧
کفار ان کے سامنے لاجواب اور عاجز ہیں اور ان کی حقانیت کی ہیبت کافروں کے دلوں پر مستولی ہے اور وہ لوگ آپس میں
رحم کرتے ہیں وہ ایسے مرد ہیں کہ ان کو یاد الٰہی سے نہ تجارت روک سکتی ہے اور نہ بیع مانع ہوتی ہے یعنی محبت الٰہیہ میں ایسا
کمال تام رکھتے ہیں کہ دنیوی مشغولیاں گو کیسی ہی کثرت سے پیش آویں ان کے حال میں خلل انداز نہیں ہوسکتیں۔ خدائے
تعالیٰ ان کے برکات سے مسلمانوں کو متمتع کرے گا۔ سو ان کا ظہور رحمت الٰہیہ کے آثار ہیں۔ سو ان آثار کو دیکھو۔ اور اگر
ان لوگوں کی کوئی نظیر تمہارے پاس ہے یعنی اگر تمہارے ہم مشربوں اور ہم مذہبوں میں سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ
جو اسی طرح تائیداتِ الٰہیہ سے مؤید ہوں سو تم اگر سچے ہو تو ایسے لوگوں کو پیش کرو۔ اور جو شخص بجز دین اسلام کے کسی اور
دین کا خواہاں اور جویاں ہوگا وہ دین ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور آخرت میں وہ زیاں کاروں میں سے ہوگا۔ یا
احمد فاضت الرحمة على شفتيك. اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. واقم الصلوٰة
لذكرى. انت معى وانا معك سرك سرى. وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَرَفَعْنَا
لَكَ ذِكْرَكَ . انك على صراط مستقيم. وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ اے احمد
تیرے لبوں پر رحمت جاری ہوئی ہے ہم نے تجھ کو معارفِ کثیرہ عطا فرمائے ہیں سو اس کے شکر میں نماز پڑھ اور قربانی دے
اور میری یاد کے لئے نماز کو قائم کر۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں۔ تیرا بھید میرا بھید ہے۔ ہم نے تیرا وہ بوجھ
جس نے تیری کمر توڑ دی اتار دیا ہے اور تیرے ذکر کو اونچا کر دیا ہے۔ تو سیدھی راہ پر ہے دنیا اور آخرت میں وجیہہ اور
مقربین میں سے ہے۔ حماك الله نصرك الله. رفع الله حجة الاسلام جمال. هو الذى امشاكم ٥١٨

زبانیں انؔ سے عاری ہیں۔ کیونکہ پرمیشر کی کلام کو انسان کے مصنوع پر ضرور فضیلت ہونی چاہیے ۳۷۶

بقیہ حاشیہ نمبر 11

اور تیسری ترقی جو قربت کے میدانوں میں چلنے کے لئے انتہائی قدم ہے اس آیت میں تعلیم کی گئی ہے جوؔ فرمایا ہے: ۵۲۰
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں انسان کو خدا کی محبت اور اس کے غیر کی عداوت سرشت میں
داخل ہوجاتی ہے اور بطریق طبعیت اس میں قیام پکڑتی ہے اورؔ صاحب اس مرتبہ کا اخلاق الٰہیہ سے ایسا ہی بالطبع پیار کرتا ۵۲۱
ہے کہ جیسے وہ اخلاق حضرت احدیت میں محبوب ہیں اور محبت ذاتی حضرت خداوند کریم کی اس قدر اس کے دل میں آمیزش
کر جاتی ہے کہؔ اس کے دل سے محبت الٰہی کا منفک ہونا مستحیل اور ممتنع ہوتا ہے اور اگر اس کے دل کو اور اس کی جا کو بڑے ۵۲۲
بڑے امتحانوں اور ابتلاؤں کے سخت صدمات کے پیچ دے کر کوفتہ کیا جائے اور نچوڑا جائے تو بجز محبت الٰہیہ کے اور کچھ اس
کے دل اور جان سے نہیں نکلتا۔ اسی کے درد سے لذت پاتا ہے اورؔ اسی کو واقعی اور حقیقی طور پر اپنا دلآرام سمجھتا ہے۔ یہ وہ ۵۲۳
مقام ہے جس میں تمام ترقیات قرب ختم ہوجاتی ہیں اور انسان اپنے اس انتہائی کمال کو پہنچ جاتا ہے کہ جو فطرت بشری کے
لئے مقدر ہے۔

یہ لطائف خمسہ ہیں کہ جو بطور نمونہ مشتے از خروارے ہم نے لکھے ہیں مگر عجائبات معنوی اس صورت میں اورؔ نیز دوسرے ۵۲۴
حقائق و معارف اس قدر ہیں کہ اگر ان کا عشر عشیر بھی لکھا جائے تو اس کے لکھنے کے لئے ایک بڑی کتاب چاہئے۔ اور جو اس
سورۂ مبارکہ میں خواص روحانی ہیں وہ بھی ایسے اعلیٰ و حیرت انگیز ہیں جن کو طالب حق دیکھ کر اس بات کے اقرار کے لئے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

فی کل حال. لا تحاط اسرار الاولیاء. خدا تیری حمایت کرے گا۔ خدا تجھ کو مدد دے گا۔ خدا حجت اسلام کو بلند
کرے گا۔ جمال الٰہی ہے جس نے ہر حال میں تمہارا تنقیہ کیا ہے۔ خدائے تعالیٰ کو جو اپنے ولیوں میں اسرار ہیں وہ احاطہ
سے باہر ہیں۔ کوئی کسی راہ سے اس کی طرف کھینچا جاتا ہے اور کوئی کسی راہ سے۔ یوسف نے وہ مرتبہ گرفتاری سے پایا جو
دوسرے ترک ماسوا سے پاتے ہیں۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدائے تعالیٰ میں دو صفتیں ہیں جو تربیت عباد میں
مصروف ہیں۔ ایک صفت رفق اور لطف اور احسان ہے اس کا نام جمال ہے۔ اور دوسری صفت قہر اور سختی ہے اس کا نام
جلال ہے۔ سو عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جو لوگ اس کی درگاہ عالی میں بلائے جاتے ہیں ان کی تربیت کبھی جمالی
صفت سے اور کبھی جلالی صفت سے ہوتی ہے اور جہاں حضرت احدیت کے تلطفات عظیمہ مبذول ہوتے ہیں وہاں ہمیشہ
صفت جمالی کے تجلیات کا غلبہ رہتا ہے مگر کبھی کبھی بندگان خاص کی صفاتِ جلالیہ سے بھی تادیب اور تربیت منظور ہوتی ہے۔
جیسے انبیاء کرام کے ساتھ بھی خدائے تعالیٰ کا یہی معاملہ رہا ہے کہ ہمیشہ صفاتِ جمالیہ حضرت احدیت کے ان کی تربیت میں
مصروف رہے ہیں لیکن کبھی کبھی ان کی استقامت اور اخلاق فاضلہ کے ظاہر کرنے کے لئے جلالی صفتیں بھی ظاہر ہوتی رہی
ہیں اور ان کو شریر لوگوں کے ہاتھ سے انواع اقسام کے دکھ ملتے رہے ہیں تا ان کے وہ اخلاق فاضلہ جو بغیر تکالیفِ شاقہ
کے پیش آنے کے ظاہر نہیں ہوسکتے وہ سب ظاہر ہوجائیں اور دنیا کے لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ وہ کچے نہیں ہیں بلکہ سچے
وفادار ہیں۔ وقالوا انی لك هذا. ان هذا الا سحر یوثر. لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً. لا
یصدق السفیه الا سیفة الهلاكؔ. عدولی وعدولك قل اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ. اِذَا جَاءَ ۵۱۹
نَصْرُ اللّٰهِ اَ لَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى۔ اور کہیں گے یہ تجھے کہاں سے حاصل ہوا یہ تو ایک سحر ہے جو اختیار

کیونکہ وہ اسی سے خدا کہلاتا ہے کہ اپنی ذات میں، اپنی صفات میں، اپنے کاموں میں سب سے افضل

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مجبور ہوتا ہے کہ بلاشبہ وہ قادر مطلق کا کلام ہے۔ چنانچہ منجملہ ان خواص عالیہ کے ایک خاصہ روحانی سورۂ فاتحہ میں یہ ہے کہ ۵۲۵
دلی حضور سے اپنی نماز سے اس کو ورد کر لینا اور اس کی تعلیم کو فی الحقیقت سچ سمجھ کر اپنے دل میں قائم کر لینا تنویر باطن میں
نہایت دخل رکھتا ہے۔ یعنی اس سے انشراح خاطر ہوتا ہے اور بشریت کی ظلمت دور ہوتی ہے اور حضرت مبدء فیوض کے
فیوض انسان پر وارد ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور قبولیت الٰہی کے انوار اس پر احاطہ کر لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ترقی کرتا ۵۲۶
کرتا مخاطبات الٰہیہ سے سرفراز ہو جاتا ہے اور کشوف صادقہ اور الہاماتِ واضحہ سے تمتع تام حاصل کرتا ہے اور حضرت
الوہیت کے مقربین میں دخل پا لیتا ہے اور وہ وہ عجائبات القائے غیبی اور کلام لاریبی اور استجابت ادعیہ اور کشف مغیبات اور
تائید حضرت قاضی الحاجات اس سے ظہور میں آتی ہیں کہ جس کی نظیر اس کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔ اگر مخالفین اس سے ۵۲۷
انکار کریں اور غالباً انکار ہی کریں گے تو اس کا ثبوت اس کتاب میں دیا گیا ہے۔ اور یہ احقر ہر یک طالب حق کی تسلی کرنے کو
طیار ہے۔ اور نہ صرف مخالفین کو بلکہ اسمی اور رسمی موافقین کو بھی کہ جو بظاہر مسلمان ہیں مگر محجوب مسلمان اور قالب بے جان
ہیں جن کو اس پُرظلمت زمانہ میں آیاتِ سماویہ پر یقین نہیں رہا اور الہامات حضرت احدیت کو محال خیال کرتے ہیں اور از قبیل ۵۲۸
اوہام اور وساوس قرار دیتے ہیں جنہوں نے انسان کو ترقیات کا نہایت تنگ اور منقبض دائرہ بنا رکھا ہے کہ جو صرف عقلی اٹکلوں
اور قیاسی ڈھکوسلوں پر ختم ہوتا ہے اور دوسری طرف خدائے تعالیٰ کو بھی نہایت درجہ کا کمزور اور ضعیف سا خیال کر رہے ہیں۔ ۵۲۹

بقیہ درحاشیہ نمبر 3:

کیا جاتا ہے۔ ہم ہرگز نہیں مانیں گے جب تک خدا کو بچشم خود دیکھ نہ لیں۔ سفیہ بجز ضربۂ ہلاکت کے کسی چیز کو باور نہیں کرتا میرا اور تیرا دشمن ہے۔ کہہ خدا کا امر آیا ہے سو تم جلدی مت کرو۔ جب خدا کی مدد آئے گی تو کہا جائے گا کہ کیا میں تمہارا خدا نہیں۔ کہیں گے کہ کیوں نہیں۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا. وكان الله بكم رؤفًا رحيمًا. اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. تموت وانا راض منك فادخلوا الجنة انشاء الله اٰمنين. سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا اٰمنين. سلام عليك جعلت مبارگًا. سمع الله انه سميع الدعاء انت مبارك فى الدنيا والاخرة. امراض الناس وبركاته اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ. اذكر نعمتى التى انعمت عليك وانى فضلتك على العلمين. يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ. من ربكم عليكم واحسن الى احبابكم وعلمكم مالم تكونوا تعلمون. وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللهِ لَا تُحْصُوْهَا. میں تجھ کو پوری نعمت دونگا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اور جو لوگ تیری متابعت اختیار کریں یعنی حقیقی طور پر اللہ و رسول کے متبعین میں داخل ہو جائیں ان کو ان کے مخالفوں پر کہ جو انکاری ہیں قیامت تک غلبہ بخشوں گا۔ یعنی وہ لوگ حجت اور دلیل کے رو سے اپنے مخالفوں پر غالب رہیں گے۔ اور صدق اور راستی کے انوارِ ساطعہ انہیں کے شامل حال رہیں گے۔ اور سست مت ہو اور غم مت کرو۔ خدا تم پر بہت ہی مہربان ہے۔ خبردار ہو
بہ تحقیق جو لوگ مقربان الٰہی ہوتے ہیں ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم کرتے ہیں تو اس حالت میں مرے گا کہ جب خدا ۵۲۰

اور بے مثل و مانند ہے۔ اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ سنسکرت پرمیشر کا کلام ہے جو ہندوؤں کے باپ ۳۷۷

بقیہ حاشیہ نمبر 11

سو یہ عاجز ان سب صاحبوں کی خدمت میں بادب تمام عرض کرتا ہے کہ اگر اب تک تاثیراتِ قرآنی سے انکار ہے اور اپنے جہل قدیم پر اصرار ہے تو اب نہایت نیک موقعہ ہے کہ یہ احقر خادمین اپنے ذاتی تجارب سے ہر یک منکر کی پوری پوری اطمینان کر سکتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ طالب حق بن کر اس احقر کی طرف رجوع کریں اور جو جو خواص کلام الٰہی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کو بچشم خود دیکھ لیں اور تاریکی اور ظلمت میں سے نکل کر نور حقیقی میں داخل ہو جائیں۔ اب تک تو یہ عاجز زندہ ہے مگر وجودِ خاکی کی کیا بنیاد اور جسم فانی کا کیا اعتماد۔ پس مناسب ہے کہ اس عام اعلان کو سنتے ہی احقاق حق اور ابطال باطل کی طرف توجہ کریں۔ تا اگر دعویٰ اس احقر کا بہ پایۂ ثبوت نہ پہنچ سکے تو منکر اور روگردان رہنے کے لئے ایک وجہ موجہ پیدا ہو جائے۔ لیکن اگر اس عاجز کے قول کی صداقت جیسا کہ چاہیے بہ پایۂ ثبوت پہنچ جائے تو خدا سے ڈر کر اپنے باطل خیالات سے باز آئیں اور طریقۂ حقہ اسلام پر قدم جماویں تا اس جہان میں ذلت اور رسوائی سے اور دوسرے جہان میں
۵۳۰ عذاب اور عقوبت سے نجات پاویں۔ سو دیکھو اے بھائیو! اے عزیزو! اے فلاسفر! و اے پنڈتو! اے پادریو! اے آریو! اے نیچریو! اے براہم دھرم والو! کہ میں اس وقت صاف صاف اور اعلانیہ کہہ رہا ہوں کہ اگر کسی کو شک ہو اور خاصۂ مذکورۂ بالا کے ماننے میں کچھ تامل ہو تو وہ بلا توقف اس عاجز کی طرف رجوع کریں اور صبوری اور صدق دلی سے کچھ عرصہ تک صحبت میں رہ کر بیاناتِ مذکورۂ بالا کی حقیقت کو بچشم خود دیکھ لے ایسا نہ ہو کہ اس ناچیز کے گذرنے کے بعد کوئی نامنصف کہے کہ کب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تجھ پر راضی ہوگا۔ پس بہشت میں داخل ہو۔ انشاء اللہ امن کے ساتھ تم پر سلام تم شرک سے پاک ہو گئے۔ سوتم امن کے ساتھ بہشت میں داخل ہو تجھ پر سلام تو مبارک کیا گیا۔ خدا نے دعا سن لی وہ دعاؤں کو سنتا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں مبارک ہے۔ یہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ پہلے اس سے چند مرتبہ الہامی طور پر خدائے تعالیٰ نے اس عاجز کی زبان پر یہ دعا جاری کی تھی کہ رب اجعلنی مبارکًا حیث ماکنت۔ یعنی اے میرے رب مجھے ایسا مبارک کر کہ ہر جگہ میں بود و باش کروں برکت میرے ساتھ رہے۔ پھر خدا نے اپنے لطف و احسان سے وہی دعا کہ جو آپ ہی فرمائی تھی قبول فرمائی۔ اور یہ عجیب بندہ نوازی ہے کہ اول آپ ہی الہامی طور پر زبان پر سوال جاری کرنا اور پھر یہ کہنا کہ یہ تیرا سوال منظور کیا گیا ہے اور اس برکت کے بارہ میں ۱۸۶۸ء یا ۱۸۶۹ء میں بھی ایک عجیب الہام اردو میں ہوا تھا جس کو اسی جگہ لکھنا مناسب ہے اور تقریب اس الہام کی یہ پیش آئی تھی کہ مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی کہ جو کسی زمانہ میں اس عاجز کے ہم مکتب بھی تھے جب نئے نئے مولوی ہو کر بٹالہ میں آئے اور بٹالیوں کو ان کے خیالات گراں گذرے تو تب ایک شخص نے مولوی صاحب ممدوح سے کسی اختلافی مسئلہ میں بحث کرنے کے لئے اس ناچیز کو بہت مجبور کیا۔ چنانچہ اس کے کہنے کہانے سے یہ عاجز شام کے وقت اس شخص کے ہمراہ مولوی صاحب ممدوح کے مکان پر گیا اور مولوی صاحب کو معہ ان کے والد صاحب کے مسجد میں پایا۔ پھر خلاصہ یہ کہ اس احقر نے مولوی صاحب موصوف کی اس وقت کی تقریر کو سن کر معلوم کر لیا کہ ان کی تقریر میں کوئی ایسی زیادتی نہیں کہ جو قابل اعتراض ہو اس لئے خاص اللہ کے لئے بحث کو ترک کیا گیا۔ رات کو خداوند کریم
۵۲۱ نے اپنے الہام اور مخاطبت میں اسے ترک بحث کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دے گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ پھر بعد اس کے عالم کشف میں وہ

دادوں پر نازل ہوا ہے اور دوسری زبانیں دوسرے لوگوں کے باپ دادوں نے بوجہ اس کے کہ وہ

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مجھ کو کھول کر کہا گیا کہ تا میں اس جستجو میں پڑتا۔ کب کسی نے اپنی ذمہ داری سے دعویٰ کیا تا میں ایسے دعویٰ کا ثبوت اس سے مانگتا۔ سوائے بھائیو! اے حق کے طالبو! ادھر دیکھو کہ یہ عاجز کھول کر کہتا ہے اور اپنے خدا پر توکل کر کے جس کے انوار دن رات دیکھ رہا ہے اس بات کا ذمہ وار بنتا ہے کہ اگر تم دلی صدق اور صفائی سے حق کے جویاں اور خواہاں ہو کر صبر اور ارادت سے کچھ مدت تک اس احقر کی صحبت میں زندگی بسر کرو گے تو یہ بات تم پر بدیہی طور پر کھل جائے گی کہ فی الحقیقت وہ خواص روحانی جن کا اس جگہ ذکر کیا گیا ہے سورۂ فاتحہ اور قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں سو کیا مبارک وہ شخص ہے کہ جو اپنے دل ۵۳۱
کو تعصب اور عناد سے خالی کر کے اور اسلام کے قبول کرنے پر مستعد ہو کر اس مطلب کے حصول کے لئے بصدق وارادت توجہ کرے اور کیا بدقسمت وہ آدمی ہے کہ اس قدر واشگاف باتیں سنکر پھر بھی نظر اٹھا کر نہ دیکھے اور دیدہ ودانستہ خدائے تعالیٰ کی لعنت اور غضب کا مورد بن جاوے۔ مرگ نہایت نزدیک ہے اور بازی اجل سر پر ہے۔ اگر جلد تر خدا سے ڈر کر اس عاجز کی باتوں کی طرف نظر نہیں کرو گے اور اپنی تسلی اور تشفی حاصل کرنے کے لئے صدق اور ارادت سے قدم نہیں اٹھاؤ گے تو میں ڈرتا ہوں کہ آپ لوگوں کا ایسا ہی انجام نہ ہو جیسا پنڈت دیانند آریوں کے سرگروہ کا انجام ہوا۔ کیونکہ اس احقر نے ان کو ان کی وفات سے ایک مدت پہلے راہ راست کی طرف دعوت کی اور آخرت کی رسوائی یاد دلائی اور ان کے مذہب اور اعتقاد کا سراسر باطل ہونا براہین قطعیہ سے ان پر ظاہر کیا اور نہایت عمدہ اور کامل دلائل سے باادب تمام ان پر ثابت کر دیا کہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

بادشاہ دکھلائے گئے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔ چونکہ خالصاً خدا اور اس کے رسول کے لئے انکسار اور تذلل اختیار کیا گیا اس لئے اس محسن مطلق نے نہ چاہا کہ اس کو بغیر اجر کے چھوڑے۔ فتدبروا وتفکروا۔

پھر بعد اس کے فرمایا کہ لوگوں کی بیماریاں اور خدا کی برکتیں یعنی مبارک کرنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس سے لوگوں کی روحانی بیماریاں دور ہوں گی۔ اور جن کے نفس سعید ہیں وہ تیری باتوں کے ذریعہ سے رشد اور ہدایت پا جائیں گے اور ایسا ہی جسمانی بیماریاں اور تکالیف جن میں تقدیر مبرم نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ تیرا رب بڑا ہی قادر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا کی نعمت کو یاد رکھ اور میں نے تجھ کو تیرے وقت کے تمام عالموں پر فضیلت دی۔ اس جگہ جاننا چاہیے کہ یہ تفضیل طفیلی اور جزوی ہے یعنی جو شخص حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل طور پر متابعت کرتا ہے اس کا مرتبہ خدا کے نزدیک اس کے تمام ہمعصروں سے برتر واعلیٰ ہے۔ پس حقیقی اور کلی طور پر تمام فضیلتیں حضرت خاتم الانبیاء کو جناب احدیت کی طرف سے ثابت ہیں اور دوسرے تمام لوگ اس کی متابعت اور اس کی محبت کی طفیل سے علیٰ قدر متابعت ومحبت مراتب پاتے ہیں۔ فما اعظم شان کما له اللهم صل علیه وآله۔ اب بعد اس کے بقیہ ترجمہ الہام یہ ہے۔ اے نفس بحق آرام یافتہ اپنے رب کی طرف واپس چلا آ۔ وہ تجھ پر راضی اور تو اس پر راضی۔ پھر میرے بندوں میں داخل ہو اور میری بہشت میں اندر آجا۔ خدا نے تجھ پر احسان کیا اور تیرے دوستوں سے نیکی کی اور تجھ کو وہ علم بخشا جس کو تو خود بخود نہیں جان سکتا تھا۔ اور اگر تو خدا کی نعمتوں کو گننا چاہے تو یہ تیرے لئے غیر ممکن ہے۔ پھر ان الہامات کے بعد چند الہام فارسی اور اردو میں اور ایک انگریزی میں ہوا۔ وہ بھی بغرض افادۂ طالبین لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہے بخرام کہ وقت تو نزدیک ۵۲۲
رسید و پائے محمدیاں برمنار بلندتر محکم افتاد۔ پاک محمد مصطفی نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام

ہندوؤں کے باپ دادوں سے زیادہ زیرک اور دانا تھے، آپ بنالی ہیں۔مگر کیا ہم یہ بھی فرض کر سکتے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

٥٣٢ دہریوں کے بعد تمام دنیا میں آریوں سے بدتر اور کوئی مذہب نہیں کیونکہ یہ لوگ خدائے تعالیٰ کی سخت درجہ پر تحقیر کرتے ہیں
کہ اس کو خالق اور رب العالمین نہیں سمجھتے اور تمام عالم کو یہاں تک کہ دنیا کے ذرہ ذرہ کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں اور
صفت قدامت اور ہستی حقیقی میں اس کے برابر سمجھتے ہیں۔اگر ان کو کہو کہ کیا تمہارا پرمیشر کوئی روح پیدا کرسکتا ہے یا کوئی ذرہ
جسم کا وجود میں لاسکتا ہے یا ایسا ہی کوئی اور زمین وآسمان بھی بنا سکتا ہے یا کسی اپنے عاشق صادق کو نجات ابدی دے سکتا
ہے اور بار بار کتّا بلا بننے سے بچا سکتا ہے یا اپنے کسی محب خالص کی توبہ قبول کرسکتا ہے تو ان سب باتوں کا یہی جواب ہے کہ
ہرگز نہیں۔اس کو یہ قدرت ہی نہیں کہ ایک ذرہ اپنی طرف سے پیدا کر سکے اور نہ اس میں یہ رحیمیت ہے کہ کسی اوتار یا کسی
رکھی یا منی کو یا کسی ایسے کو بھی کہ جس پر وید اترا ہو ہمیشہ کے لئے نجات دے اور پھر اس کا مرتبہ ملحوظ رکھ کر مکتی خانہ سے باہر
٥٣٣ دفعہ نہ کرے اور اپنے اس پیارے کو جس کے دل میں پرمیشر کی پریت اور محبت رچ گئی ہے بار بار کتا بلا بننے سے بچاوے۔
مگر افسوس کہ پنڈت صاحب نے اس نہایت ذلیل اعتقاد سے دست کشی اختیار نہ کی اور اپنے تمام بزرگوں اور اوتاروں
وغیرہ کی اہانت اور ذلت جائز رکھی مگر اس ناپاک اعتقاد کو نہ چھوڑا۔اور مرتے دم تک یہی ان کا ظن رہا کہ گو کیسا ہی اوتار ہو
رام چندر ہو یا کرشن ہو یا خود وہی ہو جس پر وید اترا ہے پرمیشور کو ہرگز منظور ہی نہیں کہ اس پر دائمی فضل کرے۔بلکہ وہ اوتار
بنا کر پھر بھی انہیں کو کیڑے مکوڑے ہی بناتا رہے گا۔وہ کچھ ایسا سخت دل ہے کہ عشق اور محبت کا اس کو ذرا پاس نہیں۔اور ایسا

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

درست کردے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔رب الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔اس
نشان کا مدعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔جناب الٰہی کے
احسانات کا دروازہ کھلا ہے اور اس کی پاک رحمتیں اس طرف متوجہ ہیں دی۔ڈیز شل کم وہن
گاڈ شیل ہیلپ یو۔گلوری بی ٹو دس لارڈ۔گوڈ میکر آف ارتھ اینڈ ہیون۔وہ دن آتے ہیں کہ خدا تمہاری مدد
کرے گا۔خدائے ذوالجلال آفرینندۂ زمین وآسمان۔ان الہامات کے بعد ایک ایسی پیشگوئی چند آریوں کے روبرو جو
پنڈت دیانند کے توابع ہیں پوری ہوئی کہ جس کی کیفیت پر مطلع ہونا ناظرین کے لئے خالی فائدہ سے نہیں۔سو اگرچہ اس
کے لکھنے سے کسی قدر طول ہی ہو لیکن بہ نظر خیر خواہی ان لوگوں کے جو عظمت اسلام سے بے خبر ہیں لکھی جاتی ہے اور اس
پیشگوئی کے پورے ہونے سے پہلے ایک عجیب طور کی مشکلات اور مکروہات پیش آئے۔آخر خداوند کریم نے ان سب
مشکلات کو دور کر کے بتاریخ دہم ستمبر ۱۸۸۳ء روز دوشنبہ اس پیشگوئی کو پورا کیا۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ بتاریخ ۶ ستمبر
٥٢٣ ۱۸۸۳ء روز پنجشنبہ خداوند کریم نے عین ضرورت کے وقت میں اس عاجز کی تسلی کے لئے اپنے کلام مبارک کے ذریعہ سے
یہ بشارت دی کہ بست و یک روپیہ آنے والے ہیں۔چونکہ اس بشارت میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ آنے والے روپیہ کی
تعداد سے اطلاع دی گئی اور کسی خاص تعداد سے مطلع کرنا ذات غیب دان کا خاصہ ہے کسی اور کا کام نہیں ہے۔دوسری عجیب
بر عجیب یہ بات تھی کہ یہ تعداد غیر معہود طرز پر تھی کیونکہ قیمت مقررہ کتاب سے اس تعداد کو کچھ تعلق نہیں۔پس انہیں عجائبات
کی وجہ سے یہ الہام قبل از وقوع بعض آریوں کو بتلایا گیا۔پھر ۱۰ ستمبر ۱۸۸۳ء کو تاکیدی طور پر سہ بارہ الہام ہوا کہ بست
و یک روپیہ آئے ہیں۔جس الہام سے سمجھا گیا کہ آج اس پیشگوئی کا ظہور ہو جائے گا۔چنانچہ ابھی الہام پر شاید تین منٹ

ہیں کہ وہ لوگ ہندوؤں کے پرمیشر سے بھی کچھ بڑھ کر تھے جن کی قدرت کاملہ نے صدہا عمدہ زبانیں ۳۷۸

بقیہ حاشیہ نمبر 11

ضعیف ہے کہ اس میں خودبخود بنانے کی ذرہ طاقت نہیں۔ یہ پنڈت صاحب کا خوش عقیدہ تھا جس کو پُرزور دلائل سے رد
کر کے پنڈت صاحب پر یہ ثابت کیا گیا تھا کہ خدائے تعالیٰ ہرگز ادھورا اور ناقص نہیں بلکہ مبدء ہے تمام فیضوں کا اور جامع
ہے تمام خوبیوں کا اور مستجمع ہے جمیع صفات کاملہ کا اور واحد لاشریک ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور معبودیت میں اور ۵۳۴
پھر اس کے بعد دو دفعہ بذریعہ خط رجسٹری شدہ حقیت دین اسلام سے بدلائل واضحہ ان کو متنبہ کیا گیا اور دوسرے خط میں یہ
بھی لکھا گیا کہ اسلام وہ دین ہے جو اپنی حقیت پر دوہرا ثبوت ہر وقت موجود رکھتا ہے۔ ایک معقولی دلائل جن سے اصول
حقہ اسلام کی دیوار روئیں کی طرح مضبوط اور مستحکم ثابت ہوتی ہیں۔ دوسری آسمانی آیات وربانی تائیدات اور غیبی
مکاشفات اور رحمانی الہامات ومخاطبات اور دیگر خوارق عادات جو اسلام کے کامل متبعین سے ظہور میں آتے ہیں جن سے
حقیقی نجات ایسے جہان میں سچے ایماندار کو ملتی ہے۔ یہ دونوں قسم کے ثبوت اسلام کے غیر میں ہرگز نہیں پائے جاتے اور نہ
ان کو طاقت ہے کہ اس کے مقابلہ پر کچھ دم مار سکیں۔ لیکن اسلام میں وجود اس کا متحقق ہے۔ سو اگر ان دونوں قسم کے ثبوت
میں سے کسی قسم کے ثبوت میں شک ہو تو اسی جگہ قادیان میں آ کر اپنی تسلی کر لینی چاہیے۔ اور یہ بھی پنڈت صاحب کو لکھا گیا ۵۳۵
کہ معمولی خرچ آپ کی آمد و رفت کا اور نیز واجبی خرچ خوراک کا ہمارے ذمہ رہے گا اور وہ خط ان کے بعض آریوں کو بھی
دکھلایا گیا۔ اور دونوں رجسٹریوں کی ان کی دستخطی رسید بھی آ گئی پر انہوں نے حب دنیا اور ناموس دنیوی کے باعث سے اس

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہوگا کہ ایک شخص وزیر سنگھ نامی بیمار دار آیا اور اس نے آتے ہی ایک روپیہ نذر کیا۔ ہرچند علاج
معالجہ اس عاجز کا پیشہ نہیں۔ اور اگر اتفاقاً کوئی بیمار آ جاوے تو اگر اس کی دوا یاد ہو تو محض ثواب کی غرض سے للہ فی اللہ دی
جاتی ہے۔ لیکن وہ روپیہ اس سے لیا گیا۔ کیونکہ فی الفور خیال آیا کہ یہ اس پیشگوئی کی ایک جز ہے۔ پھر بعد اس کے ڈاکخانہ
میں ایک اپنا معتبر بھیجا گیا اس خیال سے کہ شاید دوسری جز بذریعہ ڈاکخانہ پوری ہو۔ ڈاکخانہ سے ڈاک منشی نے جو ایک ہندو
ہے جواب میں یہ کہا کہ میرے پاس صرف ایک منی آرڈر پانچ روپیہ کا جس کے ساتھ ایک کارڈ بھی نتھی ہے ڈیرہ غازیخان
سے آیا ہے سو ابھی تک میرے پاس روپیہ موجود نہیں جب آئے گا تو دوں گا۔ اس خبر کے سننے سے سخت حیرانی ہوئی اور وہ
اضطراب پیش آیا جو بیان نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ عاجز اسی تردّد میں سر بزانو تھا اور اس تصور میں تھا کہ پانچ اور ایک مل کر چھ ۵۲۴
ہوئے اب اکیس کیونکر ہوں گے یا الٰہی یہ کیا ہوا۔ سو اسی استغراق میں تھا کہ یکدفعہ یہ الہام ہوا بست و یک آئے ہیں اس
میں شک نہیں۔ اس الہام پر دو پہر نہیں گذرے ہوں گے کہ اسی روز ایک آریہ کہ جو ڈاک منشی کے پہلے بیان کی خبر سن چکا تھا
ڈاکخانہ میں گیا اور اس کو ڈاک منشی نے کسی بات کی تقریب سے خبر دی کہ دراصل بست روپیہ آئے ہیں اور پہلے یوں ہی منہ
سے نکل گیا تھا جو میں نے پانچ روپیہ کہہ دیا۔ چنانچہ وہی آریہ بیس روپیہ معہ ایک کارڈ کے جو منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ کی
طرف سے تھا لے آیا اور معلوم ہوا کہ وہ کارڈ بھی منی آرڈر کے کاغذ سے نتھی نہ تھا اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ روپیہ آیا ہوا تھا۔
اور نیز منشی الٰہی بخش صاحب کی تحریر سے جو بحوالہ ڈاکخانہ کے رسید کی تھی یہ بھی معلوم ہوا کہ منی آرڈر ۶ ستمبر ۱۸۸۳ء کو یعنی
اسی روز جب الہام ہوا قادیان میں پہنچ گیا تھا۔ پس ڈاک منشی کا سارا املاء انشاء غلط نکلا اور حضرت عالم الغیب کا سارا بیان
صحیح ثابت ہوا۔ پس اس مبارک دن کی یادداشت کے لئے ایک روپیہ کی شیرینی لے کر بعض آریوں کو بھی دی گئی۔

بنا کر دکھلا دیں اور پرمیشر صرف ایک ہی بولی بنا کر رہ گیا۔ جن لوگوں کی تار و پود میں شرک گھسا ہوا ہے

بقیہ حاشیہ نمبر 11

طرف ذرا بھی توجہ نہ کی یہاں تک کہ جس دنیا سے انہوں نے پیار کیا اور ربط بڑھایا تھا آخر بصد حسرت اس کو چھوڑ کر اور تمام درہم و دینار سے بمجبوری جدا ہو کر اس دار الفنا سے کوچ کر گئے اور بہت سے غفلت اور ظلمت اور ضلالت اور کفر کے پہاڑ اپنے سر پر لے گئے اور ان کے سفر آخرت کی خبر بھی کہ جو اُن کو ت ۳۰/ اکتوبر ۱۸۸۳ء میں پیش آیا تخمیناً تین ماہ پہلے خداوند کریم نے اس عاجز کو دے دی تھی ۔ چنانچہ یہ خبر بعض آریہ کو بتلائی بھی گئی تھی ۔ خیر یہ سفر تو ہر ایک کو درپیش ہی ہے اور کوئی آگے اور کوئی پیچھے اس مسافر خانہ کو چھوڑنے والا ہے ۔ مگر یہ افسوس ایک بڑا افسوس ہے کہ پنڈت صاحب کو خدا نے ایسا موقع ہدایتؔ پانے کا دیا کہ اس عاجز کو ان کے زمانہ میں پیدا کیا ۔ مگر وہ باوصف ہر طور کے اعلام کی ہدایت پانے سے بے ٥٣٦
نصیب گئے ۔ روشنی کی طرف ان کو بلایا گیا مگر انہوں نے کم بخت دنیا کی محبت سے اس روشنی کو قبول نہ کیا اور سر سے پاؤں تک تاریکی میں پھنسے رہے ۔ ایک بندۂ خدا نے بارہا ان کو ان کی بھلائی کے لئے اپنی طرف بلایا مگر انہوں نے اس طرف قدم بھی نہ اٹھایا اور یونہی عمر کو بیجا تعصبوں اور نخوتوں میں ضائع کر کے حباب کی طرح ناپدید ہو گئے ۔ حالانکہ اس عاجز کے دس ہزار روپیہ کے اشتہار کا اول نشانہ وہی تھے اور اسی وجہ سے ایک مرتبہ رسالہ برادر ہند میں بھی ان کے لئے اعلان چھپوایا گیا تھا مگر ان کی طرف سے کبھی صدا نہ اٹھی یہاں تک کہ خاک میں یا راکھ میں جا ملے ۔
سواےؔ بھائیو! انہیں پنڈت صاحب کے حال سے نصیحت پکڑو اور اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو ۔ سچی نجات کو ڈھونڈو تا اسی جہان ٥٣٧

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

فالحمد للہ علی الآئہ ونعمائہ ظاھرھا وباطنھا ۔

اے خدا اے چارۂ آزار ما   اے علاجِ گریہ ہائے زارِ ما
اے تو مرہم بخشِ جانِ ریش ما   اے تو دلدارِ دلِ غم کیشِ ما
از کرم برداشتی ہر بارِ ما   واز تو ہر بار وبرِ اشجارِ ما
حافظ وستاری از جود وکرم   بیکساں را یاری از لطفِ اتم
بندۂؔ درماندہ باشد دل طپاں   ناگہاں درماں براری از میاں ٥٢٥
عاجزے را ظلمتے گیرو براہ   ناگہاں آری برو صد مہر و ماہ
حسن وخلقِ دلبری بر تو تمام   صحبتے بعد از لقائے تو حرام
آں خرد مندے کہ او دیوانہ ات   شمع بزم است آنکہ او پروانہ ات
ہر کہ عشقت در دل وجانش فتد   ناگہاں جانے در ایمانش فتد
عشق تو گردد عیاں بر روئے او   بوئے تو آید زبام وکوئے او
صد ہزاراں نعمتش بخشی زجود   مہر ومہ را پیشش آری در سجود
خود نشینی از پئے تائید او   روئے تو یاد او فتد از دید او
بس نمایاں کارہا کاندر جہاں   می نمائی بہر اکرامش عیاں
خود کنی وخود کنانی کار را   خود دہی رونق تو آں بازار را

انہوں نے اپنے پرمیشر کو بہت سی باتوں میں ایک برابر درجہ کا شخص سمجھ رکھا ہے۔ کیوںؔ نہ ہو، انادی جو ۳۷۹

بقیہ حاشیہ نمبر 11

میں اس کی برکتیں پاؤ۔ سچی اور حقیقی نجات وہی ہے جس کی اس جہان میں برکتیں ظاہر ہوتی ہیں اور قادر قوی کا وہی پاک کلام ہے کہ جو اسی جگہ طالبوں پر آسمانی راہ کھولتا ہے، سو اپنے آپ کو دھوکا مت دو اور جس دین کی حقیت اسی دنیا میں نظر آ رہی ہے اس پاک دین سے روگردان ہو کر اپنے دل پر تاریکی کا دھبہ مت لگاؤ۔ ہاں اگر مقابلہ اور معارضہ کرنے کی طاقت ہے تو اسی سورۂ فاتحہ کے کمالات کے مساوی کوئی دوسرا کلام پیش کرو اور جو کچھ سورۂ فاتحہ کے خواص روحانی کی بابت اس عاجز نے
لکھا ہے وہ کوئی سماعی بات نہیں ہے بلکہ یہؔ عاجز اپنے ذاتی تجربہ سے بیان کرتا ہے کہ فی الحقیقت سورۂ فاتحہ مظہر انوار الٰہی ۵۳۸
ہے۔ اس قدر عجائبات اس سورۃ کے پڑھنے کے وقت دیکھے گئے ہیں کہ جن سے خدا کے پاک کلام کا قدر و منزلت معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی برکت سے اور اس کے تلاوت کے التزام سے کشف مغیبات اس درجہ تک پہنچ گیا کہ صدہا اخبار غیبیہ قبل از وقوع منکشف ہوئیں اور ہر یک مشکل کے وقت اس کے پڑھنے کی حالت میں عجیب طور پر رفع حجاب کیا گیا اور قریب تین ہزار کے کشف صحیح اور رؤیا صادقہ یاد ہے کہ جواب تک اس عاجز سے ظہور میں آ چکے اور صبح صادق کے کھلنے کی
طرح پوری بھی ہو چکی ہیں۔ اور دو سو جگہ سے زیادہ قبولیت دعا کے آثار نمایاں ایسےؔ نازک موقعوں پر دیکھے گئے جن میں ۵۳۹
بظاہر کوئی صورت مشکل کشائی کی نظر نہیں آتی تھی۔ اور اسی طرح کشف قبور اور دوسرے انواع اقسام کے عجائبات اسی سورہ
کے التزام ورد سے ایسےؔ ظہور پکڑتے گئے کہ اگر ایک ادنیٰ پرتو ان کا کسی پادری یا پنڈت کے دل پر پڑ جائے تو یک دفعہ ۵۴۰

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

خاک را در یکدمے چیزے کنی　کز ظہورش خلق گیرد روشنی
برکسے چوں مہربانی میکنی　از زمینی آسمانی میکنی
صد شعاعش می دہی چوں آفتاب　تانہ نماند طالب دیں درحجاب
تاز تاریکی بر آید عالمے　تا نشاں یابند از کویت ہمے
زیں نشانہا بدرگان کو روکر اند　صد نشاں بینند وغافل بگذرند
عشق ظلمت دشمنی باآفتاب　شب پران سرمدی جان در حجاب
آں شہ عالم کہ نامش مصطفی　سید عشاق حق شمس الضحیٰ
آنکہ ہر نورے طفیلِ نور اوست　آنکہ منظورِ خدا منظور اوست
آنکہ بہر زندگی آبِ رواں　در معارف ہمچو بحرِ بیکراں
آنکہ بر صدق وکمالش در جہاں　صد دلیل وجحت روشن عیاں
آنکہ انوارِ خدا بر روئے او　مظہر کار خدائے کوئے او
آنکہ جملہ انبیاء و راستاں　خادمانش ہمچو خاک آستاں
آنکہ مہرش میر ساند تا سما　میکند چوں ماہِ تاباں در صفا
میدہد فرعونیاں را ہر زماں　چوں ید بیضائے موسیٰ صد نشاں
آںؔ نبی در چشم ایں کورانِ زار　ہست یک شہوت پرست وکیں شعار ۵۲۶

ہوئے، خدا کے شریک جو ٹھہرے۔ اور اگر کسی کے دل میں یہ وہم پیدا ہو کہ خدا نے ایک بولی پر

بقیہ حاشیہ نمبر 11

حب دنیا سے قطع تعلق کر کے اسلام کے قبول کرنے کے لئے مرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اسی طرح بذریعہ الہاماتِ صادقہ کے جو پیشگوئیاں اس عاجز پر ظاہر ہوتی رہی ہیں جن میں سے بعض پیشگوئیاں مخالفوں کے سامنے پوری ہو گئی ہیں اور پوری ہوتی جاتی ہیں اس قدر ہیں کہ اس عاجز کے خیال میں دو انجیلوں کی ضخامت سے کم نہیں۔ اور یہ عاجز بطفیل متابعت حضرت رسول کریم مخاطباتِ حضرت احدیت میں اس قدر عنایات پاتا ہے کہ جس کا کچھ تھوڑا سا نمونہ حاشیہ در حاشیہ نمبر ۳ کے عربی ۵۴۱
الہامات وغیرہ میں لکھا گیا ہے۔ خداوند کریم نے اسی رسول مقبول کی متابعت اور محبت کی برکت سے اور اپنے پاک کلام کی پیروی کی تاثیر سے اس خاکسار کو اپنے مخاطبات سے خاص کیا ہے اور علوم لدنیہ سے سرفراز فرمایا ہے اور بہت سے اسرار مخفیہ سے اطلاع بخشی ہے اور بہت سے حقائق اور معارف سے اس ناچیز کے سینہ کو پُر کر دیا ہے اور بارہا بتلا دیا ہے کہ یہ سب عطیات اور عنایات اور یہ سب تفضلات اور احسانات اور یہ سب تلطفات اور توجہات اور یہ سب انعامات اور تائیدات اور یہ سب مکالمات اور مخاطبات بیمن متابعت و محبت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ۵۴۲

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد		وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

اب وہ واعظانِ انجیل اور پادریان گم کردہ سبیل کہاں اور کدھر ہیں کہ جو پرلے درجہ کی ہٹ دھرمی کو اختیار کر کے محض کینہ اور عناد اور شیطانی سیرت کی راہ سے عوام کالانعام کو یہ کہہ کر بہکاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی پیشگوئی ظہور میں نہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

شرمت آید اے سگ ناچیز وپست		می نہی نام یلاں شہوت پرست
ایں نشان شہوتی ہست اے لیئم		کز رخش رخشاں بود نورِ قدیم
در شبے پیدا شود روزش کند		در خزاں آید دل افروزش کند
مظہر انوارِ آں بیچوں بود		در خرد از ہر بشر افزوں بود
اتباعش آں دہد دل را کشاد		کش نہ بیند کس بصد سالہ جہاد
اتباعش دل فروزد جان دہد		جلوۂ از طاقتِ یزداں دہد
اتباعش سینہ نورانی کند		باخبر از یارِ پنہانی کند
منطق او از معارف پُر بود		ہر بیانِ او سراسر دُر بود
از کمالِ حکمت وتکمیل دین		پا نہد بر اوّلین و آخرین
وز کمالِ صورت و حسن اتم		جملہ خوبان را کند زیرِ قدم
تا بعش چوں انبیاء گردد ز نور		نورش افتد بر ہمہ نزدیک و دور
شیر حق پُر ہیبت از رب جلیل		دشمناں پیشش چو روباہِ ذلیل
ایں چنیں شیرے بود شہوت پرست		ہوش کن اے روبہے ناچیز وپست
چیستی اے کورکِ فطرت تباہ		طعنہ برخوباں بدیں روئے سیاہ
شہوتِ شاں از سرِ آزادی است		نے اسیرِ آں چو تو آں قومِ مست

کفایت کیوں نہ کی یہ وہم بھی قلت تدبر سے ناشی ہے۔ اگر کوئی دانا اقالیم مختلفہ کے اوضاع متفاوتہ اور

بقیہ حاشیہ نمبر 11

آئی۔ سو اب منصفانِ حق پسند خود سوچ سکتے ہیں کہ جس حالت میں حضرت خاتم الانبیاء کے ادنیٰ خادموں اور کمترین چاکروں سے ہزارہا پیشگوئیاں ظہور میں آتی ہیں اور خوارق عجیبہ ظاہر ہوتے ہیں تو پھر کسی قدر بے حیائی اور بے شرمی ہے کہ
۵۴۳ کوئی کور باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں سے انکار کرے اور پادریوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں کے بارہ میں اس وجہ سے فکر پڑی کہ توریت کتاب استثنا باب ہژدہم آیت بست و دوم میں سچے نبی کی یہ نشانی لکھی ہے کہ اس کی پیشگوئی پوری ہوجائے۔ سو جب پادریوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہزارہا خبریں قبل از وقوع بطور پیشگوئی فرمائی ہیں اور اکثر پیشگوئیوں سے قرآن شریف بھی بھرا ہوا ہے اور وہ سب پیشگوئیاں اپنے وقتوں پر پوری بھی ہوگئیں تو ان کے دل کو یہ دھڑکا شروع ہوا کہ ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالنے سے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہے اور یا یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ توریت میں یعنی کتاب استثناء ۱۸ باب ۲۱ و ۲۲ آیت میں سچے نبی کی نشانی لکھی ہے وہ نشانی صحیح نہیں ہے۔ سو اس پیچ میں آکر نہایت ہٹ دھرمی سے ان کو یہ کہنا پڑا کہ وہ پیشگوئیاں اصل میں فراستیں ہیں کہ اتفاقاً پوری ہوگئی ہیں لیکن چونکہ جس درخت کی بیخ مضبوط اور طاقتیں قائم ہیں وہ ہمیشہ پھل لاتا ہے۔ اس جہت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیاں اور دیگر
۵۴۴ خوارق صرف اسی زمانہ تک محدود نہیں تھے بلکہ اب بھی ان کا برابر سلسلہ جاری ہے۔ اگر کسی پادری وغیرہ کو شک و شبہ ہو تو اس پر لازم و فرض ہے کہ وہ صدق اور ارادت سے اس طرف توجہ کرے پھر دیکھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئیاں کس قدر اب

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

خودنگہ کن آں یکے زندانی است　　وآں دگر داروغۂ سلطانی است
گرچہ در یکجاست ہر دو را قرار　　لیک فرقے ہست دوری آشکار
کار پاکاں بربداں کردن قیاس　　کار ناپاکاں بود اے بدحواس
کاملاں کز شوق و دلبر می روند　　با دوصد باری سبک تر می روند
ایں کمال آمد کہ بافرزند وزن　　از ہمہ فرزند وزن یکسو شدن
در جہاں وباز بیرون از جہاں　　بس ہمیں آمد نشانِ کاملاں
چوں ستوری زیر بار افتد بسر　　درتہی رفتن سریع وتیز تر
ایں چنیں اسپی کجا آید بکار　　نابکار ست ایں در اسپانش مدار
۵۴۷ اسپؔ آں اسپ است کو بارِ گراں　　می کشد ہم میردو بس خوش عناں
کاملی گر زن بدارد صد ہزار　　صد کنیزک صد ہزاراں کاروبار
پس گر افتد در حضور او فتور　　نیست آں کامل زقربت ہست دور
نیست آں کامل نہ مردے زندہ جاں　　گر خردمندی زمردانش مخواں
کامل آں باشد کہ با فرزند وزن　　باعیال وجملہ مشغولیٔ تن
باتجارت باہمہ بیع وشرا　　یک زماں غافل نگردد از خدا
ایں نشانِ قوت مردانہ است　　کاملاں را بس ہمیں پیمانہ است

طبائع متفرقہ پر نظر کرے تو بہ یقین کامل اس کو معلوم ہوگا کہ ایک ہی بولی ان سب کے مناسب حال

بقیہ حاشیہ نمبر 11

تک بارش کی طرح برس رہی ہیں۔ لیکن اس زمانہ کے متعصب پادری اگر خود کشی کا ارادہ کریں تو کریں مگر یہ امید ان پر بہت ہی کم ہے کہ وہ طالب صادق بن کر کمال ارادت اور صدق سے اس نشان کے جویاں ہوں۔ بہر حال دوسرے لوگوں پر یہ بات واضح رہے کہ جس حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اب بھی آفتاب کی طرح روشن ہیں اور دوسرے کسی نبی کی برکات کا نشان نہیں ملتا تو اس صورت میں لازم ہے کہ اگر ایسے متعصب اور دنیا پرست پادری کسی بازار یا کسی شہر یا گاؤں میں کسی کو برخلاف اس حق الامر کے بہکاتے نظر آویں تو یہی موقعہ اس کتاب کا ان کے سامنے کھول کر رکھ دیا جاوے۔ کیونکہ یہ کتاب دس ہزار روپیہ کے اشتہار پر تالیف کی گئی ہے اور اس سے معارضہ کرنے والا دس ہزار روپیہ پاسکتا ہے۔ پس شرم اور حیا سے نہایت بعید ہے کہ جو لوگ نبوتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہیں وہ پنڈت ہوں یا پادری، آریہ ہوں یا برہمو، وہ صرف زبان سے طریق فضول گوئی کا اختیار رکھیں اور جو دلائل قطعیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر ناطق ہو رہی ہیں ان کے جواب کا کچھ فکر نہ کریں۔ یہ عاجز خواہ نخواہ ان کو دین اسلام کے قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتا۔ لیکن اگر مقابلہ و معارضہ سے عاجز رہیں اور جو کچھ آسمانی نشان اور عقلی دلائل حقیت اسلام پر دلالت کر رہے ہیں ان کی نظیر اپنے مذہب میں پیش نہ کر سکیں تو پھر یہی لازم ہے کہ جھوٹ کو چھوڑ کر سچے مذہب کو قبول کر لیں۔ ۵۴۵

اب پھر اپنی اصل تقریر کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ جس قدر میں نے اب تک لطائف و معارف و خواص سورۃ فاتحہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

سوختہ جانے ز عشقِ دلبرے	کے فراموشش کند بادیگرے
او نظر دارد بغیر ودل بہ یار	دست درکار وخیال اندر نگار
دل طپاں در فرقتِ محبوب خویش	سینہ از ہجراں یارے ریش ریش
اوفتادہ دور از روئے کسے	دل دواں ہر لحظہ در کوئے کسے
خم شدہ از غم چو ابروئے کسے	ہر زماں پیچاں چو گیسوئے کسے
دلبرش در شد بجان و مغز و پوست	راحت جانش بیاد روئے اوست
جان شد او کے جان فراموشش شود	ہر زماں آید ہم آغوشش شود
دیدہ چوں بر دلبر مست او فتد	ہرچہ غیر اوست از دست او فتد
غیر گو در بربود دور است دور	یار دور افتادہ ہردم در حضور
کاروبارِ عاشقاں کارِ جدا ست	برتر از فکر وقیاساتِ شماست
قوم عیار ست دل در دلبری	چشم ظاہر بین بدیوار ودری
جان فروشان ازپئے مہ پیکرے	برزباں صد قصہا از دیگرے
فانیاں را مانعے از یار نیست	بچہ وزن برسرِ شان بار نیست
با دو صد زنجیر ہردم پیش یار	خار با او گل گل اندر ہجر خار
تو بیک خاری براری صد فغاں	عاشقاں خنداں بپائے جان فشاں

نہیں تھی ۔بعض ملکوں کے لوگ بعض طور کے حروف اور الفاظ کے بولنے پر بہ آسانی قادر ہیں اور بعض ۳۸۰

بقیہ حاشیہ نمبر 11

لکھے ہیں وہ بدیہی طور پر بے مثل و مانند ہیں ۔مثلاً جو شخص ذرا منصف بن کر اول ان صداقتوں کے اعلیٰ مرتبہ پر غور کرے جو کہ سورۃ فاتحہ میں جمع ہیں اور پھر ان لطائف اور نکات پر نظر ڈالے جن پر سورۂ ممدوحہ مشتمل ہے اور پھر حسن بیان اور ایجاز کلام کو مشاہدہ کرے کہ کیسے معانی کثیرہ کو الفاظ قلیلہ میں بھرا ہوا ہے اور پھر عبارت کو دیکھے کہ کیسی آب و تاب رکھتی ہے اور کس قدر روانگی اور صفائی اور ملائمت اس میں پائی جاتی ہے کہ گویا ایک نہایت مصفّی اور شفاف پانی ہے کہ بہتا ہوا چلا جاتا ہے اور پھر اس کی روحانی تاثیروں کو دل میں سوچے کہ جو بطور خارق عادت دلوں کو ظلمات بشریت سے صاف کر کے مورد انوار حضرت الوہیت بناتی ہیں جن کو ہم اس کتاب کے ہر موقعہ پر ثابت کرتے چلے جاتے ہیں ④ تو اس پر قرآن شریف کی
شان بلند جس سے انسانی طاقتیں مقابلہ نہیں کر سکتیں ایسی وضاحت سے کھل سکتی ہے جس پر زیادت متصور نہیں ۔اور اگر ۵۴۶
باوجود مشاہدہ ان کمالات کے پھر بھی کسی کور باطن پر قدیم المثالی اس کلام مقدس کی مشتبہ رہے تو اس کا علاج قرآن شریف
نے آپ ہی ایسا کیا ہے جس سے کامل طور پر منکرین پر اپنی حجت کو پورا کر دیا ہے اور وہ یہ ہے: وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا ۵۴۷
نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ (البقرہ: ۲۳) فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا
النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۞ (البقرہ: ۲۴) یعنی اگر تمہیں اس کلام کے منجانب اللہ ہونے میں کچھ شک ہے تو ۵۴۸
تم اس کے کسی سورۃ کی مانند کوئی کلام بنا کر دکھاؤ ۔اور اگر تم بنا نہ سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز بنا نہ سکو گے، سو اس آگ سے ڈرو جو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عاشقان در عظمت مولیٰ فنا   غرقۂ دریائے توحید از وفا
کین و مہر شاں ہمہ بہر خداست   قہر شان گر ہست آں قہر خداست
آنکہ درعشق احد محو وفناست   ہرچہ زو آید ز ذاتِ کبریا ست ۵۲۸
فانی است وتیرِ او تیرِ حق است   صید او در اصل نخچیرِ حق است
آنچہ می باشد خدا را از صفات   خود دمد در فانیاں آں پاک ذات
خوئے حق گردو در ایشاں آشکار   از جمال واز جلال کردگار
لطفِ شاں لطف خدا ہم قہر شاں   قہر حق گردد نہ ہمچوں دیگراں
فانیاں ہستند از خود دور تر   چوں ملائک کارکن از داد گر
گرفشتہ قبض جانے میکند   یا کرم بر ناتوانے میکند
ایں ہمہ سختی ونرمی از خداست   او ز خواہشہائے نفس خود جداست

حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

یہ عاجز اس مقام تک لکھ چکا تھا کہ **شہاب الدین** نامی ایک شخص مؤحد ساکن تھہ غلام نبی نے آ کر بیان کیا کہ مولوی غلام ۵۴۴
علی صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحب امرتسری اور مولوی عبدالعزیز صاحب اور بعض دوسرے مولوی صاحبان اس قسم کے
الہام سے کہ جو رسولوں کے وحی سے مشابہ ہے باصرار تمام انکار کر رہے ہیں بلکہ ان میں سے بعض مولوی صاحبان مجانین ۵۴۵

ملکوں کے لوگوں کو ان حروف اور الفاظ کا بولنا ایک مصیبت ہے۔ پس کیونکر ممکن تھا کہ حکیم مطلق صرف

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۵۴۹ کافروں کے لئے طیار ہے۔ جس کا ایندھن کافر آدمی اور ان کے بت ہیں جو نار جہنم کو اپنے گناہوں اور شرارتوں سے
افروختہ کر رہے ہیں۔ یہ قول فیصل ہے کہ جو خدائے تعالیٰ نے منکرین اعجاز قرآنی کے ملزم کرنے کے لئے آپ فرما دیا ہے۔
اب اگر کوئی ملزم اور لاجواب رہ کر پھر بھی قرآن شریف کی بلاغت بے مثل سے منکر رہے اور بیہودہ گوئی اور ژاژ خائی سے باز
۵۵۰ نہ آوے تو ایسے بے حیا منقلب الفطرت کا اس دنیا میں علاج نہیں ہوسکتا اس کے لئے وہی علاج ہے جس کا خدا تعالیٰ نے
اپنے قول فیصل میں وعدہ فرمایا ہے۔ بعض شریر اور کینہ پرور آدمی جنہوں نے ضد وار نفسانیت پر مضبوطی سے قدم مار رکھا ہے
۵۵۱ اور جن کو تعصب کی تند اندھیری نے بالکل اندھا کر دیا ہے، وہ لوگوں کو یہ کہہ کر بہکاتے ہیں کہ جس قدر لطائف ونکات قرآن
کے مسلمان لوگ ذکر کرتے ہیں اور جس قدر خواص عجیبہ اس کے مسلمانوں کی کتابوں میں اندراج پائے ہیں یہ سب انہیں
کے فہم کی تیزی ہے اور انہیں کی طبیعتوں کے ایجادات ہیں، ورنہ دراصل قرآن لطائف ونکات وخواص عجیبہ سے خالی ہے۔
۵۵۲ مگر ایسے لوگ بجز اس کے کہ اپنا ہی حمق اور خبث ظاہر کریں انوار قرآنی پر پردہ ڈال نہیں سکتے۔ ان کے جواب میں یہی کہنا
کافی ہے کہ اگر مسلمانوں نے خود اپنی ہی زیرکی سے قرآن شریف میں انواع اقسام کے لطائف ونکات وخواص ایجاد
۵۵۳ کر لیے ہیں اور اصل میں موجود نہیں تو تم بھی ان کے مقابلہ پر کسی اپنی الہامی کتاب یا کسی دوسری کتاب سے اسی قدر
لطائف ونکات وخواص ایجاد کر کے دکھلاؤ۔ اور اگر تمام قرآن شریف کے مقابلہ پر نہیں تو صرف بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

ہمچنیں می دان مقام انبیاء　واصلان وفاصلاں از ماسواء
فانی اند و آلۂ ربانی اند　نور حق درجامۂ انسانی اند
سخت پنہاں در قبابِ حضرت اند　گم ز خود در رنگ و آبِ حضرت اند
اخترانِ آسمانِ زیب و فر　رفتہ از چشمِ خلائق دور تر
کس زقدر نور شاں آگاہ نیست　زانکہ ادنیٰ را باعلیٰ راہ نیست
کور کورانہ زند رائے دنی　چشم کورش بیخبر زاں روشنی
ہم چنیں تو اے عدو مصطفی　مے نمائی کورئ خود را بما
برقمر عوعو کنی از سگ رگے　نور مہ کمتر نہ گردد زیں سگے
مصطفی آئینہ روئے خداست　منعکس در وے ہماں خوئے خداست
گرند یدستی خدا او را بہ بیں　من رأنی قد رأی الحق ایں یقیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

کے خیالات سے اس کو منسوب کرتے ہیں۔ اور ان کو اس بارہ میں حجت یہ ہے کہ اگر یہ الہام حق اور صحیح ہے تو صحابہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے پانے کے لئے احق اور اولیٰ تھے حالانکہ ان کا پانا متحقق نہیں۔ اَب یہ احقر عباد عرض کرتا ہے کہ اگر یہ اعتراض جو شہاب الدین موحد نے مولوی صاحبوں کی طرف سے بیان کیا ہے حقیقت میں انہیں کے منہ سے نکلا ہے تو

ایک ہی بولی سے پیار کر کے قاعدہ وضع الشیٔ فی موضعہ کی رعایت نہ کرتا اور طبائع مختلفہ کے لئے جو

بقیہ حاشیہ نمبر 11

مقابلہ پر جس کے کمالات کسی قدر اسی حاشیہ میں بیان کیے گئے ہیں کسی اور کتاب سے نکال کر پیش کرو افسوس۔ کہاں سے یہ
مادرزاد اندھے پیدا ہو گئے کہ جو اس قدر روشنی کو دیکھ کر پھر بھی ان کی تاریکی دور نہیں ہوتی۔ ان کی باطنی بیماریوں کے مواد ۵۵۴
کس قدر ردّی اور متعفن ہو رہے ہیں جنہوں نے ان کے تمام حواس ظاہری و باطنی کو بیکار کر دیا ہے۔ ذرا نہیں سوچتے کہ
قرآن شریف وہ کتاب ہے جس نے اپنی عظمتوں اپنی حکمتوں اپنی صداقتوں اپنی بلاغتوں اپنے لطائف و نکات اپنے انوار
روحانی کا آپ دعویٰ کیا ہے اور اپنا بے نظیر ہونا آپ ظاہر فرما دیا ہے۔ یہ بات ہرگز نہیں کہ صرف مسلمانوں نے فقط اپنے ۵۵۵
خیال میں اس کی خوبیوں کو قرار دیدیا ہے بلکہ وہ تو خود اپنی خوبیوں اور اپنے کمالات کو بیان فرماتا ہے اور اپنا بے مثل و مانند
ہونا تمام مخلوقات کے مقابلہ پر پیش کر رہا ہے اور بلند آواز سے ھل من معارض کا نقارہ بجا رہا ہے اور دقائق حقائق اس ۵۵۶
کے صرف دو تین نہیں جس میں کوئی نادان شک بھی کرے۔ بلکہ اس کے دقائق تو بحر زخار کی طرح جوش مار رہے ہیں اور
آسمان کے ستاروں کی طرح جہاں نظر ڈالو چمکتے نظر آتے ہیں۔ کوئی صداقت نہیں جو اس سے باہر ہو۔ کوئی حکمت نہیں جو اس
کے محیط بیان سے رہ گئی ہو۔ کوئی نور نہیں جو اس کی متابعت سے نہ ملتا ہو۔ اور یہ باتیں بلاثبوت نہیں۔ کوئی ایسا امر نہیں جو ۵۵۷
صرف زبان سے کہا جاتا ہے بلکہ یہ وہ متحقق اور بدیہی الثبوت صداقت ہے کہ جو تیرہ سو برس سے برابر اپنی روشنی دکھلاتی چلی
آئی ہے اور ہم نے بھی اس صداقت کو اپنی اس تاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور دقائق اور معارف قرآنی کو اس قدر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

آنکہ آویزد بمستانِ خدا — خصمِ او گردد جنابِ کبریا
دست حق تائید ایں مستاں کند — چوں کسی بادستِ حق دستاں کند
منزلِ شاں برتر از صد آسماں — بس نہاں اندر نہاں اندر نہاں
پافشردہ در وفائے دلبرے — وز سرش برخاک افتادہ سرے
جانِ خود را سوختہ بہر نگار — زندہ گشتہ بعد مرگِ صد ہزار

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

بجواب اس کے ہریک طالب صادق کو اور نیز حضرات ممدوحہ کو یاد رکھنا چاہیے کہ عدم علم سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ کیا ممکن
نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس قسم کے الہامات پائے ہوں مگر مصلحت وقت سے عام طور پر ان کو شائع نہیں کیا۔ اور
خدائے تعالیٰ کو ہریک نئے زمانہ میں نئے نئے مصالح ہیں۔ پس نبوت کے عہد میں مصلحت ربانی کا یہی تقاضا تھا کہ جو غیر
نبی ہے اس کے الہامات نبی کے وحی کی طرح قلمبند نہ ہوں تا غیر نبی کا نبی کے کلام سے تداخل واقعہ نہ ہو جائے۔ لیکن اس
زمانہ کے بعد جس قدر اولیاء اور صاحب کمالاتِ باطنیہ گذرے ہیں ان سب کے الہامات مشہور و متعارف ہیں کہ جو ہر ایک
عصر میں قلمبند ہوتے چلے آئے ہیں اور اس کی تصدیق کے لئے شیخ عبد القادر جیلانی اور مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور ۵۴۶
دوسرے اولیاء اللہ کی کتابیں دیکھنی چاہئیں کہ کس کثرت سے ان کے الہامات پائے جاتے ہیں بلکہ امام ربانی صاحب
اپنے مکتوبات کی جلد ثانی میں جو مکتوب پنجاہ و یکم ہے اس میں صاف لکھتے ہیں کہ غیر نبی بھی مکالمات و مخاطبات حضرت

۳۸۱ مصلحت عامہ تھی، اس کو ترک کر دیتا۔ کیا مناسب تھا کہ وہ جدا جدا طبیعتوں کے لوگوں کو ایک ہی بولی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

۵۵۸ بیان کیا ہے کہ جو ایک طالب صادق کی تسلی اور تشفی کے لئے بحر عظیم کی طرح جوش مار رہے ہیں۔ اب یہ کیونکر ہو سکے کہ کوئی
شخص صرف منہ کی واہیات باتوں سے اس نور بزرگ کی کسر شان کرے۔ ہاں اگر کسی کے دل کو یہ وہم پکڑتا ہے کہ یہ تمام
۵۵۹ دقائق و معارف و لطائف و خواص کہ جو قرآن شریف میں ثابت کر کے دکھلائے گئے ہیں کسی دوسری کتاب سے بھی مستخرج
۵۶۰ ہو سکتے ہیں تو مناظرہ کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ شرائط مذکورہ بالا کی رعایت سے اس کتاب کے لطائف و معارف و خواص
پیش کرے اور جس طرح قرآن تمام عقائد باطلہ کی ردّ پر مشتمل ہے اور جس طرح وہ پاک کلام ہر یک عقیدہ صحیحہ کو دلائل
عقلیہ سے ثابت کرتا ہے۔ اور جس طرح ان صحف مقدسہ میں معارف و حقائق الٰہیہ مندرج ہیں اور جس طرح ان میں تنویر
۵۶۱ قلب کے متعلق خواص عجیبہ اور تاثیراتِ غریبہ پائے جاتے ہیں جن کو ہم نے اس کتاب میں ثابت کر دیا ہے وہ سب اپنی
۵۶۲ کتاب میں پیش کر کے دکھلاوے۔ اور جب تک ایسا نہ کرے تب تک کسی کے عوعو کرنے سے چاند کے نور میں کچھ فرق نہیں
آ سکتا۔ بلکہ ایسے شخص کی حالت نہایت افسوس کے لائق ہے کہ جواب تک بدیہی صداقت سے بدنصیب اور محروم رہنے کے
لئے دانستہ ضلالت کی راہوں میں قدم رکھتا ہے۔ ہمارے مخالفوں میں سے کئی صاحب مشہور و نامور ہیں اور جہاں تک ہم
خیال کرتے ہیں ان کے علم اور فہم کی نسبت ہمارا یہی یقین ہے کہ اگر انصاف پر آویں تو ان صداقتوں کو بدیہی طور پر سمجھ سکتے
ہیں۔ ہماری نیت میں ہرگز نفسانیت کا جھگڑا نہیں اور بجز اس کے کہ دنیا میں سچائی اور نیکی پھیلائی جائے اور کوئی غرض نہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

صاحب چشم اندر آنجا بے تمیز چشم کوراں خود نباشد ہیچ چیز
۵۲۹ روئے شاں آں آفتابے کاندراں چشم مرداں خیرہ ہم چوں شپرّاں
تو خودی زن رائے تو ہمچوں زناں ناقص ابن ناقص ابن ناقصاں
خوب گر نزد تو زِشت است وتباہ پس چہ خوانم نام تو اے روسیاہ
کوریت صد پردہ ہا بر تو فگند واں تعصبہائے تو بیخت بکند

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

احدیت سے مشرف ہو جاتا ہے اور ایسا شخص محدث کے نام سے موسوم ہے اور انبیاء کے مرتبہ سے اس کا مرتبہ قریب واقعہ
ہوتا ہے۔ ایسا ہی شیخ عبد القادر جیلانی صاحب نے فتوح الغیب کے کئی مقامات میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور اگر اولیاء اللہ
کے ملفوظات اور مکتوبات کا تجسس کیا جائے تو اس قسم کے بیانات ان کے کلمات میں بہت سے پائے جائیں گے اور امت
محمدیہ میں محدثیت کا منصب اس قدر بکثرت ثابت ہوتا ہے جس سے انکار کرنا بڑے غافل اور بے خبر کا کام ہے۔ اس امت
میں آج تک ہزارہا اولیاء اللہ صاحب کمال گذرے ہیں جن کی خوارق اور کرامات بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ثابت اور
متحقق ہو چکی ہیں اور جو شخص تفتیش کرے اس کو معلوم ہوگا کہ حضرت احدیت نے جیسا کہ اس امت کا خیر الامم نام رکھا ہے
ایسا ہی اس امت کے اکابر کو سب سے زیادہ کمالات بھی بخشے ہیں جو کسی طرح چھپ نہیں سکتے اور انکار کرنا ایک سخت درجہ
۵۴۷ کی حق پوشی ہے۔ اور نیز ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ الزام کہ صحابہ کرام سے ایسے الہامات ثابت نہیں ہوئے بالکل بے جا اور غلط

کے تنگ پنجرہ میں قید کر دیتا۔ علاوہ اس کے انواع و اقسام کی بولیوں کے بنانے میں خداوند تعالیٰ کی

بقیہ حاشیہ نمبر 11

لاویں۔ جس حالت میں ان کی فراخ دلی اور نیک طینتی ان کی قوم میں مسلم الثبوت ہے تو ہم کیونکر ناامید ہو سکتے ہیں یا کیونکر گمان کر سکتے ہیں کہ ان نیک منشی کا اس سے زیادہ وسیع ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے گو میں نے اب تک کسی صاحب مخالف کو منصفانہ قدم اٹھاتے نہیں پایا۔ لیکن تاہم ابھی تک رائے میری ایک محکم یقین پر قائم ہے اور بہت مضبوط امید سے میں خیال رکھتا ہوں کہ جب ہمارے منصف مزاج مخالفین نہایت غائر اور عمیق نظر سے اس طرف متوجہ ہوں گے تو خود ان کی اپنی نگاہیں ان کے وساوس دور کرنے کے لئے کافی ہوں گی۔ مجھے امید تھی کہ اس کتاب کے حصہ سوم کے شائع ہونے سے برہمو
سماج اور آریہ سماج کے دانشمند اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر صداقت حقہ کی طرف ایک پیاسا کی طرح دوڑیں گے۔ مگر افسوس کہ ٥٦٣
اب میں دیکھتا ہوں کہ میری فراست نے خطا کی اور مجھے اس بات کے سننے سے نہایت ہی دل شکنی ہوئی کہ برہمو صاحبوں اور آریوں نے میری کتاب کو غور سے نہیں پڑھا۔ بالخصوص مجھ کو پنڈت شیونرائن صاحب کے ریویو کے دیکھنے سے ایک عالم تعصب کا برہمو صاحبوں کی طبیعت میں نظر آیا (خدا رحم کرے)۔ افسوس کہ پنڈت صاحب نے ان حقانی صداقتوں سے کہ جو آفتاب کی طرح چمک رہی ہیں کچھ بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اس قدر قوی اور مضبوط دلائل کی روشنی سے پنڈت صاحب کی تعصب کی تاریکی کچھ بھی روبہ کمی نہ ہوئی۔ یہ امر یقیناً سخت حیرت کے لائق ہے کہ ایسے فہیم اور ذی علم لوگ ایسے کامل ثبوت کو دیکھ کر اس کے قبول کرنے میں دیر کریں۔ پنڈت صاحب نے اس انکار سے نہ صرف حدِ انصاف سے ہی تجاوز

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

اے بسا محبوبِ آں ربِ جلیل   پشت از کوری حقیر است وذلیل ٥٣٠
اے بسا کس خوردہ صد جام فنا   پیش ایں چشمت پُر از حرص وہوا
گر نماندے از وجود تو نشاں   نیک بودے زیں حیات چوں سگاں
زاغ گر زادی بجائت مادرت   نیک بود از فطرتِ بد گوہرت
زانکہ کذب وفسق وکفرت در سراست   وایں نجاست خواریت زاں بدتر است ٥٣١

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ کے رو سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے الہامات اور خوارق بکثرت ثابت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساریہ کے لشکر کی خطرناک حالت سے باعلام الٰہی مطلع ہو جانا جس کو بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے اگر الہام نہیں تھا تو اور کیا تھا۔ اور پھر ان کی یہ آواز کہ یا ساریة الجبل الجبل مدینہ میں بیٹھے ہوئے منہ سے نکلنا اور وہی آواز قدرت غیبی سے ساریہ اور اس کے لشکر کو دور دراز مسافت سے سنائی دینا اگر خارق عادت نہیں تھی تو اور کیا چیز تھی۔ اسی طرح جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بعض الہامات وکشوف مشہور ومعروف ہیں۔ ماسوا اس کے میں پوچھتا ہوں کہ کیا خدائے تعالیٰ کا قرآن شریف میں اس بارہ میں شہادت دینا تسلی بخش امر نہیں ہے۔ کیا اس نے صحابہ کرام کے حق میں نہیں فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۰) پھر جس حالت میں خدائے تعالیٰ اپنے نبی کریم کے اصحاب کو امم سابقہ سے جمیع کمالات میں بہتر و بزرگ تر ٹھہراتا ہے اور دوسری طرف بطور مشتے نمونہ از خروارے پہلی امتوں کے کاملین کا حال بیان

زیادت قدرت ثابت ہوتی ہے۔ اور عاجز بندوں کا مختلف زبانوں میں اس کی تعریف کرنا عبودیت کے بازار کی ایک رونق ہے۔

۳۸۲ تمہید چہارم:۔ خداوند تعالیٰ کے تمام مصنوعات پر نظر کرنے سے یہ اصول ثابت ہوتا ہے کہ عجائب اور غرائب اس نے اپنے مصنوعات میں رکھے ہیں وہ دو قسم کے ہیں ایک تو عام فہم ہیں۔ مثلاً سارے لوگ جانتے ہیں کہ انسان کی دو آنکھیں اور دو کان ایک ناک اور دو پاؤں وغیرہ اعضا ہیں۔

بقیہ حاشیہ نمبر 11

کیا ہے بلکہ حق پوشی کر کے اپنی قوم کی ہمدردی سے بلکہ خدا سے بھی فارغ ہو بیٹھے ہیں۔ اور مجھے اس بات کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ پنڈت صاحب کا انکار کس قدر ناانصافی سے بھرا ہوا ہے۔ یہ بات خود اس شخص پر کھل سکتی ہے کہ جو اول میری کتاب کو دیکھے کہ میں نے کیونکر ضرورت وحی اللہ اور نیز اس کی وجود کا ثبوت دیا ہے اور پھر پنڈت صاحب کی تحریر پر نظر ڈالے کہ انہوں نے میرے مقابلہ پر کیا لکھا ہے اور میرے دلائل کا کیا جواب دیا ہے۔ جو لوگ پنڈت صاحب کی قوم میں سے اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے ان کی روحوں پر ہرگز پنڈت صاحب پردہ ڈال نہیں سکتے۔ بشرطیکہ کوئی فطرتی پردہ نہ ہو۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تو ہلاکی اے شقئ سرمدی　زانکہ از جانِ جہاں سرکش شدی
اے در انکار وشکے از شاہِ دیں　خادمان و چاکرانش را ببین
کس ندیدہ از بزرگانت نشاں　نیست در دستِ تو بیش از داستاں
۵۳۲ لیک گر خواہی بیا بنگر زِما　صد نشانِ صدق شانِ مصطفیٰ
ہاں بیا اے دیدہ بستہ از حسد　تا شعاعش پردۂ تو بر درد

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

۵۴۸ کر کے کہتا ہے کہ مریم صدیقہ والدہ عیسیٰ اور ایسا ہی والدہ حضرت موسیٰ اور نیز حضرت مسیح کے حواری اور نیز خضر جن میں سے کوئی بھی نبی نہ تھا یہ سب ملہم من اللہ تھے اور بذریعہ وحی اعلام اسرار غیبیہ سے مطلع کیے جاتے تھے۔ سو اب سوچنا چاہیے کہ اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امت محمدیہ کے کامل متبعین ان لوگوں کی نسبت بوجۂ اولیٰ ملہم ومحدث ہونے چاہئیں کیونکہ وہ حسب تصریح قرآن شریف خیر الامم ہیں۔ آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس امت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس امت میں بھی پہلی امتوں کی طرح محدث پیدا ہوں گے اور محدث بفتح دال وہ لوگ ہیں جن سے مکالمات ومخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباس کی قرات میں آیا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

یہ تو وہ امور ہیں کہ جو نظر سرسری سے معلوم ہوتے ہیں دوسرے وہ امور ہیں جن میں دقت نظر درکار
۳۸۳ ہے۔ مثلاً آنکھ کی وہ ترکیب جس کے ذریعہؔ سے دونوں آنکھیں شے واحد کی طرح بالاتفاق کام کرتی
ہیں اور ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کو دیکھ سکتے ہیں یا کانوں کی بناوٹ کی وہ طرز جس سے وہ مختلف آوازوں
کو بہ حیثیت اختلاف سن سکتے ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جو سرسری نظر سے دریافت نہیں ہو سکتے بلکہ جو لوگ
۳۸۴ ماہر فن طبعی وطبابت ہیں انہوں نے زمانہ دراز تک تدبر اور تفکر کر کے ان صداقتوںؔ کو دریافت کیا ہے
اور ابھی صدہا دقائق اور حقائق ترکیب انسان کے ایسے بھی مخفی ہیں جن پر کسی حکیم کا ذہن آج تک محیط
نہیں ہوا۔ اور کچھ شک نہیں کہ ان دقائق اور حقائق سے اعلیٰ غرض یہ ہے کہ انسان اس حکیم علی الاطلاق
کی قدرت کاملہ کا اعتراف کرے جس نے اس کی پیدائش میں ایسے عجائب غرائب کام کیے ہیں۔ لیکن
۳۸۵ اس جگہ کوئی بےسمجھؔ آدمی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ خدا نے اس کام کو جس کی غرض معرفت الٰہی تھی ایسا
ادق اور باریک کیوں بنایا جس کی سمجھ کے لئے ایک زمانہ دراز تک فکر اور نظر کی ورزش بکار ہے اور پھر

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

صادقاں را نورِ حق تابد مدام ۔ کاذباں مردند وشد ترکی تمام
مصطفٰی مہر درخشانِ خداست ۔ برعدوش لعنتِ ارض و سماست
۵۳۳ ایںؔ نشانِ لعنت آمد کایں خساں ۔ ماندہ اندر ظلمتے چوں شپرّاں
نے دلے صافی نہ عقل راہ بیں ۔ راندۂ درگاہِ رب العالمیں
جان کنی صد کن بکینِ مصطفٰی ۔ رہ نہ بینی جز بدینِ مصطفٰی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

ثُمَّ یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰتِہٖ (شرح مشکل الآثار للطحاوی، باب وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ وَّلَا مُحَدَّثٍ) پس اس آیت
کے رو سے بھی جس کو بخاری نے بھی لکھا ہے محدث کا الہام یقینی اور قطعی ثابت ہوتا ہے جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ
۵۴۹ سکتا۔ اور خود ظاہر ہے کہ اگر خضر اور موسیٰ کی والدہ کا الہام صرف شکوکؔ اور شبہات کا ذخیرہ تھا اور قطعی اور یقینی نہ تھا تو ان کو
کب جائز تھا کہ وہ کسی بے گناہ کی جان کو خطرہ میں ڈالتے یا ہلاکت تک پہنچاتے۔ یا کوئی دوسرا ایسا کام کرتے جو شرعاً وعقلاً
جائز نہیں ہے۔ آخر یقینی علم ہی تھا جس کے باعث سے وہ کام کرنا ان پر فرض ہو گیا تھا۔ اور وہ امور ان کے لئے روا ہو گئے
کہ جو دوسروں کے لئے ہرگز روا نہیں۔ پھر ماسوا اس کے ذرا انصافاً سوچنا چاہیے کہ کوئی امر مشہود وموجود کہ جو بپایۂ صداقت
پہنچ چکا ہو اور تجارب صحیحہ کے رو سے راست راست ثابت ہوتا ہو صرف ظنی خیالات سے متزلزل نہیں ہو سکتا۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا
یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا (یونس:۳۶) سو اس عاجز کے الہامات میں کوئی ایسا امر نہیں ہے جو زیر پردہ اور مخفی ہو بلکہ یہ وہ چیز ہے

بھی یہ توقع نہیں کہ تمام اسرار حکمیہ باستیفاء تام حاصل ہو جائیں گے اور اسی وقت کے باعث سے اب
تک انسان کو گویا دریا میں سے ایک قطرہ بھی حاصل نہیں ہوا۔ چاہیے تھا کہ سب عجائب اور غرائب ۳۸۶
واضح ہوتے۔ تاکہ جس غرض کے لئے حکیم مطلق نے بدن انسان میں مودع کیے تھے وہ غرض حاصل
ہو جاتی۔ سو اس وہم کا جواب اور اسی قسم کے اور وہموں کا جواب جو مصنوعاتِ الٰہیہ کے عجائبات اور
خواص دقیقہ اور مخفیہ کی نسبت کسی کے دل میں خلجان کریں یہ ہے کہ بلاشبہ خدا کا اپنے تمام مصنوعات ۳۸۷
میں اور ہر ایک چیز میں جو اس کی طرف سے صادر ہو۔ قانونِ قدرت یہی ہے کہ اس نے عجائبات
بدیہیہ پر کفایت نہیں کی بلکہ ہر ایک چیز میں (جو اس کے دست قدرت سے ظہور پذیر ہے) عجائبات
دقیقہ بھی (جو نہایت گہرے اور عمیق ہیں) مخفی رکھے ہیں مگر خدا کے اس کام کو عبث اور بے سود سمجھنا
سراسر نادانی ہے۔ جاننا چاہیے کہ خدا نے انسان کو دوسرے حیوانات کی طرح اس وضع فطرت پر پیدا ۳۸۸
نہیں کیا کہ اس کا علم چند بدیہی اور محسوس باتوں میں محصور اور محدود رہے بلکہ اس کو یہ استعداد بخشی ہے

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

تانہ نورِ احمد آید چارہ گر　　کس نمی گیرد ز تاریکی بدر
آں طفیل اوست نورش ہر نبی　　نام ہر مرسل بنامِ اوجلی ۵۳۴
آں کتابے ہمچو خور دادش خدا　　کزرخش روشن شد ایں ظلمت سرا
ہست فرقان طیب وطاہر شجر　　از نشانہا میدہد ہردم ثمر
صد نشانِ راستی در وے پدید　　نے چو دینِ تو بنایش بر شنید

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

کہ جو صدہا امتحانوں کی بوتہ میں داخل ہو کر سلامت نکلی ہے اور خداوند کریم نے بڑے بڑے تنازعات میں فتح نمایاں بخشی
ہے۔ اس مقام میں یاد آیا کہ جو رویا صادقہ حصہ سوم میں ایک ہندو کے مقدمہ کے بارہ میں لکھی گئی ہے اس میں ایک عجیب
نزاع وانکار کے موقع پر الہام ہوا تھا جس سے ایک بڑا قلق اور کرب دور ہوا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس رویا صادقہ میں کہ
ایک کشف صریح کی قسم تھی، یہ معلوم کرایا گیا تھا کہ ایک کھتری ہندو بشمبر داس نامی جو اب تک قادیان میں بقید حیات موجود ۵۵۰
ہے مقدمہ فوجداری سے بری نہیں ہوگا مگر آدھی قید تخفیف ہو جائے گی لیکن اس کا دوسرا ہم قید خوشحال نامی کہ وہ بھی اب تک
قادیان میں زندہ موجود ہے ساری قید بھگتے گا۔ سو اس جز و کشف کی نسبت یہ ابتلا پیش آیا کہ جب چیفکورٹ سے حسب
پیشگوئی ایں عاجز مثل مقدمہ مذکورہ واپس آئی تو متعلقین مقدمہ نے اس واپسی کو بریت پر حمل کر کے گاؤں میں یہ مشہور کر دیا
کہ دونوں ملزم جرم سے بری ہو گئے ہیں۔ مجھ کو یاد ہے کہ رات کے وقت میں یہ خبر مشہور ہوئی اور یہ عاجز مسجد میں عشاء کی

کہ وہ نظر اور فکر سے غیر متناہی علوم میں ترقیات کرتا رہے اور اسی غرض سے اس کو عقل کا گوہر شب
۳۸۹ چراغ جو دوسرے حیوانات کو نہیں ملا عطا ہوا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ تمام عجائب غرائب الٰہی بدیہی طور پر
واضح اور لائح ہوتے جن میں نظر اور فکر کی کچھ بھی حاجت نہ ہوتی تو پھر انسان جس کا کمال اس کی قوت
نظریہ کی تکمیل پر موقوف ہے کن چیزوں میں نظر اور فکر کرتا اور اگر نظر اور فکر نہ کرتا تو پھر کیونکر اپنے کمال
کو پہنچتا۔ سو چونکہ تمام انسانیت انسان کے استعمال قوت نظریہ سے وابستہ ہے اس لئے اس حکیم مطلق
۳۹۰ نے اکثر دقائق اور حقائق کو ایسے طور پر مخفی رکھا ہے کہ جب تک انسان اپنی خداداد قوت کو بکمال اجتہاد
استعمال میں نہ لاوے ان دقائق کا انکشاف نہیں ہوتا۔ اس سے حکیم مطلق کا یہ ارادہ ہے کہ ترقی کرنے
کا راستہ کھلا رہے اور جس سعادت کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اس سعادت تک وہ پہنچ جائے۔
۳۹۱ غرض خدا کے جتنے کام ہیں وہ صرف موٹی صنعت پر ختم نہیں ہو سکتے بلکہ ان میں جس قدر کھودتے جاؤ
زیادہ سے زیادہ باریکیاں نکلتی ہیں۔ پس جبکہ ان تمام چیزوں کی نسبت جو خدا کی طرف سے ہیں یہ عام

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

پُر ز اعجاز است آں عالی کلام　نورش یزدانی درو رخشد تمام ۵۳۵
از خدائی ہا نمودہ کار را　بر دریدہ پردۂ کفار را
آفتاب است وکند چوں آفتاب　گرنۂ کورے بیا بنگر شتاب
اے مزور گر بیائی سوئے ما　و از وفا رخت افگنی درکوئے ما
وآں سرِ صدق وثبات وغم خوری　روزگارے در حضور ما بری ۵۳۶

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

نماز پڑھنے کو طیار تھا کہ نمازیوں میں سے ایک نے بیان کیا کہ یہ خبر بازار میں پھیل رہی ہے اور ملزمان گاؤں میں آ گئے
ہیں۔ سو چونکہ یہ عاجز علانیہ لوگوں میں کہہ چکا تھا کہ دونوں مجرم ہرگز جرم سے بری نہیں ہوں گے اس لئے جو کچھ غم اور قلق
اور کرب اس وقت گذرا سو گذرا۔ تب خدا نے کہ جو اس عاجز بندہ کا ہر یک حال میں حامی ہے نماز کے اول یا عین نماز میں
۵۵۱ بذریعہ الہام یہ بشارت دی: لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی. اور پھر فجر کو ظاہر ہو گیا کہ وہ خبر بری ہونے کی سراسر جھوٹی تھی
اور انجام کار وہی ظہور میں آیا کہ جو اس عاجز کو خبر دی گئی تھی جس کو شرمپت نامی ایک آریہ اور چند دوسرے لوگوں کے پاس
قبل از وقوع بیان کیا گیا تھا کہ جو اب تک قادیان میں موجود ہیں۔ پھر ایک اور ایسا ہی پُر وحشت ماجرا گذرا جس کا قصہ
اس سے بھی عجیب تر ہے۔ اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک مقدمہ میں کہ اس عاجز کے والد مرحوم کی طرف سے اپنی
زمینداری حقوق کے متعلق کسی رعیت پر دائر تھا۔ اس خاکسار پر خواب میں یہ ظاہر کیا گیا کہ اس مقدمہ میں ڈگری ہو جائے

قانون ثابت ہو چکا کہ وہ سب نکاتِ دقیقہ اور اسرار عمیقہ سے پُر ہیں تو اسے قانون قدرت کی متابعت
سے یہ بھی ہر یک عاقل کو ماننا پڑا کہ خدا کا کلام بھی نکاتِ دقیقہ سے خالی نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس میں ۳۹۲
سب سے زیادہ لطائف چاہئیں ۔ کیونکہ وہ خدا کا کلام ہے اور حکیم مطلق کے علوم قدیم کا مخزن ہے جس
کو خدا نے اس بات کا آلہ بنایا ہے کہ تمام قوانین قدرتیہ جو فی السموات والارض پائے جاتے ہیں ان
کی اصلاح کیلئے اس میں سامان موجود ہو۔ پس اگر وہ ناقص ہوتو اتنے بڑے کام اس سے کیونکر
انصرام ہوسکیں ۔ اگر وہ تمام غلطیوں سے انسان کو پاک نہ کرسکتا تو پھر صرف بعض غلطیوں سے پاک ۳۹۳
کرنا حقیقت میں ایسا تھا کہ گویا منزل تک پہنچانے سے پہلے راستہ میں ہی چھوڑ دیتا۔غرض جب خدا
کا قانونِ قدرت (ہر ایک چیز میں جو اس کی طرف سے صادر ہے) یہی ثابت ہوا کہ ان سب میں
خداوند تعالیٰ نے دقائق عمیقہ بھی ضرور رکھے ہیں صرف موٹی باتوں پر ختم نہیں کیا۔تو اس تحقیق سے ۳۹۴
جھوٹ ان لوگوں کا کھل گیا جن کا یہ دعویٰ ہے کہ خدا کے کلام میں صرف چند احکام سریع الفہم چاہئیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

عالمے بینی ز ربانی نشاں سوئے رحماں خلق وعالم را کشاں
گر خلافِ واقعہٗ گفتم سخن راضیم گر تو سرم بُرّی زتن
راضیم گر خلق بردارم کشند از سرِ کیں باصد آزارم کشند
راضیم گر باشدم ایں کیفرے خوں رواں بر خاک افتادہ سرے ۵۳۷
راضیم گر مال وجان وتن رود وآنچہ از قسمِ بلا برمن رود

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

گی ۔ چنانچہ اس عاجز نے وہ خواب ایک آریہ کو کہ جو قادیان میں موجود ہے بتلا دی ۔ پھر بعد اس کے ایسا اتفاق ہوا کہ اخیر
تاریخ پر صرف مدعا علیہ معہ اپنے چند گواہوں کے عدالت میں حاضر ہوا اور اس طرف سے کوئی مختار وغیرہ حاضر نہ ہوا۔شام کو ۵۵۲
مدعا علیہ اور سب گواہوں نے واپس آکر بیان کیا کہ مقدمہ خارج ہوگیا۔اس خبر کو سنتے ہی وہ آریہ تکذیب اور استہزاء سے
پیش آیا۔اس وقت جس قدر قلق اور کرب گذرا بیان میں نہیں آسکتا۔کیونکہ قریب قیاس معلوم نہیں ہوتا تھا کہ ایک گروہ کثیر کا
بیان جن میں بے تعلق آدمی بھی تھے خلافِ واقعہ ہو۔اس سخت حزن اور غم کی حالت میں نہایت شدت سے الہام ہوا کہ جو
آہنی میخ کی طرح دل کے اندر داخل ہوگیا اور وہ یہ تھا **ڈگری ہوگئی ہے مسلمان ہے** ۔یعنی کیا تو باور نہیں کرتا اور باوجود
مسلمان ہونے کے شک کو دخل دیتا ہے۔آخر تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت ڈگری ہی ہوئی تھی اور فریق ثانی نے
حکم کے سننے میں دھوکا کھایا تھا۔اسی طرح فی الواقعہ بلا مبالغہ صدہا الہام ہیں کہ جو فلق صبح کی طرح پورے ہوگئے اور بہت

اس لئے منصف مزاج ذی علم لوگوں سے یہی درخواست ہے کہ وہ بھی ایک ساعت کے لئے صادقانہ نیت کو استعمال میں

اور لطائف دقیقہ اس میں نہیں چاہئیں اور نہ ہیں۔ اس جگہ انہوں نے اپنے اس وہم کے مضبوط کرنے
کی غرض سے ایک دلیل بنائی ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ کتب الہامیہ کم علموں اور کم فہیموں یا امیوں اور
بدوؤں کے لئے نازل ہوئی ہیں۔ پسؔ ان کی تعلیم ویسی ہی چاہئے جو کہ بقدر عقول ان لوگوں کے ہو ٣٩٥
کیونکہ امی اور ناخواندہ آدمی نکاتِ دقیقہ سے متنفع نہیں ہوسکتے اور نہ ان پر مطلع ہوسکتے ہیں۔ لیکن واضح
ہو کہ یہ وہم محض کوتہ اندیشی سے ان کے دلوں کو پکڑتا ہے اور اس پست اور ناچیز خیال سے بغایت درجہ
سفاہت اور جہالت کی بدبو آتی ہے۔ کاش کہ وہ کلام الٰہی کو غور سے دیکھتے تا کہ انہیں معلوم ہوتا کہؔ خدا ٣٩٦
کی مقدس اور کامل کلام پر ایسا گمان کرنا گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے اور اب بھی ایسے لوگ اگر اس
کتاب کو ذرا آنکھ کھول کر پڑھیں اور وہ صدہا دقائق عمیقہ اور حقائق دقیقہ کلام الٰہی کے جو ہم نے اس
کتاب میں اپنے موقعہ پر کمال وضاحت سے لکھے ہیں بنظر تامل وتیقظ مشاہدہ کریں تو انکا خیال فاسد
ایسا دور ہوجائے گا جیسا کہ آفتاب کےؔ نکلنے سے تاریکی دور ہوجاتی ہے اور ظاہر ہے کہ امر محسوس اور ٣٩٧

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

گر درو غم رفتہ باشد بر زباں — راضیم بر ہر سزائے کاذباں
لیک گر تو زیں سخن پیچی سرے — بر تو ہم نفرینِ رب اکبرے
زیںؔ سخنہا ہر کہ رو گرداں بود — آں نہ مروی رہزن مرداں بود ٥٣٨
اے خدا بیخ خبیثا نے برار — کز جفا باحق نمیدارند کار
دل نمیدارندو چشم وگوش ہم — باز سر پیچاں ازاں بدر اتم

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

سے الہاماتؔ بطور اسرار ہیں جن کو یہ عاجز بیان نہیں کرسکتا۔ بارہا عین مخالفوں کی حاضری کے وقت میں ایسا کھلا کھلا الہام ہوا ٥٥٣
ہے جس کے پورا ہونے سے مخالفوں کو بجز اقرار کے اور کوئی راہ نظر نہیں آیا۔ ابھی چند روز کا ذکر ہے کہ یکدفعہ بعض امور میں
تین طرح کا غم پیش آگیا تھا جس کے تدارک کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اور بجز حرج ونقصان اٹھانے کے اور کوئی سبیل
نمودار نہ تھی۔ اسی روز شام کے قریب یہ عاجز اپنے معمول کے مطابق جنگل میں سیر کو گیا اور اس وقت ہمراہ ایک آریہ ملاوامل
نامی تھا۔ جب واپس آیا تو گاؤں کے دروازہ کے نزدیک یہ الہام ہوا: ننجيك من الغم پھر دوبارہ الہام ہوا:
ننجيك من الغم الم تعلم ان الله على كل شئ قدير یعنی ہم تجھے اس غم سے نجات دیں گے ضرور نجات
دیں گے کیا تو نہیں جانتا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ اسی قدم پر جہاںؔ الہام ہوا تھا اس آریہ کو اس الہام کی اطلاع دی گئی ٥٥٤
تھی اور پھر خدا نے وہ تینوں طور کا غم دور کردیا۔ فالحمد لله على ذلك اور ایک اتفاقات عجیبہ سے یہ بات ہے کہ جس
وقت شہاب الدین موحد نے مولوی صاحبان ممدوحین کی رائے بیان کی اسی رات انگریزی میں ایک الہام ہوا کہ جو شہاب

مشہود کے مقابلہ پر کسی قیاس کی پیش نہیں جاتی ۔ جب متواتر تجربہ سے ایک چیز کی کوئی خاصیت معلوم
ہوگئی تو پھر مجرد قیاس کو اپنی دستاویز بنا کر اس امر واقعی سے جو بہ پایۂ ثبوت پہنچ چکا ہے انکار کرنا اسی کا
نام جنوں اور سودا ہے ۔ اگر یہ لوگ عقل خداداد کو ذرا کام میں لاویں تو ان پر ظاہر ہو کہ خود وہ قیاس ہی ۳۹۸
فاسد ہے اور بعینہٖ وہ ایسا مقولہ ہے جیسے کوئی نباتات کے خواص دقیقہ سے انکار کر کے یہ کہے کہ اگر خدا
نے بالارادہ خلق اللہ کی نفع رسانی کی غرض سے یہ کام کیا ہے کہ انسان کی شفا کے لئے نباتات
و جمادات وغیرہ میں طرح طرح کے خواص رکھے ہیں تو پھر ان خواص کو اس قدر تہہ در تہہ کیوں چھپایا
کہ ان کی ناواقفیت سے ایک زمانہ دراز تک لوگ بے علاج ہی مرتے رہے اور اب تک جمیع خواص ۳۹۹
مخفیہ پر احاطہ نہ ہوا ۔ لیکن ظاہر ہے کہ بعد تحقیق خدا کے عام قانون کے (جو کہ زمین و آسمان میں ایک
ہی طرز پر پایا جاتا ہے) ایسے ایسے شبہات میں مبتلا ہونا انہیں لوگوں کا کام ہے جو قوانین قدرتیہ میں
ذرہ غور نہیں کرتے اور قبل اس کے کہ خدا کی صفات اور عادات کو (جس طرز سے وہ آئینہ فطرت میں ۴۰۰

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دینِ شاں برقصہ ہا دارد مدار	گفتگوہا برزباں دل بے قرار
فرق بسیار است در دید و شنید	خاک برفرق کسے کیں را ندید ۵۳۹
دید را کن جستجو اے ناتمام	ورنہ درکارِ خودی بس سرد وخام
برسماعت چوں ہمہ باشد بنا	آں نیفزاید جوئے صدق وصفا
صد ہزاراں قصہ از روئے شنید	نیست یکساں باجوئے کاں ہست دید

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

الدین کو سنایا گیا ۔ اور وہ یہ ہے ۔ دوہ آل مین شڈ بی اینگری بٹ گوڈ از ود یو ۔ ہی شیل ہیلپ یو ۔ ورڈس
اوف گوڈ کین ناٹ ایکس چینج ۔ یعنی اگر تمام آدمی ناراض ہوں گے مگر خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تمہاری مدد کرے گا
خدا کی باتیں بدل نہیں سکتیں ۔ پھر ماسوا اس کے اور بھی چند الہامات ہوئے جو نیچے لکھے جاتے ہیں :
الخیر کله فی القراٰن کتاب الله الرحمن ۔ الیه یصعد الکلم الطیب یعنی تمام بھلائی قرآن میں ہے جو ۵۵۵
اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ وہی اللہ جو رحمان ہے اسی رحمان کی طرف کلمات طیبہ صعود کرتے ہیں ۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ
الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَه. اللہ وہ ذات کریم ہے کہ جو نا امیدی کے پیچھے مینہ برساتا ہے اور
اپنی رحمت کو دنیا میں پھیلاتا ہے یعنی عین ضرورت کے وقت جدید دین کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ
يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ جس کو چاہتا ہے بندوں میں سے چن لیتا ہے ۔ وَ كَذٰلِكَ مَنَنَّا عَلٰي يُوْسُفَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ
السُّوْءَ وَالْفَحْشَاءَ وَلِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف پر احسان

ظاہر ہو رہی ہیں) بخوبی دریافت کریں پہلے ہی اس کی ذات اور اس کی صفات کا حلیہ لکھنے کو بیٹھ جاتے
ہیں۔ ورنہ اگر انسان ذرا بھی آنکھ کھول کر ہر ایک طرف نظر ڈالے تو عادت اللہ کسی ایک یا دو چیز میں ۴۰۱
محصور نہیں اور نہ ایسی پوشیدہ ہے جس کا سمجھنا مشکل ہو۔ بلکہ یہ بات اجلیٰ بدیہات ہے کہ جواہر لطیفہ
اور مصنوعات عالیہ تو یک طرف رہے ایک ادنیٰ مکھی بھی (جو حقیر اور ذلیل اور مکروہ جانور ہے) اس
قانون قدرت سے باہر نہیں تو پھر نعوذ باللہ کیا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ خدا کا کلام کہ جو اس کی ذات کی طرح ۴۰۲
مقدس اور کمال رنگ سے رنگین چاہیے ایسا ادنیٰ اور ارذل ہے کہ دقائق مخفیہ میں ایک مکھی کے مرتبہ
تک بھی نہیں پہنچتا۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ خدا نے ضروریات دین میں سے کسی امر کا اخفا نہیں ۴۰۳
کیا اور دقائق عمیقہ وہ دقائق ہیں جو ماسوا اصل اعتقاد کے بالائی امور ہیں اور ان نفوس کے لئے مقرر
کئے گئے ہیں جن میں صلاحیت اور استعداد تحصیل کمالاتِ فاضلہ کی پائی جاتی ہے اور جو لوگ ہر یک غبی
اور بلید کی طرح ان مسائل پر کفایت کرنا نہیں چاہتے وہ بذریعہ ان دقائق کے حکمت اور معرفت میں ۴۰۴

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دیں ہمہ باشد کہ نورش باقی است — واز شرابِ دید ہردم ساقی است ۵۴۰
دل مدہ الا بخوبی کز جمال — وانماید بر تو آیاتِ کمال
کوریٔ خود ترک کن ماہے بہ بیں — اے گدا برخیز وآں شاہے بہ بیں
رو بہ بیں و قد بہ بیں و خد بہ بیں — واز محاسنہائے خوباں صد بہ بیں
یکدم از خود دور شو بہرِ خدا — تا مگر نوشی تو کاساتِ لقا ۵۴۱

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

کیا۔ تاہم اس سے بدی اور فحش کو روک دیں اور تا تو ان لوگوں کو ڈراوے جن کے باپ داداؤں کو کسی نے نہیں ڈرایا۔ سو وہ
غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس جگہ یوسف کے لفظ سے یہی عاجز مراد ہے کہ جو باعتبار کسی روحانی مناسبت کے اطلاق
پایا۔ واللہ اعلم بالصواب بعد اس کے فرمایا: قل عندی شھادة من اللّٰہ فھل انتم مؤمنون. اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ
سَيَهْدِيْنِ رَبِّ اغْفِرْ وَ ارْحَمْ من السماء ربنا عاج رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ
رب نجنی من غمی. ایلی ایلی لما سبقتنی. کرمہائے تو مارا کرد گستاخ۔ کہہ میرے پاس خدا کی گواہی ہے۔
پس کیا تم ایمان نہیں لاتے۔ یعنی خدائے تعالیٰ کا تائیدات کرنا اور اسرار غیبیہ پر مطلع فرمانا اور پیش از وقوع پوشیدہ خبریں ۵۵۲
بتلانا اور دعاؤں کو قبول کرنا اور مختلف زبانوں میں الہام دینا اور معارف اور حقائق الٰہیہ سے اطلاع بخشا یہ سب خدا کی
شہادت ہے جس کو قبول کرنا ایماندار کا فرض ہے۔ پھر بقیہ الہامات بالا کا ترجمہ یہ ہے کہ بہ تحقیق میرا رب میرے ساتھ ہے
وہ مجھے راہ بتلائے گا۔ اے میرے رب میرے گناہ بخش اور آسمان سے رحم کر ہمارا رب عاجی ہے (اس کے معنی ابھی تک

ترقی کرتے ہیں اور حق الیقین کے اس بلند مینار تک پہنچ جاتے ہیں جو انسانی استعدادوں کے لئے
اقصیٰ مراتب سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اسرار علمیہ سارے کے سارے بدیہات ہی ہوتے تو پھر
دانا اور نادانؔ میں فرق کیا ہوتا۔ اس طور سے تو سارے عالم ہی برباد ہوجاتے اور جو عمدہ معیار ۴۰۵
استعدادوں کی شناخت کے لئے ہے اور جس ذریعہ سے انسان کی قوت نظریہ بڑھتی ہے اور استکمال
نفس ہوتا ہے وہ مفقود ہوجاتا۔ اور جب وہ ذریعہ ہی مفقود ہوجاتا تو پھر انسان کن امور میں نظر اور فکرؔ ۴۰۶
کرتا اور اگر وہ نظر اور فکر نہ کرتا تو ایک حد معلوم اور محدود پر اس کو بھی مثل اور جانداروں کے ٹھہرنا پڑتا
اور ترقیات غیر متناہی کی قابلیت نہ رکھتا۔ پس اس صورت میں جس سعادت کے لئے وہ پیدا کیا گیا تھا
اس سعادت سے محروم رہ جاتا۔ سو جس خدا نے انسان کو نظر اور فکر کرنے کی قوتیں عنایت کیں ہیں اور ۴۰۷
اس کو ایک کمال حاصل کرنے کی استعداد بخشی ہے اس کی نسبت یہ کیونکر بدگمان کیا جائے کہ وہ اپنی
کتاب نازل کرکے انسان کو کسی کمال تک پہنچانا نہیں چاہتا بلکہ کمال سے روکتا ہے۔ کیا یہ بات سچ نہیں

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

دینِ حق شہر خدائے امجد است　داخل او در امانِ ایزد است
در دمے نیک وخوش اسلوبے کند　ہم چو خود زیبا ومحبوبے کند
جانب اہل سعادت پے بزن　تاشوی روزے سعید اے جان من
اےؔ بصد انکار وکیں از کودنی　رو در حق زن چرا سرمی زنی ۵۴۲

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

معلوم نہیں ہوئے) جن نالائق باتوں کی طرف مجھ کو بلاتے ہیں ان سے اے میرے رب مجھے زندان بہتر ہے۔ اے
میرے خدا مجھ کو میرے غم سے نجات بخش۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ تیری بخششوں
نے ہم کو گستاخ کردیا۔ یہ سب اسرار ہیں کہ جو اپنے اپنے اوقات پر چسپاں ہیں جن کا علم حضرت عالم الغیب کو ہے۔ پھر بعد
اس کے فرمایا: ھو شعنا نعسا۔ یہ دونوں فقرے شاید عبرانی ہیں اور ان کے معنی ابھی تک اس عاجز پر نہیں کھلے۔ پھر بعد
اس کے دو فقرے انگریزی ہیں جن کے الفاظ کی صحت بباعث سرعت الہام ابھی تک معلوم نہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ آئی لو یو۔
آئی شیل گو یو لارج پارٹی آف اسلام۔ چونکہ اس وقت یعنی آج کے دن اس جگہ کوئی انگریزی خوان نہیں اور نہ اس کے
پورے پورے معنی کھلے ہیں اس لئے بغیر معنوں کے لکھا گیا۔ پھر بعد اس کے یہ الہام ہے: یٰعِیْسٰۤی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ
رَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی
یَوْمِ الْقِیٰمَةِ۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ. اے عیسیٰ میں تجھے کامل اجر بخشوں گا یا وفات دوں گا اور ۵۵۷

ہے کہ خدا نے اپنے کلام کو اسی لئے بھیجا ہے کہ تا انسانوں کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس اگر ۴۰۸
خدا کی کتاب ظلمتوں سے نہیں نکال سکتی بلکہ ارسطو اور افلاطون کی کتابیں نکال سکتی ہیں تو پھر کیا خدا کا یہ
فرمانا کہ ساری تاریکیوں سے میری کتاب ہی نجات دیتی ہے نرا دعویٰ ہی ہوا۔ جب ایک بات کی ۴۰۹
سچائی تجربہ اور قیاس سے بالکل کھل جائے تو اس کے سامنے کس کی پیش جاسکتی ہے۔ ہم نے جس قدر
صداقتیں کہ نہایت نازک اور اعلیٰ درجہ کی ہیں قرآن شریف سے نکال کر اس کتاب میں لکھی ہیں اس کا
دیکھنا ہمارے اس بیان کے لئے شاہد ناطق اور قول فیصل ہے اور ان سب دقائق حقائق قرآنیہ مطلع ۴۱۰
ہونے سے ہر یک شخص کو بشرطیکہ نرا اندھا نہ ہو یہ ماننا پڑے گا کہ صدہا حقائق اور معارف جو افلاطون
اور ارسطو وغیرہ کے خواب میں بھی نہیں آئے تھے ان سب پر قرآن شریف محیط ہے۔ پس کیا اس سے
یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ خدا کا کلام جامع دقائق دینیہ ہے اور میں اس بات کو مکرّر لکھتا ہوں کہ خدا نے اس ۴۱۱
طرز کے اختیار کرنے میں انسان پر کوئی مصیبت نہیں ڈالی۔ بلکہ اول اس کو قوتِ نظریہ عنایت کی اور

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 3:

نالہا کن کے خداوندِ یگاں بگسلاں از پائے من بند گراں
تا مگر زاں نالہائے درد ناک دست غیبے گیردت ناگہ زخاک
بے عنایاتِ خدا کار است خام پختہ داند ایں سخن را والسلام

منہ

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

اپنی طرف اٹھاؤں گا یعنی رفع درجات کروں گا یا دنیا سے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تیرے تابعین کو ان پر جو منکر ہیں قیامت تک غلبہ بخشوں گا یعنی تیرے ہم عقیدہ اور ہم مشربوں کو حجت اور بُرہان اور برکات کے رو سے دوسرے لوگوں پر قیامت تک فائق رکھوں گا۔ پہلوں میں سے بھی ایک گروہ ہے اور پچھلوں میں سے بھی ایک گروہ ہے۔ اس جگہ عیسیٰ کے نام سے بھی یہی عاجز مراد ہے اور پھر بعد اس کے اردو میں الہام فرمایا: **میں اپنی چمکار دکھلاوں گا۔ اپنی قدرت نمائی سے تجھ کو اٹھاؤں گا دنیا میں ایک نذیر آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کردے گا**۔ الفتنة ھھنا فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ اس جگہ ایک فتنہ ہے سو اولوا العزم نبیوں کی طرح صبر کر۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّه لِلْجَبَلِ جَعَلَه دَکًّا۔ جب خدا مشکلات کے پہاڑ پر تجلّی کرے گا تو انہیں پاش پاش کردے گا۔ قوة الرحمن لعبید اللّٰہ الصمد۔ یہ خدا کی قوت ہے کہ جو اپنے بندہ کے لئے وہ غنی مطلق ظاہر کرے گا۔ مقام لا تترقی العبد فیه بسعی الاعمال۔ یعنی عبداللّٰہ الصمد ہونا ۵۵۸

۴۱۲ پھر نظر کرنے کا سامان بھی عطا فرمایا۔ یہی عطیات الٰہی ہیں جن سے انسان کا ستارۂ اقبال چمکتا ہے اور انسان اور حیوان میں امتیاز حاصل ہوتی ہے۔ حیوانات کو خدا نے سوچنے کی طاقت نہیں دی اور نہ انہوں نے کچھ سوچا۔ پھر دیکھو کہ وہ ویسے کے ویسے رہے یا نہیں اور یہ وسواس کہ خدا نے اپنی کتاب
۴۱۳ امیوں اور بدوؤں کے لئے بھیجی ہے (ان کی سمجھ کے موافق چاہیئے) ٹھیک نہیں ہے۔ اول تو اس میں یہ جھوٹ ہے کہ وہ کلام نرا امیوں کی تعلیم کے لئے نازل ہوا ہے۔ خدا نے تو آپ ہی فرما دیا ہے کہ تمام دنیا اور مختلف طبائع کی اصلاح کے لئے یہ کتاب نازل ہوئی ہے۔ جیسے امی اس کتاب میں مخاطب ہیں
۴۱۴ ایسے ہی عیسائی اور یہودی اور مجوسی اور صابئین اور لامذہب اور دہریہ وغیرہ تمام فرقے مخاطب ہیں اور سب کے خیالاتِ فاسدہ کا اس میں ردّ موجود ہے اور سب کو سنایا گیا ہے قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۸) پھر جبکہ ثابت ہے کہ قرآن شریف کو تمام دنیا کے طبائع
۴۱۵ سے کام پڑا تو تم خود ہی سوچو کہ اس صورت میں لازم تھا یا نہیں کہ وہ ہر ایک طور کی طبیعت پر اپنی عظمت اور حقانیت کو ظاہر کرتا اور ہر یک طور کے شبہات کو مٹاتا۔ ماسوا اس کے اگرچہ اس کلام میں امی بھی
۴۱۶ مخاطب ہیں۔ مگر یہ تو نہیں کہ خدا امیوں کو امی ہی رکھنا چاہتا تھا۔ بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ جو طاقتیں انسانیت اور عقل کی ان کی فطرت میں موجود ہیں وہ ممکن قوت سے حیز فعل میں آجائیں۔ اگر نادان کو ہمیشہ کے لئے نادان ہی رکھنا ہے تو پھر تعلیم کا کیا فائدہ ہوا۔ خدا نے تو علم اور حکمت کی طرف آپ ہی

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

ایک مقام ہے کہ جو بطریق موہبت خاص عطا ہوتا ہے کوششوں سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ یا داؤد عامل بالناس رفقا واحسانا وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهآ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ یومسٹ ڈو وہاٹ آئی ٹولڈ یو۔ تم کو وہ کرنا چاہیے جو میں نے فرمایا۔ اشکر نعمتی رایت خدیجتی انک الیوم لذو حظ عظیم. انت محدث الله فيك مادة فاروقية اے داؤد خلق اللہ کے ساتھ رفق اور احسان کے ساتھ معاملہ کر اور سلام کا جواب احسن طور پر دے۔ اور اپنے رب کی نعمت کا لوگوں کے پاس ذکر کر۔ میری نعمت کا شکر کر کہ تو نے اس کو قبل از وقت پایا۔ آج تجھے حظ عظیم ہے۔ تو محدث اللہ ہے تجھ میں مادۂ فاروقی ہے۔ سلام عليك يا ابراهيم. اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ. ذو عقل متين. حب الله خليل الله اسد الله وصل على محمد. مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى. اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ. الم نجعل لك سهولة فى كل امر بيت الفكر وبيت الذكر. وَ مَنْ دَخَلَه كَانَ اٰمِنًا۔ تیرے پر سلام ہے۔ اے ابراہیم تو آج ہمارے نزدیک صاحب مرتبہ اور

۴۱۷ رغبت دے دی ہے۔ دیکھو اس آیت میں علم اور حکمت کی کیسی تاکید ہے: یُّؤْتِی الْحِكْمَةَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا (البقرہ:۲۶۹) یعنی خدا جس کو چاہتا ہے حکمت عنایت کرتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت سامال دیا گیا۔ اور پھر فرمایا ہے: وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ
۴۱۸ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرہ:۱۵۱) یعنی رسول تم کو کتاب اور حکمت اور وہ تمام حقائق اور معارف سکھاتا ہے جن کا خود بخود معلوم کر لینا تمہارے لئے ممکن نہ تھا۔ اور پھر فرمایا ہے: اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر:۲۸) یعنی خدا سے وہی لوگ ڈرتے ہیں جو اہل علم ہیں۔ اور پھر فرماتا
۴۱۹ ہے: قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ:۱۱۴) دعا کر کہ خدایا مجھے مراتب علمیہ میں ترقی بخش۔ اور پھر فرماتا ہے: وَ مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا (بنی اسرائیل:۷۲) یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا رہا اور علم الٰہی میں بصیرت پیدا نہ کی وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ
۴۲۰ اندھوں سے بدتر ہوگا۔ اور پھر یہ دعا سکھاتا ہے: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ (الفاتحہ:۶،۵) یعنی اے باری تعالیٰ ہم پر وہ صراط مستقیم ظاہر کر جو تو نے ان تمام اہل
۴۲۱ کمال لوگوں پر ظاہر کیا جن پر تیرا فضل اور کرم تھا۔ چونکہ اہل کمال لوگوں کا صراط مستقیم یہی ہے کہ وہ علیٰ وجہ البصیرت حقائق کو معلوم کرتے ہیں، نہ اندھوں کی طرح۔ پس اس دعا کا ماحصل تو یہی ہوا کہ خداوند وہ تمام علوم حقہ اور معارف صحیحہ اور اسرار عمیقہ اور حقائق دقیقہ جو دنیا کے تمام اہل کمال لوگوں کو

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

امانتدار اور قوی العقل ہے اور دوست خدا ہے خلیل اللہ ہے اسد اللہ ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درود بھیج۔ یعنی یہ اس نبی کریم کی متابعت کا نتیجہ ہے اور بقیہ ترجمہ یہ ہے کہ خدا نے تجھ کو ترک نہیں کیا اور نہ وہ تجھ پر ناراض ہے کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھولا۔ کیا ہم نے ہر ایک بات میں تیرے لئے آسانی نہیں کی کہ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا۔ اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص وقصد تعبد وصحت نیت وحسن ایمان داخل ہوگا وہ سوئے خاتمہ سے امن میں آجائے گا۔ بیت الفکر سے مراد اس جگہ وہ
۵۵۹ چوبارہ ہے جس میں یہ عاجز کتاب کی تالیف کے لئے مشغول رہا ہے اور رہتا ہے اور بیت الذکر سے مراد وہ مسجد ہے کہ جو اس چوبارہ کے پہلو میں بنائی گئی ہے اور آخری فقرہ مذکورہ بالا اسی مسجد کی صفت میں بیان فرمایا ہے جس کے حروف سے بنائے مسجد کی تاریخ بھی نکلتی ہے اور وہ یہ ہے: مبارك ومبارك وكل امر مبارك يجعل فيه یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر یک امر مبارک اس میں کیا جائے گا۔ پھر بعد اس کے اس عاجز کی نسبت فرمایا: رفعت وجعلت مبارکًا تو اونچا کیا گیا اور مبارک بنایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. یعنی جو لوگ ان برکات وانوار پر ایمان لائیں گے کہ جو تجھ کو خدائے تعالیٰ نے عطا کیے

۴۲۲ متفرق طور پر وقتاً فوقتاً توعنایت کرتا رہا ہے، اب وہ سب ہم میں جمع کر۔ سو دیکھئے کہ اس دعا میں بھی
علم اور حکمت ہی خدا سے چاہی ہے اور وہ علم مانگا ہے جو تمام دنیا میں متفرق تھا۔ خلاصہ یہ کہ گو خدائے
تعالیٰ نے اصول نجات کو بہت واضح اور آسان طور پر اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے جس کے معلوم
۴۲۳ کرنے اور جاننے میں کسی نوع کی دقت اور ابہام نہیں اور سب خواندہ اور ناخواندہ اس میں برابر
ہیں۔ لیکن اس حکیم مطلق نے علم الٰہی کے دقائق اور اسرار عالیہ میں یہ چاہا ہے کہ انسان محنت کر کے ان
۴۲۴ کو دریافت کرے تا یہی محنت اس کے لئے موجب تکمیل نفس ہو جائے۔ کیونکہ تمام قویٰ انسانیہ کا قیام
اور بقا محنت اور ورزش پر ہی موقوف ہے۔ اگر انسان ہمیشہ آنکھ بند رکھے اور کبھی اس سے دیکھنے کا کام
نہ لے (تو جیسا کہ تجارب طبیعہ سے ثابت ہو گیا ہے) تھوڑے ہی دنوں کے بعد اندھا ہو جائے گا اور
۴۲۵ اگر کان بند رکھے تو بہرہ ہو جائے گا اور اگر ہاتھ پاؤں حرکت سے بند رکھے تو آخر یہ نتیجہ ہوگا کہ ان میں
نہ حس باقی رہے گی اور نہ حرکت۔ اسی طرح اگر قوت حافظہ سے کبھی کام نہ لے تو حافظہ میں فتور پڑے
گا۔ اور اگر قوت متفکرہ کو بیکار چھوڑ دے تو وہ بھی گھٹتے گھٹتے کالعدم ہو جائے گی۔ سو یہ اس کا فضل وکرم
۴۲۶ ہے کہ اس نے بندوں کو اس طریقہ پر چلانا چاہا جس پر ان کی قوت نظریہ کا اکمال موقوف ہے۔ اگر
خدائے تعالیٰ محنت کرنے سے بکلی آزاد رکھنا چاہتا تو پھر یہ بھی مناسب نہ تھا کہ اپنی آخری کتاب کو
۴۲۷ تمام لوگوں کے لئے (جو مختلف زبانیں رکھتے ہیں) ایک ہی زبان میں جس سے وہ ناآشنا ہیں بھیجتا۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

ہیں اور ایمان ان کا خالص اور وفاداری سے ہوگا تو ضلالت کی راہوں سے امن میں آجائیں گے اور وہی ہیں جو خدا کے
۵۶۰ نزدیک ہدایت یافتہ ہیں۔ یریدون ان یطفؤا نور اللّٰہ قل اللّٰہ حافظہ عنایۃ اللّٰہ حافظک نحن
نزلناہ وانا لہ لحافظون. اَللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ ویخوفونک من دونک ائمۃ
الکفر۔ لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی. ینْصرک اللّٰہ فی مواطن. ان یومی لفصل عظیم. کتب
اللّٰہ لاغلبن انا ورسلی لامبدل لکلماتہ. بصائر للناس نصرتک من لدنی انی منجیک من
الغم. وکان ربک قدیرا. انت معی وانا معک. خلقت لک لیلاً ونھارا. اعمل ما شئت فانی
قد غفرت لک. انت منی بمنزلۃ لا یعلمھا الخلق۔ مخالف لوگ ارادہ کریں گے کہ تا خدا کے نور کو بجھا
دیں۔ کہہ خدا اس نور کا آپ حافظ ہے۔ عنایاتِ الٰہیہ تیری نگہبان ہے۔ ہم نے اتارا ہے اور ہم ہی محافظ ہیں۔ خدا خیر
الحافظین ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے اور تجھ کو اور اور چیزوں سے ڈرائیں گے۔ یہی پیشوایان کفر ہیں۔ مت خوف کر تجھی کو
غلبہ ہے یعنی حجت اور بُرہان اور قبولیت اور برکت کے رو سے تو ہی غالب ہے۔ خدا کئی میدانوں میں تیری مدد کرے گا۔

کیونکہ غیر زبان کا دریافت کرنا بھی بغیر محنت کے گو تھوڑی ہی ہو ممکن نہیں۔

تمہید پنجم۔ جس معجزہ کو عقل شناخت کر کے اس کے منجانب اللہ ہونے پر گواہی دی وہ ان ۴۲۸
معجزات سے ہزارہا درجہ افضل ہوتا ہے کہ جو صرف بطور کتھا یا قصہ کے مدّ منقولات میں بیان کیے ۴۲۹
جاتے ہیں اس ترجیح کے دو باعث ہیں۔ ایک تو یہ کہ منقولی معجزات ہمارے لئے جو صدہا سال اس
زمانہ سے پیچھے پیدا ہوئے ہیں جب معجزات دکھلائے گئے تھے مشہود اور محسوس کا حکم نہیں رکھتے اور ۴۳۰
اخبار منقولہ ہونے کے باعث سے وہ درجہ ان کو حاصل بھی نہیں ہوسکتا جو مشاہدات او رمرئیات کو
حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں نے منقولی معجزات کو جو تصرف عقل سے بالاتر ہیں مشاہدہ کیا ۴۳۱
ہے ان کے لئے بھی وہ تسلی تام کا موجب نہیں ٹھہر سکتی۔ کیونکہ بہت سے ایسے عجائبات بھی ہیں کہ ۴۳۲
ارباب شعبدہ بازی ان کو دکھلاتے پھرتے ہیں گو وہ مکر اور فریب ہی ہیں۔ مگر اب مخالف بداندیش پر
کیونکر ثابت کر کے دکھلاویں کہ انبیاء سے جو عجائبات اس قسم کے ظاہر ہوئے ہیں کہ کسی نے سانپ ۴۳۳
بنا کر دکھلا دیا اور کسی نے مردہ کو زندہ کر کے دکھلا دیا۔ یہ اس قسم کی دست بازیوں سے منزہ ہیں جو شعبدہ
باز لوگ کیا کرتے ہیں۔ یہ مشکلات کچھ ہمارے ہی زمانہ میں پیدا نہیں ہوئیں بلکہ ممکن ہے کہ انہیں ۴۳۴
زمانوں میں یہ مشکلات پیدا ہوگئی ہوں۔ مثلاً جب ہم یوحنا کی انجیل کے پانچویں باب کی دوسری

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

یعنی مناظرات ومجادلات بحث میں تجھ کو غلبہ رہے گا۔ پھر فرمایا کہ میرا دن حق اور باطل میں فرق بین کرے گا۔ خدا لکھ چکا
ہے کہ غلبہ مجھ کو اور میرے رسولوں کو ہے۔ کوئی نہیں کہ جو خدا کی باتوں کو ٹال دے۔ یہ خدا کے کام دین کی سچائی کے لئے ۵۶۱
حجت ہیں۔ میں اپنی طرف سے تجھے مدد دوں گا۔ میں خود تیرا غم دور کروں گا۔ اور تیرا خدا قادر ہے۔ تو میرے ساتھ اور میں
تیرے ساتھ ہوں۔ تیرے لئے میں نے رات اور دن پیدا کیا جو کچھ تو چاہے کر کہ میں نے تجھے بخشا۔ تو مجھ سے وہ منزلت
رکھتا ہے جس کی لوگوں کو خبر نہیں۔ اس آخری فقرہ کا یہ مطلب نہیں کہ منہیات شرعیہ تجھے حلال ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ
تیری نظر میں منہیات مکروہ کیے گئے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی محبت تیری فطرت میں ڈالی گئی ہے۔ گویا جو خدا کی مرضی ہے وہ
بندہ کی مرضی بنائی گئی اور سب ایمانیات اس کی نظر میں بطور فطرتی تقاضا کے محبوب کی گئی۔ وذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَاءُ وقالوا ان هو افك افترى. وَمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ. وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ
اٰدَمَ وَفَضَّلْنَا بَعْضَهمْ عَلٰى بَعْضٍ. اجْتَبَيْنٰهُمْ واصطفينٰهم كذلك ليكون اٰية للمؤمنين. اَمْ
حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا. قل هو الله عجيب. كُلَّ يَوْمٍ

آیت سے پانچویں آیت تک دیکھتے ہیں تو اس میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں اور اورشلیم میں باب الضان ۴۳۵
کے پاس ایک حوض ہے جو عبرانی میں بیت حدا کہلاتا ہے۔ اس کے پانچ اسارے ہیں۔ ان میں
ناتوانوں اور اندھوں اور لنگڑوں اور پژمردوں کی ایک بڑی بھیڑ پڑی تھی جو پانی کے ہلنے کی منتظر تھی ۴۳۶
کیونکہ ایک فرشتہ بعض وقت اس حوض میں اتر کر پانی کو ہلاتا تھا اور پانی ہلنے کے بعد جو کوئی کہ پہلے اس ۴۳۷
میں اترتا کیسی ہی بیماری میں کیوں نہ ہو اس سے چنگا ہوجاتا تھا اور وہاں ایک شخص تھا جو کہ اڑتیس برس
سے بیمار تھا۔ یسوع نے جب اسے پڑے ہوئے دیکھا اور جانا کہ وہ بڑی مدت سے اس حالت میں ۴۳۸
ہے تو اس سے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ چنگا ہو جائے۔ بیمار نے اسے جواب دیا کہ اے خداوند مجھ پاس
آدمی نہیں کہ جب پانی ہلے تو مجھے اس میں ڈال دے اور جب تک میں آپ سے آؤں دوسرا مجھ سے ۴۳۹
پہلے اتر پڑتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہ شخص جو حضرت عیسیٰ کی نبوت کا منکر ہے اور ان کے معجزات کا ۴۴۰
انکاری ہے جب یوحنا کی یہ عبارت پڑھے گا اور ایسے حوض کے وجود پر اطلاع پائے گا کہ جو حضرت
عیسیٰ کے ملک میں قدیم سے چلا آتا تھا اور جس میں قدیم سے یہ خاصیت تھی کہ اس میں ایک ہی غوطہ ۴۴۱
لگانا ہر یک قسم کی بیماری کو گو وہ کیسی ہی سخت کیوں نہ ہو دور کر دیتا تھا تو خواہ مخواہ اس کے دل میں ایک
قوی خیال پیدا ہوگا کہ اگر حضرت مسیح نے کچھ خوارق عجیبہ دکھلائے ہیں تو بلاشبہ اُن کا یہی موجب ہوگا ۴۴۲
کہ حضرت ممدوح اسی حوض کے پانی میں کچھ تصرف کر کے ایسے ایسے خوارق دکھلاتے ہوں گے۔

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

هُوَ فِيْ شَاْنٍ. فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ. وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا. سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِهِم الرُّعْبَ. قل جاء كم نورون الله فلا تكفروا. ان كنتم مؤمنين. سلام على ابراهيم صافيناه ونجيناه من الغم تفردنا بذلك. فَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهمَ مُصَلًّى. اور کہیں گے کہ یہ جھوٹ بنالیا ہے ہم نے اپنے بزرگوں میں یعنی اولیاء سلف میں یہ نہیں سنا۔ حالانکہ بنی آدم یکساں پیدا نہیں کیے گئے۔ بعض کو بعض پر خدا نے بزرگی دی ہے اور ان کو دوسروں میں سے چن لیا ہے۔ یہی سچ ہے تا مومنوں کے لئے نشان ہو۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہمارے عجیب کام فقط اصحابِ کہف تک ہی ختم ہیں۔ نہیں بلکہ خدا تو ہمیشہ صاحب عجائب ہے اور اس کے عجائبات کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ ہر یک دن میں وہ ایک شان میں ہے۔ پس ہم نے وہ نشان سلیمان کو سمجھائے یعنی اس عاجز کو اور لوگوں نے محض ظلم کی راہ سے انکار کیا حالانکہ ان کے دل یقین کر گئے۔ سو عنقریب ہم ان کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ کہہ خدا کی طرف سے نور اترا ہے سو تم اگر مومن ہو تو انکار مت کرو۔ ابراہیم پر سلام ہم نے اس کو خالص کیا اور غم سے نجات دی۔ ہم نے ہی یہ کام کیا۔ سو تم ابراہیم کے نقش قدم پر چلو۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا طریقہ حقہ کہ جو حال

کیونکہ اس قسمؔ کے اقتباس کی ہمیشہ دنیا میں بہت سی نظیریں پائی گئی ہیں اور اب بھی ہیں ۔عندالعقل یہ ۴۴۴
بات نہایت صحیح اور قرین قیاس ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے اندھوںؔ لنگڑوں وغیرہ کو شفا حاصل ۴۴۵
ہوئی ہے تو بالیقین یہ نسخہ حضرت مسیح نے اسی حوض سے اڑایا ہوگا اور پھر نادانوں اور سادہ لوحوں میں کہ
جو بات کی تہ تک نہیں پہنچتے اورؔ اصل حقیقت کو نہیں شناخت کر سکتے یہ مشہور کردیا کہ ایک روح کی مدد ۴۴۶
سے ایسے ایسے کام کرتا ہوں ۔ بالخصوص جبکہ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت مسیح اسی حوض پر اکثر جایا بھی
کرتے تھےؔ تو اس خیال کو اور بھی قوت حاصل ہوتی ہے ۔غرض مخالف کی نظر میں ایسے معجزوں سے کہ ۴۴۷
جو قدیم سے حوض دکھلاتا رہا ہے حضرت عیسیٰ کی نسبت بہت سے شکوک اور شبہات پیداؔ ہوتے ہیں اور ۴۴۸
اس بات کے ثبوت میں بہت سی مشکلات پڑتی ہیں کہ یہودیوں کی رائے کے موافق مسیح مکار اور شعبدہ
باز نہیں تھا اور نیک چلن آدمی تھا جس نے اپنےؔ عجائبات کے دکھلانے میں اس قدیمی حوض سے کچھ مدد ۴۴۹
نہیں لی اور سچ مچ معجزات ہی دکھائے ہیں اور اگرچہ قرآن شریف پر ایمان لانے کے بعد ان وساوس
سے نجات حاصل ہوجاتی ہے ۔مگر جو شخص ابھی قرآنؔ شریف پر ایمان نہیں لایا اور یہودی یا ہندو یا ۴۵۰
عیسائی ہے وہ کیونکر ایسے وساوس سے نجات پاسکتا ہے اور کیونکر اس کا دل اطمینان پکڑ سکتا ہے کہ
باوجود ایسے عجیب حوض کےؔ جس میں ہزاروں لنگڑے اور لولے اور مادرزاد اندھے ایک ہی غوطہ مار کر ۴۵۱
اچھے ہوجاتے تھے اور جو صدہا سال سے اپنے خواص عجیبہ کے ساتھ یہودیوں اور اس ملکؔ کے تمام
لوگوں میں مشہور اور زبان زد ہو رہا تھا اور بے شمار آدمی اس میں غوطہ مارنے سے شفا پاچکے تھے اور ہر
روز پاتے تھے اور ہر وقت ایک میلہ اس پر لگا رہتا تھاؔ اور مسیح بھی اکثر اس حوض پر جایا کرتا تھا اور اس ۴۵۲

بقیہ حاشیہ در حاشیہ نمبر 4:

کے زمانہ میں اکثر لوگوں پر مشتبہ ہوگیا ہے اور بعض یہودیوں کی طرح صرف ظواہر پرست اور بعض مشرکوں کی طرح مخلوق پرستی تک پہنچ گئے ہیں ۔ یہ طریقہ خداوند کریم کے اس عاجز بندہ سے دریافت کریں اور اس پر چلیں

ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں مے خندند   در سرِ کار خرابات کنند ایماں را

رب اغفر وارحم۔

دوستاں عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم   باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی ۴۶۵

والفضل من اللہ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔منہ

کی ان عجیب وغریب خاصیتوں سے باخبر تھا مگر پھر بھی مسیح نے ان معجزات کے دکھلانے میں جن کو قدیم
سے حوض دکھلا رہا تھا اسی حوض کی مٹی یا پانی سے کچھ مدد نہیں لی اور اسی میں کچھ تصرف کر کے اپنا نیا نسخہ ۴۵۳
نہیں نکالا۔ بلاشبہ ایسا خیال بے دلیل بات ہے کہ جو مخالف کے روبرو کارگر نہیں اور بلاریب اس حوض ۴۵۴
عجیب الصفات کے وجود پر خیال کرنے سے مسیح کی حالت پر بہت سے اعتراضات عائد ہوتے ہیں
کہ جو کسی طرح اٹھ نہیں سکتے اور جس قدر غور کرو اسی قدر دار و گیر بڑھتی ہے اور مسیحی جماعت کے لئے ۴۵۵
کوئی راستہ مخلصی کا نظر نہیں آتا۔ کیونکہ دنیا کی موجودہ حالت کو دیکھ کر یہ وساوس اور بھی زیادہ تقویت
پکڑتے ہیں اور بہت سی نظیریں ایسے ہی مکروں اور فریبوں کے اپنی ہی قوت حافظہ پیش کرتی ہے بلکہ ۴۵۶
ہر ایک انسان ان مکروں کے بارے میں چشم دید باتوں کا ایک ذخیرہ رکھتا ہے اور خود اس قسم کے مگر ۴۵۷
جیسے سادہ لوحوں اور جاہلوں کے سامنے چل جاتے ہیں اور زیر پردہ رہتے ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو
مکاروں کو ان کی کارسازیوں پر دلیر کرتا ہے۔ عوام الناس کو جو اکثر چار پایوں کی طرح ہوتے ہیں اس ۴۵۸
طرف خیال بھی نہیں ہوتا کہ لمبی چوڑی تفتیش کریں اور بات کی تہہ تک پہنچ جائیں۔ اور ایسے تماشوں
کے دکھلانے کا عرصہ بھی نہایت ہی تھوڑا ہوتا ہے جس میں غور اور فکر کرنے کے لئے کافی فرصت نہیں مل ۴۵۹
سکتی۔ اس لئے مکاروں کے لئے دست بازی کی بہت گنجائش رہتی ہے اور ان کے پوشیدہ بھیدوں پر ۴۶۰
اطلاع پانے کا کم موقع ملتا ہے۔ علاوہ اس کے عوام بے چارے علوم طبعی وغیرہ فنون فلاسفہ سے کچھ خبر
نہیں رکھتے اور جو کائنات میں حکیم مطلق نے طرح طرح کے عجیب خواص رکھے ہیں ان خواص کی ۴۶۱
انہیں کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ پس وہ ہر ایک وقت اور ہر زمانہ میں دھوکا کھانے کو طیار ہیں۔ اور کیونکر
دھوکہ نہ کھاویں خواص اشیاء کے ایسے ہی حیرت افزا ہیں اور بے خبری کی حالت میں موجب زیادت ۴۶۲
حیرت ہوتے ہیں۔ مثلاً مکھی اور دوسرے بعض جانوروں میں یہ خاصیت ہے کہ اگر ایسے طور پر
مر جائیں کہ ان کے اعضاء میں کچھ زیادہ تفرق اتصال واقع نہ ہو اور اعضا اپنی اصلی ہیئت اور وضع پر ۴۶۳
سلامت رہیں اور متعفن ہونے بھی نہ پاویں بلکہ ابھی تازہ ہی ہوں اور موت پر دو تین گھنٹہ سے زیادہ
عرصہ نہ گذرا ہو جیسے پانی میں مری ہوئی مکھیاں ہوتی ہیں تو اس صورت میں اگر نمک باریک پیس کر اس

مکھی وغیرہ کو اس کے نیچے دبایا جاوے اور پھر اسی قدر خاکستر بھی اس پر ڈالی جاوے تو وہ مکھی زندہ
ہوکر اڑ جاتی ہے، اور یہ خاصیت مشہور و معروف ہے جس کو اکثر لڑکے بھی جانتے ہیں۔ لیکن اگر کسی ۴۶۴
سادہ لوح کو اس نسخہ پر اطلاع نہ ہو اور کوئی مکار اس نادان اور بیخبر کے سامنے مگس مسیح ہونے کا دعویٰ
کرے اور اسی حکمت عملی سے مکھیوں کو زندہ کرے اور بظاہر کوئی منتر جنتر پڑھتا رہے جس سے یہ جتلانا
منظور ہو کہ گویا وہ اسی منتر کے ذریعہ سے مکھیوں کو زندہ کرتا ہے تو پھر اس سادہ لوح کو اس قدر عقل اور
فرصت کہاں ہے کہ تحقیقاتیں کرتا پھرے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ مکار لوگ اسی زمانے میں دنیا کو ہلاک ۴۶۵
کر رہے ہیں۔ کوئی سونا بنا کر دکھلاتا ہے اور کوئی کیمیا گری کا دعویٰ کرتا ہے اور کوئی آپ ہی زمین کے
نیچے پتھر دبا کر پھر ہندوؤں کے سامنے دیوی نکالتا ہے۔ بعض نے ایسا بھی کیا ہے کہ جمال گوٹہ کا روغن
اپنی دوات کی سیاہی میں ملایا اور پھر اس سیاہی سے کسی سادہ لوح کو تعویذ لکھ کر دیا تا دست آنے پر
تعویذ کا اثر ظاہر ہو۔ ایسے ہی ہزاروں اور مکر اور فریب ہیں کہ جو اسی زمانہ میں ہو رہے ہیں۔ اور بعض
مکر ایسے عمیق ہیں جن سے بڑے بڑے دانشمند دھوکا کھا جاتے ہیں اور علوم طبعی کے دقائق عمیقہ اور ۴۶۶
جسمی تراکیب اور قوتوں کے خواص عجیبہ جو حال کے زمانہ میں نئے تجارب کے ذریعہ سے روز بروز
پھیلتے جاتے ہیں یہ جدید باتیں ہیں جن سے جھوٹے معجزے دکھلانے والے نئے نئے مکر اور فریب
دکھا سکتے ہیں۔ سو اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ جو معجزات بظاہر صورت ان مکروں سے متشابہ ہیں گو وہ سچے
بھی ہوں تب بھی مجوب الحقیقت ہیں اور ان کے ثبوت کے بارے میں بڑی بڑی دقتیں ہیں۔

تمہید ششم:۔ جس طرح مجوب الحقیقت معجزات عقلی معجزات سے برابری نہیں کر سکتے ایسا ہی ۴۶۷
پیشین گوئیاں اور اخبار ازمنہ گذشتہ جو نجومیوں اور رمالوں اور کاہنوں اور مورخوں کے طریقۂ بیان
سے مشابہ ہیں ان پیشین گوئیوں اور اخبار غیبیہ سے مساوی نہیں ہو سکتیں کہ جو محض اخبار نہیں ہیں بلکہ
ان کے ساتھ قدرت الوہیت بھی شامل ہے۔ کیونکہ دنیا میں بجز انبیاء کے اور بھی ایسے لوگ بہت نظر
آتے ہیں کہ ایسی ایسی خبریں پیش از وقوع بتلایا کرتے ہیں کہ زلزلے آویں گے، وبا پڑے گی، ۴۶۸
لڑائیاں ہوں گی، قحط پڑے گا، ایک قوم دوسری قوم پر چڑھائی کرے گی، یہ ہوگا وہ ہوگا اور بارہا کوئی

نہ کوئی ان کی خبر بھی سچی نکل آتی ہے۔ پس ان شبہات کے مٹانے کے لئے وہ پیشین گوئیاں اوراخبار غیبیہ زبردست اور کامل متصور ہوں گے جن کے ساتھ ایسے نشان قدرت الٰہیہ کے ہوں جن میں رمالوں اور خواب بینوں اور نجومیوں وغیرہ کا شریک ہونا ممتنع اور محال ہو۔ یعنی ان میں خداوند تعالیٰ کے کامل
۴۶۹ جلال کا جوش اوراس کی تائیدات کا ایسا بزرگ چمکار نظر آتا ہو جو بدیہی طور پر اس کی توجہات خاصہ پر دلالت کرتا ہو اور نیز وہ ایک ایسی نصرت کے خبر پر مشتمل ہوں جس میں اپنی فتح اور مخالف کی شکست اور اپنی عزت اور مخالف کی ذلت اور اپنا اقبال اور مخالف کا زوال بہ تفصیل تمام ظاہر کیا گیا ہو۔ اور ہم اپنے موقعہ پر بیان کریں گے اور کچھ بیان بھی کر چکے ہیں کہ یہ اعلیٰ درجہ کی پیشین گوئیاں صرف قرآن شریف سے مخصوص ہیں کہ جن کے پڑھنے سے جلال الٰہی کا ایک عالم نظر آتا ہے۔

۴۷۰ تمہید ہفتم :۔ قرآن شریف میں جس قدر باریک صداقتیں علم دین کی اور علوم دقیقہ الٰہیات کے اور براہین قاطعہ اصول حقہ کے معہ دیگر اسرار اور معارف کے مندرج ہیں اگرچہ وہ تمام فی حد ذاتہا ایسے ہیں کہ قویٰ بشریہ ان کو بہ ہیئت مجموعی دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور کسی عاقل کی عقل ان کے دریافت کرنے کے لئے بطور خود سبقت نہیں کر سکتی کیونکہ پہلے زمانوں پر نظر استقراری ڈالنے سے ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی حکیم یا فیلسوف ان علوم و معارف کا دریافت کرنے والا نہیں گذرا لیکن اس جگہ
۴۷۱ عجیب بر عجیب اور بات ہے یعنی یہ کہ وہ علوم اور معارف ایک ایسے امی کو عطا کی گئی کہ جو لکھنے پڑھنے سے ناآشنا محض تھا۔ جس نے عمر بھر کسی مکتب کی شکل نہیں دیکھی تھی اور نہ کسی کتاب کا کوئی حرف پڑھا تھا اور نہ کسی اہل علم یا حکیم کی صحبت میسر آئی تھی بلکہ تمام عمر جنگلیوں اور وحشیوں میں سکونت رہی، انہیں میں پرورش پائی اور انہیں میں سے پیدا ہوئے اور انہیں کے ساتھ اختلاط رہا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی
۴۷۲ اور ان پڑھ ہونا ایک ایسا بدیہی امر ہے کہ کوئی تاریخ دان اسلام کا اس سے بے خبر نہیں۔ لیکن چونکہ یہ امر آئندہ فصلوں کے لئے بہت کارآمد ہے اس لئے ہم کسی قدر آیات قرآنی لکھ کر امیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ثابت کرتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ وہ آیات بہ تفصیل ذیل ہیں :

قال اللّٰہ تعالیٰ: هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۲﴾ (الجمعہ:۲)

وہ خدا ہے جس نے اَن پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا ان پر وہ اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے صریح گمراہی میں پھنسے ہوئے تھے۔

عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

۴۷۳ میں جس کو چاہتا ہوں عذاب پہنچاتا ہوں اور میری رحمت نے
ہر چیز پر احاطہ کر رکھا ہے سو میں ان کے لئے جو ہر ایک طرح
کے شرک اور کفر اور فواحش سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ
دیتے ہیں اور نیز ان کے لئے جو ہماری نشانیوں پر ایمان کامل
لاتے ہیں اپنی رحمت لکھوں گا وہ وہی لوگ ہیں جو اس رسول نبی
پر ایمان لائے ہیں کہ جس میں ہماری قدرت کاملہ کی دو نشانیاں
۴۷۴ ہیں۔ ایک تو بیرونی نشانی کہ توریت او رانجیل میں اس کی
نسبت پیشین گوئیاں موجود ہیں جن کو وہ آپ بھی اپنی کتابوں
میں موجود پاتے ہیں۔ دوسری وہ نشانی کہ خود اس نبی کی ذات
میں موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ باوجود اُمی اور ناخواندہ ہونے
کے ایسی ہدایت کامل لایا ہے کہ ہر یک قسم کی حقیقی صداقتیں
جن کی سچائی کو عقل وشرع شناخت کرتی ہے اور جو صفحہ دنیا پر
باقی نہیں رہی تھیں لوگوں کی ہدایت کے لئے بیان فرماتا ہے
اور ان کو اس کے بجا لانے کے لئے حکم کرتا ہے اور ہر یک
۴۷۵ نامعقول بات سے کہ جس کی سچائی سے عقل وشرع انکار کرتی
ہے منع کرتا ہے اور پاک چیزوں کو پاک اور پلید چیزوں کو پلید
ٹھہراتا ہے اور یہودیوں اور عیسائیوں کے سر پر سے وہ بھاری

النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ
جَمِیْعَا ا۟لَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ
۴۷۶ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ الْاُمِّیِّ
الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ
وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

(الاعراف: ۱۵۶ تا ۱۵۸)

بوجھ اتارتا ہے جو ان پر پڑی ہوئی تھی اور جن طوقوں میں وہ گرفتار تھے ان سے خلاصی بخشتا ہے۔ سو جو لوگ اس پر ایمان لاویں اور اس کو قوت دیں اور اس کی مدد کریں اور اس نور کی بکلی متابعت اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل ہوا ہے وہی لوگ نجات یافتہ ہیں۔ لوگوں کو کہہ دے کہ میں خدا کی طرف سے تم سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ وہ خدا جو بلاشرکت غیرے آسمان اور زمین کا مالک ہے جس کے سوا اور کوئی خدا قابل پرستش نہیں، زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ پس اس خدا پر اور اس کے رسول پر جو نبی امی ہے ایمان لاؤ۔ وہ نبی جو اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تا تم ہدایت پاؤ۔

۴۷۷ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا
مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا
الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰی
صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۲﴾

اور اسی طرح ہم نے اپنے امر سے تیری طرف ایک روح نازل کی ہے تجھے معلوم نہ تھا کہ کتاب اور ایمان کسے کہتے ہیں پر ہم نے اس کو ایک نور بنایا ہے جس کو ہم چاہتے ہیں بذریعہ اس کے ہدایت دیتے ہیں اور بہ تحقیق سیدھے راستہ کی طرف تو ہدایت دیتا ہے۔ (الشوریٰ: ۵۲)

۴۷۸ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ
كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا
لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ
اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ
اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور تو اس سے پہلے تو کسی کتاب کو نہیں پڑھتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا تا باطل پرستوں کو شک کرنے کی کوئی وجہ بھی ہوتی بلکہ وہ آیات بینات ہیں جو اہل علم لوگوں کے سینوں میں ہیں اور ان سے انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو ظالم ہیں۔

(العنکبوت: ۴۸، ۴۹)

ان تمام آیات سے آنحضرت ﷺ کا امی ہونا بکمال وضاحت ثابت ہوتا ہے کیونکہ ظاہر ۴۷۹
ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ فی الحقیقت امی اور ناخواندہ نہ ہوتے تو بہت سے لوگ اس دعویٰ امیت کی
تکذیب کرنے والے پیدا ہو جاتے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے کسی ایسے ملک میں یہ دعویٰ نہیں کیا تھا
کہ جس ملک کے لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات سے بے خبر اور ناواقف قرار دے
سکیں۔ بلکہ وہ تمام لوگ ایسے تھے جن میں آنحضرت ﷺ نے ابتداء عمر سے نشوونما پایا تھا اور ایک
حصہ کلاں عمر اپنی کا ان کی مخالطت اور مصاحبت میں بسر کیا تھا۔ پس اگر فی الواقعہ جناب ممدوح امی نہ ۴۸۰
ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ اپنے امی ہونے کا ان لوگوں کے سامنے نام بھی لے سکتے جن پر کوئی حال ان کا
پوشیدہ نہ تھا اور جو ہر وقت اس گھات میں لگے ہوئے تھے کہ کوئی خلاف گوئی ثابت کریں اور اس کو
مشتہر کر دیں۔ جن کا عناد اس درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ اگر بس چل سکتا تو کچھ جھوٹ موٹ سے ہی ثبوت
بنا کر پیش کر دیتے اور اسی جہت سے ان کو ان کی ہر ایک بدظنی پر ایسا مسکت جواب دیا جاتا تھا کہ وہ
ساکت اور لاجواب رہ جاتے تھے۔ مثلاً جب مکہ کے بعض نادانوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن کی ۴۸۱
توحید ہمیں پسند نہیں آتی کوئی ایسا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی تعظیم اور پرستش کا ذکر ہو یا اسی میں کچھ
تبدل تغیر کر کے بجائے توحید کے شرک بھر دو تب ہم قبول کر لیں گے اور ایمان لے آئیں گے تو خدا
نے ان کے سوال کا جواب اپنے نبی ﷺ کو وہ تعلیم کیا جو آنحضرت ﷺ کے واقعات عمری پر نظر
کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے:۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا
ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ
قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ
تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا
يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ

وہ لوگ جو ہماری ملاقات سے ناامید ہیں یعنی ہماری طرف ۴۸۲
سے بکلی علاقہ توڑ چکے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کے
برخلاف کوئی اور قرآن لا جس کی تعلیم اس کی تعلیم سے مغایر اور
منافی ہو یا اسی میں تبدیل کر۔ ان کو جواب دے کہ مجھے یہ
قدرت نہیں اور نہ روا ہے کہ میں خدا کے کلام میں اپنی طرف
سے کچھ تبدیل کروں۔ میں تو صرف اس وحی کا تابع ہوں جو

۴۸۳ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

(یونس: ۱۵ تا ۱۷)

میرے پر نازل ہوتی ہے اور اپنے خداوند کی نافرمانی سے ڈرتا ہوں اگر خدا چاہتا تو میں تم کو یہ کلام نہ سناتا اور خدا تم کو اس پر مطلع بھی نہ کرتا۔ پہلے اس سے اتنی عمر یعنی چالیس برس تک تم میں ہی رہتا رہا ہوں پھر کیا تم کو عقل نہیں یعنی کیا تم کو بخوبی معلوم نہیں کہ افترا کرنا میرا کام نہیں اور جھوٹ بولنا میری عادت میں نہیں۔ اور پھر آگے فرمایا کہ اس شخص سے زیادہ تر اور کون ظالم ہوگا کہ جو خدا پر افترا باندھے یا خدا کی کلام کو کہے کہ یہ انسان کا افترا ہے بلا شبہ مجرم نجات نہیں پائیں گے۔

۴۸۴ غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا عربوں اور عیسائیوں اور یہودیوں کی نظر میں ایسا بدیہی اور یقینی امر تھا کہ اس کے انکار میں کچھ دم نہیں مار سکتے تھے بلکہ اسی جہت سے وہ توریت کے اکثر قصے جو کسی خواندہ آدمی پر مخفی نہیں رہ سکتے بطور امتحان نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے تھے اور پھر جواب صحیح اور درست پاکر اور ان فاش غلطیوں سے مبرا دیکھ کر جو توریت کے قصوں میں پڑ گئے ہیں وہ لوگ جو ان میں راسخ فی العلم تھے بصدق دلی ایمان لے آتے تھے جن کا ذکر قرآن شریف میں اس طرح پر درج ہے۔

۴۸۵ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ

سب فرقوں میں سے مسلمانوں کی طرف زیادہ تر رغبت کرنے والے عیسائی ہیں کیونکہ ان میں بعض اہل علم اور راہب بھی ہیں جو تکبر نہیں کرتے اور جب خدا کے کلام کو جو اس کے رسول پر نازل ہوا ہے سنتے ہیں تب تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ وہ حقانیت کلام الٰہی کو پہچان جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان

الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ (المائدہ ۸۲ تا ۸۴)

لائے ہم کو ان لوگوں میں لکھ لے جو تیرے دین کی سچائی کے گواہ ہیں اور کیوں ہم خدا اور خدا کے سچے کلام پر ایمان نہ لاویں حالانکہ ہماری آرزو ہے کہ خدا ہم کو ان بندوں میں داخل کرے جو نیکوکار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَ يَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ (بنی اسرائیل:۱۰۷ تا ۱۰۹)

جو لوگ عیسائیوں اور یہودیوں میں سے صاحب علم ۴۸۶
ہیں جب ان پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ کرتے ہوئے ٹھوڑیوں پر گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا خدا تخلف وعدہ سے پاک ہے۔ ایک دن ہمارے خداوند کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا اور روتے ہوئے منہ پر گر پڑتے ہیں اور خدا کا کلام ان میں فروتنی اور عاجزی کو بڑھاتا ہے۔

پس یہ تو ان لوگوں کا حال تھا جو عیسائیوں اور یہودیوں میں اہل علم اور صاحب انصاف تھے کہ جب وہ ایک طرف آنحضرت ﷺ کی حالت پر نظر ڈال کر دیکھتے تھے کہ محض امی ہیں کہ تربیت اور تعلیم کا ایک نقطہ بھی نہیں سیکھا اور نہ کسی مہذب قوم میں بودوباش رہی اور نہ مجالس علمیہ دیکھنے کا
اتفاق ہوا۔ اور دوسری طرف وہ قرآن شریف میں صرف پہلی کتابوں کے قصے نہیں بلکہ صدہا باریک ۴۸۷
صداقتیں دیکھتے تھے جو پہلی کتابوں کی مکمل اور متمم تھیں تو آنحضرت ﷺ کی حالت امیت کو سوچنے سے اور پھر اس تاریکی کے زمانہ میں ان کمالات علمیہ کو دیکھنے سے اور نیز انوار ظاہری و باطنی کے مشاہدہ سے نبوت آنحضرت ﷺ کی ان کو اظہر من الشمس معلوم ہوتی تھی اور ظاہر ہے کہ اگر ان مسیحی فاضلوں کو آنحضرت ﷺ کے امی اور مؤید من اللہ ہونے پر یقین کامل نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ ایک ایسے دین سے جس کی حمایت میں ایک بڑی سلطنت قیصر روم کی قائم تھی اور جو نہ صرف ایشیا میں بلکہ

بعض حصوں یورپ میں بھی پھیل چکا تھا اور بوجہ اپنی مشرکانہ تعلیم کے دنیا پرستوں کو عزیز اور پیارا
معلوم ہوتا تھا صرف شک اور شبہ کی حالت میں الگ ہو کر ایسے مذہب کو قبول کر لیتے جو بباعث تعلیم
توحید کے تمام مشرکین کو بُرا معلوم ہوتا تھا اور اس کے قبول کرنے والے ہر وقت چاروں طرف سے
۴۸۸ معرض ہلاکت اور بلا میں تھے۔ پس جس چیز نے ان کے دلوں کو اسلام کی طرف پھیرا وہ یہی بات تھی
جو انہوں نے آنحضرت ﷺ کو محض امی اور سراپا مؤید من اللہ پایا اور قرآن شریف کو بشری طاقتوں
سے بالاتر دیکھا اور پہلی کتابوں میں اس آخری نبی کے آنے کے لئے خود بشارتیں پڑھتے تھے۔ سو خدا
نے ان کے سینوں کو ایمان لانے کے لئے کھول دیا اور ایسے ایماندار نکلے جو خدا کی راہ میں اپنے
خونوں کو بہایا۔ اور جو لوگ عیسائیوں اور یہودیوں اور عربوں میں سے نہایت درجہ کے جاہل اور شریر
اور بدباطن تھے ان کے حالات پر بھی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی بہ یقین کامل آنحضرت
ﷺ کو امی جانتے تھے اور اسی لئے جب وہ بائبل کے بعض قصے آنحضرت ﷺ کو بطور امتحان نبوت
پوچھ کر ان کا ٹھیک ٹھیک جواب پاتے تھے تو یہ بات ان کو زبان پر لانے کی مجال نہ تھی کہ آنحضرت
۴۸۹ ﷺ کچھ پڑھے لکھے ہیں ۔ آپ ہی کتابوں کو دیکھ کر جواب بتلا دیتے ہیں بلکہ جیسے کوئی لاجواب رہ کر
اور کھسیانا بن کر کچھ عذر پیش کرتا ہے ایسا ہی نہایت ندامت سے یہ کہتے تھے کہ شاید درپردہ کسی عیسائی
یا یہودی عالم بائبل نے یہ قصے بتلا دیئے ہوں گے۔ پس ظاہر ہے اگر آنحضرت ﷺ کا امی ہونا ان
کے دلوں میں بہ یقین کامل متمکن نہ ہوتا تو اسی بات کے ثابت کرنے کے لئے نہایت کوشش کرتے کہ
آنحضرت ﷺ امی نہیں ہیں فلاں مکتب یا مدرسہ میں انہوں نے تعلیم پائی ہے، واہیات باتیں کرنا جن
سے ان کی حماقت ثابت ہوتی تھی کیا ضرور تھا کیونکہ یہ الزام لگانا کہ بعض عالم یہودی اور عیسائی درپردہ
آنحضرت ﷺ کے رفیق اور معاون ہیں بدیہی البطلان تھا۔ اس وجہ سے کہ قرآن تو جابجا اہل کتاب
کی وحی کو ناقص اور ان کی کتابوں کو محرف اور مبدل اور ان کے عقائد کو فاسد اور باطل اور خود ان کو
۴۹۰ بشرطیکہ بے ایمان مریں ملعون اور جہنمی بتلاتا ہے۔ اور ان کے اصول مصنوعہ کو دلائل قویہ سے توڑتا ہے
تو پھر کس طرح ممکن تھا کہ وہ لوگ قرآن شریف سے اپنے مذہب کی آپ ہی مذمت کرواتے اور اپنی

کتابوں کا آپ ہی ردّ لکھاتے اور اپنے مذہب کی بیخ کنی کے آپ ہی موجب بن جاتے ۔ پس یہ سست اور نادرست باتیں اس لئے دنیا پرستوں کو بکنی پڑیں کہ ان کو عاقلانہ طور پر قدم مارنے کا کسی طرف راستہ نظر نہیں آتا تھا اور آفتاب صداقت کا ایسی پُر زور روشنی سے اپنی کرنیں چاروں طرف چھوڑ رہا تھا کہ وہ اس سے چمگادڑ کی طرح چھپتے پھرتے تھے اور کسی ایک بات پر ان کو ہرگز ثبات و قیام نہ تھا بلکہ تعصب اور شدت عناد نے ان کو سودائیوں اور پاگلوں کی طرح بنا رکھا تھا۔ پہلے تو قرآن کے قصوں کو سن کر جن میں بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا ذکر تھا اس وہم میں پڑے کہ شاید ایک شخص اہل کتاب
۴۹۱ میں سے پوشیدہ طور پر یہ قصے سکھاتا ہوگا جیسا ان کا یہ مقولہ قرآن شریف میں درج ہے: اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (النحل: ۱۰۴) اور پھر جب دیکھا کہ قرآن شریف میں صرف قصے ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے حقائق ہیں تو پھر یہ دوسری رائے ظاہر کی ۔ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (الفرقان: ۴) یعنی ایک بڑی جماعت نے متفق ہو کر قرآن شریف کو تالیف کیا ہے ایک آدمی کا کام نہیں ۔ پھر جب قرآن شریف میں ان کو یہ جواب دیا گیا کہ اگر قرآن کو کسی جماعت علماء فضلاء اور شعراء نے اکٹھے ہو کر بنایا ہے تو تم بھی کسی ایسی جماعت سے مدد لے کر قرآن کی نظیر بنا کر دکھلاؤ تا تمہارا سچا ہونا ثابت ہو۔ تو پھر لا جواب ہو کر اس رائے کو بھی جانے دیا اور ایک تیسری رائے ظاہر کی ۔ اور وہ یہ کہ قرآن کو جنات کی مدد سے بنایا ہے یہ آدمی کا کام نہیں ۔ پھر خدا نے اس کا جواب بھی ایسا دیا کہ جس کے سامنے وہ چون چرا کرنے سے عاجز ہو گئے جیسا فرمایا ہے:۔

۴۹۲ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝۲۵ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝۲۶ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝۲۷ (التکویر: ۲۵ تا ۲۷)

یعنی قرآن ہر یک قسم کے امور غیبیہ پر مشتمل ہے اور اس قدر بتلانا جنات کا کام نہیں ان کو کہہ دے کہ اگر تمام جن متفق ہو جائیں اور ساتھ ہی بنی آدم بھی اتفاق کر لیں اور سب مل کر یہ چاہیں کہ مثل اس قرآن کے کوئی اور قرآن بنا دیں تو ان کے لئے ہرگز ممکن نہیں ہوگا اگرچہ ایک دوسرے

قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ

بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝۸۸ (بنی اسرائیل:۸۸)

کے مددگار بن جائیں۔

پھر جب ان بدبختوں پر اپنے تمام خیالات کا جھوٹ ہونا کھل گیا اور کوئی بات بنتی نظر نہ آئی تو آخر کار کمال بے حیائی سے کمینہ لوگوں کی طرح اس بات پر آ گئے کہ ہر طرح پر اس تعلیم کو شائع ہونے سے روکنا چاہیے جیسا اس کا ذکر قرآن شریف میں فرمایا ہے:

۴۹۳ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝۲۶ (حم السجدہ:۲۶)

یعنی کافروں نے یہ کہا کہ اس قرآن کو مت سنو۔ اور جب تمہارے سامنے پڑھا جاوے تو تم شور ڈال دیا کرو تا شاید اسی طرح غالب آ جاؤ۔

وَ قَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
۴۹۲ وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝۷۲
(آل عمران:۷۲)

اور بعضوں نے عیسائیوں اور یہودیوں میں سے یہ کہا کہ یوں کرو کہ اول صبح کے وقت جا کر قرآن پر ایمان لے آؤ۔ پھر شام کو اپنا ہی دین اختیار کر لو تا شاید اس طور سے ہی لوگ شک میں پڑ جائیں اور دین اسلام کو چھوڑ دیں۔

۴۹۴ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا۝۵۱ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا۝۵۲
(النساء:۵۱، ۵۲)

کیا تو نے دیکھا نہیں نہیں کہ یہ عیسائی اور یہودی جنہوں نے انجیل اور توریت کو کچھ ادھورا سا پڑھ لیا ہے ایمان ان کا دیوتوں اور بتوں پر ہے اور مشرکوں کو کہتے ہیں کہ ان کا مذہب جو بت پرستی ہے وہ بہت اچھا ہے اور توحید کا مذہب جو مسلمان رکھتے ہیں یہ کچھ نہیں یہ وہی لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا لعنت کرے اس کے لئے کوئی مددگار نہیں۔

٤٩٥ اب خلاصہ اس تقریر کا یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی نہ ہوتے تو مخالفین اسلام بالخصوص
یہودی اور عیسائی جن کو علاوہ اعتقادی مخالفت کے یہ بھی حسد اور بغض دامنگیر تھا کہ بنی اسرائیل میں
سے رسول نہیں آیا بلکہ ان کے بھائیوں میں سے جو بنی اسماعیل ہیں آیا وہ کیونکر ایک صریح امر خلاف
واقعہ پاکر خاموش رہتے۔ بلاشبہ ان پر یہ بات بکمال درجہ ثابت ہو چکی تھی کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے منہ سے نکلتا ہے وہ کسی امی اور ناخواندہ کا کام نہیں اور نہ دس بیس آدمیوں کا کام ہے تب ہی تو وہ
٤٩٦ اپنی جہالت سے اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ (الفرقان: ٤) کہتے تھے اور جو ان میں سے دانا اور واقعی
اہل علم تھے وہ بخوبی معلوم کر چکے تھے کہ قرآن انسانی طاقتوں سے باہر ہے اور ان پر یقین کا دروازہ
ایسا کھل گیا تھا کہ ان کے حق میں خدا نے فرمایا: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرہ: ١٤٦) یعنی
اس نبی کو ایسا شناخت کرتے ہیں کہ جیسا اپنے بیٹوں کو شناخت کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہ دروازہ
یقین اور معرفت کا کچھ ان کے لئے ہی نہیں کھلا بلکہ اس زمانہ میں بھی سب کے لئے کھلا ہے۔ کیونکہ
٤٩٧ قرآن شریف کی حقانیت معلوم کرنے کے لئے اب بھی وہی معجزات قرآنیہ اور وہی تاثیرات فرقانیہ اور
وہی تائیدات غیبی اور وہی آیات لاریبی موجود ہیں جو اس زمانہ میں موجود تھی۔ خدا نے اس دین قویم
کو قائم رکھنا تھا اس لئے اس کی سب برکات اور سب آیات قائم رکھی اور عیسائیوں اور یہودیوں اور
ہندوؤں کے ادیانِ محرفہ اور باطلہ اور ناقصہ کا استیصال منظور تھا اس جہت سے ان کے ہاتھ صرف قصے
ہی قصے رہ گئے اور برکت حقانیت اور تائیدات سماویہ کا نام ونشان نہ رہا۔ ان کی کتابیں ایسے نشان
٤٩٨ بتلا رہی ہیں جن کے ثبوت کا ایک ذرّہ نشان ان کے ہاتھ میں نہیں صرف گذشتہ قصوں کا حوالہ دیا جاتا
ہے۔ مگر قرآن شریف ایسے نشان پیش کرتا ہے جن کو ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے۔

٤٩٩ تمہید ہشتم: ۔ جو امر خارق عادت کسی ولی سے صادر ہوتا ہے وہ حقیقت میں اس نبی متبوع کا
٥٠٠ معجزہ ہے جس کی وہ امت ہے۔ اور یہ بدیہی اور ظاہر ہے کیونکہ جب کسی امر کا ظاہر ہونا کسی شخص اور
٥٠١ کسی خاص کتاب کی متابعت سے وابستہ ہے اور بدون متابعت کے وہ ظہور میں آ ہی نہیں سکتا تو بہ
٥٠٢ بداہت ثابت ہے کہ اگرچہ وہ امر بظاہر صورت کسی تابع سے ظہور میں آیا ہو لیکن در حقیقت مظہر اس

۵۰۳ امر کا نبی متبوع ہے جس کی متابعت سے ظہور اس کا مشروط ہے اور سر اس بات کا کہ کیوں معجزہ نبی کا
۵۰۴ دوسرے کے توسط سے ظہور پذیر ہو جاتا ہے، یہ ہے کہ جب ایک شخص وہی امر بجا لاتا ہے کہ جو اس
۵۰۵ کے شارع نے فرمایا ہے اور اس امر سے پرہیز کرتا ہے کہ جو اس کے شارع نے منع کیا ہے اور اسی
۵۰۶ کتاب کا پابند رہتا ہے جو اس کے شارع نے دی ہے تو وہ اس صورت میں بالکل اپنے نفس سے محو ہو کر
۵۰۷ اپنے شارع کی ذمہ واری میں جا پڑتا ہے۔ پس اگر شارع طبیب حاذق کی طرح ٹھیک ٹھیک صراط
۵۰۸ مستقیم کا رہنما ہے اور وہ مبارک کتاب لایا ہے جس میں شخص پیرو کی امراض روحانی کا علاج ہے اور
۵۰۹ اس کی علمی اور عملی تکمیل کے لئے پورا سامان موجود ہے۔ اور پھر اس کے پیرو نے بغیر کسی اعراض صوری
۵۱۰ یا معنوی کے ان تعلیمات کو بصدق دل قبول کر لیا ہے تو جو کچھ انوار آثار بعد متابعت کامل کے مترتب
۵۱۱ ہوں گے وہ حقیقت میں اس نبی متبوع کے فیوض ہیں۔ سو اسی جہت سے اگر ولی سے کوئی امر خارق
۵۱۲ عادت ظاہر ہو تو اس نبی متبوع کا معجزہ ہوگا۔ اب ان تمہیدات کے بعد دلائل حقیت قرآن شریف کے
لکھے جاتے ہیں۔ ونسئل اللہ التوفیق والنصر هو نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

باب اوّل

ان براہین کے بیان میں جو قرآن شریف کی
حقیت اور افضلیت پر بیرونی شہادتیں ہیں

برھان اول........ قال اللّٰہ تعالیٰ تَاللّٰہِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤی اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِکَ فَزَیَّنَ لَہُمُ
الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَہُمۡ فَہُوَ وَلِیُّہُمُ الۡیَوۡمَ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۳﴾ وَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ ۵۱۳
الۡکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَہُمُ الَّذِی اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ ۙ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ اللّٰہُ
اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ
یَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾ (النحل: ۶۳ تا ۶۵)

وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ بُشۡرًۢا بَیۡنَ یَدَیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ
لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ فَاَخۡرَجۡنَا بِہٖ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ کَذٰلِکَ نُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰی ۵۱۴
لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَ الۡبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخۡرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذۡنِ رَبِّہٖ ۚ وَ الَّذِیۡ خَبُثَ لَا یَخۡرُجُ
اِلَّا نَکِدًا ؕ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّشۡکُرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ (الاعراف: ۵۷، ۵۸)

اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَ یَجۡعَلُہٗ
کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اِذَا ہُمۡ
یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمُبۡلِسِیۡنَ ﴿۴۹﴾
فَانۡظُرۡ اِلٰۤی اٰثٰرِ رَحۡمَتِ اللّٰہِ کَیۡفَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ۚ وَ ہُوَ ۵۱۵
عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۵۰﴾ (الروم: ۴۸ تا ۵۰) اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ
بِقَدَرِہَا (الرعد: ۱۷) ظَہَرَ الۡفَسَادُ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ بِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِی النَّاسِ

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾ (الروم:۴۱، ۴۲) اَوَ ۵۱۶
لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ
اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ (السجدہ:۲۷) وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ
الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (بنی اسرائیل:۱۲) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَآ
اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۵۱۷
وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾ (القدر:۱ تا
۵) اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾
(المزمل:۱۵) وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بنی اسرائیل:۱۰۵) يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ ۵۱۸
رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ
فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ (المائدہ:۱۹) وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا ۵۱۹
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آل
عمران:۱۰۳) وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ
اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ (القصص:۴۷) وَلَوْ
لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى ۵۲۰
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ (البقرہ:
۲۵۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء:۱۰۷) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ
اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۶﴾ (یٰس:۶) اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ ۵۲۱
هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ (الفرقان:۴۴) وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ
بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ (فاطر:۴۵) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ
بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿۴۸﴾ لِّنُحْيِ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ

مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿۴۹﴾ (الفرقان:۴۸،۴۹) وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ ۵۲۲
قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ جَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِیْرًا ﴿۵۲﴾ (الفرقان:۵۱،۵۲)
وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿۶۲﴾
(الفرقان:۶۲) وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا ؕ وَ كَانَ رَبُّكَ ۵۲۳
قَدِیْرًا ﴿۵۵﴾ (الفرقان:۵۴) اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ
ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ﴿۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ
جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿۴۷﴾ (الفرقان:۴۵ تا
۴۷) اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (الحدید:۱۷)

یعنی ہم کو اپنی ذات الوہیت کی قسم ہے جو مبدء فیضان ہدایت و پرورش اور جامع تمام
صفات کاملہ ہے اور جو ہم نے تجھ سے پہلے دنیا کے کئی فرقوں اور قوموں میں پیغمبر بھیجے۔
پس وہ لوگ شیطانؔ کے دھوکا دینے سے بگڑ گئے اور بُرے کام ان کو اچھے دکھائی دینے ۵۲۴
لگے سو وہی شیطان آج ان سب کا رفیق ہے جو ان کو جادۂ استقامت سے منحرف کر رہا
ہے اور یہ کتاب اس لئے نازل کی گئی ہے کہ تا ان لوگوں کا رفع اختلافات کیا جائے اور تا
مومنوں کے لئے وہ ہدایتیں جو پہلے کتابوں میں ناقص رہ گئی تھی کامل طور پر بیان کی
جائیں تا وہ کامل رحمت کا موجب ہو اور حقیقت حال یہ ہے کہ زمین ساری کی ساری مرگئی
تھی خدا نے آسمان سے پانی اتارا اور نئے سرے اس مردہؔ زمین کو زندہ کیا۔ یہ ایک ۵۲۵
نشانِ صداقت اس کتاب کا ہے پر ان لوگوں کے لئے جو سنتے ہیں یعنی طالب حق ہیں۔
اور پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ وہ ذات کریم ورحیم ہے جس کا قدیم سے یہ قانون قدرت
ہے کہ وہ ہواؤں کو اپنی رحمت سے پہلے یعنی بارش سے پہلے چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ
جب ہوائیں بھاری بدلیوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم کسی مردہ شہر کی طرف یعنی جس ضلع میں

بباعث امساک باراں زمین مردہ کی طرح خشک ہوگئی ہواُن ہواؤں کو ہانک دیتے ہیں
۵۲۶ پھر اس سے پانی اتارتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے قسم قسم کے میوے پیدا کرتے
ہیں۔ اسی طرح روحانی مردوں کو موت کے گڑھے سے نکالا کرتے ہیں اور یہ مثال اس
لئے بیان کی گئی تا کہ تم دھیان کرو اور اس بات کو سمجھ جاؤ کہ ہم امساک باراں کی شدت
کے وقت مردہ زمین کو زندہ کر دیا کرتے ہیں ایسا ہی ہمارا قاعدہ ہے کہ جب سخت درجہ پر
گمراہی پھیل جاتی ہے اور دل جو زمین سے مشابہ ہیں مرجاتے ہیں تو ہم ان میں زندگی کی
روح ڈال دیتے ہیں اور جو زمین پاکیزہ ہے اس کی تو کھیتی اللہ کے اذن سے جیسی کہ
۵۲۷ چاہیے نکلتی ہے اور جو خراب زمین ہے اس کی صرف تھوڑی سی کھیتی نکلتی ہے اور عمدہ کھیتی
نہیں نکلتی اسی طرح سے ہم پھیر پھیر کر بتاتے ہیں تا جو شکر کرنے والے ہیں شکر کریں۔
اور پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ وہ ذات کریم ورحیم ہے کہ جو بروقت ضرورت ایسی ہوائیں
چلاتا ہے جو بدلی کو ابھارتی ہیں۔ پھر خدائے تعالیٰ اس بدلی کو جس طرح چاہتا ہے آسمان
میں پھیلا دیتا ہے اور اس کو تہہ بہ تہہ رکھتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ
نکلتا ہے پھر جن بندوں کو اپنے بندوں میں سے اس مینہ کا پانی پہنچاتا ہے تو وہ خوش وقت
۵۲۸ ہوجاتے ہیں اور ناگہانی طور پر خدا ان کے غم کو خوشی کے ساتھ مبدل کر دیتا ہے اور مینہ
کے اترنے سے پہلے ان کو بباعث نہایت سختی کے کچھ امید باقی نہیں رہتی پھر یکدفعہ
خدائے تعالیٰ ان کی دستگیری فرماتا ہے یعنی ایسے وقت میں بارانِ رحمت نازل ہوتا ہے
جب لوگوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور مینہ برسنے کی کوئی امید باقی نہیں رہتی۔ اور پھر
فرمایا کہ تو خدا کی رحمت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ اور اس کی رحمت کی نشانیوں پر غور کر وہ
کیونکر زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے زندہ کرتا ہے۔ بیشک وہی خدا ہے جس کی یہ بھی
۵۲۹ عادت ہے کہ جب لوگ روحانی طور پر مرجاتے ہیں اور سختی اپنی نہایت کو پہنچ جاتی ہے تو
اسی طرح وہ ان کو بھی زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر اور توانا ہے۔ اسی نے آسمان سے

پانی اتارا پھر ہر یک وادی میں اپنے اپنے اندازہ اور قدر کے موافق بہ نکلا یعنی ہر ایک شخص نے اپنی استعداد کے موافق فائدہ اٹھایا۔ اور پھر فرمایا کہ وہ رسول اس وقت آیا کہ جب جنگل اور دریا میں فساد ظاہر ہوگیا یعنی تمام روئے زمین پر ظلمت اور ضلالت پھیل گئی اور کیا امی لوگ اور کیا اہل کتاب اور اہل علم سب کے سب بگڑ گئے اور کوئی حق پر قائم نہ رہا اور یہ سب فساد اس لئے ہوا کہ لوگوں کے دلوں سے خلوص اور صدق اٹھ گیا اور ان کے اعمال خدا کے لئے نہ رہے بلکہ ان میں بہت سا خلل واقعہ ہوگیا اور وہ سب رو بدنیا ہوگئے اور رو بحق نہ رہے اس لئے امداد الٰہی ان سے منقطع ہوگئی۔ سو خدا نے اپنی
۵۳۰ حجت پوری کرنے کے لئے ان کے لئے اپنا رسول بھیجا تا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھاوے اور تا ایسا ہو کہ وہ رجوع کریں۔ کہہ زمین پر سیر کرو پھر دیکھو کہ جو تم سے پہلے کافر اور سرکش گذر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا اور اکثر ان میں مشرک ہی تھے۔ کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہمارا یہی دستور اور طریق ہے کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی روانہ کردیا کرتے ہیں پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں تا ان کے چار پائے اور خود وہ کھیتی کو کھاویں اور مرنے سے بچ جائیں۔ سو تم کیوں نظر غور سے ملاحظہ نہیں کرتے تا تم اس بات کو سمجھ جاؤ کہ وہ کریم ورحیم خدا کہ جو تم کو جسمانی موت سے بچانے کے لئے شدت قحط اور امساک باراں کے وقت باران رحمت نازل کرتا ہے وہ کیونکر شدت ضلالت کے وقت جو روحانی قحط ہے زندگی کا پانی نازل کرنے سے جو اس کا کلام ہے تم سے دریغ کرے۔ اور پھر فرمایا کہ ہم نے رات اور دن دو نشانیاں بنائی ہیں یعنی انتشارِ
۵۳۱ ضلالت جو رات سے مشابہ ہے اور انتشار ہدایت جو دن سے مشابہ ہے۔ رات جب اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے تو دن کے چڑھنے پر دلالت کرتی ہے اور دن جب اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے تو رات کے آنے کی خبر دیتا ہے۔ سو ہم نے رات کا نشان محو کر کے دن کا نشان رہنما بنایا یعنی جب دن چڑھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے اندھیرا تھا۔ سو

دن کا نشان ایسا روشن ہے کہ رات کی حقیقت بھی اسی سے کھلتی ہے اور رات کا نشان یعنی ضلالت کا زمانہ اس لئے مقرر کیا گیا کہ دن کے نشان یعنی انتشار ہدایت کی خوبی اور زیبائی اسی سے ظاہر ہوتی ہے کیونکہ خوبصورت کا قدر ومنزلت بدصورت سے ہی معلوم ہوتا ہے۔اس لئے حکمت الٰہیہ نے یہی چاہا کہ ظلمت اور نور علیٰ سبیل التبادل دنیا میں دور کرتے رہیں۔ جب نور اپنے کمال کو پہنچ جائے تو ظلمت قدم بڑھاوے اور جب ظلمت اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ جائے تو پھر نور اپنا پیارا چہرہ دکھاوے۔سو استیلا ظلمت کا نور کے ظہور پر ایک دلیل ہے اور استیلا نور کا ظلمت کے آنے کا ایک سبیل ہے ہر کمال را زوالے مثل مشہور ہے۔سو اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ظلمت اپنے ۵۳۲
کمال کو پہنچ گئی اور برّ و بحر ظلمت سے بھر گئے تو ہم نے مطابق اپنے قانون قدیم کے نور کے نشان کو ظاہر کیا تا دانشمند لوگ قادر مطلق کی قدرت نمایاں کو ملاحظہ کر کے اپنے یقین اور معرفت کو زیادہ کریں۔اور پھر بعد اس کے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ الخ اس سورۃ کا حقیقی مطلب جو ایک بھاری صداقت پر مشتمل ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اس قاعدۂ کلی کا بیان فرمانا ہے کہ دنیا میں کب اور کس وقت میں کوئی کتاب اور پیغمبر بھیجا جاتا ہے۔سو وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دلوں پر ایک ایسی غلیظ ظلمت طاری ہو جاتی ہے کہ یکبارگی تمام دل رو بدنیا ہو جاتے ہیں اور پھر رو بدنیا ہونے کی شامت سے ان کے تمام عقائد واعمال وافعال واخلاق وآداب اور نیتوں اور ہمتوں میں اختلال کلی راہ پا جاتا ہے اور محبت الٰہیہ دلوں سے بکلی اٹھ جاتی ہے اور یہ عام وبا ایسا پھیلتا ہے کہ تمام زمانہ پر رات کی طرح اندھیرا چھا جاتا ہے تو ایسے وقت میں یعنی جب وہ اندھیرا اپنے ۵۳۳
کمال کو پہنچ جاتا ہے رحمت الٰہیہ اس طرف متوجہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس اندھیری سے خلاصی بخشے اور جن طریقوں سے ان کی اصلاح قرین مصلحت ہے ان طریقوں کو اپنے کلام میں بیان فرماوے۔سو اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت ممدوحہ میں اشارہ فرمایا کہ

ہم نے قرآن کو ایک ایسی رات میں نازل کیا ہے جس میں بندوں کی اصلاح اور بھلائی کے لئے صراط مستقیم کی کیفیت بیان کرنا اور شریعت اور دین کی حدود کو بتلانا از بس ضروری تھا۔ یعنی جب گمراہی کی تاریکی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ جیسے سخت اندھیری رات ہوتی ہے تو اس وقت رحمت الٰہی اس طرف متوجہ ہوئی کہ اس سخت اندھیری کے اٹھانے کے لئے ایسا قوی نور نازل کیا جائے کہ جو اس اندھیری کو دور کر سکے۔ سو خدا نے قرآن شریف کو نازل کر کے اپنے بندوں کو وہ عظیم الشان نور عطا کیا کہ جو شکوک اور شبہات کی اندھیری کو دور کرتا ہے اور روشنی کو پھیلاتا ہے۔ اس جگہ جاننا چاہیے کہ اس
۵۳۴ باطنی لیلۃ القدر کو ظاہری لیلۃ القدر سے کہ جو عند العوام مشہور ہے کچھ منافات نہیں بلکہ عادت اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ وہ ہر یک کام مناسبت سے کرتا ہے اور حقیقت باطنی کے لئے جو ظاہری صورت مناسب ہو وہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ سو چونکہ لیلۃ القدر کی حقیقت باطنی وہ کمال ضلالت کا وقت ہے جس میں عنایت الٰہیہ اصلاح عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے سو خدائے تعالیٰ نے بغرض تحقق مناسبت اس زمانہ ضلالت کی آخری جز کو جس میں ضلالت اپنے نکتۂ کمال تک پہنچ گئی تھی خارجی طور پر ایک رات میں مقرر کیا اور یہ رات وہ رات تھی جس میں خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کمال ضلالت میں پا کر اپنے پاک کلام کو اپنے نبی پر اتارنا ارادہ فرمایا۔ سو اس جہت سے نہایت درجہ کی برکات اس رات میں پیدا ہو گئی یا یوں کہو کہ قدیم سے اسی ارادۂ قدیم کے رو سے پیدا تھی اور پھر اس خاص رات میں وہ قبولیت اور برکت ہمیشہ کے لئے باقی رہی۔ اور پھر بعد اس کے فرمایا کہ وہ ظلمت کا وقت کہ جو اندھیری رات سے مشابہ تھا جس کی تنویر کے لئے کلام الٰہی کا نور اترا
۵۳۵ اُس میں بباعث نزول قرآن کی ایک رات ہزار مہینہ سے بہتر بنائی گئی۔ اور اگر معقولی طور پر نظر کریں تب بھی ظاہر ہے کہ ضلالت کا زمانہ عبادت اور طاعت الٰہی کے لئے دوسرے زمانہ سے زیادہ تر موجب قربت وثواب ہے۔ پس وہ دوسرے زمانوں سے

زیادہ تر افضل ہے اور اس کی عبادتیں بباعث شدت وصعوبت اپنی قبولیت سے قریب ہیں اور اس زمانہ کے عابد رحمت الٰہی کے زیادہ تر مستحق ہیں۔ کیونکہ سچے عابدوں اور ایمانداروں کا مرتبہ ایسے ہی وقت میں عنداللہ متحقق ہوتا ہے کہ جب تمام زمانہ پر دنیا پرستی کی ظلمت طاری ہو اور سچ کی طرف نظر ڈالنے سے جان جانے کا اندیشہ ہو اور یہ بات خود ظاہر ہے کہ جب دل افسردہ اور مردہ ہو جائیں اور سب کسی کو جیفۂ دنیا ہی پیارا دکھائی دیتا ہو اور ہر طرف اس روحانی موت کی زہرناک ہوا چل رہی ہو اور محبت الٰہیہ یک لخت دلوں سے اٹھ گئی ہو اور روبحق ہونے میں اور وفادار بندہ بننے میں کئی نوع کے ضرر متصور
ہوں نہ کوئی اس راہ کا رفیق نظر آوے اور نہ کوئی اس طریق کا ہمدم ملے بلکہ اس راہ کی ۵۳۶
خواہش کرنے والے پر موت تک پہنچانے والی مصیبتیں دکھائی دیں اور لوگوں کی نظر میں ذلیل اور حقیر ٹھہرتا ہو تو ایسے وقت میں ثابت قدم ہو کر اپنے محبوب حقیقی کی طرف رخ کر لینا اور ناہموار عزیزوں اور دوستوں اور خویشوں اور اقارب کی رفاقت چھوڑ دینا اور غربت اور بےکسی اور تنہائی کی تکلیفوں کو اپنے سر پر قبول کر لینا اور دکھ پانے اور ذلیل ہونے اور مرنے کچھ پرواہ نہ کرنا حقیقت میں ایسا کام ہے کہ بجز اولوالعزم مرسلوں اور نبیوں اور صدیقوں کے جن پر فضل احدیت کی بارشیں ہوتی ہیں اور جو اپنے محبوب کی طرف بلا اختیار کھینچے جاتے ہیں اور کسی سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ اور حقیقت میں ایسے وقت کی ثابت قدمی اور صبر اور عبادت الٰہی کا ثواب بھی وہ ملتا ہے کہ جو کسی دوسرے وقت میں ہرگز نہیں مل سکتا۔ سو اسی جہت سے لیلۃ القدر کے ایسے ہی زمانہ میں بنا ڈالی گئی کہ جس میں بباعث سخت ضلالت کے نیکی پر قائم ہونا کسی بڑے جوانمرد کا کام تھا۔ یہی زمانہ ہے
جس میں جوانمردوں کی قدر و منزلت ظاہر ہوتی ہے اور نامردوں کی ذلت بہ پایہ ثبوت ۵۳۷
پہنچتی ہے۔ یہی پُرظلمت زمانہ ہے جو اندھیری رات کی طرح ایک خوفناک صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو اس طغیانی کی حالت میں کہ جو بڑے ابتلاء کا وقت ہے وہی لوگ

ہلاکت سے بچتے ہیں جن پر عنایات الٰہیہ کا ایک خاص سایہ ہوتا ہے۔ پس انہی موجبات سے خدائے تعالیٰ نے اسی زمانہ کی ایک جز کو جس میں ضلالت کی تاریکی غایت درجہ تک پہنچ چکی تھی لیلۃ القدر مقرر کیا اور پھر بعد اس کے جس سماوی برکات سے اس ضلالت کا تدارک کیا جاتا ہے اس کی کیفیت ظاہر فرمائی اور بیان فرمایا کہ اس ارحم الراحمین کی یوں عادت ہے کہ جب ظلمت اپنے کمال تک پہنچ جاتی ہے اور خط تاریکی کا اپنے انتہائی نقطہ پر جا ٹھہرتا ہے یعنی اس غایت درجہ پر جس کا نام باطنی طور پر لیلۃ القدر ہے تب خداوند تعالیٰ رات کے وقت میں کہ جس کی ظلمت باطنی ظلمت سے مشابہ ہے عالم ظلمانی کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اس کے اذن خاص سے ملائکہ اور روح القدس زمین پر اترتے ہیں اور خلق اللہ کی اصلاح کے لئے خدائے تعالیٰ کا نبی ظہور فرماتا ہے۔ تب وہ نبی آسمانی نور
٥٣٨ پا کر خلق اللہ کو ظلمت سے باہر نکالتا ہے اور جب تک وہ نور اپنے کمال تک نہ پہنچ جائے تب تک ترقی پر ترقی کرتا جاتا ہے اور اسی قانون کے مطابق وہ اولیاء بھی پیدا ہوتے ہیں کہ جو ارشاد اور ہدایتِ خلق کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ انبیاء کے وارث ہیں سو ان کے نقش قدم پر چلائے جاتے ہیں۔ اب جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ نے اس بات کو بڑے پُرزور الفاظ سے قرآن شریف میں بیان کیا ہے کہ دنیا کی حالت میں قدیم سے ایک مدوجزر واقعہ ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے جو فرمایا ہے: تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ (آل عمران: ۲۷) یعنی اے خدا کبھی تو رات کو دن میں اور کبھی دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی ضلالت کے غلبہ پر ہدایت اور ہدایت کے غلبہ پر ضلالت کو پیدا کرتا ہے۔ اور حقیقت اس مدوجزر کی یہ ہے کہ کبھی بامر اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں میں ایک صورت انقباض اور محجوبیت کے پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی آرائشیں ان کو عزیز معلوم ہونے لگتی ہیں اور تمام ہمتیں ان کی اپنی دنیا کے درست کرنے میں اور اس کے
٥٣٩ عیش حاصل کرنے کی طرف مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ ظلمت کا زمانہ ہے جس کے انتہائی

نقطہ کی رات لیلۃ القدر کہلاتی ہے اور وہ لیلۃ القدر ہمیشہ آتی ہے۔ مگر کامل طور پر اس وقت آئی تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا دن آ پہنچا تھا۔ کیونکہ اس وقت تمام دنیا پر ایسی کامل گمراہی کی تاریکی پھیل چکی تھی جس کی مانند کبھی نہیں پھیلی تھی اور نہ آئندہ کبھی پھیلے گی جب تک قیامت نہ آوے۔ غرض جب ظلمت اپنے اس انتہائی نقطہ تک پہنچ جاتی ہے کہ جو اس کے لئے مقدر ہے تو عنایت الٰہیہ تنویر عالم کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور کوئی صاحب نور دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ اور جب وہ آتا ہے تو اس کی طرف مستعد روحیں کھینچی چلی آتی ہے اور پاک فطرتیں خود بخود روبحق ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور جیسا کہ ہرگز ممکن نہیں کہ شمع کے روشن ہونے سے پروانہ اس طرف رخ نہ کرے، ایسا ہی یہ بھی غیر ممکن ہے کہ بروقت ظہور کسی صاحب نور کے صاحب فطرت سلیمہ کا اس کی طرف بارادت متوجہ نہ ہو۔ ان آیات میں جو خدائے تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے جو بنیاد دعویٰ ہے
۵۴۰ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت ایک ایسی ظلمانی حالت پر
زمانہ آ چکا تھا کہ جو آفتاب صداقت کے ظاہر ہونے کے متقاضی تھے۔ اسی جہت سے خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے رسول کا بار بار یہی کام بیان کیا ہے کہ اس نے زمانہ کو سخت ظلمت میں پایا اور پھر ظلمت سے ان کو باہر نکالا جیسا کہ وہ فرماتا ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ (الجز و نمبر ۱۳ سورۂ ابراہیم) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الجز و نمبر ۳) هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الجز و نمبر ۲۲) قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (الجز و نمبر ۶ سورۂ مائدہ: ۱۵، ۱۶) قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ﴿۱۰﴾ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (الطلاق: ۱۰، ۱۱، الجزو نمبر ۲۸)
یعنی یہ ہماری کتاب ہے جس کو ہم نے تیرے پر اس غرض سے نازل کیا ہے کہ تا تو لوگوں
۵۴۱ کو کہ جو ظلمت میں پڑے ہوئے ہیں نور کی طرف نکالے سو خدا نے اس زمانہ کا نام ظلمانی
زمانہ رکھا اور پھر فرمایا کہ خدا مومنوں کا کارساز ہے، ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکال
رہا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا اور اس کے فرشتے مومنوں پر درود بھیجتے ہیں تا خدا ان کو
ظلمت سے نور کی طرف نکالے۔ اور پھر فرمایا کہ ظلمانی زمانہ کے تدارک کے لئے خدائے
تعالیٰ کی طرف سے نور آتا ہے۔ وہ نور اس کا رسول اور اس کی کتاب ہے خدا اس نور سے
ان لوگوں کو راہ دکھلاتا ہے کہ جو اس کی خوشنودی کے خواہاں ہیں۔ سو ان کو خدا ظلمات سے
نور کی طرف نکالتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدا نے اپنی
کتاب اور اپنا رسول بھیجا وہ تم پر کلام الٰہی پڑھتا ہے تا وہ ایمانداروں اور نیک کرداروں
کو ظلمات سے نور کی طرف نکالے۔ پس خدائے تعالیٰ نے ان تمام آیات میں کھلا کھلی
بیان فرما دیا کہ جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے اور قرآن شریف نازل کیا گیا اس
زمانہ پر ضلالت اور گمراہی کی ظلمت طاری ہو رہی تھی اور کوئی ایسی قوم نہیں تھی کہ جو اس
ظلمت سے بچی ہوئی ہو۔ پھر بقیہ ترجمہ آیاتِ ممدوحہ بالا کا یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا
۵۴۲ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے کہ تمہاری حالت معصیت اور ضلالت پر
شاہد ہے اور یہ رسول اُسی رسول کی مانند ہے کہ جو فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا اور ہم نے
اس کلام کو ضرورت حقہ کے ساتھ اتارا ہے اور ضرورت حقہ کے ساتھ یہ اترا ہے۔ یعنی یہ
کلام فی حد ذاتہ حق اور راست ہے اور اس کا آنا بھی حقاً و ضرورتاً ہے۔ یہ نہیں کہ فضول اور
بے فائدہ اور بے وقت نازل ہوا ہے۔ اے اہل کتاب تمہارے پاس ایسے وقت میں
ہمارا رسول آیا ہے کہ جبکہ ایک مدت سے رسولوں کا آنا منقطع ہو رہا تھا سو وہ رسول فترت
کے زمانہ میں آ کر تم کو وہ راہ راست بتلاتا ہے جس کو تم بھول گئے تھے تا تم یہ نہ کہو کہ ہم

یونہی گمراہ رہے اور خدا کی طرف سے کوئی بشیر و نذیر نہ آیا جو ہم کو متنبہ کرتا ۔ سو اب سمجھو
کہ وہ بشیر و نذیر جس کی ضرورت تھی آ گیا اور خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اس نے تم کو گمراہ
۵۴۳ پا کر اپنا کلام اور رسول بھیج دیا اور تم آگ کے گڑھے کے کنارہ تک پہنچ چکے تھے سو خدا
نے تم کو اے ایماندارو نجات دی ۔ اسی طرح وہ اپنے نشان کو بیان فرماتا ہے تا تم ہدایت
پا جاؤ اور تا عذاب کے نازل ہونے پر گمراہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اے خدا تو نے قبل از
عذاب اپنا رسول کیوں نہ بھیجا تا ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور مومن بن جاتے ۔
اور اگر خدا صالح لوگوں کے ذریعہ سے گمراہوں کا تدارک نہ فرماتا اور بعض کو بعض سے
دفع نہ کرتا تو زمین بگڑ جاتی ۔ پر یہ خدا کا فضل ہے کہ وہ گمراہی کے پھیلنے کے وقت اپنی
طرف سے ہادی بھیجتا ہے کیونکہ تفضّل اور احسان اس کی عادت ہے ۔ اور تجھ کو ہم نے
اس لئے بھیجا ہے کہ تمام عالم پر نظر رحمت کریں اور نجات کا راستہ ان پر کھول دیں اور تا تو
لوگوں کو کہ غفلت کی حالت میں پڑے ہوئے ہیں حق کی طرف توجہ دلاوے اور ان کو
۵۴۴ خبردار کرے ۔ کیا تو یہ خیال کرتا ہے کہ اکثر لوگ ان میں سے سنتے اور سمجھتے ہیں ۔ نہیں یہ
تو چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ۔ اور اگر خدا ان لوگوں سے ان کے
گناہوں کا مؤاخذہ کرتا تو زمین پر ایک بھی زندہ نہ چھوڑتا اور خدا وہ ذات کریم و رحیم
ہے کہ جو بارش سے پہلے ہواؤں کو چھوڑتا ہے پھر ہم ایک پاک پانی آسمان سے اتارتے
ہیں تا اس سے مری ہوئی بستی کو زندہ کریں اور پھر بہت سے آدمیوں اور ان کے
چارپایوں کو پانی پلاویں اور ہم پھیر پھیر کر مثالیں بتلاتے ہیں تا لوگ یاد کر لیں کہ نبیوں
کے بھیجنے کا یہی اصول ہے اور اگر ہم چاہتے تو ہر ایک بستی کے لئے جدا جدا رسول بھیجتے مگر
یہ اس لئے کیا گیا کہ تا تجھ سے بھاری کوششیں ظہور میں آویں ۔ یعنی جب ایک مرد
ہزاروں کا کام کرے گا تو بلاشبہ وہ بڑا اجر پائے گا اور یہ امر اس کی افضلیت کا موجب
۵۴۵ ہوگا ۔ سو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور سب رسولوں سے بہتر اور بزرگ تر تھے

اور خدائے تعالیٰ کو منظور تھا کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی جوہر کے رو سے فی الواقعہ سب انبیاء کے سردار ہیں ایسا ہی ظاہری خدمات کے رو سے بھی ان کا سب سے فائق اور برتر ہونا دنیا پر ظاہر اور روشن ہو جائے۔ اس لئے خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو کافہ بنی آدم کے لئے عام رکھا تا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محنتیں اور کوششیں عام طور پر ظہور میں آویں۔ موسیٰ اور ابن مریم کی طرح ایک خاص قوم سے مخصوص نہ ہوں۔ اور تا ہر ایک طرف سے اور ہر ایک گروہ اور قوم سے تکالیف شاقہ اٹھا کر اس اجر عظیم کے مستحق
ٹھہر جائیں کہ جو دوسرے نبیوں کو نہیں ملے گا۔ اور پھر فرمایا کہ خدا وہ ہے کہ جو رات کے ۵۴۶
بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے تا جس نے یاد کرنا ہو وہ یاد کرے یا شکر کرنا ہو تو شکر کرے۔ یعنی دن کے بعد رات کے آنا اور رات کے بعد دن کا آنا اس بات پر ایک نشان ہے کہ جیسے ہدایت کے بعد ضلالت اور غفلت کا زمانہ آجاتا ہے ایسا ہی خدا کے طرف سے یہ بھی مقرر ہے کہ ضلالت اور غفلت کے بعد ہدایت کا زمانہ آتا ہے اور پھر فرمایا کہ خدا وہ ذات قادر مطلق ہے جس نے بشر کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا پھر اس کے لئے نسل اور رشتہ مقرر کر دیا اسی طرح وہ انسان کی روحانی پیدائش پر بھی قادر تھا۔ یعنی اس کا قانون قدرت روحانی پیدائش میں بعینہٖ جسمانی پیدائش کی طرح ہے کہ اول وہ ضلالت کے وقت میں کہ جو عدم کا حکم رکھتا ہے کسی انسان کو روحانی طور پر اپنے ہاتھ
سے پیدا کرتا ہے اور پھر اس کے متبعین کو کہ جو اس کی ذریت کا حکم رکھتے ہیں بہ برکت ۵۴۷
متابعت اس کی کے روحانی زندگی عطا فرماتا ہے۔ سو تمام مرسل روحانی آدم ہیں اور ان کی امت کے نیک لوگ ان کی روحانی نسلیں ہیں اور روحانی اور جسمانی سلسلہ بالکل آپس میں تطابق رکھتا ہے اور خدا کے ظاہری اور باطنی قوانین میں کسی نوع کا اختلاف نہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کیا تو خدا کی طرف دیکھتا نہیں کہ وہ کیونکر سایہ کو لمبا کھینچتا ہے یہاں تک کہ تمام زمین پر تاریکی ہی دکھائی دیتی ہے اور اگر وہ چاہتا تو ہمیشہ تاریکی رکھتا اور کبھی

روشنی نہ ہوتی۔ لیکن ہم آفتاب کو اس لئے نکالتے ہیں کہ تا اس بات پر دلیل قائم ہو کہ اس
سے پہلے تاریکی تھی یعنی تا بذریعہ روشنی کے تاریکی کا وجود شناخت کیا جائے۔ کیونکہ ضد
کے ذریعہ سے ضد کا پہچاننا بہت آسان ہو جاتا ہے اور روشنی کا قدر و منزلت اسی پر کھلتا ہے ۵۴۸
کہ جو تاریکی کے وجود پر علم رکھتا ہو۔ اور پھر فرمایا کہ ہم تاریکی کو روشنی کے ذریعہ سے
تھوڑا تھوڑا دور کرتے جاتے ہیں تا اندھیرے میں بیٹھنے والے اس روشنی سے آہستہ
آہستہ منتفع ہو جائیں اور جو یکدفعی انتقال میں حیرت و وحشت متصور ہے۔ وہ بھی نہ ہو
سو اسی طرح جب دنیا پر روحانی تاریکی طاری ہوتی ہے تو خلقت کو روشنی سے منتفع کرنے
کے لئے اور نیز روشنی اور تاریکی میں جو فرق ہے وہ فرق ظاہر کرنے کے لئے خدائے
تعالیٰ کی طرف سے آفتاب صداقت نکلتا ہے اور پھر وہ آہستہ آہستہ دنیا پر طلوع کرتا
جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ کا یہ قانون قدرت ہے کہ جب زمین مر جاتی ہے
تو وہ نئے سرے زمین کو زندہ کرتا ہے۔ ہم نے کھول کر یہ نشان بتلائے ہیں تا ہو کہ لوگ ۵۴۹
سوچیں اور سمجھیں۔

ان آیات میں خدائے تعالیٰ نے قرآن شریف کی ضرورت نزول کی اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ قرآن شریف ایسے وقت میں آیا ہے کہ جب تمام امتوں نے اصول حقہ کو چھوڑ دیا تھا اور کوئی دین روئے زمین پر ایسا نہ تھا کہ جو خداشناسی اور پاک اعتقادی اور نیک عملی پر قائم اور بحال ہوتا بلکہ سارے دین بگڑ گئے تھے اور ہر یک مذہب میں طرح طرح کا فساد دخل کر گیا تھا اور خود لوگوں کے طبائع میں دنیا پرستی کی محبت اس قدر بھر گئی تھی کہ بجز دنیا اور دنیا کے ناموں اور دنیا کے آراموں اور دنیا کی عزتوں اور دنیا کی راحتوں اور دنیا کے مال و متاع کے اور کچھ ان کا مقصد نہیں
رہا تھا اور خدائے تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذوق اور شوق سے بکلی بے بہرہ اور بے نصیب ہو گئے ۵۵۰
تھے اور رسوم اور عادت کو مذہب سمجھا گیا تھا۔ پس خدا نے جس کا یہ قانون قدرت ہے کہ وہ شدتوں اور صعوبتوں کے وقت اپنے عاجز بندوں کی خبر لیتا ہے اور جب کسی سختی سے جیسے امساک باراں وغیرہ

سے اس کے بندے قریب ہلاکت کے ہوجاتے ہیں باران رحمت سے ان کی مشکل کشائی کرتا ہے، نہ چاہا کہ خلق اللہ ایسی بلا میں مبتلا رہے جس کا نتیجہ ہلاکت دائمی اور ابدی ہے۔ سو اس نے بہ تعمیل اپنے قانون قدیم کے کہ جو جسمانی اور روحانی طور پر ابتدا سے چلا آتا ہے قرآن شریف کو خلق اللہ کی اصلاح کے لئے نازل کیا۔ اور ضرور تھا کہ ایسے وقت میں قرآن شریف نازل ہوتا کیونکہ اس پرظلمت زمانہ کی
۵۵۱ حالت موجودہ کو ایسی عظیم الشان کتاب اور ایسے عظیم الشان رسول کی حاجت تھی اور ضرورت حقہ اس بات کی متقاضی ہو رہی تھی کہ اس تاریکی کے وقت میں جو تمام دنیا پر چھا گئی تھی اور اپنے انتہائی درجہ تک پہنچ چکی تھی آفتاب صداقت کا طلوع کرے کیونکہ بجز طلوع اس آفتاب کے ہرگز ممکن نہ تھا کہ ایسی اندھیری رات خود بخود روز روشن کی صورت پکڑ جائے اور اسی کی طرف ایک دوسرے مقام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣ (البینۃ: ۱ تا ۳) یعنی جو لوگ اہل کتاب اور مشرکین میں سے کافر ہو گئے ان کا راہ راست پر آنا بجز اس کے ہرگز ممکن نہ تھا کہ ان کی طرف ایسا عظیم الشان نبی بھیجا جاوے جو ایسی عظیم الشان کتاب لایا ہے کہ جو سب الٰہی کتابوں کے معارف اور صداقتوں پر محیط اور ہر ایک غلطی اور نقصان سے پاک اور منزہ
۵۵۲ ہے۔ اب اس دلیل کا ثبوت دو مقدموں کے ثبوت پر موقوف ہے۔ اوّل یہ کہ خدائے تعالیٰ کا یہی قانون قدیم ہے کہ وہ جسمانی یا روحانی حاجتوں کے وقت مدد فرماتا ہے یعنی جسمانی صعوبتوں کے وقت بارش وغیرہ سے اور روحانی صعوبتوں کے وقت اپنا شفا بخش کلام نازل کرنے سے عاجز بندوں کی دستگیری کرتا ہے۔

سو یہ مقدمہ بدیہی الصداقت ہے کیونکہ کسی عاقل کو اس سے انکار نہیں کہ یہ دونوں سلسلے روحانی اور جسمانی اسی وجہ سے اب تک صحیح وسالم چلے آتے ہیں کہ خداوند کریم نیست و نابود ہونے سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ مثلاً اگر خدائے تعالیٰ جسمانی سلسلہ کی حفاظت نہ کرتا اور سخت سخت قحطوں کے وقت میں باران رحمت سے دستگیری نہ فرماتا تو بالآخر نتیجہ اس کا یہی ہوتا کہ لوگ پہلی فصلوں کی جس

۵۵۳ قدر پیداوار تھی سب کی سب کھا لیتے اور پھر آگے اناج کے نہ ہونے سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے اور نوع انسان کا خاتمہ ہو جاتا۔ یا اگر خدائے تعالیٰ عین وقتوں پر رات اور دن اور سورج اور چاند اور ہوا اور بادل کو خدمات مقررہ میں نہ لگاتا تو تمام سلسلہ عالم کا درہم برہم ہو جاتا۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے آپ اشارہ فرما کر کہا ہے: اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنۡ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخۡتِمۡ عَلٰی قَلۡبِکَ ؕ وَ یَمۡحُ اللّٰہُ الۡبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الۡحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۲۴﴾ (الشوریٰ:۲۴) وَ ہُوَ الَّذِیۡ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا قَنَطُوۡا وَ یَنۡشُرُ رَحۡمَتَہٗ ؕ وَ ہُوَ الۡوَلِیُّ الۡحَمِیۡدُ ﴿۲۸﴾ (الشوریٰ:۲۸) یعنی کیا یہ منکر لوگ کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں اور خدا پر جھوٹ باندھا ہے۔ اگر خدا چاہے تو اس کا اترنا بند کر دے پر وہ بند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کی عادت اسی پر جاری ہے کہ وہ احقاق حق اور ابطال باطل اپنے کلمات

۵۵۴ سے کرتا ہے اور یہ منصب اسی کو پہنچتا ہے کیونکہ امراض روحانی پر اسی کو اطلاع ہے اور ازالۂ مرض اور استرداد صحت پر وہی قادر ہے۔ پھر بعد اس کے بطور استدلال کے فرمایا کہ اللہ وہ ذات کامل الرحمت ہے کہ اس کا قدیم سے یہی قانون قدرت ہے کہ اس تنگ حالت میں وہ ضرور مینہ برساتا ہے کہ جب لوگ ناامید ہو چکتے ہیں۔ پھر زمین پر اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہی کارساز حقیقی اور ظاہراً و باطناً قابل تعریف ہے۔ یعنی جب سختی اپنی نہایت کو پہنچ جاتی ہے اور کوئی صورت مخلصی کی نظر نہیں آتی تو اس صورت میں اس کا یہی قانون قدیم ہے کہ وہ ضرور عاجز بندوں کی خبر لیتا ہے اور ان کو ہلاکت سے بچاتا ہے اور جیسے وہ جسمانی سختی کے وقت رحم فرماتا ہے اسی طرح جب روحانی سختی یعنی ضلالت اور گمراہی اپنی حد کو پہنچ جاتی ہے اور لوگ راہ راست پر قائم نہیں رہتے تو اس حالت میں بھی وہ ضرور اپنی طرف

۵۵۵ سے کسی کو مشرف بہ وحی کر کے اور اپنے نور خاص کی روشنی عطا فرما کر ضلالت کی مہلک تاریکی کو اس کے ذریعہ سے اٹھاتا ہے۔ اور چونکہ جسمانی رحمتیں عام لوگوں کی نگاہ میں ایک واضح امر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیت ممدوحہ میں اول ضرورت فرقان مجید کی نازل ہونے کی بیان کر کے پھر بطور توضیح جسمانی قانون کا حوالہ دیا تا دانشمند آدمی جسمانی قانون کو دیکھ کر کہ ایک واضح اور بدیہی امر ہے خدائے تعالیٰ کے روحانی قانون کو بآسانی سمجھ سکے۔ اور اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ جو لوگ بعض

کتابوں کا منزل من اللہ ہونا مانتے ہیں ان کو تو خود اقرار کرنا پڑتا ہے کہ وہ کتابیں ایسے وقتوں میں ۵۵۶
نازل ہوئی ہیں کہ جب ان کے نزول کی ضرورت تھی پس اسی اقرار کے ضمن میں ان کو یہ دوسرا اقرار
کرنا بھی لازم آیا کہ ضرورت کے وقتوں میں کتابوں کا نازل کرنا خدائے تعالیٰ کی عادت ہے لیکن
ایسے لوگ کہ جو ضرورت کتب الٰہیہ سے منکر ہیں، جیسے برہموسماج والے سو ان کے ملزم کرنے کے لئے
اگر چہ بہت کچھ ہم لکھ چکے ہیں لیکن اگر ان میں ایک ذرا انصاف ہو تو ان کو وہی ایک دلیل کافی ہے کہ
جو اللہ تعالیٰ نے آیات گذشتہ بالا میں آپ بیان فرمائی ہے۔ کیونکہ جس حالت میں وہ لوگ مانتے ہیں ۵۵۷
کہ حیات ظاہری کا تمام انتظام خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہی اپنی آسمانی روشنی اور بارانی
پانی کے ذریعہ سے دنیا کو تاریکی اور ہلاکت سے بچاتا ہے تو پھر وہ اس اقرار سے کہاں بھاگ سکتے ہیں
کہ حیات باطنی کے وسائل بھی آسمان ہی سے نازل ہوتے ہیں اور خود یہ نہایت کوتہ اندیشی اور قلت
معرفت ہے کہ ناپائیدار حیات کا اہتمام تصرف خاص الٰہی کے تسلیم کرلیا جاوے لیکن جو حقیقی حیات اور
لازوال زندگی ہے یعنی معرفت الٰہی اور نور باطنی یہ صرف اپنی ہی عقلوں کا نتیجہ قرار دیا جائے۔ کیا وہ
خدا جس نے جسمانی سلسلہ برپا رکھنے کے لئے اپنی الوہیت کی قوی طاقتوں کو ظاہر کیا ہے اور بغیر وسیلہ ۵۵۸
انسانی ہاتھوں کے زبردست قدرتیں دکھائی ہیں وہ روحانی طور پر اپنی طاقت ظاہر کرنے کے وقت
ضعیف اور کمزور خیال کیا جاسکتا ہے۔ کیا ایسا خیال کرنے سے وہ کامل رہ سکتا ہے یا اس کی روحانی
طاقتوں کا ثبوت میسر آسکتا ہے۔ حقیقی تسلی جس کی بنیاد ایک محکم یقین پر ہونی چاہیے صرف قیاسی
خیالات سے ممکن نہیں بلکہ خیالات قیاسی کی بڑی سے بڑی ترقی ظن غالب تک ہے۔ اور وہ بھی اس
حالت میں کہ جب قیاس انکار کی طرف جھک نہ جائے۔ غرض عقلی وجوہ بالکل غیر تسلی بخش اور آخری حد
عرفان سے پیچھے رہے ہوئے ہیں اور ان کی اعلیٰ سے اعلیٰ پہنچ صرف ظاہری اٹکلوں تک ہے جن سے ۵۵۹
روح کو حقیقی انشراح اور عرفان حاصل نہیں ہوتا اور اندرونی آلائشوں سے پاکیزگی میسر نہیں آتی بلکہ
ایسا انسان فقط سفلی خیالات کا بندہ بن کر مقامات حریری کے ابوزید کی طرح اپنے علوم وفنون کو مکر و
فریب کا آلہ بناتا ہے اور سب لسانی اور خوش بیانی اس کی دام تزویر ہی ہوتی ہے۔ کیا انسان کی کمزور

عقل اپنی تنہائی کی حالت میں اس کو اس مجلس سے نکال سکتی ہے کہ جو جذبات نفس اور جہل اور غفلت کی وجہ سے اس کے نصیب ہو رہا ہے۔ کیا انسانی خیالات میں کوئی ایسی طاقت بھی موجود ہے کہ خدائے تعالیٰ کے علم اور قوت سے برابر ہو سکے۔ کیا خدا کے پاک انوار جو جو روح پر اثر ڈال سکتے ہیں اور عمیق شکوک سے نجات بخش سکتے ہیں یہ بات خدا کے غیر کو بھی حاصل ہے۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ایسے دھوکے ان لوگوں کو لگے ہوئے ہیں جنہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ ہماری حقیقی نجات کس درجہ عرفان پر

۵۶۰ موقوف ہے اور طاقت الٰہی ہمارے روح پر کہاں تک کام کر سکتی ہے اور خدا کے بغایت فضل سے کس درجہ قربت اور شناخت پر ہم پہنچ سکتے ہیں اور وہ کس درجہ تک ہمارے آگے سے حجاب اٹھا سکتا ہے۔ ان کی معرفت صرف ناکارہ وہموں تک ختم ہے اور جو معرفت یقینی اور قطعی اور انسان کی نجات کے لئے ازبس ضروری ہے وہ ان کی عقل عجیب کے نزدیک محال اور ممتنع ہے۔ لیکن جاننا چاہیے کہ یہ ان کی سخت غلطی ہے کہ جو عقلی خیالات پر قناعت کر رہے ہیں۔ حقانی معرفت کی راہ میں بے شمار راز ہیں جن کو انسان کی کمزور اور دود آمیز عقل دریافت نہیں کر سکتی اور قیاسی طاقت بباعث اپنی نہایت ضعف کی الوہیت کے بلند اسرار تک ہرگز پہنچ نہیں سکتی۔ سو اُس بلندی تک پہنچنے کے لئے بجز خدا کے عالی کلام کے اور کوئی زینہ نہیں۔ جو شخص دلی سچائی سے خدا کا طالب ہے اس کو اسی زینہ کی حاجت پڑتی ہے اور

۵۶۱ تاوقتیکہ وہ محکم اور بلند زینہ اپنی ترقیات کا ذریعہ نہ ٹھہرایا جاوے تب تک انسان حقانی معرفت کے بلند مینار تک ہرگز پہنچ نہیں سکتا۔ بلکہ ایسے تاریک اور پرظلمت خیالات میں گرفتار رہتا ہے کہ جو غیر تسلی بخش اور بعید از حقیقت ہیں اور بباعث فقدان اس حقانی معرفت کے اس کے سب معلومات بھی ناقص

۵۶۲ اور ادھورے رہتے ہیں۔ اور جیسی سوئی بغیر دھاگہ کے نکمّی اور ناکارہ ہے اور کوئی کام سینے کا اس سے انجام پذیر نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح عقلی فلسفہ بغیر تائید خدا کی کلام کے نہایت متزلزل اور غیر مستحکم اور بے ثبات اور بے بنیاد ہے۔

پائے استدلالیاں چوبین بود پائے چوبین سخت بے تمکین بود

ہم اور ہماری کتاب

ابتدا میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور صورت تھی۔ پھر بعد اس کے قدرت الٰہیہ کی ناگہانی تجلّی نے اس احقر العباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی۔ یعنی یہ عاجز بھی حضرت ابن عمران کی طرح اپنے خیالات کی شب تاریک میں سفر کر رہا تھا کہ ایک دفعہ پردہ غیب سے اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ (طٰہٰ: ۱۲) کی آواز آئی اور ایسے اسرار ظاہر ہوئے جن تک عقل اور خیال کی رسائی نہ تھی۔ سو اب اس کتاب کا متولی اور مہتمم ظاہراً و باطناً حضرت ربّ العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ و مقدار تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جس قدر اس نے جلد چہارم تک انوار حقیت اسلام کے ظاہر کیے ہیں یہ بھی اتمام حجت کے لیے کافی ہیں اور اس کے فضل و کرم سے امید کی جاتی ہے کہ وہ جب تک شکوک اور شبہات کی ظلمت کو بکلّی دور نہ کرے اپنی تائیدات غیبیہ سے مددگار رہے گا۔ اگرچہ اس عاجز کو اپنی زندگی کا کچھ اعتبار نہیں لیکن اس سے نہایت خوشی ہے کہ وہ حیّ و قیوم کہ جو فنا اور موت سے پاک ہے ہمیشہ تا قیامت دین اسلام کی نصرت میں ہے اور جناب **خاتم الانبیاء** صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ ایسا اس کا فضل ہے کہ جو اس سے پہلے کسی نبی پر نہیں ہوا۔ اس جگہ ان نیک دل ایمانداروں کا شکر کرنا لازم ہے جنہوں نے اس کتاب کے طبع ہونے کے لیے آج تک مدد دی ہے۔ خدا تعالیٰ ان سب پر رحم کرے اور جیسا انہوں نے اس کے دین کی حمایت میں اپنی دلی محبت سے ہر یک دقیقہ کوشش کے بجالانے میں زور لگایا ہے خداوند کریم ایسا ہی ان پر فضل کرے۔ بعض صاحبوں نے اس کتاب کو محض خرید و فروخت کا ایک معاملہ سمجھا ہے اور بعض کے سینوں کو خدا نے کھول دیا اور صدق اور ارادت کو ان کے دلوں میں قائم کر دیا ہے۔ لیکن مؤخر الذکر ہنوز وہی لوگ ہیں کہ جو استطاعت مالی بہت کم رکھتے ہیں اور سنت اللہ اپنے پاک نبیوں سے بھی یہی رہی ہے کہ اوّل اوّل ضعفاء اور مساکین ہی رجوع کرتے رہے ہیں۔ اگر حضرت احدیت کا ارادہ ہے تو کسی ذی مقدرت کے دل کو بھی اس کام کے انجام دینے کے لیے کھول دے گا۔ وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔